قرآنِ حکیم

حُسنِ تفسیر

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

سورۂ بقرہ ۲
(آیات ۱-۳۹)

جلد دوم

Marfat.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

قرآنِ حکیم

حسنِ تفسیر

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

جلد دوم

سورۂ بقرہ ۲
(آیات ۱-۳۹)

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی ۔ کراچی

Marfat.com

جُملہ حقُوق محفُوظ ہیں

© فیروز سنز لاہور

بار اوّل ———— ۱۹۹۴ء

مطبع ——— فیروز سنز لاہور

مجلّد ——— 969 0 01146 4

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الزمر ۳۹ : ۵۵):

اور (میرے بندو!) تم اِس کامل ترین حُسنِ کلامِ آخر (کے احکام و تعلیمات) کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار و مالک کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب ٹوٹ پڑے اور تمہیں اس کا سان گمان بھی نہ ہو۔

حُسنِ تفسیر

سورۂ بقرہ ۲

جلد دوم

(آیات ۱-۳۹)

ربِّ رحمٰن کے حُسنِ کلامِ آخر — قرآنِ مجید کی تفسیرِ کبیر
اس کی اپنی
احسن و اکمل تفسیر کی روشنی میں

مشاہیر ائمۂ لُغت کی لُغوی تشریحات اور قرآنِ حکیم کی اپنی اصطلاحات کی تشریحات کے ساتھ

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

مُستند سیرت نگار، مخلص تلمیذ القرآن، مفکّر و حکیم
سابق وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

۱۵۰/-

Marfat.com

Marfat.com

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ○

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حرفِ اوّل و آخر	۱۵
	انسان کی تکمیلِ ذات اور غایت الغایات	
	سیاسی آزادی و اختیار نظامِ صلوٰۃ کے قیام کی پیش شرط ہے	۲۲
	دینِ اسلام کا اصل الاُصول	۲۶
	علم کے حکیمانہ پہلو	۳۲
	سرطانی امراض و شرور : کُفر۔ شرک۔ نفاق۔ تکذیب دین وحق عہد شکنی۔ کُفرانِ نعمت یا ناسپاسی جنسیت۔ تکاثُر یا سرمایہ داری۔ بُخل	۳۳
	حواشی	۴۳
	سُورۃ البقرۃ	۴۸
۲	آیات ۱ تا ۲	۴۸
	ترجمہ	۴۸
	تفسیری ترجمہ	۴۹
	تفسیر	۵۰
	ہدایت اور قلب	۶۰
	ہدایت کا اصل الاُصول	۶۳
	موضوعی ہدایت	۶۵
	عقلِ سلیم۔	۶۶
	نفسی ہدایت	۶۷
	معروضی ہدایت	۶۸
	حُسنِ کلامِ آخر۔ قُرآنِ مجید کیا ہے؟	۶۸
	آیاتی ہدایت	۶۹
	سیرتی ہدایت	۷۰
	ہدایت کا صیرفی جہاد ہے	۷۴
	ہدایت صراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی اور اُس پر چلنے سے عبارت ہے	۷۶
	ہدایتِ فطری	۷۸
	ایمان باللہ اور ہدایتِ قلبی لازم ملزوم ہیں	۷۹
	صیرفیِ ہدایت و ضلالت	۸۰
	ہدایت کے ثمرات	۸۲
	ہدایت پانے والے اور ہدایت سے محروم رہنے والے	۸۲
	ہدایت پانے کا منہاج اب قُرآنِ مجید ہے	۸۸
۳	**الفاظ و اصطلاحات کی تحقیق و تشریح**	۸۹
	★ الف۔ لام۔ میم	۸۹
	★ ذٰلِكَ	۹۱
	★ کتٰب	۹۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	★ ریب	۹۶			
	★ ھدی	۹۹		اَنفاق بالعفو اور تقدیر کا مسئلہ	۱۳۷
	★ فی	۱۰۲		اُصولِ عدل و اِحسان	۱۴۲
	★ وقی (تقویٰ)	۱۰۵		تفسیر آیات ۴ تا ۵	۱۴۷
	تقویٰ کی حقیقت بزبانِ قُرآنِ حکیم	۱۰۶		اِیمان بالآخرۃ	۱۵۱
	عبادت کی غایت اِحیائے تقویٰ ہے	۱۰۸		فلسفۂ فلاح	۱۵۳
	حواشی	۱۱۰		فلاح پانے والوں کا بیان	۱۵۴
				تزکیۂ قلب ونفس، ذکرِ ربّ، عاشق اور	۱۵۵
۴	آیات ۳ تا ۵	۱۱۸		عبادتِ اِلٰہی بھی فوز و فلاح کے ذرائع ہیں	
	ترجمہ	۱۱۸		فلاح کا ایک ذریعہ حقداروں کے حق کی	
	تفسیری ترجمہ	۱۱۸		ادائیگی ہے	
	تفسیر آیہ نمبر ۳	۱۱۹		حُسنِ عمل، حسنہ اور اِحسان کرنے والے	۱۵۸
	اِیمان بالغیب اور مُنکرینِ غیب کا	۱۲۳		حزب اللہ ہی فلاح پانے والے ہیں	۱۵۹
	تقابلی جائزہ			وہ جو نفس کے بُخل و حرص سے محفوظ رہے	۱۵۹
	اِقامتِ صلوٰۃ اور اِقامتِ دین۔	۱۲۴		توبہ، اِیمان اور عملِ صالح ذریعۂ فلاح ہیں	۱۶۰
	اِقامتِ صلوٰۃ اور ذکرِ اِلٰہی	۱۲۵		فلاح پانے کے دیگر ذرائع :	۱۶۰
	اَنفاق اور عشقِ اِلٰہی	۱۲۶		★ سُود خوری سے بچنا اور تقویٰ اِختیار کرنا	۱۶۰
	اَنفاق کے بغیر احسان و حسنہ کے مقام پر	۱۲۷		★ صبر، مصابرہ، رابطہ اور تقوائے اِلٰہی	۱۶۱
	پہنچنا ناممکن ہے			★ منشّیات خوری و فروشی، قماربازی وغیرہ	۱۶۲
	فلسفہِ العَفو	۱۲۸		سے گریزاں رہنا	
	توحیدِ رُبُوبیّت	۱۲۹		★ خبیث چیزوں سے اِجتناب	۱۶۳
	زندگی کا جمالیاتی اُصول	۱۳۰		★ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا	۱۶۳
	فلسفۂ اَنفاق	۱۳۱		★ دُشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی و	۱۶۳
	اَنفاقِ بالعفو اور توحیدِ رُبُوبیّت	۱۳۵		ذکرِ اِلٰہی	

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	★ رکوع و سجود اور احکامِ الٰہی کی طاعت و بندگی؛ نیز لوگوں کے ساتھ اِحسان کاری	۱۶۴		ترجمہ	۲۰۵
				تفسیری ترجمہ	۲۰۵
				تفسیر	۲۰۶
	فلاح نہ پانے والے کون ہیں؟	۱۶۵			
	★ ظالم، مُجرم و مُشرک	۱۶۵	۷	الفاظ کی تشریح	۲۱۲
	★ سحر و جادوگر	۱۶۶		★ کُفر	۲۱۲
	★ جنسی مُجرم و گناہ کرنے والے	۱۶۶		★ سوی	۲۱۷
	★ غیر اللہ کو پُکارنے والے	۱۶۷		★ نذر	۲۲۰
	★ قارون وغیرہ	۱۶۸		★ ختم	۲۲۳
				★ قلب	۲۲۷
۵	الفاظ و اصطلاحات کی تشریح	۱۶۹		★ سمع	۲۳۰
	★ امن	۱۶۹		★ بصر	۲۳۲
	★ غیب	۱۷۲		★ غشی/غشو	۲۳۴
	★ قوم	۱۷۷		★ عذب	۲۳۶
	★ صلو	۱۸۳		★ عظم	۲۳۹
	★ رزق	۱۸۶			
	★ نفق	۱۹۱			
	★ نزل	۱۹۲	۸	آیات ۸ تا ۱۰	۲۴۱
	★ یقن	۱۹۷		ترجمہ	۲۴۱
	★ فلح	۱۹۹		تفسیری ترجمہ	۲۴۱
	حواشی	۲۰۱		تفسیر	۲۴۲
۶	آیات ۶ تا ۷	۲۰۵		مُنافقوں سے متعلق مزید معلومات	۲۴۴

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	★ بخل سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور انفاق سے صالحیت	۲۴۴
	★ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کرنا، منافق مردوں اور عورتوں کا شعارِ زندگی ہوتا ہے	۲۴۶
	★ منافق اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن رکھتے ہیں	۲۴۷
	★ منافق اہلِ ایمان کو بھی کافر بنانے میں کوشاں رہتے ہیں	۲۴۹
	★ بار بار ایمان لانا اور کفر کرنا منافقوں کا شعارِ زندگی ہوتا ہے	۲۴۹
۹	الفاظ کی تشریح	۲۵۱
	★ انس	۲۵۱
	★ قول	۲۵۳
	★ خدع	۲۵۶
	★ نفس (نفس اور روح میں فرق)	۲۵۸
	★ مرض	۲۶۲
	★ زید	۲۶۳
	★ کذب	۲۶۵
	★ الم	۲۶۷
۱۰	آیات ۱۱ تا ۱۶	۲۶۹
	ترجمہ	۲۶۹
	تفسیری ترجمہ	۲۶۹
	تفسیر	۲۷۱
۱۱	الفاظ کی تشریح	۲۸۰
	★ فسد	۲۸۰
	★ ارض	۲۸۲
	★ صلح	۲۸۳
	★ شعر	۲۸۵
	★ سفه	۲۸۷
	★ علم	۲۸۹
	★ خلو	۲۹۳
	★ شطن	۲۹۴
	★ هزأ	۲۹۵
	★ مدّ	۲۹۷
	★ طغی اور طغو	۲۹۸
	★ عمه	۳۰۰
	★ شری	۳۰۱
	★ ربح	۳۰۲
	★ تجر	۳۰۳
	حواشی	۳۰۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲	آیات ۱۷ تا ۲۰	۳۰۷
	ترجمہ	۳۰۷
	تفسیری ترجمہ	۳۰۷
	تفسیر	۳۰۹
۱۳	الفاظ کی تشریح	۳۱۲
	★ شل	۳۱۲
	★ دقد	۳۱۴
	★ نور	۳۱۵
	★ نار	۳۱۷
	★ ضوأ	۳۱۸
	★ حول	۳۱۹
	★ ذھب	۳۲۱
	★ ترک	۳۲۳
	★ ظلم	۳۲۴
	★ صمم	۳۲۸
	★ بکم	۳۳۰
	★ عمی	۳۳۰
	★ رجع	۳۳۲
	★ صوب	۳۳۶
	★ رعد	۳۳۸
	★ برق	۳۳۹
	★ جعل	۳۴۰
	★ صبع	۳۴۱
	★ اذن	۳۴۲
	★ صعق	۳۴۴
	★ حذر	۳۴۵
	★ موت	۳۴۶
	★ حائط	۳۴۹
	★ خطف	۳۵۰
	★ مشی	۳۵۱
	★ شیٔ = ش ی ء	۳۵۲
	لفظ "شیٔ" سے متعلق ایک اہم نکتہ	۳۵۵
	★ قدر	۳۵۵
	حواشی	۳۶۱
۱۴	آیات ۲۱ تا ۲۲	۳۶۲
	ترجمہ	۳۶۲
	تفسیری ترجمہ	۳۶۲
	تفسیر	۳۶۳
	حمد و عبادتِ الٰہی کی اہمیت	۳۶۷
	تخلیقِ ارض سے متعلق چند اشارے	۳۷۰
۱۵	الفاظ کی تشریح	۳۷۶
	★ خلق	۳۷۶
	★ قبل	۳۸۰

Marfat.com

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	★ بنی	۳۸۴
	★ موأ یا موه	۳۸۷
	★ ثمر	۳۸۸
	★ ندّ	۳۹۰
	★ فرش	۳۹۱
	حواشی	۳۹۴
۱۶	آیات ۲۳ تا ۲۵	۳۹۵
	ترجمہ	۳۹۵
	تفسیری ترجمہ	۳۹۵
	تفسیر	۳۹۷
	قرآنِ مجید کی چند خصوصیات	۳۹۹
۱۷	الفاظ کی تشریح	۴۰۵
	★ اتی	۴۰۵
	★ اِیتاء اور اعطاء	۴۰۷
	★ سور	۴۰۸
	★ دعو	۴۱۰
	★ دون	۴۱۵
	★ فعل	۴۱۷
	★ حجر	۴۱۹
	★ عدد	۴۲۱
	★ بشر	۴۲۳
	★ عمل	۴۲۶
	★ جنّ	۴۲۹
	★ جری	۴۳۳
	★ تحت	۴۳۵
	★ نهر	۴۳۶
	★ شبه	۴۳۸
	★ زوج	۴۴۰
	★ طهر	۴۴۴
	★ خلد	۴۴۷
	حواشی	۴۵۰
۱۸	آیات ۲۶ تا ۲۷	۴۵۱
	ترجمہ	۴۵۱
	تفسیری ترجمہ	۴۵۲
	تفسیر	۴۵۲
	زیاں کار و اہلِ زیاں	۴۵۵
	خسارے کی تاریخی مثال اور اس کی معنویّت	۴۵۶
	فاسق کون ہیں؟	۴۶۱
	★ ربّ العلمین کے حکم سے سرتابی کرنے والے	۴۶۱
	★ احکامِ الٰہیہ سے سرتابی کرنے اور اعمالِ صالحہ نہ کرنے والے	۴۶۱
	★ آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلانے والے	۴۶۲

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	★ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے	۴۶۲
	★ تکفیرِ آیات یا اُن کا انکار کرنے والے	۴۶۲
	دیگر فاسق کون ہیں؟	۴۶۲
۱۹	الفاظ کی تشریح	۴۶۵
	★ حی	۴۶۵
	★ ضرب	۴۷۰
	★ ما	۴۷۲
	★ بعض	۴۷۵
	★ فوق	۴۷۶
	★ حقق	۴۷۸
	★ رود	۴۸۳
	★ کثر	۴۸۵
	★ فسق	۴۸۶
	★ نقض	۴۸۹
	★ عہد	۴۹۲
	★ وثق	۴۹۴
	★ قطع	۴۹۵
	★ امر	۴۹۸
	★ وصل	۵۰۲
	★ خسر	۵۰۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	آیات ۲۸ تا ۲۹	۵۰۸
	ترجمہ	۵۰۸
	تفسیری ترجمہ	۵۰۸
	تفسیر	۵۰۹
	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۵۱۴
	تخلیقِ کائنات	۵۱۶
	چند بصیرت افروز نتائج	۵۲۰
۲۱	الفاظ کی تشریح	۵۲۴
	★ کیف	۵۲۳
	★ جمع	۵۲۴
	★ سبع	۵۲۸
۲۲	آیت ۳۰	۵۳۱
	ترجمہ	۵۳۱
	تفسیری ترجمہ	۵۳۱
	تفسیر	۵۳۲
	اِس آیہ کے غیر معمولی اہمیت کے دس مضمرات	۵۳۲
۲۳	الفاظ کی تشریح	۵۳۵
	★ خلف	۵۳۵
	★ سفك	۵۴۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	★ دمو / دمی	۵۴۲
	★ نحن	۵۴۳
	★ سبح	۵۴۴
	★ قدس	۵۴۸
۲۴	آیات ۳۱ تا ۳۳	۵۵۱
	ترجمہ	۵۵۱
	تفسیری ترجمہ	۵۵۱
	تفسیر	۵۵۳
۲۵	الفاظ کی تشریح	۵۵۵
	★ ادم	۵۵۵
	★ عرض	۵۵۶
	★ حکم	۵۶۱
	★ بدو	۵۷۰
	★ کتم	۵۷۳
۲۶	آیات ۳۴ تا ۳۵	۵۷۶
	ترجمہ	۵۷۶
	تفسیری ترجمہ	۵۷۶
	تفسیر	۵۷۷
	اہم حقائق کی نشاندہی	۵۷۸
	جنسی مسئلہ	۵۸۲
۲۷	الفاظ کی تشریح	۵۸۴
	★ سجد	۵۸۴
	★ ابی	۵۸۸
	★ کبر	۵۹۰
	★ سکن	۵۹۷
	★ اکل	۵۹۹
	★ رغد	۶۰۲
	★ حیث	۶۰۳
	★ قرب	۶۰۴
	★ شجر	۶۰۸
	★ کون	۶۱۱
۲۸	آیات ۳۶ تا ۳۹	۶۱۶
	ترجمہ	۶۱۶
	تفسیری ترجمہ	۶۱۶
	تفسیر	۶۱۸
	جمالیاتی۔ ارتقائی اور تزویجی فعلیّت	۶۱۹
	معمورۂ آب میں مراحلِ ارتقاء یا تین	۶۲۲
	ارتقائی ادوار	
	دو مراحلِ ارتقاء	۶۲۸
	طینِ لازب سے طین اور تراب، یا تخلیقِ آخر کا مرحلہ	۶۲۹

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	حرفِ آخر	۶۳۴		★ حین	۶۵۵
۲۹	الفاظ کی تشریح	۶۴۰		★ لقی	۶۵۸
	★ زلّ	۶۴۰		★ کلمہ	۶۶۱
	★ خرج	۶۴۱		★ توب	۶۶۳
	★ ھبط	۶۴۴		★ تبع	۶۶۶
	★ عدو	۶۴۵		★ خوف	۶۶۸
	★ قرّ	۶۴۹		★ حزن	۶۷۱
	★ متع	۶۵۲		★ صحب	۶۷۴

Marfat.com

اظہارِ تشکّر

تعریف و ستائش اور تشکّر و سپاس کا سزاوار و مُستحق اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے جو زندہ بِالذات اور بیمثال پیکرِ حُسن و عشق ہے، اس لیے ہمارا مقصودِ حیات اور ربِّ عاشق ہے؛ نیز جس نے اپنے فضل سے اپنے اِس بندے کو اپنے حُسنِ کلامِ آخر کا مُخلص تلمیذ بنایا، اور اُسے اپنی آیات و اصطلاحات کے معانی و مطالب، اسرار و رموز اور معارف و اعجازات سے آگاہ کیا اور کر رہا ہے۔

حق یہ ہے کہ اِس پر لاکھ بار بھی جان قُربان کروں تو حقِّ تشکّر ادا نہ کر سکوں۔

یہ بھی ربِّ عاشق کی کرم نوازی ہے کہ اُس نے مجھے تین مُخلص تلامیذ سے نوازا ہے۔ ان میں ایک خواجہ مُحمّد اسلم صاحب، دوسرے ریٹائرڈ کرنل عابد حسین عابد صاحب، اور تیسرے خواجہ غفور احمد صاحب ہیں؛ جنھوں نے حُسنِ تفسیر کی پروف ریڈنگ اور دیگر متعلقہ اُمور میں میرے ساتھ قابلِ ستائش تعاون کیا اور کر رہے ہیں۔ میں اپنے ان تلامذہ کا بے حد شُکر گزار ہوں۔

آخر میں مُجھے اپنی رفیقۂ حیات کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، جس نے مجھے حُسنِ تفسیر ایسے عظیم کام کو طمانیّت و سکینت اور اِنہماک و فراغت سے سر انجام دینے کے لیے سازگار گھریلو ماحول فراہم کیا ہے۔

(ڈاکٹر) نصیر احمد ناصر

Marfat.com

حرفِ اوّل و آخر

اِنسان کی تکمیلِ ذات اور غایتُ الغایات

(سُورۂ بقرہ کے حوالے سے)

عُمر اِس سوچ میں گُزر گئی کہ اِنسان کی غایت الغایات کیا ہے؟ اور اس کے حصول کا ذریعہ یا ذرائع کیا ہیں، اور وہ اپنی ذات کی تکمیل کیسے کرسکتا ہے؟ سوچتے سوچتے جب رہوارِ عُمر اپنے سفر کی بچھتر منزلیں طے کرچکا تو ایک شب رُوحِ قرآن اپنے اِس تلمیذ کے قلب پر مشہود ہُوئی؛ اسرار کُھلنے لگے اور مسئلہ حل ہونے لگا۔ یہ عالمِ شہود کیا تھا؟ میں تو یہ جانتا ہُوں کہ میرے لیے وہ عالمِ حُسن وعشق تھا، جسے علم کے عالمِ تحیّر وسرُور سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ یہ عالم بیکراں تھا اور میرے نُورِ فکر ونظر کی رسائی محدود تھی لیکن مشاہدے کی محدودیّت بھی اپنے اندر لامُتناہیت کا اِمکان رکھتی ہے؛ اور اِس واقعیّت پر دلالت کرتی ہے کہ شجرِ حقیقت کی اصل کو ثباتِ دوام مُستلزم ہے۔ اس میں یہ نکتہ مُضمر ہے کہ حقیقت اصلاً ثابت ولافانی اور حرکی (DYNAMIC) ہے، اور حیاتِ اِنسانی کی تکمیل کے حوالے سے اس کی رفعت وپہنائی بیکراں ہے۔ چنانچہ اِنسان اپنی ذات کی جس قدر تکمیل کرتا جائے گا اُسی قدر حقیقت کی شُیُونٰتٖ اس پر مُنکشف ہوتی جائیں گی، اس محدود و فانی دُنیا میں بھی اور اس کے زوجؔ دارالآخرت میں بھی، جو الحیوٰانٖ بھی ہے اور لامحدود بھی، اس لیے کہ ربِّ عاشق کی جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّتؔ کا سلسلہ لامُتناہی ہے۔

قُرآن مجید، ربِّ رحمٰن کا حُسنِ کلامِ آخرؔ ہے، اِس کا محور اِنسان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُس نے اِسے اِنسان کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔ ہدایت کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے ایک معنی تو صِراطِ مُستقیم کو پانا ہے اور صِراطِ مُستقیم زندگی کی قائم ودائم، حسین وفطری اور ابدی راہِ راست ہے۔ زندگی کا کوئی شُعبہ اور گوشہ ہو اس میں کامیابی کی ایک صِراطِ مُستقیم ہوتی ہے۔ اِسی طرح یہ کُل زندگی، یعنی اِنفرادی واِجتماعی، دُنیوی واُخروی یا مادّی ومعنوی زندگی کا بھی ایک صِراطِ مُستقیم ہے، جسے قُرآنِ حکیم "دینِ قیّم" ؔسے تعبیر کرتا ہے۔

ہدایت صرف دُنیوی نہیں اُخروی بھی ہے۔ جنّت میں مادّی ترقّی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن

Marfat.com

وہاں معنوی ترقی ہوگی، اور اس کا مطلب ہے تقرّبِ اِلَی اللہ، ترفّعِ درجات، اور اتمامِ نور، جو عبارت ہے تکمیلِ ذات سے، اور اس کی غایت الغایات ہے: اپنے ناظورِ حیات کے، جو پیکرِ حُسن و عشق ہے، قُرب و رِضوان[۹] اور ہم نظری و ہم کلامی کی لذّتِ بیمثال سے ایک ایسے عالمِ کیف و سُرور میں رہنا جس میں "وُہ" ہر آن ایک نئی شان میں اپنی نمود رکھتا ہے۔

ربِّ حُسن و عشق[۱۰] کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں[۱۱] کی اِس اُخروی ہدایت کا مُعلّم و حکیم بھی اُسی کا زندۂ جاوید حُسنِ کلامِ آخر ہے۔ اِس واقعیت سے قرآنِ مجید کی اِنسان کے لیے غیر معمولی و ابدی اہمیت و فضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ چونکہ وسیلہ ہے اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے عالمِ حُسن و عشق کی سیر اور حیاتِ طیّبہ بسر کرنے اور معنوی اِرتقائے مُدام[۱۲] کرنے کا، اس لیے اُس نے اس کے لیے "حَبْلُ اللہ" کی اِنتہائی موزوں اور بصیرت افروز تعبیر اختیار کی ہے؛ اور تمام بنی نوعِ اِنسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اسے مُستقل و دائمی اور اِجتماعی طور پر اپنا وسیلہ بنائیں (آلِ عمران ۳: ۱۰۳)۔

قرآنِ مجید کا محور اِنسان ہے (الانبیآء ۲۱: ۱۰)، جس کے لیے اُس کے ربِّ عاشق اور اِلٰہِ جمیل و جلیل نے کائنات تخلیق کی اور اس میں کُل موجودات کو خُوبصورت و موزوں اور دلکش و نظر افروز بنایا ہے۔ اِنسان کا ایک رشتہ اِن موجودات سے ہے، اور دُوسرا رشتہ اپنے اور ان کے خالق و ربّ سے ہے۔ اِس دوسرے رشتے کی نوعیت دُنیوی، اُخروی اور ابدی ہے؛ اور اس کی حقیقت ہے عشق؛ اور عشق عبارت ہے، خود سپُردگی سے۔ خود سپُردگی کا مطلب ہے صرف اسی کا بندۂ تسلیم و رضا، طلبگار و پرستار اور پیکرِ ایثار و وفا بن جانا۔ عشق کا خاصّہ و تقاضا توحید ہے، جس کی ضد و نقیض شرک ہے۔ جس قلب میں عشق ہو اِس میں شرک نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اِجتماعِ ضِدّین محال ہے۔ اسی طرح جس قلب میں شرک ہو اس میں عشق نہیں ہوتا۔

عشق کا تقاضا اور خاصّہ عبادت ہے اور یہ عبارت ہے طاعت و بندگی، اِیثار و قُربانی اور گرویدگی و خود فروشی[۱۳] سے، اپنے ناظورِ حیات کو پانے کے لیے۔ ناظورِ حیات کو پانے کے حسین و فطری، قائم و دائم اور ابدی و راست راستے کو صراطِ مُستقیم اور دینِ قیّم کہا گیا ہے۔ یہ راستہ قرآنِ مجید دکھاتا ہے۔ دکھاتا تو سب بنی نوعِ اِنسان کو ہے، لیکن اس پر چلتے وہ لوگ ہیں جن کو تقرّبِ اِلَی اللہ کی سچّی آرزو اور اپنے ناظورِ حیات کو کھو دینے کی ایسی خشیت ہوتی ہے جیسی ہونی چاہیے۔ ایسے اہلِ آرزو و خشیت کو قرآنِ مجید نے مُتّقین سے تعبیر کیا ہے۔ یہ آرزوئے ناظورِ حیات شدید ترین ہو تو عشق کہلاتی ہے۔ عشق مقصودِ عبادت ہے اور "عشق کے بغیر ہر عبادت بے ثمر ہوتی ہے"!

Marfat.com

یہ اصلِ عظیم یاد رکھنے کی ہے کہ عشق میں خوف مُضمر ہوتا ہے۔ یہ خوف اپنے ناظورِ حیات سے دُور و مہجور ہو جانے کا ہوتا ہے، جسے "تقویٰ" کہتے ہیں۔ تقویٰ کی راہ ہی درحقیقت حُسن وعشق کی راہ ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے تقرّب و رضوان کا راستہ حُسن وعشق کا راستہ ہے، جسے اُس نے "صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا" سے بھی تعبیر کیا ہے اور اس کے سوا باقی تمام راستے دُوری و مہجوری اور گمراہی کے ہیں (الانعام ۶:۱۵۳)۔

عشق ہو تو اپنے ناظور و محبوب کی ہر شے سے محبّت ہو جاتی ہے کہ یہ عشق کا خاصّہ ہے، لیکن عشقِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس کی مخلوقات سے ضرور محبت کی جائے، لیکن حد سے بڑھ کر عشق نہ بن جائے (البقرۃ ۲ : ۱۶۵)۔ وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ سے محبّت برنگِ عشقِ الٰہی ہو جائے تو شرک بن جاتی ہے، جو ظلمِ عظیم اور ناقابلِ عفو گُناہِ کبیرہ ہے۔ قرآنِ مجید ہمیں بار بار تاریخی حوالے سے بھی اس واقعیّت سے مُتنبّہ کرتا ہے کہ اقوامِ عالم کی گمراہی و محرومی اور ہلاکت و بربادی کا بنیادی سبب شرک تھا، اور شرک کی نظری و عملی متعدّد اقسام ہیں :

اکابر پرستی، سادات پرستی، مشائخ پرستی، پیر و فقیر پرستی، روضہ و قبر پرستی، عُلماء پرستی، بُت پرستی، نجوم پرستی، حجر و شجر پرستی، گائے پرستی، ناگ پرستی، آستانہ پرستی، نیز فرعون و ہامان پرستی اور قارون و آزر پرستی؛ طاغوت و نفس پرستی وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات جتنی معروف ہے اُتنی سچّی بھی ہے کہ عشق میں رشک مُضمر ہوتا ہے۔ عشق جتنا شدید ہوتا ہے رشک بھی اُتنا ہی شدید ہوتا ہے، اور رشک و غیرت لازم ملزُوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عشق جو یکتائی (توحید) چاہتا ہے، دوئی (شرک) کو برداشت نہیں کرتا۔ اِسی بناء پر اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے عاشقِ اعظم و آخر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ ربّ عاشق بدرجۂ غایت غیور ہے، لہٰذا اُسے دُوئی یا شرک کسی حال میں بھی برداشت نہیں، حالانکہ وہ رحمٰن و رحیم ہے اور اس کی رحمتِ بیکراں ہر شے کو محیط ہے، اور اُس نے رحمت کو اپنے اُوپر لازم بھی کر رکھا ہے (الانعام ۶ : ۵۴؛ الاعراف ۷ : ۱۵۶؛ غافر ۴۰ : ۷)۔

حُسن میں عشق مُضمر تھا، اس لیے بھی کہ حُسن کا تقاضا عشق ہے۔ اُس کی نمود ہوئی تو کائنات معرضِ وجود میں آئی؛ بے شمار و بے قیاس اشیاء کی تخلیق ہوئی اور وہ اِرتقاء کرتی رہیں۔ یہ سب کچھ عالمِ دَہر[۱۴] میں شروع ہُوا، پھر عالمِ زمان و مکاں[۱۵] میں ہونے لگا۔ حُسن کو اِنتظار تھا صاحبِ حُسنِ نظر کا کہ اس کا نظارہ کرے اور اس کا گرویدہ ہو جائے؛ اور اُس کی تعریف و ستائش میں رطبُ اللّسان ہو جائے۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اس کی جلوہ گاہِ ناز میں جبہ سائی کرے؛ عالمِ کیف و سُرور میں آہ و زاری کرے، یہ عشق کا خاصّہ ہے کہ قُرب و رضوان کے لیے بیقرار رہے اور یہ بیقراری اِس کے لیے

Marfat.com

وجہِ تسکینِ جان و قلب ہو۔

"اُس" نے السّمآء سے کرۂ ارضی کو تخلیق کیا اور اس میں اپنے صاحبِ حُسن و نظر جمالیاتی تخلیقی شہکار کو پیدا کیا۔ وہ ایک حسین "نفس" تھا اور اس میں ربِّ عاشق نے اس کی ناظورۂ حیات کو مستور کر دیا۔ پھر اس میں خودنمائی کی آرزو پیدا ہوئی۔ یہ آرزو شعلہ بنی تو اپنے پیکر سے جُدا ہو گئی؛ جس طرح "السّمآء" کے پیکرِ جوہری سے الارض جُدا ہوئی تھی۔ صدیوں یہ جمالیاتی مخلوق جس نے بشر کی صورت و قامت اختیار کرنا تھی، اِرتقائی مراحل طے کرتی رہی، اپنے عاشق کی نظر میں، جو احسن الخالقین اور ربُّ العالمین ہے۔ اس پیکرِ حُسن و عشق کو اپنے جس صاحبِ نظر کا اِنتظار تھا، وہ بشر کی جمیل و جلیل صورت و قامت کے ساتھ اپنے دو پاؤں پر چلنے لگا تو اس بیمثال نظارۂ جلیل سے اس کی ہم زمین مخلوقات لرزہ براندام ہو گئیں۔[16]

پیکرِ حُسن و عشق کو اپنا ناظور و عاشق مل گیا، جس کے لیے اُس نے دُنیا کو جنّات یعنی ثمر دار باغات سے مزیّن کیا تھا۔ اس جنّتِ ارضی نے، جو اِنسان کا مولد و منشا تھی، اس کے عشق و وفا کی اِمتحانگاہ بننا تھی۔ امتحانِ عشق و وفا میں کامیاب ہونے والوں کے لیے اُس نے اِس عالمِ زمان و مکان سے وراء الوراء عالمِ دھر میں جو الحیَوان ہے، ثمر دار باغوں کی ایک اور دُنیا بنائی، دلآویز و بیکراں؛ اور اُسے جنّتِ قُرّۃُ العین کے نام سے موسوم کیا، اور اُسے ہر مُتنفّس (جنّ و اِنس، ملائکہ وغیرہ وغیرہ) کی پہنچ، نظر اور عقل و فکر سے دُور چُھپا کر رکھ دیا، اپنے ناظور و عاشق کو تعجب خیز مسرت (PLEASANT SURPRISE) دینے کے لیے، جب وہ مر کر قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہو کر اُس کے حضور حاضر کیا جائے گا۔ اِمتحانِ عشق و وفا میں کامیاب ہونے والے کے لیے قُرآنِ مجید نے نفسِ مُطمئِنّہ کی اِنتہائی بلیغ تعبیر اِختیار کی ہے (الفجر ۸۹: ۲۷)۔

جنّتِ قُرّۃُ العین جو الحیَوانی ہے، اِنسان کا "حُسن المآبْ"[17] ہے، جہاں اُس نے ابدالآباد تک جمالیاتی ثروت میں حیاتِ طیّبہ گزارنی ہے۔ یہ حیاتِ طیّبہ بیکار ہو گی نہ بے معنی۔ اِنسان، محنت جس کا مقدّر ہے (البلد ۹۰: ۴)؛ جس نے ایک بے نام و بے صورت جرثومۂ حیات (نفس) سے عالمِ زمان و مکان میں چھ اِنتہائی طویل و صبر آزما مراحل سے گزر کر بشر کی صورت و قامت اِختیار کی تھی، اور سفرِ زندگی کی صعوبتیں جھیلی تھیں اور بڑی سعی و جُہد اور محنت و مشقّت کر کے اپنی ذات کی تکمیل یا اپنے نُور کا اِتمام کیا تھا، نعمتوں سے معمور دُنیا میں بیکار تو نہیں ہو جانا تھا۔ عشق کی تاب و تبِ جاودانی اُسے لذّتِ کام و دہن کے لیے وقف اور بیکار تو نہیں رکھ سکتی تھی۔ زندگی حرکت سے ہے اور حرکت بغیر محنت کے محال ہے۔ محنت چاہے جسمانی ہو یا ذہنی یا اور نوع کی، بہر حال تقدیرِ بشر ہے اور تقاضا بھی؛

Marfat.com

اور یہ اِرتقائے نُور یا اِرتقائے معنوی محنت چاہتا ہے۔ یہ محنت چونکہ خاصۂ عشق ہوتی ہے، اس لیے سُرور انگیز و جانفزا ہوتی ہے۔

حُسن سے آنکھوں کی ٹھنڈک (قُرّۃُ العین) ملتی ہے۔ یہ جمالیاتی ٹھنڈک جتنی زیادہ شدید ہوتی ہے اُتنی ہی زیادہ سُرور انگیز و راحت افزا اور کیف آفرین ہوتی ہے۔ اسی طرح عشق میں جو محنت کرنا پڑتی ہے اور اُس سے جو سوز ملتا ہے، وہ جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے، اُسی نسبت سے اُس کے قلب کو جمالیاتی ٹھنڈک ملتی ہے۔

قلب کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اِس واقعیت سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنّتُ الحَیَوانی اگر اہلِ حُسن و عشق کا حُسنُ المآب ہے تو قلبِ اِنسانی پیکرِ حُسن و عشق کا حُسن مآب ہے۔ بشر کی صورت و قامت اِختیار کرنے سے پہلے دیگر مخلوقات کی طرح اِنسان بھی "قلب" سے محروم تھا، لیکن اِنسان اپنے ربِّ عاشق کا منفرد و بےمثال جمالیاتی۔تخلیقی شہکار تھا، اور اُس نے اس کا ناظور و عاشق بنتا تھا کہ یہ مشیّت تھی اَحسن و العشق کی، جو اس کی رگِ جاں سے بھی قریب تر رہنا چاہتا تھا[۱۸]۔ یہ اس کے عشقِ بےپایاں کا تقاضا تھا۔ "وہ "علیم و حکیم بھی ہے اور عزیز و قدیر بھی، چنانچہ اُس نے اِنسان کے پاس اس کی رگِ جاں سے بھی قریب تر رہنے کے لیے اپنا حُسن المآب بنایا، اُسے قلب اور فُواد[۱۹] سے تعبیر کیا۔ جس طرح کوئی مُتنفّس جنّت کی ماہیت و حقیقت کا اِدراک نہیں کرسکتا، جو حُسن المآب ہے اِنسان کا، اسی طرح کوئی مُتنفّس قلب کی حقیقت و ماہیت کا اِدراک نہیں کرسکتا، جو اَحسن کا حُسن المآب ہے۔ لیکن جس طرح قلب لطیفۂ غیبی ہے اور مُسلّمہ حقیقت ہے، اُسی طرح جنّتُ الحَیَوانی بھی حقیقت ہے، اگرچہ اُسے نہ آج تک کسی مُتنفّس نے دیکھا ہے نہ اُسے اس کی ماہیت کا علم ہی ہے۔ قلب کی طرح جنّت بھی غیب ہے اور ان پر اِیمان لانا لازم ہے (السجدۃ ۳۲ : ۱۷؛ البقرۃ ۲ : ۳)۔

بشر، اِنسان، اِنس، آدم ایک ہی ارضی مخلوق کے یہ چار نام ہیں۔ ربِّ رحمٰن جو احسن الخالقین ہے، اس کا یہ جمالیاتی۔تخلیقی شہکار ہے۔ اس کی اِمتیازی خصوصیات میں سے بعض یہ ہیں: اوّلاً، وُہ صاحبِ اِرادہ و اِختیار ہے؛ اس لیے ثانیاً، قُدرت کے قانونِ مُکافاتِ عمل کا مُستوجب ہے۔ ثالثاً، جنّتِ ارضی جو عالمِ موت و حیات ہے، اس کا مَولد و منشا بھی ہے اور دارالامتحان بھی۔ رابعاً، نفسِ اِنسانی لذّتِ موت سے آشنا ہو کر عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے، جو عالمِ رؤیا کا زوج ہے۔ وہاں اپنے اعمال کی نوعیت کے مطابق اس طرح زندگی کرتا ہے جس طرح خواب میں کرتا ہے۔ جس طرح عالمِ رؤیا کی زندگی اور زمان و مکان کی ماہیت کا کسی کو علم نہیں، اسی طرح عالمِ برزخ کی زندگی اور زمان و مکان کا

Marfat.com

بھی کسی کو شعور نہیں۔ خامسًا، مرنے کے بعد اِنسان دوبارہ قیامت کے روز ہی زندہ کر کے موت سے منزّہ پیکرِ نَو میں اُٹھایا جائے گا، جو یومُ الدّین یا اس کا روزِ حساب و جزا ہے۔ سادسًا، جنّت الحَیَوانی جو قُرَّۃُ العین ہے، اُس کا حُسنُ المآب ہے، بشرطیکہ وہ نفسِ مُطمئنّہ ہوا، لیکن ایسا نہ ہوا، بلکہ "بیقرار" ہوا تو جہنم الحَیَوانی اس کا شرُّ مآب[۲۰] ہوگا۔ ثامنًا، اللہ جلّ شانُہٗ جو اِنسان کا ناظور و عاشق ہے، جب تک ہر آن ایک نئی شانِ حُسن و عشق میں اپنا جلوہ پیدا کرتا رہے گا، جنّتِ قُرَّۃُ العین میں اہلِ آرزو کے معنوی اِرتقاء کا سلسلہ بھی جاری و ساری رہے گا۔

معنوی اِرتقاء عبارت ہے، تقرُّب اِلیٰ اللہ، ترفُّعِ درجات، باطنی نُور کے اِتمامِ مسلسل اور تکمیلِ ذات سے۔ عبادت، محنت اور اِرتقاء، حیاتِ اِنسانی کی تقدیر یا اس کے لوازم ہیں۔ اِنسان فطرۃً عبد ہے اور اپنے معبود کو چاہتا ہے۔ اس کا معبود جو "المعبود" یعنی کُل موجودات کا معبود ہے، الحُسن۔ العشق ہے؛ یعنی وہ زندہ بالذّات پیکرِ حُسن و عشق ہے۔ الحُسن و العشق معبود کا عرفان و شعور اور مشاہدہ اِنسان کو اس کا والہ و شیدا اور بندۂ تسلیم و رضا بنا دیتا ہے۔ اُسے اس کے حُسن کی تعریف و ستائش میں رطبُ اللّسان اور اس کے عشق کا تشکّر کرنے میں زبانِ سپاس بننے سے جمالیاتی ثروت ملتی ہے؛ جمالیاتی ثروت جو طمانیت و مسرّت، سوز و ساز اور کیف و سرُور کی دولت اور بہائے جنّتِ قُرَّۃُ العین ہے۔ اور جنّتِ قُرَّۃُ العین اِنسان کے ناظورِ حیات کی ہم لقائی[۲۱] و ہم رضائی[۲۲] اور ہم نظری و ہمکلامی کی جائے حیرت و سرخوشی ہے۔

عبادت بیشک محنت چاہتی ہے لیکن عشق ہو تو عبادت میں جتنی زیادہ سعی و محنت کی جائے اُتنی زیادہ جمالیاتی ثروت ملتی ہے۔ عشق کے سوز و ساز سے عبادت خالص اور سچّی اور محنت قُرَّۃُ العین بنتی ہے۔ صلوٰۃ میں یقینًا قُرَّۃُ العین یا جمالیاتی ثروت ہے، اُن اہلِ آرزو و خشیّت کے لیے جو اپنے ناظورِ حیات کے اِمتثالِ امر میں صلوٰۃ کے تقاضے پُورا کرتے ہیں۔ اہلِ آرزو و خشیّت یا مُتّقی جو موحّد ہوتے ہیں، وہ رہزنِ اِیمان و تقویٰ شرک کی ہر شکل سے گریزاں و ترساں رہتے ہیں۔ شرک کی اَن گنت شکلیں ہیں اور ہر شکل اِنتہائی قبیح و نظر سوز ہے لیکن حریفِ بشر شیطان اُسے اپنی طرح ملعون و اہلِ نار بنانے کی خاطر اپنی جمالیاتی فریب کاری و وسوسہ[۲۳] اندازی سے اس کی نظر میں اِن شکلوں کو خوبصورت اور دلکش بنا کر دکھاتا رہتا ہے۔ شرک کی زیادہ معروف و مقبول بعض شکلیں یہ ہیں: اکابر و سادات پرستی، فرعون و ہامان پرستی، قارون و آزر پرستی، طاغوت و نفس پرستی، گائے پرستی، آفتاب پرستی، دیوتا پرستی، بُت و قبر پرستی، پیر و روضہ پرستی وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں، اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ منزّہ و بے نظیر، اس کی صفاتِ حسنہ؛ اور اس کے اُمورِ حکمرانی میں کسی دوسری ہستی کو شریکِ کار، ممدّ و معاون سمجھنا؛ اس کی کسی صفت یا صفات کا مالک

Marfat.com

خیال کر کے اُس سے مدد کے لیے پکارنا، نیز غیر اللہ کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، رازق یا داتا، حاجت روا و مُشکل کُشا اور مجیب الدعوات سمجھنا اور اس کی پرستش کرنا، اور اس کا اس طرح ذکر کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ کا کرنا چاہیے شرک ہے۔ شرک غارتگرِ حُسن و عشق اور رہزنِ ثروتِ قلب ہے۔ یہ چراغِ غُول ہے جو بھولے بھٹکے مسافروں کو ان کی راہ و منزل سے دُور لے جا کر حیران و سرگرداں کیے رکھتا ہے۔

الغرض، شرک کی ہر شکل و رسم اور راہ سے گریزاں و ترساں رہنا اور اس کے خلاف جہاد کرنا، نیز اللہ وحدہٗ لاشریک کی فطری و حسین راہِ راست پر صبر و استقامت اور عزم و ہمت کے ساتھ گامزن رہنا، صلوٰۃ کا تقاضائے توحیدِ اُلوہیت ہے۔

صلوٰۃ کا دوسرا تقاضا اہلِ عشق و وفا کی طرح توحیدِ رُبوبیت پر ثابت قدم رہنا ہے۔ غیر اللہ کے عشق میں نہ مُبتلا ہونا اور نہ اس سے ڈرنا اور نہ شیطان کے اِس جمالیاتی فریب میں آنا کہ "اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی راہ میں اس کے احکام کے مطابق خرچ کرو گے تو مفلس و محتاج ہو جاؤ گے"[24] بخلاف اس کے، ربِّ رحمٰن کے اِس وعدے کو تسلیم بالیقین کرنا کہ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے مال و دولت میں ستّر گُنا بلکہ اس سے کہیں زیادہ اضافہ ہوتا ہے[25]، اور اہلِ آرزو کئی آفتوں سے بچا لیے جاتے ہیں۔ توحیدِ رُبوبیت پر ایمان لانے کا مطلب اِس اصلِ عظیم کو تسلیم بالیقین و عمل کرنا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنی کُل مخلوقات کا رازق و پروردگار اور آقا و مالک ہے، اور اس کی کُل نعمتیں اور وسائلِ پیداوار اس کے کُل جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کے لیے ہیں اور سب کا ان میں برابر کا حصّہ ہے[26]، لیکن سعی و محنت سے کمانا سب پر لازم ہے[27]۔

توحیدِ رُبوبیت کے عقیدۂ جلیلہ و محرّکہ کے دیگر متعدد مقتضیات میں سے چند ایک یہ ہیں:

ایک یہ کہ اِنسان اِس حقیقت کو تسلیم بالیقین کرے کہ وہ جو مال و دولت کماتا یا جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے، اس کا وہ مالک نہیں، امینِ مستفید ہے۔ اس کا حقیقی مالک چونکہ ربُّ العالمین ہے، لہٰذا امینِ مستفید اس کے احکام کے مطابق ہی اس میں تصرّف کرنے کا مُکلّف ہے؛ اس لیے وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرّف کرنے کا مجاز نہیں[28]۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مال و دولت کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتا اور نہ اس میں اِسراف و تبذیر ہی کرنے کا مجاز ہے۔ علاوہ بریں، اس پر فرض یا لازم ہے کہ وہ صاحبِ نصاب ہے تو قرآن و سُنّت کے مطابق زکوٰۃ اور العفو (حُسنِ ضرورت سے زائد مال و دولت، اراضی و تعمیرات وغیرہ وغیرہ) کو اِسلامی یا مُسلم حکومت کے افسرانِ مجاز کے ذریعے خزانۂ عامرہ میں جمع کرائے تاکہ وہ اپنی رعایا کے اہلِ احتیاج اور مفلوک الحال افراد کے لیے کفالت کا احسن و اکمل نظام قائم کرے جس کا مثالی نمونہ رحمۃٌ لِّلعالمین صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے "نظامِ مواخاۃ"[29] میں ملتا ہے۔ اِس نظامِ مواخاۃ کی غیر معمولی افادیت و

Marfat.com

اہمیت کا اِدراک کر کے ترقی یافتہ اقوام نے اس کی طرز پر زندگی کے جدید تقاضوں کے مطابق کفالتِ اِجتماعیہ کا نظام قائم کیا ہے جو ان کی بقا و سلامتی اور قُوّت و ترقّی کا ضامن ہے۔

الغرض، صلوٰۃ، جو کہ اِلٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ جلیل و عاشق سے عشق کا حسین ترین مظاہرہ ہے، مُصلّین یا نمازیوں کے دلوں کو اُخوّت و محبّت، اِحسان و فیّاضی اور اِیثار و قُربانی کے جذبات سے معمور کر دیتا ہے اور وہ اس کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے لیے رحمت بن جاتے ہیں۔یہ مخلص اور سچّے مُصلّین ہوتے ہیں، جن سے متعلق یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ وہ فرعون، ہامان، قارون یا آزر نہیں ہو سکتے؛ نیز کسی حال میں بھی وہ رشوت خور، سُود خور، حرام خور، بخیل۔بے حیا، ظالم و جاہل، قلم و نطق فروش، جسم و جمال فروش، قوم و وطن فروش یا آیات فروش نہیں ہو سکتے۔وہ مُتکبّر و مُفسد بھی نہیں ہوتے؛ تکریمِ اِنسانی کرنا ان کا شِعار ہوتا ہے۔علاوہ بریں، وہ سرطانی اِداروں کے خلاف جہاد کرنے کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔

طہارت و نظافت قیامِ صلوٰۃ کا اوّلین تقاضا ہے۔پانی میں قُوّتِ تطہیر و اِحیاء ہوتی ہے، اس لیے وضو قیامِ صلوٰۃ کی پیش شرط ہے؛ اس سے حواس و قلب کی تطہیر بھی ہوتی ہے اور تزکیہ بھی؛ نیز وہ زندہ و بیدار ہو جاتے ہیں۔نظر و فکر کی پاکیزگی و بیداری نمازی کو اہلِ عقلِ سلیم و صاحبِ ذوق و نظر بنانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

فحشآء و مُنکر سے گریزاں و ترساں رہنا بھی صلوٰۃ کا اہم ترین تقاضا ہے۔فحشآء کے معانی ہیں بُخل و بے حیائی۔بُخل کا مطلب ہے زکوٰۃ، العفو، الماعون اور قرضِ حسنہ نہ دینا؛ اور مال و دولت کو جمع کر کے رکھنا، جس سے اس کی گردش رُک جاتی ہے اور وہ بانجھ، بے ثمر، لاحاصل اور زہریلی ہو جاتی ہے۔اس کے نتیجے میں بخیل سعادت و محبّت، درد و سوز، تسکین و طمانیّت سے محروم ہو جاتا ہے۔بے حیائی عبارت ہے بے پردگی و عُریانی، بے شرمی، جنسی بے راہروی، جمال فروشی، شباب و حُسن نمائی وغیرہ وغیرہ سے۔

مُنکر وسیع المعانی اور جامع اصطلاحِ قُرآنی ہے؛ اس سے مُراد ہر وہ قول و فعل ہے، جسے اِنسان فطرۃً ناپسند کرتا اور اس سے نفرت کرتا ہے، نیز جو عقل و شریعت کی رُو سے ناجائز و حرام ہو۔

غور کریں تو نظامِ صلوٰۃ دین یا کُل حیاتِ اِنسانی کا احسن و اکمل نظام ہے جو زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظاموں پر حاوی اور ان کا متقاضی ہے۔

سیاسی آزادی و اختیار نظامِ صلوٰۃ کے قیام کی پیش شرط ہے

دُنیا کے عظیم ترین اِنسان اور پیغمبرِ اعظم و آخر حضرت مُحمّد مُصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی سیرتِ طیّبہ،

Marfat.com

جو قرآنِ حکیم کی عملی تفسیرِ کبیر ہے، ہمیں اِس تاریخی واقعیت کی یاد دلاتی ہے کہ سیاسی آزادی و اختیار کے بغیر نظامِ صلوٰۃ کا قیام محال ہے۔ خود قرآنِ حکیم شاہد ہے کہ آپؐ کی بعثت اور وحی و تنزیل کے آغاز کے ساتھ ہی آپؐ کو نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرنے کا حکم ملا تھا۔ لیکن مکّی زندگی میں آپؐ اور صحابۂ کرامؓ کو سیاسی آزادی حاصل تھی نہ اِختیار، لہٰذا یہ نظام قائم ہو سکتا تھا نہ آپؐ نے کیا۔ چنانچہ جونہی عہد آفرین و تاریخ ساز ہجرت کر کے آپؐ مدینہ منوّرہ پہنچے اور اپنی بیمثال و حیرت انگیز سیاسی حکمتِ عملی سے وہاں ایک آزاد و خود مختار مملکت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو آپؐ نے بلا تاخیر اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کے امتثالِ امر میں ایک احسن و اکمل نظامِ صلوٰۃ قائم کیا اور پھر اِسلام کے مثالی اور جنّت آسا معاشرے کی تشکیل و تعمیر کر کے ایک دُنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ آپؐ کا یہ عہد آفرین و تاریخ ساز اور بیمثال و عظیم کارنامہ ہے، جس کی بناء پر تاریخ نے آپؐ کو ہر زمان و مکان کا عظیم ترین اِنسان رتبی قرار دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ رحمانی۔ مثالی یا اِسلامی معاشرہ قائم کرنا، خلافت یا اِسلامی حکومت کا بنیادی مقصد ہے۔ چنانچہ حضرت آدم عَلَیہِ السّلام سے حضرت محمّد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم تک تمام انبیاءؑ علیہمُ السّلام کی بعثت کی علّتِ غائی بھی یہی تھی۔ ربُّ العٰلمین نے حضرت آدمؑ کو اسی لیے دُنیا میں خلیفہ یا حکمران مقرر کیا تھا تاکہ وہ اِسلامی معاشرہ قائم کر کے پیداوار یا مال و منال کو منصفانہ طریقے سے افراد میں تقسیم کرنے اور سب کو اُن کے معاشی۔ معنوی یا اِنسانی حقوق دینے کا موزوں نظام قائم کر سکیں۔ اس کی احسن و اکمل مثال ہمیں پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے مثالی معاشرے میں ملتی ہے۔ یہ ہے دین کا مقصد، خلافت کا بنیادی فرضِ منصبی، اور سُورۂ بقرہ کا مرکزی موضوع۔ اِس سے اِس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں صحابۂ کرامؓ اِس سُورت کے اِس قدر گرویدہ تھے کہ عُمر کا معتدبہ حصّہ اس کے حقائق و معارف اور اَسرار و رموز معلوم کرنے میں صَرف کر دیا کرتے تھے۔

اِسلامی معاشرے میں بلاشُبہ سرطانی۔ استحصالی، یعنی فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری اِداروں کی گنجائش نہیں ہوتی، لیکن حُسنِ اِنقلاب کے ردِّ عمل کے طور پر اس میں مُنافق پیدا ہو جاتے ہیں۔ مُنافق دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ دوست بن کر معاشرے کی بیخ کنی کرتے ہیں۔ قدیم تاتاریوں کی یہ دُعا بڑی سبق آموز ہے کہ "اے ہمارے ربّ! ہمیں ہمارے "دوستوں" سے بچانا! دُشمنوں کا مقابلہ ہم خود کر لیں گے۔" اس سے پیشتر کہ وہ اِسلامی معاشرے کا اِستیصال کریں، مُنافقوں کی حکیمانہ طور پر بیخ کنی کرنا خلیفہ اور افرادِ معاشرہ پر لازم آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اپنے حُسنِ کلامِ آخر کی شروعات ہی منافقوں کے خصائل و کردار کو بلیغ و تنذیری انداز میں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

یہ اصلِ عظیم یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مُنافق اِسلامی معاشرے میں پُورے طور پر داخل نہیں ہوتے، بلکہ کنارے پر رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے عقائدِ جلیلہ و محرّکہ کو زبان سے تو مانتے ہیں، مگر بعض پر عمل کرتے ہیں اور بعض سے اِغماض کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ صلوٰۃ قائم تو کرتے ہیں، دکھاوے کے لیے، لیکن اس کے تقاضے پُورا نہیں کرتے، جن کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ وہ قُرآن وسُنّہ کے مطابق صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظام قائم نہیں کرتے، جیسا کہ ہم نہیں کر رہے۔ وہ قُرآنِ حکیم کو مکمل ضابطۂ حیات تو کہتے ہیں، مگر اس کے نصابِ تعلیم و تربیت کو اپنے نظامِ تعلیم سے خارج کر دیتے ہیں، جیسا کہ تمام مُسلم اقوام نے کیا ہُوا ہے۔ وہ رِبٰوا کو حرام تو کہتے ہیں، مگر سُود کاری و سُود خوری ان کا شعار ہوتا ہے، علیٰ ہٰذا القیاس۔

ربِّ رحمٰن ان نام کے مُسلمانوں یا مُنافقوں کو کامل مؤمن و مُسلم یا بندگانِ تسلیم و رضا بنانے کی خاطر اُنھیں حُکم دیتا ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ (البقرۃ ۲ : ۲۰۸) :

اے لوگو جو (زبان سے) ایمان لائے ہو! اِسلام کے کُل عقائد و احکام اور تعلیمات کو دل و جان سے تسلیم بالیقین کر کے اس میں داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقوشِ قدم پر نہ چلو، اس لیے کہ وہ تو تمھارا کُھلا دشمن ہے۔

ثابت ہوا کہ مُنافق شیاطین کے پیروکار، گُمراہ، ملعون اور اہلِ نار ہوتے ہیں۔

مُنافقین کے ساتھ بنی اِسرائیل کا ذکر نہایت فکر انگیز اور سبق آموز ہے۔ اس سے مقصود مُسلمانوں میں بالخصوص اور دیگر اقوامِ عالم میں بالعموم اِس حقیقت کا شعور بیدار کرنا ہے کہ اگر بنی اِسرائیل ایسی اہم قوم جسے ربِّ رحمٰن نے اقوامِ عالم پر فضیلت دی تھی اور بار بار اُسے اپنی نعمتوں سے نوازا تھا، قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل سے بچ نہیں سکی اور اُسے اپنے کیے کا مزہ چکھنا پڑا اور پڑ رہا ہے تو پھر کسی اور قوم کو بھی اس کے قانونِ مُجازات سے مفر نہیں اور نہ ہو سکتا ہی ہے، اس لیے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے قوانین غیر مبدّل اور اٹل ہیں[۳]۔ لیکن اِس کے باوجود انسان کے ظُلم و جہل کا یہ حال ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ سمیت جُملہ اقوامِ عالم اپنے پیغمبروں، اوتاروں اور بزرگوں کی شفاعتِ مُطلقہ کے گمراہ کُن عقیدے کی بناء پر اپنے آپ کو ناجی سمجھتی ہیں۔

ربِّ رحمٰن نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بیٹوں کو مصر میں بسنے، دینِ توحید کو پھیلانے اور مصریوں کو اپنے دین میں شامل کر کے وہاں اپنی مملکت قائم کرنے اور اپنے لیے رحمانی۔ مثالی

Marfat.com

معاشرہ تعمیر کرنے کے ایک سے زائد مواقع فراہم کیے تھے، لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کر کے ان مواقع کو ضائع کر دیا۔ پھر وہ بھی فرعونیوں کی طرح مُشرکانہ بیماریوں میں مُبتلا ہو گئے ۔ ان میں آزادی اور رحمانی۔ مثالی معاشرے کی آرزو نہ رہی تو فرعون نے اُن کو اپنا غلام بنا لیا، اور ان کی عہد شکنیوں، مُنافقانہ روشوں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی پاداش میں ان پر اِس قدر عبرتناک مظالم توڑے کہ تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

ظُلم حد سے بڑھ گیا اور فرعون نے ان کی نسل کُشی کا حُکم دے دیا۔ ان کے بیٹے ذبح ہونے شروع ہو گئے تو بنی اِسرائیل میں فرعونیوں کی غلامی سے نجات پانے کی آرزو کا احیاء ہو گیا۔ اس کے ساتھ ربِّ رحمٰن کا قانونِ احترامِ آرزوؑ بھی حرکت میں آ گیا؛ اور اُن کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے اُس نے حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام کو مبعوث فرمایا۔ اُنھوں نے نُصرتِ اِلٰہی سے فرعون ایسے طاقتور و ظالم شہنشاہ کی غلامی سے بنی اِسرائیل کو نجات دلا کر ایک تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا۔

حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام بنی اِسرائیل کو لے کر وادیِ سینا میں آئے، جہاں ربِّ رحمٰن نے منّ و سلویٰ کے ذریعے ان کے رزق کا سامان کر دیا۔ حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام کا منصوبہ صدیوں کے خوگرِ غلامی بنی اِسرائیل کو صحرا کی آزاد فضا میں جہاد کی تربیت دے کر اُولوالعزم، جواں مرد، نبرد آزما اور حکمرانی کے قابل بنانا تھا تاکہ وہ اپنے لیے رحمانی۔ مثالی معاشرہ تعمیر کر کے حیاتِ طیّبہ بسر کر سکیں لیکن حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام کی نصیحت و تلقین اور سعی و جُہد کے باوجود بنی اسرائیل کو آزادی راس نہ آئی۔ وہ مجاہدانہ زندگی کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے۔ مصر میں طرح طرح کے کھانوں اور مشروبات کے عادی منّ و سلویٰ ایسی معمولی ایک غذا پر صبر نہ کر سکے۔ انھوں نے لذّتِ کام و دہن کو آزادی پر ترجیح دی تو قُدرت نے اُن کی آرزو پوری کر دی اور اُنھیں پھر غلامانہ زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام اپنے منصوبے کی تکمیل نہ کر سکے۔

ایک بار پھر بنی اِسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے اور آزادی سے سرفراز کرنے کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام کو ان میں مبعوث فرمایا۔ لیکن بنی اِسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر نبیؑ/رسولؑ کی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا، بلکہ ان کی تکذیب و تکفیر کی، حتّٰی کہ اپنی دانست میں انھیں صلیب پر چڑھا دیا۔ ان کے مظالم اور سازشوں سے تنگ آ کر حضرت عیسیٰ علیہِ السّلام بنی اِسرائیل کو ان کے حال پر چھوڑ کر پُراسرار طریقے سے ہجرت کر گئے۔ بنی اِسرائیل عداوتِ انبیاءؑ اور آرزوئے آزادی و حق کے فقدان کے سبب محکومی و غلامی یا ذِلّت و مسکنت کی زندگی گزارتے رہے۔

Marfat.com

ربِّ رحمٰن نے ایک بار پھر بنی اِسرائیل کو ذِلّت و مسکنت سے نجات حاصل کرنے اور آزاد و مثالی معاشرے میں مردانِ حُر کی طرح حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کا موقع فراہم کیا۔ حضرت عیسٰی عَلَیہِ السّلام کی بعثت کے تقریباً چھے سو سال بعد اُس نے یہود سمیت کُل اقوامِ عالم کو بشری سرطانوں اور طاغوت کے مُتّبعین فرعونوں، ہامانوں، قارونوں، اور آزروں کی محکومی و غلامی کی سلاسل سے نجات دلانے کے لیے اپنے پیغمبرِ اعظم و آخر حضرت مُحمّد مُصطفٰے صَلّی اللہُ عَلَیہِ و آلِہٖ وسَلّم کو رحمۃٌ لِلعالمین بنا کر دُنیا میں بھیجا۔ آپؐ نے بھی بنی اِسرائیل کو جو یثرب میں آباد تھے، اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے بندگانِ تسلیم و رضا بن کر اِسلامی معاشرے میں امن و سلامتی اور آزادی کے ساتھ حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کی بار بار دعوت دی، لیکن اپنی دیرینہ بیماریوں کے سبب انھوں نے نہ صرف یہ دعوت قبول نہ کی، بلکہ اُلٹا آپؐ کو شہید کرنے اور آپؐ کی تحریکِ رحمۃٌ لِلعٰلمینی کو کچلنے کے لیے سازشیں کیں اور جنگیں لڑیں، لیکن بے نیلِ مرام رہے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں اور بستیوں کو برباد کر کے نقلِ مکانی کر گئے اور اپنے دُشمنوں کی غلامی و محکومی میں رہنے لگے۔ اِس سے ربِّ علیم و حکیم کے اِس اِرشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ

اِنسان غایت درجہ ظالم و جاہل ہے (الاحزاب ۳۳: ۷۲)۔

سُورۂ بقرہ کی اہم و بصیرت افروز خصوصیات اتنی زیادہ ہیں کہ بیان کروں تو کر نہ سکوں۔ لیکن اس کی ایک اہم ترین بنیادی خصوصیّت کی طرف اِشارہ کیا جاتا ہے کہ وہ ربِّ رحمٰن کے حُسنِ کلامِ آخر کی ایک سو چودہ سُورتوں میں طویل ترین بھی ہے اور اس کے اوامر و نواہی اور اصول و تعلیمات پر ایک جامع و مانع کتاب بھی ہے۔ اگرچہ ہر سُورت اور اُس کی ہر آیت اپنے اندر ایک اعجازِ معنوی رکھتی ہے، لیکن سُورۂ بقرہ کی یہ مابہ الاِمتیاز خصوصیّت اس کا منفرد و امتیازی اعجاز ہے، جسے ہمہ گیر و عالمگیر اور ابدی اعجازِ معنوی سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہو گا۔

دینِ اِسلام کا اصل الاُصول اور مقصودِ حقیقی یہ ہے کہ اِنسان اپنے خالق و ربِّ رحمٰن کا بندۂ تسلیم و رضا اور عاشقِ باوفا بن کر اُس کے کُل احکام کی تعمیل بہ رضا و رغبت[۳] کرے، جسے عبادت کرنا کہتے ہیں۔ پھر اس کے نتیجے میں مادّی و معنوی ترقّی کرتے ہوئے امن و سلامتی کے ساتھ نفسِ مُطمئنّہ بن کر حیاتِ طیّبہ بسر کرے اور اسی حالت میں دُنیا سے سفرِ آخرت کرے تاکہ وہ اپنے ربِّ رحمٰن کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں ابدی حیاتِ طیّبہ بسر کرے اور ابدالآباد تک معنوی ترقّی کرتا رہے، جس کے لیے تقرّب اِلَی اللہ اور ترفّعِ درجات کی تعبیریں اِختیار کی جاتی ہیں۔

سُورۂ بقرہ ہمیں اِس حقیقتِ نفس الامری سے بھی آگاہ کرتی ہے کہ دین و کتاب اور حیات و

Marfat.com

کائنات سب ربِّ رحمٰن کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکار — اِنسان کے لیے ہیں۔چنانچہ اس کائنات میں اِنسان کی منفرد و امتیازی اور اہم ترین وعظیم دُہری حیثیت کا اندازہ اس واقعیت سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ربِّ رحمٰن وکریم کا صاحبِ اِرادہ و اِختیار جمالیاتی۔تخلیقی شہکار، مسجودِ ملائک، مُسخّرِ عالمِ زمان و مکان اور خلیفۃُ الارض ہے۔اگر اِنسان کو اپنی غیر معمولی حیثیت کا شعور ہو تو وہ مُشرک و اصنام پرست (اپنے وسیع ترین مفہوم میں) نہیں ہوسکتا۔چنانچہ قرآنِ مجید نے ہمیں اِس اصلِ عظیم سے مُتنبّہ کیا ہے کہ جس اِنسان کو اپنی اِس حیثیت کا شعور و یقین نہیں ہوتا تو وہ شرک کرتا ہے۔اِس بناء پر وہ ظالم و جاہل ہے۔

اِنسان کی دوسری حیثیت جو بلاشُبہ اس کا اِنتہائی قابلِ فخر اور عظیم ترین اعزاز ہے، یہ ہے کہ اس کا اِلٰہ اور ربّ صرف اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ ہے، جو بیمثال پیکرِ حُسن وعشق اور کُل جہانوں کا مالک و بادشاہ اور وحدہٗ لاشریک ہے؛ نیز وہ اس کی رگِ جان سے بھی قریب تر ہے؛ اور وھّاب و والی اور مستجیب الدّعوات ہے۔دوسرے لفظوں میں، اِنسان صرف اور فقط اس کا مرزوق و پروردہ، فقیر و سائل اور بندہ ہے؛ نیز اس کی جنّتِ قُرّۃُ العین کا وارث ہے۔اپنی اِس دُہری حیثیت کو سمجھنا اِنسان شناسی ہے۔اِنسان خود شناس ہو تو وہ عارف باللہ ہوتا ہے۔ایسا اِنسان مُشرک و اصنام پرست اور اکابر پرست ہو، کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔سُورۂ بقرہ کا مقصودِ حقیقی ربِّ رحمٰن وکریم کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں میں اِنسان شناسی کا شعور بیدار کرنا بھی ہے تاکہ وہ معزّز و مکرّم، موحّد و مجاہد اور صالح و صاحبِ علم و حکمت بن کر عالمِ زمان و مکان کی تسخیر کریں، اور اہلِ عشق و وفا بن کر زندگی کریں اور اسی عالم میں لوٹ کر اپنے ربِّ رحمٰن کے پاس جائیں، اُس کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں اس کے دوستوں کی رفاقت اور اُس کی نظرِ لُطف وکرم میں حیاتِ ابدی بسر کریں؛ اور ابدالآباد تک معنوی اِرتقاء کرتے رہیں؛ اس طرح پیکرِ حُسن وعشق کی لقاء و قُرب، ہم رضائی، ہم نظری و ہمکلامی کی رحیقِ مختوم[۳۲] سے سدا سرخوش و مسرور رہیں۔

یہ ہے دین وحیاتِ اِنسانی کی غایت الغایات اور مشیّتِ ایزدی۔

سُورۂ بقرہ اِس لحاظ سے بھی اِنتہائی اہمّ اور بصیرت افروز ہے کہ یہ اِنسان کو اِس حقیقتِ عُظمیٰ سے آگاہ و مُتنبّہ کرتی ہے کہ اِبلیس یا شیطان اس کا پیدائشی و مُستقل حریفِ اعظم اور نفسی سرطان ہے، نیز وہ اس کا باطنی دشمن بھی ہے اور ظاہری بھی۔اس کی دشمنی کی تین بنیادی وجوہ ہیں: ایک، آفرینشی یا نسلی عصبیّت؛ دوسری، خلافتِ ارضی سے محرومی، اور تیسری، بساطِ علم پر اِنسان کے ہاتھوں اس کی مات۔
ان وجوہ کا بیان قُرآنِ مجید نے اِس سُورے میں خصوصیّت سے بڑے مؤثّر و دل انگیز انداز میں کیا ہے۔

Marfat.com

یہ واقعیت جو اِنسان کے فکر و عمل کے دائرے میں محور کی حیثیت رکھتی ہے اور ہمارے تفکر بالحق کی منتقاضی ہے، یہ ہے کہ ربِّ علیم و حکیم کے حُسنِ کلامِ آخر کی اِبتداء اور اِنتہا تعوّذ سے ہوئی ہے۔ اِس حکمِ اِلٰہی سے تو ہر مُسلمان کو آگاہ ہونا چاہیے کہ قرآنِ مجید کی قرأت و تلاوت کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا فرض یا ناگزیر ہے، اگرچہ تعوّذ کسی سُورے میں بھی بسملہ کی طرح مرقوم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بمقتضائے حکمتِ اِلٰہی یہ وحی و تنزیل میں مرقوم نہیں تھی، اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وحی و تنزیل میں اپنی مرضی سے حک و اضافہ کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ یہ بات اس حقیقتِ عُظمٰی کی بُرہانِ قاطع ہے کہ قرآنِ مجید لفظاً و معناً جیسا نازل ہوا تھا، آج بھی ویسا ہی ہے اور ابدالآباد تک ایسا ہی رہے گا کہ اِس کی حفاظت کی ذمّے داری خود ربِّ عزیز و قدیر نے لے رکھی ہے[34]۔

یہ واقعیت بھی شیطان کی غیر معمولی منفی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ قُرآنِ مجید کا اِختتام بھی تعوّذ پر ہوا ہے۔ یہ سِرِّ نہاں قابلِ غور ہے کہ آغاز میں تعوّذ غیر مرقوم ہے، مگر اِختتام پر مرقوم ہے (النّاس ۱۱۴ : ۱-۶)۔

یہ مسئلہ بھی ہمارے تفکر بالحق کا مقتضی ہے کہ کیوں ربِّ رحمٰن نے تعوّذ کو صرف قرآنِ مجید کی قرأت و تلاوت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور یہ تخصیص لازمی ہے؟ اِس مسئلے کا حل تفصیل چاہتا ہے لیکن یہ موقع و محل اِجمال کا منتقاضی ہے، لہٰذا اِختصار سے کام لینا ضروری ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ شیطان کو ایک تو اِس بات کا حق الیقین ہے کہ قرآنِ مجید ربِّ علیم و حکیم کا حُسنِ کلامِ آخر ہے؛ دوسرے اس کی اُلوہی قوّت کی حریف کوئی طاغوتی قوّت نہیں ہو سکتی۔ اِس بناء پر شیطان کو کسی طرح گوارا نہیں کہ اہلِ آرزو و ایمان بالخصوص اور دیگر اِنسان بالعموم مخلص تلامیذ القرآن بن جائیں اور اس کے نتیجے میں قُرآنِ مجید کے نُور کے ذریعے اس کے جمایاتی دھوکوں اور وسوسوں کو جان پہچان جائیں اور اسے اپنا دُشمن سمجھ کر اس سے گریزاں و ترساں رہنے لگیں۔ اس سے اِس واقعیت کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں دُنیا بھر کی طاغوتی قوّتیں قرآنِ مجید کی اُلوہی قوّت سے خوفزدہ رہتی اور مُسلمانوں کو اس سے دُور رکھنے کے لیے سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروفِ کار رہتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ اگر مُسلمانوں کو قرآنِ مجید کی اُلوہی قوّت حاصل ہو گئی تو وہ ایک بار پھر دُنیا میں حُسنِ اِنقلاب لے آئیں گے اور اس طرح اقوامِ عالم کے باطل و مُشرکانہ عقائد و رسوم اور اُن کے فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کا اِستیصال کر دیں گے۔

اس اندیشے کی بناء پر شیطان اگر یہ چاہتا اور اس کے لیے مصروفِ عمل رہتا ہے کہ مُسلمانوں کو مخلص تلامیذ القرآن نہ بننے دے، تو ربِّ عاشق کی مشیّت یہ ہے کہ وہ اس کے برگزیدہ بن کر اُس سے رشتہ اُستوار

Marfat.com

کرلیں، اور اس کے نتیجے میں وہ اہلِ علم و حکمت اور صالح و مجاہد بن کر اقوامِ عالم کے مُعلّم و قائد بن جائیں۔ چنانچہ وہ کس عاشقانہ و ناصحانہ انداز میں ارشاد فرماتا ہے :

★ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران ۳ : ۱۰۳) :

اور اللہ کی رسّی یعنی قُرآنِ مجید کو تُم سب متحد ہو کر اپنی پُوری معنوی قُوّتوں کے ساتھ اس سے رابطہ اُستوار رکھنا اور (ایک رہنا، لیکن) فرقے فرقے نہ ہو جانا۔

اعتصام بالقُرآن کا مطلب قُرآنِ مجید سے تلمّذ کا رشتہ اِنتہائی مضبوطی سے اُستوار کرنا ہے، اور "جَمِيْعًا" کا لفظ اُمّتِ واحد بن کر تلامیذ القرآن بننے کے حُکم پر دلالت کرتا ہے، جس کی صراحت و تائید وَلَا تَفَرَّقُوْا کے حکم نے کر دی ہے۔ اس سے دین کی اِجتماعی حیثیت ثابت ہوتی ہے، جس کا فرقہ بندی سے اِستیصال ہو جاتا ہے، اور فرقہ بندی کو قُرآنِ مجید نے شرک قرار دیا ہے (الرّوم ۳۰ : ۳۱-۳۲ ؛ الانعام ۶ : ۱۵۹)، اور شرک ظُلمِ عظیم اور ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے (النِّسَآء ۴ : ۴۸، ۱۱۶) - ثابت ہوا کہ دین انفرادی نہیں، بلکہ انفرادی - اِجتماعی ہے۔

اس موقع پر قُرآنِ مجید کی چند ایک نُورانی - جوہری خاصیّتوں یا قُوّتوں کی نشاندہی کر دی جاتی ہے :

★ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲) :

یہ (قُرآن اللہ تعالیٰ کی) کتاب ہے۔ اس کے مافیہ (CONTENTS، یعنی عقائدِ جلیلہ و محرکہ، تعلیمات، اوامر و نواہی، حدود و اُصول) میں قطعًا اِضطراب و شک کی گنجائش نہیں ؛ اور اس میں بھی کہ یہ اہلِ آرزو و خشیّت کو حسین و فطری راہِ راست دکھاتی ہے۔

★ قُرآن بنی نوعِ اِنسان کو ہدایت دیتا ہے، یعنی ان کو صراطِ مُستقیم یا اللہ کی حسین و فطری راہِ راست دکھاتا ہے (البقرۃ ۲ : ۱۸۵) -

★ یہ الفُرقان ہے (البقرۃ ۲ : ۱۸۵)، یعنی حقّ و باطل، خیر و شر، حسنہ و سیّئہ، سُود و زیاں، فلاح و نامرادی اور توحید و شرک میں اِمتیاز کرنے والا ہے۔

★ قُرآن مبین، عظیم اور حکیم ہے (الحِجر ۱۵ : ۱، ۸۷ ؛ اور یٰسٓ ۳۶ : ۲) -

(ا) مبین کا مطلب ہے کہ قُرآنِ مجید اپنا مافیہ غیر مبہم و واضح طور پر بیان کرتا ہے ؛ لہٰذا اُس کی تعلیمات و احکام میں قطعًا کوئی ابہام و تردُّد یا سُقم و اضطراب نہیں پایا جاتا۔

(ب) عظیم : اس کا مطلب یہ ہے کہ قُرآنِ مجید اپنے علم و حکمت، ہدایت و فُرقانیّت، مسیحائی اور نُورانی - جوہری توانائی کی بناء پر اِنتہائی رفیع المرتبت اور جلیل ہے -

Marfat.com

حکیم : اس کے معانی ہیں کہ قرآنِ مجید نہ صرف گنجینۂ حکمت ہے، بلکہ حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔

★ قرآنِ مجید اہلِ ایمان کو دُنیوی و اُخروی حسنہ، فلاح و فوز، مادّی و معنوی ترقی اور رجنتِ قُرّۃُ العین کی بشارت دیتا ہے (الاسراء ۱۷: ۹)۔

★ قرآن میں اہلِ ایمان کے لیے شفا اور رحمت ہے (الاسراء ۱۷: ۸۲)، اس آیۂ جمیلہ میں لفظِ شفا کی مُطلقیّت اس کی معنویت کی ہمہ گیری پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ مجید کی آیات میں اعجازِ مسیحائی بھی ہے، یعنی ان میں تن بدن اور قلب و نفس کے امراض کو شفا دینے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں، ان سے تزکیۂ قلب و نفس بھی ہوتا ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اِنسان کے باطن میں جو حِسّی۔قلبی۔نفسی اِستعدادیں (POTENTIALITIES) ودیعت کی ہیں، ان کو آیاتِ قرآنی کے ذریعے قُوّۃ سے فعل میں لایا جاسکتا ہے۔

رحمت : قرآنِ مجید میں "رحمت" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام و تعلیمات کو تسلیم بالیقین اور ان پر عمل کرنے سے اِنسان کو دُنیوی و اُخروی حسنہ، فوز و فلاح اور مادّی و معنوی ترقّی بھی ملتی ہے، اور خوف و حُزن، النّار، زیانِ مسلسل اور تن من کے امراض سے نجات بھی۔

★ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ (الاسراء ۱۷: ۸۹):

اور ہم نے یقیناً اس قرآن میں بنی نوعِ اِنسان کے (سمجھنے بوجھنے) کے لیے ہر احسن مضمون مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگوں نے (اُسے قبول نہ کیا، بلکہ) انکار ہی کیا۔

نُکتہ: "کُلِّ مَثَلٍ" قرآنِ حکیم کی از بس اہم و فکر انگیز اور وسیع المعانی اِصطلاح ہے۔ یہ ان تمام مضامین پر حاوی ہے جو اِنسان کی دُنیوی و اُخروی حسنہ اور مادّی و معنوی ترقّی سے تعلّق رکھتے ہیں (نیز دیکھیے الکھف ۱۸: ۵۴؛ الرّوم ۳۰: ۵۸؛ الزُّمر ۳۹: ۲۷؛ الحشر ۵۹: ۲۱)۔

★ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ (صٓ ۳۸: ۱):

صٓ۔شاہد ہے صاحبِ حکمت و فضیلت قرآن۔

"اَلذِّكْرِ" اِصطلاحِ قرآن میں اس عہد کی یاد دہانی پر دلالت کرتا ہے جو نفسِ اِنسانی اپنے ربِّ رحمٰن سے روزِ "اَلَسْتُ وَبَلٰی" کرچکا ہے؛ اور اس میں بالقُوّۃ مُضمَر ہے؛ نیز اِنسان جب دُعا مانگتا یا صلوٰۃ قائم کرتا ہے تو اس کی توحیدِ اُلوہیّت و رُبوبیّت کا اقرار کرتا اور صرف اسی کی طاعت و بندگی کرنے کا قول و

Marfat.com

قرار کرتا ہے۔

قرآنِ مجید کی بے قیاس معنوی جلالت و ہیبت، عظمت و کبریائی اور رفعت و عُلوِّ مرتبت کا اندازہ اِس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر اللہ جَلَّ شانہٗ اسے کوہِ گراں پر نازل کرتا تو اس کا کلیجہ پھٹ جاتا اور وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑتا۔ لیکن یہ اِنتہائی سنگدل و شقی القلب اِنسان ہیں جو اس سے مرعوب ہوتے ہیں نہ متأثر (الحشر ۵۹ : ۲۱)؛ اور نہ اس کے احکام و تعلیمات کو تسلیم بالیقین و بالعمل ہی کرتے ہیں۔

اِسلام یا حقیقی و فطری دین ربِّ کریم کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکار کو اس کا صاحبِ حُسن و عشق بندہ بنانا چاہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا صاحبِ حُسن و عشق بندہ ہی اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق سے شدید ترین محبت یا عشق کرتا اور اِنسانوں سمیت اس کی جُملہ حسین و نظرافروز تخلیقات سے سچّی محبّت کرتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ محبت حُسنِ عمل ہی سے سچّی بنتی ہے؛ اور سچّی محبّت کے معنی ہیں: ہمدردی و غمگساری، مؤدّت و شفقت، عفو و درگذر، دردمندی و رحمدلی، تعاون و نُصرت، لُطف و کرم، عدل و اِحسان اور ایثار و قُربانی۔ وہ ایک طرف کائنات کی جمیل و جلیل چیزوں، حسین و دلکش مناظر اور دل انگیز نظّاروں سے جمالیاتی ثروت اور دیگر فوائد حاصل کرتا ہے؛ اور دوسری طرف اپنے ربِّ عاشق کے حوالے سے اپنے ہم نفسوں کے ساتھ صُلح و آشتی، اُخوّت و محبّت، رواداری و خیرسگالی، عزّت و احترام اور امن و سلامتی کے ساتھ حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کی سچّی آرزو رکھتا ہے۔ علاوہ بریں، اُسے آرزو ہوتی ہے تو صِراطِ مُستقیم یعنی اپنے اِلٰہ و ربّ کی حسین و فطری راہِ راست کی، جو اُسے اس کی منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔

یہ اصلِ عظیم ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اِنسان کی منزلِ مقصود اِس کے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کی جائے لقاء جنّتِ قُرّۃُ العین ہے۔ جنّت بلاشُبہ حیاتِ اِنسانی کی غایتِ حقیقی ہے لیکن اس کی غایت الغایات اپنے اِلٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ رحمٰن و عاشق کی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رِضوان ہے۔ اہلِ آرزو اِس مقصد کے حصول کی خاطر اپنے قلب و نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔ تزکیہ کا مطلب ہے قلب کی تطہیر و تحسین کرنا تاکہ وہ نشو و نما کرے اور منوّر و مُنیر بن کر اپنے نُور کا مسلسل اِتمام کرتا رہے۔ نُور کے اِتمامِ مسلسل کے لیے اِس تلمیذ القرآن نے جمالیاتی شعور کے اِرتقائے مدام کی تعبیر اختیار کی ہے، جسے تقرّب اِلی اللہ اور ترفیعِ درجات بھی کہا جاتا ہے۔

اِس عالمِ آب و گِل کے مکین اور خوگرِ محسوس ہونے کے باوصف اہلِ حُسن و عشق اپنے جمالیاتی شعور کے اِتمام کے باعث عقل و فکر سے وراء عوالم اور حقائق کو تسلیم بالیقین کر لیتے ہیں، جن پر ایمان لانے کا تقاضا اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حُسنِ کلام کے ذریعے کرتا ہے۔

Marfat.com

نورِ چشم ہو تو اِنسان آفتاب کی روشنی کو دیکھتا اور اس کے ذریعے چیزوں کو دیکھتا اور پہچانتا ہے۔ کچھ اسی طرح اہلِ حُسن و عشق اپنے نورِ حُسن سے اپنے ربِّ عاشق کے حُسنِ کلام کو پہچانتے اور اُس کی آیات کے معانی و مطالب، اسرار و رموز، حقائق و معارف اور غوامض و اِعجازات کا اِدراک کر لیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، اُن کے قلبِ حسین و مُنیر پر حُسنِ کلام کی معنویت مشہود ہو جاتی ہے۔

سُورۂ بقرہ اِس فلسفۂ دین و حیاتِ اِنسانی کی آئینہ داری کرتی ہے اور یہ واقعیت اس کی غیر معمولی اہمیت و فضیلت پر دال ہے۔

توحیدِ اُلوہیت و ربُوبیت جسے جمالیاتی زبان میں توحیدِ حُسن و عشق سے تعبیر کر سکتے ہیں، اصلِ دین ہے، جس کا اِستیصال کرنے والے کُفر و شرک، نفاق و عہد شکنی اور فساد و اعمالِ سُوء کا اِرتکاب کرنے والے ہیں۔ یہ سلبی خصائل تھے بنی اسرائیل کے، جن کے سبب وہ محکوم و غلام، ہلاک و برباد اور ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ ربِّ عاشق نے اپنے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں میں اِس حقیقتِ عُظمیٰ کا حق الیقین پیدا کرنے کی خاطر بنی اِسرائیل کا ذکر اپنے حُسنِ کلامِ آخر کے آغاز ہی میں کر دیا ہے تاکہ وہ اس معتوب و عہد شکن اور مُنافق و مُفسد قوم کی المناک داستان سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

علم کے حکیمانہ پہلو [۳۵]**:** سُورۂ بقرہ گنجینۂ معانی ہے۔ اُس نے اِنسان کو علم کے حکیمانہ پہلوؤں سے آگہی بخشی کہ علم اشیاء اور ان کے حقائق کا اِدراک بھی ہے اور چیزوں کو پہچاننے، ان میں اِمتیاز اور اِستفادہ کرنے کے لیے ان کو موزوں ناموں سے موسوم کرنے کا حکیمانہ فن بھی ہے۔ اس کے لیے اس تلمیذ القُرآن نے فنِ تسمیہ کی اصطلاح وضع کی ہے۔ علاوہ بریں، علم کی غیر معمولی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس واقعیت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی بدولت ہی ربِّ عاشق نے اپنے جمالیاتی تخلیقی شہکار کو مسجودِ ملائکہ اور خلیفۃُ الارض بنایا ہے۔ نیز اُسے زمان و مکان (TIME AND SPACE) کو مسخر کرنے، ذرّوں سے قیامت خیز جوہری توانائی حاصل کرنے اور لامحدود مادّی و معنوی ترقی کرنے کی استعداد بالقُوّہ ودیعت کی ہے۔ یہ اصلِ عظیم اُس نے زیرِ نظر سُورے میں ایک مختصر جُملے میں جو اعجازاتِ قُرآن میں سے ہے، بڑے ہی بلیغ انداز میں بیان کی ہے:

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۲: ۳۱):

اور اُس نے آدم کو کُل اشیاء کے خواص و حقائق معلوم کرنا اور ان کے نام رکھنا سکھا دیا۔

اِس جُملے کی چاروں اصطلاحیں ازبس اہم، فکر انگیز اور صراحت طلب ہیں:

اوّلاً: عَلَّمَ: یہ وسیع المعانی اصطلاح ہے۔ اس کے معنی ہیں علوم و فنون کی تعلیم دینا، جیسے ریاضیات،

Marfat.com

اقتصادیات، اخلاقیات، تاریخ، جغرافیہ، شعر و موسیقی اور مصوّری وغیرھم کی تعلیم دینا۔ اس میں تسمیہ یعنی نام رکھنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

ثانیًا : 'آدم' علامت ہے نوعِ انسان (SYMBOL OF MANKIND) کی۔

ثالثًا : اسمآء : یہ اصطلاح اشیاء کے خواص وصفات اور حقائق پر دلالت کرتی ہے تعلیمِ اسماء کے معنی ہیں چیزوں کے خواص وصفات اور حقائق کی بناء پر ان کے نام رکھنا۔ یہ فنِ تسمیہ پر دلالت کرتی ہے۔ تسمیۂ اشیاء میں موجودات کے علاوہ ان چیزوں کے نام رکھنے کا بھی مفہوم پایا جاتا ہے جو انسان ایجاد، اختراع اور دریافت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے علم الاشیاء طبیعی یا سائنسی علوم پر بھی دلالت کرتا ہے۔

رابعًا : کُلَّھَا : اس اسم کی صفت میں کُلّیت وعمومیت کا مفہوم پایا جاتا ہے؛ اس لیے یہ طبیعی اور مابعد الطبیعی دونوں طرح کی اشیاء پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے مُستنبط ہُوا کہ ربّ علیم وحکیم نے انسان میں طبیعی اور مابعد الطبیعی اشیاء کا علم فطرۃً ودیعت کیا ہوا ہے، جسے وہ سعی ومحنت، فکری کاوش اور مشاہدہ وتجربہ سے قوّۃ سے فعل میں لاسکتا ہے۔ چنانچہ اس طریقے ہی سے وہ مادّی ومعنوی ترقی مدام کرسکتا ہے اور کر رہا ہے۔

یہاں اس نکتے کا اعادہ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ جب تک اللہ جمیل و ربّ عاشق اپنی جمالیاتی تخلیقی فعلیت میں اپنا جلوہ پیدا کرتا رہے گا، انسان جنّتِ قُرّۃُ العین میں صرف معنوی ترقی علی الدّوام کرتا رہے گا۔

علم وحکمت اور دین وحیات کے موضوعی ومعروضی حکیمانہ پہلوؤں کو آشکارا کرکے سُورۂ بقرہ نے افرادِ نسلِ انسانی پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ یہ واقعیت بھی اس کی غیر معمولی افادیّت واہمیت کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

اللہ جلّ شانہٗ کے صاحبِ ارادہ و اختیار جمالیاتی تخلیقی شہکار کو گمراہ کرنے کا اصل عامل اس کا پیدائشی۔ آفرینشی دُشمن شیطان ہے۔ لیکن اس کے وسوسوں اور جمالیاتی دھوکوں سے جو سرطانی امراض اور شرور پیدا ہو کر انسان کو ذلیل وخوار اور ہلاک وبرباد کرتے، نیز محکوم وغلام، ملعون ومغضوب اور اہلِ نار بناتے ہیں، وہ یہ ہیں :

(۱) کُفر (۲) شرک (۳) نفاق (۴) تکذیبِ حق (۵) عہد شکنی (۶) کُفرانِ نعمت یا ناسپاسی (۷) جنسیّت (SEXUALITY) (۸) تکاثُر یا سرمایہ داری، اور (۹) بُخل۔ اب ان کی فردًا فردًا صراحت کردی جاتی ہے :

(۱) کُفر : قرآنِ مجید کی بُنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ اس کے ایک معنی ہیں : اللہ تعالیٰ اور

Marfat.com

اس کے دین کو ماننے سے اِنکار کرنا۔ اِسے دھریّت (ATHEISM) اور کافر کو دھریہ (ATHEIST) بھی کہتے ہیں۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں، دینِ اِسلام کا اِنکار کرنا۔ مُنکرِ اِسلام کو غیر مُسلم بھی کہتے ہیں۔ اس کے تیسرے معنی ہیں، اِسلام قبول کرنے یا اپنے آپ کو مُسلمان کہنے کے باوجود قرآنِ مجید کے بعض احکام کو تسلیم بالیقین یا تسلیم بالفعل نہ کرنا۔ اِس کُفر کا نتیجہ ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ تشتّت و افتراق کی شکار ہو کر بیسیوں فرقوں میں مُنقسم اور عظمتِ رفتہ سے محروم ہو چکی ہے۔

(۲) شرک: اِبلیس کے حوالے سے شرک میں تفکّر بالحق کریں تو اسے "شیطان کا جمالیاتی فریب" ماننا لازم آتا ہے۔ شرک ایک اِنتہائی قبیح، گھناؤنا، سرطانی، نیز غارتگرِ ایمان و تقوٰی اور رہزنِ عقل و آگہی باغیانہ فعل ہے لیکن شیطان اپنی جمالیاتی فریب کاری و وسوسہ اندازی سے اُسے حسین و مقدّس کارِ ثواب بنا کر اپنے پیروکاروں کو دکھاتا ہے اور اس طرح انھیں مُشرک و ملعون اور اہلِ نار بناتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ شیطان اپنے شکار کا پیچھا نہیں چھوڑتا کہ کہیں وہ اس کے دامِ تزویر سے نکل نہ جائے، لہٰذا وہ ہر وقت اس کے حواس و قلب پر مُسلّط رہتا ہے۔

شیطان اِنسان کا نہایت زیرک، عیّار اور چوکنّا دشمن ہے، اور اُسے گمراہ کرنے کی خاطر ہر زمان و مکان میں لوگوں کے احوال و ظروف کے مطابق نئے نئے مُشرکانہ عقائد و رسوم، اِیجاد و اختراع کرتا رہتا ہے۔ بنی اسرائیل کے عہد میں اس کی مُشرکانہ اِیجاد "گاؤ پرستی" زمانے بھر میں بڑی مقبول تھی۔ چنانچہ دیگر اقوام کے علاوہ یونانی، ھندی اور مصری قومیں گوسالہ پرستی کی بڑی دلدادہ تھیں اور ان میں گاؤ سے متعلق بہت سی اساطیری داستانیں اور کرامتیں مشہور تھیں۔ مُشرک اقوام گائے کو اِس قدر مقدّس سمجھتی تھیں کہ اِس کے پیشاب اور گوبر کو بھی پاک اور پاک کُن خیال کرتی اور اس کا پیشاب پیتی تھیں۔

گائے چونکہ ایک معصوم اور نہایت نفع بخش پالتو جانور ہے اور لذیذ و شیریں اور نُور آسا دُودھ دیتی ہے، جس میں متوازن غذائیت و توانائی ہوتی ہے؛ نیز اِنسان اس سے بہت سے دوسرے فوائد بھی حاصل کرتا ہے، لہٰذا شیطان نے اپنی جمالیاتی فریب کاری و وسوسہ اندازی سے اُسے رزق و شفا دینے والی دیوی بنا کر دکھایا اور اس کے پیرووں نے اُسے اِس خُدائی صفت کی مالکہ تسلیم کر لیا اور اس کی پرستش میں اپنی دُنیوی و اُخروی حسنہ کو مُضمر سمجھنے لگے۔ اِس طرح وہ مُشرک اور اہلِ نار بن گئے۔

بنی اِسرائیل توحید پرست تھے، لیکن مُشرک و اصنام پرست مصری قبطیوں (COPTS)

Marfat.com

کے ساتھ بود و باش رکھتے تھے۔ ان کو گاؤ پرستی کرتے دیکھتے اور اس سے متعلق اُن سے مافوق الفطرت قصّے کہانیاں سُنتے رہتے تھے۔ ان مُشرکانہ باتوں کا ان کے دلوں پر اثر کرنا ایک فطری امر تھا۔ دوسرے شیطان بھی بنی اِسرائیل کو اپنے وسوسوں سے اُن کو گاؤ پرستی کی طرف مائل کرتا رہتا تھا کہ اِنسان کو مُشرک بنانا اور گمُراہ کرنا اس کا مشن ہے۔ مُشرکانہ صحبت اور شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری نے اپنا اثر دکھایا اور بنی اسرائیل کے دلوں میں شرک کا بیج امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ نشوونما پاتا رہا۔ آخرِکار جب شیطان کو موقع ملا تو اُس نے اپنے پیروکار سامری کی وساطت سے گائے کا مجسمہ بنوایا، اور بنی اِسرائیل میں بُہت سوں کو اس کا پُجاری بنانے میں کامیاب ہوگیا۔

اللہ وحدہٗ لاشریک سے اپنے چہیتے اور توحید کے نقیب و علمبردار حضرت یعقوب (اِسرائیل) علیہِ السّلام کی توحید پرست اولاد کو جو علم و حکمت میں یکتائے روزگار تھی، گاؤ پرستی کرتے دیکھا نہ جاتا تھا۔ اُس نے اپنے جلالی طبیعت کے اُولوالعزم نبی ر رسول حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام کو حُکم دیا کہ گاؤ پرستی ایسے گھناؤنے مُشرکانہ فعل کا اِرتکاب کرنے والے تمام افراد کو قتل کر دیا جائے تاکہ افرادِ نسلِ اِنسانی کو عبرت حاصل ہو کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی نظر میں شرک و بُت پرستی اِنتہائی سنگین جُرم اور ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے، لہٰذا اس سے وہ ہمیشہ گریزاں و ترساں رہیں۔

اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں ربِ عاشق نے اپنے حُسنِ کلامِ آخر کے آغاز ہی میں اس عبرتناک و سبق آموز واقعے کا ذکر کیا اور گائے کو اس کے سُورے کا مُستقل عنوان بنا دیا۔

(۳) نفاق ایسا مہلک نفسیاتی مرض ہے جو ایمان کی نا مُحکمی، فُقدانِ تقویٰ، تشکیک و لاادریّت[۳۶]، قلب کے اندیشہ ہائے گُوناگُوں اور تذبذب پر دلالت کرتا ہے مُتقی یا اہلِ آرزو و خشیّت بننے کے لیے اس سرطانی مرض سے چھُٹکارا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ منافق کی مثال اس موش کور ایسی ہے جو باغوں، باغیچوں اور کھیتوں کے اندر رہتا ہے، اور اپنی راہِ فرار کے لیے دو دہانوں والی سُرنگ یا سُرنگیں بنانا اور اس طرح ان کو تہس نہس کرنا اس کی سرشت ہوتی ہے۔ مُنافق بھی شعوری اور لاشعوری طور پر مزرعِ دین و حیاتِ اِجتماعیہ کو اندر اندر تہ و بالا کرتا رہتا ہے، اور ساتھ ہی فرار کی راہیں بھی کھُلی رکھتا ہے۔ بنی اِسرائیل کی عبرتناک ہلاکت و بربادی اور محکومی و غلامی کا ایک بڑا سبب نفاق تھا۔ وہ آج بھی اس مرض میں مُبتلا ہیں، جو اُن کی ہلاکت و بربادی کا غماز ہے۔

نِفاق کا یہ سرطانی مرض مُسلم اقوام کو بھی لاحق ہے اور ان کی محکومی و غلامی اور پس ماندگی و بربادی

Marfat.com

کے عوامل میں سے ہے۔

(۴) **تکذیبِ دین** جتنا بڑا گناہ ہے اُتنا ہی عام ہے اور اقوامِ عالم اس کی مرتکب ہیں ، حتیٰ کہ اُمّتِ مُسلمہ بھی جس کا دین سچّا اور قرآن مجید بھی سچا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مذہبی طور پر تشتّت و افتراق کی شکار ہے اور بیسیوں فرقوں میں مُنقسم ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کو تکذیبِ حق کا مرتکب سمجھتا ہے۔ اس ازبس اہم مسئلے میں غور کریں تو تکذیبِ حق میں "عصبیّت" سرِ فہرست دکھائی دیتی ہے۔ عصبیّت کی بڑی بڑی اقسام یہ ہیں : دینی، مذہبی، نسلی، قومی، قبائلی، نظری اور لسانی۔

بنی اِسرائیل کی پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ سے پہلے انبیاء علیہم السّلام کی دعوتِ حق کی تکذیب کی بنیادی وجہ اُن کی نسلی اور دینی عصبیّت تھی۔ یہود کی طرح ھنود بھی نسلی اور دینی عصبیّت کی بناء پر دینِ حق کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ نصاریٰ کی تکذیبِ حق کی وجہ اُن کی دینی و مذہبی عصبیّت تھی۔

مُسلم اقوام میں اُن فرقوں کی کمی نہیں جو مذہبی عصبیّت کی بناء پر توحیدِ اُلوھیّت و رُبوبیّت اور دیگر احکامِ الٰہیہ کی تکذیب کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔

سُورۂ بقرہ ہمیں اِس تاریخی واقعیت کی یاد دلاتی ہے کہ تکذیبِ حق کرنے والی ہر قوم فرعون کی قوم کی طرح ہلاک و برباد ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ باطل بے بنیاد و بے ثبات ہوتا ہے اور اس کے ہیولے میں خرابی کی صورت مُضمر ہوتی ہے۔ کاش! مُسلم اقوام اِس گناہِ کبیرہ کے نتائج و عواقب سے عبرت حاصل کریں۔

(۵) **عہد شکنی** : عہد سے مُراد اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ سے میثاق یا پُختہ عہد کرنا ہے۔ مثال کے طور پر، ہم کلمۂ طیّبہ پڑھتے ہیں تو ہم اس سے عہدِ مُحکم کرتے ہیں کہ "ہم تجھے، تیری صفاتِ حسنہ، تیرے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حُسنِ کلامِ آخر کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں ؛ اور تیرے جُملہ احکام پر اور تیرے نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُنّتِ حسنہ پر عمل کریں گے، لیکن شرک نہیں کریں گے، بلکہ پُورے طور پر تیرے دینِ اسلام میں داخل ہو کر حیاتِ طیّبہ بسر کریں گے۔"

بنی اِسرائیل بھی دیگر اقوام کی طرح اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ سے عہد کرتے، بار بار کرتے اور پھر بار بار توڑ دیتے تھے۔ عہد شکنی اُن کی سرشت بن چکی تھی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ صدیوں سے ہلاکت و بربادی اور محکومی و غلامی اُن کا مقدّر بن چُکا ہے۔

مُسلم اقوام کی ہلاکت و بربادی اور محکومی و غلامی کے عوامل و محرّکات میں "عہد شکنی" سرِ فہرست

Marfat.com

دکھائی دیتی ہے۔ زمانۂ حال کی بات ہے کہ برِّصغیر و ہند کے مُسلمانوں نے ربُّ العزت سے پُختہ عہد (میثاق) کیا تھا کہ اگر ان کو آزاد پاکستان بخشا گیا تو وُہ اسے اِسلامی مملکت بنائیں گے اور اس میں اِسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کر کے حیاتِ طیّبہ بسر کریں گے۔ یہ کُھلا راز ہے کہ اِسلامی معاشرے میں سرطانی و طاغوتی، یعنی فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری اِداروں کا فُقدان ہوتا ہے، لیکن اس میں صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے رحمانی اِدارے قائم و فعّال ہوتے ہیں۔ ربِّ رحمٰن کے فضل سے مُسلمانوں کو پاکستان تو ملا، مگر مُسلمان اپنا عہد بُھول گئے اور پینتالیس برس سے عہد شکنی کا اِرتکاب کر رہے ہیں، لیکن کم اس کا شعور رکھتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کے گوشے گوشے میں فساد برپا ہے، اور اہلِ پاکستان جاگیرداروں، بڑے بڑے زمینداروں، سرداروں، وڈیروں اور سُود کاروں کی سلاسلِ غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان پر نجات کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں، صرف ہلاکت و بربادی اور محکومی و غلامی کی راہ اُن پر کُھلی ہوئی ہے۔

(۶) **کُفرانِ نعمت یا ناسپاسی**، تقریباً بارہ صدیاں بعد طبیعات یا سائنس نے قرآنِ حکیم کے اُصولِ کُفرانِ نعمت کی تائید کر دی ہے کہ کُفرانِ نعمت کے نتیجے میں قُدرت، فرد ہو یا قوم، اس سے وہ نعمت سلب کر لیتی ہے۔ بالفاظِ دیگر کُفرانِ نعمت کا نتیجہ زوال و سلبِ نعمت ہوتا ہے (الانفال ۸ : ۵۳)۔

بنی اِسرائیل کو ربِّ رحمٰن نے عظیم نعمتوں سے نوازا تھا، نیز اسے اقوامِ عالم پر فضیلت بھی دی تھی لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی تو وہ ان سے محروم ہو گئے۔ اقوامِ عالم کی قیادت کرنے والے اپنی ناسپاسی کی پاداش میں اِمامتِ عالم کے ارفع مقام سے گر کر ذِلّت و مسکنت کے تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔ پھر اغیار کے ہاتھوں ہلاک و برباد ہوئے اور باقی ماندہ ان کے محکوم و غلام بن گئے۔ سُورۂ بقرہ کے آغاز ہی میں اس سانحۂ عظیم کی طرف فکر انگیز اشارے کیے گئے ہیں تاکہ مُسلمان بالخصوص اور دیگر اقوام بالعموم اس سے عبرت پکڑیں۔

مُسلم اقوام کے ظُلم و جہل کی اِنتہا یہ ہے کہ وہ قُرآنِ حکیم سے اس قدر دُور اور نابلد ہو چکی ہیں کہ وہ اس کی آیات سے سبق حاصل کرتی ہیں نہ عبرت، بلکہ نشۂ تغافل میں سیاہ مست ہو چکی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اُمّتِ مُسلمہ کو بھی اپنی بے حساب نعمتوں سے نوازا تھا اور ان کو اقوامِ عالم پر فضیلت دی تھی، لیکن اُس میں جب ان نعمتوں کی قدر نہ رہی اور ان کے لیے مُسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ تشکّر و سپاس بھی سرد پڑ گیا تو قُدرت کا قانونِ کُفرانِ نعمت حرکت میں آ گیا اور وہ ان نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ پھر وہ فرقوں میں مُنقسم ہو گئے اور مُشرک بن گئے۔ ان کی ہوا اُکھڑ گئی اور اغیار نے ان کو کہیں

Marfat.com

ہلاک و برباد کر دیا اور کہیں اپنا محکوم و غلام بنا لیا۔

عصرِ حاضر میں قدر ناشناسی و ناسپاسی کی ایک زندہ و عبرتناک مثال اہلِ پاکستان کی ہے، جن کو اس کی فوری سزا یہ ملی ہے کہ وہ ایک طرف جاگیرداروں، وڈیروں، سرداروں، سرمایہ داروں اور سُودی سرمایہ کاروں کے محکوم و غلام ہیں تو دوسری طرف بڑی قوّتوں (SUPER POWERS) کے قرضوں کے طوق میں بُری طرح گرفتار ہیں۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ سوچیے تو زہرا گداز ہو جاتا ہے۔

(۷) **جنسیّت** (SEXUALITY): ہماری انفرادی، عائلی، معاشرتی اور قومی زندگی میں جنسیّت کی غیر معمولی اہمیت اس سے بہت زیادہ ہے جو عموماً اسے دی جاتی ہے، خاص طور پر اس "جنسی دور" میں۔ اس سے اِس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں ربِّ علیم و حکیم نے فلسفۂ جنسیّت کو اپنے حُسنِ کلام آغاز ہی میں ایسے بلیغ و مختصر انداز میں بیان کیا ہے کہ اہلِ نظر کے لیے ہر آیۂ فکر انگیز مظہرِ اعجاز ہے۔

پہلے اِس نُکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ قصّۂ آدم ایک تمثیل ہے اور آدم کو نوعِ اِنسان (MANKIND) کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ اِس دُنیا میں پیدا ہوئے تھے اور اس کے ایک باغِ ثمرور یا جنّت میں بود و باش رکھتے تھے۔ ربِّ عاشق نے ان کو دُنیا میں خلیفہ یا حکمران بنانا تھا اور اس کے لیے اُن کو ان کے حریف شیطان کی جمالیاتی فریب کاریوں اور وسوسہ اندازیوں کے اسرار و رموز سے آگاہ و مُتنبّہ کرنے کے لیے ایک امتحان میں سے گزارنا تھا۔ چنانچہ اُس نے آدم اور ان کی دوشیزہ زوجہ کو حکم دیا کہ وہ شجرِ جنسی کی لذّت سے آشنا ہونے کے لیے اس کے قریب نہ جائیں۔

جنسی لذّت سے ناآشنا یہ اِنسانی۔ ارضی جوڑا جنّتِ ارضی میں امن و سلامتی کے ساتھ بافراغت زندگی گزارنے لگا۔ شیطان نے چونکہ اِنسان کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان بنانے کو اپنا مقصودِ حیات بنایا ہوا تھا، اس لیے آدم و حوّا کو بساطِ جنسیّت پر مات دینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ وہ نفسیاتِ اِنسانی کا محرمِ راز تھا اور جانتا تھا کہ صنفِ جمیلہ و جلیلہ دونوں میں جذب و انجذاب کی زبردست قوّتیں پائی جاتی ہیں جو جنسی تصادم کے لیے مُستعد رہتی ہیں۔ اگر جنسی تصادم کے جذبے کو برانگیختہ کر دیا جائے تو وہ بے قابو ہو جاتا ہے اور اِنسانی زوجین بے اختیار ہو کر جنسی شجرِ ممنوعہ کے ثمر کی لذّت سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ شیطان اِس راز سے بھی آشنا ہے کہ عُریاں اور نیم عُریاں جنسی مناظر، نظّارے اور مکالمے جنسی جذبے کو ہیجان خیز اور بے قابو بنانے میں از بس اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ اُس نے اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے ذریعے حیاسوز جنسی مناظر یا معروضات (OBJECTS) کو خوبصورت و دل انگیز بنا کر اُن کو دکھانا شروع کر دیا۔ کبھی عاشقانہ باتوں سے وہ ان کے اعضائے جنسی (SEX ORGANS) کی طرف ان کی توجہ کو مبذول کراتا، نیز اُن کو طرح طرح سے باور کرانے کی کوشش کرتا کہ جنسی اختلاط ہی کے ذریعے وہ اپنی نسل کی شکل میں زندۂ جاوید بن سکتے اور مادّی ترقّی کر سکتے ہیں۔

احکامِ الٰہیہ کی تاویلِ باطل کرنا شیطان کی سُنّتِ سیّئہ ہے۔ چنانچہ اس کے ذریعے وہ اِنسانی جوڑے کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ یہ ملائکہ ہیں جو جنسی فعلیّت کی خواہش رکھتے ہیں نہ اس کے قابل ہیں، نیز انھیں اولاد کی حاجت ہے نہ مادّی ترقّی کرنے کی، کیونکہ وہ سماوی مخلوق ہیں، جبکہ اِنسان ارضی مخلوق ہے، اور اُسے زوجین بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ جنسی فعلیّت کے ذریعے نسل کشی اور ترقّی کریں، نیز حیاتِ جاوید حاصل کریں۔

انجامِ کار، شیطان کا یہ طریقِ واردات (MODUS OPERANDI) کامیابی سے ہمکنار ہوا اور آدم و حوّا دونوں ہم کنار ہوگئے۔ ہیجان خیز جنسی جذبے کی سیاہ مستی میں اِنسان کو فرمانِ الٰہی یاد رہتا ہے نہ اُن کو رہا، اور جنسی شجرِ ممنوعہ کی لذّتِ ثمر سے آشنا ہوگئے۔ نشہ اُترا تو انھیں فرمانِ الٰہی یاد آیا اور غرقِ دریائے ندامت ہوگئے۔ ان کے احساسِ ندامت و پشیمانی کی شدّت اور تلافیِ مافات کی تمنّا ہی ان کی توبۃ النّصوح تھی، جسے رحمتِ الٰہی نے قبول کرلیا، جو سچّی توبہ کی ہر وقت منتظر رہتی ہے۔

آدم و اِبلیس کا یہ قصّہ قُرآنِ حکیم کے فلسفۂ جنسیّت کی عملی تعبیر پیش کرتا ہے، جس کی مختصرًا صراحت کر دی جاتی ہے۔ بساطِ زندگی پر جنسی جذبہ بے قابو ہو جائے تو اِنسان مات کھا جاتا ہے، اور جنسی جذبے (SEX LUST) کو ہیجان خیز اور بے قابو کرنے والا شیطان ہے جو اِنسان کا حریفِ اعظم ہے۔ اس کا ایک طریقِ واردات یہ بھی ہے کہ وہ مرد اور صِنفِ جمیلہ دونوں کو عُریاں یا نیم عُریاں جنسی اعضاء، مناظر اور نظارے دکھا دکھا کر ان کے اندر جنسی تصادم کی خواہش کو حد سے زیادہ تیز اور بے قابو کر دیتا ہے۔ اس سے اِس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں قُرآنِ حکیم نے جنسی معروض صنفِ جمیلہ کو بالخصوص جنسی حجاب و پردہ داری کا، نیز حصارِ حیا و تقوٰی میں رہنے کا حُکم دیا ہے۔ اس حُکم کا اطلاق مرد پر بھی ہوتا ہے۔

مغربی دُنیا میں خاص کر شیطان نے اپنے اِس جنسی طریقِ واردات سے مرد و زن کو

Marfat.com

قردیت سرشت بنا دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ انسانیت کے حُسنِ مقام سے پھسلتے پھسلتے قردیت و خنزیریت کی دلدل میں اس بُری طرح پھنس گئے ہیں کہ جہاں سے نکلنا ان کے بس کا روگ نہیں رہا۔ اگر تنگ آ کر انھوں نے اس دلدل سے نکلنے کی کوشش بھی کی تو اس میں دھنستے دھنستے اُن کا غرق ہو جانا شُدنی ہے۔

ہمیں یہ اصل الاُصول یاد رکھنا چاہیے کہ نسلی نجابت و شرافت اور جذبۂ جہاد کے لیے، نیز حیاتِ اجتماعیہ میں توازن پیدا کرنے اور برقرار رکھنے اور حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کے لیے جنسی پاکیزگی ناگزیر ہے۔ بخلاف اس کے، حیاتِ اجتماعیہ کے گوشوں میں فتنہ و فساد برپا ہونے کی بالواسطہ یا بلاواسطہ ذمّے دار ناجائز و ناپاک جنسی آمیزش یا زنا کاری ہے۔ حُسن نمائی اور جمال فروشی کا ہر انداز جنسی بے رہروی ہے، جس نے آج کے انسان کو ایک تو سرمایہ پرست و گمراہ، زیاں کار و لذّت پرست اور مُفسد و مُجرم بنا دیا ہے؛ اور دوسرے اس کا نُورِ قلب سلب کر کے اس پر معنوی ترقی کی راہِ راست مسدود کر دی ہے۔

اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں کہ شیطان بساطِ حیات پر اپنے حریف انسان کو جنسی مُہرے سے ایسی مات دینے والا ہے جس کے نتیجے میں اس کا ہلاک و برباد ہو جانا شُدنی ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ آج کے مرد و زن آدم اور حوّا کی طرح اللہ جَلّ شانُہٗ کی اس نافرمانی کے بھیانک اور ہلاکت آفرین نتائج و عواقب کا نہ تو شعور رکھتے ہیں اور نہ اس پر وہ ندامت و پشیمانی ہی محسوس کرتے ہیں، بلکہ اُلٹا جنسی بے رہروی کو ثقافتی ترقّی پر محمول کرتے ہیں؛ نیز اسے ترقّی پسند قاروتوں کا فیشن سمجھ کر اس پر فخر کرتے ہیں۔

۸) **تکاثُر[۳۲] یا سرمایہ داری :** تکاثُر قرآنِ مجید کی اصطلاح میں، دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مال و دولت حاصل کرنے کی حرصِ مدام سے عبارت ہے۔ کثرت کی حرص و ہوا انسان کو غاصب، بخیل اور ربُّ العالمین کا نافرمان بنا دیتی ہے۔ ایسے شخص کو قرآنِ مجید کی تلمیح میں "قارُون[۳۳]" کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی رُو سے ربُّ العٰلمین نے اپنی نعمتیں اپنے کُل جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کے لیے زمین میں ودیعت کی ہوئی ہیں، لہٰذا ان سے مُستفید ہونے کا ہر انسان کو حق ہے۔ لیکن جو لوگ قرآنِ حکیم کے اس فرمانِ الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے، وہ ان نعمتوں یا مال و دولت کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی طلب و جستجو میں رہتے ہیں۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ وہ جتنا زیادہ مال و منال چاہیں جمع کر لیں، ان کی حرص نہیں جاتی، بلکہ اور زیادہ ہوتی جاتی ہے؛ یہاں

Marfat.com

تک کہ وہ خالی ہاتھ قبروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اہلِ نار ہوتے ہیں اور عالمِ برزخ میں جو عالمِ خواب کا زوج ہے، ان کے لیے عقوبت خانہ ہوتا ہے۔ پھر قیامت کے روز ان کو اپنے اعمالِ سُوء کا حساب دینا پڑے گا کہ انھوں نے دوسروں کو ان کے حقوق سے محروم کیوں کیا؟ تو ان کی زبانیں گُنگ ہوں گی اور چارپایوں کی طرح ان کو ہانک کر جہنّم میں لے جایا جائے گا جہاں ان کا سونا چاندی، قیمتی دھاتیں اور قیمتی پتھر (لعل و گوہر وغیرہ) کو پگھلا کر ان کی پیشانیوں، پیٹھوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔

نافرمانی، غصبِ حقوق، جمعِ مال و دولت اور بُخل اگرچہ اِنتہائی قبیح اور گھناؤنے افعال ہیں، لیکن شیطان اپنی جمالیاتی فریب کاری اور وسوسہ اندازی سے انھیں اہلِ ہوس کی نظر میں حسین و دلکش بنا کر دکھاتا رہتا ہے، اور وہ دامِ تکاثُر میں پھنسے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سرمایہ دار کہتے ہیں۔ یہ قارون اللہ تعالیٰ کے نافرمان، بخیل اور سُود خور یا سُودی سرمایہ کار ہوتے ہیں۔ بینکاری جو سُودکاری کی عالمگیر سرطانی شکل ہے، ان قارونوں ہی کی بدولت اِنسانی معاشرے میں پھیلتی اور نفسِ اِجتماعیہ کو کھائے جا رہی ہے۔

اِسلام نے رِبٰو یا سُود کو حرام یا گُناہِ کبیرہ اور سُودکاری کو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف مبارزت یا جنگ قرار دیا ہے (البقرۃ ۲: ۲۷۹)۔ لیکن اس اِرشادِ الٰہی کے باوجود نہ صرف غیر مُسلم ممالک بلکہ مُسلم ممالک میں بھی سُودکاری یا بینک کاری کا نظام قائم ہے، لہٰذا سب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اس جنگ کا جو ہلاکت خیز انجام ہوگا وہ قیامتِ صُغریٰ سے کم نہ ہوگا۔ لیکن آج کا اِنسان اپنے زعمِ باطل میں سُودکاری کو ناگزیر سمجھتا ہے اور اِس زیاں کاری کو نفع کاری خیال کرتا ہے، اِنسان واقعی سخت ظالم و جاہل ہے (الاحزاب ۳۳: ۷۲)۔

(۹) بُخل: اِصطلاحِ قُرآنی میں اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حُکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے مال و دولت کو جمع کر کے رکھنا یا مال و دولت کو ناجائز طریقوں سے خرچ کرنا۔ اس اعتبار سے بخیل اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے نہ تو قُرآنِ حکیم اور اُسوۂ حسنہ کے مطابق زکوٰۃ، العفو اور الماعون ہی دیتا ہے، اور نہ اِحسان کاری ہی کرتا ہے، یعنی نہ اہلِ احتیاج کو قرضِ حسنہ ہی دیتا ہے (البقرۃ ۲: ۲۴۵؛ المزمّل ۷۳: ۲۰)۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ شیطان ہے جو اِنسان کو اِس دلیل بالباطل کے ذریعے بُخل کی ترغیب و تعلیم دیتا ہے کہ اگر "تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو مُفلس و اہلِ احتیاج بن جاؤ گے"۔

Marfat.com

(البقرۃ ۲: ۲۶۸ و بمواضعِ کثیرہ) - بخلاف اس کے، ربِّ رحمٰن کا ارشاد ہے کہ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے مال و دولت گھٹتا نہیں، بلکہ بڑھتا ہے، انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے (البقرۃ ۲: ۲۶۱ و بمواضعِ کثیرہ) -

ان مباحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ سُورۂ بقرہ کُل زندگی (یعنی انفرادی - اجتماعی، مادّی - معنوی اور دُنیوی - اُخروی زندگی) کو حسین و فطری انداز میں بسر کرنے کے لیے ربِّ عاشق کے جُملہ احکام (اوامر و نواہی)، عقائدِ جلیلہ و محرّکہ، تعلیمات و حدود اور اُصول و قوانین کی احسن و اکمل کتاب ہے۔ لیکن باوجود اس کے قُرآنِ حکیم کی دیگر سُورتوں کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی ہر سُورت بجائے خود گنجینۂ معانی ہے، جس کا اعجاز ہے کہ اس کی ہر آیۂ بصیرت افروز اہلِ حُسن و آرزو کو علم و حکمت کے جہانِ نو بنو کی سیر کراتی رہتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ربِّ علیم و حکیم کے کلمات یا علم و حکمت کے اسرار و معارف جتنے کُھلتے جائیں گے اُتنے ہی پیدا ہوتے رہیں گے اور یہ سلسلہ ناقابلِ اختتام اور لامتناہی ہے (الکہف ۱۸: ۱۰۹) -

Marfat.com

حرفِ اوّل و آخر

حواشی

(۱) شُؤُوْنٌ جمع ہے شأن کی۔

(۲) زوج کے معنی ہیں جوڑا، جیسے مرد و زن، شب و روز وغیرہ۔ انگریزی میں A PAIR, A COUPLE
A SPOUSE - HUSBAND OR WIFE, CONSORT

(۳) الحَیَوان: حیاتِ محض یا اس کا مقام، جہاں زندگی ہوگی مگر موت نہ ہوگی۔ آخرت یعنی جنت اور دوزخ میں زندگی ہوگی، موت نہیں ہوگی۔

(۴) جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّت: (AESTHETIC - CREATIVE ACTIVITY)۔ اِس اِصطلاح میں یہ نکتہ مُضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شے تخلیق کی ہے یا کرتا ہے اُسے حسین بناتا ہے: اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (السجدۃ ۳۲: ۷): وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہر چیز جو تخلیق کی ہے اُسے حسین و اکمل بنایا۔

(۵) حُسنِ کلامِ آخر: یہ تعبیر قُرآنِ مجید کے لیے اختیار کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ یا ربِّ عاشق کا آخری احسن و اکمل کلام یا وحی و تنزیل ہے۔ یہ حُسنِ لفظی و معنوی میں بے مثل و حرفِ آخر ہے۔ یہ اپنے مخلص تلامیذ کا معلِّم و حکیم اور مزکّی و ہادی بھی ہے؛ یعنی ان کو اپنی تعلیم بھی دیتا اور حکمت بھی سکھاتا ہے؛ نیز ان کا تزکیہ بھی کرتا اور انھیں ہدایت بھی دیتا یا صراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی بھی کرتا ہے۔

(۶) دینِ قیّم: قُرآنِ مجید میں ہے:.... دِیْنًا قِیَمًا (الانعام ۶: ۱۶۲)۔

(۷) معنوی ترقّی: جسے عام زبان میں روحانی ترقّی کہتے ہیں۔ اس سے مراد اِنسان کے حُسنِ ذات کے نُور یا جمالیاتی شعور (AESTHETIC CONSCIOUSNESS) کا اِرتقاء ہے جو اپنی نوعیت میں بے نہایت ہے، لیکن کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (الرّحمٰن ۵۵: ۲۹) کی نسبت سے۔

(۸) قُرب و رِضوان: قُرب سے مراد اللہ جلّ شأنہٗ کی حضوری، جو مُطلق۔اِضافی (ABSOLUTE - RELATIVE) ہے؛ یعنی کیفیّت کے لحاظ سے مُستقل اور باعتبارِ مقام و مدرجہ اِرتقائی ہے۔

Marfat.com

یہ رازِ کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ میں مُضمر ہے۔

رِضوان : اس کا مطلب ہے، ربِّ عاشق کی اپنے اہلِ حُسن و عشق بندے یا بندوں سے بدرجۂ غایت محبّت و خوشنودیِ مدام؛ اس لیے قُرآنِ مجید نے اسے سب سے افضل و اعلیٰ نعمت اور احسن و ارفع کامیابی سے تعبیر کیا ہے (التوبۃ ۹: ۷۲)۔

(۹) ہم نظری و ہمکلامی : ہم نظری کے معانی ہیں : ایک دوسرے کو پیار کی نظروں سے نظریں ملا کر دیکھنا۔ مولانا رُومؒ نے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے حوالے سے اِنسان کی زندگی کی غایت الغایات یا آخری تمنّا دیدِ "دوست" یا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا کہا ہے، جیساکہ ان کے ان قطعہ بند اشعار سے مُستنبط ہے :

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دیدِ دوست است
جُملہ تن را درگداز اندر بصر
در نظر رَو، در نظر رَو، در نظر

لیکن اِس تلمیذ القُرآن کے نزدیک اِنسان کی زندگی کی غایت الغایات اپنے اِلٰہِ جمیل یا ناظورِ حسین و قُرّۃُ العین کی "ہم نظری" بھی ہے؛ یعنی اہلِ عشق و وفا کا اپنے اِلٰہِ عاشق کو محبت کی نظروں سے دیکھنا اور اِلٰہِ عاشق کا بھی محبّت سے اپنے شاہد و پرستار کو دیکھنا؛ اور "ہمکلامی" بھی ہے ؛ یعنی دونوں کا آپس میں راز و نیاز کی باتیں کرنا؛ نیز اس کا تقرّبِ دوام اور رضوانِ مدام بھی ہے۔

(۱۰) ربِّ حُسن و عشق : قُرآنِ مجید کی رُو سے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کُل صفاتِ حسنہ کا مالک ہے :

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۸؛ نیز الحشر ۵۹: ۲۴؛ الاسراء ۱۷: ۱۱۰):

اللہ، جو جُملہ صفاتِ حسنہ کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود و محبوب، مطلوب و مقصود ہے نہ حاکم و مُطاع، اسی کے لیے جُملہ حسین صفات ہیں، لہٰذا اس کے سوا کوئی دوسرا ان کا مالک ہے نہ ہو سکتا ہی ہے؛ نیز اِسم بامُسمّٰی صرف اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ ہی ہے، ہر غیر اللہ اسم بے مُسمّٰی ہے۔ اپنی صفاتِ حسنہ کی بناء پر اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ زندہ بالذّات، قائم بالذّات اور بے عدیل و بے نظیر الحُسنٰ اور معبود و ناظور ہے۔

الحُسن کی ذات میں عشق مُضمر ہے جو اس کی طرح بے نہایت و ہمہ گیر اور ازلی و ابدی ہے۔ عشق اللہ تعالیٰ کی رحمتِ تمام و بے نہایت، جمالیاتی تخلیقی فعلیت اور ہمہ گیر و عالمگیر اور ازلی و ابدی رُبوبیّت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے اس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں اِس تلمیذ القرآن نے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے

Marfat.com

لیے ربِّ حُسن و عشق کی تعبیر اختیار کی ہے۔

(۱۱) جمالیاتی۔تخلیقی شہکار (AESTHETIC -CREATIVE MASTER-PIECE): اس سے مُراد اِنسان ہے۔اِس اِصطلاح کی توجیہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ ربِّ حُسن و عشق نے، جو احسن الخالقین ہے، اِنسان کو خَلقی و خُلقی اور صُوری و معنوی لحاظ سے احسن و اکمل تخلیق کیا ہے۔ربِّ عاشق کی ہر تخلیق اس کے نام کی معنویت کی بِناء پر اِرتقائی ہے۔علاوہ بریں، اِنسان کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ صاحبِ حواس و قلب (عقل و دل وغیرھم) بھی ہے اور صاحبِ اِرادہ و اِختیار بھی؛ نیز وہ دُنیا کا خلیفہ اور اَن دیکھی اور اَن جانی جنّتِ قُرَّۃُ العین کا وارث بھی ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ اِنسان ہی کو اُس نے اپنے قُرب و حضور اور ہم نظری و ہمکلامی کے لیے بتدریج تخلیق کیا تھا اور اپنی سُنّتِ لامبدّل کے مطابق آج بھی ماں کے بطن میں اِرتقائی انداز میں تخلیق کرتا ہے۔اپنی ان امتیازی خصوصیات کی بِناء ہی پر اِنسان قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کا مستوجب ہے اور اپنی مرضی سے اور جہل سے ایسا بنا ہے (الاحزاب ۳۳: ۷۲)۔

(۱۲) معنوی اِرتقائے مدام: دیکھیے حاشیہ (۷)۔یہ دُنیوی۔اُخروی ہے اور اس کی نوعیت لامتناہی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جنّت میں اہلِ آرزو کا جمالیاتی شعور اِرتقاء کرتا رہے گا۔یہی تقرّب اِلی اللہ اور ترفّعِ درجات ہے۔یہ اِرتقاء چونکہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا مرہونِ منّت ہے، لہٰذا اِس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں قُرآنِ مجید نے اللہ جَلّ شانُہٗ کو رَفِیعُ الدَّرَجٰت (المؤمن ۴۰: ۱۵) کہا ہے۔

(۱۳) خود فروشی شیوۂ اہلِ ایمان و عشق ہے؛ اور اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کی سُنّتِ جمیلہ یہ ہے کہ وہ ان کے تن من اور جان و مال خرید کر اس کے عوض ان کو اپنی جنّتِ قُرَّۃُ العین دیتا ہے۔کیا یہ سودا اِنسان کے لیے سُرمۂ مُفت نظر نہیں؟ یقیناً ہے؛ لیکن اگر اِنسان ہی ظالم و جاہل ہو تو اسے کیا کہیے؟ (التوبۃ ۹: ۱۱۱)۔

(۱۴) عالمِ دھر: یہ ذومعنی مُصطلح ہے۔اس کا ایک معنٰی وہ زمانہ ہے جب زمان و مکان یا آسمان اور زمین ابھی معرضِ وجود میں نہیں آئے تھے۔لہٰذا اس میں شب و روز تھے نہ ماہ و سال۔اس کا دوسرا معنٰی اِس کائنات یا زمان و مکان سے وراء الوراء عالم ہے۔

(۱۵) عالمِ زمان و مکان (TIME AND SPACE)۔اس سے مُراد یہ کائنات اور اس کے ایّام ہیں، اور لفظِ ایّام دلالت کرتا ہے لمحات و آنات، روز و شب، ماہ و سال یا صدیاں پر۔اس کا آغاز آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد ہوا۔اِس جگہ اِس بصیرت افروز واقعیت کی طرف اشارہ

Marfat.com

کر دیا جاتا ہے کہ بشر، اِنسان یا آدم کی مرحلہ وار تخلیق اِس عالمِ زمان و مکان میں ہوئی تھی نہ کہ عالمِ دھر میں۔ بالفاظِ دیگر، اس کی تخلیقِ اِرتقائی اِس جنّتِ دُنیوی میں ہوئی تھی نہ کہ جنّتِ سماوی میں، جو ہر مُتنفِّس کی نظروں سے مخفی ہے (السّجدۃ ۳۲: ۱۷)۔ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کی ہے جس کو کسی آنکھ نے (آج تک) نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے اس کی ماہیت سے متعلّق سُنا اور نہ کسی بشر کا قلب اس کا تصوّر ہی کر سکتا ہے۔ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ دیکھو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (مُتّفقٌ عَلَیْہِ: المشکوٰۃ، بابُ صِفَۃِ الجَنَّۃ، ح ۵۳۷۰)۔

(۱۶) دیکھیے اِس تلمیذ القرآن کی کتاب سرگذشتِ فلسفہ، جلد اوّل، ص ۳۸۲ - ۴۳۹۔

(۱۷) حُسنُ المآب یا حُسنُ مآب (اٰلِ عمران ۳: ۱۴؛ الرّعد ۱۳: ۲۹)۔

(۱۸) حَبْلِ الْوَرِيْد: (قٓ ۵۰: ۱۶)۔

(۱۹) فُؤَاد جمع اَفْـِٕدَة (الاسراء ۱۷: ۳۶؛ الانعام ۶: ۱۱۳)۔

(۲۰) شَرَّ مَاٰب (صٓ ۳۸: ۵۵)۔

(۲۱) ہم لِقائی: باہم ملنا یا بالمشافہ ملاقات (الانعام ۶: ۱۵۴؛ الاعراف ۷: ۵۱)۔

(۲۲) ہم رضائی: ربِّ رحمٰن اور اس کے اہلِ عشق و وفا بندے کا ایک دوسرے سے خوش ہونا۔ یہ نفسیاتی کیفیت نفسِ مُطمئِنّہ کی ہوتی ہے (الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)۔

(۲۳) شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری (النّاس ۱۱۴: ۴-۶؛ الانعام ۶: ۴۳؛ الانفال ۸: ۱۸ و بمواضعِ کثیرہ) نیز دیکھیے اِس تلمیذ القرآن کی کتاب "شیطان کا جمالیاتی فریب"، فیروز سنز، لاہور۔

(۲۴) شیطان مُفلسی سے ڈراتا ہے (البقرۃ ۲: ۲۶۸)۔

(۲۵) موضوعِ مذکور۔

(۲۶) ربُّ العٰلمین کی نعمتوں میں سب اِنسانوں کا برابر کا حصّہ ہے (فُصّلت ۴۱: ۱۰)۔

(۲۷) سعی و محنت کرنا لازم ہے اور اس کی کیفیّت و کمیّت کے مطابق ہر کارکن حصّے کا حقدار ہے (النّجم ۵۳: ۳۹-۴۱؛ البلد ۹۰: ۴)۔

(۲۸) اپنے مال و دولت کو اپنی مرضی سے تصرّف کرنے کا کوئی مجاز نہیں (ھُود ۱۱: ۸۷)۔

(۲۹) نظامِ مواخاۃ: مفصّل بحث کے لیے دیکھیے اِس تلمیذ القرآن کی کتاب پیغمبرِ اعظم و آخرؐ، ص ۴۰۵-۴۰۸۔

Marfat.com

فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔

(۳۰) اللہ کی سُنّت ناقابلِ تغیّر و تبدّل ہے (الاحزاب ۳۳: ۶۲؛ فاطر ۳۵: ۴۳)۔

(۳۱) **قانونِ احترامِ آرزو:** اللہ تعالیٰ نے اِنسان میں فکر و عمل اور طلب و جستجو کی آزادی امانت کے طور پر ودیعت کر رکھی ہے، اور قُدرت اس آزادی کا احترام کرتی ہے۔ چنانچہ اِنسان کی جو آرزو ہوتی ہے، قُدرت اس کا بھی قدر و احترام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ جب تک کسی قوم میں اِنقلاب کی سچّی آرزو زندہ و فعّال نہ ہو، وہ اُس کے احوال و ظروف میں تغیّر یا اِنقلاب نہیں لاتا (الرّعد ۱۳: ۱۱؛ الانفال ۸: ۵۳)۔ اس کے لیے اس تلمیذ القرآن نے قُدرت کے قانونِ اِحترامِ آرزو کی تعبیر اِختیار کی ہے۔

(۳۲) اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ ۲: ۱۶۵)۔ شدید ترین محبّت کے لیے "عشق" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

(۳۳) رحیقِ مختوم: قرآنِ مجید کی از بس اہم و فکر انگیز اصطلاح (المطفّفین ۸۳: ۲۵)۔

(۳۴) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر ۱۵: ۹)۔

(۳۵) **علم کے حکیمانہ پہلو:** PHILOSOPHICAL ASPECTS OF KNOWLEDGE OR SCIENCE

(۳۶) **تشکیک و لاادریّت:** SCEPTICISM OR SKEPTICISM

(۳۷) **تکاثُر** (التّکاثر ۱۰۲: ۱-۸): مال و دولت کی کثرت میں سبقت لے جانے کی ہوس۔

(۳۸) **قارُون** (القصص ۲۸: ۷۶؛ العنکبوت ۲۹: ۳۹؛ غافر ۴۰: ۲۴)۔ یہ علامت ہے قوم فروشی، بُخل، سرمایہ داری، سُود کاری، خود نمائی و تکبّر، خود فراموشی و اللہ فراموشی، نیز سنگدلی، بے شرمی اور عاقبت نااندیشی کی۔

Marfat.com

۲-سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

سُورۂ بقرہ مدنی

رکوعات : ۴۰ ؛ آیات ۲۸۶

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ترجمہ

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ کے فیوض و برکات کے ساتھ، جو ازل سے صاحبِ رحمت اور بے انتہا محبّت و شفقت، احسان و عنایت اور لُطف و کرم کرنے والا — بار بار ترس کھانے، بخشش و مغفرت کرنے، توبہ و دُعا قبول کرنے اور شیطانِ ملعون سے پناہ دینے والا ہے۔

تفسیری ترجمہ

اللہ تعالیٰ کی صِفاتِ حسنہ، خاص کر اُس کی رحمت و مغفرت اور نُصرت و ہدایت کے ساتھ، جو بیمثال پیکرِ حُسن و عشق ہے اور اپنی مخلوقات خصوصًا اپنے جمالیاتی - تخلیقی شہکاروں (= انسانوں) سے بے قیاس محبّت و شفقت کرنے، اُن کو انعام و اکرام اور احسان و حسنہ سے نوازنے والا — اُن پر بے حد ترس کھانے، بار بار اُن کے جُرم و گُناہ کو بخشنے، اُن کی توبہ و دُعا قبول کرنے اور شیطانِ مردود سے پناہ دینے والا ہے۔

★ (۱) الٓمّٓ ○ (۲) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ

۱-۲ ترجمہ

الف - لام میم - یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک و اضطراب نہیں پایا جاتا، مُتقیوں کے لیے حسین و فطری راہِ راست اور منزلِ حقیقی کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔

Marfat.com

تفسیری ترجمہ

(ا) یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے وحی و تنزیل یا مِن جانبِ اللہ تعالیٰ ہونے میں قطعاً شک و شُبہ اور اضطراب و تردُّد نہیں پایا جاتا (نیز دیکھیے یُونس ۱۰: ۳۷-۳۸)۔

(ب) اِس احسن و اکمل کتاب کے مافیہ یا مُندرجات (CONTENTS) یعنی احکام (اوامر و نواہی)، ناقابلِ تغیّر و تبدُّل قوانین و عقائدِ جلیلہ و محرکہ، واقعات و حقائق اور قصص و اُصول کی صحّت و صداقت میں شک و شُبہ اور اِضطراب و تردُّد کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

(ج) اِس میں ہرگز شک و اضطراب نہیں پایا جاتا کہ یہ کتاب پیغمبرِ اعظم و آخر حضرت مُحمّد مُصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر نازل ہوئی ہے۔

(د) یہ ربِّ رحمٰن کا حُسنِ کلامِ آخر، اور اہلِ آرزو و خشیّت کو اُن کی فطری و حسین راہِ راست اور منزلِ مقصود کی طرف کامل طور پر رہنمائی کرنے والی ہے؛ لہٰذا اسے اپنا رہنما و معلّم بنانا، متّقیوں یعنی حق و ہدایت کے طلبگاروں اور گمُراہی اور اس کے بھیانک نتائج و عواقب کا خوف رکھنے والوں کے لیے، ناگزیر ہے۔

Marfat.com

تفسیر

الفاتحہ یا دیباچے کے بعد اب ربِّ علیم وحکیم کے حُسنِ کلامِ آخر کا آغاز ہوتا ہے، تین حسین آہنگوں کے ایک اُلوہی نغمے سے، جسے وِجدان جانتا اور سمجھتا ہے۔ یہ سِرِّ حُسن ہے، جو یقیناً عقل پر اپنا معنوی جلوہ پیدا کرے گا، جب اس کا جمالیاتی شعور اِرتقاء کرتا ہوا اپنے کمالِ مُنتظر کو پہنچے گا۔ اس وقت غیب کی بہت سی شیُوُن اس پر مُنکشف ہوں گی۔ اِس اصلِ عظیم پر بھی الف۔ لام۔ میم کے حروفِ مُقطّعات۵ دلالت کرتے ہیں۔

اللہ جَلَّ شانُہٗ، تو سُبحان وصمد ہے؛ اُسے ہماری حمد وصلوٰۃ اور عبادت وبندگی کی حاجت ہے نہ ہمارے مال وجان کی قُربانی کی لیکن اُسے اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں سے شدید ترین محبت یا عشق ہے؛ اس لیے اُس نے ہمیں اور ہماری دُنیا کو بھی خوبصورت ودلکش بنایا ہے۔ علاوہ بریں، اُس نے اپنے اہلِ حُسن وسُرور بندوں کے لیے اپنی جنّتِ قُرَّۃُ العین کو اُن کا حُسنُ المآب بنایا ہے۔ یہ اس کا فیضانِ رحمتِ بے پایاں یا عشق ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے آپ کو حیاتِ طیبہ۶ بسر کرنے کے قابل بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے روزِ آفرینش سے لے کر حضرت مُحمّد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت تک ہر زمان ومکان میں اپنی وحی وتنزیل کے ساتھ اپنے نبی اور رسول علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بھیجے۔ آخر میں اِس واقعیت کے پیشِ نظر کہ عقلِ اِنسانی اپنی بلوغت کو پہنچ چکی ہے اور اس کا جمالیاتی شعور اپنے کمالِ مُنتظر کو پہنچ گیا ہے تو اُس نے اپنے آخری نبی ورسول حضرت مُحمّد مُصطفےٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنا آخری ہمہ گیر وعالمگیر اور ابدی نوعیت کا ہدایت نامہ دے کر مبعوث فرمایا اور ساتھ ہی نُبوّت ورسالت اور وحی وتنزیل کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے مُنقطع کر دیا۔

ربِّ عاشق مُعلّم کی حیثیّت سے اِنتہائی شفقت و وثوق کے ساتھ مُعجز نما حکیمانہ انداز میں اِنسان کی عقلِ سلیم و وِجدان کو اِس اصلِ عظیم سے آگاہ کرتا ہے کہ اُس کا یہ حُسنِ کلامِ آخر ایک منظّم ومُدوّن اور عظیم و ابدی نوشتہ اور ہدایت نامہ ہے، جس کی صحت وصداقت اور حقّانیّت میں شک وشُبہ تو کیا، تردُّد و تأمّل کی بھی گنجائش نہیں۔ دوسرے، یہ تحریفِ لفظی وموضعی اور زمانے کی دستبُرد سے ہمیشہ کے لیے محفوظ و مصئُون ہے، اس لیے کہ یہ کُلّی اور جُزوی صورت میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مُسلمانوں کے حافظے میں محفوظ ہے اور اس کے حفظ کا سلسلہ جاری وساری ہے اور قیامت تک رہے گا؛ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی حفاظت کی ذِمّے داری خود اللہ جَلَّ شانُہٗ نے لے رکھی ہے (الحجر ۱۵: ۹)۔

Marfat.com

اِنسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کی حسین و فطری راہِ راست پر سفرِ زندگی کرے اور اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ لیکن یہ دُنیا جس میں وہ پیدا کیا گیا ہے، اس کی اِمتحانگاہ ہے، اور اس کا امتحان لینے کے لیے ربِّ حکیم و عادل نے اُسے اِرادہ و اِختیار کی آزادی ودلیعت کی ہے۔ ساتھ ہی اُسے جمالیاتی حِس[۹] دے کر دلدادۂ حُسن بنایا ہے تاکہ وہ حُسنِ اِیقان و عمل سے اپنی زندگی حسین بنائے اور زندگی کی حسین راہ پر چل کر مقصودِ زندگی پالے۔ اس کے علاوہ اُس نے شیطان کو اُس کا کھُلا دُشمن بنا کر اُس کو گُمراہ کرنے کی کھُلی چھٹی دے رکھی ہے تاکہ وہ اِنسان کو، جس نے اُسے اپنے علم کی قوّت سے شکست دی تھی، اپنے وسوسوں اور جمالیاتی فریب سے اُسے ناکام و زیاں کار اور گمُراہ و محروم بنانے کی کوشش کر دیکھے۔ اگر اِنسان سچّا اہلِ آرزو و خشیت اور ربِّ رحمٰن کا مخلص بندہ ہوگا تو اپنے حریف کے دامِ تزویر میں نہ پھنسے گا نہ گمُراہ و محروم ہی ہوگا۔

زندگی کے جتنے شُعبے اور گوشے ہیں اتنی ہی اس کی راہیں ہیں، جن میں اِعتدال و توازن کی صرف ایک ہی راہ ہے جو اس کی حقیقی منزلِ مقصود تک پہنچتی ہے۔ اس اِعتدال و توازن کی راہ کے لیے قُرآنِ حکیم نے صِراطِ مُستقیم، سواءَ السّبیل، صِراطی کی تعبیریں اِختیار کی ہیں۔ اِنسان پر یہ راہ بند کرنے یا اس پر چلنے سے روکنے کی خاطر شیطان جگہ جگہ دامِ ہمرنگِ زمین بچھائے تاک میں بیٹھا رہتا ہے۔ یہ ربِّ عاشق کا فضلِ بے نہایت ہے کہ قُرآنِ حکیم جو ہدایت نامہ ہے، ان خوشنما دھوکے کے جالوں سے بچ نکلنے کا راستہ بتاتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ وہ اُسے نفسِ مُطمئِنّہ[۱۰] بن کر سفرِ زندگی کرنے اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔

اب یہ اِنسان کا کام ہے کہ وہ اِس احسن و اکمل ہدایت نامہ کو اس مقصد کے لیے پڑھے اور اسے واضح طور سے سمجھنے اور عمل کرنے کی خاطر اس میں غور و فکر کرے، بلکہ عُمر بھر کرتا رہے لیکن ایسا وہ اِنسان کرتا ہے جسے صِراطِ مُستقیم پانے اور اس پر چل کر اپنے معبود و محبوب اور ربِّ عاشق تک پہنچنے کی سچّی طلب و جستجو ہوتی ہے۔ قُرآنِ مجید نے اس کے لیے مُتّقی کی تعبیر اختیار کی ہے۔ یہ یاد رہے کہ آرزو و حُسنِ یقین و عمل سے سچّی بنتی ہے۔ اس سے مُستنبط ہوا کہ جو شخص قُرآنِ مجید کو سمجھنے کی خاطر نہ تو پڑھتا ہے اور نہ اس میں غور و فکر ہی کرتا ہے، وہ نہ تو مُتّقی ہوتا ہے نہ ہدایت یافتہ۔ اصل یہ ہے کہ قُرآنِ مجید سے دُور رہنا خود اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور نُصرت و ہدایت سے دُور و محروم رہنا ہے، جسے اِصطلاحِ قُرآن میں "رجیم" یا ملعون ہونا کہتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے اور یقیناً ہے کہ قُرآنِ حکیم ربِّ رحمٰن کی عظیم ترین نعمت ہے تو پھر اس سے محروم رہنا کُفرانِ نعمت، ناقابلِ تلافی خسارۂ عظیم اور دُنیوی و اُخروی حسنہ[۱۱] سے محرومیِ جاوید

Marfat.com

ہے۔ ایسے ہی زیاں کار و محروم لوگوں سے متعلق ربِّ جلیل نے فرمایا ہے کہ

★ وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ (العصر ۱۰۳: ۱-۲):

قسم ہے زمانے کی یا تاریخی عمل شاہد ہے کہ اِنسان بلاشبہ خسارے میں ہے۔

یہ خسارہ دُنیوی یا اُخروی حسنہ، حیاتِ طیّبہ، نُورِ باطنی یا جمالیاتی شعور اور ربِّ رحمٰن کے قُرب و رِضوان اور آخرت میں اس کی جنّتِ قُرّۃُ العین سے محرومی ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ ہو سکتا ہے؟ عقلِ سلیم کا جواب نفی میں ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اِنسان کا یہ ظُلم و جہل ہے کہ وہ قرآنِ مجید ایسی عظیم ترین نعمت سے محروم ہو کر اندھا بن جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز جب اُس کی نشأۃِ ثانیہ ہوگی تو اُسے اندھا اُٹھایا جائے گا۔ اس پر وہ عرض کرے گا: یارب! دُنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا، اب نابینا کیوں ہوں؟ جواب ملے گا:

★ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۶-۱۲۷):

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ایسا ہی ہونا چاہیے، بوجہ اس کے کہ تیرے پاس ہماری آیات (REVELATIONS) آئیں تو تُو نے انہیں فراموش کر دیا، اور اِسی طرح آج تمھیں فراموش یا نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اور ہم اس شخص کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں جو حد سے نکل جاتا اور اپنے ربّ کی آیات پر اِیمان نہیں لاتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب جو اب تجھے ملنا ہے اس سے زیادہ شدید اور دیرپا ہوگا۔

اِس عظیم کتاب کے اتنے اِعجازات ہیں کہ عقل اُن کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کا اثر براہِ راست قلب پر ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ غالباً یہ ہے کہ وحی و تنزیل کا مہبط انبیاءِ علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام کا قلب ہی تھا۔ ربِّ حُسن و عشق کا حُسنِ کلام آخر ہو اور قلب کو حسین و منیر اور کُشادہ و بصیر نہ کرے، کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن قلب میں صفاتِ حُسن و عشق کی آرزو و استعداد کا ہونا ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر، بنجر یا بانجھ زمین بارانِ حیات آفرین سے نشوونما نہیں پاتی جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نشوونما پانے کی آرزو و صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ قرآنِ مجید کے اَن گنت اِعجازات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مہرِ منیر ہے اور قلب کو بھی منیر بنا دیتا ہے، اور اس کے نُور میں ابعادی اِرتقاء (DIMENSIONAL EVOLUTION) کرنے کی اِستعداد پائی جاتی ہے۔ اِس اِرتقاء کے نتیجے میں قلب کی دُنیا مُنوّر و کُشادہ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن قلب میں آرزو اور

Marfat.com

نُور کے فقدان کے باعث اُس کی دُنیا تنگ و تاریک ہوتی جاتی ہے۔ یہ حقیقت قُرآنِ مجید کی بلیغ زبان میں :

★ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲۳-۱۲۴) :

اب اگر میری طرف سے تمھیں (کتاب) ہدایت پہنچے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ راہِ راست کو گم کرے گا اور نہ وہ خوف و غم میں مُبتلا ہی ہوگا (البقرۃ ۲ : ۳۸)۔ اور جو میرے ذکر (وحی و تنزیل) سے مُنہ پھیرے گا تو اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے گا اور قیامت کے روز ہم اُسے اندھا اُٹھائیں گے۔

قُرآنِ مجید کا ایک اِعجاز یہ بھی ہے کہ یہ تئیس ۲۳ برس کے طویل عرصے تک پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوتا رہا۔ دوسرے یہ چھے ہزار چھے سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات اور دین و حیاتِ کُلّی، زمان و مکان، طبیعی و مابعد الطبیعی علوم اور حکمت، الغرض غیب و شہود کے جُملہ مضامین پر مُشتمل ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں جُزوی یا کُلّی اعتبار سے کوئی اِختلاف نہیں پایا جاتا۔ اِس بصیرت افروز واقعیّت کو قُرآنِ مجید اپنے مِن جانب اللہ ہونے کی بُرہانِ قاطع کے طور پر پیش کرتا ہے۔ نیز اس کی تائید میں یہ ناقابلِ تردید دلیل بھی دیتا ہے کہ اگر وہ کلامِ اِلٰہی نہ ہوتا تو اُس میں اِختلاف کا پایا جانا یقینی تھا، جس طرح کہ اِنسان کی تالیفات و تصانیف اور ملفوظات میں پایا جاتا ہے۔ اِرشاد ہوتا ہے :

★ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (النّسآء ۴ : ۸۲) :

کیا بنی نوعِ اِنسان قرآن میں تفکُّر بالحق نہیں کرتے کہ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا (یعنی غیر اللہ کا کلام ہوتا) تو اس میں کثرت سے اِختلافات پائے جاتے۔

اِس نصِّ قُرآنی کی رُو سے چونکہ دُنیا میں جتنا بھی اِنسانی کلام پایا جاتا ہے اس میں اِختلافات کا پایا جانا لازم ہوا، لہٰذا اس میں تحقیق بالحق کرنے اور قُرآنِ مجید کے معیار (فرقان) پر جانچنے کے بعد اس کی متحقق بات یا باتوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔

یہ بھی اعجازِ قُرآنِ عظیم ہے کہ اُس جیسا کلام نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ایسا کلام تصنیف ہی کر سکتا ہے۔ یہ اس کا دعوٰی ہے جس کی تصدیق اِس امر سے ہوتی ہے کہ اس کے اس چیلنج کو آج تک کوئی فرد یا افراد عملاً قبول نہیں کر سکے اور نہ قیامت تک ایسا کر ہی سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کم علم اور نارسا عقل و فکر

Marfat.com

رکھنے والا کمزور انسان اپنے عالم الغیب والشّہادۃ کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہے؟

★ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (یُونس ۱۰: ۳۷-۳۸):

اور یہ قرآن ایسا نہیں جسے اللہ کے سوا اپنی طرف سے تصنیف کرلیا جائے، بلکہ یہ تو اپنے سے پہلے کلامِ الٰہی کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل یا تفسیر ہے۔ اس میں تذبذب و تشکیک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ یہ کُل موجودات کو نشو و ارتقاء دینے والے ہادی و مالک کی طرف سے نازل شُدہ ہے۔

کیا یہ لوگ الزام دھرتے ہیں کہ اسے پیغمبرؐ نے خود تصنیف کرلیا ہے؟ تو ان کو چیلنج دو کہ اس جیسی کوئی ایک سُورت ہی تصنیف کرکے دکھاؤ (تو مانیں)؛ نیز اگر تُم (اپنی اس بہتان تراشی میں) سچے ہو تو اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو مدد کے لیے بُلا سکتے ہو بُلا کر دیکھ لو (لیکن تُم قرآن ایسا کلامِ الٰہی تصنیف نہیں کرسکتے کہ ایسا کارنامہ سرانجام دینا نوعِ انسان کے مقدور ہی میں نہیں)۔

نُکتہ: ربِّ علیم وحکیم نے قرآنِ مجید کی تکذیب کی وجہِ حقیقی یہ بتائی ہے کہ جن لوگوں کی عقل اس کے "علم" یعنی علوم اور حقائق پر دسترس حاصل نہیں کرسکتی، وہ دلیل و تحقیق کے بغیر محض ظن کی بناء پر اُسے جُھٹلاتے ہیں۔ اگلی کُتبِ سماوی کے جُھٹلائے جانے کی بھی اصل وجہ یہی تھی۔

قرآنِ کریم کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ وہ ربِ رحمٰن کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے لیے حقیقی پند و نصیحت اور نفسیاتی بیماریوں کی حقیقی شفاء ہے؛ نیز اس پر قولی و فعلی ایمان رکھنے والوں کے لیے وہ ہدایت اور رحمت بھی ہے:

★ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ڏ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یُونس ۱۰: ۵۷):

اے بنی نوعِ انسان! تمھارے پروردگار و ہادی کی طرف سے تمھارے پاس (حکیمانہ) پند و نصیحت اور قلب کی بیماریوں کی شفاء آئی ہے؛ اور جو اہلِ ایمان (یعنی اس کو من جانب اللہ اور اس کے جُملہ اوامر و نواہی اور تعلیمات و معتقدات کو قولاً و فعلاً تسلیم کرتے ہیں)، ان

Marfat.com

کے لیے ہدایت یعنی صراطِ مُستقیم دکھانے اور رحمت یعنی دُنیوی و اُخروی حسنہ دینے والی ہے۔

اِس آیۂ مبارکہ میں لفظِ "ربّکُم" بنی نوعِ اِنسان کو اِس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جس نے قُرآنِ حکیم ایسا زندہ معجزہ ان کو عطا کیا ہے، وہ اُن کا بے حد پیارا اور غایت درجہ پیار کرنے والا احسن الخالقین، رازق، وہّاب اور پروردگارِ گرویدہ و عاشق ہے۔ چنانچہ یہ اُس کی اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں سے شدید محبت یا عشق کا خاصّہ و تقاضا ہے کہ اُس نے انھیں جو اپنا حُسنِ کلامِ آخر عطا کیا ہے، وہ بیشمار خصوصیات اور جمالیاتی و افادی اقدار کا حامل ہو۔ مثال کے طور پر، وہ اُن کے نفسیاتی امراض (جو اِنسان کو ظالم و مُجرم، مُشرک و کافر، فرعون و ہامان، قارون و آزر، منافق و فاجر، گُناہگار و تغافُل شِعار اور پرستارِ طاغوت بناتے ہیں) کا نُسخۂ شِفاء ہی نہیں بلکہ چشمۂ شِفاء و حیات ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ زندہ رہنما نُور ہے جو ان کو اُن کے ناظورِ قُرّۃُ العین اور ربِّ عاشق کی حسین و راست اور قائم و دائم رہنے والی شاہراہ بھی دکھاتا ہے اور ان کی منزلِ مقصود تک رہنمائی بھی کرتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں، وہ اہلِ اِیمان و آرزو کو طمانیّت و مسرّت، نُصرت و مغفرت، دُنیوی و اُخروی حسنہ سے نوازنے اور خوف و حُزن کے کربِ سوزاں اور جہنّم کے عذابِ المناک سے محفوظ و مصئون رکھنے والا بھی ہے۔

اگر اِنسان کو قُرآنِ مجید کے مذکورہ اِعجازات کا یقین ہو جائے تو اُسے اِس حقیقت کا حقّ الیقین ہو جانا بھی ناگزیر ہے کہ قُرآنِ مجید اور صرف قُرآنِ مجید ہی اس کے اِلٰہِ جمیل اور ربِّ عاشق کے قُرب و رِضوان، نُصرت و ہدایت اور رحمت و مغفرت کا وسیلہ یا ذریعہ ہے، جس کی طلب و جستجو کا اللہ تعالیٰ نے حُکم دیا ہے:

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ... (المآئدة ۵: ۳۵):
اے لوگو جو اِیمان لائے ہو اللہ کی طلب و آرزو کرو اور اس کی رحمت و مغفرت سے دُور ہو جانے سے ڈرو اور اس کے تقرّب و تزلّف اور رحمت و رِضوان (جو قُرآنِ مجید ہے) کے ذریعے طلب و جستجو کرو۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ بے پایاں محبت و اِحسان کرنے والا ربِّ عاشق بیمثال ہو، اور پھر اپنے ہر جمالیاتی۔تخلیقی شہکار کی رگِ جاں سے قریب تر بھی ہو، نیز اُن کی دُعاوں کا اُسے اِنتظار بھی رہتا ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے عشق کا حال یہ ہو کہ اگر اس کا کوئی بندہ ایک قدم اُس کی طرف بڑھے تو وہ شوق و رحمت کے ساتھ اس کی طرف دس قدم بڑھتا ہو تو اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس کا قُرب و رِضوان حاصل کرنے کی خاطر کسی سفارشی کو ڈھونڈتا اور پُکارتا ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم و

Marfat.com

جاہل اور گمراہ و مُشرک کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقتِ نفس الامری قرآنِ حکیم کی زبانِ مُعجز نما میں :

★ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ ...... وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ (الاسراء ۱۷ : ۵۶-۵۷) :

کہہ دیجیے کہ جن کو تُم اللہ کے سوا اپنے زعم میں (اپنے کارساز و شفیع) سمجھتے ہو، بُلا کر دیکھ لو، وہ تُم سے کسی تکلیف کو دُور کرنے کی اور نہ اُسے بدل دینے کی قُدرت ہی رکھتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پُکارتے ہیں وہ تو خود اپنے ربّ کے تقرّب کے وسیلے یا ذریعے کی طلب و جستجو رکھتے ہیں کہ کون ان میں سے اس کے زیادہ قریب ہو جائے اور اس کی رحمت یعنی دُنیوی و اُخروی حسنہ کی اُمید رکھتے ہیں اور (اپنے شرک و گُناہ یا لغزش و خطا کی پاداش میں) اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔ بلا شُبہ تیرے ربّ کا عذاب ڈرنے کی شے ہے۔

مُشرک و بُت پرست اقوام کی طرح مُسلمانانِ عالم میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اپنے بزرگوں، جیسے اولیاءٔ ائمّہ، مشائخ، شُہدآء، نیز مجذوبوں، فقیروں، پیروں وغیرہ وغیرہ کو اپنے مُشکل کُشا و کارساز اور حاجت روا و سمیع الدّعوات سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں، مثلاً اُن کی اس طرح مدح و ستائش اور ذکر و بندگی کرتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی کرنا چاہیے؛ نیز ان کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں، انھیں غیبی طور پر امداد کے لیے پکارتے ہیں۔ اس اکابر پرستی یا شرک سے انھیں منع کیا جائے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ "ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہمیں قُربِ اِلٰہی حاصل ہو جائے۔" اللہ وحدہٗ لا شریک اس اکابر پرستی سے بڑی سختی سے منع کرتا ہے؛ اور جو ایسا کرتے ہیں انھیں جھوٹا، مُنکرِ حق اور گمراہ کہتا ہے :

★ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (الزُّمر ۳۹ : ۱-۳) :

یہ کتاب (قرآنِ حکیم) صاحبِ عزّت و قوّت ــــ مالک و مُعلّم دانشمندی و حکمت، اللہ کی طرف سے (وحی و) تنزیل ہے۔ ہم نے (اے نبیؐ !) آپ کی طرف یہ کتاب جو

Marfat.com

نازل کی ہے وہ حقیقی و حکیمانہ اور افادی و غایاتی اقدار کی حامل ہے۔ پس اللہ ہی کی حمد و پرستاری اور فرماں برداری و بندگی کرو (مگر) اس کے لیے دین یا عبادت کو (شرک سے) پاک و منزّہ کرکے۔ (وجہ یہ ہے کہ شرک نقیض و قاطعِ توحید اور غارتگرِ ایمان و توحید ہے)۔

(اے بنی نوعِ انسان! یہ اصلِ عظیم) یاد رکھو کہ (شرک سے مُبرّا) خالص دین (ایمان و عبادت اور روشِ زندگی) ہی اللہ کے لیے ہوتا ہے (جس دین میں شرک کی آمیزش ہو، وہ اللہ کے لیے نہیں ہوتا) - ناخالص (یا شرک آمیز) دین ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو دوست و سرپرست بنا رکھتے ہیں۔ (وہ اپنے مُشرکانہ فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب تر کردیں۔ یقیناً اللہ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں (یہ اختلاف توحید و شرک کا ہوگا)۔ بلاشبہ اللہ اُسے اپنی حسین و راست اور قائم و دائم رہنے والی شاہراہ کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جو جھوٹا۔ مُنکرِ توحید ہو۔

معلوم ہوا کہ مُشرک کی عبادت اور زندگی جھوٹی ہوتی ہے اور وہ خود مُنکرِ حق و توحید اور ناشُکرا ہوتا ہے۔

نُکتہ : سُورۂ بقرہ کی زیرِ بحث آیۂ ایمان افروز، سُورۂ فاتحہ میں اہلِ آرزو و خشیت کی اس دُعا کا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، جواب ہے۔ انھیں اِس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے الٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کا قُرب و رِضوان حاصل کرنے کی خاطر اس کی فطری حسین اور راہِ راست کو معلوم کرنے اور اس پر ہمیشہ چلنے کی طلب و جستجو رکھتے ہیں تو ان کے لیے قُرآنِ مجید کے تمام احکام و تعلیمات اور عقائد و حقائق کو تسلیم بِالیقین کرنا ناگزیر ہے۔ یہی مطلب ہے مندرجۂ ذیل آیاتِ ایمان افروز کا :

★ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص (آلِ عمران ۳ : ۱۰۳) :

اور (مُسلمانو!) تم سب متحد اور مل کر اللہ کی رسّی (= قُرآنِ حکیم) کو مضبوط تھام لو اور اس میں اختلاف کرکے فرقے فرقے نہ ہو جاؤ (وجہ یہ ہے کہ فرقہ بندی یا فرقے بنانا اور کسی فرقے سے وابستہ ہونا شرک ہے)۔

★ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج ۲۲ : ۷۸) : (مُسلمانو!) صلوٰۃ (کا نظام)

Marfat.com

قائم کرو اور زکوٰۃ دو (یعنی صاحبِ نصاب لوگوں سے زکوٰۃ لینے اور اہلِ احتیاج کو دینے کا نظام قائم کرو) - اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لو! وہی تمھارا دوست — سرپرست اور احسن مددگار ہے۔

اِعتصام باللہ کے معانی ہیں: اس کے حُسنِ کلامِ آخر کو تھامنا؛ یعنی اس کے احکام و تعلیمات اور عقائد و حقائق کو تسلیم بالیقین کرنا اور ان کے مطابق کُل زندگی کرنا، اِس طرح اپنے اِلہٰ جمیل و ربِ عاشق کے ساتھ رابطۂ محبت و طاعت قائم کرنا اور ہمیشہ اُستوار رکھنا۔ الغرض اِعتصام باللہ کا مطلب اِعتصام بالقرآن ہے۔

★ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ یَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ؕ○ (النّسآء ۴ : ۱۷۵) :

چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُس سے (قُرآنِ حکیم کے ذریعے) اپنا رابطہ اُستوار رکھا، اُنھیں وہ اپنی رحمت و فضل کے دامن میں لے لے گا اور اپنی طرف آنے کا فطری و حسین اور سیدھا راستہ دکھاتا رہے گا۔

اس میں یہ بصیرت افروز نُکتہ مُضمر ہے کہ قُرآنِ حکیم اِنسان کو ہمیشہ زندگی کے ہر موڑ پر صراطِ مُستقیم دکھاتا رہے گا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے پیغمبرِ اعظم و آخر صلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم پر جو اپنا حُسنِ کلامِ آخر نازل فرمایا ہے، اُس کے متعلق اُس نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ اس کے مافیہ (CONTENTS) یعنی احکام و تعلیمات، عقائد و نظریات، حقائق و واقعات اور امثلہ کی صحت و صداقت اور حقانیت میں شک و تامُّل کرنے کی گنجائش نہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اُس نے ایک دلیل دی ہے جو اہلِ علم و نظر اور طالبانِ حق کے لیے بالخصوص ازبس فکر انگیز و بصیرت افروز ہے، اور وہ یہ ہے:

★ لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡہَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَشۡہَدُوۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ○ (النّسآء ۴ : ۱۶۶) :

لیکن اللہ اس کے ساتھ شہادت دیتا ہے کہ (اے نبیؐ!) جو کچھ آپؐ پر اُس نے نازل کیا ہے، اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ اور اس کی شہادت فرشتے بھی دیتے ہیں، اگرچہ اللہ کا شاہد یا گواہ ہونا ہی کافی ہے۔

اِس اِرشادِ اِلٰہی میں یہ حقیقت اپنی نمود رکھتی ہے کہ قُرآنِ مجید میں جو کچھ ہے وہ علمِ اِلٰہی ہے؛

Marfat.com

اور علم روشنی ہے اور روشنی ضد ہے تاریکی کی۔ چنانچہ روشنی ہو تو بینا لوگ شک وشُبہ تو کجا، وہم وگمان تک نہیں کر سکتے کہ وہ روشنی نہیں، بلکہ انھیں روشنی کا حق الیقین ہوتا ہے۔ علم عبارت ہے آگہی سے، جو ضد ہے جہل کی۔ یہ جہل ہے جس سے شک وشُبہ اور وہم وگمان پیدا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے علم سے ایقان و اِذعان اور عرفان واطمینان پیدا ہوتا ہے۔ قُرآنِ حکیم چونکہ نورِ الٰہی ہے، اس لیے یہ آفتابِ تاباں ہے؛ اور یہ مثل جتنی مشہور ہے اُتنی سچی بھی ہے کہ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

البتہ اندھے چونکہ روشنی کو نہیں دیکھ سکتے، اس لیے وہ اس میں شک وشُبہ اور اسے تسلیم کرنے میں تردّد و تامّل کرتے ہیں۔

قُرآنِ حکیم چونکہ علمِ الٰہی کی ملفوظی ومکتوبی شکل ہے، اس لیے زندگی کے ہر شعبے، گوشے اور ہر موقع پر اِنسان کی رہنمائی کرتا اور اُسے اس وقت تک فلاح وفوز کی فطری وحسین راہِ راست دکھاتا رہتا ہے، جب تک اِنسان اُسے اپنا ہادی ومرشد بنائے رکھتا ہے؛ نیز وہ اس وقت تک اُس سے علم وحکمت سیکھتا رہتا ہے جب تک وہ اس کا مُخلص تلمیذ بنا رہتا ہے۔ الغرض، ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو مُسلمان سمجھتا ہے اُسے اس اصلِ عظیم کو تسلیم بالیقین کرنا لازم ہے کہ اعتصام بِالقُرآن پیش شرط ہے اِنسان کی دُنیوی واُخروی حسنہ، فلاح وفوز، حیاتِ طیّبہ، طمانیّتِ قلب ونفس، دُنیوی ومعنوی ترقّیِ مسلسل کی، نیز تقرُّب اِلیٰ اللّٰہ، جمالیاتی شعور کے اِرتقاء اور ترفُّع درجات کی۔ علاوہ بریں، اُسے اس امر کا بھی حق الیقین ہونا چاہیے کہ اِنسان اُس وقت تک اس سے علم وحکمت سیکھتا اور اپنی ذات کی تکمیل کرتا رہتا ہے جب تک سچّا اور مُخلص تلمیذ القُرآن بنا رہتا ہے۔

ایک فکر انگیز نکتہ: اہلِ حُسن وعشق کو قُرّۃُ العین (=جنّت) میں بھی اپنے اِلٰہِ حسین وعاشق کی ہم نظری و ہمکلامی کی آرزو بدرجۂ غایت ہوگی؛ اور اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے انھیں اپنے نُور کے اِتمام اور تقرُّب اِلیٰ اللّٰہ کے وسیلے کی حاجت بھی ہوگی، اور

یہ وسیلہ قُرآنِ مجید ہوگا۔

ربِّ رحمٰن کے کلام کو کسی وہم وگمان اور تردّد وتذبذب کے بغیر تسلیم بالیقین کرنا متّقیوں یا اہلِ آرزو و خشیّت کا شِعار ہے۔ بخلاف اس کے، آیات اللّٰہ کو من وعن تسلیم کرنے کے بجائے جو لوگ ان میں مین میکھ نکالتے اور اُن کے معانی ومفہوم کے بارے میں تکرار وجدال کرتے رہتے ہیں، وہ حدّ سے گزرنے والے۔ تشکیک پسند اور مُتکبّر۔ سرکش وسخت گیر ہوتے ہیں۔ اِرشاد ہوتا ہے :

Marfat.com

★ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ (المؤمن ۴۰ : ۳۴-۳۵):

اِس سے پہلے تمھارے پاس یُوسفؑ آیاتِ نُورانی لے کر آئے تھے اور وہ جو لے کر آئے تھے اس کے بارے میں تم شک ہی میں پڑے رہے، یہاں تک کہ جب وہ اِنتقال کر گئے تو تم کہنے لگے کہ "اب اللہ ان کے بعد کوئی رسولؑ نہیں بھیجے گا"۔ ایسا رویہ رکھنے والوں پر، جو حد سے نکلنے والے ۔ بدگمان و تشکیک پسند ہوتے ہیں، اللہ صراطِ مُستقیم گُم کیے رکھتا ہے۔ ایسے ہی لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں تکرار و جدال کرتے رہتے ہیں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علمی دلیل و سند آئی ہو۔ یہ رویّہ اللہ اور اِیمان لانے والوں کو سخت ناگوار ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ (ایسے) ہر مُتکبّر ـــ سخت گیر و سرکش کے قلب پر چھاپ لگا دیتا ہے۔

قلب پر طبع یا چھاپ لگنے کے قُرآنی محاورے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مُجازات[15] کی رُو سے ہر "وڈیرے" یا "وڈیرا" بننے والے اور سخت گیر و سنگدل شخص (مثلاً فرعون، ہامان، قارون، آزر، نیز ہر قسم کے ظالم و سفّاک مُجرم) کے قلب کے نظام پر مخصوص نوعیت کی مہر لگا کر اُسے مُعطّل کر دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کی عقل نہ تو سلیم، یعنی صحّت مند و فعّال اور حسین و منوّر رہتی ہے اور نہ اس کی فکر کی جہت درست رہتی ہے نہ قبلہ ہی۔

ہدایت اور قلب

یہ جمالیاتی ۔نفسیاتی اصل یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہدایت کا مرکز قلب ہے، اور قلب ہمارے باطنی یا حِسّی ۔قلبی ۔نفسی نظام[16] میں ایسی زندہ و دانا اور رہنما قوّتِ مُنتظمہ (CONTROLLING AUTHORITY) ہے، جو ہمارے ذہنی قُویٰ (عقل و مُفکّرہ، مُتخیّلہ و حافظہ وغیرہ وغیرہ) اور عواطف و امیال اور جذبات و خواہشات، نیز ہمارے کردار و رویّے پر قابو رکھتی، اور ان کی جہت و

Marfat.com

قبلہ کی تعیین کرتی ہے۔ چنانچہ قلب اگر سلیم، یعنی اپنی اصل حسین و منیر اور صحت مند حالت پر ہو تو وہ ہدایت یافتہ بھی ہوتا ہے اور حقیقی ہادی و رہنما بھی۔ بخلاف اس کے، اگر قلب شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے سبب سلیم نہ رہے تو وہ اپنے فطری حُسن و نُور سے محروم ہو کر اندھا ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں راہ گُم کردہ ہو کر اِنسان کو بھی گُمراہ کر دیتا ہے۔ اِس سے مُستنبط ہوا کہ اِنسان کے مؤمن و صالح اور مُتقی و مُحسن اور ہدایت یافتہ ہونے کے علاوہ اُس کے قلب کا سلیم یا ہدایت یافتہ ہونا بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ اہلِ آرزو و خشیت، جن کے قلب سلیم و ہدایت یافتہ ہوتے ہیں، اپنے ربِ رحمٰن سے یہ دُعا مانگنا اُن کا شِعار ہوتا ہے :

★ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (آلِ عمران ۳ : ۸) :

اے ہمارے مربّی و مالک! ہمارے قلُوب کو (اگر ہم سے کوئی خطا و گُناہ سرزد ہو جائے تو اپنے قانونِ مُجازات کی رُو سے) کج رَو نہ کیجیو، اس کے بعد کہ تو ہمیں ہدایت دے چکا ہے، یعنی ہمیں ہماری حقیقی راہ و منزل دکھا چکا ہے، نیز ہمیں اپنی جناب سے دُنیوی و اُخروی حسنہ عطا فرمائیو! بلاشُبہ تُو ہی حقیقی جوّاد و فیّاض ہے۔

یہاں دو ازبس اہم نکات کی صراحت کر دی جاتی ہے : اوّلاً، یہ موضوعی۔معروضی شیاطین اور معاشرتی سرطان ہیں جو اپنے وسوسوں اور جمالیاتی دھوکوں سے قلب کو کج رو بنا کر اُسے حُسن و نُور سے محروم کر کے اندھا بنا دیتے ہیں۔ ثانیًا، قلب جہاں اثر اندازی کی قُوتِ مُنتظمہ رکھتا ہے، وہاں اس میں اثر پذیری کی صلاحیّت بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب لوگ کج رو ہو جاتے ہیں تو اس کے منفی اور نُور رُبا اثرات سے عقل سلیم نہیں رہتی اور اس کی سوجھ بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے، اور اِنسان راہِ راست پر چلنے کے بجائے زندگی کے ٹیڑھے راستوں پر چلنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عقل کی جہت ٹیڑھی ہو جائے تو اس کا غلط اِنتخاب و فیصلہ کرنا شُدنی ہے۔ اِس نفسیاتی۔عملی اُصول کو قرآنِ حکیم نے اپنے بصیرت افروز و بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے :

★ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی ...... فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الصّف ۶۱ : ۵) :

اور (سُنو!) جب مُوسیٰؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا : اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں (ناحق) اِیذا دیتے ہو؟ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمھاری طرف بھیجا ہُوا

Marfat.com

اللہ کا رسول ہوں۔ پھر جب انھوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے اُن کی عقلیں اور دل ٹیڑھے کر دیے۔ اللہ عہد شکن نافرمانوں پر راہِ مستقیم نہیں کھولتا۔

قلب نہ صرف ہمارے باطنی نظام بلکہ کُل زندگی میں اس سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے جتنی کہ عام طور سے اسے دی جاتی ہے۔ قلب اصل میں ذہن و دل پر مشتمل ایک محیّر العقول زندہ و حرکی نظام ہے۔ اگر یہ نظام اپنے وظائف احسن طریقے سے سرانجام دیتا رہے تو انسان اپنے حریفِ اعظم شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے محفوظ رہ کر اپنے حسین معبود و محبوب اور مربّی عاشق کی حسین و فطری راہِ راست پر رواں دواں رہتے اور حیاتِ طیّبہ بسر کرتے ہوئے اپنی حقیقی منزلِ آخر پر پہنچ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں، اس کا جمالیاتی شعور مسلسل ارتقاء کرتا رہتا ہے؛ یعنی اس کی تکمیلِ ذات یا اس کے تقرّب اِلی اللہ یا ترفّع درجات کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ بخلاف اس کے، اگر قلب موضوعی یا معروضی یا دونوں قسم کے عوامل و محرّکات سے کسی بیماری یا بیماریوں میں مُبتلا ہو جائے تو اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی عقل اور دل دونوں کج، کج اندیش، کج فہم اور کجرو ہو جاتے ہیں۔ اس سے عقل کے تعقّل و تفکّر کی جہت درست رہتی ہے نہ قبلہ؛ اور وہ غلط سمجھنے اور سوچنے لگتی ہے۔

جہاں تک دل کا تعلق ہے اس کے تأثّرات و انفعالات غلط انداز و صورت اختیار کر لیتے ہیں؛ جذبات کی رَو کی جہت درست نہیں رہتی اور وہ شرک و نفاق، کفر و اصنام پرستی، عصبیت و اکابر پرستی، ہوا و ہوس، تکاثر و بُخل اور فتنہ و فساد کی سمتوں میں نکل جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بیماریِ قلب کا مریض اپنی کجروی کے سبب اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق سے دُور، بہت دور، اور اپنے حریفِ اعظم شیطان کے قریب تر ہوتا جاتا ہے؛ نتیجۃً، اس کی طرح عہد شکن و نافرمان، مُتکبّر و مُفسد، مُنافق و سرکش اور شر پسند و نار پرست بن جاتا ہے۔ دُنیا میں وہ رہینِ خوف و حُزن رہتا ہے اور آخرت میں وہ النّار کے عذابِ مقیم کی شدّت سے نہ زندوں میں ہوگا نہ مُردوں میں (طٰہٰ ۲۰ : ۷۴؛ الاعلیٰ ۸۷ : ۱۳)۔

ربُّ العالمین کو اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں سے بے پایاں محبّت ہے اور چاہتا ہے کہ وہ دُنیا میں اس کی نظرِ کرم میں اس کے قریب رہیں، حیاتِ طیّبہ بسر کریں اور قلبِ سلیم کے ساتھ اس کے پاس آئیں، اور اس کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں حیاتِ جاودانی و ارتقائی بسر کریں۔ چنانچہ انھیں قلب کی بیماریوں سے محفوظ رکھنے اور بیمار قلوب کے علاج کے لیے اس نے اپنے حُسنِ کلامِ آخر کو نسخۂ شفا اور رحمت بنا کر نازل کیا ہے (یُونس ۱۰ : ۵۷)؛ جو الھُدیٰ بھی ہے (التّوبۃ ۹ : ۳۳)۔

Marfat.com

ہدایت کا اصل الاُصول

ربِّ رحمٰن نے اپنی رحمتِ بے پایاں سے اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو اس حقیقتِ نفس الامری سے آگاہ کر دیا ہے کہ ہدایت کا اصل الاُصول تقوٰی ہے (البقرۃ ۲ : ۲ بعد) - پھر اپنی سُنّت کے مطابق اپنی اِصطلاح تقوٰی کے مفہوم کی خود ہی صراحت بھی کر دی کہ یہ "انابت اِلیٰ اللہ" ہے :

★ وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ○ (الشّوریٰ ۴۲ : ۱۳) :

اور اللہ اُسے اپنی طرف آنے کا فطری وحسین اور پائیدار و راست راستہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، (نیز دیکھیے الرّعد ۱۳ : ۲۷)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف کون، کس لیے اور کیسے رجوع کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف اس کا وہ بندہ رجوع کرتا ہے، جسے اُس کے قُرب و رِضوان کی طلب وجستجو ہوتی ہے۔ ایسے اہلِ آرزو بندے کو وہ مُتّقی کہتا ہے۔ وہ رجوع اس لیے کرتا ہے کہ اس کا ربِّ رحمٰن اُسے اس تک پہنچنے کا حسین وفطری اور سیدھا راستہ دکھا دے۔

ہمیں یہ اصلِ عظیم ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا بہترین طریقہ اُس کے حُسنِ کلامِ آخر کی طرف رجوع کرنا ہے، جو نُور اور الھُدیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مُخلص وفرماں بردار اور وفا شعار تلمیذ بنا جائے؛ اس میں مسلسل تدبُّر بِالحق کرنے کو اپنا شعارِ زندگی بنایا جائے؛ اس کی تعلیمات واحکام اور نظریات وعقائد کو تسلیم بِالیقین کیا جائے اور ان کے مطابق زندگی کی جائے۔ کُل زندگی سے مُراد انفرادی۔ اِجتماعی اور مادّی۔ معنوی زندگی ہے۔ علاوہ ازیں، کسی مسئلے یا مسائل میں اِختلافِ رائے پایا جائے تو اُسے اپنا حَکم وفرقان بنایا جائے اور اُس کے فیصلے کو دل وجان سے قبول کر لیا جائے۔ یہ نہیں کہ مُشرکین یا اکابر پرستوں کی طرح اس کے فیصلے پر اپنے اکابرین کے فیصلے کو ترجیح دی جائے؛ یا احکامِ قُرآنی کی تاویل[۱۸] بِالباطل کی جائے۔

اِلٰہِ جمیل وربِّ عاشق کی طرف رجوع کرنے یا انابت اِلیٰ اللہ کا ایک خُوبصورت و دل انگیز طریقہ جو اُس نے خود بتایا یہ ہے :

★ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ (العلق ۹۶ : ۱۹) :

اور اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو جاؤ، یعنی اس کا مطیع ومنقاد بن کر اس کا قُربِ مدام حاصل کرتے رہو!

Marfat.com

اس آیۂ بصیرت افروز میں سجدہ کرنے کے متعدّد معانی ہیں: اوّل، اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنا معبود و محبوب، مطلوب و مقصود اور حاکم (اِلٰہ) اور رازق و مربّی اور ہادی و مالک (ربّ) مان کر اس کے حضور سربسجود ہو جانا۔ تنہائی اور آخرِ شب کا وقتِ حضوری و اجابتِ دُعا ہو تو اہلِ آرزو و جستجو[19] اپنے اِلٰہِ جمیل اور ربِّ عاشق کے حضور جبہ سائی کرنے کو اپنا معمول بنا لے، اور اس عالم میں اپنی عبدیّت و مربوبیّت اور محتاجی و بندگی کا، اور اس کی اُلُوہیت و مربوبیّت اور رحمانیّت و رحیمیّت کا سچے دل سے اقرار کرے نیز نہایت خشوع و خضوع اور چشمِ گریاں کے ساتھ اس کے قُرب و رِضوان، ہدایت و نُصرت اور مغفرت و رحمت کی اِستدعا کرے۔

دوم: صلوٰۃ قائم کرنا، یعنی مسجد میں صلوٰۃِ پنجگانہ پر قائم و دائم رہنا اور اس کے فرائض و واجبات اور تقاضوں کو پورا کرنا۔

سوم: نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا، جس کا ایک بنیادی تقاضا نظامِ زکوٰۃ قائم کرنا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے اس تلمیذالقرآن کی کُتب فلسفۂ صلوٰۃ اور فلسفۂ زکوٰۃ، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور)۔

چہارم: وَ اسْجُدْ کا ایک معنیٰ اَسْلِمْ بھی ہے: یعنی اللہ کا بندۂ تسلیم و رضا بن جانا۔ چنانچہ

★ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ (الانعام ۶: ۱۶۲-۱۶۴):

اعلان کر دو! میری صلوٰۃ اور میری ساری عبادتیں، اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو جُملہ مخلوقات کا مربّی و آقا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں (نہ ذات و صفات اور نہ اُمورِ خُدائی میں)، اور مجھے اسی کا حُکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے اور حُکم ماننے والا ہوں۔ کہو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور ربّ کی طلب و جستجو کروں، حالانکہ وہی ہر شے کا ربّ ہے، یعنی ہر شے کا خالق و رازق اور سب کو بتدریج نشو و نما دینے والا مالک و آقا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اِنسان اہلِ آرزو و خشیّت ہو اور اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کا فرماں بردار اور بندۂ تسلیم و رضا بن جائے تو اُسے اس کا قُرب حاصل ہو جاتا ہے، نیز اس کے تقرّبِ اِلی اللہ اور ترفّعِ درجات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو لاانتہا ہی ہے۔

جب یہ حقیقت ہے اور یقیناً ہے کہ دین، وحی و تنزیل اور کُل انبیآء و رُسل علیہم السّلام کی

Marfat.com

بعثت کی غایت "ہدایت" تھی، یعنی ربِّ رحمٰن کے جمالیاتی - تخلیقی شہکاروں کو ہدایت دینا تھا تو پھر اسے اصلِ دین کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اِس بناء پر اِس سے مفصّل بحث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہدایت قرآنِ حکیم کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ یہ موضوعی ــــ معروضی (SUBJECTIVE - OBJECTIVE) ہے۔ موضوعی ہدایت فطری، وِجدانی، قلبی اور نفسی ہے؛ اور معروضی ہدایت قُرآنی، آیاتی اور سیرتی ہے۔ اب ان کی مُجمل صراحت کر دی جاتی ہے :

موضوعی ہدایت

(ا) **فطری ہدایت** : یہ خلقی نوعیت کی ہوتی ہے۔ ربُّ العلمین اسے اپنی ہر مخلوق کو اس کی پیکری و حیاتیاتی اقدار و مقتضیات کے مطابق ودیعت کرتا ہے، جیسا کہ مندرجۂ ذیل آیاتِ بصیرت افروز سے ثابت ہے :

★ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۵۰) :

(حضرت موسیٰؑ نے) جواب دیا : ہمارا خالق و پروردگار اور ہادی و مالک وہ ہے جس نے ہر چیز کو (اس کے مناسبِ حال) خلقت عطا کی اور پھر ہدایت دی، یعنی زندگی کرنے کا طریقہ سکھایا۔

★ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ○ (الاعلیٰ ۸۷ : ۱-۳) :

اپنے جلیل و ارفع رب کی صفاتِ حسنہ کا ذکر و شُہرہ کرو! جس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور (اس کی خلقت میں) ہم آہنگی و موزونی پیدا کی۔ پھر اُس نے اس کی خلقی و حیاتیاتی مقتضیات یا اقدار کی تعیین کی، اور اُن کے مطابق اُسے زندگی کرنے کا طریقہ سکھلایا۔

(ب) **وِجدانی ہدایت** : اِسے الہامی ہدایت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کی ایک بصیرت افروز مثال نحل یا شہد کی مکھی کی ہدایت ہے :

★ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۶۸ بعد) :

تیرے رب نے شہد کی مکھی کو الہامی یا وجدانی ہدایت دی کہ پہاڑوں میں، درختوں اور ٹٹیوں میں جن کو اوپر چڑھایا جاتا ہے، اپنے (حیرت انگیز) چھتے بنا۔

Marfat.com

اس کا مطلب ہے کہ ربِّ حکیم نے شہد کی مکھی کو شہد تیار و جمع کرنے کے لیے پہاڑوں، درختوں اور بلند و بالا ٹٹیوں میں چھتے بنانے کا حیرت انگیز طریقہ سکھایا اور ایسا کرنے کا اِس میں داعیہ پیدا کیا۔

اِلہامی یا وِجدانی ہدایت اِنسان کو بھی ودیعت کی گئی ہے :

★ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ (الشّمس ۹۱: ۷-۸):

اور شاہد ہے نفس اور "وہ" جس نے اُسے موزوں بنایا۔ پھر اس میں راہِ راست سے دُور ہو جانے اور حدّ سے تجاوز کر جانے کا؛ نیز راہِ راست پر چل کر منزلِ مقصود پر پہنچنے کا داعیہ ودیعت کر دیا۔

(ج) **قلبی ہدایت** : اِنسان کے باطنی نظام میں، جو عبارت ہے حِسّی۔ قلبی اور نفسی نظاموں کے کُل سے ، قلب اہم ترین مرکزی حیثیّت رکھتا ہے۔ یہ اصل میں ایک محیّر العقول لطیفۂ غیبی ہے ؛ اور اپنے دو منفرد نظاموں پر مشتمل ہونے کے باوصف ایک ناظمِ کُل (ALL CONTROLLING AUTHORITY) کی حیثیّت رکھتا ہے۔ ان دو نظاموں میں سے ایک کو دل سے اور دوسرے کو دماغ یا ذہن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دل میں اِنفعالی اور دماغ میں فاعلی قوّت پائی جاتی ہے؛ لہٰذا دل اپنے ظرف اور قوّت کے مطابق حواس، دماغ اور نفس کے اثرات کو قبول و جذب کرتا ہے ، جن کو تأثّرات و اِنفعالات اور جذبات و احساسات اور خواہشات و تمنّیات کہتے ہیں۔

نظامِ دماغ میں عقل کو مرکزی اور اہم ترین حیثیّت حاصل ہے۔ یہ اپنی فطری حالت پر ہو تو صحّت مند، مُنیر اور حسین ہوتی ہے جسے قرآن مجید "عقلِ سلیم" کہتا ہے؛ اور اہلِ عقلِ سلیم کے لیے وہ اُولُوا الْاَلْبَاب کی تعبیر اِختیار کرتا ہے (البقرۃ ۲: ۲۶۹، آلِ عمران ۳: ۷، و بمواضعِ کثیرہ)۔ دماغ میں عقل کے علاوہ اور بھی قُوٰی پائے جاتے ہیں، جن میں اہم مُفکّرہ، مُتخیّلہ، متصوّرہ، واہمہ اور حافظہ ہیں۔

قلب میں دو قوٰی اور بھی پائے جاتے ہیں : وِجدان اور ضمیر۔

وِجدان نفس کا ہادی ہے؛ اور ضمیر ہدایت کا داعی و نقیب بھی ہے اور ہدایت و ضلالت میں اِمتیاز کرنے کا فطری معیار یا کمپیوٹر بھی۔ یہ فُرقانِ خیر و شرّ بھی ہے۔

عقلِ سلیم

عقلِ سلیم اِنسان کے باطنی نظام میں ایک زبردست اور اہم ترین مدبّرہ و منتظمہ اور رہبرانہ قوّت ہے۔

Marfat.com

یہ انسان و حیوان میں مابہ الامتیاز ہے، لہٰذا جو لوگ عقلِ سلیم سے کام نہیں لیتے اور نہ اس کو اپنا مشیر و رہبر ہی بناتے ہیں، وہ بشری حیوان ہوتے ہیں، نجس و راہ گُم کردہ۔ چاہے وہ فرعون و ہامان ہوں یا قارون و آزر، یا مشہور اہلِ قلم و فن ہی کیوں نہ ہوں۔ اہلِ عقلِ سلیم کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہوتے ہیں، یعنی حسین و فطری راہِ راست پر گامزن رہ کر حیاتِ طیّبہ بسر کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، وہ اہلِ حُسن و عشق یا نفوسِ مُطمئنّہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اپنے ربِّ عاشق کے بندگانِ تسلیم و رضا، یعنی مؤمن و موحّد اور مُحسن و صالح ہوتے ہیں۔

یہ اصلِ عظیم یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قلب حسین یا سلیم ہو تو عقل بھی حسین و سلیم ہوتی ہے۔ چنانچہ ہدایت یافتہ، نفسِ مُطمئنّہ، بندۂ تسلیم و رضا، صاحبِ حُسن و عشق، مؤحّد اور صالح و مجاہد بننے کے لیے قلب کا حسین یا سلیم ہونا ناگزیر ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ احسن الخالقین ہر بچّے کو قلبِ حسین یا سلیم دے کر دُنیا میں بھیجتا ہے۔ یہ اُس کے والدین، اکابر، اساتذہ اور مذہبی پیشوا ہیں، جو اس کے قلب کو اس کے فطری حُسن و نُور سے محروم کرتے ہیں (البُخاری، جنائز ۸۰، ۹۳؛ المؤطّا ۲ : ۲۲۲، ۲۵۳)۔

نفسی ہدایت

نفس اپنے دو اجزائے لاینفک پر مُشتمل ایک اِرتقائی کُل (EVOLUTIONARY WHOLE) ہے۔ ان کے لیے قُرآنِ مجید نے نفسِ امّارہ (یُوسُف ۱۲ : ۵۳) اور نفسِ لوّامہ کی تعبیرات اِختیار کی ہیں (القیامۃ ۷۵ : ۲)۔

(ا) نفسِ امّارہ کا وظیفہ (FUNCTION) دم بدم خواہش و تمنّا پیدا کرتے رہنا ہے۔ اِس بناء پر اس کی بنیادی اہمیت سے متعلق دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ لیکن اِس میں حدود شکنی و بے رہروی کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی خواہش یا تمنّا کو اس کی فطری حدود سے تجاوز کر جانے کی ترغیب و تحریک دیتا رہتا ہے۔ اسے غُلُوّ فی الدّین کہتے ہیں۔

نُکتہ: نفسِ امّارہ ایسا عموماً شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے باعث کرتا ہے۔

(ب) نفسِ لوّامہ جو نفسِ امّارہ کا زوج ہے، اُسے اِس اسراف و حدود شکنی سے باز رکھنے کی خاطر زجر و توبیخ یا ملامت کرتا رہتا ہے۔ یہی اُس کی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ اِس اعتبار سے نفسِ لوّامہ

Marfat.com

اِنسان کا باطنی ناصح و دوست اور ہادی ہوا لیکن نفسِ لوّامہ کی نصیحت آموز ملامت و تنبیہ کی پروا نہ کرنے والا نفسِ امّارہ اپنے دوست نما دُشمن شیطان سے مل کر اِنسان کو گمراہ کرتا اور بدکردار و اہلِ نار بناتا ہے۔

معروضی ہدایت

(۱) **قرآنی ہدایت :** قرنہا قرن کے بعد احسن الخالقین کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت کا منفرد و صاحبِ اِرادہ و اِختیار شہکار۔ اِنسان علمی و معنوی ترقّی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں وہ دین کا اس کی کُلّیت میں اِدراک کرنے کے قابل ہوگیا تو ربِّ رحمٰن و عاشق کی مشیت یہ ہوئی کہ وہ اس کے رُشد و ہدایت کے لیے علم و حکمت کے بحرِ بے پایاں کو اپنے حُسنِ کلامِ آخر کے ساغرِ اعجازی میں بند کرکے اپنے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعے اُسے عطا کردے۔

یہ حُسنِ کلامِ آخر — قُرآنِ مجید کیا ہے؟

قُرآنِ حکیم اپنے ربِّ حیّ و قیّوم کی طرح زندہ بالذّات بھی ہے اور زندۂ جاوید بھی ؛ نیز یہ قائم بالذّات بھی ہے اور جو اسے مضبوطی سے تھام لیتا ہے وہ اُسے بھی ثبات و دوام بخشتا ہے۔

وہ آپ اپنی احسن و اکمل تفسیر ہے ؛ یعنی اپنے مخلص و اہلِ آرزو تلامید کے لیے مُفسّرِ ناطق، معلّم و حکیم و حکمت آموز اور مزکّی و ہادی ہے۔

اس کا محافظ خود ربُّ العزّت ہے ؛ اس لیے یہ ہر قسم کی تحریف اور زمانے کی دستبُرد سے محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

یہ اہلِ عشق و وفا کے لیے پیکرِ حُسن و عشق کی آئینہ داری کرتا ہے۔

یہ قلب کی تطہیر و تنویر بھی کرتا اور اس کے نُور کی تولید و تکمیل بھی کرتا ہے۔

یہ کُل حیاتِ اِنسانی کے کُل شعبوں اور گوشوں میں اہلِ آرزو و خشیّت کی رہنمائی کرتا ہے۔

یہ اِنسان کے اِلٰہِ جمیل و صمد کی طرح بے احتیاج و بے نیاز ہے ، یعنی اس کے فہم و اِدراک کے لیے کسی اور کتاب، ملفوظات یا روایات کی قطعاً حاجت نہیں۔

یہ ہر قسم کے اختلاف و تضاد سے مُنزّہ ہے ، جبکہ اس کا دعوٰی ہے کہ اس کے سوا ہر کتاب میں اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ اپنے اس دعوے کو قُرآنِ مجید اپنے مِن جانبِ رحمٰن ہونے کی دلیل کے

Marfat.com

طور پر پیش کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم اپنے کلامِ الٰہی ہونے کے ثبوت میں اپنے مُنکروں کو یہ چیلنج دیتا ہے کہ کوئی متشکک بشر تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر اُس کی چھوٹی سے چھوٹی سُورت ایسی کوئی سُورت تصنیف کر کے دکھادے، لیکن آج تک کسی سے ایسی سُورت تصنیف ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہی ہے۔ لہٰذا افراد و اقوامِ عالم کے لیے اگر کوئی مُستند و قابلِ اعتماد ہدایت نامہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف قرآنِ حکیم ہے۔ اس سے اِس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں ربِ رحمٰن نے قرآنِ حکیم کو "الھُدٰی" کہا ہے۔

اَلھُدٰی : قرآنِ حکیم میں تفکّر بالحق کرنے سے اُس کا یہ تلمیذ اِس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اس کی صفت "اَلھُدٰی" اِس اصلِ عظیم پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مادّی۔معنوی، دُنیوی۔اُخروی، جُزوی۔کُلّی اور انفرادی۔اِجتماعی ہدایت ہے، جسے ثباتِ دوام حاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نفسِ انسانی پیدا ہو جانے کے بعد صرف ایک بار لذّتِ موت سے آشنا ہوتا ہے۔ پھر جب بروزِ قیامت دارالآخرت میں جو "الحیوان" ہے، دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا تو پھر اُسے موت نہیں آئے گی اور وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، اور اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِ عاشق کے تقرّبِ مسلسل کی طلب و جستجو میں رہے گا۔ یہ اُس کی عبادت ہوگی۔

جنّت میں مادّی حاجت و ترقّی کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، البتہ اہلِ آرزو کے معنوی اِرتقاء یا درجہ بدرجہ ترقّی کرنے کے لامتناہی عالم ہوں گے اور ان کو سر کرنے کا طریقہ بتائے گا تو قرآنِ حکیم۔ بالفاظِ دیگر، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کی ہر عالمِ زمان و مکان میں رہنمائی کرنے اور ان کو ہدایات (DIRECTIONS) دینے والا اس کا زندۂ جاوید کلامِ ناطق ہے۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ اسے جُھٹلانے کی کوئی وجہِ معقول نہیں تو پھر ان مُسلمانوں کو بالخصوص اپنے ظُلم و جہل پر ماتم کرنا چاہیے جو "الھُدٰی" کی موجودگی میں دوسرے ذرائع سے ہدایت حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

(ب) آیاتی ہدایت

آیاتی ہدایت : حیات و کائنات میں جو غیر معمولی و حیرت انگیز تغیّرات و تحوّلات، واقعات و سانحات اور حادثات و انقلابات رُونما ہوتے رہتے ہیں، چاہے ان کی نوعیّت جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، عسکری، اِقتصادی، عمرانی، مذہبی، اخلاقی، ثقافتی، ادبی و فنّی یا علمی (سائنسی و تکنیکی) کیوں نہ ہو، وہ نوامیسِ قُدرت کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتے ہیں؛ اس لیے ان میں صراطِ مُستقیم پر سفرِ زندگی کرنے کے

Marfat.com

رہنما اُصول و اشارات ملتے ہیں، جن کے لیے قُرآنِ مجید نے آیات کی تعبیر اِختیار کی ہے۔ بالفاظِ دیگر، ان میں اہلِ آرزو وخشیّت، اربابِ فکر و نظر اور اصحابِ عقلِ سلیم وصبر کے قلوب میں جمالیاتی۔ نفسیاتی لمحاتِ[۲۰] کی وقوع پذیری کے امکانات ہوتے ہیں، جو ان کو سعید و ہدایت یافتہ بنا سکتے ہیں (تحقیق اور مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے دیکھیے محمّد فؤاد عبدالباقی : المعجم المفہرس، بذیلِ مادہ ای ا ی)۔

(ج) سیرتی ہدایت

سیرتی ہدایت کو اس کی کُلّیت میں واضح طور پر سمجھنے کی خاطر پہلے قُرآنِ حکیم کی تین اہم اصطلاحات کی صراحت کر دی جاتی ہے، اور وہ ہیں : سُنّتِ حسنہ، سیرتِ جمیلہ و جلیلہ اور اُسوۂ حسنہ۔

سُنّتِ حسنہ : قُرآنِ حکیم اِنسان کو آیاتِ اِلٰہیہ سے عبرت و موعظت حاصل کرنے، اپنے قلب و نفس کا تزکیہ کرنے اور اس سے علم و حکمت حاصل کرنے، نیز اللہ تعالیٰ کی حسین و فطری اور پائیدار راہِ راست پر چلنے، حیاتِ طیّبہ بسر کرنے اور مادّی و معنوی ترقی کرنے کے لیے رہنما اُصول و احکام اور تعلیمات دیتا ہے۔ پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُن پر جس طرح عمل کیا اور عمل کرا کر دکھایا، اس کے لیے اُس نے سُنّتِ حسنہ کی تعبیر اختیار کی ہے۔ انگریزی میں اِسے PRACTICAL DEMONSTRATION کہہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، قُرآنِ مجید نے صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِمتثالِ امر میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے اِدارے قائم کیے اور احسن طور پر چلا کر دکھا دیے۔ اسی طرح آپؐ نے اِمتثالِ امر میں قُرآنِ حکیم کے نصابِ تعلیم و تربیّت[۲۱] پر نظامِ تعلیم اُستوار کر کے دکھا دیا۔ یہ بھی آپؐ کی ایک امتیازی خصوصیّت ہے کہ آپؐ نے مثالی مُعلّم بن کر اس نصاب کے مطابق اپنے تلامذہ کو خود تعلیم دی اور ان کی تربیّت کی۔ الغرض، یہ بھی آپؐ کا اعجازِ سیرت ہے کہ مقامِ نُبُوّت و رسالت پر مُتمکّن ہونے سے لے کر دمِ واپسیں تک آپؐ قُرآنِ حکیم کے تمام رہبرانہ اُصول و احکام اور تعلیمات پر عمل کرتے اور کراتے رہے۔

سیرتِ جمیلہ و جلیلہ : حضرت محمّد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اِس اِمتثالِ امر دوام کو سیرتِ جمیلہ و جلیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، نبی و رسول کی حیثیّت سے حضرت محمّد مُصطفٰےؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُنّتِ حسنہ کا سلسلۂ مدام عبارت ہے سیرتِ جمیلہ و جلیلہ سے۔

اُسوۂ حسنہ : پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرتِ جمیلہ و جلیلہ، جو کُل حیاتِ اِنسانی کو محیط ہے، اور اس میں آپؐ کی عظمتِ بے مثال کا راز مُضمر ہے، اہلِ آرزو و خشیّت کے لیے احسن و اکمل مثالی

Marfat.com

نمونہ ہے، جس کے لیے قُرآنِ حکیم نے اُسوۂ حسنہ کی تعبیر اختیار کی ہے۔

اَلْھُدٰی چونکہ قُرآنِ حکیم کی اہم ترین اِصطلاح ہے، لہٰذا اِس کی مزید تشریح کی جاتی ہے :

اَلْھُدٰی : اس کے معنی ہیں: اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا حُسنِ کلامِ آخر- قُرآنِ حکیم، جو کُل حیاتِ اِنسانی کا جامع ومانع ہدایت نامہ اور دینُ الحق کے احکام واُصول، تعلیمات ومعتقداتِ جلیلہ و محرکہٗ اور اغراض و مقاصد کا غیر مبہم وواضح بیان ومُفسّر ہے، اس لیے اس کے ما فیہ کے اِدراک کے لیے کسی کتاب وغیرہ کی حاجت نہیں۔

★ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبۃ ۹ : ۳۳):

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے (آخری) رسولؐ کو الھُدٰی اور دینِ حق دے کر دُنیا میں بھیجا تاکہ وہ اسے دین کے کُل اجزاء یا نظاموں پر غالب کردے، چاہے مُشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

یہ ازبس اہم وایمان افروز آیۂ جلیلہ اِعجازاتِ قُرآنِ مجید میں سے ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی لفظی تنگنا ءمیں فطری وحقیقی اور ابدی دین اور ربِّ رحمٰن وعلیم کے حُسنِ کلامِ آخر کی معنویت کے بحرِ بیکراں کی بے قیاس وسعتوں کو مُعجزانہ طریقے سے سمیٹ لیا گیا ہے۔

ہم نے الھُدٰی کے معانی کو سمجھنا ہے، لیکن اس کا تعلق دینُ الحق سے ہے، لہٰذا پہلے اس کی معنویت سے آگہی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

دینُ الحق کا مطلب ہے : اِنسان کی کُل زندگی، یعنی فکری- عملی، مادّی معنوی اور اِنفرادی — اِجتماعی زندگی کا فطری وحقیقی اور پائیدار وابدی نظام؛ اور

الھُدٰی کا مطلب ربُّ العٰلمین کا حُسنِ کلامِ آخر- قُرآنِ حکیم ہے، جو کُل حیاتِ اِنسانی کے اس فطری وحقیقی اور ابدی نظام کو قائم کرنے اور احسن طریق سے چلانے کا جامع ومانع ہدایت نامہ بھی ہے؛ اور دینُ الحق کے فطری وابدی احکام وتعلیمات، اُصول ومعتقدات اور مقاصد وغایت الغایات کا واضح وبلیغ بیان وترجمان بھی۔ اِس سے مُستنبط ہوا کہ قُرآنِ مجید جو دینُ الحق کا واضح وغیر مبہم اور جامع وبلیغ بیان وترجمان، اور آپ اپنی احسن واکمل تفسیر ہے، کسی اور کتاب وغیرہ کا محتاج نہیں اور نہ ہو سکتا ہی ہے؛ نیز وہ اپنے ربِّ سُبحان وصمد کی طرح خود بھی بے احتیاج وبے نیاز اور یگانہ ومنفرد ہے۔ وہ جب خود رہنمائے کامل، علم وحکمت سکھانے والا، تزکیہ کرنے والا، الفرقان اور آپ اپنا مُفسّر وترجمان ہے تو

Marfat.com

اسے کسی اور کتاب وغیرہ کا محتاج سمجھنا، جہل وظلمِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟

★ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (لُقمٰن ۳۱ : ۳) :

(قرآنِ حکیم) ہدایت اور رحمت ہے حُسنِ عمل کرنے والوں کے لیے۔

اِس آیۂ جمیلہ و بصیرت افروز میں یہ ازبس اہم نکتہ مضمر ہے کہ ہدایت اصل میں رحمت ہے اور ہدایت یافتہ ہی مُحسن ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ یہ سوال اُٹھایا جاسکتا تھا کہ ''مُحسن'' کون ہوتے ہیں تو قُرآنِ حکیم نے حسبِ معمول اس کا جواب خود ہی دے دیا ہے: اندازِ بیاں کا ایجازِ بلاغت دیکھیے:

★ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ؕ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (لُقمٰن ۳۱ : ۴-۵) :

مُحسن وہ (اہلِ ایمان و آرزو) ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں (یعنی اس کا نظام قائم کرتے، اس کے تمام تقاضے جو قرآنِ حکیم میں بتائے گئے ہیں پُورا کرنے کے ساتھ اُسے ادا کرتے ہیں؛ اور قرآن و سُنّہ کے مطابق) نظامِ زکوٰۃ قائم کرتے ہیں؛ (یعنی اِسلامی حکومت کو زکوٰۃ دیتے ہیں اور حکمران اہلِ احتیاج کو اِن کے حق کے طور پر احسن طریقے سے دیتے ہیں)؛ نیز وہ آخرت (یعنی قیامت کے روز نَشاۃِ ثانیہ، روزِ حساب و جزاء اپنے محاسبے، جنّتِ قرّۃُ العین کی حیاتِ ابدی اور جہنّم کی حُسن ولذّت سے محروم آتش بقلب وبدن زندگی کو) تسلیم بالیقین کرتے ہیں۔ یہ مُحسن ہی اپنے نشو و اِرتقاء دینے والے آقا و مالک کی حسین و فطری راہِ راست پر ہیں؛ نیز یہی آتشِ خوف وحُزن سے محفوظ رہنے اور مادّی و معنوی اِرتقاء کرنے والے ہیں۔

ہدایت معروضی بھی ہوتی ہے اور موضوعی بھی؛ نیز یہ اِنسان کے ساتھ مخصوص بھی ہوتی ہے اور اس کی دوسری قسم عمومی و عالمگیر اور فطری و اِذعانی ہوتی ہے۔ اس کی ایک حسین و بصیرت افروز مثال:

★ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۵۰) :

(حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کے اِستفسار کے جواب میں) فرمایا: ہمارا خالق و پروردگار اور آقا و مالک وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسبِ حال خِلقت (خَلق وخُلق) عطا کی پھر (اپنی رحمت سے کارزارِ جہاں میں) زندگی کرنے کا اُسے فطری یا اِذعانی طور پر طریقہ سکھا دیا۔

Marfat.com

قرآنِ حکیم جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں، اپنی آیات کا احسن و اکمل مُفسّر و مُعلّم ہے ؛ اُس نے اِس آیۂ ایمان افروز کی، یعنی ربِ رحمٰن کی جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّت کی خود ہی تفسیر کر دی ہے ۔اِس کا ایجازِ بلاغت اور اعجازِ بیاں دیکھیے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد کیجیے اور قرآنِ مجید کا مخلص تلمیذ و گرویدہ بن جائیے :

★ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ (الاعلیٰ ۸۷ : ۱-۳) :

اپنے ارفع و عالی مرتبت خالق و پروردگار اور آقا و مالک کے اسم یعنی صفاتِ حسنہ کا ذکر بلند کرو، جس نے (ہر چیز کی) تخلیق کی اور اس کی خلقت میں موزونی پیدا کی ۔ اور جس نے اس کی زندگی کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھا اور اسے زندگی کرنے کا طریقہ فطری یا وجدانی طور پر سکھا دیا۔

ربُّ العٰلمین اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو بار بار مختلف اسالیب میں عالمِ زمان و مکان اور عالمِ حیات میں تفکّر بالحق کرنے کی تاکید کرتا ہے، جس کی غایتِ حقیقی یہ ہے کہ انسان اپنے ربِ رحمٰن و علیم کی حکیمانہ جمالیاتی۔تخلیقی فعلیت اور اس کے مُعجزانہ طریقِ رُبوبیتِ عالمگیر کو دیکھ کر اس کی توحیدِ رُبوبیت پر ایمان لائے ۔یہ بھی انسان کو ہدایت دینے کا طریقہ ہے۔

قرآنِ مجید اپنے نُور سے اہلِ آرزو کی
صِراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو
اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

★ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ (الشوریٰ ۴۲ : ۵۲-۵۳) :

اور اِسی انداز سے ہم نے (اے نبیؐ !) اپنے امر یا حُکم سے آپ کے قلب میں رُوح القدس کے ذریعے وحی و تنزیل نازل کی (واقعہ یہ ہے کہ اس سے پہلے) آپ کو نہ تو یہ معلوم تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے ؟ لیکن ہم نے (اپنی رحمت سے) اُسے (یعنی وحی و تنزیل یا قرآنِ مجید کو، چیزوں کو روشن کرنے اور راہ

Marfat.com

دکھانے والے آفتاب کی طرح) منیر بنایا ہے، جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتے ہیں (یعنی جن کو ہدایت کی آرزو ہوتی ہے انھیں) راہِ راست دکھاتے ہیں۔ اور یقیناً (میرے نبیؐ!) آپ بھی لوگوں کو حسین و فطری اور قائم و دائم راہِ راست کی طرف رہبری کرتے ہیں، جو اللہ کا راستہ ہے (یعنی دُنیوی و اُخروی حسنہ، اس کی جنّت اور قُرب و رِضوان کا راستہ) ، جس کے (جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے) لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کُرۂ ارض میں ہے۔ اے لوگو! یاد رکھو! تمام اعمال و افعال اللہ ہی کی طرف (فیصلے کے لیے) لوٹتے ہیں۔

اِن آیاتِ بصیرت افروز سے مُستنبط ہوتا ہے کہ جس طرح مادّی دُنیا میں اس کی اشیاء اور راستوں کو دیکھنے کا ذریعہ آفتاب کی روشنی ہے، اُسی طرح معنوی دُنیا میں حقائق اور صراطِ مُستقیم کو دیکھنے کا ذریعہ قرآنِ منیر کی روشنی ہے۔ دیگر آیاتِ قرآنی سے ہمیں اِس حقیقت سے بھی آگہی ہوتی ہے کہ قرآنِ منیر کے نُور ہی سے باطنی نظام، جس کا مرکز قلب ہے، منوّر و منیر بھی ہوتا ہے اور اس کے نُور کی تولید و تکمیل بھی ہوتی رہتی ہے؛ اور یہ سلسلہ الحیوان میں بھی ابدالآباد تک قائم و دائم رہے گا۔

ربِّ رحمٰن نے ضمناً اِنسان کو اِس تاریخی واقعیّت اور اصلِ عظیم سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بِعثت سے پہلے نہ تو کتاب کو دیکھا تھا نہ اس کی ماھیت سے آگاہ ہی تھے؛ نیز آپؐ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اِیمان کیا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس تاریخی اور قرآنی شہادت و واقعیّت کے باوجود مُنکرانِ حق کا یہ کہنا کہ قرآنِ حکیم ایسی علم و حکمت اور رُشد و ہدایت کی منفرد و بیمثال اور جامع و مانع کتاب آپؐ کی تصنیف ہے، ظُلم و جہل نہیں تو اور کیا ہے؟

ہدایت کا صیرفی جہاد ہے!

جہادِ صیرفی ہدایت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے اِلٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ رحمٰن و عاشق کے قُرب و رِضوان کی آرزو میں اس کے اور اس کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے دشمن شیطان کے فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری اِداروں[۲۳] کے اِستیصال اور اس کے رحمانی یعنی صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المُنکر کے اِداروں[۲۴] کے قیام میں ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتے ہیں اور کسی قسم کے اِیثار و قُربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ اس حقیقت کو قرآنِ حکیم نے اپنے اِعجازِ بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے:

Marfat.com

★ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
(العنکبوت ۲۹ : ۶۹) :

اور جو (اہلِ آرزو و خشیت) لوگ ہمارے تقرُّب و رِضوان کی آرزو میں (ہمارے بندوں کی دُنیوی واُخروی حسنہ، آزادی وحیاتِ طیّبہ، امن وسلامتی، مادّی۔معنوی ترقی اور ان کے اِنسانی حقوق کی خاطر) سعی وجُہد کرتے رہتے ہیں، ہم اُن پر اپنے کامیابی کے حسین وفطری اور سیدھے راستے کھول دیتے ہیں؛ اور یقین وتسلیم کرو کہ اللہ تعالیٰ ایسے حسین کام کرنے والوں کا رفیق وکارساز اور حامی وناصر ہوتا ہے۔

اِس آیۂ فکر انگیز و ایمان افروز میں قریب قریب تمام الفاظ اصطلاحًا اِستعمال ہوئے ہیں، مثال کے طور پر، جَاهَدُوْا ۔ فِيْنَا ۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ ۔ سُبُلَنَا ۔ اِنَّ اللّٰهَ ۔ لَمَعَ ۔ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ ان اصطلاحات کی معنویت کی ابعادی پہنائی، حیرت انگیز حُسنِ ترکیبِ لفظی ومعنوی، نظم وضبط کی انفرادیت اور مُحیّر العقول اِیجازِ بلاغت نے اِس آیت کو "اعجازِ قرآن" بنادیا ہے۔اس اصلِ عظیم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ترجمے میں ان اصطلاحات کے معانی ومفہوم کو اِختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بعض طبائع میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ صِراطِ مُستقیم تو ایک ہے، لیکن اِس آیۂ جلیلہ وتبشیری میں اللہ تعالیٰ نے سُبُلَنَا کا لفظ استعمال کیا ہے جو سَبِيْل کی جمع اور جمع مُتکلّم ہے، حالانکہ بہ اصطلاح اعجازی ہے۔اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندگی ایک نامیاتی۔ابعادی کُل (ORGANIC - DIMENSIONAL WHOLE) ہے۔اس کے بیشمار گوشے ہیں اور ہر گوشے میں کامیابی کی ایک حسین وفطری راہِ راست ہوتی ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے صِراطِ مُستقیم یا صراطی (میرا راستہ) کی تعبیریں اِختیار کی ہیں۔صِراطِ مُستقیم حقیقت میں ایک ہی ہے، لیکن مکان، موضع یا مقام کے لحاظ سے ایک سے زائد یا متعدّد ایسے راستے ہو سکتے ہیں۔مثلاً بیت اللہ یا خانۂ کعبہ کا قبلہ یا جہت یا صِراطِ مُستقیم ایک ہے، لیکن موضع، مقام یا مکان کے لحاظ سے قبلے یا صِراطِ مُستقیم متعدّد ہو سکتے ہیں اور ہیں؛ جیسے کہ حرم شریف میں ہم دیکھتے ہیں کہ قیامِ صلوٰۃ کے وقت بیت اللہ کے اِردگرد تمام مُصلّین یا نمازی شمال وجنوب میں ہوں یا مشرق ومغرب میں، ان کا قبلہ یا رُخ (یا جہت یا صِراطِ مُستقیم) ایک ہی ہوتا ہے، یعنی بیت اللہ۔معلوم ہوا کہ اللہ یا اس کے گھر کو جانے والے تمام راستے "صِراطِ مُستقیم" ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ درجِ ذیل نقشے (DIAGRAM) سے واضح ہے :

Marfat.com

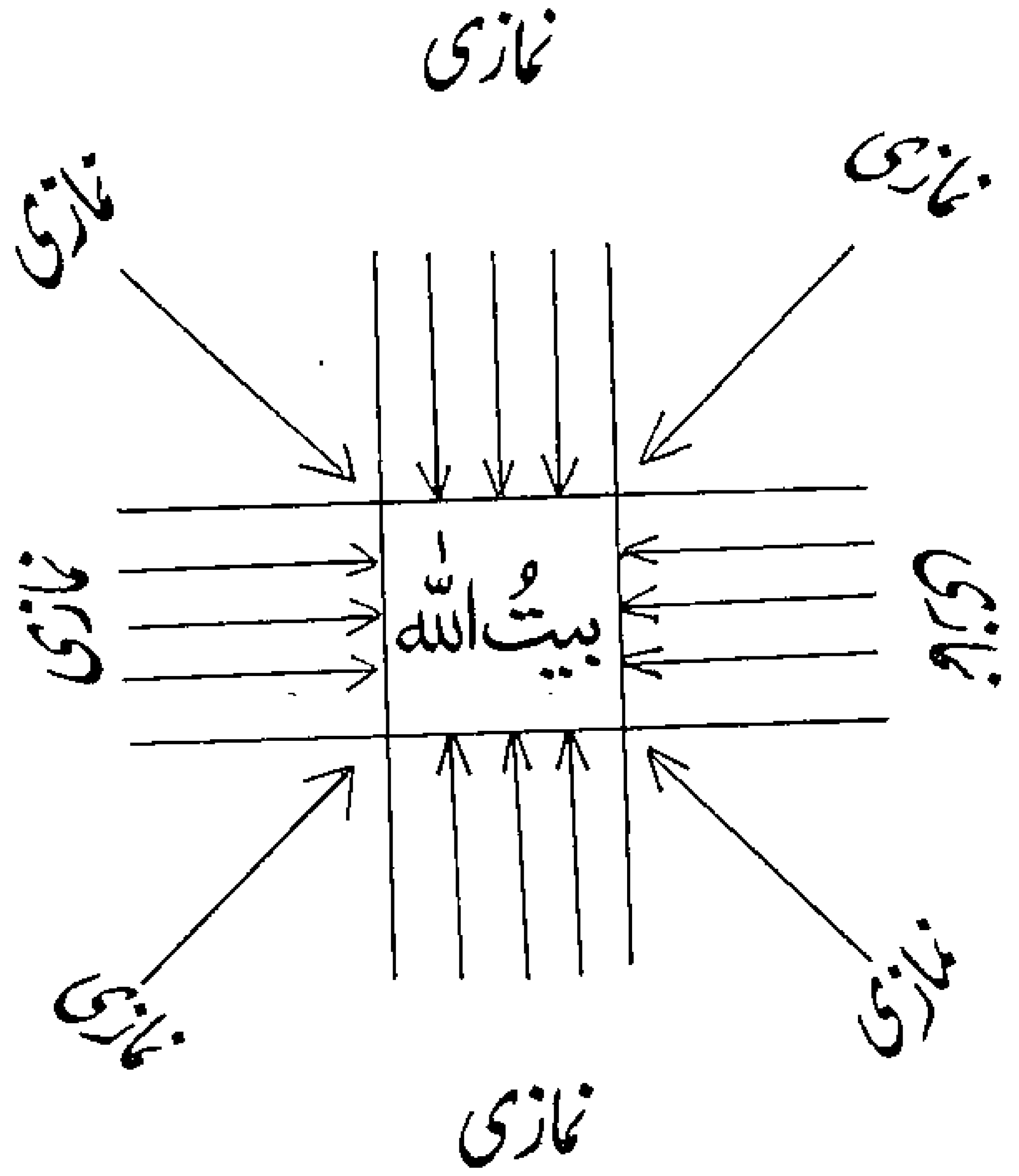

اس کا مطلب یہ ہوا کہ زندگی کا کوئی گوشہ ہو اور اِنسان کے زمان و مکان اور احوال و ظروف کیسے کیوں نہ ہوں، اگر اس کا رُخ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف ہے تو وہ اس کے فطری و حسین راستے، سبیل یا صِراطِ مُستقیم پر ہے۔ اس سے "سُبُلَنَا" کی بصیرت افروز اصطلاح کی معنویت کی صراحت ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ہدایت اُن اہلِ آرزو کو ملتی ہے جو اپنے اِلٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ رحمٰن و عاشق کے عشق میں اس کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو ان کے اِنسانی حقوق (HUMAN RIGHTS) دلانے، اور ان کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی حسین و فطری راہِ راست دکھانے کی خاطر شیطان کے فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری اِداروں کے اِستیصال اور ربِّ رحمٰن کے صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اِداروں کے قیام کے لیے مال و منال، جسم و جان اور قلم و نُطق کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ الغرض یہ جہاد کرنے والے ہی مُحسن اور ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔

ہدایت تو صِراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی اور اس پر چلنے سے عبارت ہے :

★ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ (الانعام ۶: ۸۷ بعد):
اور ہم نے ان (برگزیدہ ہستیوں) کی فطری و حقیقی راہِ راست کی طرف رہنمائی کی۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے۔

الم ۱

Marfat.com

اس آیۂ ایمان افروز میں ربِّ وحدہٗ لاشریک نے ہمیں اِس اصلِ عظیم سے آگاہ و مُتنبّہ کیا ہے کہ اگر صراطِ مُستقیم پر چلنے والے مجاہد و مُحسن بھی ہوں اور وہ شِرک کرنے لگیں تو ان کے سارے حسین اعمال اکارت چلے جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شِرک رہزنِ حُسن و نُور بھی ہے اور حُسنِ عمل کے حسین و منیر اثرات کو محو بھی کر دیتا ہے۔ شِرک کی مثال اُس مہیب آندھی کی ہے جو شجرِ طیّبہ اور اس کے اثمار کو برباد کر دیتی ہے۔

★ ہدایت کی ضد ضلالت ہے (البقرۃ ۲ : ۱۹۸؛ الانعام ۶ : ۷۷؛ الاعراف ۷ : ۳۰)۔

مُھْتَدُوْنَ : ہدایت یافتہ، صراطِ مُستقیم پر گامزن۔ ان کی ایک بصیرت افروز تعریف بزبانِ قُرآنِ مجید :

★ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام ۶ : ۸۲) :

جو لوگ ایمان لا کر اپنے ایمان یعنی عقائدِ جلیلہ و محرّکہ کو شِرک کے باطل و گُمراہ کُن عقائد و افعال کی آمیزش سے مُلتبس یا خلط ملط نہیں کرتے تو ان کے لیے ہی (ظاہری و باطنی) امن (و طمانیّت) ہے اور وہی صراطِ مُستقیم پر (زندگی کر رہے) ہیں۔

اِنتباہ : شِرک کرنے والے گُمراہ ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کے ہدایت یافتہ یا صراطِ مُستقیم پر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کاش! وہ لوگ جو اپنے آپ کو مؤمن و مُسلمان اور زاہد و صوفی کہتے اور سمجھنے کے باوجود شِرک کرتے ہیں، اِس اِنتباہِ ربّانی سے عبرت پکڑیں۔ لیکن ان کے عبرت پکڑنے کا سوال اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ شِرک کو ہلاکت آفریں سرطانی مرض سمجھنے کے بجائے تریاق و آبِ حیات خیال کرتے ہیں۔

قلبی ہدایت : ہدایت اصل میں قلبی ہوتی ہے۔ قلب اگر سلیم ہوگا تو اس کی فکر راست رو ہوگی۔ بخلاف اس کے، اگر وہ سلیم نہ رہے تو اس کی فکر کجرو ہو جاتی ہے۔ قلب چونکہ اِنسان کے فعل و عمل کو کنٹرول کرتا ہے، اس لیے اگر وہ سلیم ہوگا تو اِنسان راست رو ہوگا، بصورتِ دیگر، وہ کجرو اور گُمراہ ہوگا۔ اِس نفسیاتی۔ عملی فلسفے کو قُرآنِ حکیم نے اپنے اِیجاز بلاغت سے دُعائیہ انداز میں بیان کیا ہے:

★ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (آلِ عمران ۳ : ۸) :

اے ہمارے پروردگار و آقا! ہمیں اپنی راہِ راست پر لگا چکنے کے بعد اب ہمارے قلوب کو

Marfat.com

ٹیڑھا نہ ہونے دینا اور اپنے مبدءِ فیضان سے ہمیں اِنعام واِکرام سے نوازے تو بلا شُبہ بُہت بڑا مُعطی و فیّاضِ حقیقی ہے۔

اِنتباہ : اللہ جو کُل صفاتِ حسنہ کا مالک اور ربِّ رحمٰن و عاشق ہو، نیز ہادی و مُرشد بھی ہو، کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے محبوب و ہدایت یافتہ جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے قلوب کو ٹیڑھا اور ان کو گمُراہ کردے؟ ایسا سوچنا بھی اس کی رحمانیت و رحیمیّت کے اِنکار کے مترادف ہے۔اصل یہ ہے کہ جب اِنسان میں کسی وجہ سے ہدایت کی آرزو نحیف و مُردہ ہو جاتی ہے تو قُدرت کا قانونِ احترامِ آرزو اسے گمُراہ کرنے کے لیے اس کا قلب ٹیڑھا کر دیتا ہے۔یہ اس طرح کہ وہ جُرم وظُلم اور گُناہ و خسارہ کے ایسے کام کرنے لگتا ہے، جن کے نتیجے میں اس کا قلب اپنے فطری حُسن و نُور سے محروم ہو کر بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔(قلب کی بیماریوں سے مُفصّل بحث کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی تصنیف جمالیات؛ قرآنِ حکیم کی روشنی میں، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۲۷-۱۵۴)۔

ہدایتِ فطری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

★ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدھر ۷۶ : ۲-۳) :

ہم نے اِنسان کی تخلیق (کا آغاز) مخلوط نُطفے سے کیا تاکہ (امتحانگاہِ دُنیا میں) اِس کا امتحان لیں۔چنانچہ ہم نے اُسے صاحبِ سمع و بصر یا سُننے دیکھنے والا بنایا؛ نیز ہم نے اُسے (فطرۃً کُل زندگی کرنے کا حسین و فطری سیدھا) راستہ دکھا دیا، چاہے وہ (حِسّی۔قلبی نظام اور فطری ہدایت ایسی نعمتوں کی) قدر کرے اور اُن سے کام لے یا اُن کی نہ تو قدر کرے نہ کام ہی لے۔

نُکتہ : اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا شُکر کرنے کا مطلب دراصل اُس کی نعمتوں کی قدر کرنا اور اُن سے مقدور بھر وہ کام لینا ہے، جن کے لیے وہ عطا کی گئی ہیں؛ نیز اس کے ساتھ اُس کی حمد و سپاس کرنا بھی ہے۔

Marfat.com

ہدایتِ معروضی

مُهْتَدُوْنَ : لوگوں کو صراطِ مُستقیم سے روکنا انھیں گمراہ کرنا اور خود اس سے رُک جانا گمراہ ہو جانا ہے۔ بخلاف اس کے، راہِ مُستقیم دکھانا، ہدایت دینا اور خود اس پر چلنا ہدایت پانا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اللہ کی راہِ راست پر چلنے والے ہیں، قُرآنِ حکیم اُن کو مُهْتَدُوْنَ (ہدایت یافتہ) کہتا ہے :

★ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

(الزخرف ۴۳ : ۳۷) :

اور وہ (شیاطین) اُن کو صراطِ مُستقیم سے روکتے رہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کجرو یا گمراہ اپنے آپ کو راست رو کیوں سمجھتے ہیں؟ اس کا جواب قُرآنِ حکیم کی رُو سے یہ ہے کہ شیطان کی جمالیاتی فریب کاری اور وسوسہ اندازی کے سبب (اس موضوع پر مفصّل بحث کے لیے دیکھیے اِس تلمیذ القُرآن کی تصنیف "شیطان کا جمالیاتی فریب" فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)۔

ہدایتِ فطری ایجابی بھی ہوتی ہے اور سلبی بھی :

★ وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ (البلد ۹۰ : ۱۰) : اور ہم نے اِنسان کو (ہدایت وضلالت یا خیر وشر کے) دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنسان فطرةً جانتا اور پہچانتا ہے کہ صراطِ مُستقیم یا راہِ راست کون سی ہے اور ٹیڑھے اور گمراہ کُن راستے کون سے ہیں۔

قُرآنِ حکیم کا اِرشاد ہے کہ

اِیمان باللہ اور ہدایتِ قلبی لازم ملزُوم ہیں!

★ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ (التّغابن ۶۴ : ۱۱) :

اور جو کوئی بھی اللہ (کی ذات وصفاتِ حسنہ) کو تسلیم بالیقین کرتا ہے، وُہ اس کے قلب کو ہدایت دیتا ہے (یعنی اس کی عقل وفکر کی جہت صالحہ اور قبلے کو درست کر دیتا ہے)۔

Marfat.com

صیرفیِ ہدایت و ضلالت

یا

راست روی و بے رہروی کی پہچان کا قرآنی فارمولا

دیکھا گیا ہے کہ اِنسان خواہ کسی دین، مذہب، فرقے یا مسلک سے تعلّق رکھتا ہو، اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے اور عموماً اِس غلط فہمی میں مارا جاتا ہے۔ ربِّ رحمٰن نے اِنسان کو اِس غلط فہمی سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا ہے جو جتنا آسان ہے اُتنا سچّا بھی ہے۔ ہدایت و ضلالت کو معلوم کرنے کی کسوٹی یہ ہے کہ اِنسان دیکھے کہ اگر اس کا قلب اِسلام کے عقائد و تعلیمات اور اُصول و احکام کو قبول کرنے کا داعیہ و شوق رکھتا ہے تو وہ ہدایت یافتہ ہے، اور اگر نہیں رکھتا اور وہ ان کو سُن کر تنگی محسوس کرتا ہے تو وہ گمُراہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا :

★ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ (الانعام ۶ : ۱۲۵-۱۲۶) :

پس جس (اہلِ آرزو) کی اللہ صراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ یعنی قلب اِسلام (کے عقائد و تعلیمات اور اصول و احکام قبول کرنے) کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور (بخلاف اس کے)، جسے اِسلام یا ہدایت کی آرزو ہی نہیں ہوتی تو وہ بھی (اپنے قانونِ احترامِ آرزو کے مطابق) اُسے گمُراہ ہی رکھنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ یا قلب (اِسلام کے لیے) اس قدر تنگ اور بند کر دیتا ہے کہ اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا دل آسمان کی طرف پرواز کر رہا ہے۔ اس طریقے سے اللہ ایمان نہ لانے والوں پر نجاست ڈال کر نجس بنا دیتا ہے۔ اور یہی راہِ اسلام تیرے ربّ کی حسین و فطری راہِ راست ہے۔ اس طرح ہم اپنی آیات کو اہلِ فکر و نظر کے لیے واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔

ہدایت کا اصل الاُصول

ہدایت کا اصل الاُصول یہ ہے کہ ہدایت صرف اللہ کی ہے اور وہی ہادیِ مُطلق ہے۔ اِنسان اگر

Marfat.com

اس اصل الاُصول کو تسلیم بالیقین کر لیتا تو کبھی گمراہ و برباد نہ ہوتا اور نہ فرقوں میں تقسیم ہو کر تشتُّت وافتراق کا شکار ہی ہوتا۔ آج کا انسان بھی اگر یہ اصل الاُصول قبول کرے تو تمام بنی نوعِ انسان اُمّتِ واحدہ بن کر دُنیا کو امن و سلامتی کی جنّت بنا سکتے ہیں۔ ہدایت کا یہ اصل الاُصول قرآنِ مجید کی حسین و بلیغ اور اعجازی زبان میں :

★ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ (یُونس ۱۰ : ۳۵) :

(اے نبیؐ !) ان سے پوچھیے ! کیا تمھارے (بنائے ہوئے اللہ کے) شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کا راستہ دکھاتا ہو ؟ پھر خود ہی انھیں بتا دیجیے کہ صرف ایک اللہ ہی حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ لہٰذا وہ (اللہ) جو حق کی راہ دکھاتا ہے، اس بات کا حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جسے جب تک راستہ نہ دکھایا جائے وہ راہ نہ پا سکے۔ تمھاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے ؟ کیسے فتوے دیتے ہو ؟

اس آیۂ بصیرت افروز میں ربِ رحمٰن ہمیں ہدایت کے اِس اصل الاُصول سے آگاہ کرتا ہے کہ ہدایت وہی ہے جو وہ ہمیں اپنی وحی و تنزیل کے ذریعے دیتا ہے، اور صرف اس کی پیروی ہی ہم پر فرض یا لازم ہے۔ اس کے علاوہ، کوئی ہستی چاہے کتنی برگزیدہ کیوں نہ ہو، کوئی حکم دینے کی مجاز نہیں، کیونکہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یُوسُف ۱۲ : ۴۰، ۶۷) : حکم دینے کا مجاز و حقدار صرف اللہ ہے۔ دوسرے، ایسا حکم جو قرآنِ حکیم مبین نہیں، اس کے ماننے کے اس کے بندے مُکلّف نہیں۔ اس کی صراحت اُس نے خود ہی کر دی ہے۔ ارشاد ہوا :

★ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (النّسآء ۴ : ۶۴) :

اور ہم نے کوئی رسولؑ نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی طاعت و پیروی اللہ کے حُکم یا وحی و تنزیل کے مطابق کی جائے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبرؑ اس کے جو احکام سناتا یا دیتا ہے ان کی پیروی کرنا ہم پر لازم ہے۔ بالفاظِ دیگر، اللہ تعالیٰ کا رسولؑ اس کی وحی و تنزیل لے کر دُنیا میں آتا ہے جس کی طاعت و پیروی کرنا فرض ہے۔

Marfat.com

ہدایت کے ثمرات

یوں تو ہدایت کے ثمرات ان گنت ہیں، لیکن قرآنِ مجید نے اپنی درجِ ذیل آیۂ ایمان افروز میں اپنے اِعجازِ بلاغت سے دو ایسے ثمرات کا ذکر کیا ہے جو حاصلِ زندگانی ہیں :

★ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ○ (محمد ۴۷ : ۱۷) :

اور جو لوگ اللہ کی حسین و فطری راہِ راست پر گامزن ہوتے ہیں، وہ اُن کے شوقِ ہدایت کو اور زیادہ کرتا، اور اُنھیں ان کا تقویٰ یعنی معروضِ آرزو بھی عطا کرتا ہے۔

یہاں اِس امر کی نشاندہی کر دینا ضروری ہے کہ قُرآنِ حکیم کی اِصطلاح میں تقویٰ کے معنی ہیں : اللہ کے قُرب و رِضوان کی راہ و منزل کی آرزو۔ اس بناء پر ہم نے اللہ کے قُرب و رِضوان کو معروضِ آرزو (OBJECT OF DESIRE) سے تعبیر کیا ہے ؛ اور

یہ ہے فلسفۂ ہدایت کا لُبِّ لُباب۔

اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے قانونِ اِحترامِ آرزو کی رُو سے

(ا) ہدایت پانے والے اور (ب) ہدایت سے محروم رہنے والے

(ا) پہلے ہدایت پانے والوں کی نشاندہی کی جاتی ہے :

اہلِ تسلیم و رضا : وہ لوگ جو اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے احکام و تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں، یعنی اُن کے مطابق زندگی کرتے ہیں :

★ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (المائدة ۵ : ۱۶) :

اِس قرآنِ منیر کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو، جو اس کے احکام و تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں (یعنی جو اہلِ تسلیم و رضا ہیں) امن (سلامتی) کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے اِذن (یعنی اپنے قانونِ اِحترامِ آرزو کی رُو) سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا اور ان کو حسین و فطری راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

Marfat.com

اس کی طرف رجوع کرنے والوں کو

★ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ (الرّعد ۱۳ : ۲۷) :
اور اللہ ان کو اپنی حسین و فطری راہِ راست کی طرف لاتا ہے جو اس کی اور اس کے قُرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (لیکن ان باتوں کے لیے غیر اللہ اور ان کی کتابوں، فیصلوں، فتووں اور احکام کی طرف رجوع نہیں کرتے) - وجہ یہ ہے کہ قُرآنِ حکیم ہی وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ حسین و فطری اور سیدھا ہے (الاسراء ۱۷ : ۹) -

مُتقین یعنی ہدایت کی آرزو رکھنے والوں کو

★ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲) :
ہدایت کی آرزو رکھنے والوں کے لیے قُرآن ہدایت نامہ ہے -
اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے مُتقین کے لیے مُهْتَدِيْنَ کی تعبیر اختیار کی ہے، جن کی وہ اپنی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے (القصص ۲۸ : ۵۶) -
اس سے مُستنبط ہوا کہ تقویٰ پیش شرط ہے ہدایت کی، اور قُرآنِ مجید ان کو صراطِ مُستقیم دکھاتا ہے جو اس کی سچی آرزو رکھتے ہیں -

ایمان باللہ لانے والوں کو

★ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ (التّغابن ۶۴ : ۱۱) :
اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے (یعنی اس کی ذات اور کُل صفاتِ حسنہ کو تسلیم بالیقین کرتا ہے)، اللہ اس کے قلب کو اپنی حسین و فطری راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
قلب جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں، اِنسان کے باطنی یعنی حِسّی قلبی نفسی نظام اور اس کے قول و فعل اور خُلق و کردار کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس لیے قلب کو ہدایت مل جانے کا مطلب اِنسان کو ہدایت مل جانا ہے-
اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحیدِ اُلُوہیت و رُبُوبیت اور اس کے احکام و تعلیمات کو تسلیم بالیقین کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں ایک تو اس کے قلب میں ہدایت بالصراطِ مُستقیم کی آرزو پیدا ہو جاتی ہے، دوسرے اللہ تعالیٰ اس کی عقل و فکر کی جہت صالحہ اور قبیلے کو درست کر دیتا ہے؛ اور تیسرے

Marfat.com

اِنسان صراطِ مُستقیم پر سفرِ زندگی کرنے لگتا ہے۔

ہدایت سے محروم رہ جانے والے گمراہ لوگ

تمہید : ایک اِلتباسِ ذہنی یا غلط فہمی کے ازالے کے لیے جو جتنی عام ہے اتنی گمراہ کُن بھی ہے :
یہ حقیقتِ نفس الامری ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کا حسین و کریم خالق و رازق ، بیمثال پروردگار و ہادی ہے ، اُن سے بے نہایت محبّت کرنے، ان پر بے حساب نعمتیں ارزانی کرنے، ان کی دُعاؤں کو سُننے اور قبول کرنے والا ہے، نیز وہ توابُ الرّحیم بھی ہے۔ علاوہ ازیں، ان کے لیے اُس نے اِس دُنیا کو طرح طرح کی ان گنت حسین و شیریں اور دلکش و لذیذ نعمتوں، جمیل و جلیل مناظر اور نظر افروز و دل انگیز نظّاروں کی جنّت بنایا ہے ؛ اور دارالآخرت کو الحَیَوان (یعنی موت ناآشنا جہانِ حیات) اور جنّتِ قُرّۃُ العین بنایا ہے جو ان کا حقیقی حُسنُ المآب ہے۔
جنّتِ قُرّۃُ العین کو آدم نے دیکھا ہے نہ اس کی اولاد نے، حتّٰی کہ کسی مُتنفّس نے اُسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ماھیّت کا کسی کو علم ہی ہے۔ جنّت کی بے قیاس و لامُتناہی لذیذ و سرُور انگیز نعمتوں کا ذکر ہی کیا ! وہ تو اہلِ آرزو کے اِلٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ رحمٰن و عاشق کی جائے لِقاء ہے، جہاں وہ اس کی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رضوان کی رحیقِ مختوم کے شُربِ مدام سے سدا عالمِ کیف و سرخوشی میں رہیں گے۔ اِس عالمِ کیف و سرُور میں بھی وہ اپنی ذات کی تکمیل اور معنوی ترقّی کرتے رہیں گے۔ اُن کے نُور کا اتمام ہوتا رہے گا، یعنی ان کے جمالیاتی شعور کا اِرتقاء ابدالآباد تک ہوتا رہے گا ؛ اور قُرآنِ حکیم ان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

اِس عالمِ حُسن و عشق میں اہلِ آرزو کی کیفیّت کیا ہوگی ؟ اُسے پیکرِ حُسن و عشق کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور نہ یہ جاننا کسی مُتنفّس کے مقدور ہی میں ہے۔ ایسے ربِّ رحمٰن و عاشق سے متعلق یہ سوچنا یا خیال کرنا کہ وہ اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو اپنی جنّتِ قُرّۃُ العین سے جو اُس نے اُن کے لیے تیار کی ہے، محروم رکھنے کے لیے ان کو اپنی ہدایت سے محروم رکھے یا گمراہ کرے گا، بعید از قیاس ہے؛ بلکہ اس سے اس کی رحمتِ بے پایاں سمیت اس کی کُل صفاتِ حسنہ کی تکذیب و تکفیر لازم آتی ہے، جو ظلمِ عظیم اور گُناہِ کبیرہ ہے۔

یہ اصل ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ قُرآنِ حکیم جب یہ کہتا ہے کہ اللہ ظالموں یا فاسقوں وغیرھم کو ہدایت نہیں دیتا تو ضمیر[۲۵] " اس کی ذات پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کے قانونِ مُکافاتِ عمل یا

Marfat.com

قانونِ احترامِ آرزو پر دال ہوتی ہے۔

فاسقین : اللہ سے عہد شکنی کرنے والے

★ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۶) : اور اس مثالِ بصیرت افروز سے صرف عہد شکن و نافرمان لوگ ہی (جن کو ہدایت کی آرزو نہیں ہوتی) گمراہ ہوتے ہیں (نیز دیکھیے المائدہ ۵ : ۱۰۸، التوبۃ ۹ : ۲۴، ومواضعِ دیگرہ) ۔

ظالمین :

کفر و شرک کرنے؛ فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری کرنے والے؛ فتنہ و فساد کرنے اور قومی دولت کی غیر عادلانہ تقسیم کرنے والے؛ ناانصافی، زیادتی، استحصال و استیصال اور حقوق غصب کرنے والے؛ انصاف نہ کرنے اور غلط فیصلے کرنے والے؛ جور و ستم کرنے والے؛ تکریم انسانی نہ کرنے والے وغیرہ وغیرہ ۔

★ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۵۸، آلِ عمران ۳ : ۸۶ : المائدۃ ۵ : ۵۱ ومواضعِ کثیرہ) :

اللہ تعالیٰ کا قانونِ احترامِ آرزو، تاریخی عمل بن کر "ظلم" (اپنے مذکورۂ بالا وسیع مفہوم میں) کی تاریک اور گمراہ کن راہوں میں بھٹکنے کے خوگر و آرزومند لوگوں کو انہی راہوں میں بھٹکنے دیتا ہے۔

کافر :

قرآنِ حکیم کی وسیع المعانی بنیادی اصطلاح۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات یا اُس کی بعض صفاتِ حسنہ یا احکام کو تسلیم بالیقین یا تسلیم بالعمل نہ کرنے والا؛ اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کرنے اور ان کے لیے اُن کے حقیقی خالق و مُنعم کے لیے جذباتِ تشکر و ممنونیت نہ رکھنے اور نہ ان کا ربِ رحمٰن کے حضور اظہار ہی کرنے والا۔ ایسے لوگوں کا قلب گمراہ ہوتا ہے اور راہِ راست پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے۔ بدیں وجہ اللہ تعالیٰ جو ہادیٔ مطلق ہے، اس کی ہدایت سے کافر محروم رہتے ہیں۔ یہ اصلِ عظیم بزبانِ قرآنِ حکیم :

★ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۶۴) :

اور اللہ (کا قانونِ احترامِ آرزو، راہ گم کردہ) کافروں پر (اُن کے فقدانِ آرزوئے ہدایت کے سبب) صراطِ مستقیم گم ہی رکھتا ہے۔ (نیز دیکھیے المائدۃ ۵ : ۶۷ : التوبۃ ۹ : ۳۷ ومواضعِ کثیرہ) ۔

Marfat.com

خَآئِنِیْنَ یا خیانت کرنے والے :

خیانت کثیر المعانی مُصطلحہ ہے۔ اس کے معانی ہیں: کسی کے حق میں ناجائز تصرّف کرنا، کسی فرد، جماعت یا قوم کے بنیادی حقوق دینے سے انکار کرنا یا کم دینا، امانت کا مال و دولت واپس نہ کرنا یا کم واپس کرنا اور اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانا، کسی شخص کا کسی کو امین سمجھ کر اپنا راز بتانا یا مشورہ مانگنا امانت ہے۔ یہ راز فاش کرنا، یا مشورہ دیدہ و دانستہ غلط دینا امانت میں خیانت کرنا ہے۔ مُلکی یعنی دفاعی، عسکری، سیاسی "راز" دشمنوں کو بتانا یا ظاہر کرنا، خیانت ہے۔ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کرنا، سونے چاندی کے زیورات میں کھوٹ ملانا، ناخالص، مصنوعی یا جعلی چیزوں کو اصلی کرکے بیچنا یا میزان یا ماپ تول کم کرنا خیانت ہے۔ بیوی کا تن بدن، جذبہ و خیال اور محبّت شوہر کی امانت ہوتے ہیں، ان میں کسی اور غیر محرم کو شریک کرنا، خیانت ہے۔ اسی طرح شوہر کے تن بدن، جذبات و خیالات اور محبّت بھی بیوی یا بیویوں کی امانت ہوتے ہیں۔

چوری، رہزنی، ڈاکہ زنی، نوسربازی وغیرہ خیانت ہی کی اصناف ہیں۔ الغرض، خیانت کُل زندگی میں ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر، یہ مالیاتی، اقتصادی، عمرانی، ازدواجی، جنسی، اِقتصادی، صنعتی، تجارتی، ادبی، فنّی، سیاسی، عسکری، مذہبی، تعلیمی، ہر نوعیت کی ہوسکتی ہے۔ قُرآنِ مجید نے خیانت کو انہی معانی میں اِستعمال کیا ہے :

★ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○ (یُوسُف ۱۲ : ۵۲) :

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ (کا قانونِ مکافاتِ عمل و عدل) خیانت کرنے والوں کی چالوں کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیتا۔

جس شخص کو راہِ راست کی آرزو نہیں ہوتی، اُس پر راہِ راست گُم ہوجاتی ہے کہ یہ قُدرت کا قانونِ اِحترامِ آرزو ہے، یہ اصولِ ہدایت قُرآنِ مجید کی بلیغ و مُعجزانہ زبان میں :

★ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

(النّحل ۱۶ : ۳۷) : (اے پیغمبرِ اعظم و آخرؐ!) آپ کو بڑی ہی خواہش ہے کہ یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں (لیکن یہ راہِ راست پر آنے والے نہیں، اس لیے کہ جس شخص میں راہِ راست پر چلنے کی آرزو ہی نہیں ہوتی) اللہ (کا قانونِ اِحترامِ آرزو بھی) اُسے راہِ راست نہیں دکھاتا۔ ایسے لوگوں کے کوئی بھی مددگار (سفارشی وغیرہ) نہیں ہوتے۔

یہ آیۂ تنذیری شفاعت کی جھوٹی اُمید رکھنے والے اکابرو سادات پرستوں کے لیے آئینۂ عبرت ہے۔

Marfat.com

کاذب ۔ کفّار :

جھوٹ بولنے والا یا دین و قرآن کو جھٹلانے والا ۔ قدر ناشناس و ناسپاس (INGRATE)

★ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ○ (الزُّمر ۳۹ : ۳) :

جو شخص (الھُدٰی اور دینِ حق) کی تکذیب ۔ کُفران کرنے والا ہو (اُسے راہِ راست پر چلنے کی آرزو نہیں ہوتی ۔ اس لیے) اللہ (اپنے قانونِ احترامِ آرزو کی رُو سے) اُسے گمراہ ہی رکھتا ہے ۔

مُسْرِف ۔ کذّاب : صراطِ مُستقیم کی حدود سے نکلنے والا ۔ جھُوٹا ۔

★ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ○ (المؤمن ۴۰ : ۲۸) :

یقیناً اللہ (کا قانونِ احترامِ آرزو) اُس شخص کو جس کا شعار صراطِ مُستقیم کی حدود سے نکلنا ۔ جھوٹ بولنا ہو ، حُسن و فطری راہِ راست سے دُور ہی رکھتا ہے ۔

مُسْرِف ۔ مُرتاب :

صراطِ مُستقیم کی حدود سے تجاوز کرنے ۔ قرآنِ مجید یا کلامِ الٰہی میں شک و شُبہ کرنے والا ۔

★ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ○ (المؤمن ۴۰ : ۳۴) :

صراطِ مُستقیم کی حدود سے پار ہو جانے والے ۔ (کلامِ الٰہی کے احکام و تعلیمات میں) شک و شُبہ کرنے والے کو اللہ (اپنے قانونِ احترامِ آرزو کے مطابق) ایسے ہی (گمراہی میں) بھٹکتے رہنے دیتا ہے ۔

فاسِقِین :

★ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○

(الصّف ۶۱ : ۵) : چنانچہ جب وہ کجرو ہو گئے تو اللہ نے (اپنے قانونِ احترامِ آرزو کے مطابق) ان کے قلوب یعنی عقل و قیاس اور فکر و نظر کی جہت کو بھی ٹیڑھا کر دیا ۔ اور اللہ ایسے کج اندیش و عہد شکن لوگوں کو (اپنے قانونِ مُجازات[26] کے مطابق) کجرو ہی رہنے دیتا ہے ۔

کفر و ظلم کرنے والے :

★ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ○ۙ اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ (النّسآء ۴ : ۱۶۸ بعد) :

Marfat.com

یقیناً جن لوگوں نے کُفر کیا (یعنی دینِ حق کو قبول نہیں کیا) اور (اپنے آپ پر اور لوگوں پر) ظُلم کیا تو اللہ (اپنے قانونِ مُجازات کے مطابق) ایسا نہیں کہ اُن کی بخشش۔ حفاظت فرمائے، اور نہ یہ کہ ان کو (جنّت کا) راستہ ہی دکھائے (کہ ان کو اس کی آرزو ہی نہیں)، بجز جہنّم کے راستے کے جس میں وہ ابدالآباد تک رہیں گے۔

ہدایت یا صِراطِ مُستقیم پانے کا طریق و منہاج اب صرف قُرآنِ مجید ہے۔

تاریخِ ادیانِ عالم کے مطالعہ سے اِس اصلِ عظیم سے آگہی ہوتی ہے کہ بشمول اُمّتِ مُسلمہ، اقوامِ عالم کے تشتّت و افتراق (فرقے بندیاں اور اِختلافات)، گمراہی و اکابر پرستی، اصنام و روضہ پرستی، زوال و پسماندگی اور ہلاکت و بربادی کا اصل سبب یہ تھا اور ہے کہ انھوں نے اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ سے رابطہ مُنقطع کر کے اس کے بندوں سے جوڑ لیا تھا، اور انھوں نے یہ حقیقت فراموش کر دی تھی کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ سے رابطے کا وسیلہ صرف اس کی "کتاب" ہے، لہٰذا اُنھوں نے اس کے بجائے اپنے پیغمبروں سے منسوب روایات، اور بزرگوں سے منسوب ملفوظات اور ان کی تالیفات کو اپنا ہدایت نامہ بنا لیا تھا۔ تمام اقوامِ عالم کا اب بھی یہی دستور ہے، اور مُسلمانوں سمیت سب اِنسانی رابطوں پر فخر کرتے اور ان کو وسیلۂ فوز و فلاح سمجھتے ہیں لیکن قُرآنِ مجید نے صاف الفاظ میں اِنسان پر واضح کر دیا ہے کہ ہدایت یافتہ صرف وہ اہلِ اِیمان و آرزو ہیں، جن کا رابطہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ سے اُستوار ہے :

★ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (آلِ عمران ۳ : ۱۰۱) :

اور جس نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ (قُرآنِ حکیم کے ذریعے) رابطہ اُستوار کر لیا اُسے صِراطِ مُستقیم پر چلنے کی ہدایات (INSTRUCTIONS AND DIRECTIONS) مل گئیں۔

قُرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ سے رابطے کا وسیلہ اب اس کا حُسنِ کلامِ آخر ہے، جس کے لیے اُس نے حَبْلُ اللّٰهِ کی اِعجازی تعبیر اختیار کی ہے :

★ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران ۳ : ۱۰۳) :

اور تُم سب کے سب، متفق و متحد ہو کر اللہ کی رسّی یعنی قُرآنِ مجید کو پُوری قُوّت سے تھام لو، یعنی اس کے ساتھ غیر منفک رابطہ اُستوار کر لو (تاکہ تُم ہدایت کے لیے کسی اور ہستی یا اس کی تالیف، ملفوظات یا اس سے منسوب روایات کی طرف رجوع نہ کر سکو) اور فرقوں میں بٹ نہ جاؤ (جس طرح آج مُسلمان بالخصوص فرقوں میں مُنقسم ہو چکے ہیں)۔

Marfat.com

اِس آیۂ اِیمان افروز میں یہ اصلِ عظیم مُضمر ہے کہ جب تک مُسلمان قُرآنِ مجید سے اپنا رابطہ اُستوار رکھیں گے، وہ مربوط و مُتفق اور متحد و راست رَو رہیں گے۔ لیکن اس سے رابطہ توڑتے ہی وہ فرقے فرقے ہو جائیں گے، پھر ان میں اِتّحاد رہے گا نہ اِتّفاق۔ ان کے فکر و نظر کا قبلہ ایک کی بجائے متعدد ہو جائیں گے، نتیجۃً وہ صراطِ مستقیم سے دُور ہو کر مختلف راہیں اختیار کر لیں گے۔ کیا یہ عبرتناک صُورتِ حال عصرِ حاضر کے مُسلمانوں کی نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو کیا پھر مذہبی پیشواؤں، اہلِ علم و قلم، سیاسی و ثقافتی رہنماؤں اور حکمرانوں پر لازم نہیں آتا کہ وہ خود بھی قُرآنِ مجید کے مخلص تلامیذ گردیدہ اور پیرو کار بن جائیں، اور اپنی مُسلم رعایا کو بھی ایسا بننے پر مجبور کریں؟

الفاظ و اصطلاحات کی تحقیق و تشریح

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قُرآن

الف۔ لام۔ میم (الم)

الف۔ لام۔ میم: ان کو حروفِ مُقطّعات کہتے ہیں، جو اُنتیس ۲۹ سُورتوں کے پہلے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ابھی تک ان کے معانی متحقق نہیں ہوئے۔ وجہ یہ ہے کہ قُرآنِ حکیم، احادیثِ طیّبہ اور آثارِ صحابہؓ سے اُن کے مُستند و متحقق معنی و مفہوم کا سُراغ نہیں ملتا۔ بعض مترجمین، اہلِ علم اور مُفسّرین نے محض قیاس سے ان کے معانی بتائے ہیں، جو متفق علیہ نہیں۔ لیکن اس سے یہ رائے قائم کرنا درست نہیں کہ یہ حروفِ مُقطّعات بے معنی یا فالتو ہیں۔ تلامیذ القرآن اس بات کا حق الیقین رکھتے ہیں کہ قُرآنِ حکیم کی نوعیت زمانی یا مکانی نہیں، بلکہ عالمگیر و ابدی ہے؛ لہٰذا جس طرح عصرِ حاضر میں بالخصوص اس کی متعدد آیات اور اصطلاحات کے معانی و مطالب سائنسی یا علمی اِکتشافات سے واضح ہوئے ہیں، اور علم کی ترقّی کے ساتھ ساتھ آشکارا ہوتے رہیں گے، اسی طرح ان حروفِ مُقطّعات کے معانی و مطالب بھی ایک روز تلامیذ القُرآن پر بالضرور مُنکشف ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کا کوئی فعل عبث ہے، نہ ہو سکتا ہی ہے۔

جمالیاتی نُقطۂ نظر سے ان حروفِ مُقطّعات میں غور و فکر کریں تو ان میں صوتی حُسن اور ان کی متصل آیت کے ساتھ جمالیاتی ہم آہنگی اور لفظی موزونی کا احساس ہوتا ہے، جس سے ان الفاظ کے باہمی ربط و ضبط

Marfat.com

اور ان میں معنویت کے پائے جانے کا تاثر ملتا ہے۔ یہ تاثر اگرچہ حقیقی ہونے کے باوصف مُدرکہ کے لیے ابھی تک گریزاں ہے، لیکن علم اور جمالیاتی شعور کے اِرتقاء کے ساتھ اس کا مُدرکہ کی گرفت میں آجانا بعید از امکان نہیں۔ ہمارے اس موقف کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ قرآنِ حکیم گوہرہائے معانی کا بحرِ بے پایاں ہے اور غوّاصِ فکر قیامت، بلکہ ابدالآباد تک اس سے معانی نکالتا رہے گا۔

یہ تلمیذ القرآن حروفِ مُقطّعات کے اسرار و رموز کے اِدراک کے لیے عالمِ استغراق میں تھا کہ معاً ایک خیال (IDEA) سے قلب اس قدر متأثر ہوا ہے کہ اُسے بیان کیے بغیر نہیں بنتی: توحیدِ اُلوہیت و رُبوبیت کی آئینہ دار سُورۂ فاتحہ کے حوالے سے سُورۃُ البقرۃ کے بصیرت افروز قصے میں البقرہ، بنی اِسرائیل اور حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام تین ازبس اہم کردار ہیں۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہو نہ ہو الف، لام، میم ان تینوں کرداروں کی علامتیں ہوں۔ مثلاً اِ البقرہ کی، لِ اِسرائیلیوں کی اور مِ حضرت مُوسیٰ علیہِ السّلام کی علامت ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

حروفِ مُقطّعات سے متعلق یہ سوال بھی قابلِ توجہ ہے کہ قُریش اور دیگر فُصحائے عرب نے جہاں قرآنِ مجید سے متعلق کئی ایک من گھڑت باتیں کہیں اور اعتراضات بھی کیے، لیکن اس کے حروفِ مُقطّعات پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اکثر مُفسّرین نے اِس واقعیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عرب شُعراء (زمانۂ جاہلیت میں) اپنے قصیدوں وغیرہ میں ایسے حروف استعمال کرتے تھے۔ کیوں کرتے تھے؟ اِس اہم سوال کا اُن کے ہاں کوئی مُستند و متحقّق اور دل لگتا جواب نہیں ملتا۔ دوسرے، مُفسّرین کے اس اِستنباط پر یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب نثر نگار نہ تھے، لہٰذا ان کی نثر میں کوئی کتاب ہے نہ اس کا کہیں ذکر ہی ملتا ہے۔ وہ تو صرف شاعری میں یہ حروف اِستعمال کرتے تھے، لیکن قرآنِ مجید تو کتابِ شعر نہیں، یہ تو کتابِ نثر ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ اِعجازی نوعیت کی ہے۔ پھر یہ دلیل دینا کہ عربی لٹریچر یعنی شعر و نثر کی کتابوں میں حروفِ مُقطّعات اِستعمال کیے جاتے تھے، درست نہیں۔ علاوہ بریں، اللّٰہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے قطعی طور پر اس بات کی تردید کی ہے کہ مَہبطِ قرآن حضرت مُحمّد رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم شاعر تھے اور نہ قرآنِ حکیم کتابِ شعر ہے۔ اِس تردید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اہلِ عرب آپؐ کو شاعر اور قرآنِ حکیم کو کتابِ شعر کہتے تھے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اُن کے شعری کلام کی طرح قرآنِ مجید کی اُنتیس ۲۹ سُورتوں کے آغاز میں حروفِ مُقطّعات اِستعمال ہوئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قرآنِ مجید بلاشُبہ کتابِ شعر نہیں، لیکن اس کی نثر، الفاظ اور آیات کی ہم آہنگی و موزونی، غنایت و شعریت، حکمت و معنویت اور جمال و جلالت کا بینظیر مرقّع ہے، جسے اعجازِ قرآن سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔

Marfat.com

اپنے اِس اعجاز ہی کے باعث قُرآنِ حکیم اپنے مُنکروں کو چیلنج دیتا ہے کہ وہ سب مل کر اس جیسا تو کیا، اُس کی چھوٹی سے چھوٹی سُورت کے مثل ہی کوئی سُورت تصنیف کر کے دکھائیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے اور قیامت تک ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے تو پھر اسے اِلہامی، وحی و تنزیل یا من جانب اللہ سمجھنا، اُن پر لازم ہوا۔ یہ اعجازِ قُرآن ہے جسے دیکھ کر فُصحائے عرب اِسے (معاذ اللہ) سحر اور آپؐ کو ساحر کہتے تھے۔

اِس اصلِ عظیم کی طرف اِشارہ کیا جا چُکا ہے کہ حروفِ مُقطّعات کی نوعیت جمالیاتی۔ کِنایاتی ہے۔ جمالیاتی اِس اعتبار سے کہ ان کے حروفِ ثلاثہ میں بھی صوتی ہم آہنگی و موزونی پائی جاتی ہے؛ اور دوسرے ان میں اپنے متصل الفاظ کے ساتھ بھی صوتی ہم آہنگی و موزونی اپنی نمود رکھتی ہے۔ اپنے اِس جمالیاتی اعجاز کی بدولت وہ زینتِ سُورت ہیں۔

کِنایاتی نوعیت سے مُراد یہ ہے کہ یہ حروفِ کِنایہ ہیں اِس حقیقت کا کہ اِس الکتاب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کی حقّانیت وصداقت کے "وہ" شاہد ہیں۔ "وہ" کون ؟ اِس سوال کا قیاسی و وجدانی جواب یہ ہے کہ "وہ" سے مراد ایک تو اللہ ہے جس نے الکتاب نازل کی ہے؛ دوسرے جبریلؑ جس کے ذریعے وہ نازل ہوئی؛ اور تیسرے مُحمّد (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، جن پر وہ نازل ہوئی۔ اگرچہ یہ تاویل دل کو لگتی اور قرینِ قیاس بھی ہے، لیکن اس کے باوصف یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ذٰلِكَ

★ ذٰلِكَ : اِسمِ اِشارۂ بعید ہے۔ اسے عربی اور دیگر السنہ میں کسی شخصیت یا شے کی عظمت وفضیلت کے پیشِ نظر استعمال کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے قُرآنِ عظیم سے بڑھ کر کوئی اور کتاب افضل وعظیم ہے، نہ ہو سکتی ہی ہے؛ لہٰذا اس کے لیے "ذٰلِكَ" کے لفظ کا اِستعمال موزوں ترین ہے۔

ك ت ب (کتاب)

کَتَبَهٗ (مضارع، مصدر کَتْبٌ، کِتَابٌ، کِتَابَةٌ اور کِتْبَةٌ) : اُس نے یہ یا اسے لکھا۔ He wrote it. - اِكْتَتَبَهَا (الفُرقان ۲۵ : ۵) :

اُس (اللہ) نے (حُکماً) لکھ دیا، مقرّر کر دیا یا لازم کر دیا اور فرض کر دیا (تاج، مصباح)۔

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط (البقرۃ ۲ : ۱۷۸) :

Marfat.com

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یعنی مُسلمانو! تمُ پر قتل کا بدلہ لینا لازم یا فرض کر دیا گیا ہے :

O! Muslims! In cases of murder, the law of equal retaliation is prescribed, appointed, or ordained, as a law of which the observance is incumbent on you.

★ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرة ۲ : ۱۸۳) : رمضان کے روزے رکھنا تمُ پر فرض کر دیا گیا ہے :

Fasting in the month of Ramadan is prescribed as incumbent on you. (تاج) -

كَتَبَ عَلَيْهِ كَذَا (اساس) : اُس نے اُس کے خلاف فیصلہ یا حکم کر دیا کہ وہ فلاں کام ضرور کرے -

He judged, passed sentence or decreed, against him that he should do such a thing.

كِتَابٌ (جمع كُتُبٌ اور كُتْبٌ) : مترادف صَحِيفَةٌ : کوئی چیز جس میں یا جس پر آدمی لکھتا ہے : تحریر شدہ کاغذ کا ٹکڑا یا کھال (دستاویز یا ریکارڈ)، دفتر یا رجسٹر، یا تحریر شدہ فرمان، حکم یا فیصلہ Mandate (القاموس) -

كَتِيبَةٌ اور كِتَابٌ دونوں مندرجۂ بالا معنی میں استعمال ہوتے ہیں ; نیز خط یا مکتوب کے مفہوم میں جسے کوئی شخص لکھتا اور ارسال کرتا ہے - ابو عُمر کا قول ہے کہ میں نے ایک یمنی بدوی کو یہ کہتے سُنا ہے : فُلَانٌ لَغُوبٌ جَاءَتْهُ كِتَابِي فَاحْتَقَرَهَا : فلاں شخص احمق ہے - میرا خط اُسے ملا تو اُس نے اس کی تحقیر کی - He despised it. - اس پر میں نے پوچھا : کیا تمُ کہتے ہو : جَاءَتْهُ كِتَابِي؟ اور اُس نے جواب دیا : کیا یہ صَحِيفَةٌ نہیں ہے (مصباح) -

كِتَابٌ : وحی و تنزیل یا سماوی صحیفہ - اِس بناء پر اَهْلُ كِتَابٍ (وہ جن کے پاس الہامی یا سماوی کتاب ہو) اور اَهْلُ الْكِتَابِ (بائبل والے لوگ) کہتے ہیں - كِتَابُ الله کے معنی اللہ کے فیصلے یا فرمان کے بھی آتے ہیں - تاج العروس میں ہے کہ البخاری نے لکھا ہے :

يَا ابْنَةَ عَمِّيْ ! كِتَابُ اللهِ اَخْرَجَنِيْ
عَنْكُمْ وَهَلْ اَمْنَعَنَّ اللهَ مَا فَعَلَا

اے میرے چچا کی بیٹی! اللہ کے حکم نے مجھے تجھ سے دُور کر دیا، اور کیا میں اللہ کو ایسا کرنے سے منع کر سکتا تھا جو اُس نے کر دیا؟

اَلْكَتْبُ کے اصل معنی کھال کے دو اجزا یا ٹکڑوں کو ملا کر سی دینے کے ہیں - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ

Marfat.com

کَتَبْتُ السِّقَاءَ : میں نے مشکیزے کو سی دیا۔ اسی طرح اہلِ عرب جب ناقہ کے نتھنوں کو چمڑے کے باریک تسمے سے سی کر بند کر دیتے تھے تاکہ وہ اپنے بچے کو سونگھ نہ سکے تو اسے بھی کَتَبَ کہتے تھے (تاج ، المجمل)۔

اسی سے لفظ کِتَابٌ ہے، جس سے مراد منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کر کے انہیں اس طرح مجتمع اور یکجا کر دینا ہے، جس طرح بوری میں سامان بند کر کے اسے اُوپر سے سی دیا جاتا ہے۔ ابنِ فارس نے بھی کِتَابٌ کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں (المجمل)۔ اس سے واضح ہوا کہ قرآنِ حکیم نے جب اپنے آپ کو الکتاب کہا تھا تو وہ منتشر اوراق یا کھجوروں کے پتوں یا ہڈیوں کے ٹکڑوں پر مرقوم بکھرا ہوا نہ تھا، بلکہ ایک مجموعے کی شکل میں مُرتّب و مُدوّن تھا ؛ یعنی باقاعدہ کتاب کی شکل میں تھا۔ اگر وہ منتشر حالت میں ہوتا تو کتاب بھی نہ ہوتا ؛ اور اپنے آپ کو کتاب کہتا تو منکرانِ رسالت اس پر اور آپؐ پر سخت اعتراضات کرتے (تاج)۔

عُرفِ عام میں کتاب کے معنی حروف کو تحریر کے ذریعے باہم ملا دینے کے ہیں، مگر کبھی یہ لفظ حروف کو تلفّظ کے ذریعے باہم ملا دینے پر بھی بولا جاتا ہے : الغرض، کِتَابَۃٌ کے اصل معنی تو تحریر کے ذریعے حروف کو باہم ملا دینے کے ہیں، مگر بطورِ استعارہ کبھی بمعنی تحریر اور کبھی بمعنی تلفّظ استعمال ہوتا ہے (المفردات)۔

ابنِ فارس اور متعدد ائمۂ لغت نے اس کے معنی فرض، حکم یا فرمان لکھے ہیں۔ اِسی بناء پر الکتاب (قرآنِ حکیم) احکام (اوامر و نواہی)، یا قوانین و اصول کا ضابطہ ہوا (کلیدِ لغاتِ قرآن)۔

کِتَابَۃٌ : فنِ خطّاطی یا خوش نویسی (مصباح ، ابن الاعرابی) : The art of writing

کَتِیْبَۃٌ : فوج، لشکر، جیش یا اس کا ایک حصّہ، مثلاً ڈویژن یا کمپنی وغیرہ (قاموس، صحاح) : An army; a military force: or a collected portion thereof; or corps or a troop.

کَاتِبٌ (جمع کَاتِبُوْنَ اور کُتَّابٌ اور کَتَبَۃٌ) : اہلِ قلم، خوش نویس، انشاپرداز، سیکرٹری۔ کسی کے خطوط، تقریریں، خطبات لکھنے والا ؛ نیز عالم و فاضل شخص (صحاح، قاموس) : A writer ; a scribe; a secretary. A learned man.

مَکْتَبٌ اور کُتَّابٌ : مدرسہ، سکول، درسگاہ ؛ نیز ایسی جگہ جہاں کتابت یا خطّاطی کا فن سکھایا جاتا ہے (صحاح، قاموس وغیرہ)۔ مَکْتَبٌ کی جمع مَکَاتِبُ اور کُتَّابٌ کی جمع کَتَاتِیْبُ آتی ہے (وہی ماخذ)۔

Marfat.com

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

کَتَبَ :مقرّر (ORDAIN) کردی ہے، نصیب یا مختص (allot) کردی ہے۔

★ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ... (البقرۃ ۲ : ۱۸۷):

اب تُم اپنی بیویوں سے جنسی اختلاط کرسکتے ہو اور اللہ نے تمہارے لیے جو (لذّت وجنسی حظ یا اولاد) مقرّر کردی ہے، اس سے بہرہ مند ہوسکتے ہو۔

★ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدۃ ۵ : ۲۱):

اے بھائیو! تُم ارضِ مقدس یا سرزمینِ (شام) میں جو اللہ نے تمہارے لیے مختص (allot) کردی ہے، حملہ کرکے داخل ہو جاؤ۔

لازم کرنا، مرتسم یا ثبت کرنا۔

★ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط (الانعام ۶ : ۱۲ ؛ نیز ۵۴)۔

اللہ نے رحمت کرنے (یعنی اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں پر بخشش و مغفرت اور رحم وکرم کرنے، نیز ان کو اِنعام واکرام اور فضل وحسنہ سے نوازنے) کو اپنے اُوپر لازم کرلیا ہے۔

★ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (المجادلۃ ۵۸ : ۲۲):

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل ودماغ میں اللہ نے ایمان کو (نقش فی الحجر کی طرح) مرتسم یا ثبت کردیا ہے۔

قُرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق "کِتٰب" کی بصیرت افروز تفسیر کردی ہے :

★ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ (البقرۃ ۲ : ۷۹):

پس ہلاکت وعذاب ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے صحیفۂ دین (Scripture) لکھتے ہیں۔

★ اَهْلِ الْكِتٰبِ (الحشر ۵۹ : ۲) : یہاں یہود مراد ہیں۔ ویسے یہ اصطلاح قُرآنِ مجید یہود اور نصارٰی دونوں کے لیے اِستعمال کرتا ہے۔ کلیدِ لُغاتِ قُرآن کی رُو سے اس اصطلاح کا اطلاق ان تمام اقوام پر ہوسکتا ہے، جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یعنی جو The People of Scripture ہیں۔

★ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (الحدید ۵۷ : ۲۷):

Marfat.com

اور رہبانیت (یا ترکِ دُنیا یا خانقیت) کا ہم نے انھیں حکم نہیں دیا تھا، مگر انھوں نے اُسے خود ہی ایجاد کر لیا۔ But Monasticism or Monkery, they invented for themselves, we did not prescribe or ordain for them

★ تَكْتُبُوهَا اور كَاتِبٌ (البقرۃ ۲ : ۲۸۲) : لکھ لینا یا تحریر میں لانا To scribe, write or pen down.

★ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ (الاعراف ۷ : ۱۵۶) : اور ہمارے لیے اس دُنیا میں بھی حسنہ (ہر طرح کی خیر اور طمانیت انگیز و مسرت بخش شے) لازم کر دے اور آخرت (Hereafter) کے لیے بھی۔ ہم تو تیری طرف رجوع کر چکے، یعنی تیرے بندگانِ تسلیم و رضا بن چکے ہیں۔

اَلْكِتٰبُ : ہر سماوی صحیفہ، قرآن مجید، لوحِ محفوظ (Record)، اُلوہی کمپیوٹر Divine Computer

★ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲) : اس عظیم کتاب یعنی قرآنِ حکیم کے مافیہ (contents) میں، نیز اس حقیقت میں قطعاً شک و اضطراب نہیں کہ یہ اہلِ آرزو و خشیت کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

★ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ (الحج ۲۲ : ۷۰) : یقیناً! یہ سب کچھ اللہ کے نوشتے، ریکارڈ یا کمپیوٹر میں محفوظ ہے۔ It is preserved in Allah's Record or in His computer.

★ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۶) : یہ حکم نوشتۂ الٰہی یا لوحِ محفوظ (کمپیوٹر) میں لکھ دیا گیا ہے۔

★ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ (الواقعۃ ۵۶ : ۷۸) : جو کتابِ محفوظ یا لوحِ محفوظ میں ہے۔ In a Book hidden and well-guarded; or in a divine Record hidden and well-guarded.

★ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (النساء ۴ : ۱۰۳) : بلاشبہ صلوٰۃ مؤمنوں پر مقررہ اوقات پر قائم کرنا فرض کر دیا گیا ہے Salat has been enjoined on the believers at stated times.

★ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ (الاسراء ۱۷ : ۷۱) :

Marfat.com

جن (خوش نصیب و صالح) لوگوں کو اُن کا اعمالنامہ (Record of deeds) داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمالنامے کو (وفورِ مسرّت سے بار بار) پڑھیں گے۔

★ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البيّنة ۹۸ : ۳) :

جن میں محکم و پائیدار ابواب ہیں Wherein are solid and everlasting chapters.

★ اَلَّذِىْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف ۷ : ۱۵۷) : جن (کے اوصاف) کو وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو اُن کے پاس ہیں Whom they find described in the Torah and the Gospel which are with them.

ری ب (ریب)

رَابَنِيْ (مضارع يَرِيْبُ اور مصدر رَيْبٌ اور رِيْبَةٌ) : اس (شے) نے میرے قلب میں اضطراب، انتشار یا ہیجان پیدا کر دیا (مصباح، قاموس، صحاح، محکم، الازہری کی تہذیب، کشّاف اور بیضاوی، ۲ : ۱)۔ It (a thing) occasioned in me disquiet, disturbance, or agitation, of mind.

جَعَلَ فِيَّ الرِّيْبَةَ : اُس نے میرے قلب میں شک یا شُبہ ڈال دیا (وہی مآخذ)۔

He put into me, i.e, into my mind, doubt, or suspicion extra.

رَابٌ : کے معنی حَاجَةٌ، ضرورت یا حاجت کے ہیں (تاج)۔ Want or need.

لَا رَيْبَ : کوئی شک نہیں، بلاشُبہ : There is no doubt, without doubt; undoubtedly.

رَيْبُ الزَّمَانِ : واقعات یا حوادثِ زمانہ (کشّاف اور بیضاوی، ۲ : ۱)۔

The accidents, or evil accidents of time

رَيْبُ الْمَنُوْنِ بھی محولۂ بالا معانی میں بولا جاتا ہے (صحاح)؛ نیز رَيْبُ الدَّهْرِ بھی (محکم، قاموس)۔

أَمْرٌ رَيَّابٌ : ایسی چیز، واقعہ یا معاملہ جو ڈرائے یا خوفزدہ کرے (وہی مآخذ)۔

A thing, or an event, or a case that frightens or terrifies.

رَيْبٌ (ری ب) کے اصل معنی ہیں : نفسیاتی اُلجھن، تذبذب، اِضطراب، نیز شک و شُبہ،

Marfat.com

تشکیک آمیز اضطراب اور سوءِ ظن (تاج العروس، المفردات، المحیط، المحکم)۔

رَابَنِیْ کَذَا وَ اَرَابَنِیْ کے معنی ہیں فلاں معاملے یا شے نے مجھے 'ریب' میں ڈال دیا، یعنی اُس نے میرے قلب میں بے اطمینانی، بے چینی، ہیجان یا تشکیک آمیز اضطراب پیدا کر دیا (المفردات، کشاف اور بیضاوی : ۲ : ۱)۔ ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ رَیْبٌ کے اصل معنی شک یا شک آمیز خوف کے ہیں (المجمل)۔

الرَّیْبُ اور رِیْبَۃٌ ایسی شے کو کہتے ہیں جو شک وشبہ یا بُری رائے یا شک افزا اضطراب و بدگمانی پیدا کرنے والی ہو۔ جَعَلَ فِی الرِّیْبَۃَ : اُس نے مجھ میں یعنی میرے قلب میں شک وشبہ اور سوءِ ظن پیدا کر دیا (قاموس، المحکم، التہذیب، المصباح، المحیط، تاج العروس)۔ صاحبِ تاج العروس نے الہذلی خالد بن زُہیر کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

یَا قَوْمِ مَالِیْ وَ أَبَا ذُؤَیْبٍ
کُنْتُ إِذَا أَتَوْتُہٗ مِنْ غَیْبٍ
یَشُمُّ عِطْفِیْ وَ یَبُزُّ ثَوْبِیْ
کَأَنَّنِیْ أَرَبْتُہٗ بِرَیْبٍ

(اے میری قوم! کیا چیز مجھے ذُؤَیب سے رنجیدہ خاطر کرتی ہے،
میں تو وہ تھا کہ جب میں غیر حاضر رہنے کے بعد اُس کے پاس آیا تو
اس نے میرے پہلو یا بغل کو سُونگھا اور میرے لباس کے ساتھ کھینچا تانی کی
گویا کہ میں نے اُس کے دل میں شک وشُبہ کے ساتھ بیقراری پیدا کر دی تھی)

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: رَیْب کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز سے متعلق کسی طرح کا وہم ہو مگر بعد میں اس وہم کے خلاف ثابت ہو۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

★ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ... (الحج ۲۲ : ۵) : اگر تمھیں (قیامت کے روز دوبارہ زندہ اُٹھنے میں اِضطراب و شک ہو۔

★ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ○ (الطور ۵۲ : ۳۰) : گردشِ زمانہ (کا انتظار کرتے ہیں)۔

گردشِ زمانہ کو رَیب کہنے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ انھیں اس کے وقوع پذیر ہونے میں شک وشُبہ ہے، بلکہ اس لحاظ سے حوادثِ زمانہ کو رَیب کہا ہے کہ ان کے تعیّنِ اوقات میں اِنسان متردد رہتا ہے کہ اللہ جانے کب اِن کے وقوع کی گھڑی آجائے۔ لہٰذا اِنسان نفسِ گردش کے وقوع کے لحاظ سے نہیں بلکہ اُس کے

Marfat.com

تعیّنِ اوقات کے لحاظ سے ہمیشہ رَیْبَ الْمَنُوْنِ میں مُبتلا رہتا ہے۔ اِسی بناء پر شاعر نے کہا ہے :

اَلنَّاسُ قَدْ عَلِمُوْا اَنْ لَّا بَقَاءَ لَهُمْ

لَوْ اَنَّهُمْ عَلِمُوْا مِقْدَارَ مَا عَلِمُوْا

لوگوں کو اِس بات کا یقین تو ہو چکا ہے کہ ان کے لیے بقاء نہیں ہے !

کاش ! انھیں اس کی مُدّت کا بھی علم ہوتا !

مُرْتَابٌ : شک یا شبہ کرنے والا، لیکن اکثر یہ دین کے احکام و تعلیمات میں متشکّک کو کہتے ہیں (مصباح، قاموس)۔ It often means particularly sceptical, or a sceptic, in matters of religion.

مُرْتَابٌ فِيْهِ، یا بِهٖ : اس میں شک و شُبہ کرنے والا (وہی مآخذ)۔

اِرْتِيَابٌ (افتعال) آرَابَہٗ مترادف ہیں، معنی ہیں شک و شبہ میں پڑنا (المفردات)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

اَرْتَابَ : شک یا شُبہ کرنا To doubt or suspect.

★ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت ۲۹ : ۴۸) : (اے نبیؐ!) اور آپ اس سے (یعنی اپنی بعثت سے) پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، اگر کبھی ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست ضرور شک و شُبہ میں پڑ سکتے تھے۔

★ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ○ (التوبۃ ۹ : ۴۵) : اُن کے قلب یعنی دل و دماغ شک و شُبہ اور اضطراب میں مبتلا ہیں اور شک و شُبہ اور اضطراب میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔

★ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ (آلِ عمران ۳ : ۹) : وہ دن جس کے آنے میں قطعاً شک و شُبہ نہیں۔

★ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ (التوبۃ ۹ : ۱۱۰) : یہ عمارت (یعنی مسجدِ ضرار) جو ان مُنافقوں نے بنائی ہے ان کے قلوب میں خلجان و اضطراب اور شُبہ و تردُّد پیدا کرنے سے باز نہیں رہے گی۔

Marfat.com

★ وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ○ (ھُود ۱۱ : ۱۱۰) :
اور واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے بارے میں شک اور خلجان آمیز شبے میں مبتلا ہیں۔
★ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (المؤمن ۴۰ : ۳۴) : جو حد سے نکل جانے والا اور شک و شبہ کرنے والا ہو : One who is a transgressor – a sceptic

ھ د ی (ھدی)

ھَدَاہُ : اُس نے اُس کی رہبری یا رہنمائی کی ؛ He directed him, or guided him, to the way. ، یا اُس کی صحیح رہنمائی کی ؛ یا اُسے راہِ راست یا صحیح جہت اختیار کرنے پر لگایا (تاج ، قاموس)
Directed him aright; or caused him to take or follow, a right way or course or direction.

ھُدَی الْعَرُوْسَ : وہ دُلہن کو اُس کے شوہر کے پاس یا گھر لے گیا ؛ یا اُس نے دُلہن کو وہاں کھینچ دیا (الزمخشری : مُقَدِّمَۃُ الادب ؛ کنز اللغۃ) He sent or conducted the bride to her husband or to the house of her husband.

تَہَادَنَا : (دو فریق جو برسرِ پیکار تھے) انھوں نے آپس میں عارضی صُلح کرلی (الازہری : التہذیب ، بذیل مادّہ ہدن) : They (two parties who had been at war) made a truce, each with the other.

اِھْتَدَی : اس کی صحیح رہنمائی کی گئی ؛ اُس نے صحیح یا درست جہت اِختیار کی ؛ وہ راہِ راست پر آگیا (قاموس ، صحاح) - ھَدَی کے بھی یہی معانی ہیں -
He became rightly directed; followed a right direction; went aright.

لَا یَھْتَدِیْ لِاَمْرِہٖ : اُسے اپنا معاملہ طے کرنے یا سرانجام دینے کی راہ نہیں ملتی یا مل نہیں سکتی
He does not, or cannot, find the way to accomplish, or perform, his affair. (کنز اللغۃ) :

ھَدْیٌ : کردار کرنے یا کارروائی وغیرہ کرنے کا راستہ ، طریقہ ، منہاج یا اُسلوب (مصباح ؛ قاموس) -
A way, course, method, mode or manner, or acting, or conducting, or proceeding, or the like.

Marfat.com

اَلْمَهْدِیُّ (آج کل اہلِ عرب کا یہی تلفّظ ہے، بجائے اَلْمَہْدِی کے): اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ؛ اسم معرفہ ہے؛ نیز اس کا جس کے متعلق مشہور ہے کہ قیامت کے قریب آئے گا (تاج)۔

اَلْهِدَایَةُ کے بنیادی معانی لُطف و کرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنے کے ہیں؛ اور اسی سے هَدِیَّةٌ (فَعِیْلَةٌ) ہے، جس کے معنی اُس تحفے کے ہیں جو معاوضے کے بغیر دیا جائے۔ هَوَادِی الْوَحْشِ جنگلی جانوروں کے پیش رَو یا ہراول دستے کو کہتے ہیں جو گلّے کا رہنما ہوتا ہے۔ عرف میں دلالت اور رہنمائی کے لیے هَدَیْتُ اور ہدیہ پیش کرنے کے لیے اَهْدَیْتُ استعمال ہوتا ہے، جیسے اَهْدَیْتُ الْهَدِیَّةَ: میں نے اُسے ہدیہ یا تحفہ بھیجا یا دیا۔

یہاں یہ شُبہ ہوسکتا ہے کہ اگر هِدَایَه کے معنی لُطف و کرم کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں تو پھر کُفّار کو جہنّم میں دھکیلنے کے لیے یہ لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟ جیساکہ اِرشاد ہے:

★ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ۝ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۲۳):
پھر ان کو جہنّم کا راستہ دکھاؤ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک ہدایت کے اصل معنی تو لُطف و کرم کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں، لیکن یہاں یہ لفظ کُفّار (و مشرکین) سے متعلق مبالغہ کے لیے بطور تہکّم (استہزا) استعمال ہوا ہے۔ جیساکہ

★ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (الاِنْشِقَاق ۸۴: ۲۴):
اُنھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو،

میں عذاب کے متعلق لفظ بشارت استعمال ہوا ہے (اَلْمُفْرَدَات)۔

ب) هُدًی کے اصل معنی نمایاں اور روشن ہونا، آگے آگے ہونا، اور دوسروں کے آگے آگے چلنا ہیں۔ چنانچہ روشن ہونے کے سبب دن کو هُدًی کہا جاتا ہے؛ اور هَادِیَةٌ اُس اُبھری ہوئی چٹان کو کہتے ہیں جو پانی میں دُور سے نظر آئے (محیط، تاج العروس)۔ اَلْهَادِیُّ جانور کی گردن کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ بدن کے دوسرے اعضاء سے آگے ہوتی ہے۔ اِس اِعتبار سے هَدْیٌ اور هَدِیٌّ اس جانور کو کہتے ہیں جو حج کے موقع پر قُربانی کے لیے بیت اللہ لے جاتے تھے۔ بعض کے نزدیک هُدًی کے معنی رہنمائی کے بجائے دلیلِ راہ یا رہنما ہوتا ہے (تاج العروس)۔

اِنسان کی کُل زندگی میں ہدایت کی غیر معمولی اہمیت سے متعلق دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ وجہ یہ ہے کہ اِس پر ہی امن و سلامتی، طمانیتِ قلب، حیاتِ طیّبہ، دُنیوی و اُخروی فوز و فلاح، مادّی و معنوی ترقّی اور قُرب و رضوانِ الٰہی کا دار و مدار ہے۔ اِس واقعیت کے پیشِ نظر اہلِ آرزو و خشیت کے لیے ہدایت کے

Marfat.com

درج ذیل اُصولوں کو سمجھ کر ذہن نشین کرلینا اور اُن کے مطابق کُل زندگی بسر کرنا ناگزیر ہے۔

اَوّلاً : ہدایت کا مرکز قلب ہے جو انسان کے تفکّر و تعقّل، قول و فعل، ارادہ و اختیار اور کردار کو کنٹرول کرتا ہے :

★ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ط (التغابن ۶۴ : ۱۱) :

اور جو شخص اللہ (کی اُلوہیت و ربُوبیت کی توحید) پر ایمان رکھتا ہے (جس طرح ایمان لانے اور رکھنے کا حق ہے)، اللہ اس کے قلب (یعنی عقل و فکر اور جذبہ و احساس، جذبات و تمنیات، سوچ و عمل، احساسات و تصورات) کو ہدایت دیتا ہے (اس لیے کہ ٹیڑھا یا گمراہ بھی قلب ہی ہوتا ہے)۔

★ اہلِ عقلِ سلیم اسی لیے یہ دُعا کرتے رہتے ہیں :

★ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (آلِ عمران ۳ : ۸) :

اے ہمارے ہادی و مربّی! جب تُو ہمیں اپنی فطری و حسین راہِ راست دکھا چکا ہے تو اب (ہمارے تغافل و گُناہ کی پاداش میں) ہمارے قلوب (یعنی عقل و فکر اور جذبات کی جہت کو) ٹیڑھا نہ کر دینا، بلکہ اپنی طرف سے رحمت (یعنی مغفرت و محبّت اور دُنیوی و اُخروی حسنہ) سے نواز۔ لاریب تو اور فقط تو ہی حقیقی جوّاد و فیّاض ہے۔

ثانیاً : ہدایت کا دوسرا اُصول : قُدرت کے قانونِ آرزو کی رُو سے ہدایت کی پیش شرط (PRE — REQUISITE) سچّی آرزو ہے، اور آرزو سعی و جُہد سے سچّی بنتی ہے۔

★ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (العنکبوت ۲۹ : ۶۹) :

اور جو لوگ ہماری راہ میں جدّوجُہد کرتے ہیں، ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں، اور اللہ بلاشُبہ احسان و ایثار اور حسنہ و خیر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

ثالثاً : ہدایت کا سرچشمہ اور معیار صرف کلامِ الٰہی ہے۔

★ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۲۰) :

(میرے نبیؐ!) کہہ دو کہ بلاشُبہ جو اللہ کی ہدایت ہے وہی (حقیقت میں) ہدایت ہے۔

Marfat.com

تمہارے پاس جو شئے علم سے (وحی و تنزیل) آئی ہے، اس کے بعد بھی اگر تُم نے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو پھر تمھیں اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی حامی۔ سرپرست ہوگا نہ مدد دینے والا۔

رابعًا : ہدایت اِنسان کے لیے اختیاری ہے، اس لیے کہ وہ صاحبِ ارادہ و اختیار ہے :

★ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○ (الدّھر ۷۶ : ۳) :

یقیناً ہم نے اُسے (یعنی اِنسان کو کُل زندگی کرنے کا فطری وحسین اور سیدھا) راستہ دکھا دیا ہے، چاہے (اِس نعمت کا) شُکر کرنے والا بنے یا کفرانِ نعمت کرنے والا۔

دِین کی غایت اور ربِّ عاشق کی مشیّت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے حُسنِ کلام کے ذریعے اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو ہدایت دے تاکہ وہ اس کے حسین و فطری راستے پر سفرِ زندگی مُکمل کر کے اس کی جائے لِقاء۔ جنّتِ قُرّۃُ العین اور اپنے حُسنُ المآب میں پہنچ جائیں ؛ اور اس کی بے قیاس حسین و لذّت انگیز نعمتوں سے ابدالآباد تک لُطف اندوز ہوتے رہیں ، نیز اس کی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رِضوان سے جمالیاتی ثروت حاصل کرتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے قُرآنِ مجید میں بالخصوص فلسفۂ ہدایت کو گوناگوں اسالیب میں بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے (دیکھیے در حُسنِ تفسیر، ۱ : ۴۷۷ بعد)۔

فی

فِیْ : حرفِ جرّ ہے۔ مندرجۂ ذیل معانی پر دلالت کرتا ہے : ظرفِ مکانی یا ظرفِ زمانی؛ مصاحبت؛ تعلیل یا سبب؛ المقایسۃ؛ اِستِعلاء؛ نیز باء، اِلٰی، مِنْ کا مترادف اور ہم معنی ہے (مصباح، تاج، مُغنی، صحاح، قاموس)۔ اب مثالوں کے ذریعے تشریح کی جاتی ہے۔

★ اَدْخَلْتُ الْخَاتَمَ فِیْ اَصْبِعِیْ : اگرچہ فِیْ ظرفِ مکانی پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہاں اس کے معنی ہیں : میں نے اپنی اُنگلی مُہر شدہ انگشتری میں ڈالی (مُغنی)۔

I inserted my finger into the signet ring.

★ اَلْمَآءُ فِی الْاِنَاءِ : پانی برتن میں ہے (صحاح)۔ The water is in the vessel.

★ ھُوَ فِی الْجِرَابِ اور فِی الْکِیْسِ : وہ میان (mallet) میں ہے، اور بٹوے (purse) میں ہے؛ اور

Marfat.com

★ هُوَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ : وہ اپنی ماں کے پیٹ (belly) میں ہے (مُغنی) -

★ زَيْدٌ فِي الدَّارِ : زید گھر میں ہے یا گھر کے اندر ہے اور اس کے درمیان ہے، کیونکہ فِي الدَّارِ کے معنی ہیں : دَاخِلَهَا اور وَسْطَهَا (التہذیب) -

اِستعارے کے طور پر محاورہ ہے : اَلشَّكُّ فِي الْخَبَرِ : خبر یا اِطلاع میں شک یا شُبہ ہے (صحاح) -

★ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ (القصص ۲۸ : ۱۸) :

پھر وُہ صبح کو شہر میں داخل ہوا -

★ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ ...... ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ... (الرُّوم ۳۰ : ۲-۴) :

اہلِ رُوم مغلوب ہو گئے قریبی ملک میں، اور وہ مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آجائیں گے چند برسوں میں -

★ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرۃ ۲ : ۲۰۳) :

چند گنتی کے دنوں میں یا دوران میں (in or during) -

★ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ (یٰسٓ ۳۶ : ۵۵) :

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ جنّت اُس روز سرُور انگیز کام میں لگے ہوئے خوشیاں مناتے ہوں گے -

Verily the inmates of Paradise this day shall be in the midst of diverting occupation, cheerful or happy.

اِمَّا قَوْلُهٗ كَذَا فِيْهِ مَا فِيْهِ : اس کا لفظی ترجمہ ہے : جہاں تک اُس کی بات کا تعلق ہے، اُس میں ہے، جو اُس میں ہے - لیکن یہ لطیف طنز ہے کسی کی بات پر اعتراض کرنے یا تردید کرنے کا؛ جیساکہ فِيْهِ تَأَمُّلٌ - مُتعدد فقروں میں فِي کو ان معانی میں اِستعمال کرسکتے ہیں : اُس کے متعلّق (concerning) یا اس کے بارے میں (in respect of)؛ جیساکہ قَالَ فِيْهِ كَذَا : اُس کے متعلّق یا اُس کے بارے میں بات کی - جیساکہ قَالَ فِيْ ذِكْرِهٖ كَذَا : اُس نے اُس کے ذکر میں کہا؛ یا جیساکہ فِيْ وَصْفِهٖ : اُس کو بیان کرنے میں - مثال کے طور پر محاورہ ہے :

كَتَبَ كِتَابًا فِيْ عِلْمِ اللُّغَةِ : اُس نے علمِ لُغت کی، یا اس سے متعلّق یا بارے میں کتاب لکھی :

He wrote a book of, or concerning , the science of lexicology.

چنانچہ قرآن مجید میں ہے :

Marfat.com

★ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ (البقرۃ ۲: ۱۳۹):
کہو! کیا تم اللہ کے متعلق یا بارے میں ہم سے بحث و تکرار کرتے ہو؟

Say! Do ye argue with us concerning, or in respect of, Allah?

یہ معیّت (concomitance) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ مع کا مترادف ہے (مُغنی، مصباح)۔
چنانچہ محاورہ ہے: قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ : وہ (اللہ) کہے گا: لوگوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ (دیکھیے الاعراف ۷: ۳۸)۔

فِي : سے،
عِشْرُوْنَ فِيْ ثَلَاثٍ : ۲۰ کو ۳ سے ضرب دی گئی. Twenty multiplied by three (مصباح)۔
فِي : کی وجہ سے، کے باعث یا سبب۔

★ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ (یُوسف ۱۲: ۳۲):
عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا: یہ وہی ہے جس کی وجہ سے تم مجھے طعنے دیتی تھیں (مُغنی)۔

She said: This is he on whose account or because of him ye blamed me.

عَلٰی (اُوپر) کے معنی میں

★ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ ۲۰: ۷۱):
اور میں یقیناً کھجور کے تنوں کے اُوپر تمھیں سُولی چڑھاؤں گا

I will assuredly crucify you on the trunks of Palm trees.

اِلٰی : تک، کی جانب یا طرف :

★ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (ابراھیم ۱۴: ۹): لفظی ترجمہ ہے :
وہ اپنے ہاتھ اُن کے مونہوں تک لے گئے (لیکن یہ محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ ان کی باتیں ان ہی کے مونہوں پر مارنے میں لگے رہے) : اس سے ملتا جلتا فارسی کا محاورہ ہے: "عطائے تو برلقائے تو"۔

مِنْ کے معنی میں :

★ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ (النحل ۱۶: ۸۹) :
اور اس دن ہم ہر اُمّت میں سے اُن پر شاہد کھڑا کریں گے۔

Marfat.com

وق ی (وقی)

وَقَاہُ اللّٰہُ السُّوْءَ : اللہ نے اُسے شر، بدی یا بُرائی سے محفوظ و مصئون رکھا (مصباح) :
Allah preserved him from evil, mischief, grief or lewdness.

وَقَاکَ اللّٰہُ کُلَّ مَحْذُوْرٍ : اللہ تجھے ہر خوف سے مصئون رکھے۔

وَقَاہُ اور اِتَّقَاہُ : دونوں کے معنی ہیں : وہ اس سے ہوشیار و محتاط اور چوکنا رہا۔ مترادف حَذِرَہُ – He was cautious of it.

تَوَقَّاہُ : مترادف اِحْتَرَزَ مِنْہُ اور تَحَرَّزَ مِنْہُ : وہ اُس سے ہراساں و گریزاں رہا (صحاح، قاموس، بذیلِ مادّہ حرز) : He guarded against it; was cautious of it.

اِتَّقٰی : اُس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ یا غیر معمولی طور پر بچائے رکھا؛ اپنا تحفظ کیا (کشّاف، بیضاوی ۲ : ۱) He preserved or guarded, himself exceedingly, or extraordinarily.

(ب) اُس نے اُسے بچانے یا اُس کا تحفظ کرنے کی خاطر کوئی چیز اُس کے اور اپنے درمیان رکھ لی (التبریزی : شرح حماسہ، ص ۳۵۹)۔

قرآنِ مجید کی رُو سے اس کا مطلب ہے اُس نے گناہ، جُرم یا خطاکاری سے یا اُخروی عذاب سے اپنے آپ کی غیر معمولی طور پر یا ازبس حفاظت کی (مذکورہ مآخذ)۔

وَقَایَۃٌ : احتیاط یا محفوظ رکھنے کا ذریعہ (Preservative، لین)۔

وَاقٍ : بچانے والا، نجات دینے والا (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

وَقَیْتُ الشَّیْءَ ، وِقَایَۃً وَ وِقَاءً کے معنی ہیں : کسی چیز کو مضرت رساں و نقصان دہ اشیاء سے بچانا (المفردات)۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ فَوَقٰہُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ لَقّٰہُمْ نَضْرَۃً وَّ سُرُوْرًا ○ (الدّہر ۷۶ : ۱۱) :
تو اللہ اُن کو اُس دن کی مصیبت سے بچالے گا اور ان کو بشاشت و مسرت عطا کرے گا۔

★ وَوَقٰہُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ○ (الدّخان ۴۴ : ۵۶ بعد) :
اور اللہ انھیں جہنّم کے عذاب سے بچالے گا۔

★ مَالَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ○ (الرّعد ۱۳ : ۳۷) : تو اللہ کے مقابلے میں تمھارا کوئی

Marfat.com

سرپرست۔ دوست ہوگا نہ بچانے والا۔

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا (التحریم ۶۶: ۶):

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

Ward off from yourselves and your families from The Fire.

اَلتَّقْوٰی کے اصل معنی نفس کو ہر اُس شے سے بچانے کے ہیں، جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن کبھی کبھی لفظِ تقوٰی اور خوف ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں؛ جس طرح کہ سبب بول کر مُسبّب اور مُسبّب بول کر سبب مُراد لیا جاتا ہے؛ اور اصطلاحِ شریعت میں نفس کو ہر اُس چیز سے بچانے کا نام تقوٰی ہے جو گُناہ کا مُوجب ہو (المفردات)۔

تقوٰی کی حقیقت

حضرت عُمر فاروقؓ نے حضرت اُبَیّ ابن کعبؓ سے پوچھا کہ تقوٰی کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا: کیا آپ کبھی ایسے راستے پر نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں؟ فرمایا: ہاں! کہا: اس حالت میں آپ نے کیا کیا؟ فرمایا: میں نے سعی وجُہد کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں۔ حضرت اُبَیّ ابن کعبؓ نے کہا: یہی تقوٰی کی حقیقت ہے (ترجمان القرآن ۲: ۳۰۸)۔

یہ بیان قلب کی دو کیفیات پر دلالت کرتا ہے: ایک منزلِ مقصود پر پہنچنے کی سچی آرزو؛ اور دُوسرے راستے کے موانعات میں اُلجھ کر رہ جانے کی خَشْیَت۔ یہ موانعات راستے کی دُشواریاں اور رکاوٹیں بھی ہو سکتی ہیں اور شیطان کی جمالیاتی فریب کاریاں اور وسوسہ اندازیاں بھی۔ اِس بناء پر اِس تلمیذ القرآن نے تقوٰی کے لیے آرزوئے ہدایت اور خَشْیَتِ گمراہی کی اور مُتّقی کے لیے اہلِ آرزو وخَشْیَت کی تعبیریں اختیار کی ہیں۔ اِس پر اللّٰہ تعالٰی کے الفاظ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ ۲: ۲) سے اِستشہاد کیا جا سکتا ہے۔ اِس جُملے کا مطلب یہ ہے کہ قُرآنِ مجید اُن لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جن کو اِس کی سچی آرزو اور گمراہی کی خَشْیَت ہوتی ہے۔

مُتّقی کی مثال ایک سچے طالبِ علم کی سی ہے، جسے تحصیلِ علم میں کامیابی کی آرزو بھی ہوتی ہے اور اِمتحان میں ناکام رہ جانے کا خدشہ یا خوف بھی۔ اِسی طرح مُتّقی کو ہدایت یا اپنی حقیقی راہ ومنزل کی آرزو و جستجو بھی ہوتی ہے اور گمراہ ہو جانے کا خوف بھی۔

قُرآنِ حکیم کے مُکمل تناظر میں اس کی اِس ازبس اہم وبصیرت افروز اصطلاح میں تفکُّر بالحق کریں تو

Marfat.com

اِس حقیقت سے آگہی ہوتی ہے کہ تقویٰ میں اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کے قُرب و رِضوان کے لیے اس کے حسین و فطری راستے پر سفرِ زندگی کرنے کی سچی آرزو کا؛ نیز اس کی ناراضی و دُوری اور گُمراہی کا اور اس کے قانونِ مُجازات کے خوف کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اِس اِعتبار سے مُتقی کے لیے اہلِ عشق و وفا کی تعبیر بھی اختیار کر سکتے ہیں لیکن یہ تلمیذ القرآن عموماً اہلِ آرزو و خشیت کی تعبیر اِختیار کرتا ہے۔

تقویٰ کی حقیقت بزبانِ قُرآنِ حکیم

★ وَنَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ۙ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۝ۙ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ۙ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝ؕ (الشّمس ۹۱ : ۷-۱۰) :

اور شاہد ہے نفسِ اِنسانی اور وہ ذاتِ (اقدس) جس نے اُسے موزوں بنایا۔ پھر اُس میں حدودُ اللہ یا حسین و فطری راہِ راست سے تجاوز کر جانے کے داعیہ کا اور اُس کی آرزوئے ہدایت و خشیتِ گُمراہی کا عرفان ودیعت کر دیا۔ یقیناً اُس نے خوف وحُزن سے نجات پائی، ترقّی کی اور وہ کامیاب ہوا، جس نے نفس کی تطہیر و ربُوبیّت کی، اور وہ نامراد و ناکام ہو گیا جس نے اُسے (شِرک و جُرم اور تکذیبِ دین اور کُفرانِ نعمت کے اثرات کے تلے) دبا دیا (اور وہ نشوونما نہ پا سکا)۔

اِن آیاتِ فکر انگیز میں یہ حقیقتِ نفس الامری اپنی نمود رکھتی ہے کہ تقویٰ اِنسان کا فطری نفسیاتی داعیہ ہے، اور اس کی ضد فجور ہے۔ فُجُور کے معانی اِصطلاحِ قُرآنی میں اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی حدود سے، جو اس نے ہمارے لیے مُتعیّن کر دی ہیں تاکہ ہم ان کے اندر رہ کر حسین و طیّب زندگی بسر کریں، تجاوز کر جانے اور صراطِ مُستقیم پر گامزن رہنے کے بجائے ٹیڑھی ترچھی راہیں اختیار کرنے کے ہیں۔

اِس سے مُستنبط ہوا کہ تقویٰ کی مُصطلحۂ قُرآنی کے معنی ہدایت پانے یا صراطِ مُستقیم پر چلنے کے نفسی داعیہ و آرزو اور گُمراہ ہو جانے کے خوف کے ہیں۔ علاوہ بریں، صاحبِ اِرادہ و اِختیار اِنسان اگر قبیح و گُمراہ کُن خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے تو اُس کے نتیجے میں اُس کی آرزوئے ہدایت اور خشیتِ ضلالت مُردہ ہو جاتی ہے، اُسے تزکیہ، یعنی صلوٰۃ، زکوٰۃ، العفو، قرضِ حسنہ اور الماعون کے سیّآت رُبا اور حُسن آفرین اثرات سے زندہ و فعّال کرنا اور رکھنا، اِنسان کا اپنا کام ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نفسِ اِنسانی فطرۃً حسین و حُسن پسند ہے، اس لیے وُہ

Marfat.com

حسین وفطری راستے پر چل کر حسین زندگی بسر کرنے اور اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کے قُرب و رِضوان کی طلب و جستجو رکھتا ہے لیکن ایک تو وہ صاحبِ اِرادہ و اِختیار ہے اور دوسرے، اپنے دُشمن شیطان کی مسلسل وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے سبب اپنی قبیح و گمراہ کُن خواہشات کو حسین خیال کر کے ان کی پیروی کرنے کا داعیہ بھی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اِنسان کو شیطان کے اِس شَر سے بچانے کی خاطر اُسے بار بار اپنی پناہ میں آنے اور رہنے کی ہدایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہنے کا مطلب تمسُّک بالقرآن ہے؛ یعنی مخلص تلمیذ القرآن بن کر اس کے احکام وتعلیمات کے مطابق "کُل" زندگی کرنا ہے، اور کُل زندگی سے مُراد انفرادی و اجتماعی اور مادّی و معنوی زندگی ہے۔

عبادت کی غایت اِحیائے تقویٰ ہے

ان لوگوں کی کمی نہیں جن کے دلوں میں شیطان کی وسوسہ اندازی سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، یعنی اس سے شدید ترین محبت کرنے، پھر اس کی تعریف وستائش، شُکر و سپاس، ذِکر و اذکار کرنے؛ نیز اس کے لیے صلوٰۃ قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اس کا یک لفظی جواب ہے، اِحیائے تقویٰ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنسان کے اندر آرزوئے ہدایت اور خشیّتِ ضلالت کو زندہ و فعّال کرنا تاکہ وہ مُتّقی بن کر تقرُّب اِلَی اللہ کی خاطر صراطِ مُستقیم پر گامزن رہ کر اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ صراطِ مُستقیم دراصل حُسنِ ایمان و اعمالِ صالحہ کی حسین وفطری راہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ امن وسلامتی، طمانیّت وسکینت، دُنیوی واُخروی حسنہ، حیاتِ طیّبہ، مادّی ومعنوی ترقّی، اللہ تعالیٰ کے رِضوان وتقرُّب، شفقت ومحبّت، رحم وکرم، عدل و احسان اور اِیثار وقُربانی کی راہ ہے۔

یہ ہے فلسفۂ عبادت کا لُبِّ لُباب

اِس موضوع پر کثرت سے آیاتِ قُرآنی ملتی ہیں، لیکن یہ موقع چونکہ اِختصار چاہتا ہے، لہٰذا چند ایک نصوص پیش کی جاتی ہیں:

★ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۲۱):

اے بنی نوعِ اِنسان! اپنے ربّ کی محبّت میں اس کی حمد و پرستش اور طاعت و بندگی کرو، جس نے تمہاری اور تُم سے پہلے بنی نوعِ اِنسان کی تخلیق کی، تاکہ تُم میں آرزوئے ہدایت اور

Marfat.com

خشیتِ ضلالت کا اِحیاء ہو جائے۔

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۱۸۳):

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں آرزوئے ہدایت و خشیتِ گمراہی کا اِحیاء ہو جائے۔

★ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۱۵۳):

اور یہ کہ یہی میرا حسین و فطری، سچا اور سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اسی پر چلو اور (اس کے سوا) دوسرے راستوں پر نہ چلنا، وہ اللہ کے راستے سے تمھیں پراگندہ کر دیں گے (نتیجۃً تم فرقے فرقے اور گمراہ ہو جاؤ گے)۔ تمھیں اس کی وصیت کر دی گئی ہے تاکہ تم میں آرزوئے ہدایت و خشیتِ گمراہی کا اِحیاء ہو جائے۔

★ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (المؤمنون ۲۳: ۳۲):

پھر ہم نے انھی میں سے رسولؑ بھیجا (جس نے انھیں توحید کی دعوت دی) کہ صرف اللہ کی حمد و پرستش اور طاعت و بندگی کرو۔ تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود و محبوب، مقصود و حاکم اور مُطاع نہیں۔ کیا پھر بھی تم اُس کی طلب و جستجو کرتے نہ اُس کی دُوری سے ڈرتے ہو؟

★ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ (الشعرآء ۲۶: ۱۰۶-۱۰۸):

جب ان کے بھائی نُوحؑ نے ان سے کہا کہ تم کیوں تقویٰ اختیار نہیں کرتے، یعنی ہدایت کی آرزو اور گمراہی کی خشیت نہیں کرتے؟ میں تو تمھارے لیے امانتدار پیغمبر ہوں۔ اللہ کی طلب و جستجو کرو اور اس سے دُوری کا خوف کھاؤ، اور میری اطاعت کرو۔

★ حضرت ھُود، صالح، لُوط، شعیب اور الیاس علیہم السّلام نے قریب قریب انھی الفاظ میں اپنی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تھی (دیکھیے الشعرآء ۲۶: ۱۲۴، ۱۴۲، ۱۶۱، ۱۷۷؛ الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۲۴ و بمواضعِ کثیرہ)۔ یہ نفسیاتی واقعیّت اِنتہائی فکرانگیز ہے کہ اپنے ربِّ عاشق کی عبادت کرنا فطرتِ اِنسانی کا تقاضا بھی ہے اور خاصّہ بھی۔ (مفصّل بحث کے لیے دیکھیے الفاتحہ ۱: ۱-۷)۔

Marfat.com

حواشی

۱ — **پیکرِ حُسن وعشق** : اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کُل صفاتِ حسنہ کا مالک ہے؛ اور صفاتِ حسنہ فروع ہیں حُسن کی؛ یا اِعراض (Accidents) ہیں، جوہرِ حُسن کی۔ حُسن میں عشق مُضمر ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ الرحمٰن ہے اور رحمت، شدید ترین محبّت یا عشق پر دلالت کرتی ہے۔ اِس بِناء پر اِس تلمیذ القُرآن نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیمثال پیکرِ حُسن وعشق کی تعبیر اختیار کی ہے۔

۲— **وحی وتنزیل** : اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ بذریعہ وحیؐ اپنا کلام اپنے پیغمبروںؑ پر نازل کرتا تھا۔ یہ کلام ملفوظی، مکتوبی اور معنوی ہوتا تھا۔ وحی وتنزیل کی اِصطلاح اِس حقیقتِ عُظمیٰ کی آئینہ دار ہے۔

۳ — **اہلِ آرزو و خَشیَت** : اِس سے مُراد مُتّقی یا وہ شخص ہے جِسے اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کے قُرب و رِضوان، اس کی جنّت اور اس کی راہِ مُستقیم کی طلب وجستجو ہو اور اِن کے کھو جانے کا خوف بھی ہو۔ اِنسان فطری طور پر ہدایت، دُنیوی و اُخروی حسنہ، جنّت اور اپنے اِلٰہ و ربّ کی ہم نظری و ہم کلامی کی آرزو رکھتا ہے۔ اس کی تکمیل کے لیے وہ اس حسین وفطری راہِ راست پر چلنے کی آرزو رکھتا ہے، جو اُسے اُس کی حقیقی منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔ ساتھ ہی اُسے قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل، گمراہی، شیطان کے وسوسوں اور جمالیاتی دھوکوں کے نتائج وعواقب کا خوف دامنگیر رہتا ہے۔ اِس بِناء پر مُتّقی کے لیے "اہلِ آرزو و خَشیَت" کی تعبیر اِختیار کی گئی ہے۔

۴ — **جمالیاتی شعور کا اِرتقاء** : جمالیاتی شعور (Aesthetic consciousness) کی اِصطلاح اِستقرائی ہے، جس کا مأخذ یہ آیۂ فکر انگیز ہے :

رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا (التحریم ۶۶ : ۸) :

اے ہمارے ربّ! ہمارے نُور کی ہمارے لیے تکمیل کر دے اور ہماری حفاظت فرما۔

یہ نُور ہمارے حُسنِ باطنی یعنی حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام کا نُور ہے؛ نیز، نُور صفت ہے حُسن کی، اور جوہر ہے عقل کا۔ اس بِناء پر ہم نے باطنی نُور کے لیے "جمالیاتی شعور" کی تعبیر اختیار کی ہے۔ نُور یا جمالیاتی شعور کو اِرتقائے مدام مُستلزم ہے اور اس کی علّتِ غائی کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ (الرّحمٰن ۵۵ : ۲۹) ہے۔

Marfat.com

اس کا مطلب ہے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہر آن حُسن کی ایک نئی شانِ اِرتقائی میں اپنی نمود رکھتا ہے۔

یہ نُور ہے جو اِنسان میں بصیرت یا شعور پیدا کرتا ہے۔ حُسنِ یقین اور عمل کی حرکی توانائی سے اس نُور کی تولید ہوتی ہے۔ اِیمان میں افزونی اور حُسنِ عمل کے تواتر سے اِس نُور یا شعور کی تولید اور اِرتقاء کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اِتمامِ نُور کے معنی ہیں تکمیلِ نُور یا شعور، یا نُور و شعور کا کمال، جو نُقطۂ منتہا ہیئت پر نہیں بلکہ کمالِ نَو کے نُقطۂ آغاز یا اس کے اِرتقاء پر دلالت کرتا ہے۔ نُور یا جمالیاتی شعور کے اِرتقاء کا سلسلہ لامُتناہی ہے۔ جمالیاتی شعور کا اِرتقاء و اِتمام یا کمال ہی اصل میں اِنسان کی ذات کا کمال ہے۔ اسی اعتبار سے مردِ کامل وہ ہے جس کے نُور یا جمالیاتی شعور نے اِرتقاء کر کے اپنا کمال حاصل کر لیا ہو، اور مسلسل کر رہا ہو۔

۵ — **حروفِ مُقطّعات** : یہ اُنتیس ۲۹ سُورتوں کے پہلے آئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ابھی تک ان کے معانی متحقّق نہیں ہوئے۔ وجہ یہ ہے کہ قُرآنِ حکیم، احادیثِ طیّبہ اور آثارِ صحابہؓ سے ان کے مُستند و متحقّق معنی و مفہوم کا سُراغ نہیں ملتا۔ بعض مترجمین، اہلِ علم اور مفسّرین نے محض قیاس سے ان کے معانی بتائے ہیں، جو مُتّفق علیہ نہیں ہیں۔ لیکن اس سے یہ رائے قائم کرنا درست نہیں کہ یہ حروف بے معنی یا فالتو ہیں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان حروفِ مقطّعات کے معنی زود یا بدیر ضرور مُنکشف ہو جائیں گے۔

۶ — **حیاتِ طیّبہ** : لفظی ترجمہ: نشو و اِرتقاء کرنے والی پاکیزہ و مُطمئن زندگی (النحل ۱۶ : ۹۷)؛ لیکن اصطلاحی معنی ہیں: حسین و منیر، پاکیزہ و خوشبودار، مُطمئن و خوشحال اور مادّی و معنوی لحاظ سے اِرتقاء کرنے والی زندگی۔ حیاتِ طیّبہ سچّے مومن و صالح اور اہلِ آرزو و خَشیَت (= مُتّقی) ہی بسر کر سکتے ہیں۔ مُشرکوں، کافروں، مُنافقوں، مُجرموں، ظالموں، گُناہگاروں اور مفسدوں کو حیاتِ طیّبہ نصیب نہیں ہوتی۔

۷ — **لفظی و معنوی اور موضوعی تحریف** : لفظی تحریف کا مطلب ہے عبارت کے کسی لفظ یا الفاظ کو بدل یا نکال دینا۔

معنوی تحریف سے مُراد کسی لفظ یا آیہ کی تاویلِ باطل کرنا، یعنی غلط معانی بیان کرنا ہے۔

موضوعی تحریف کا مطلب ہے کسی لفظ، الفاظ یا جُملے کو اس کے اصل مقام سے بدل دینا۔

۸ — **آزادیٔ اِرادہ و اختیار یا فکر و عمل** : اِنسان و حیوان میں ایک بُنیادی فرق یہ ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اِنسان کو فکر و عمل، اِرادہ و اختیار اور انتخاب کی آزادی ودیعت کی ہے، لیکن حیوانات کو یہ آزادی نہیں دی گئی۔ اس آزادی کے سبب ہی اِنسان قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کا مستوجب ہے۔

Marfat.com

اس آزادی کی علّتِ غائی اِنسان کا امتحان لینا ہے اور اس کا بارِ امانت اِنسان نے خود اپنی مرضی سے اُٹھایا تھا (الاحزاب ۳۳: ۷۲)۔

۹۔ جمالیاتی حِسّ (Aesthetic sense) : اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اِنسان کو جمالیاتی / باطنی نظام ودیعت کیا ہے۔ یہ بطورِ کُلّی تو نفس کا نظام ہے، لیکن یہ تین بڑے منفرد و خودکار نظاموں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک حواسِ خمسہ، دوسرا قلب کا اور تیسرا خود نفس کا نظام ہے۔ یہ تینوں نظام اپنا الگ الگ تشخّص اور منفرد ہستی و حیثیت رکھتے، نیز اپنے علیحدہ علیحدہ وظائف سرانجام دینے کے باوجود ایک دوسرے سے لاینفک طور پر مربوط ہیں؛ ایک دوسرے سے مل کر کام کرتے اور ایک دُوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نظامِ قلبی کے اپنے دو حصّے ہیں اور ہر حصّے کا اپنا منفرد و علیحدہ نظام ہے۔ ایک نظام کو دل اور دوسرے کو دماغ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نظام متّحدہ و مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں۔ نظامِ دل کے اہم اجزاء میں ایک جمالیاتی حِس ہے۔ اہلِ حُسن و عشق بننے کے لیے جمالیاتی حِس کا نشو و اِرتقاء ضروری ہے۔ قُدرت ہر بچّے کو جمالیاتی حِس دے کر بھیجتی ہے۔ اِس لحاظ سے یہ وہبی و عالمگیر عطیّہء رحمانی ہے۔ اس کے دو وظائف ہیں۔ ایک یہ کہ ضمیر فی حُسن و قُبح ہے۔ اس کے ذریعے اِنسان نہ صرف حُسن و قُبح اور خُوب و زِشت میں بلکہ حسنہ و سیئۃ میں بھی تمیز کرتا ہے۔ دوسرے، وہ حُسن (= جمال و جلال، موزونی و زیبائی، شیرینی و خوشبو، شعریت و غنائیت اور عدل و توازن)، حسنہ و خیر اور طہارت و نظافت سے محبّت کرتا اور اُن سے جمالیاتی حظ، سوز و ساز اور طمانیت و مسرّت حاصل کرتا ہے؛ نیز جمالیاتی حِس کی بدولت وہ قُبح و زِشت اور سیئۃ و نجاست سے نفرت کرتا ہے۔ یاد رکھیے! اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ حُسن و حسنہ اور طہارت، نیز محسن و مُطہّر لوگوں سے محبّت کرتا ہے۔ اہلِ حُسن و مُطہّر بننے کے لیے اہلِ آرزو کی جمالیاتی حِس کا زندہ و فعّال اور اس کے جمالیاتی ذوق کا مُطہّر ہونا لابُدی ہے۔ جمالیاتی ذوق (Aesthetic taste) فرع ہے جمالیاتی حِس کی۔ جمالیاتی حِس میں وحدت و آفاقیت پائی جاتی ہے، جبکہ جمالیاتی ذوق میں بُوقلمونی و کثرت اور اختلاف و تنوّع پائے جاتے ہیں۔ یہ بڑا ہی فکر انگیز و حکیمانہ نکتہ ہے۔

۱۰۔ نفسِ مُطمئِنّہ : قرآنِ مجید کے فلسفہء طمانیت کا خُلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح سے قلب میں طمانیت و سکینت پیدا ہوتی ہے اور یہ معیار ہے خیر یا حسنہ کا، لہٰذا نفسِ مُطمئِنّہ یا مطمئن اِنسان ہی جنّت میں جائے گا (دیکھیے الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)۔ ان آیات میں ربّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے مطمئن بندوں کی صحبت و رفاقت کو جنّت کے داخلے پر مقدم رکھ کر یہ جتایا ہے کہ اِنسان کی قدر و قیمت

Marfat.com

جنّت سے کہیں زیادہ ہے اور نفوسِ مُطمئنّہ کی رفاقت وصحبت، جنّت سے افضل و اعلیٰ ہے، کیونکہ وہی جنّت کی رونق ہوں گے اور ان کی صحبت ہی میں جنّت کی نعمتوں سے حقیقی لذّت و مسرّت ملے گی اور خوب ملے گی۔ قرآنِ مجید کی رُو سے نفوسِ مطمئنّہ کی چار اصناف ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ ہیں: انبیآءؑ، صدّیقین، شُہدآء اور صالحین (النّسآء ۴: ۶۹) اور قرآنِ مجید کی رُو سے یہی چاروں گروہ "اولیآء اللہ" ہیں اور ان کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ خوف و حُزن کی آگ سے محفوظ و مصئون حیاتِ طیّبہ بسر کرتے ہیں (یُونُس ۱۰: ۶۲)۔

۱۱۔ دُنیوی۔ اُخروی حسنہ : حسنہ کا مادّہ "حسن" ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کی ازبس اہمّ بنیادی اور وسیع المعانی اصطلاحات میں سے ہے۔ اس کے چند معانی یہ ہیں: رحمت وخیر، سچّی مسرّت وطمانیت، جمالیاتی لذّت وحظ، امنیت وسکینت، آزادی وخوشحالی، مادّی ومعنوی ترقی، کامیابی وکامرانی، صحت و تندرستی، ہدایتِ قلبی، عقلِ سلیم، خوف وحُزن سے مصئونیت، حیاتِ طیّبہ اور ولایتِ الٰہی، قُرب و رضوانِ الٰہی۔ یہ دُنیوی حسنہ ہے۔

اُخروی حسنہ سے مُراد جنّتِ قُرّۃُ العین اور اس کی نعمتیں اور جہنّم کی آتشِ سوزاں کے عذاب سے مصئونیت اور معنوی اِرتقائے مدام ہے، نیز، ربِّ رحمٰن کا قُرب ورضوان اور ہم نظری وہمکلامی ہے۔

نُکتہ : دُنیوی۔ اُخروی حسنہ کے درمیان خطِ اِتّصال علامت ہے کہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔

۱۲۔ تاریخی عمل : تاریخی عمل (= عصر) اصل میں قدرت کا قانونِ مکافات ہے جو عالَمِ حیاتِ اِنسانی میں جاری وساری ہے اور ناقابلِ تغیُّر وتبدُّل ہے۔ اس سے کسی قوم یا فرد کو مفر نہیں۔ اِس پر عمل نہ کرنے سے اِنسان مسلسل خسارے یا گھاٹے میں جا رہا ہے، بجز اُن لوگوں کے جو مؤمن وصالح ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی تلقین باندازِ وصیت کرتے رہتے ہیں۔ عصر دراصل تاریخی عمل کے نتائج وعواقب یا اقوامِ عالم کے عروج وزوال کے اسباب وعلل اور عوامل ومحرّکات کی لوحِ محفوظ ہے۔

اہلِ عقلِ سلیم اور مُتّقی لوگوں پر تاریخی عمل میں تفکُّر بالحق کرنے کو اپنا شعار بنانا، لازم ہے۔

۱۳۔ عقلِ سلیم : قرآنِ حکیم کی ازبس اہمّ نفسیاتی اصطلاح ہے۔ اس کے معنی ہیں حسین وفعّال وحرکی عقل۔ سلیم کے معنی ہیں: ظاہری وباطنی آفات وامراض سے پاک ومصئون حُسن کی تأثیر سے قلب حسین، منیر اور مُطمئن ہوتا ہے۔ عقل چونکہ قلب (= دل ودماغ) ہی کا ایک جزوِ لاینفک ہے، اِس لیے وہ بھی حسین ومُنیر اور مُطمئن اور فعّال وحرکی ہوگی اور اپنا وظیفہ احسن واکمل طریقے سے سرانجام دے گی (دیکھیے الشّعراء ۲۶: ۸۸-۸۹، نیز حُسنِ تفسیر ۱: ۶۶-۶۹)۔

Marfat.com

۱۴ خوف وحُزن: اس کے معنی ہیں، خوف وخطر اور غم واندوہ کی آگ جو قلب کو محیط ہو جاتی ہے۔ یہ نہایت اذیّتناک نفسیاتی مرض ہے، جو دُنیا بھر میں وبا کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کی متعدد اقسام ہیں۔ مثلاً، احساسِ تنہائی، بےخوابی، آشفتہ سری، فکرمندی، خوفِ مرگ، پریشانی، اضطراب وبیقراری، ڈراؤنے خواب، گوناگوں اندیشے وغیرہم۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے آتشِ خوف و حُزن بھی عذابُ النّار کی ایک قسم ہے۔ اس عذاب میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حُسنِ کلامِ آخر سے غافل، توحیدِ الُوہیّت و رُبُوبیّت کے قولاً یا فعلاً مُنکِر، کافر و مُشرک، ظالم و گمراہ اور آپ اپنے دشمن ہوتے ہیں۔

اہلِ خوف وحُزن کے چار بڑے گروہ ہیں: وقت کے فرعون و ہامان اور قارون و آزر، نیز ان کے پیرو۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کے احکام کی پیروی کرتے ہیں، وہ اہلِ خوف وحُزن یا اہلِ نار ہوتے ہیں۔

۱۵ — قانونِ مُجازات: اسے قانونِ مکافاتِ عمل بھی کہتے ہیں۔ اس کی رُو سے ہر انسان رہینِ اکتساب اور مُستوجبِ سزا و جزا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کی آرزو یا مرضی کے مطابق فکر و عمل اور ارادہ و اختیار کی آزادی بطورِ امانت ودیعت کی ہے۔ اگر وہ اس آزادی کا صحیح استعمال کرے گا تو جنّت میں جائے گا اور دُنیا میں حیاتِ طیّبہ بسر کرے گا۔ بخلاف اس کے، اگر وہ آزادی کا استعمال غیر فطری طریقے سے کرے گا یا اعمالِ سُوء کرے گا تو وہ جہنّم میں جائے گا اور دُنیا میں بھی خوف وحُزن کی آگ میں جلتا رہے گا (حُسنِ تفسیر ۱: ۲۱۲)۔

۱۶ — حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام: یہ انسان کی حِسّی، قلبی اور نفسی قوّتوں کا نظام ہے، جو اپنی اصل سلیم یا حسین و صحیح وسالم حالت پر ہو تو اس کے حقیقی معروضِ حُسن وعشق (= اِلٰہِ جمیل اور ربِّ عاشق) کے حسین و فطری اور پائیدار و راست راستے کی طرف رہنمائی کرتا اور اس میں اس پر چلنے کا داعیہ بھی پیدا کرتا ہے، تاکہ وہ اس کا قُرب و رِضوان حاصل کرے، جو مقصودِ ایمان و دین، غایتِ زندگانی اور مشیّتِ ایزدی ہے۔

حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام کے زیادہ اہم اجزائے لاینفک جو عامل و معمول یا مؤثّر و اثر پذیر ہیں، یہ ہیں: حواسِ خمسہ میں سے سامعہ و باصرہ (Hearing and sight) قلب یا دل و دماغ کے نظام میں سے جمالیاتی حِس (Aesthetic sense)، وجدان (Intuition)، عقل (Intellect)، جمالیاتی شعور (Aesthetic consciousness)، ضمیر (Conscience)، حافظہ (Memory)، فکر (Thought) اور نظامِ نفس میں نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ اور نفسِ مُطمئنّہ (حُسنِ تفسیر ۱: ۶۶، ۶۸)۔

۱۷ — موضوعی۔معروضی شیطان: شیطان دو قسم کا ہے: ایک شیطان ذرّیتِ ابلیس میں سے ہے،

Marfat.com

جسے ہم نے ابلیسی یا معروضی شیطان سے تعبیر کیا ہے - دوسری قسم کا شیطان جسے ہم موضوعی یا داخلی کہتے ہیں، نفسِ امارہ ہے - یہ دونوں شیطان باہم مل کر انسان کو اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے ذریعے اس کی قبیح و زشت خواہشات وجذبات اور نظریات و اعمال کو خوشنما و دلکش بنا کر دکھاتے ہیں - ان کے لیے "ابلیسی-نفسی" کی تعبیر بھی اختیار کی جا سکتی ہے - درمیانی خطِ وصل (—) دونوں کے تعاونِ باہمی کی علامت ہے -

ان موضوعی اور معروضی شیاطین کے وسوسوں سے محفوظ و مصئون رہنے کی خاطر انسان کا، جو بندہ بشر ہے، اللہ جلّ شانہٗ کی پناہ میں آنا ناگزیر ہے - اس لیے ربِّ علیم وحکیم نے انسان کو استعاذہ کرنے یا تعوّذ پڑھنے کا حکم دیا ہے -

۱۸ — تاویل بالباطل : کسی لفظ، اصطلاح یا آیہ کی غلط تاویل کرنا - غلط مقدمہ قائم کر کے اس کی بناء پر کسی لفظ، اصطلاح یا آیہ یا حدیث سے غلط، باطل اور گمراہ کُن نتائج کا استخراج یا استقراء کرنا -

علامہ اقبالؒ نے تاویل بالباطل کی بڑی خوبصورت صراحت کی ہے :

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند (بالِ جبریل ۳۲)

۱۹ — اہلِ آرزو و جستجو : مُتقی؛ نیز دیکھیے حواشی ۳ -

۲۰ — جمالیاتی-نفسیاتی لمحہ (AESTHETIC-PSYCHO MOMENT) یا (PSYCHO-AESTHETIC MOMENT) : اسے حسین نفسیاتی لمحہ یا آن بھی کہہ سکتے ہیں - خارجی احوال وظروف کی نوعیت کے مطابق انسان کی زندگی میں ایسے حسین یا قبیح مفاجاتی لمحات کی وقوع پذیری کا ہر وقت امکان رہتا ہے - ایسے لمحات اس کے قلب ونفس کے احوال وظروف (جذبات، احساسات، خواہشات وتمنیات، افکار و نظریات اور معقولات ومعتقدات وغیرہم) کو بدل ڈالنے کی تاثیر رکھتے ہیں - ایسے نفسیاتی حالت کا بدل جانا یا کایا پلٹ جانا کہتے ہیں - اگر خارجی احوال وظروف حسین و پاکیزہ ہوں اور اُن کی تاثیر سے قلبِ انسانی میں ان کے اثرات قبول کرنے کی استعداد و آرزو کا دفعتًا احیاء ہو جائے تو اس مفاجاتی آن کیفیت کے لیے ہم نے نفسیاتی-جمالیاتی لمحہ کی تعبیر اختیار کی ہے - اس سے انسان طالح سے صالح بن جاتا ہے -

برخلاف اس کے، اگر خارجی احوال وظروف قبیح و شر انگیز ہوں اور قلبِ انسانی میں ان کے اثرات قبول کرنے کی استعداد و آرزو کا مفاجاتی احیاء ہو جائے، تو اس کے لیے ہم نے نفسیاتی-سیآتی لمحہ

Marfat.com

(... MOVEMENT ...) کا مجموعہ تیار کیا ہے۔ اس سے انسان کے جسمانی، ذہنی، نفسی [illegible] اور [illegible] ہوتے ہیں اور اس کی جسمانی درستی رہتی ہے اور وہ امراض سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۔۔ قرآنی نصاب تعلیم و تربیت: حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] شخصیت اور بہترین تعلیم و تربیت [illegible] آپ ہی وقت [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] تھے۔ آپ کا نمونہ زندگی کے ہر شعبہ میں حسن و خوبی [illegible] ساتھ آپ نے قرآن حکیم کے نصاب کے مطابق تعلیم و تربیت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نصاب تعلیم و تربیت [illegible] قرآن حکیم [illegible] کا نصاب تعلیم و تربیت [illegible] [illegible] [illegible] تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۔۔۔ معتقدات جمیلہ و متحرکہ: حسین و متحرک (SUBLIME AND DYNAMIC TENETS)۔

عقائد و نظریات [illegible] [illegible] [illegible] حسین و [illegible] تعمیر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صلاحیت رکھتے ہیں۔

۔۔۔ فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری ادارے: یہ اصطلاحات قرآنی ہیں جو فکر انگیز و عبرتناک ہیں۔ ان کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

(الف) فرعون: یہ حکمران کو کہتے ہیں جو حکومت الٰہیہ کے بجائے اپنی مجلس مشاورت، پارلیمنٹ، کابینہ وغیرہ وغیرہ کے آئین و قوانین سے حکومت کرتا ہے، چاہے وہ اپنے آپ کو اہل ایمان اور مسلمانوں میں سے کیوں نہ سمجھتا ہو۔

(ب) ہامان: ایسے حکمران کے معاونین کے لیے ہامان کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(ج) قارون: بخیل و متکبر، قوم فروش و ضمیر فروش، سنگدل و جاہ پسند اور فرعونیت پرست سرمایہ دار کو کہتے ہیں، جو اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دیتا ہے نہ العفو، اور نہ الماعون و صدقات ہی دیتا ہے۔

(د) آزر سے مراد مشرک مذہبی پیشوا ہیں، جو دین کو فرقوں میں تقسیم کرتے، شرک پھیلاتے اور جلب منفعت کی خاطر لوگوں کو اکابر و سادات پرست، مشائخ و پیر پرست، قبر پرست اور روضہ پرست بناتے اور ان پر توحید کی راہِ مستقیم بند کرتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ فرعونی حکومت میں ہامان، قارون اور آزر ہوتے ہیں، لیکن خلافتِ راشدہ یا اسلام کے مثالی معاشرے میں فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری اداروں کا فقدان ہوتا ہے اور ان کے بجائے

Marfat.com

صلوٰۃ وزکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اِدارے قائم وفعّال ہوتے ہیں۔

۲۴۔ **صلوٰۃ وزکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اِدارے** : (الحج ۲۲ : ۴۲)۔ در حُسنِ تفسیر، حصّہ اوّل ص ۱۳۸ - ۱۴۵۔

۲۵۔ **قانونِ مکافاتِ عمل** : اِسے قانونِ مُجازات بھی کہتے ہیں۔ دیکھیے حواشی ۱۵۔

فوز و فلاح : کی اصطلاحِ قرآنی میں آتشِ خوف وحُزن اور جہنّم کے عذابُ النّار سے نجات پانے، نشوونما پانے، معنوی ترقی کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جنّت اور رضوان اللّٰہ پانے کو قرآنِ عظیم نے فوزِ عظیم سے تعبیر کیا ہے (التوبۃ ۹ : ۷۲، ۸۹، ۱۰۰ وبمواضعِ کثیرہ)۔

جو شخص اپنے قلب ونفس کا تزکیہ کرتا ہے، یعنی جُرم وگناہ اور ظُلم وشرک کے اندھیروں اور بارِ گراں سے انہیں نجات دیتا ہے اور اس کا نُورِ قلبی ترقّی کرنے لگتا ہے، وہی "فلاح" پاتا ہے (الاعلیٰ ۸۷ : ۱۴؛ الشّمس ۹۱ : ۷-۱۰)۔

Marfat.com

۳ — الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

۴ — وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

۵ — اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۳ — ترجمہ

اہلِ آرزو و خشیت وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے، اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

مُتّقیوں یعنی اپنے الٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ عاشق کے تقرّب و رضوان کے لیے اس کی حسین و فطری راہِ راست کی طلب و جستجو اور گمراہی و محرومی کا خوف رکھنے والوں کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ حواس و ادراک سے وراء ان تمام حقائق کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں، جن کی آخری کتابُ اللہ نشاندہی کرتی اور ان پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان کی دوسری صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ صلوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں اور اُس کے تمام فرائض و احکام اور تقاضوں کی پاسداری کرتے اور اُن پر بطریقِ احسن عمل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں، ربِّ رحمٰن نے انھیں جن مادّی و غیر مادّی نعمتوں یعنی مال و منال، علم و حکمت، ہُنر و فن، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرھم سے نوازا ہے، اُن میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں؛ یعنی اس کے بندوں کی کفالت، فلاح و بہبود اور اُن کے نشو و ارتقاء کے لیے خرچ کرنا ان کا شِعارِ زندگی ہوتا ہے۔

۴ — ترجمہ

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اُس کلام پر جو آپؐ پر نازل ہوا ہے اور اُس پر بھی جو آپؐ سے پہلے (انبیاءؑ پر) نازل ہوا ہے، ایمان رکھتے ہیں؛ نیز آخرت پر بھی یقینِ کامل رکھتے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

اہلِ آرزو و خشیت کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی آخری کتابِ عظیم کی، جو پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوئی ہے اور ان تمام کُتب و صحائف کی حقّانیّت کو کامل ایقان و اِذعان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں، جو آپؐ سے پہلے انبیاءِ علیھم السّلام پر نازل ہوئی تھیں۔ علاوہ بریں، وہ دارالآخرت، حیاتِ اُخروی اور روزِ حساب و جزا پر دل و جان سے یقین رکھتے ہیں۔

Marfat.com

۵ — ترجمہ

یہی ہیں جو اپنے رب کی عنایت سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

اہلِ آرزو و خشیت اپنی ان صفات کی بدولت اپنے پروردگار و ہادی کی رحمت سے اُس کی حسین و فطری راہِ راست پر گامزن ہیں؛ اور وہی آتشِ خوف و حُزن و ناکامی اور جہنّم کے عذاب سے نجات پانے، نشو و اِرتقاء کرنے اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں، یعنی جنّتِ قُرّۃُ العین میں جانے والے ہیں۔

تفسیر

۳- اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ :

اِیمان بالغیب : عالمِ انفس و آفاق میں تدبُّر بالحق کرنے سے اِنسان کا اِس منطقی نتیجے پر پہنچنا یقینی ہے کہ اِیمان بالغیب علم و عقل کا خاصّہ بھی ہے اور مُقتضا بھی۔ وجہ یہ ہے کہ حقیقت ظاہر و مشہود بھی ہے اور باطن و غیب بھی، لہٰذا حقائق کو تسلیم بالیقین کرنا ناگزیر ہے۔ ہم نیند میں رؤیا یا خواب دیکھتے ہیں؛ اِس عالم میں ہم اس طرح زندگی کرتے ہیں، جس طرح دُنیا میں کرتے ہیں؛ لیکن آج تک کوئی عالم یا حکیم اس راز کا سُراغ نہیں لگا سکا کہ عالمِ رؤیا کے زمان و مکان اور ان کی اشیاء، موت و حیات، لذّت و خوشی، غم و حُزن، تکلیف و راحت وغیرہ وغیرہ کی حقیقت کیا ہے؟ خواب حسین، سچّے بھی ہوتے ہیں اور ڈراؤنے بھی۔ چنانچہ جن لوگوں کو بھیانک اور خوفناک خواب آتے ہیں، وہ ان سے اس قدر خوفزدہ رہتے ہیں کہ اُن سے بچنے کی خاطر مُسکّن ادویہ اور مُنشّیات اِستعمال کرتے ہیں۔ عالمِ رؤیا اپنی حقیقت کے اعتبار سے غیب ہے۔ اس کے باوجود اگر ہم اس کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم خوابِ مرگ کے عالمِ برزخ اور اس کی زندگی پر اِیمان نہ لائیں۔

ہم زندہ ہیں، لیکن زندگی کیا ہے؟ ہمیں اس کی حقیقت کا شعور نہیں۔ اسی طرح ہم آئے دن حیاتیاتی مخلوق کو مرتے دیکھتے ہیں، لیکن موت بلحاظِ حقیقت ابھی تک بمنزلۂ غیب ہے۔ رُوح یا نفس کیا ہے؟ حیطۂ اِدراک سے ماوراء ہے۔ ہم پھولوں، پھلوں کا بصری و مشامی مشاہدہ کرتے ہیں، مگر ان کے رنگ و بو اور ذائقہ کی حقیقت علم و عقل کے لیے درجۂ غیب میں ہے۔ باوجود اس کے، ہم ان کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں، خواہ انہیں جوہر (SUBSTANCE) کہیں یا عرض (ACCIDENT)۔

Marfat.com

صدیوں سے زمین کے اندر تیل کے چشمے موجود تھے، لیکن اِنسان کے لیے غیب تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ربُّ العٰلمین کے لیے غیب تو نہ تھے اور نہ کوئی شے اس کے لیے غیب ہے، کیونکہ کُل موجودات اُس نے تخلیق کی ہیں۔ علم وعقل کے اِرتقاء سے اِنسان میں اس غیب کی نمود سے اس کا سُراغ لگانے کی طلب وجستجو پیدا ہوئی، اور یہ امر اس کے اِیمان بالغیب پر دلالت کرتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر اِنسان کو یقین نہ ہوتا کہ زمین کے اندر تیل کے ذخائر ہیں تو وہ اس کا سُراغ لگانے، اور اسے نکالنے کے لیے اربوں روپے کے مصارف اور صبر آزما تکالیف برداشت نہ کرتا۔ غور کریں تو علم کی ترقی اور اکتشافات، نیز اختراعات و اِیجاداتؔ کا حقیقی محرّک وعامل اِیمان بالغیب ہے۔ اس سے مُستنبط ہوا کہ علم وعقل دونوں اِیمان بالغیب کو چاہتے ہیں اور غیب کی آرزو اصل میں

خُوب سے خُوب تر کی طلب وجستجو ہےؔ!

جمالیاتی حِس کی بدولت اِنسان حُسن کا گرویدہ ہے؛ اور حُسن خُوب سے خُوب تر مناظر، اشیاء، اجسام اور صُور و اشکال میں اپنی نمود رکھتا ہے، اس لیے اہلِ ذوق و نظر کو خُوب سے خُوب تر کی آرزو وجستجو رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اُسے ہمیشہ کثیف، مادّی یا مجازی حُسن کے ساتھ لطیف ومعنوی حُسن کی طلب وتلاش رہی ہے، اگرچہ لطیف ومعنوی حُسن غیب ہے۔ اصل یہ ہے کہ غیب بھی شانِ شہود رکھتا ہے، خاص کر ان کے لیے جو علم وعقل اور آرزو رکھتے ہیں۔

یہ اصلِ عظیم یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علم محض غیب کو جاننے کا نام نہیں، بلکہ غیب کی گرویدگی وتلاش سے بھی عبارت ہے، جو دراصل حُسنِ اشیاء کی حقیقتِ مستور کو مشہود دیکھنے اور کرنے کی سچّی آرزو ہے اور آرزو عملِ صالح سے سچّی بنتی ہے۔ خُوب سے خُوب تر کی گرویدگی وآرزو مُتّقین اور اربابِ علم وعقل میں اس غیب بالشّہود ہستی کا عرفان وشعور اور اِیقان وعشق جو فطرتِ اِنسانی میں بالقُوّۃ ودلیعت ہوتا ہے، قُوّۃ سے فعل میں آتا ہے، جو اپنے حُسن وعشق میں یکتا وبےمثال اور زندہ بالذّات وقائم بالذّات ہے؛ نیز جس کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت سے ہر چیز حسین ہے، اور خُوب سے خُوب تر اشیاء غیب سے منصّۂ شہود پر آتی رہتی ہیں۔

عشق صرف دید ہی سے نہیں، کلام سے بھی ہو جاتا ہے، چاہے کلام آواز کی صورت میں ہو یا کتاب کی؛ اشارہ وکنایہ کی شکل میں ہو یا رمز وغمزہ کی۔ چنانچہ اہلِ آرزو اور اربابِ علم کے لیے حُسنِ کائنات وحیات کے مظاہر اور نظّارے اُس پیکرِ حُسن وعشق کی آیات یا اِشارات وکنایات ہیں، جو اپنے جُملہ جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کا معبود ومحبوب اور مطلوب ومقصود (اِللہ) اور بےنہایت محبّت واحسان کرنے والا ربّ رحمٰن وعاشق ہے۔ کتابِ کائنات وحیات کی طرح اس کی الکتاب (قُرآنِ حکیم) کی آیات بھی اس کے رہنما و

Marfat.com

معرفت آفرین اشارات وکنایات ہیں۔ اہلِ علم ونظر انہیں پہچانتے اور تسلیم بالیقین کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ علم چونکہ حُسنِ اشیاء کو غیب سے شہود میں لاتا ہے، اس لیے اس سے آگہی وگرویدگی رکھتا ہے، اور نظر اپنے نورِ حُسن کی بدولت حُسن کو پہچانتی اور اس سے محبت رکھتی ہے۔ چنانچہ مُتقین کو حق الیقین ہوجاتا ہے کہ الکتاب یا قرآنِ حکیم اُن کے اِلٰہِ جمیل اور ربِّ عاشق کا کلام ہے جو انھیں اس کی حسین و فطری راہِ راست اور جنتِ قُرّۃُ العین کی طرف رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

اِس یقینِ کامل سے کہ قرآنِ مجید ربِّ ذُوالجلال والاکرام کا عظیم وحسین اور مُطہّر ومُنیر کلام اور ہادی ومُعلّمِ برحق ہے، اہلِ آرزو وخشیّت کو ان تمام حقائق وموجودات پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے جن پر اس کی رُو سے ایمان لانا فرض ہے۔ یہ کہنا انسب ہوگا کہ اہلِ آرزو چونکہ اپنے اِلٰہ وربِّ عاشق کے حُسینِ کلامِ آخر کے گرویدہ ہوتے ہیں، لہٰذا اپنی اِس گرویدگی کے باعث وہ بطیبِ خاطر ان تمام غیبّیات و مخفیات کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں، جن کی اس میں نشاندہی کی گئی ہے، مثال کے طور پر اللّٰہ وحدہٗ لاشریک، حضرت محمّد رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سمیت آپ سے پہلے جُملہ انبیآء علیہم السّلام، کُتبِ سماوی، ملائکہ اور آخرت۔ آخرت قرآنِ مجید کی وسیع المعانی مصطلح ہے اور اس سے مُراد ہے قیامت، جُملہ افرادِ نسلِ اِنسانی کی نشاۃِ ثانیہ، یومُ الدّین یا روزِ حساب وجزا؛ دارالآخرت یا الحیوان، جس کے موت ناآشنا دو جہانِ بیکراں ہیں: جنّت اور جہنّم۔

عشق چونکہ محض شانِ حُسن کے صوتی یا بصری مشاہدے سے بھی ہوجاتا ہے، اس لیے وہ اپنے معروضِ حُسن کو، چاہے وہ کتنے ہی پردوں میں مستور کیوں نہ ہو، دل وجان سے ماننا اور اس کی دید و حضوری اور قُرب و رِضوان کی طلب وجستجو رکھتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عشق غیب پر، جو حقیقتِ مستور رہے، اپنا جلوہ پیدا کرتا ہے۔ انبیآء علیہم السّلام کے قلوبِ مُطہّر اِس بناء پر وحی وتنزیل کو مِن جانب اللّٰہ ہونے کا ایمانِ کامل رکھتے تھے کہ وہ غایت درجہ حسین ومُحسن آشنا ہوتے تھے۔

یہاں اِس نُکتے کی صراحت کردی جاتی ہے کہ قرآنِ حکیم اللّٰہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کو عالم الغیب کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنسان اور دیگر مخلوقات کے لیے جو عوالم، موجودات، اشیاء اور حقائق مخفی یا غیب ہوتے ہیں، وہ ان کا علم رکھتا ہے اور وہ سب اُس پر مشہود ہوتے ہیں؛ اس لیے بھی کہ وہ جُملہ عوالم و موجودات کا فاطر وخالق ہے۔ اس سے یُونانی فلاسفہ افلاطون اور ارسطو کے اِس باطل نظریے کی تردید ہوجاتی ہے کہ اللّٰہ سُبحانہٗ وتعالیٰ صرف کُلّیات کا علم رکھتا ہے، جُزئیات کا نہیں۔ قرآنِ حکیم دُوسرے مقامات پر بھی اِس باطل وگمراہ کُن یُونانی نظریے کا اِبطال کرتا ہے۔

Marfat.com

اِیمان بالغیب میں علمی یا سائنسی نُقطۂ نظر سے غور کریں تو اسے تسلیم بالیقین کرنا دو وجوہ کی بناء پر لازم آتا ہے؛ ایک اِس بِناء پر کہ ربُّ العالمین نے اِنسان کو اپنی مخلوقات یا اشیاء کے اسماء یا خواص و صفات کا علم ودیعت کر رکھا ہے (البقرۃ ۲ : ۳۱) ۔ اس سے مُستنبط ہوا کہ انسان میں ربُّ العٰلمین کی طرف سے علمِ غیب بالقُوّۃ ودیعت کیا ہوا ہے، جسے وہ علم و حکمت اور تجربہ و تفکُّر بالحق کے ذریعے قُوّۃ سے فعل میں لاتا رہتا ہے، اور اسے علمی اِکتشاف، اِیجاد اور اختراع کہتے ہیں۔

دوسرے اِس بِناء پر کہ غیب پر یقین لائے بغیر اِنسان نہ تو اِیجادات و اختراعات کر سکتا تھا اور نہ جوہری توانائی و اسلحہ، اور نہ عالمِ زمان و مکان کی تسخیر کرنا اس کے لیے ممکن تھا۔ آج سے چودہ صدیاں پہلے یہ قُرآنِ حکیم تھا جس نے اِنسان کو اس واقعیّت سے آگاہ کیا تھا کہ وہ "سُلطان" یعنی علمی یا سائنسی قُوّت و حکمت کے ذریعے ہی آسمانوں اور زمین کی حدود کو پھلانگ سکتا ہے (الرَّحمٰن ۵۵ : ۳۳) ۔ اہلِ قُرآنِ حکیم مُسلمانوں نے اِس غیب کو تسلیم بالیقین نہ کیا تو وہ "سُلطان" سے محروم رہے۔ بخلاف اس کے، یہ مُنکرانِ قُرآنِ حکیم تھے جنھوں نے اِس حقیقت کو مان لیا اور جِدّ و جُہد کر کے جوہری یا نیوکلیائی توانائی اور ٹیکنالوجی حاصل کر کے زمین و آسمان کی حدود کو پھلانگ کر چاند پر چلے گئے اور دوسرے اجرامِ فلکی پر پہنچنے کے لیے مساعیِ جمیلہ کر رہے ہیں۔

مُسلم اقوام کا ایک ازبس عبرتناک المیہ یہ ہے کہ انھوں نے قُرآنِ حکیم کے اِس اِرشاد پر یقین نہ کیا کہ اِنسان "سُلطان" یا علمی و حکمیاتی توانائی کے ذریعے عالمِ زمان و مکان کو تسخیر کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ان قوموں سے صدیوں پیچھے ہیں جنھوں نے اِس واقعیّت پر یقین کیا جو غیب سے تعلّق رکھتی تھی۔

اس جگہ اِس ازبس اہم نُکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ جہاں تک مطلق غیب کا تعلّق ہے اُسے اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا کوئی بشر یا جِنّ وغیرہ نہ آج تک عالم الغیب ہوا ہے نہ ہو سکتا ہی ہے (الانعام ۶ : ۵۰، ۵۹؛ الاعراف ۷ : ۱۸۸؛ ھُود ۱۱ : ۱۲۳ و بمواضعِ کثیرہ) ۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ طبیعی مخفیات و غیبّات پر اِیمان لانے سے اِنسان اگر حیرت انگیز اِیجادات و اِختراعات، تسخیرِ عالمِ زمان و مکان اور مادّی ترقّی کر سکتا ہے تو کیا وہ مابعد الطّبیعی مخفیات و غیبّات پر اِیمان لانے سے معنوی ترقّی نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، کیونکہ جس کلامِ اِلٰہی نے اِنسان کو اِس واقعیّت سے آگاہ کیا ہے کہ اس میں علم الاسماء ودیعت کیا گیا ہے، جسے قُوّۃ سے فعل میں لا کر وہ مادّی ترقّی کر سکتا ہے، اُسی نے اُسے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ مابعد الطّبیعی مخفیات و غیبّات پر اِیمان لا کر لامُتناہی مادّی ترقّی کے ساتھ معنوی ترقّی بھی کر سکتا ہے۔ اِنسان کی معنوی ترقّی اِس کی ذات کی تکمیل کا عملِ پیہم ہے، جسے یہ

Marfat.com

تلمیذ القرآن جمالیاتی شعور کے اِرتقاء سے تعبیر کرتا ہے، جو کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِي شَأۡنٍ ۝ (الرحمٰن ۵۵ : ۲۹) کے تعلق سے مسلسل و لامتناہی عمل ہے۔ یہی اِتمامِ نُور، تقرّب اِلی اللہ اور ترفّعِ درجات کا مفہوم ہے؛ جس پر مُفصّل بحث گذر چکی ہے۔

اِیمان بالغیب رکھنے والوں اور مُنکرینِ غیب کا تقابلی جائزہ

(خسارۂ حیات کے حوالے سے)

اہلِ اِیمان بالغیب

(۱) اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ان کا معبود و مقصود، حاکم و مُطاع، نیز رازق و پروردگار اور آقا و مالک ہوتا ہے، جو ان کا رحمٰن و عاشق ہے۔ ان کو اپنی نعمتوں سے نوازتا، اُن کی دُعائیں سُنتا اور قبول کرتا ہے۔ نیز وہ اُن کا وکیل و کارساز، مولیٰ و نصیر، ہادی و مُشکل کُشا، حاجت روا اور توّاب و رحیم ہے۔ یہ اِحساس و اِیقان ان کی باطنی دُنیا کو طمانیّت و مسرّت اور رجائیت و محبّت سے معمور کر دیتا ہے۔ پھر اس میں خوف و حُزن، قنوطیّت اور احساسِ محرومی و تنہائی کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۲) اِیمان بالغیب کو اِیمان بالآخرۃ مُستلزم ہے، جس سے ان مابعد الطبیعی حقائق کو تسلیم بالیقین کرنا لازم آتا ہے: قیامت، نَشۡأَۃِ ثانیہ، مکافاتِ عمل، یومُ الدّین اور جنّت و دوزخ؛ نیز جنّت اِنسان کے اِلٰہ و ربّ کی جائے لِقاء ہے جس میں اُسے اپنی ذات کی تکمیل بہم پا

مُنکرانِ غیب

(۱) ان کا کوئی اِلٰہ و ربّ نہیں ہوتا، حالانکہ ان کی رُوح فطرۃً جانتی ہے کہ ان کا اِلٰہ و ربّ ہے اور وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اللہ کا اِنکار کرنا اِنسان کی اپنی فطرت کے اِقرارِ اُلُوھیّت و رُبُوبیّت کی تکذیب کرنا ہے۔ اس اِنکار سے اس کی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جو کسی طرح بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اِس خلا کا مطلب زندگی میں طمانیّت و مسرّت، سعادت و محبّتِ حقیقی، رجائیت و توکّل اور کمالِ ذات کا فُقدان ہے۔ یہ خلا چونکہ صرف ربِّ رحمٰن سے پُر ہو سکتا ہے، لہٰذا یہ خالی رہے تو اس میں شیطان چھاؤنی ڈال لیتا ہے: جیسا کہ فارسی کا یہ مقولہ مشہور ہے: خانۂ خالی را دیو می گیرد۔ شیطان اس خلا کو نفسِ اِنسانی کے لیے خوف و حُزن کا آتشکدہ بنا دیتا ہے۔

(۲) مُنکرانِ غیب اِیمان بالآخرۃ کے فُقدان کے سبب اپنی باطنی دُنیا اور اپنے فکر و عمل کی

Marfat.com

اپنے جمالیاتی شعور کا اِتمام مسلسل یا تقرّب اِلی اللہ اور ترفّعِ درجات کے لامتناہی مواقع میسّر ہوں گے۔ علاوہ بریں، اہلِ جنّت جہاں حیاتِ طیّبہ ابدالآباد تک بسر کرتے رہیں گے، وہاں انھیں اپنے اِلٰہ جمیل و کریم کی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رِضوان کی نعمتِ عُظمٰی سے بھی نوازا جائے گا۔ یہ ایسی منفعت اور کامیابی ہے جس کی عظمت کا کوئی مُتنفّس یہاں تصوّر تک نہیں کرسکتا۔

جولانگاہ کو اِس عالمِ رنگ و بو تک محدود کر لیتے ہیں؛ نیز ان کی ذات کی تکمیل یا اُن کے جمالیاتی شعور کے اِرتقاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں، وہ جنّت کی کیف و سُرور کی حیاتِ جاودانی اور اپنے اِلٰہ و ربّ کی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رِضوان کی نعمتِ عُظمٰی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجاتے ہیں۔ کیا اس سے بڑا خسارہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۳- وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ : اور وہ صلوٰۃ (کا نظام) قائم کرتے ہیں۔

اِقامتِ صلوٰۃ اور اِقامتِ دین : اِقامتِ صلوٰۃ کا قُرآنی مفہوم واضح و جامع طور پر سمجھنے کے لیے اِقامتِ دین کی معنویّت سے آگہی حاصل کرنا لازم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صلوٰۃ کا نظام اساسِ دین ہے، جس پر دین یا اِسلامی معاشرے کا نظام اُستوار کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا :

★ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ....... وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (الشُّوریٰ ۴۲ : ۱۳) :

اُس (یعنی اللہ) نے تمھارے لیے اِقامتِ دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حُکم اُس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جس کا حُکم (اے محمّدؐ!) آپ کو بذریعہ وحی دیا ہے؛ اور جس کا حُکم ہم نے بذریعہ وحی اِبراھیمؑ، مُوسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا تھا، یعنی یہ کہ "دین" کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اِقامتِ دین کی دعوت جو آپ دے رہے ہیں، مُشرکوں پر شاق گزرتی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے (دین کے) لیے منتخب کرلیتا ہے۔ اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اُسے وہ اپنی طرف آنے کا حسین و فطری اور سیدھا راستہ دکھاتا رہتا ہے۔

اِقامتِ دینِ فطری کا مفہوم و طریقہ کیا ہے؟ قُرآنِ مجید کی حسین و بلیغ زبان اور مُعجز نما و حکیمانہ انداز میں سُنیے اور غور کیجیے :

★ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج ۲۲ : ۴۱) :

Marfat.com

(اللہ کی مدد کرنے والے موحّد) وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اِقتدار بخشیں تو وہ صلوٰۃ (کا نظام) قائم کرتے اور زکوٰۃ کا (نظام) قائم کرتے ، نیز حسنہ کا حکم دیتے اور سیّئہ سے روکتے ہیں اور سب معاملات کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ۔

اِس آیۂ بصیرت افروز سے مُستنبط ہوا کہ اِقامتِ دین کا مطلب صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظاموں کو جو لازم ملزوم ہیں ، قائم کرنا ہے - یہ یاد رہے کہ یہ چار نظام ہی اِسلامی معاشرے کی بُنیادیں ہیں ، جن پر اُس کی تشکیل و تعمیر اور اِن کے استحکام و بقا کا دار و مدار ہوتا ہے ۔

اِقامتِ دین کی طرح اِقامتِ صلوٰۃ کا مطلب بھی اس کا نظام قائم کرنا ہے - نظامِ صلوٰۃ کی اَساس اور صدر مقام جامع مسجد ہے ، جس کا احسن و مثالی نمونہ مسجدِ نبویؐ ہے - مسجدِ نبویؐ اقامتی و غیر اقامتی درسگاہ (یونیورسٹی) ، کُتب خانہ ، مجلسِ شوریٰ ، عدلیہ ، شہری و عسکری انتظامیہ ، مناکحت گاہ ، جلسہ گاہ ، بیمارستان ، نیز ادبی ، علمی اور عمرانی سرگرمیوں کا مرکز تھی - علاوہ بریں ، صلوٰۃ کے کچھ اور ضروری تقاضے ہیں ، جن میں اہم ترین یہ ہیں : (ا) موحّد بننا اور شرک ، (جیسے اکابر و سادات پرستی اور اصنام پرستی) سے اِجتناب کرنا (ب) مال و دولت کو ربُّ العٰلمین کی امانت اور اپنے آپ کو اس کا امینِ مُستفید سمجھنا اور اس کے احکام کے مطابق اُسے خرچ کرنا ، یعنی زکوٰۃ ، العفو ، قرضِ حسنہ ، الماعون دینا ، لیکن اِکتناز و اِحتکار کرنا نہ جمع مال دُخُل کرنا ، نیز اِسراف و تبذیر سے بچنا - (ج) اقتصادی بد دیانتی و فساد سے پرہیز کرنا اور باز رہنا (ھُود ۱۱ : ۸۴-۸۷) - (د) صلوٰۃ کا ایک تقاضا بے حیائی ، جنسی بے رہروی ، بُخل اور جُملہ قبیح اعمال (مثلاً شرک جیسے اکابر و سادات پرستی ، کُفر و تکذیبِ دین و احکامِ اِلٰہیہ ، ظُلم و تکبّر ، نفاق و ریاکاری ، دروغ گوئی ، گُناہ و جُرم ، قُرآنِ حکیم سے دُوری و مہجوری اور اس کے آئین کو ناقابلِ عمل سمجھنا وغیرہ وغیرہ) سے مجتنب رہنا ہے - لوگوں کو ان اعمالِ سُوء سے دُور رکھنے اور ان کے اِرتکاب سے روکنے کے لیے نظامِ صلوٰۃ کا قیام ناگزیر ہے (دیکھیے العنکبوت ۲۹ : ۴۵) -

اِقامتِ صَلوٰۃ و ذکرِ اِلٰہی : اِقامتِ صَلوٰۃ کا ایک مقصد ذکرِ اِلٰہی ہے :

★ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۴) :

بلاشُبہ میں ہی اللہ ہوں ، میرے سوا کوئی معبود و مقصود اور حاکم و مُطاع نہیں ہے ؛ لہٰذا میری ہی طاعت و بندگی کرو اور میرے ذکر یا میرے احکام کی یاد دہانی کے لیے (نظامِ) صلوٰۃ قائم کرو -

Marfat.com

اس آیۂ جلیلہ میں اللہ کی عبادت کرنے کے حکم کے ساتھ ہی اُس کے ذکر کے لیے صلوٰۃ (کا نظام) قائم کرنے کا حکم اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اِقامتِ صلوٰۃ باوجود عبادت ہونے کے اس سے بڑھ کر کوئی شے ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہاں انفرادی عبادت کرنے کا حکم ہے، اور اِقامتِ صلوٰۃ کا حکم اِنفرادی-اِجتماعی نوعیت کا ہے۔ دوسرے، اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام کے لیے "ذِکر" کی تعبیر بھی اِختیار کی ہے (الحجر ۱۵: ۹)؛ لہٰذا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ کا مطلب یہ ہوا کہ "صلوٰۃ کا نظام قائم کرو میرے کلام کے ذریعے مجھے یاد کرنے اور دوسرے نمازیوں کو میرے احکام و تعلیمات کی یاد دلانے کے لیے"!

مُسلمانوں کی صلوٰۃ میں چونکہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے حُسنِ کلامِ آخر کی تلاوت کی جاتی ہے، جو اس کے اوامر و نواہی، عقائد و تعلیمات اور حقائق و نصائح پر مشتمل ہے، لہٰذا اُن کی یاد دلانا تاکہ نمازی ان پر عمل کریں، اِقامتِ صلوٰۃ کا مقصود ہوا۔

الغرض، اِس بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ مُتقین یا اہلِ آرزو و خشیت کی اِقامتِ صلوٰۃ کے عوامل و محرکات اور مطالب و مقاصد کیا ہیں۔

۳- وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ○ اور جو کچھ ہم نے انھیں (مال و منال، علم و حکمت، ہُنر و فن، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرھم) عطا کیا اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

اہلِ آرزو و خشیت کی ایک صفتِ حسنہ، جو انفرادی-اجتماعی اور دُنیوی-اُخروی زندگی کے لحاظ سے ازبس اہم ہے، یہ ہے کہ وہ بے درد و بخیل نہیں ہوتے، بلکہ صاحبِ دل و دردمند، مخیر و فیاض اور محسن و ایثار پیشہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ربُّ العٰلمین نے انھیں جو نعمتیں دی ہوتی ہیں، ان میں سے وہ اس کی راہ میں، یعنی اس کے جمالیاتی-تخلیقی شہکاروں کی مادّی و معنوی ترقی، کفالت و حاجت براری، فلاح و بہبود، تعلیم و تربیت اور علاج معالجے؛ نیز قُرآنِ حکیم کی تعلیم و ترویج اور ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کے لیے خرچ کرتے ہیں، اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، خوشحالی اور تنگدستی میں بھی (آلِ عمران ۳: ۱۳۴)، کھلم کھلا اور پوشیدہ طور پر بھی، دن ہو یا رات (البقرۃ ۲: ۲۷۴)۔

اَنفاق اور عشقِ اِلٰہی :

اَنفاق فی سبیل اللہ یا اللہ کی راہ میں مال و دولت وغیرہ خرچ کرنا اُس سے شدید محبت یا عشق کو چاہتا ہے اور عشقِ اِلٰہی کا خاصہ اور تقاضا رحمۃٌ لِّلعٰلمینی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں رحمت میں رحم و درگذر، ہمدردی و اِیثار اور محبت و اِحسان کے معانی پائے جاتے ہیں۔ اس سے مُستنبط ہوا کہ اہلِ عشق و

Marfat.com

وفا ہی اپنے اِلٰہِ جمیل وکریم اور ربِّ رحمٰن و عاشق کے حُکمِ انفاق بالعفو (البقرۃ ۲: ۲۱۹) پر بطیب خاطر عمل کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہی اس کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں سے محبت کرتے اور ان کے لیے رحمت بننے میں کوشاں رہتے ہیں، اس کا رضوان، رضا یا خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (البقرۃ ۲: ۲۶۵)۔

انفاق کے بغیر احسان وحسنہ کے ارفع و احسن مقام پر پہنچنا ناممکن ہے (آلِ عمران ۳: ۹۲):

قُرآنِ حکیم ربُّ العٰلمین کی کتابِ علم وحکمت اور نُور و الھُدٰی ہے، جو اس کے اہلِ آرزو و خشیت بندوں کے لیے کُل زندگی بسر کرنے کا احسن و اکمل اور جامع و مانع ہدایت نامہ ہے۔ اس لیے اس کی ہدایت حُکمِ مطلق کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس پر عمل کرنا ناگزیر ہے، ورنہ انسان کا گمراہ ہو جانا یقینی ہے۔ اِسی لیے قُرآنِ حکیم کا اِرشاد ہے:

★ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۞ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (آلِ عمران ۳: ۹۲):

تُم ہرگز (مقامِ) احسان وحسنہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تُم اُس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر ڈالو، جس سے تُم مُحبّت رکھتے ہو۔ اور جو شے بھی تُم خرچ کرتے ہو، اللہ اس کا کامل علم رکھنے والا ہے۔

مُحبّت تو اِنسان کو مال و دولت، منال و متاع، زر و جواہر، اراضی و باغات، بنگلوں، پلازوں، مویشیوں، کاروں، تعیّشات (LUXURIES)، الغرض ہر قسم کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جب مُسلمانوں کو یہ حُکمِ انفاق ملا تو اس پر انھیں بطیبِ خاطر عمل کرنے کے لیے جستجو ہوئی کہ وہ کیا اور کتنا مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ چنانچہ انھوں نے نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے رجوع کیا تو آپؐ پر یہ آیۂ فکر انگیز نازل ہوئی:

★ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۞ قُلِ الْعَفْوَ ۞ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۞ (البقرۃ ۲: ۲۱۹ - ۲۲۰):

اور (اے نبیؐ!) آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا اور کتنا اللہ کی راہ میں خرچ کریں؟ آپؐ کہیں جو بھی حُسنِ ضرورت سے زائد ہو۔ اِسی طرح اللہ اپنے احکام تمھارے لیے واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تُم (اس حُکمِ انفاق کے حوالے سے بالخصوص) دُنیا اور آخرت (کی زندگی) کے بارے میں غور و فکر کرو۔

Marfat.com

حُکم تو ہر حال میں حُکم ہی ہوتا ہے؛ پھر اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا ہو- اس پر عمل کرنا تو فرض یا ناگزیر ہوتا ہے- اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ حُکم لازمی (COMPULSORY) نہیں، اختیاری (OPTIONAL) ہے، یا یہ کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا، تکذیبِ آیات اور حکمِ الٰہی کی نافرمانی ہے- ربِّ رحمٰن وحکیم کا یہ حکمِ انفاق بالعفو اس قدر واضح ہے کہ اس کی فعلیت ومُطلقیت کے بارے میں شک وشُبہ تو کجا، تردّد وتامُّل بھی نہیں کیا جاسکتا- اس کی ناقابلِ تردید دلیل یہ ہے کہ مہبطِ وحی وتنزیل نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے اِس فرمانِ الٰہی کو قطعی، حتمی اور لازم سمجھا، لہٰذا اس پر دمِ واپسیں تک عمل کیا اور ہمارے اِتباع کے لیے احسن واکمل مثال قائم کردی- اپنے اس موقف کے ثبوت میں آیاتِ قُرآنی، احادیثِ طیّبہ، آثار اور مفسّرین ومحدّثین اور عُلماء کے اقوال پیش کیے جاسکتے ہیں-

انفاق بالعفو کا مسئلہ ہماری کُل زندگی میں غیرمعمولی اہمیّت رکھتا ہے، لیکن اُمّتِ مُسلمہ کا ایک عظیم و عبرتناک المیہ یہ ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ وخلافتِ راشدہ کے بعد دَورِ ملوکیّت اور پھر دُشمنانِ اِسلام کی غلامی کا دَور آیا تو سرکاری آزری پیشواؤں نے جلبِ منفعت ومراعات کی خاطر زکوٰۃ اور العفو کے احکامِ الٰہی کی ایسی چابکدستی سے عقل فریب وگمراہ کُن تاویلیں کیں کہ مُسلمان اُن کے مفہوم واہمیّت سے کم آگاہ ہوتے ہوتے ناآشنا ہوگئے-

یہ مسئلہ اِسلام کے معاشی نظام کی روح و رواں ہے اور اِس نظام کا اصل الأصول رحمۃٌ لِّلعٰلمینی اور اس کی اساس قُدرت کا قانونِ عدل واحسان ہے- چنانچہ اس میں کُل افرادِ معاشرہ کو اُن کے ربِّ رحمٰن کی نعمتوں سے اپنی محنت ومشقّت اور سعی وجُہد کی کیفیت وکمیّت کے مطابق اپنا حصّہ لینے کے مواقع ہوتے ہیں اور حکومت ان کی کفالت کی ذمّے دار ہوتی ہے-

فلسفۂ العَفْوَ کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ افرادِ معاشرہ کو اُن کے بُنیادی یا فطری حقوق دینے کے لیے قومی دولت کو گردش میں رکھنا اور گردش کے دائرے کو کُل افرادِ معاشرہ پر محیط کرنا ناگزیر ہے- اگر ہوسکے تو اس دائرے کو کُل افرادِ نسلِ اِنسانی تک وسیع وعریض کرنا رحمۃٌ لِّلعٰلمینی کا خاصّہ بھی ہے اور تقاضا بھی (الحشر ۵۹ : ۷)- اِس سے اِس امر کی بھی توجیہ ہوجاتی ہے کہ کیوں ربُّ العٰلمین نے اِکتناز واحتکار، جمعِ مال ومنال اور بُخل کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور ایسا کرنے والوں کو جہنّم کی کربناک سزا کی وعید دی ہے (آلِ عمران ۳ : ۱۸۰؛ التوبہ ۹ : ۳۴-۳۵؛ اللّیل ۹۲ : ۸؛ الھُمزۃ ۱۰۴ : ۱-۹ وبمواضعِ کثیرہ)-

یہ یاد رہے کہ قُرآنی اِصطلاح بُخل کا مطلب انفاق بالعفو کے حُکمِ الٰہی پر عمل کرنے سے گریزاں وترساں رہنا ہے-

Marfat.com

فلسفۂ اَنفاق بِالعفو کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے مندرجۂ ذیل حقائق کو تسلیم بالیقین کرنا ناگزیر ہے:

★ **توحیدِ رُبُوبیّت** : اس کا مطلب ہے کہ فقط اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کُل بنی نوعِ اِنسان کا خالق و رازق، بے نہایت محبّت و شفقت اور اِحسان و کرم کرنے والا امرتی اور حاکم و مالک ہے (الفاتحہ ۱: ۱ تا ۳ بعد)۔

★ آسمانوں اور زمین میں جو نعمتیں بھی ہیں ان سب کا خالق و مالک بھی ربُّ العٰلمین ہے (یُونس ۱۰: ۶۶)۔

★ اُس نے اپنی نعمتیں یا معایش اپنے سب جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے تمتّع یا استفادے کے لیے پیدا کی ہیں (الاعراف ۷: ۱۰)؛ لہٰذا کسی فرد یا جماعت یا حکومت کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ افرادِ نسلِ اِنسانی کو ان کے اِس حق سے محروم کرے۔

★ اِنسان جو مال و دولت اِکتساب یا حاصل کرتا ہے، وہ اس کا مالک نہیں، امینِ مُستفید ہوتا ہے؛ لہٰذا وہ اس میں خیانت نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے حاصل کردہ مال و دولت میں مالکِ حقیقی کے حُکم کے مطابق ہی تصرّف کر سکتا ہے؛ یعنی وہ اسراف و تبذیر، اِکتناز و اِحتکار اور جمع و بُخل کرنے کا مجاز نہیں (التّوبۃ ۹: ۳۴-۳۵؛ ھود ۱۱: ۸۷؛ الھُمزۃ ۱۰۴)۔

★ جنّت میں اللہ تعالیٰ کے مُحسن بندے (صالحین) ہی جائیں گے (النّسآء ۴: ۶۹؛ النّمل ۲۷: ۱۹) اور مُحسن یا صالح بننے کے لیے اِنفاق بِالعفو کے فرمانِ الٰہی پر عمل کرنا ناگزیر ہے (آلِ عمران ۳: ۹۲؛ البقرۃ ۲: ۲۱۹)۔

★ کسب، محنت و مشقّت اور سعی و جُہد کرنا اِنسان پر لازم ہے، اور اس کی کمّیت و کیفیّت (QUANTITY AND QUALITY) کے مطابق وہ اُجرت یا معاوضہ لینے کا حقدار ہے (النّجم ۵۳: ۳۹-۴۲؛ المدّثّر ۷۴: ۳۸؛ البلد ۹۰: ۴)۔

★ مرفّہ الحال لوگوں کے مال و دولت میں ان لوگوں کا حصّہ ہوتا ہے جو کسی وجہ سے اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں، چاہے وہ مطالبہ کرنے والے ہوں یا نہ ہوں (الذّٰریٰت ۵۱: ۱۹؛ المعارج ۷۰: ۲۴-۲۵)۔

★ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحُجرات ۴۹: ۱۰): بیشک مؤمن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں؛ لہٰذا ان کو اپنا بھائی سمجھنا اور ان کے ساتھ صالح بھائیوں کی طرح اُخوّت و محبّت اور احسان و حسنہ کا سلوک کرنا ہم پر فرض ہے، جس کی بہترین مثال عہدِ نبویؐ میں مُسلمانوں کے "نظامِ مواخاۃ" میں ملتی ہے، جس کی جدید شکل مغربی ممالک میں ملتی ہے، جسے کفالتِ اِجتماعیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہلِ نظر اِس

Marfat.com

واقعیّت کا شعور رکھتے ہیں کہ ان اقوام کی حیرت انگیز ترقّی اور بقا کا راز ان کے نظامِ کفالتِ اجتماعیہ میں مُضمر ہے۔

★ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ : نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اہم ترین سُنّتِ حسنہ رحمۃٌ للعٰلمینی ہے۔ اِس کا مطلب ہے کُل افراد و اقوام کے ساتھ ہمدردی و شفقت، عدل و احسان کرنا؛ ان کے اِنسانی حقوق کی پاسداری کرنا اور اُن کے لیے اِیثار و قُربانی سے دریغ نہ کرنا۔ اِس سُنّتِ حسنہ پر عمل کرنا اور آپؐ کے اِس اُسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی کرنا ہم پر فرض ہے۔

جمالیاتی نُقطۂ نظر سے غور کریں تو رحمۃٌ للعٰلمینی اپنے اِلٰہِ جمیل و کریم اور ربِّ رحمٰن سے شدید ترین محبت یا عشق کرنے کا خاصّہ و تقاضا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ ربُّ العٰلمین کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کے لیے رحمت نہیں بنتے، یعنی اُن کو اُن کے اِنسانی حقوق نہیں دیتے یا دلانے کی کوشش نہیں کرتے، یا اُن سے محبّت اور عدل و اِحسان نہیں کرتے، نیز اُن کے لیے اِیثار و قُربانی یا اَنفاق بِالعفو نہیں کرتے، وہ اللہ جَلَّ شَأنُہٗ سے بھی محبّت نہیں کرتے، چاہے وہ اپنے آپ کو مؤمن و متّقی، صالح و پرہیزگار، زاہد و صوفی اور عابد و نیک ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔ قُرآنِ حکیم کی رُو سے ایسے لوگ مُحسن نہیں، بخیل ہوتے ہیں۔ مُحسن تو صالح اور ربِّ رحمٰن کے دوست، اور بخیل چونکہ مُفسد اور شیطان کے دوست ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے معتوب و مغضوب ہوتے ہیں۔ قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق اِحسان یا حُسنِ عمل کا ثمرہ حسنہ اور اِکتناز و بُخل یا فساد و عملِ سُوء کا ثمرہ سیّئہ ہے۔ حسنہ سے مراد طمانیّتِ قلب و حیاتِ طیّبہ ہے۔ بخلاف اس کے، سیّئہ کا مطلب ہے خوف و حُزن کی آتش بداماں حیاتِ خبیثہ۔ یہ یاد رہے کہ اِنسان نے جیسی زندگی دُنیا میں بسر کی ہوگی ویسی ہی زندگی اُسے آخرت میں ملے گی۔

زندگی کا جمالیاتی اُصول :

قُرآنِ حکیم نے اپنے نہایت بصیرت افروز تلمیحی انداز میں حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کا یہ حسین اُصول بتایا ہے کہ

★ وَ ابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ (القصص ۲۸ : ۷۷) :

(اے قارون سرشت اِنسان!) اللہ نے جو (مال و دولت) تجھے عطا کیا ہے اُس سے

Marfat.com

آخرت میں گھر بنانے کی طلب وسعی کر، اور دُنیا میں (ربّ کی نعمتوں میں) جو تیرا حصّہ ہے اُسے بھی فراموش نہ کر، اور (دوسروں کے ساتھ) اس طرح احسان (حسنہ وحُسنِ سلوک کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ اِحسان کیا ہے، اور ملک یا دُنیا میں معاشی ناہمواری و برہمی پیدا کرنے کی خواہش وکوشش نہ کر، کیونکہ اللہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور معاشی زندگی میں ناہمواری و عدم توازن پیدا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اِس جمالیاتی اُصول کی اہم شقیں یہ ہیں :

★ مال و دولت عطائے ربّانی ہے، اُسے حاصلِ عقل و دانش اور اپنی ملکیت سمجھنا غلط، کُفرانِ نعمت اور ربِّ رحمٰن کی ناشکر گزاری ہے۔

★ اِس عطائے رحمانی کا ایک مقصد یہ ہے کہ اس کا امین اپنا فالتو و مجہول مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرکے آخرت میں اپنے لیے حُسن المآب بنائے۔ اِس اعتبار سے دولت آزمائش یا اِمتحان بھی ہے (الانفال ۸ : ۲۸)۔ اِس اِمتحان میں کامیابی کا مطلب جنّت کا ملنا ہے، اور ناکامی کا مطلب دوزخ میں جانا ہے۔

★ ربِّ رحمٰن نے اس دُنیا میں اپنی نعمتیں اپنے تمام جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے تمتّع یا استفادے کے لیے پیدا کی ہیں، لہٰذا ان میں ہر فردِ بشر کا حق یا حصّہ ہے، اور اپنا حق لینا اس پر لازم ہے۔ اِس سے مُستنبط ہوا کہ جو لوگ زہد و رہبانیت (ترکِ دُنیا) یا کاہلی و آرام طلبی کی وجہ سے ربِّ رحمٰن کی نعمتوں سے اپنا حصّہ لینے کے لیے سعی و محنت نہیں کرتے، وہ اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔

★ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اِنسان کو جو مال و دولت دیتا ہے، اس میں سے جو حُسنِ ضرورت سے زائد ہو، اُسے اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرنا فرض ہے۔

★ بُخل، اِقتصادی بد دیانتی و خیانت، کسبِ حرام (مثلاً سُود خوری، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، ساہوکاری، رشوت ستانی، کم تولنا اور کم ماپنا، چوری، ڈکیتی، رہزنی، جنس فروشی وضمیر فروشی، نوسربازی، قلم و قوم فروشی وغیرہ وغیرہ) سے ہیئتِ اِجتماعیہ کا توازن بگاڑنے کی خواہش وسعی کرنا حرام ہے۔ یہ فساد یا معاشی برہمی و ناہمواری ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔

فلسفۂ اَنفاق

قُرآنِ حکیم کے فلسفۂ اَنفاق سے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ فلسفۂ حیاتِ کُلّی میں محور کی حیثیت رکھتا

Marfat.com

ہے تو یہ مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت کا اِظہار و اعتراف ہوگا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، حیاتِ کُلّی سے مُراد انفرادی۔ اِجتماعی، دُنیوی۔ اُخروی اور مادّی معنوی زندگی ہے۔

فلسفۂ آنفاق کو صحیح اور جامع طور پر سمجھنے کی خاطر اس کے پس منظر سے آگہی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ربُّ العالمین نے اپنے جمالیاتی۔ حکیمانہ منصوبے کے مطابق چھے ادوار میں سماوی و ارضی کُرے تدریجاً تخلیق کیے۔ ارضی کُرے میں اُس نے چونکہ اپنے راست قامت و ذی شعور جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو پیدا کرنا اور بسانا تھا، اس لیے اُس نے ان کے لیے اس کُرے کو جمیل و جلیل مناظر، نظر افروز و دل انگیز نظاروں اور حسین و رُوح افزا، لذیذ و طیّب اور خوشبودار و رنگ رنگ نعمتوں کی جنّت بنایا۔ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنی ذات میں زندہ و بےمثال حُسن ہے، اور حُسن میں عشق مُضمر ہے۔ اِس سے اس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ اُسے کیوں اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں سے شدید ترین محبّت یا عشق ہے اور کیوں چاہتا ہے کہ وہ اس کی جنّتِ ارضی میں حیاتِ طیّبہ یا حسین و اِرتقائی زندگی بسر کریں تاکہ وہ لذّتِ موت سے آشنا ہونے کے بعد الحیَوان میں اُس کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں حسین و اِرتقائی حیاتِ ابدی بسر کرنے کے قابل بن جائیں۔ انھیں اس قابل بنانے کے لیے ربِّ عاشق نے اُنھیں حسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام امانتاً ودیعت کر دیا، جس سے مفصّل بحث سُورۂ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ اِس امانت یا مُحیّر العقول نظام کی بدولت اِنسان صاحبِ اِرادہ و اِختیار بن گیا۔ آزادیِ فکر و عمل چونکہ اِنسان کو اس کی مرضی کے مطابق امانت کے طور پر ودیعت کی گئی ہے، لہٰذا اس کے نتیجے میں ایک تو وہ اس کے مالکِ حقیقی کے احکام کے مطابق اس آزادی کو استعمال کرنے کا مُکلّف ہے اور دوسرے اس کے قانونِ مکافاتِ عمل و مُجازات کا مُستوجب ہے۔ اِس بناء پر یہ دُنیائے فانی جو جہانِ حیات و ممات ہے، اِنسان کا دارالامتحان ہے، اور اس کا زوج دارالآخرت۔ الحیَوان یا موت و فنا ناآشنا جہانِ حیات، اُس کا دارالجزا ہے۔

الحیَوان کے دو بیکراں جہان ہیں: ایک حسین و جانفزا مناظر، نظّاروں اور کیف پرور و سرُور انگیز نعمتوں کی جنّتِ قُرّۃُ العینؓ ہے؛ اور اس کا زوج دوسرا جہان ہولناک و شکیب رُبا نظّاروں اور مناظر کا مرقع، یعنی النّار یا جہنّم ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنّت مُحسنوں یا اِحسان و حُسنِ عمل کرنے والوں کا حُسنُ مَآب (الرّعد ۱۳: ۲۹) ہے، جبکہ جہنّم ظالموں کا شرَّ مَآب ہے (صٓ ۳۸: ۵۵)۔

جنّتِ قُرّۃُ العین میں جانے کی پیش شرط چونکہ اِس دُنیا میں حیاتِ طیّبہ بسر کرنا ہے، لہٰذا یہ معلوم کرنا ناگزیر ہوا کہ اِنسان حیاتِ طیّبہ کیسے بسر کر سکتا ہے، اور اس کے لیے قُرآنِ حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس کا اِرشاد ہے :

★ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۹۷) :

جو شخص حُسنِ عمل کرتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن یا اہلِ ایمان ہو تو ہم اُسے دُنیا میں حسین و پاکیزہ اور نشو ونما پانے والی اِرتقائی زندگی بسر کرائیں گے، اور (آخرت میں) اُن کے اعمال کا جو وہ کرتے تھے، اس سے حسین تر صِلہ دیں گے۔

★ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰريٰت ۵۱ : ۵۶) :

اور میں نے جِنّ اور اِنسان کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ مجھ سے محبّت کریں اور میرے احکام و تعلیمات کے مطابق زندگی کریں (اور میرے بندوں کے لیے رحمت بن جائیں)۔

اِمام رازیؒ نے اِس آیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے : مَا العبادة التی خلق الجنّ و الانس لها قلنا التعظيم لامر الله و الشفقة عَلٰی خلق الله فان هذين النوعين لم يخل شرع منهما (کبیر) : جِنّ و اِنسان کو عبادتِ اِلٰہی کے لیے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے حُکم کی تعظیم کریں (یعنی اس کے احکام کے مطابق زندگی کریں) اور اس کی مخلوقات پر شفقت کریں (یعنی ان کے لیے رحمت بن جائیں)۔ یہاں عبادت سے مُراد صرف صلوٰۃِ پنجگانہ نہیں جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

اِس آیۂ فکر انگیز میں یہ اصلِ عظیم مُضمر ہے کہ ربُّ العٰلمین نے جِنّ و اِنسان کو کُرۂ ارضی میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے احکام کے مطابق اس کی مخلوقات کے لیے رحمت بنیں تاکہ وہ نشو ونما پائیں؛ اور جہاں تک اس کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کا تعلّق ہے اُن کے ساتھ محبّت و شفقت اور احسان و حُسنِ سلوک کریں تاکہ وہ حسین و پاکیزہ اور خوشحال و اِرتقائی زندگی بسر کریں۔

★ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ (هُود ۱۱ : ۷) :

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے ادوار میں (مرحلہ وار) تخلیق کیا اور اس کا عرشِ حکمرانی پانی پر تھا (جس سے اس وقت کُرۂ ارضی معمور تھا) تاکہ تمہیں آزما دیکھے کہ تُم میں سے کون کون حُسنِ عمل کرنے والا ہے؟

Marfat.com

عبادتِ الٰہی جب وظیفۂ حیاتِ انسانی، وسیلۂ فوز و فلاح اور کلیدِ جنّت ہے تو پھر اس کی معنویت کو واضح و جامع طور سے سمجھ لینا ضروری ہوا، لہٰذا ایسا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے :

ربُّ العٰلمین نے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، یہ کائنات کُل بنی نوعِ انسان کے لیے تخلیق کی ہے۔ اُس نے کرۂ ارضی میں ان کو اپنے تدریجی یا اِرتقائی انداز میں تخلیق اور آباد کیا (ھُود ۱۱ : ۶۱ ؛ النجم ۵۳ : ۳۲) ؛ اور اس میں اپنے جُملہ جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے لیے خاص طور پر اپنی نعمتیں اور وسائلِ معایش ودیعت کر دیے (حٰم السجدۃ ۴۱ : ۹ بعد)۔ یہ واقعیّت تسلیم بالیقین کرنے سے یہ حقیقت ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہر فردِ بشر کا اپنے خالق و رازق اور پروردگار و مالک کی نعمتوں اور معایش میں حق یا حصّہ ہے، لہٰذا اپنے حصّے سے محروم اور اس کے ضرورت مند اپنا حق مانگنے اور لینے کے مجاز ہیں (المعارج ۷۰ : ۲۴-۲۵)۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے سچّے مُصَلّین یا نمازی وہ ہیں جو اہلِ احتیاج کو مطالبہ کرنے پر یا بن مانگے ان کا حق یا حصّہ دیتے ہیں (موضوعِ مذکور)، اور وہ اِس حق کو جانتے ہیں، اِسی لیے قرآنِ حکیم نے "حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ" کی بصیرت افروز تعبیر اختیار کی ہے، اور واضح طور پر فرما دیا کہ وہ العفو ہے (البقرۃ ۲ : ۲۱۹) ؛ یعنی حُسنِ ضرورت سے زائد مجہول اور بانجھ مال و دولت، چاہے منقولہ صورت میں ہو یا غیر منقولہ شکل میں (نیز دیکھیے آلِ عمران ۳ : ۹۲)۔

یہ ازبس اہم و ایمان افروز واقعیّت ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ رحمۃٌ للعٰلمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے دمِ واپسیں تک اَلانفاق بالعفو کے فرمانِ الٰہی پر عمل کیا۔ صحابۂ کرامؓ چونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتے تھے اور نہ تارکانِ سُنّتِ حسنہ ہی بن سکتے تھے، لہٰذا وہ برضا و رغبت زکوٰۃ و العفو دیتے رہے۔ میں اُن سادات و اکابر پرست لوگوں کی بات نہیں کرتا جو صحابۂ کرامؓ سے بغض و عداوت رکھنے کے باعث ان صالحین و شہداء اور صدّیقین کو اللہ کے نافرمان اور تارکانِ سُنّت ثابت کرنے کی خاطر یہ بُہتان تراشی کرتے ہیں کہ وہ العفو نہیں دیتے تھے، بلکہ مال و دولت جمع کر کے رکھتے تھے اور اِکتناز و اِحتکار کرتے تھے، جو قرآنِ حکیم اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے حرام اور انتہائی گھناؤنا گُناہِ کبیرہ ہے۔ دَورِ ملوکیّت کی پیداوار دشمنانِ صحابہؓ اور مُنافقین کی باطل و گمراہ کُن اور موضوع روایات کو سچ مان کر ان کی طرح بعض مسلمان بھی صحابۂ کرامؓ پر یہ بہتان لگاتے تھے کہ (معاذ اللہ) وہ سرمایہ دار، بخیل، تارکانِ فرض و سُنّت تھے ؛ اور پھر بھی اپنے آپ کو محبّانِ صحابہؓ، متشرّع اور زاہد و عابد سمجھتے ہیں۔

بعض نام نہاد عُلماءِ سُوء دانستہ یا نادانستہ یہ کہنے کی بھی جسارت کرتے ہیں کہ اَلانفاق بالعفو کا فرمانِ الٰہی اِیتائے زکوٰۃ کے حُکم سے ساقط ہو گیا تھا۔ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ پر یہ بہتانِ عظیم لگا کر انھیں عذابُ النّار کا

Marfat.com

خوف نہیں آتا کہ اِیتائے زکوٰۃ کا حکم تو اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کے حکم کے ساتھ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی بعثت کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں آیا تھا (المزمل ۷۳ : ۲۰)، جبکہ اَنفاق بالعفو کا حکم ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ میں آیا تھا (البقرۃ ۲ : ۲۱۹) - علاوہ بریں، وہ یہ دلیلِ طاغوتی بھی دیتے ہیں کہ اَنفاق بالعفو کا حکم لازمی (COMPULSORY) نہیں، اِختیاری (OPTIONAL) ہے - یہ تاویل بالباطل دورِ ملوکیت میں فرعونی آرزوں کی اِیجاد ہے، جس سے اُمّتِ مُسلمہ کے عقیدۂ توحیدِ رُبوبیّت اور معاشرتی و معاشی زندگی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا اور مسلسل پہنچ رہا ہے - تاریخی عمل (= العصر) شاہد ہے کہ اِسلامی معاشرے میں نظامِ زکوٰۃ کے فُقدان اور سرمایہ داری وسُود کاری اور جاگیرداری و زمینداری کے طاغوتی نظاموں کے قیام و فروغ کا اصل عامل و محرّک یہ طاغوتی عقیدہ ہے کہ اِنفاق بالعفو کا حکم ساقط ہو چکا ہے یا اِختیاری ہے۔

اَنفاق بالعفو اور توحیدِ رُبوبیّت

قرآنِ حکیم کے فلسفۂ حیاتِ کُلّی میں تفکّر بالحق کرنے سے یہ اصلِ عظیم مُنکشف ہوتی ہے کہ اَنفاق بالعفو اور توحیدِ رُبوبیّت ایک ہی حقیقت کے دو مظاہر ہیں - دوسرے لفظوں میں، اَنفاق بالعفو کا عقیدہ توحیدِ رُبوبیّت کے عقیدے کو مُستلزم ہے جو اصلِ اِیمان و دین ہے اور جس کو تسلیم بالیقین کرکے اس پر قائم رہنے کا نتیجہ حیاتِ طیّبہ یعنی طمانیتِ قلب، امن و سلامتی، خوف و حُزن سے مصئونیت، نیز ولایتِ اِلٰہی اور جنّت ہونا ہے (فُصّلت ۴۱ : ۳۰؛ الاحقاف ۴۶ : ۱۳) - اِس عقیدے کی یہ غیر معمولی اہمّیت اِس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ہماری اِنفرادی - اِجتماعی اور دُنیوی - اُخروی زندگی پر حاوی ہے؛ نیز اس کو تسلیم بالیقین کرنے سے ہم پر اِس اصلِ عظیم پر اِیمان لانا لازم آتا ہے کہ کُل افرادِ نسلِ اِنسانی اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے عیال و مخلوق، مرزوق و مربوب اور فقیر و سائل ہیں، اور اپنے ربِّ رحمٰن کی نعمتوں اور معایش میں برابر کے حقدار ہیں، لہٰذا ان سب کے حقِّ معلوم کو تسلیم و ادا کرنا ہم سب پر فرض ہے؛ اور یہ فرض اَنفاق بالعفو ہی کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ قُرآنِ مجید میں اَنفاق کا حکم اور اُس کی فضیلت و اہمّیت کا ذِکر کم و بیش ستّر بار آیا ہے؛ اور احادیثِ طیّبہ کی کثرت اس پر مستزاد ہے۔

اِس گفتگو سے یہ نتیجہ اِستنباط کر سکتے ہیں کہ ربُّ العالمین کی رُبوبیّت و رحمت اِس بات کی مقتضی ہے کہ اس کے تمام جمالیاتی - تخلیقی شہکار ایک صالح کُنبے کی طرح کھائیں، پیئیں، رہیں سہیں اور امن و سلامتی کے ساتھ زندگی کریں لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر کفالتِ اِجتماعیہ کا نظام قائم ہو، اور ایسے

Marfat.com

قائم کرنے کے لیے اَنفاق بالعفو کے فرمانِ اِلٰہی پر اِنفرادی و اِجتماعی طور پر عمل کرنا اور کرانا ناگزیر ہے۔ مشاہدہ و تجربہ بتاتا ہے کہ مال و دولت کی محبّت کے سبب اِنسان اَنفاق بالعفو کے حُکمِ اِلٰہی پر عمل کرنے سے جی چُراتا ہے، لہٰذا اِس پر عمل درآمد کرانے کے لیے اُس نے آدمی کو زمین میں خلیفہ مقرّر کیا ہے (البقرۃ ۲ : ۳۰)۔ قُرآنِ حکیم نے اپنی سُنّت کے مطابق اِنسان کی خلافتِ ارضی کی غرض و غایت بھی خود ہی تلمیحی انداز میں بتادی ہے۔ اِرشاد ہوا:

★ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (صٓ ۳۸ : ۲۶):

اے داؤدؑ! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ یا حُکمران بنایا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان عدل و اِنصاف کے ساتھ فیصلہ کرا اور اپنی خواہش اور جذبہ و داعیہ کے پیچھے نہ لگنا کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

اِس آیۂ فکر انگیز کے سیاق میں دو بھائیوں کے درمیان مال کے تنازعہ کا ذکر حکیمانہ و بصیرت افروز انداز میں کیا گیا ہے۔ اِس بناء پر یہ قیاس کرنا درست ہوگا کہ خلافت کا بنیادی مقصد اور حکمران کا اصل وظیفہ رعایا کے حقوق کے تحفّظ کی ضمانت فراہم کرنا اور لوگوں کے درمیان مال و دولت کی مُنصفانہ تقسیم کرنا ہے۔ اِس مسئلے کو اس کے وسیع و ابعادی تناظر میں دیکھیں تو ہم پر یہ حقیقت مُنکشف ہوگی کہ خلیفہ کا اوّلین وظیفہ رعایا کے بنیادی یا اِنسانی حقوق کی حفاظت کرنا ہی نہیں، بلکہ اُنھیں اُن کے حقوق دلانا بھی ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حکمران مالدار لوگوں سے ان کی جائز حاجات سے زائد مال و دولت لے کر اہلِ اِحتیاج اور محروم و مظلوم لوگوں کو دلائے۔ بالفاظِ دیگر، اَنفاق بالعفو کے حُکمِ اِلٰہی پر عمل درآمد کرانا حکومت یا خلافت کی بنیادی ذِمّے داری ہے۔ یہاں یہ ازبس اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت یا حکومت اپنی اِس اساسی ذِمّے داری سے احسن طریقے سے کیسے عہدہ برآ ہوسکتی ہے؟ اس کا اِنتہائی مختصر اور اِتنا ہی جامع و مانع جواب قُرآنِ حکیم نے یہ دیا ہے کہ

صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المُنکر کے اِدارے قائم کرنے سے (الحجّ ۲۲ : ۴۱)۔

اس کی تفصیل سُورۂ فاتحہ کی تفسیر (جلد اوّل) میں گزر چکی ہے، لیکن یاد دہانی کے طور پر یہ عرض کیا جاتا ہے کہ صاحبِ نصاب اور مالدار لوگوں سے زکوٰۃ اور العفو لینا اور کفالتِ اِجتماعیہ کا نظام قائم کرنا صلوٰۃ و زکوٰۃ کے اِداروں کے بنیادی وظائف میں سے ہے، جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المُنکر کا ایک بنیادی وظیفہ اِیتائے زکوٰۃ اور اَنفاق بالعفو کے اِحکامِ اِلٰہیہ پر عملدرآمد کرانا ہے۔ اس کی بہترین مثال عہدِ نبویؐ اور

Marfat.com

خلافتِ راشدہ میں ملتی ہے۔

ہمیں یہ اصلِ عظیم ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ نبیِ اکرم صلّی اللہُ علیہ وسلّم کا رحمۃٌ للعٰلمین ہونے کی نسبت سے تاریخ ساز و عہد آفرین اور عظیم و مثالی کارنامہ لا اِلٰہَ اِلّا اللہُ کی عملی تفسیر کرنا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری اِداروں کا اِستیصال کیا اور صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اِدارے قائم کیے اور ان کی اساس پر اِسلام کے بے نظیر و مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیرِ نو کی۔ اصل یہ ہے کہ یہی اِسلام یا آپؐ کی تحریکِ رحمۃٌ للعٰلمینی کی غایت تھی اور ہے، اور اسی میں ہمارے لیے آپؐ کا اُسوۂ حسنہ ہے (الاحزاب ۳۳: ۲۱)۔

اَنفاق بالعفو اور تقدیر کا مسئلہ

اِس مسئلے کو واضح طور سے سمجھنے کی خاطر اس کے اصل الاُصول سے آگہی ناگزیر ہے، اور وہ یہ کہ اَنفاق بالعفو ضدّ و نقیض ہے سرمایہ داری کا اور اجتماعِ ضِدّین محال ہے۔ اِس سے مُستنبط ہوا کہ اِسلامی معاشرے میں سرمایہ داری یا بُخل کی قطعاً گنجائش نہیں، بلکہ یہ مُوجبِ فساد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بُخل و شُحِّ نفس اور اِکتناز و سرمایہ داری ایک ہی اصل کی مختلف تعبیریں ہیں، اور یہ قُرآنِ حکیم اور احادیثِ طیبہ کی رُو سے اِنتہائی گھناؤنا اور اِنسانیّت سوز جُرم ہے، جس کی سزا دُنیا میں آتشِ خوف و حُزن اور آخرت میں جہنّم کا عذابِ شکیب رُبا ہے (دیکھیے آلِ عمران ۳: ۱۸۰؛ التوبۃ ۹: ۳۴-۳۵؛ مُحمّد ۴۷: ۳۸؛ الحشر ۵۹: ۹؛ الھُمزۃ ۱۰۴: ۱ تا ۹ اور بمواضعِ کثیرہ، نیز المشکوٰۃ، بابُ الانفاق وکراھِیَۃِ الاِمساک)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بُخل یا سرمایہ داری اِسلام میں حرام اور اِنتہائی گھناؤنا اور اِنسانیّت سوز جُرم ہے تو پھر وہ کون سے عوامل ہیں جو اِسلامی معاشرے میں نظامِ سرمایہ داری کے قیام اور العفو پر مُشتمل نظامِ زکوٰۃ کے زوال کے ذِمّے دار ہیں؟ یہ اِنتہائی اہم اور عبرتناک سوال ہے جس کا صحیح جواب اِسلامی معاشرے میں خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیّت یا بادشاہت کی سبق آموز تاریخ میں ملتا ہے۔

تاریخی عمل شاہد ہے کہ بادشاہت کی اساس سرمایہ داری ہے، اور تختِ شاہی کے وارث فرعون اور اُن کے پُشتیبان ہامان، قارون اور آزر ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے بعد جب اِسلامی معاشرے میں ملوکیّت یا بادشاہت کا ظہور ہوا تو اُس نے اپنی پُشتیبانی و بقاء کے لیے سرمایہ داری اور معاونت و مشاورت کے لیے ہامانیّت و قارونیّت اور آزریّت کے اِدارے قائم کیے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اِس امر کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ جو حکمران احکامِ اِلٰہیہ کے مطابق حکومت کرے وہ خلیفۂ راشد

Marfat.com

ہوتا ہے، لیکن ایسا کرنے کے بجائے جو رعایا پر اپنا حکم چلائے تو وہ "فرعون" ہوتا ہے، یعنی خود مختار و متکبر بادشاہ۔ عیش و عشرت کی دلدادگی، مال و دولت اور جاہ و جلال کی ہوسِ تکاثر ایسے بادشاہ کو نشۂ تغافل میں سرشار کردیتی ہے۔ وہ خُدا آگاہ رہتا ہے نہ خود آگاہ۔ اس کے نتیجے میں وہ رعایا کے حقوق کی پاسداری کرنے اور ان کے درمیان مال و دولت کی تقسیم عادلانہ و منصفانہ کرنے کے بجائے اُن کے حقوق سلب کرنے اور ان کا اِستحصال کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ اِسلامی معاشرے میں ملوکیت یا بادشاہت کا دَور دورہ آیا تو بادشاہوں نے صلوٰۃ کا اِدارہ تو قائم رکھا، لیکن اس کے وظائف اور تقاضوں سے صَرفِ نظر کرلیا۔ یہی سلوک انھوں نے نظامِ زکوٰۃ کے ساتھ کیا۔ وہ صاحبِ نصاب مُسلمانوں سے زکوٰۃ تو وصول کرتے رہے، لیکن اُسے اہلِ اِحتیاج کی کفالت پر خرچ کرنا انھوں نے بتدریج بند کردیا۔ دوسرے انھوں نے مُسلمانوں سے "العفو" لینا بھی چھوڑ دیا، کیونکہ انھیں خود بھی العفو دینا اور ان کے ساتھ اُن کے مُمِدّ و معاون ہامانوں، قارونوں اور آزروں کو بھی اپنی فالتو جاگیروں، اراضی اور مال و دولت سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔ اس کے نتیجے میں دولت مالداروں کے حلقے ہی میں گردش کرنے لگی اور رعایا اپنے بُنیادی حقوق سے محروم ہوگئی۔

اِسلامی معاشرہ اَنفاق بالعفو اور توحیدِ رُبوبیّت کے فیوض و برکات سے محروم ہوا تو معاشی لحاظ سے دو بڑے طبقات میں تقسیم ہوگیا: ایک محرومِ معایش و مفلوک الحال طبقہ اور دوسرا استحصالی و مُرفّہ الحال طبقہ۔ اس کے علاوہ بادشاہوں، اُن کے ہامانوں اور قارونوں نے اپنے مناصب و اِقتدار، جاگیروں، اراضی اور مال و دولت کے تحفّظ کی خاطر آزریّت یا مذہبی پیشوائیّت کا اِدارہ قائم کرکے مُسلمانوں کو متعدّد مذہبی فرقوں میں منقسم اور اُمّتِ مُسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔

بہرحال، اپنے حقِّ معایش سے محروم و مفلوک الحال طبقے نے اپنے حقِّ معلوم کا مطالبہ کیا، لیکن وہ پُورا نہ ہوا تو انھوں نے اس ظُلم کے خلاف حکومت سے اِحتجاج کیا، پھر مظاہرے کیے جنھوں نے بعض مقامات پر بغاوت کی شکل اِختیار کرلی۔ ملوکیّت نے اپنے روایتی جبر و استبداد سے بغاوتوں کو تو فرو کرلیا، لیکن اب بادشاہ یہ مسئلہ حل کرنا چاہتے تھے کہ محروم و مفلوک الحال مُسلمانوں کے جذبات کو کس طرح ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کردیا جائے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں کس طرح اپنے بنیادی حقوق اور خصوصاً حقِّ معایش سے غافل، بلکہ ہمیشہ کے لیے ناآشنا کردیا جائے؟ ایسا کرنے کی ذِمّے داری انھوں نے اپنے سرکاری مذہبی پیشواؤں کو تفویض کردی۔ اُنھوں نے تاویل بالباطل اور تسمیہ بالباطل کے ذریعے اِس مسئلے کا حل تلاش کرلیا، اور وہ تھا: جبر یا تقدیر کا مسئلہ، جسے "جبری تقدیر" کے مسئلے سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اِس عقیدے کی انھوں نے یہ تاویل بالباطل کی کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ رازق و ربُّ العالمین ہے اور اُس نے ہر جاندار کو رزق دینے کی

Marfat.com

ذِمّے داری خود لے رکھی ہے ؛ اور وہ جسے چاہتا ہے کم اور جسے چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے - رزق کی تقسیم جب اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو اہلِ احتیاج کو اس سے رزق مانگنا چاہیے نہ کہ بادشاہوں اور قارونوں سے - یہ تاریخی واقعیت ہے کہ آزری پیشوا ہر زمان و مکان میں اسی دلیلِ باطل سے لوگوں کو دھوکا دیتے رہے ہیں (یٰسین ۳۶ : ۴۷) - اپنے اِس طاغوتی نظریے کی تائید میں انھوں نے اپنی تاویل بالباطل کے ساتھ یہ آیۂ فکر انگیز پیش کی :

★ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھُود ۱۱ : ۶) :

اور اِس کُرۂ ارضی میں کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذِمّے نہ ہو-

اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے اِس حکیمانہ اِرشاد کا مطلب وہ نہیں جو آزری پیشوا کرتے تھے یا اب بھی کرتے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ اُس نے بشمولِ اِنسان اپنی ہر جاندار تخلیق کی غذا و روزی کا بندوبست اس کے مولد و منشا کُرۂ ارضی میں کر دیا ہے - چنانچہ اُس نے اس کی تفسیر خود ہی کر دی ہے :

★ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ؗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (الحجر ۱۵ : ۲۰-۲۱) :

(اے بنی نوعِ اِنسان !) اِس زمین میں ہم نے زندگی کرنے کے لیے روزی و غذا کے وسائل (MEANS OF SUBSISTENCE OR LIVELIHOOD) ودیعت کر دیے ہیں تمھارے لیے بھی اور ان کے لیے بھی جن کے روزی رساں تم نہیں ہو - اور کوئی شے ایسی نہیں جس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم ہر چیز کو ایک مقرّرہ مقدار ہی میں نازل کرتے ہیں-

★ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا ..... رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ..... كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ○ (قٓ ۵۰ : ۷-۱۱) :

اور کُرۂ ارضی کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ قائم کر دیے اور اُس میں ہر قسم (کی چیزوں) کے نظر افروز جوڑے اُگائے - (یہ جمالیاتی - تخلیقی عمل تزویجی) اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہر بندے کے لیے سامانِ بصیرت و یاد دہانی ہے - اور ہم آسمان سے برکت والا (نشوونما دینے والا) پانی برساتے ہیں اور اس سے باغات اور فصلوں کا اناج اور بلند قامت کھجور کے درخت اُگاتے ہیں، جن میں پھلوں کے لدے ہوئے خوشے تہ بہ تہ لگتے ہیں - یہ بندوں کو رزق دینے کا نظام ہے - اس سے ہم مُردہ اراضی کو زندہ کرتے ہیں - اسی طرح (مُردہ اِنسانوں کو قیامت کے روز زمین سے زندہ) نکلنا ہوگا -

Marfat.com

ربِ رحمٰن جس طرح بچّے کی پیدائش سے پہلے ہی اُس کی روزی کا احسن و اکمل اِنتظام اُس کی ماں کی چھاتیوں میں کر دیتا اور اس سے دُودھ چوسنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے (البلد ۹۰ : ۹)، اُسی طرح اُس نے اپنے جمالیاتی ۔تخلیقی شہکاروں کی کفالت یا روزی کا احسن و اکمل نظامِ دائمی ان کے مَولد و منشا کرۂ ارضی میں کر دیا تھا،

★ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ : ۱۰) :

اور اُس نے زمین میں اس کے اُوپر پہاڑ بنا دیے اور اس (زمین) میں برکت رکھ دی (یعنی اس میں حیاتیاتی، نباتاتی اور جماداتی تخلیقات کو پیدا کرنے، ان کو نشو و نما دینے اور ان کی افزائش کرنے کی اِستعداد بدرجۂ اَتم ودیعت کر دی)؛ اور اس میں اس کی معایش کو ان کی ضروریات کے مطابق رکھ دیا؛ یہ سب اُمور چار اَدوار میں سرانجام پائے۔ (زمین کی پیداوار میں) اہلِ احتیاج وطلب کے لیے برابر کا حصّہ یا حقِ معلوم ہے۔

ربِ عالمین و رحمٰن نے اپنے اس حکیمانہ و عادلانہ طریقے سے اپنی کُل جاندار مخلوقات کی کفالت و روزی کا مُستقل بندوبست کر دیا، اور ساتھ ہی ہمیں اِس اصلِ عظیم سے بھی آگاہ کر دیا کہ معایش سمیت کُل ارضی پیداوار میں اہلِ احتیاج وطلب کا برابر کا حِصّہ یا حقِ معلوم ہے؛ لہٰذا اس حق کو دینا اور دلانا، ہر اِنسان خصوصًا اہلِ اِیمان پر فرض ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، ربُّ العٰلمین نے اِنسان کو خلیفہ مقرّر ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ محروم وسائل افراد کو اُن کا حق دلائے (صٓ ۳۸ : ۲۶)۔ اس کا بہترین طریقہ بھی اُس نے بنا دیا ہے اور وہ ہے مُرفّہ الحال لوگوں سے زکوٰۃ اور العفو لینے اور مفلوک الحال بندوں کو دینے کا نظام قائم کرنا، جو اہلِ اِیمان کا شعارِ زندگی ہے (الحج ۲۲ : ۴۱)۔ یہی اِنسان کی خلافتِ ارضی کی غایتِ حقیقی ہے :

★ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرۃ ۲ : ۳۰ بعد) :

اور (یہ واقعیت یاد کرو!) جب تمھارے ربّ نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میں کرۂ ارضی میں خلیفہ مقرّر کرنے والا ہوں۔

اِس آیۂ فکر انگیز سے مترشح ہوتا ہے کہ زمین میں اِنسان کو خلیفہ بنانے کی غایت و ضرورت یہ تھی کہ اس میں آباد غیر مہذّب اور تمدّن نا آشنا بنی نوعِ اِنسان جنگلی روایت کے مطابق زندگی کرتے تھے۔ وہ بےعلم و جاہل تھے۔ قوّت و زور کے بل پر جنگل کے وسائلِ معایش پر قبضہ کر کے دوسروں کو اُن سے محروم رکھنا، اور اس طرح قُدرت کے نظامِ معیشت کو درہم برہم کرنا اور باہمی کُشت و خون کرنا اُن کے معمولاتِ زندگی میں تھا۔ اُنھیں نظم و ضبط، امن و سلامتی، خیر و شر، قانون و مکافاتِ عمل، حیاتِ اُخروی اور یومُ الدّین یا روزِ حساب و جزا کا

Marfat.com

کوئی تصوّر نہ تھا۔ اس صُورتِ حال کی اصلاح کرنے اور انھیں مؤمن و صالح بنانے؛ نیز اُن میں اِنسان کے بنیادی حقوق کا شعور اور دوسروں کے بنیادی حقوق کا پاس و احترام کرنے کی اہمیت کا شعور پیدا کرنے کی خاطر انھیں خلافتِ ارضی دینے کا فیصلہ کیا۔ خلافت کی ذِمّے داریاں زیادہ اور اِنتہائی اہم تھیں، اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے علم و حکمت کا ہونا ناگزیر تھا، لہٰذا ربِّ علیم و حکیم نے اِنسان کو علم و حکمت کی روشنی و توانائی عطا کر دی (البقرۃ ۲: ۳۱)۔ چنانچہ اسی سُورے ہی میں اُس نے علم (کی روشنی و قُوّتِ تسخیر) اور جسم (= بدنی مضبوطی، اِرادے کی پختگی اور عقل کی قُوّت و سلامتی) کو خلافت یا حکمرانی کا معیار قرار دیا ہے (البقرۃ ۲: ۲۴۷)۔

الغرض، ربُّ العٰلمین نے بنی نوعِ اِنسان کے مَولد و منشا ــ زمین میں جو وسائلِ پیداوار ودیعت کر رکھے ہیں تاکہ وہ امن کے ساتھ بے اِحتیاج زندگی کریں، اُن کی مُنصفانہ تقسیم خلافت کا بنیادی فرضِ منصبی ہے؛ اور اپنے اِس فرضِ منصبی سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہونے کے لیے صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المُنکر کے اِدارے قائم کرنا اور انھیں احکامِ اِلٰہیہ کے مطابق چلانا بھی اس پر لازم ہے اور اہلِ اِیمان کا شِعار بھی (الحجّ ۲۲: ۴۱)۔

نظامِ صلوٰۃ کا مُقتضیٰ نظامِ زکوٰۃ ہے، جو دراصل بیت المال (= سرکاری خزانے) پر مشتمل خلافت یا اِسلامی حکومت کا مالیاتی ـ معاشی نظام ہے۔ اس کی آمدن کے تین مُستقل و پائیدار ذرائع ہیں: عُشر، زکوٰۃ اور العفو۔ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ان تینوں کا اِسلامی حکومت کو دینا جہاں ہر صاحبِ نصاب مُسلمان پر فرض ہے، وہاں ان تینوں کا لینا بھی حکومت پر فرض ہے تاکہ وہ اپنی اس آمدن سے اہلِ اِحتیاج کے لیے کفالت کا مُستقل و پائیدار نظام قائم کرے، اور دولت مُرفّہ الحال یا دولت مند لوگوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے (الحشر ۵۹: ۷ بعد)۔

ربِّ علیم و حکیم جانتا تھا کہ دُنیا میں صنعتی و زرعی اور اِقتصادی اِنقلاب آئے گا، اور اس کے مالدار جمالیاتی ـ تخلیقی شہکار کارخانے، کاروباری اِدارے اور تجارتی مراکز (مثلاً پلازے وغیرہ) قائم کریں گے اور ان میں بیسیوں، سینکڑوں اور ہزاروں لوگ کام کریں گے۔ ان کی مشترکہ محنت و مشقّت، ذہنی کاوشوں اور کوششوں سے جو نفع ہوگا، اس کی منصفانہ تقسیم سے متعلق سرمایہ کار سربراہوں یا آجروں اور ملازموں یا اجیروں کے درمیان نزاعی مسئلے کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اُس نے پیداوار یا منافع کی عادلانہ تقسیم کے دو اُصول اپنانے کا حکم دیا ہے:

اُصولِ عدل و اِحسان اور اُصولِ اَنفاق بالعفو

Marfat.com

(۱) اُصولِ عدل و اِحسان ، قُرآنِ حکیم کا ارشاد ہے :

★ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۹۰) :

یاد رکھو ! اللہ تمھیں عدل و اِحسان اور اعزّہ و اقارب کو (اُن کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی و بُخل اور سیئہ و شر اور ظلم سے منع کرتا ہے ۔ تمھیں پند و نصیحت کرتا ہے تاکہ تُم اس امر و نہی کو یاد رکھو!

عدل و اِحسان قُرآنِ حکیم کی دو نہایت اہم مُصطلحات ہیں ۔ عدل کا مطلب ہے کسی کو اس کا حق پورا دینا ، اور اِحسان سے مراد کسی کو اس کے حق سے زائد دینا ہے ۔

دُوسرے مقام پر قُرآنِ حکیم نے اسے اپنے اعجازِ بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے :

★ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۗ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۷۱) :

اور اللہ نے مال و دولت کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے (یعنی بعض کو بعض سے زیادہ مال و دولت دیا ہے) تو جن کو زیادہ مال و منال دیا گیا ہے وہ اُسے اپنے ماتحت کارکنوں ، اجیروں ، ملازموں کو نہیں لوٹاتے کہ مبادا وہ سب بلحاظِ مال و دولت برابر ہو جائیں (حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں) تو کیا یہ مالدار لوگ اس طرح کُفرانِ نعمتِ اِلٰہی کرتے رہیں گے ؟

یہ آیۂ بصیرت افروز توحیدِ ربُوبیّت یا معاشی مساوات کی فرضیّت کی عبرت آموز عملی مثال ہے ۔

اسے باندازِ دیگر ، اس طرح بیان فرمایا ہے :

★ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (آلِ عمران ۳ : ۹۲) :

تُم ہرگز اِحسان و حسنہ کا درجہ پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ تُم وہ خرچ نہ کر ڈالو جس سے تُم محبت کرتے ہو (یعنی مال و دولت وغیرہ کو) ، اور جو چیز بھی تُم (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو ، اللہ اس کا کامل علم رکھنے والا و شاہد ہے ۔

اِس فرمانِ اِلٰہی پر عمل کرنے کی خاطر حسنہ و صالحیّت کی طلب و آرزو رکھنے والوں نے رحمۃٌ للعٰلمین

Marfat.com

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے استفسار کیا کہ انھیں کس قدر مال و دولت (یا منقولہ و غیر منقولہ جائیداد) اللّٰہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ملا ہے؟ اس پر ربُّ العٰلمین نے آپ پر وحی کی کہ

★ قُلِ الْعَفْوَ (البقرۃ ۲: ۲۱۹ بعد): کہہ دیجیے کہ جو اور جتنا حُسنِ ضرورت سے زائد ہو (جیسے منقولہ و غیر منقولہ جائیداد اور مال و دولت جو بانجھ اور ناکارہ ہو)۔

قرآنِ حکیم نے ساتھ ہی ہمیں اِس اصلِ عظیم سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ انفاق بالعفو کے حکم پر عمل صرف اس کے بندگانِ تسلیم و رضا ہی کرتے ہیں، جن کے لیے اُس نے مُصَلّین (نمازیوں) کی تعبیر اختیار کی ہے۔ اِس حکم پر عمل کرنے کے لیے لازم ہے کہ اہلِ آرزو و خشیت پہلے اپنی غیر منقولہ جائیداد سمیت کُل مال و دولت میں دوسروں کا حق تسلیم کریں جو اس سے جُزوی یا کُلّی طور پر محروم ہوں:

★ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ○ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○

(المعارج ۷۰: ۲۱-۲۵):

جب اُسے یعنی اِنسان کو دولت ہاتھ آتی ہے تو وہ بُخل کرنے لگتا ہے (یعنی اللّٰہ کی راہ میں خرچ کرنے سے باز رہتا ہے)، مگر مُصَلّین یا سچے نمازی (بُخل نہیں کرتے)، جو اپنی صلوٰۃ پر علی الدّوام قائم رہتے ہیں، اور جن کے مال و منال میں تسلیم شُدہ حق (RIGHT ACKNOWLEDGED) ہے، اپنے حق کا مطالبہ کرنے والوں اور حق سے محروم مطالبہ نہ کرنے والوں کا (یعنی وہ یہ انسانی حق ان کو دیتے ہیں)۔

نُکتہ: یہاں اِس اہم نُکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اِسلام میں گدائی یا بھیک مانگنے کا کوئی تصوّر نہیں، اس لیے اِسلامی معاشرے میں کوئی گدا نہیں ہوتا، کیونکہ اِس میں کفالتِ اجتماعیہ کا نظام قائم ہوتا ہے۔ اِس بناء پر یہاں سائل کا معنٰی دریوزہ گر، گدا یا بھیک مانگنے والا نہیں، بلکہ اپنے ربِّ رحمٰن کی معایش میں اپنے حصّے کا مطالبہ کرنے والا ہے۔ دُوسرے، سائل اسمِ جنس ہے۔ اس سے مُراد اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے تمام اِنسان ہیں۔

اِن آیاتِ بصیرت افروز میں ربُّ العٰلمین نے ہمیں اس حقیقتِ نفس الامری سے آگاہ کیا ہے کہ اگرچہ ہر دولت مند شخص کے مال و دولت (منقولہ و غیر منقولہ جائیداد) میں ان لوگوں کا جانا اور مانا ہوا حق یا حصّہ ہوتا ہے جو اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں، لیکن اس حقِّ معلوم کو تسلیم اور ادا فقط مُصلّین یا بندگانِ تسلیم و رضا ہی کرتے ہیں؛ نیز جو دولت مند لوگ سائل و محروم کا یہ حقِّ معلوم تسلیم کرتے نہ انھیں

Marfat.com

دیتے ہی ہیں، وہ اس کے بندگانِ تسلیم و رضا یا مُصلّین نہیں ہوتے، چاہے بظاہر وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جو لوگ "العفو" نہیں دیتے یا اس انفاق بالعفو کے حکم کو حکم نہیں مانتے اور اس پر عمل نہیں کرتے، وہ بخیل اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں، جن کو وہ کافر قرار دیتا ہے:

★ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (یٰسٓ ۳۶: ۴۷):

اور جب لوگوں سے کہا جاتا ہے، یعنی انھیں حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ نے جو مال و دولت تمھیں دیا ہے، اُس میں سے (اس کے بندوں کی کفالت کے لیے العفو) خرچ کرو تو کفر کی راہ اختیار کرنے والے اہلِ تسلیم و رضا کو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم اُن کو روزی دیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود روزی دیتا۔ (یہ عقیدہ و کردار رکھنے والو!) تم تو صاف اور قطعی طور پر غلط روش پر ہو۔

تاریخی عمل شاہد ہے کہ اسلامی معاشرے میں جب فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری ادارے قائم ہوگئے تو انھیں اپنے یہ ادارے قائم رکھنے کی خاطر "العفو" دینے کے حکمِ الٰہی کا منکر ہونا پڑا۔ چنانچہ جب ان منکروں یا اصطلاحِ قرآنی میں کافروں سے اہلِ ایمان (یعنی بندگانِ تسلیم و رضا یا مُصلّین) کہتے کہ اہلِ احتیاج و محروم کو ان کا حقِّ معلوم دو، یعنی اُن کی کفالت کا بندوبست کرو، جو خلافت کا بُنیادی وظیفہ ہے تو وُہ وہی جواب دیتے جو کافر دیتے چلے آئے ہیں اور جسے قرآنِ حکیم نے ہمیں مُتنبہ کرنے کی خاطر محوّلۂ بالا آیۂ عبرت انگیز میں نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں، ملوکیّت کے ایماء پر آزری پیشوا اپنے حقِّ معلوم سے محروم و محتاج لوگوں کو مُطمئن اور راضی بہ احتیاج کرنے کی خاطر دلائلِ باطلہ سے انفاق بالعفو کے حکم کو کبھی اختیاری (OPTIONAL) اور کبھی اسے ایتائے زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ثابت کرنے کی کوشش، اور اپنے اس گمراہ کُن موقف کی خوب تشہیر کرتے رہے۔ ساتھ ہی انھوں نے اسے تقدیر کا مسئلہ بنا دیا، جو دراصل جبر یا جبری تقدیر کا غیر قرآنی مسئلہ ہے۔

جبری تقدیر کا مسئلہ ابلیس کی ایجاد ہے۔ اس کا مقصد ربُّ العالمین کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کو توحیدِ ربُوبیّت کی معنویّت و اہمیت سے کم آشنا و غافل رکھنا؛ نظامِ سرمایہ کاری کا گرویدہ بنانا اور ان میں مُشرکانہ عقائد پھیلانا تھا اور ہے۔ چنانچہ قرونِ اُولیٰ کے مُسلمان موحّد و مجاہد، محنت کار و جفاکش، عادل و مُحسن

Marfat.com

اُخوّت و مساواتِ معاشی اور توحیدِ رُبوبیّت کو اصلِ دین و ایمان سمجھتے تھے - علاوہ بریں، وہ یہ حقیقت تسلیم کرتے تھے کہ محنت و مشقت اور اِکتساب کرنا ہر فردِ بشر پر لازم ہے - وہ صاحبِ ارادہ و اختیار ہے اور روزی کی مُنصفانہ تقسیم اور کفالتِ اِجتماعیہ کا نظام قائم کرنا اِسلامی حکومت کی اوّلین ذِمّے داری یا بُنیادی فرضِ منصبی ہے - لیکن بعد میں مُسلمان بادشاہوں اور ان کے مُتوسّلین کی تشہیر بالباطل اور شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے جبری تقدیر کے عقیدے کے قائل ہوگئے - یہ عقیدہ ماننے سے مندرجۂ ذیل باطل و گمراہ کُن نظریات کو تسلیم بالیقین کرنا لازم آتا ہے :

★ ربُّ العالمین نے روزِ ازل ہر مُتنفّس کی قسمت میں جو اور جتنا رزق لکھ دیا ہے، وہ اُسے ہر حال میں اُتنا مل کر رہے گا، چاہے وہ کچھ کرے یا نہ کرے -

★ لہٰذا محروم و اہلِ احتیاج کو اپنی حکومت سے رزق مانگنا (یعنی اپنے حقِّ معلوم کا مطالبہ کرنا) درست نہیں -

★ حکومت کفالتِ اِجتماعیہ کا نظام قائم کرنے کی مُکلّف نہیں - اس کا مطلب یہ ہے کہ اِسلامی حکومت صاحبِ نصاب رعایا سے زکوٰۃ لینے کی تو شرعاً مجاز ہے، لیکن اس رقم کو اہلِ احتیاج و محروم رعایا کی کفالت پر خرچ کرنے کی مُکلّف نہیں -

★ اہلِ فقر و غنا وہ ہیں جو سعی و جُہد کرنے کے بجائے راضی بہ تقدیر رہتے ہیں؛ چاہے وہ اپنے حقِّ معلوم سے محروم ہی کیوں نہ ہوں -

★ اہلِ احتیاج یا محرومِ وسائل لوگوں کے لیے کفالت کا نظام قائم کرنے کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے (حالانکہ ایسا نہ کرنا تکذیبِ دین ہے : الماعون ۱۰۷ : ۱ ابعد) -

★ متوکّل وہ ہے جو محنت و کوشش یا اِکتساب کیے بغیر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور توقّع رکھے کہ اللہ تعالیٰ خود اُسے روزی دیتا رہے گا (اس نظریے کی رُو سے محنت و اِکتساب سے فرار عبارت ہے توکّل سے) -

★ دولت اللہ کی دین ہے، اس لیے آدمی کو رخصت ہے کہ وہ جس قدر چاہے اِسے سیّال یا منجمد شکل میں جمع کر کے رکھ سکتا ہے (اس کا مطلب یہ ہوا کہ مُسلمانوں کو اِکتناز و اِحتکار، بُخل، اِسراف و تبذیر، اور دولت کو مجہول و ناکارہ بنا کر رکھنے کی، نیز انفاق بالعفو کے حُکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کی شرعاً اجازت ہے) -

★ دولت مندوں کے مال و منال ہیں سائل و محروم کا کوئی حق نہیں، لہٰذا حقِّ معلوم ادا کرنے کا

Marfat.com

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ دولت مندوں کو خیرات یا بھیک کے طور پر کچھ نہ کچھ خرچ کرنا چاہیے کہ اس سے ثواب ملتا ہے۔

★ اِنسان اپنی تقدیر کے ہاتھوں مجبورِ محض ہے [اس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ اِنسان جو کچھ کرتا ہے اپنے اِرادہ و اختیار سے نہیں کرتا، لہٰذا اگر وہ جُرم وگُناہ، کُفر و شِرک یا تکذیبِ آیات و دین کرتا ہے تو وہ اس کا ذِمّے دار نہیں ہے، بلکہ (توبہ نعوذ باللّٰہ) اللّٰہ سُبحانہٗ وتعالیٰ پر اس کی ذِمّے داری عائد ہوتی ہے، لہٰذا اِنسان قُدرت کے قانُونِ مکافاتِ عمل کا مستوجب نہیں۔ اس سے یومُ الدّین یعنی روزِ حساب و جزا کی تکذیب بھی لازم آتی ہے۔ غور کریں تو اس سے دین و قُرآن کی تکفیر و تکذیب ہوتی ہے]۔

جبری تقدیر کا عقیدہ چونکہ اِسلامی تعلیمات و معاشرے کو ناقابلِ تلافی نقصان پُہنچا رہا تھا، لہٰذا عُلماءِ حق نے اس کی سخت مخالفت کی اور تردید میں بُہت کچھ لکھا، لیکن ملوکیّت کی قُوّت و سطوت، جبر و اِستبداد اور تشہیر بالباطل کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ چلی؛ حق کو دبا دیا گیا اور باطل فروغ پا گیا۔ اس عقیدۂ جبر کو قبولیتِ عام کی سند دینے والوں میں اہلِ خرقۂ سالوس نمایاں حیثیت رکھتے ہیں؛ مثلاً پیر، فقیر، درویش، ملنگ، سجّادہ نشین اور صوفیہ و مشائخِ سُوء۔ اس کا ایک نہایت مضرّت رساں نتیجہ یہ نکلا کہ مُسلمان اپنا حقِ معلوم لینا اور حکمران اُنھیں ان کا یہ حقِ معایش دینا بُھول گئے اور سب اب تک بُھولے ہوئے ہیں، نیز مُسلم معاشروں میں فرعونی و ہامانی، اور قارونی و آزری اِداروں کی حکمرانی ہے اور اُخوّت و مساوات اور کفالتِ اِجتماعیہ کا فُقدان ہے۔

ربِّ رحمٰن کی رحمتِ بے پایاں سے بعید نہیں کہ وہ اپنے اس تلمیذ القُرآن کے ذریعے اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں میں "العفو" کے فرمان کی غیر معمولی اہمّیت کا شعور بیدار کر دے، اور اس کے نتیجے میں دُنیا میں ایسا حیرت انگیز حسین و مثالی اِنقلاب آ جائے کہ وہ اُخوّت و محبّت، تکریم و مساوات، عدل و اِحسان، طمانیّت و خوشحالی اور امن و سلامتی کی جنّت بن جائے؛ اور شاید علّامہ اقبالؒ کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہو جائے کہ

جو حرفِ "قُلِ العَفْو" میں پوشیدہ ہے اب تک
اِس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار! (ضربِ کلیم، ص ۱۳۸)

Marfat.com

۴ - اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اہلِ آرزو و خشیت کی دیگر صفات یہ بتائی ہیں کہ وہ توحیدِ رُبوبیت کی طرح وحدتِ وحی وتنزیل کو بھی تسلیم بالیقین کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ نہ صرف حُسنِ کلامِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں جو ربُّ العالمین نے اپنے پیغمبرِ اعظم و آخر صلّی اللہُ علیہِ وسلّم پر نازل فرمایا، بلکہ اس کے ہر کلام پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپؐ سے پہلے انبیآء علیہمُ السّلام پر نازل ہوتا رہا، جو دُنیا کے قریہ قریہ اور بستی بستی میں لوگوں کے رُشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے رہے۔ اِس سلسلے میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ افرادِ نسلِ انسانی کے رُشد و ہدایت کے لیے بعثتِ انبیآء اور وحی وتنزیل کا جو سلسلہ پیغمبرِ اوّل حضرت آدم علیہِ السّلام کی بعثت کے ساتھ شروع ہوا تھا، وہ آخری نبی رسول حضرت مُحمّد مُصطفیٰ صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کی بعثت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا؛ اِس سے اِس امر کی توجیہ ہوجاتی ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو "خاتم النّبییّن" کے لقب سے ملقب کیا ہے (الاحزاب ۳۳ : ۴۰)۔

ختمِ نبُوّت کے عقیدے کا ایک مُلحد فرقہ جو دائرۂ اِسلام سے خود ہی نکل جانے کے بعد اپنے آپ کو مُسلمان کہتا ہے، سادہ دل مُسلمانوں کے دلوں میں تشکیک پیدا کرنے اور انھیں اپنی طرح دائرۂ اِسلام سے نکل جانے کی ترغیب دینے کی خاطر اُن سے عموماً یہ سوال کیا کرتا ہے کہ وحی وتنزیل اور نبُوّت کا سلسلہ منقطع کیوں ہوگیا اور کیا اب لوگوں کو اپنے رُشد و ہدایت کے لیے نبیؑ کی حاجت نہیں؟ اس کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ ایسا ربِّ علیم وحکیم کی مشیّت وحکمت سے ہوا، جسے اس کا کوئی بندہ چیلنج کرنے کا مجاز نہیں۔ جہاں تک دوسرے سوال کا تعلّق ہے ربِّ کریم نے اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کے رُشد و ہدایت کا احسن واکمل اور مُستقل وابدی بندوبست کتاب وسُنّۃ کی صورت میں کر دیا ہے؛ اِسی لیے اُس نے نبُوّت اور وحی وتنزیل کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیا۔ "خاتم النّبییّن" کی تاویل بالباطل جو یہ مُلحد وکافر فرقہ کرتا ہے، دراصل اِبلیس کی اِنتہائی گمراہ کُن اِیجاد اور جمالیاتی فریب کاری ہے علاوہ بریں آپؐ کی بعثت کی ایک بنیادی غایت دینِ اِسلام کی تکمیل تھی اور وہ پوری ہوگئی (المآئدۃ ۵ : ۳)؛ نیز قرآنِ مجید خود ہادی و مُرشد، مزکّی ومعلّم اور حکمت سکھانے والا ہے تو اس کے بعد کسی اور نبیؑ کے آنے اور وحی وتنزیل کی حاجت بھی نہیں رہی۔ اس سے اِس امر کی توجیہ ہوجاتی ہے کہ ربِّ رحمٰن نے کیوں بعثتِ انبیآءؑ، نبُوّت اور وحی وتنزیل کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیا۔

زیرِ نظر شیطانی سوال کا جواب ہمیں قُدرت کے قانونِ اِرتقاء[۱۲] کے مطالعہ بالحق سے بھی ملتا ہے۔ سائنس یا علمِ طبیعی نے ثابت کر دیا ہے کہ قُدرت کا قانونِ اِرتقاء نوعیّت میں مفاجاتی تھا اور ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ نباتاتی وحیاتیاتی میں ہر چیز کی تخلیق وتکمیل قُدرت کے قانونِ اِرتقائے مفاجاتی[۱۳] کے مطابق

Marfat.com

ہوئی ہے۔ چنانچہ ہر چیز نے اپنی جمالیاتی۔ افادی تقدیر[۱۳] کے مطابق جس قدر نشوونما پانا اور جیسا مُتشکل و مُصوّر ہونا تھا، وہ ویسی ہوگئی تو اس کا سلسلۂ اِرتقاء دفعتاً منقطع ہوگیا۔ اِس طبیعی۔ مفاجاتی اِرتقاء کی احسن و اکمل اور فکر انگیز و بصیرت افروز مثال خود احسن الخالقین کا آخری جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار —— اِنسان ہے۔ قرآنِ حکیم میں تدبّر بالحق کرنے سے ہمیں اس واقعیت کا سُراغ ملتا ہے کہ اِنسان نے کُرۂ ارضی میں، جو اپنی تخلیق و تکمیل کے دُوسرے مرحلے میں معمورۂ آب تھا، نفسِ واحد سے نشوونما پائی۔ پھر وہ اِرتقائی مراحل طے کرتا رہا، خشکی میں آیا اور وہاں اُس نے اِرتقائی مراحل سے گزر کر بشر کی صورت و قامت اختیار کر لی، اور ساتھ ہی اُس کے حسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام کی تکمیل ہوگئی تو اس کے اِرتقاء کا سلسلہ دفعتاً منقطع ہوگیا، اِس بناء پر کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی سُنّت ناقابلِ تغیّر و تبدّل ہے (فاطر ۳۵: ۴۳)۔ ہم اُس کے قانونِ اِرتقائے مفاجاتی کا اطلاق اُس کی وحی و تنزیل اور نُبوّت و رسالت پر بھی کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب ربّ علیم و حکیم نے دیکھ لیا کہ اُس کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار کے حسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام کا نُور حُسنِ اِرتقاء کرتے کرتے اِس قابل ہوگیا ہے کہ وہ اس کے آخری و محفوظ، احسن و اکمل اور جامع و مانع کلام کو سمجھ سکے اور وہ اس کے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُنّتِ حسنہ کا اِتّباع کر کے حیاتِ طیّبہ بسر کر سکے تو اُس نے وحی و تنزیل اور نُبوّت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیا۔

اِنسان حُسنِ نیّت اور خلوصِ دل کے ساتھ غور و فکر کرے تو اس کا یہ حقیقت تسلیم کرنا یقینی ہے کہ وحدتِ وحی و تنزیل اور نُبوّتِ عالمگیر کا عقیدہ دراصل توحیدِ رُبوبیّت اور اِسلام کے دینِ رحمت و حق ہونے پر دلالت کرتا اور بین الاقوامی مفاہمت و یگانگت، صُلح و آشتی اور امن و سلامتی کا علمبردار ہے اور اس میں مذہبی عصبیّت اور اس کے فساد انگیز و ہلاکت آفریں اثرات کو محو کرنے کی تأثیر پائی جاتی ہے۔

زیرِ نظر آیۂ بصیرت افروز میں اِیمان بالکُتب کے ساتھ اِیقان بالآخرۃ کو بھی تقوٰی کا خاصّہ بتایا گیا ہے۔ اِیمان بالآخرۃ سے سُورۂ فاتحہ میں شرح و بسط سے بحث کی جاچکی ہے، لِہٰذا یہاں بطورِ یاد دہانی دو ایک نکات کی صراحت کر دینے پر اِکتفا کیا جائے گا۔ آخرت، قرآنِ حکیم کی ازبس اہم، بُنیادی اور وسیع المعانی اصطلاح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے متعدد مقامات پر اِیمان کے اجزائے خمسہ میں سے صرف اللہ اور یوم الآخر یا آخرت کا ذکر کیا ہے (البقرۃ ۲: ۸؛ النّسآء ۴: ۳۹، ۵۹ و بمواضعِ کثیرہ)، جس طرح اُس نے اہمیت کے اعتبار سے حواسِ خمسہ میں سے فقط سامعہ و باصرہ کا ذکر کیا ہے (یُونُس ۱۰: ۳۱؛ النّحل ۱۶: ۷۸؛ الاسراء ۱۷: ۳۶)۔

بہرکیف، احسن الخالقین کی ہر تخلیق کی طرح دُنیا کا بھی زوج ہے اور وہ آخرت ہے (البقرۃ ۲: ۸۶؛

Marfat.com

یُونس ۱۰ : ۶۴) اور آخرت کے متعدد معانی ہیں :

★ یَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرۃ ۲ : ۸ ومواضعِ کثیرہ)- ★ یَوْمِ الدِّیْنِ : روزِ حساب وجزا (الفاتحہ ۱ : ۳ ؛ الحجر ۱۵ : ۳۵)- ★ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراھیم ۱۴ : ۴۱)-

★ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (آلِ عمران ۳ : ۱۶۱، ۱۸۵ ومواضعِ کثیرہ)-

★ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ (العنکبوت ۲۹ : ۲۰) یا نَشْاَۃِ ثانیہ یا دوسری زندگی، حیاتِ اُخروی-

اِس نصِّ قُرآنی کی رُو سے تیسری زندگی کا عقیدہ غیر قُرآنی ہے، جس سے تکذیبِ قُرآن و دین لازم آتی ہے۔ مثلاً یہ عقیدہ کہ قبر میں مُردے کو حساب و جزا کے لیے زندہ کیا جاتا ہے؛ یا کسی برگزیدہ ہستی کو زندہ یا حاضر و ناظر ماننا-

★ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (الاعراف ۷ : ۵۹)-

★ دَارَ الْاٰخِرَةَ یا اَلْحَیَوَان (العنکبوت ۲۹ : ۶۴) : اس کے دو جہان ہیں : جنّت جو حُسْنُ مَاٰب یا حُسْنُ الْمَاٰب ہے (آلِ عمران ۳ : ۱۴ ؛ صٓ ۳۸ : ۴۰، ۴۹) ؛ اور جہنّم جو شَرَّ مَاٰب ہے (صٓ ۳۸ : ۵۵)-

دیگر مترادفات کی طویل فہرست سُورۂ فاتحہ کی آیہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تفسیر میں دی جاچکی ہے-

ربِّ عاشق و احسن الخالقین کی حیاتیاتی مخلوقات میں سے صرف اس کے جمالیاتی تخلیقی شہکار —— اِنسان ہی کی آخرت ہے- اس کا مطلب ہے کہ فقط اِنسان ہی مرنے کے بعد قیامت کے روز دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ اہلِ آرزو و خشیّت یا نفوسِ مُطمئنّہ جنّتِ قُرّۃُ العین میں عالمِ کیف و سُرور میں ابدی حیاتِ طیّبہ بسر کریں، جو ان کا حقیقی حُسْنُ الْمَاٰب ہے- اِس حُسن و عشق اور حیات و سرُور کے جہانِ ابدی میں اہلِ آرزو کو اُن کا اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق اپنی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رِضوان کی کیف پرور و نُور افزا رحیقِ مختوم پلائے گا اور ابدالآباد تک پلاتا رہے گا- اس سے مُستنبط ہوا کہ جو لوگ آخرت کے مُنکر ہیں وہ بہائم سے بدتر اور حقیقی معنی میں ظالم و جاہل اور محروم و نامراد ہیں اُن کا ٹھکانا دوزخ یا شَرَّ مَاٰب ہے- اِس بناء پر اگر کہا جائے کہ اِنسان و حیوان میں آخرت ہی مابہِ الاِمتیاز اور وجہِ شرف و فضیلتِ اِنسانی ہے تو مبالغہ نہیں بلکہ اعترافِ حقیقت ہوگا-

آخرت کا یقین نہ ہو تو مقصدِ حیات کے اعتبار سے بالخصوص اِنسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا- حیوانات صرف کھانے پینے اور بچے پیدا کرنے کے لیے زندگی کرتے اور مر جاتے ہیں؛ پھر ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جاتے ہیں- اُنھیں تو نَشْاَۃِ ثانیہ اور جنّت کی اِنتہائی سرُور آگین و ابدی زندگی کا علم و شعور ہوتا

Marfat.com

ہے نہ یقینِ کامل، لیکن اِنسان کے ظلم و جہل کی اِنتہا یہ ہے کہ وہ آخرت کا علم و شعور رکھنے کے باوجود اس کا مُنکر ہو کر حیوانوں کی طرح زندگی کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آخرت کے اِنکار سے قُدرت کے مُکافاتِ عمل اور یومُ الدّین کا اِنکار لازم آتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اِنسان کی طبیعت کا چُھوٹ ہو جانا، اپنی نفسانی خواہشات کا پرستار و پیرو کار، مُجرم و ظالم اور مُفسد و عاقبت نا اندیش بن جانا یقینی ہو جاتا ہے۔ جس کی نظر میں حیاتِ اُخروی اور اس کی ابدیّت، نیز جنّتِ قُرّۃُ العین کی بیکرانی نہ ہو، اُس کے قلب و نظر کی دُنیا تنگ و تاریک ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں، جس کی آخرت نہ ہو اس کا مُستقبل بھی نہیں ہوتا۔

قرآنِ حکیم کے حوالے سے اگر معاشرتی سرطانوں، مثلاً فرعونوں، ہامانوں، قارونوں، آزروں اور دیگر ظالموں، مُجرموں اور مُفسدوں کی نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اِس اصلِ عظیم کا سُراغ ملتا ہے کہ انھیں آخرت کا یقینِ مُحکم نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اِستنباط کر سکتے ہیں کہ اِیمان بالآخرۃ اِنسان کو صاحبدل و صالح، دُور اندیش و مُستقبل بین اور خود آگاہ و محتاط بنانے میں اِنتہائی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

اِسلام دینِ رحمت ہے اور اس کا ایک بُنیادی مقصد اِنسان کو دُوسروں کے لیے رحمت بنانا ہے؛ اِسی لیے ربُّ العٰلمین و رحمٰن نے اپنے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو رحمۃً لِّلعٰلمین بنا کر بھیجا تھا (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۷)؛ اور اِنسان، اِیمان باللہ اور اِیمان بالآخرۃ کے بغیر دُوسروں کے لیے رحمت بن جائے، ممکن نہیں۔

اِس گفتگو سے جہاں اِنسان کی کُل زندگی میں اِیمان بالآخرۃ کی غیر معمولی اہمّیت سے آگہی ہوتی ہے، وہاں اِس اصل کا بھی سُراغ ملتا ہے کہ تقوٰی پیش شرط ہے اِیمان بالآخرۃ کا، جو تقوٰی کا خاصّہ اور مُتّقین کی صفت بھی ہے۔

ان مباحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ اہلِ تقوٰی کا شعارِ زندگی یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ صلوٰۃ اس طرح قائم کرتے ہیں جس طرح قائم کرنے کا حق ہے۔ بالفاظِ دیگر، وہ صلوٰۃ کے تمام فرائض اور تقاضے پُورے کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ وہ بُخل کرتے ہیں نہ اِکتناز، اور نہ جائیدادیں بناتے اور مال و منال جمع کر کے ہی رکھتے ہیں۔ صلوٰۃ کا اہم ترین اور اوّل ترین تقاضا شِرک کی ہر قسم مثلاً اکابر و سادات پرستی سے گریزاں و ترساں رہنا ہے۔ بہر حال، اہلِ آرزو و خشیّت ایک تو موحِّد ہوتے ہیں؛ اور دُوسرے، وہ اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کا قُرب و رِضوان حاصل کرنے کی خاطر اُس کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کی فلاح و بہبود اور ان کی زندگی حسین و طیّب اور خوشحال و بے احتیاج بنانے کے لیے مُسلم حکومت کو عُشر، زکوٰۃ اور العفو اور ان کی مفاجاتی ضروریات و حاجات پُورا کرنے کی خاطر ان کو ماعون اور قرضِ حسنہ دیتے ہیں لیکن عزّت و آبرو کے ساتھ۔

Marfat.com

اہلِ آرزو و خَشیّت ہونے کے باعث وہ اپنے اِلٰہ جمیل و کریم اور ربِّ رحمٰن و عاشق کے حُسنِ کلامِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی اُن کتابوں پر بھی جو اس میں مذکور ہیں۔ علاوہ بریں، وہ یہ حقیقت بھی تسلیم بالیقین کرتے ہیں کہ دُنیا کا بھی، ربُّ العلمین کی دیگر مخلوقات کی طرح، زوج ہے، جسے وہ "آخرت" سے تعبیر کرتے ہیں۔

ربُّ العلمین کی آخری کتاب ۔قُرآنِ کریم کے ساتھ اس کی ماضی میں نازل کردہ کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانے کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے اہلِ ایمان میں وحدتِ دین، وحدتِ نسلِ اِنسانی کے ساتھ اللہ وحدہٗ لاشریک کی توحیدِ اُلوھیت و رُبوبیّت کے شعور کا بھی اِحیا ہو جاتا ہے۔ اس ہمہ گیر و عالمگیر شعورِ حقیقت سے اہلِ ایمان و آرزو کی اپنی ذات میں ہمہ گیر و آفاقیّت پیدا ہو جاتی ہے، اور ان کے قلب میں رحمۃٌ لِّلعٰلمین کا جذبہ و شعور نشو و نما پانے لگتا ہے، جو اِنسان کی تکمیلِ ذات کی پیش شرط ہے۔

یہاں قُرآنِ حکیم کی اِس امتیازی خصوصیّت کی طرف اِشارہ کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بیان و اِرشادات اور احکام و تعلیمات کو دل و جان سے تسلیم کر لینے سے اِس حقیقتِ نفس الامری کو ماننا بھی لازم آتا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالٰی چونکہ ربُّ العالمین ہے اور ہر زمان و مکان کے افرادِ نسلِ اِنسانی اس کے جمالیاتی تخلیقی شہکار ہیں، لِہٰذا جس طرح وہ ان کی جسمانی یا مادّی رُبوبیّت کرتا رہا ہے، اُسی طرح اُن کی معنوی (یا رُوحانی) رُبوبیّت بھی کرتا رہا ہے؛ اور اس مقصد کے لیے وہ اپنے پیغمبروں ؑ کو اپنی کُتُبِ ہدایت دے کر ان کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ اگر تمام اقوامِ عالم یہ حقیقت تسلیم بالیقین کر لیں تو ان میں دینی، مذہبی، نسلی، قومی، قبائلی، علاقائی، لسانی اور جغرافیائی عصبیت کے خاتمے کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا؛ نیز اس کے نتیجے میں متخالف و متحارب اقوامِ عالم کی رزمگاہ دُنیا کے اِتّفاق و اِتّحاد، صُلح و آشتی، عدل و اِحسان، مفاہمت و رواداری، آزادی و تکریمِ اِنسانی اور امن و سلامتی کی جنّت بن جانے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔

اہلِ آرزو و خَشیّت کی یہ صفت بھی ازبس اہم ہے کہ وہ آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایمان بالآخرت لانے سے مُفصّلۂ ذیل حقائق کو تسلیم بالیقین کرنا بھی لازم آتا ہے :

اوّل : اِنسان کے لیے صرف دو زندگیاں ہیں اور دو موتیں۔ ایک زندگی اِس دُنیا کی اور دُوسری زندگی آخرت کی (البقرۃ ۲ : ۲۸ اور الدّخان ۴۴ : ۵۶، الجاثیہ ۴۵ : ۲۶)۔ دو سے زائد زندگیوں کا عقیدہ غیر اِسلامی بھی ہے اور قُرآنِ مجید کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ تناسخ یا آواگون کا عقیدہ کثرتِ

Marfat.com

موت وحیات کا عقیدہ ہے، جو باطل ہے۔ اسی طرح تیسری زندگی کا یہ عقیدہ بھی باطل ہے کہ اِنسان مر کر قبر میں جاتا ہے تو مُنکرا ور نکیر (نکیرین) فرشتے مُردے کو دوبارہ زندہ کرکے اس سے سوال وجواب کرتے ہیں۔ اِسلام یا قُرآنِ مجید کا عقیدۂ موت وحیات یہ ہے کہ اِنسان ایک تو باپ کے صُلب میں حالتِ موت میں ہوتا ہے۔ یہ اس کی پہلی موت ہوتی ہے۔ پھر وہ جب بطنِ مادر سے دُنیا میں آتا ہے تو یہ اس کی پہلی زندگی ہوتی ہے۔ پھر جب اس کا نفس لذّتِ موت سے آشنا ہوتا ہے تو عالَمِ برزخ میں چلا جاتا ہے، اور موت ہمیشہ کے لیے فنا و معدوم ہوجاتی ہے۔ نفس عالَمِ برزخ میں اس طرح زندگی کرتا ہے جس طرح عالَمِ رؤیا یا خواب میں کرتا ہے، دُنیا ومافیہا سے قطعاً بے خبر و لاعلم (الزُّمر ۳۹: ۴۲)۔ پھر جب قیامت برپا ہوگی تو نفسِ اِنسانی کو دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا۔ اس کے لیے قُرآنِ مجید نے "النَّشْاَۃَ الْاٰخِـرَۃَ" کی اِنتہائی بلیغ و بصیرت افروز تعبیر اِختیار کی ہے (العنکبوت ۲۹: ۲۰)، جسے اُردو میں النَّشْاَۃُ الثَّانیہ یا نَشْاَۃِ ثانیہ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے آخری یا دُوسری زندگی۔

دوم: یہ کائنات قدیم (UNCREATED) یا لافانی نہیں، بلکہ مخلوق اور حادث ہے۔ بالفاظِ دیگر، مادّہ نہ تو غیر مخلوق (UNCREATED) ہے اور نہ ازلی و ابدی (ETERNAL) ہے؛ بلکہ فانی ہے۔

سوم: قیامت شُدنی ہے۔ اس روز کُل افرادِ نسلِ اِنسانی کو دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا اور ان کا محاسبہ کیا جائے گا اور کامیاب ہونے والوں کو شان وشوکت کے ساتھ جنّتِ قُرَّۃُ العین میں بھیجا جائے گا، اور ناکام رہنے والے مُجرموں کو چوپایوں کی طرح مُنہ کے بل ہانک کر جہنّم میں لے جایا جائے گا۔

چہارم: ہر اِنسان قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل یا قانونِ مُجازات کا مُستوجب ہے؛ اور ہر عمل کا مآل ہوتا ہے۔

پنجم: قیامت کا روز یومُ الدّین یا روزِ حساب وجزا ہے۔

ششم: آخرت سے مُراد دارالآخرت بھی ہے جو الحَیَوان ہے؛ یعنی وہ موت سے منزّہ جہانِ بیکراں ہے۔ اس کے دو حصّے ہیں: ایک کو جنّت یا بہشت کہتے ہیں، اور دوسرے کو جہنّم، النّار یا دوزخ۔

ہفتم: جنّت میں نفسِ مُطمئنّہ جائے گا، جہاں وہ لذّت وحظ اور کیف وسُرور کے حسین ودلکش عالَمِ بیکراں میں سدا حیاتِ طیّبہ بسر کرے گا۔ اس کے رفیق وہم مشرب انبیآء علیہمُ السّلام، صِدّیقین، شُہدآء

Marfat.com

اور صالحین ہوں گے۔ وہاں اُسے بے قیاس و لامتناہی جمیل و جلیل، دلکش و نظرافروز، لذیذ و حظ انگیز اور کیف پرور و مسرت آگیں نعمتیں میسر ہوں گی لیکن سب سے افضل و اعلیٰ اسے اپنے الٰہِ جمیل و ربِ عاشق کے قُرب و رضوان اور ہم نظری و ہمکلامی کی نعمتِ عُظمیٰ ملے گی، اور وہ اِس رحیقِ مختوم کے شُربِ مدام سے ابدالآباد تک عالمِ سرخوشی میں اس طرح رہے گا کہ اس کا نُور یا جمالیاتی شعور مُسلسل ترقی کرتا رہے گا۔ بالفاظِ دیگر، اس کی ذات کی تکمیل ہوتی رہے گی اور اس کے ترفّعِ درجات کا سلسلہ جاری و ساری رہے گا، جب تک وہ پیکرِ حُسن و عشق اپنی شانِ حُسن و حُسن کاری میں جلوہ پیدا کرتا رہے گا (الرّحمٰن ۵۵ :۲۹) :

یہ ہے ایمان بالآخرت کے فلسفے کا خُلاصہ۔

۵ ۔ مُتقیوں یا اہلِ آرزو و خشیت کی صفاتِ حسنہ کو اپنے ایجاز بلاغت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد قرآنِ حکیم ہمیں اِس حقیقتِ عُظمیٰ سے آگاہ کرتا ہے کہ یہی اہلِ عشق و وفا ہیں جو اپنے ربِ رحمٰن کی رحمت سے اس کی حسین و فطری راہِ راست پر سفرِ زندگی کر رہے ہیں اور یہی آتشِ خوف و حُزن سے نجات اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پانے والے ہیں۔ اس کا ماحصل یہ نکلا کہ

تقویٰ ہی وسیلہ ہے ہدایت و فلاح کا۔

ہدایت اور ہدایت یافتہ لوگوں سے متعلق سُورۃ الفاتحہ کی تفسیر (جلد اوّل) میں اور سُورۂ بقرۃ کی آیت ۲ کی تفسیر میں مفصّل بحث گزر چکی ہے۔ اب فلسفۂ فلاح پر بات کی جاتی ہے۔

فلسفۂ فلاح

فلاح، قرآنِ حکیم کی اساسی اصطلاحات میں سے ہے اور اس کی رُو سے اس کا مطلب ہے :

عذابُ النّار سے نجات اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پانا۔

دُنیا میں کُفر و شرک، ظُلم و فساد اور دیگر گناہوں کی آتشِ خوف و حُزن سے نجات پا کر حیاتِ طیّبہ بسر اور معنوی ترقّی کرنا، اور آخرت میں آتشِ جہنّم سے نجات پا کر اپنے الٰہِ جمیل و جلیل اور ربِ رحمٰن و عاشق کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں ابدالآباد تک عالمِ کیف و سرُور میں زندگی اور معنوی ترقّی کرتے رہنا۔ قرآنِ حکیم چونکہ آپ اپنی احسن و اکمل تفسیر ہے، اُس نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق اپنی اس ازبس اہم اصطلاح کی تفسیر نہایت بلیغ انداز میں کر دی ہے۔ چنانچہ ہم پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ "فلاح پانے والے" کون ہیں اور فلاح نہ پانے والے کون ؟

Marfat.com

فلاح پانے والوں کا بیان

ربِ عاشق کا ارشاد ہے :

★ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ
عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ
غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(المؤمنون ۲۳ : ۱-۱۱) :

۱۔ یقیناً وہ مؤمن (خوف وحُزن کی آگ اور النّار کے عذاب سے نجات پانے اور حیاتِ طیّبہ بسر کرنے میں) کامیاب ہو گئے۔

۲۔ جو اپنی صلوٰۃ میں عجز وفروتنی اختیار کرنے والے ہیں۔

۳۔ اور جو لغویات یا بے ہُودہ ولاحاصل باتوں سے کنارہ کشی کرنے والے ہیں۔

۴۔ اور جو زکوٰۃ دینے اور اہلِ احتیاج کو آبرو مندانہ نظام کے ذریعے دلوانے میں سرگرمِ عمل رہنے والے ہیں۔

۵۔ اور جو اپنے جنسی اعضاء کی پردگی و پاکیزگی کا تحفّظ کرنے والے ہیں۔

۶۔ بجز اپنی بیویوں کے یا اسیرانِ جنگ منکوحہ عورتوں کے جو ان کے زیرِ کفالت ہوں، اُن سے جنسی اختلاط کرنے پر وہ قابلِ ملامت نہ ہوں گے۔

۷۔ لیکن ان کے سوا جو دوسری عورتوں کی طلب وجستجو کریں تو وہ یقیناً اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے (نافرمان) ہیں۔

۸۔ اور جو اپنی امانتوں اور قول وقرار (اور معاہدات وغیرہ) کی پاسداری کرنے والے ہیں۔

۹۔ نیز جو اپنی صَلَوٰت یا نمازوں کے فرائض اور مقتضیات کی حفاظت کرنے، یعنی ان کو پورا کرنے والے ہیں۔

۱۰۔ یہی لوگ جنّت کے وارث ہیں ؛

۱۱۔ جو جنّت الفردوس ورثے میں پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

Marfat.com

یہ صفاتِ عشرہ جنت الفردوس کے وارث سچے مؤمنوں کی ہیں۔ ہمیں اپنا محاسبہ کرکے دیکھنا چاہیے کہ ہم میں یہ صفاتِ حسنہ پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ پھر خود ہی فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم اہلِ جنت ہیں یا اہلِ نار؟ یہی مطلب ہے اِس آیۂ بصیرت افروز کا:

★ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ۙ﴿۱۴﴾ (القیٰمۃ ۷۵: ۱۴):

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اِنسان خود ہی اپنے نفس (کے حُسن و قُبح) کا صیرفی ہے۔

تزکیۂ قلب و نفس، ذکرِ ربِّ عاشق اور عبادتِ اِلٰہی بھی فوز و فلاح کے ذرائع ہیں۔

★ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ۙ وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ؕ (الاعلیٰ ۸۷: ۱۴-۱۵):

یقیناً وہ نجات و مُراد پا گیا، جس نے اپنے قلب کا تزکیہ کر لیا، یعنی اس کی تطہیر و تغذیہ کیا، نتیجۃً اِس سے قوائے مُضمرہ قُوّت سے فعل میں آگئے اور اس کی معنوی ترقّی کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور وہ اپنے ربّ کی صفات کی تصعید اور تشہیر (SUBLIMITY AND PUBLICITY) کرتا، ساتھ ہی اس کے احکام کی اِطاعت کرتا رہا۔

نُکتہ: فلاح، جو دینِ اِسلام اور حیاتِ اِنسانی کی غایت اور مشیّتِ ایزدی ہے، اس کے فلسفے کی ابعاد (DIMENSIONS) کو دو مختصر حسین و بلیغ بولوں میں بیان کر دینا قُرآنِ مجید ہی کا حصّہ ہے اور اِس بناء پر ان کو اس کے اِعجازات میں سے سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔

فلسفۂ فلاح اپنی غیر معمولی اہمیت کی بناء پر رُوحِ دین ہے، لہٰذا قُرآنِ حکیم نے اس کے بیان کے لیے ایک اور مُعجزانہ اُسلوبِ بیان اِختیار کیا ہے، جو فلسفۂ تقویٰ پر حاوی ہے۔ اِرشاد ہوتا ہے:

★ وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا ۪ۙ﴿۷﴾ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا ۪ۙ﴿۸﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا ۪ۙ﴿۹﴾ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ﴿۱۰﴾ؕ (الشمس ۹۱: ۷-۱۰):

اور شاہد ہے نفسِ اِنسانی اور وہ (احسن الخالقین) جس نے اُسے حسین و موزوں بنایا۔ پھر اس میں اُس کے داعیۂ نافرمانی و کجروی اور داعیۂ ہدایت و طاعت کو فطرۃً ودیعت کر دیا۔ یقیناً اس نے نجات و مُراد پائی جس نے اس کی تطہیر کی اور اُسے نشو و نما دی۔ اور (بخلاف اس کے) وہ برباد ہو گیا جس نے نفس کو گُناہوں کے بوجھ تلے دبا دیا (یعنی اُس کا تزکیہ

Marfat.com

کرنے میں کامیاب نہ ہوا) ۔

یہ موقع ان حکمت آموز آیات کی تفسیر کا نہیں، کیونکہ ان کی تفسیر ان کے مقام پر کی جائے گی (انشاء اللہ العزیز)؛ لیکن ان میں جو اِصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، ان میں کلیدِ لُغاتِ قرآن کی مدد سے تفکّر کرنے سے اہلِ آرزو و خشیت پر ایک جہانِ معانی کُھل جاتا ہے؛ اور رُوحِ قرآن اس کے قلبِ حسین پر مشہود ہو جاتی ہے (دیکھیے حُسنِ تفسیر، جلد اوّل، صفحات ۵۹، ۸۳۷، ۸۳۸) ۔

حُسنِ عمل اور اِحسان و حسنہ کی دعوت دینا؛ امر بالمعروف یا حسین و فطری کاموں یا احکامِ الٰہیہ کا حُکم دینا اور نہی عن المنکر، یعنی غیر فطری و قبیح افعال سے روکنا اور ان کا سدِّباب کرنا، فلاح یا نجات و کامرانی کا راستہ ہے؛ لہٰذا یہ اہم فریضہ ادا کرنے کے لیے قوم میں ایک فعّال جماعت کا ہونا ناگزیر ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

★ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آلِ عمران ۳ : ۱۰۴) :

اور تُم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو (لوگوں کو) اِحسان و حسنہ کی دعوت دے اور معروف، یعنی حُسنِ عمل، عدل و اِحسان، محبّت و اُخوّت، تکریمِ اِنسانی اور اِنسانی حقوق کی پاسداری، نیز اِیثار و قُربانی کا حُکم دے (عوام قلم و نُطق سے اور حُکمران، قانون کے بل پر)؛ اور اِسی طرح انھیں مُنکر یعنی شرک (جیسے اکابر و سادات پرستی، روضہ و پیر پرستی اور ہر قسم کی شبیہ و بُت پرستی)، بُخل و اِکتناز، سُود خوری و سُود کاری ایسے تمام اعمالِ سُوء سے منع کرے اور ان کا سدِّباب کرے ۔ بلاشُبہ یہی لوگ بالضّرور نجات پانے، کامیاب ہونے اور ترقّی کرنے والے ہیں ۔

تلامیذ القُرآن کو اِس آیۂ بصیرت میں مُحقّقانہ انداز میں غور کرنا چاہیے کہ دعوت اِلی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المُنکر کی وسیع المعانی اصطلاحات اور اِیجاز بلاغت کے ساتھ اُن کا حُسنِ استعمال اِنشاپردازی کا اعجاز نہیں تو پھر کیا ہے؟ نیز یہ ہے حقیقت میں "تبلیغ" ۔

فلاح کا اُخروی معیار میزانِ حسنہ و سیئۂ[۱۵] ہے ۔ لیکن موت و حیات کی اس مادّی دُنیا میں رہنے والا خُوگرِ محسوس نہیں جانتا اور نہ سمجھ ہی سکتا ہے کہ قیامت کے روز اعمال کے وزن اور المیزان کی ماہیت و حقیقت کیا ہوگی؛ لیکن وزن کا ہونا شُدنی ہے؛ اور اس کے بھاری یا ہلکے ہونے پر افرادِ نسلِ اِنسانی کی نجات و کامیابی (= فلاح) یا ناکامی و بربادی کا دار و مدار ہوگا ۔ محض سمجھنے کی خاطر المیزان کو میزانِ

Marfat.com

حسنہ و سیئہ فرض کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا بھی وزن ہوتا ہے، جیسے کسی کی شخصیت، بات یا شعر میں وزن ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کے وزن اور اس کے میزان کی نوعیت مختلف ہے، اور مادّی یا ٹھوس (CONCRETE) نہیں ہے۔ اِسی طرح حسنات و سیآت کے وزن اور المیزان کی نوعیت موت سے منزّہ عالم میں جو الحیوان ہے، کیا ہوگی؟ قیاس میں نہیں آسکتا۔ لیکن فلاح کا انحصار اس پر ہوگا کہ حسنات، بہ نسبت سیآت کے، وزن میں بھاری ہوں، علیٰ ہٰذا القیاس۔

اس فلسفۂ فلاح کو دو مختصر آیاتِ چشم کُشا میں انتہائی بلیغ انداز میں بیان کر دینا، اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اِس میں تفکّر بالحق کرنا ہر انسان پر اپنی فلاح کے لیے لازم ہے۔ لیکن اس کے لیے اس کا مُتقی یا اہلِ آرزو و خشیت ہونا ناگزیر ہے۔

★ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا يَظْلِمُونَ ○ (الاعراف ۷: ۸-۹):

اس روز (حساب و جزا، حسنات و سیآت کا) وزن ہونا حقیقتِ نفس الامری ہے۔ پھر جن (کی حسنات) کا وزن (بہ نسبت ان کی سیآت کے) بھاری نکلا تو وہ النّار سے نجات پانے اور جنّت میں جانے میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور (بخلاف اس کے)، جن (کی حسنات) کا وزن ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا، بدیں سبب کہ اُنھوں نے ہماری آیات کے ساتھ زیادتی و ناانصافی کی (یعنی ان کو تسلیم بالیقین کیا نہ ان کے مطابق زندگی ہی کی)؛ نیز دیکھیے، المؤمنون ۲۳: ۱۰۱-۱۰۴۔

فلاح کا ایک ذریعہ حقداروں کو ان کا حق دینا ہے

قُرآنِ مجید کی ایک امتیازی خُوبی یہ ہے کہ وہ طرح طرح کے حکیمانہ اسالیب میں انسان میں اِس معاشی اصل الأصول کا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جن کو ربِّ رحمٰن اپنے فضل سے دوسروں کی بہ نسبت وافر مال و دولت دیتا ہے تو اس میں ان لوگوں کا حق یا حصّہ ہوتا ہے جو اس سے محروم رہ جاتے ہیں؛ یا ان کے لیے ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ مالی اعانت کے حاجت مند ہو جائیں۔ ایسے محروم اور اہلِ احتیاج اپنا حق مانگیں یا نہ مانگیں، ان کی مالی اعانت کرنا مالدار لوگوں پر فرض ہے۔

مالی تعاون کے حقدار سب سے پہلے اعزّہ و اقارب ہوتے ہیں؛ پھر وہ لوگ جن کی کمائی یا

Marfat.com

روزگار کا سلسلہ بند ہوجائے ؛ بعدازیں، وہ بے یار و مددگار مُسافر جو روزگار یا تحصیلِ علم وہُنر کی تلاش میں گھر بار چھوڑ کر دیارِ غیر میں ناساز گار حالات کے شکار ہو جائیں اور مالی اعانت کے بغیر ان کا کام نہ چلتا ہو تو ان سب کی مالی امداد کرنا افرادِ معاشرہ پر فرض ہے ؛ اور یہ دُنیوی و اُخروی حسنہ پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ حقیقت یاد رکھنا لازم ہے کہ یہ مالی اعانت ان پر اِحسان نہ ہوگا، بلکہ اُن کے مالیاتی حق کی ادائی ہوگی۔

★ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الرُّوم ۳۰ : ۳۸) :

چنانچہ اپنے رشتہ داروں، اہلِ احتیاج اور دیارِ غیر سے روزی، روزگار یا علم وہُنر کی تحصیل کے لیے آنے والوں کو ان کا حق (یا اپنے مال و منال میں سے ان کا حصّہ) دو۔ یہ اُن کے لیے موجبِ خیر و حسنہ ہے جو اللہ کے اِلتفات کے آرزو مند ہیں ؛ نیز یہی لوگ نجات و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

حُسنِ عمل، حسنہ اور اِحسان کرنے والے فلاح پانے والے ہیں

★ الۗمّۗ ۝ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ۙ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (لُقمٰن ۳۱ : ۱-۵) :

الف۔ لام میم۔ یہ حِکمت سے معمور اور حِکمت آموز کتابِ (الٰہی) کی آیات ہیں۔ اِحسان و حسنہ اور حُسنِ عمل کرنے والوں کے لیے (اللہ کی حسین و فطری راہِ راست پر چلنے اور اُس کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں پہنچنے کا) ہدایت نامہ (BOOK OF INSTRUCTIONS AND GUIDANCE) ہے۔ مُحسن وہ ہیں جو صلوٰۃ (کا نظام) قائم کرتے اور شرعی طریقے سے حُکّام کو زکوٰۃ دیتے ہیں (تاکہ وہ اہلِ احتیاج کو دیں) ؛ نیز وہ آخرت (قیامت نشاۃِ ثانیہ، روزِ حساب و جزا اور جنّت و جہنّم) پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے ہادی و مربّی، مالک و آقا کے فضل سے صِراطِ مُستقیم پر ہیں اور آتشِ خوف و حُزن سے نجات، نیز نشو و نما پانے اور دُنیوی و اُخروی حسنہ حاصل کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

تحقیق کی نظروں سے دیکھیں تو یہ آیاتِ بصیرت افروز اپنی معنویت کی گہرائی و گیرائی اور اُسلوبِ بیان کے اِیجازِ بلاغت کی مظہر ہیں۔ اِس بناء پر یہ تلمیذ القرآن انہیں اِعجازاتِ قرآن میں سے سمجھتا ہے۔

حزبُ اللّٰہ ہی فلاح پانے والی ہے!

ربِّ عاشق نے اپنے حُسنِ کلام آخر میں صاف فرما دیا ہے کہ اللّٰہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔ ساتھ ہی اُس نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق اپنی اصطلاحات حزبُ اللّٰہ اور فلاح کی تفسیر بھی کر دی ہے۔ حزبُ اللّٰہ سے مُراد اللّٰہ کے وہ بندگانِ تسلیم و رضا ہیں جو اللّٰہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے، وہ اللّٰہ اور اُس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی نہیں رکھتے، چاہے وہ اُن کے باپ ہوں یا بیٹے، یا کنبہ اور برادری کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ اللّٰہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کے دل و دماغ میں ایمان کو جاگزیں کر دیا ہے اور اپنی قُوّت سے ان کے قلُوب کو مضبوط کر دیا ہے۔

فلاح کا مطلب ہے، حسین و دلکش بہشت، جن کے نیچے پانی کی نہریں رواں دواں ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ اس طرح زندگی کریں گے کہ اللّٰہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اُن سے خوش ہوگا اور وہ اُس سے خوش ہوں گے۔

آخر میں ہمیں قطعیت سے بتا دیا کہ "اللّٰہ والے ہی فلاح پانے والے ہیں"۔

★ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ..... اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (المُجادلۃ ۵۸ : ۲۲) :

جو لوگ اللّٰہ اور قیامت (اور روزِ حساب و جزا) کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں، تُم ان کو اللّٰہ اور اس کے رسولِ (آخر) کے دُشمنوں کے ساتھ مؤدّت یا دوستی کرتے نہیں دیکھو گے، چاہے وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کی برادری کے لوگ ہوں۔ ایسے لوگوں کے قلوب (دل و ذہن) میں ایمان کو جاگزین کر دیا گیا ہے، اور ان کو اپنے نفسِ قُدسی سے مضبوط کر دیا ہے؛ نیز وہ ان کو بہشتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ زندگی کریں گے۔ اللّٰہ ان سے خوش اور وہ اللّٰہ سے خوش۔ یہی اللّٰہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ یاد رکھو! یقیناً، اللّٰہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

جو نفس کے بُخل و حرص سے محفوظ رہے وہ فلاح پا گئے!

نفس میں بُخل و حرص کا داعیہ پایا جاتا ہے، لیکن جو اپنے ربِّ عاشق ذوالجمیل کے بندگانِ عشق و وفا

Marfat.com

ہوتے ہیں وہ اس کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں سے بھی محبّت کرتے اور اُن کے لیے مال و دولت اور مفادات کی قُربانی کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔یہ ہے جذبۂ رحمۃً لِّلعٰلَمینی، جس کی بدولت وہ نفس کے بُخل اور حرص سے بچ جاتے ہیں۔اس کے نتیجے میں ان کا النّار سے نجات پانا اور دُنیوی و اُخروی حسنہ کا پانا یقینی ہوجاتا ہے۔

فلسفۂ فلاح کا یہ پہلو قُرآنِ مجید کی زبانِ مُعجز میں :

★ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (التغابن ۶۴ : ۱۶ ؛ نیز دیکھیے الحشر ۵۹ : ۹) :

جہاں تک تمھارے بس میں ہے اللہ سے محبّت کرو اور اس کے قانونِ مُجازات سے ڈرتے رہو؛ اور (اس کا کلام) سُنتے اور اطاعت کرتے رہو (اللہ کی راہ میں العفو) خرچ کرتے رہو؛ (یہ سب کچھ) تمھارے لیے مُوجبِ حسنہ ہے۔اور جو اپنے نفس کے بُخل و آز سے محفوظ رہا تو ایسے ہی لوگ النّار سے محفوظ رہنے اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پانے میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

توبہ، ایمان اور عملِ صالح ذریعۂ فلاح ہیں!

★ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ○ (القصص ۲۸ : ۶۷) : لیکن جس نے (سچّی) توبہ کی اور ایمان لایا (جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے) اور حُسنِ عمل کیا تو اس کا فلاح پانے والوں میں ہوجانا متوقع ہے۔

فلاح پانے کے دیگر ذرائع!

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ چُونکہ ہمارا احسن الخالقین اور ہم سے بے قیاس محبّت کرنے والا ہمارا ربِّ رحمٰن و رحیم ہے، اُس نے ہر ذریعۂ فلاح سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ان میں سے بعض سے گفتگو کی جاچکی ہے اور بعض کی اب نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

سُود خوری سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا!

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

Marfat.com

تُفْلِحُوْنَ ○ (آلِ عمران ۳: ۱۳۰):
اے مسلمانو! سُود در سُود نہ کھاؤ اور اللہ کے قُرب و رِضوان کی آرزو کرو اور اس کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرو تاکہ تُم النّار سے نجات اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پاؤ، اور مادّی و معنوی ترقّی کرو!

نُکتہ: ساہوکاری ہو یا بینکاری، سُود ہوتا ہی مرکّب ہے، یعنی سُود در سُود۔ اس حُکم کا اطلاق سُودِ مفرد پر بھی ہوتا ہے۔

صبر، مصابرہ، رابطہ اور تقوائے اِلٰہی!

اِرشاد ہوتا ہے:

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (آلِ عمران ۳: ۲۰۰):
اے اِیمان والو! صبر یعنی اِستقامت و برداشت اور ثابت قدمی و حوصلہ کو اپنا شِعار بناؤ! اور صبر میں مدِمقابل حریفوں پر سبقت لے جاؤ! اور دفاع و محافظت کے کاموں میں مُستعد رہنے کے ساتھ اپنے رفیقوں سے رابطہ اُستوار رکھو! نیز اللہ سے شدید محبّت کرتے اور اس کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو! تاکہ تُم النّار سے نجات اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پاؤ۔

اللہ کا تقویٰ، اس کے تقرّب و رِضوان کے ذریعے کی آرزو و جستجو اور اس کی راہ میں جِدّ و جُہد!

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المآئدۃ ۵: ۳۵):
اے مُسلمانو! اللہ سے محبّت کرتے اور اس کے قانونِ مُجازات سے ڈرتے رہو! اور اس کے قُرب و رِضوان کی طلب و آرزو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جِدّ و جُہد کرتے رہو تاکہ تُم خوف و حُزن سے محفوظ رہو اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پاؤ۔

وسیلہ سے متعلّق مُفسّرین نے بڑی معرکہ آرا بحثیں کی ہیں، جن پر نقد و جرح کرنے کا یہ محل نہیں، لیکن

Marfat.com

یہاں دو آیات نقل کی جاتی ہیں، جن میں وسیلہ کی معنویت معجزانہ طور پر مُضمر ہے:

★ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ (الاسراء ۱۷: ۵۶-۵۷):

ان کو (چیلنج کے طور پر) کہہ دو کہ (اے مُشرکو!) اُن ہستیوں کو جن کو تُم اللہ کے سوا (کارساز و حاجت روا اور مستجیب الدّعوات) سمجھتے ہو، پُکار کر دیکھ لو (کہ وہ تمھاری حاجت پوری یا دُعا قبول کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ) وہ تُم پر پڑی اُفتاد یا مصیبت کو نہ تو دفع کر سکتے اور نہ اُسے بدلنے کی قُدرت ہی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جن ہستیوں کو (اللہ تعالیٰ کے سوا) پکارتے ہیں (اور ان کو تقرّب اِلیٰ اللہ کا وسیلہ سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپنے ربّ کے حضور (اس کے تقرّب کے) ذریعے کی طلب و جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون اللہ کا زیادہ مقرّب بنتا ہے، اور اس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف بھی کھاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ تیرے ربّ کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز۔

ان شرک رُبا آیاتِ جلیلہ سے ان تمام آزری مکاتبِ فکر کی تردید ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو تقرّب اِلیٰ اللہ کا وسیلہ یا ذریعہ مانتے ہیں۔

منشّیات خوری و فروشی، قمار بازی، بُت و آستانہ پرستی اور پانسہ بازی سے گریزاں و ترساں رہنا موجبِ فلاح ہے!

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المآئدۃ ۵: ۹۰):

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! منشّیات خوری اور قمار بازی اور بُت و آستانہ پرستی اور پانسہ بازی (کی قدیم و جدید شکلیں) شیطانی کاموں میں (نہایت) پلید کام ہیں، ان سے بچتے رہو تاکہ تُم فلاح پاؤ۔

تصریحات: خمر کی قُرآنی اِصطلاح منشّیات پر، میسر اور انصاب کی اصطلاحیں، قمار بازی اور بُت پرستی کی جُملہ شکلوں پر اور ازلام کی اصطلاح دورِ جدید کی لاٹری ٹکٹوں، قمار بازی کے کھیلوں سٹّے بازی،

Marfat.com

حصص کاری اور گھڑ دوڑ کی شرائط پر حاوی ہیں۔ علاوہ بریں، شیطانی افعال میں یہ سب مُشرکانہ و مُفسدانہ کام اِنتہائی نجس و قبیح اور قلب و حواس کے حُسن و پاکیزگی کے رہزن ہیں نفس ان کی نجاست کے بارِگراں تلے دب کر برباد ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی نجات ونشو ونما کے لیے ان گندے کاموں سے بچنا ناگزیر ہے۔

خبیث یا غارتگرِ حُسن وطہارت چیزوں سے اِجتناب باعثِ فلاح ہے !

اِرشاد ہوا :

★ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المآئدۃ ۵ : ۱۰۰) :
(اے نبیؐ !) بتا دیجیے کہ خبیث (قبیح وگندی اور رہزنِ حُسن وطہارت چیزیں) اور طیّب (پاکیزہ وحسین اور حُسن وطہارت افزا چیزیں) ہرگز (تاثیر وخواص اور نتائج و عواقب کے لحاظ سے) ایک جیسی نہیں (بلکہ نقیضین) ہیں، چاہے قبیح ونجس چیزوں کی کثرت تمہیں گرویدہ کیوں نہ کرے۔ لہٰذا اے عقلِ سلیم والو! چاہیے کہ تم اللہ کی طلب و جستجو میں رہو اور اس کی دُوری وناراضی اور اس کے قانونِ مکافاتِ عمل سے ڈرتے رہو تاکہ تم خوف وحُزن کی آگ سے بچ کر حیاتِ طیّبہ پاؤ (یعنی فلاح پاؤ)۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، اِنعامات واِحسانات کو جذبۂ تشکّر و اِمتنان کے ساتھ یاد کرنا وسیلۂ فلاح ہے !

★ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف ۷ : ۶۹) :
اللہ کی نعمتوں اور اِنعامات واحسانات کو (جذبۂ تشکّر و اِمتنان کے ساتھ) یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

دُشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنا وسیلۂ فلاح ہے !

چنانچہ اِرشاد ہوا :

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الانفال ۸ : ۴۵) : اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب بھی (دُشمنوں کی)

Marfat.com

کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا یعنی اُس کی صفاتِ حسنہ اور احکام جہاد کا آپس میں تذکرہ کرو تاکہ تُم کامیاب ہو جاؤ۔

رکوع وسجود اور اپنے ربّ کے احکام کی طاعت وبندگی کرنے، نیز لوگوں کے ساتھ اِحسان وحسنہ کرنے سے فلاح نصیب ہوتی ہے!

★ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ السجدۃ (الحج ۲۲ : ۷۷) :

اے مُسلمانو! رکوع وسجود کرتے اور اپنے پرور دگار و مالک کے احکام کی طاعت اور بندگی کرتے رہو، نیز اِحسان وحسنہ کے کام کرو تاکہ تُم خوف وحُزن سے نجات اور دُنیوی و اُخروی حسنہ پاؤ۔

★ عورتوں کا اپنی نظریں نیچے رکھنا، اور اپنے جنسی اعضاء کی حفاظت کرنا، اپنی زیب و زینت کی چیزوں (زیورات وغیرہ) کو ظاہر نہ ہونے دینا، اور اپنے سینوں پر پردہ ڈالنا، اور اس طرح چلنا کہ پازیبوں کی جھنکار دوسروں کو سُنائی نہ دے؛ نیز جُملہ مؤمنوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا، موجب فلاح ہے (تفصیل در النّور ۲۴ : ۳۱)۔

★ صلوٰۃُ الجُمعَۃ ادا کرنے کے بعد (بیکار بیٹھنے کے بجائے) روزی کی طلب وجستجو میں مُنتشر ہو جانا اور (اس کے ساتھ ساتھ) اللہ تعالیٰ (کی صفات) کو کثرت سے یاد کرنا، فلاح پانے کا ذریعہ ہے۔

★ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجُمعۃ ۶۲ : ۱۰) :

پھر جب (جُمعۃُ المبارک کی) صلوٰۃ ادا ہو جائے تو (بیکار بیٹھے نہ رہو، بلکہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کی طلب وجستجو کرو (اور اس کے ساتھ) اللہ (کی صفات) کو بُہت زیادہ یاد کرو، اور اُن کی تشہیر کرو تاکہ تُم دُنیوی واُخروی حسنہ پاؤ۔

اب تصویر کا دُوسرا یعنی تاریک وسبق آموز رُخ بھی دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھیے اور غور کیجیے!

Marfat.com

فلاح نہ پانے والے کون ہیں؟

ظالم فلاح نہیں پائیں گے!

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں صاف الفاظ میں اِس اصلِ عظیم سے مُتنبّہ کر دیا ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے، یعنی وہ نہ تو "النّار" سے نجات اور نہ دُنیوی و اُخروی حسنہ ہی پائیں گے۔ ساتھ ہی اُس نے اپنی سُنّتِ بےنظیر کے مطابق ظالم کی تفسیر بھی کر دی کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف من گھڑت جھوٹی باتیں منسوب کرنا اور اس کی آیات کو جُھٹلانا، ان کا شِعار ہوتا ہے۔ استفہامِ انکاریہ کے انداز میں اِرشاد ہوتا ہے:

★ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۲۱):

اور اُس شخص سے بڑھ کر اور کون ناانصافی و زیادتی کرنے والا ہے (یعنی نہیں ہے)، جو اللہ سے من گھڑت جھوٹی باتیں منسوب کرتا ہے یا اُس کی آیات (= احکام وتعلیمات) کو جُھٹلاتا ہے۔ بلاشُبہ ظالم لوگ نہ "النّار" سے نجات اور نہ دُنیوی و اُخروی حسنہ ہی پائیں گے۔

ظالم — مُجرم و مُشرک ہیں، فلاح نہیں پائیں گے!

اللہ وحدہٗ لاشریک کے نزدیک شِرک ظُلمِ عظیم ہے (لُقمٰن ۳۱: ۱۳)۔ اِس بناء پر اُس نے اپنے حُسنِ کلامِ آخر میں ظالم کے لیے مُجرم اور مُشرک کی تعبیریں اِختیار کی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

★ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (یُونس ۱۰: ۱۷-۱۸):

اور اُس شخص سے بڑھ کر اور کون ناانصافی و زیادتی کرنے والا ہے (یعنی نہیں ہے)، جو اللہ سے من گھڑت جھوٹی باتیں منسوب کرتا ہے یا اس کی آیات (= احکام وتعلیمات) کو جُھٹلاتا ہے۔ بلاشُبہ مُجرم نہ "النّار" سے نجات اور نہ دُنیوی و اُخروی حسنہ ہی پائیں گے۔

Marfat.com

اور یہ (مُجرم و ظالم) لوگ اللہ کے سوا اُن کی عبادت (پرستش و بندگی) کرتے ہیں، جو ان کو نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نفع۔ اور (عقیدۃً) کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں۔ ان سے پُوچھو: کیا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جو نہ آسمانوں میں اس کے علم میں ہے اور نہ زمین میں؟ یہ جو شرک کرتے ہیں اللہ اُس سے منزّہ و پاک اور بالا و برتر ہے۔

سحر یا جادو جھوٹ ہے اور جادوگر جھوٹے اور فلاح پانے والے نہیں ہیں!

یہ کہاوت جتنی مشہور ہے اُتنی جھوٹی بھی ہے کہ "جادو برحق ہے"۔ قُرآنِ مجید کی رُو سے جادو باطل اور جھوٹ ہے اور ساحر یا جادوگر بھی جھوٹے شعبدہ باز ہیں، اس لیے بے نیلِ مرام رہیں گے۔ یہ حقیقت قُرآنِ حکیم کے اعجازِ بیان میں:

★ قَالَ مُوسَىٰٓ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ ٱلسَّٰحِرُونَ ○
(یُونس ۱۰: ۷۷؛ نیز دیکھیے طٰہٰ ۲۰: ۶۹ بعد)۔
(حضرت) مُوسیٰؑ نے (اِستفہامیہ انداز میں) کہا: کیا تم حق سے متعلق جب تمہارے پاس آگیا، یہ کہتے ہو کہ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کبھی نجات و کامیابی پانے والے نہیں۔

جنسی جُرم و گُناہ کرنے والے ظالم ہیں اور فلاح پانے والے نہیں!

تاریخِ اُمم اور خصوصاً قُرآنِ حکیم کے تلامیذ اِس عبرتناک واقعیت سے آگاہ ہیں کہ جنسی جُرم و گُناہ کے نتائج و عواقب اِنتہائی سنگین و عبرتناک ہوتے ہیں؛ اور اِس ظُلم و جُرم کی پاداش میں متعدّد اقوامِ عالم مرگِ مفاجات کا شکار ہو کر بے نام و نشان ہوگئیں۔ مغربی اقوام کا بالخصوص یہی حشر ہونے والا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ جنسی بدفعلی کی قبیح سے قبیح صورت کو بھی جُرم و گُناہ نہیں سمجھتیں۔ اس کے نتیجے میں وہ قردیّت سرشت ہو کر شرم و حیا کی تمام حدود پھلانگ چکی ہیں۔ قُدرت کے قانونِ مُجازات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ اپنے کیے کی سزا پانے کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت آفرین ایٹمی بم اور نیوکلیائی ہتھیار بنائے جا رہے ہیں؛ نیز ایڈز کی بیماری مرگِ انبوہ کی صورت اِختیار کرنے والی ہے۔

موقع کا تقاضا ہے کہ یہاں اِس اصل کی صراحت کر دی جائے کہ جُرم و ظُلم یا گُناہ کی بھی صورت ہوتی ہے، جو مکروہ اور بھیانک ہوتی ہے؛ نیز گُناہ جتنا بڑا اور سنگین ہوگا، اس کی شکل اُتنی ہی زیادہ بھیانک

Marfat.com

اور دہشتناک ہوگی۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ گُناہ کی اصل بھیانک اور دہشتناک صورت صرف مطہّر و معصوم قلب ونظر پر ہی اپنا جلوہ پیدا کرتی ہے، سیاہ وناپاک قلب ونظر پر نہیں۔ گُناہ کا خاصہ ہے کہ وہ گنا ہگار یا مائل بہ گناہ صنفِ جمیلہ ہو یا صنفِ جلیلہ سب کو خوفناک اور بھیانک ڈائین یا چھلاوہ بنا کر مطہّر و معصوم قلب ونظر کو دکھاتا ہے۔

حضرت یُوسف علیہ السّلام کے مطہّر و معصوم قلب ونظر کو عزیزِ مصر کی حسین و نوخیز مائل بہ گناہ بیوی انتہائی خوفناک بلا بن کر دکھائی دی تھی اور انھوں نے جنسی گُناہ سے پناہ مانگی تھی اور اُسے صاف بتا دیا تھا کہ جنسی گُناہ کرنے والے ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے، لہٰذا باز آجاؤ۔ لیکن اس پر جنسی بھوت سوار تھا، وہ نہ مانی اور حضرت یُوسف علیہ السّلام کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے آگے بڑھی تو وہ اِس بھیانک ڈائین سے دہشت زدہ ہو کر بھاگ اُٹھے۔

اِس تاریخی واقعیت میں اہلِ عقلِ سلیم اور اہلِ آرزو و خشیت کے لیے یہ عبرتناک حقیقت مُضمر ہے کہ جنسی گُناہ کو بالخصوص شیطان کتنا ہی خوشنما و دلکش بنا کر دکھائے وہ اصل میں ہوتا ہی قبیح ہے اور صنفِ جمیلہ کو ظالم ڈائین اور مرد کو ظالم رہزنِ دولتِ جنس بنا دیتا ہے، نتیجۃً وہ اہلِ نار اور بے نیلِ مرام ہو جاتے ہیں:

★ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(یُوسف ۱۲ : ۲۳ و بعد) :

اور جس عورت (عزیزِ مصر کی بیوی) کے گھر میں حضرت یُوسف علیہ السّلام رہتے تھے، اُس نے ان پر ڈورے ڈالنا شروع کر دیے تاکہ وہ بیتاب ہو کر اس کی طرف ملتفت ہو جائیں۔ (چنانچہ اس خاطر اُس نے منصوبے کے مطابق ان کو بُلایا اور شبستان کے) تمام دروازے بند کر دیے؛ پھر ان سے کہا: "آؤ کہ میں تیرے لیے تیار ہوں"۔ حضرت یُوسفؑ (نے اپنے آپ کو اس صورتِ حال میں پایا تو بیساختہ) بول اُٹھے: اللہ اپنی پناہ میں رکھے؛ وہ تو میرا خالق و پروردگار ہے جس نے مجھے حُسنِ مقام عطا کیا ہے۔ یقیناً اللہ ظالم یعنی جنسی گُناہ کرنے والوں کو نہ النّار سے نجات اور نہ دُنیوی و اُخروی حسنہ ہی دیتا ہے۔

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارنے والے کافر ہیں اور فلاح نہیں پائیں گے!

★ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المؤمنون ۲۳ : ۱۱۷) : اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور

Marfat.com

(خود ساختہ) معبود کو پکارتا ہے تو ایسا کرنے کی اُس کے پاس کوئی دلیل (اِلٰہی) نہیں ہوتی۔ بلاشبہ ایسے کافر نہ النّار سے نجات اور نہ دُنیوی و اُخروی حسنہ ہی پائیں گے۔

اِنتباہ: یہ آیۂ ایمان افروز و توحید آموز اُن "مُسلمانوں" کے لیے بالخصوص تازیانۂ عبرت ہے جو اپنے نبی علیہ السّلام، بزرگوں، اِماموں، سادات و اکابر، پیروں، شہیدوں اور دیگر خود ساختہ معبودوں کو پُکارتے؛ اور اُن سے ملازمت، روزی، رزق کی فراوانی، ترقّی، صحّت یابی، کامیابی، امداد، نیز مراد برآری، مُشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے دُعائیں مانگتے ہیں؛ اور ایسا علی الاعلان کرتے ہیں۔ اُن کے ظلم و جہل کا یہ عالم ہے کہ ایسے مُشرکانہ و کافرانہ افعال کرنے والے اپنے آپ کو مُشرک سمجھنے کے بجائے، زاہد و صوفی اور فقیر و مُتقی خیال کرتے اور کہلواتے، نیز اتراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شِرک ناقابلِ علاج سرطانی مرض اور ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے؛ نیز ایسے مُشرکوں اور کافروں پر جنّت حرام ہے اور وہ نہ النّار سے نجات اور نہ دُنیوی و اُخروی حسنہ ہی پائیں گے۔

ہر دَور کے قارون کافر ہیں؛ فلاح نہیں پائیں گے!

قارون کو توراۃ میں قُورح کے نام سے موسوم کیا گیا ہے (العدد، باب ۱۶) - وہ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کا قریبی رشتے دار تھا، لیکن دولت و اقتدار، نام و نمود اور تکاثُر کی ہوس نے اُسے ضمیر فروش، قوم فروش، دین فروش اور بخیل بنا دیا تھا؛ فرعون کا وزیرِ مالیات، معتمد و معاون اور کاسہ لیس تھا۔ اُس نے فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام اور توراۃ اور آیات یا مُعجزات کی تکذیب کی۔ وہ فرعون کی طرح سرکش، مُتکبّر، ظالم اور تفاخُر پسند تھا؛ اور اسے خوش رکھنے اور مراعات حاصل کرنے کی خاطر اپنی قوم بنی اسرائیل پر بھاری بھاری ٹیکس لگاتا اور نت نئے مظالم توڑتا رہتا تھا۔ اُس کا اِمتحان لینے کی خاطر ربِّ رحمٰن نے اس کو بے شمار مال و دولت دیا تھا۔ لیکن وہ جتنا زیادہ مالدار تھا اُتنا بخیل بھی تھا۔ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کہا جاتا تو اس کا جواب ہوتا: "یہ دولت میں نے اپنے علم، یعنی عقل و دانش کے ذریعے حاصل کی ہے، اس لیے اس کا مالک میں ہوں، ربِّ رحمٰن نہیں؛ اور اس میں تصرّف کرنے کا مجھے حق ہے"۔ اِس بناء پر اللہ جَلّ شانُہٗ نے قارون کو مُفسد اور کافر قرار دیا ہے؛ نیز اپنے ہر زمان و مکان کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کی عبرت و موعظت کے لیے اُسے خزانوں سمیت اس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا؛ اور اس اصلِ عظیم سے آگاہ کر دیا کہ "قارون سرشت" چاہے کسی دین و ملّت سے تعلق رکھتے ہوں، کبھی "فلاح"، یعنی النّار سے نجات اور دُنیوی و اُخروی حسنہ نہیں پا سکتے (القصص ۲۸: ۷۶-۸۲ ببعد)۔

Marfat.com

الفاظ و اصطلاحات کی تحقیق و تشریح

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قرآن

ا م ن (امن)

اَلْاِیْمَانُ: اس کے مادّے کی بنیادی اہمیت کی بناء پر پہلے اس کی معنویت کی تشریح کی جاتی ہے:

اَمِنَ (مضارع ہے اور اس کے متعدد مصادر ہیں: اَمْنٌ اور اِمْنٌ اور اَمَنٌ اور اَمَنَةٌ، اور اِمْنَةٌ، اور اَمَانٌ اور اَمِنٌ) = وہ امن کی حالت میں یا محفوظ تھا، یا ہوگیا، یا اُس نے ایسا محسوس کیا۔ اس کے اصل یا بنیادی معنی ہیں: وہ پُرسکون ہوگیا، یا اس کا قلب مُطمئن ہوگیا یا اُسے قرار آگیا (الازہری: تہذیب، مصباح، قاموس، صحاح وغیرھم): انگریزی میں:

He was, or became, or felt, secure, safe, or in a state of security, or safety; originally, he was, or became, quiet, or tranquil, in heart or mind; he was, or became, secure, or free from fear.

اَمْنٌ دال ہے اس کے نقیض (contrary) خَوْفٌ پر۔ اس کے بنیادی معنی ہیں: اُس کے دل کو قرار آگیا، اور اُس نے خوف سے نجات پائی (المُنَادِی، تاج)۔

اَمِنَ الْبَلَدُ کے معنی ہیں: بستی، قریے یا قصبے کے باشندے اس میں امن و سلامتی کی حالت میں تھے (مصباح) The inhabitants of the country, or district, or town, were in a state of security, or confidence therein.

اَمُنَ یا اَمِنَ (مصدر اَمَانَةٌ): وہ آدمی مُعتمد، مُعتبر، امین یا وفادار سمجھا جانے لگا (مُحکم، قاموس، مُغرب): He was or became, trusted in, or confided in, or he was, or became: trusty, trustworthy, trustful, confidential, or faithful.

ایک روایت میں مؤذّن کو مُؤْتَمَنٌ کہا گیا ہے، کیونکہ لوگ اُس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ مقررّہ اوقاتِ صلوٰۃ پر اذان دیتا ہے۔

اَمَّنَ (مصدر تَأْمِیْنٌ): اُس نے آمِیْنَ یا اَمِیْنَ کہی، سُورۃُ الفاتحہ کے اختتام پر یا دُعا مانگنے پر (تہذیب، صحاح، لسان، مصباح)۔

اِیْمَانٌ کے یہ بھی معنی ہیں: کسی چیز کو تسلیم بالیقین کرنا، خصوصاً اللہ تعالیٰ کو، نیز اس کے احکام و

Marfat.com

تعلیمات اور عقائدِ محرّکہ و جلیلہ کو۔ مترادف تَصْدِیْقٌ (محولہ مآخذ)۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کے معنی ہیں: میں نے اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا یا اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا (مصباح)۔

اَمْنٌ (یہ اَمِنَ کا مصدر ہے): اس کے معنی ہیں: امان، تحفُّظ، یا ڈر سے خلاصی، خوف کی ضد (صحاح، قاموس، محکم)۔ Security, or safety.

اَمَانَۃٌ مترادف ہے اَمَانٌ کا؛ دونوں کے معانی ہیں: حفاظت، مصئونیّت اور خوف سے نجات۔

اَمْنٌ کے معانی ہیں: آنے والے وقت میں کسی شر یا قابلِ نفرین اور ناپسندیدہ چیز کے اندیشے سے مخلصی یا مصئونیّت: اس کے بنیادی معانی ہیں: طمانیّتِ قلب اور بے خوفی (المُناوی، تاج)۔

اَمَانٌ کے یہ بھی معانی ہیں: حمایت، پناہ، نگہداری، تحفّظ یا پُشت پناہی (صحاح)۔

Protection, or safeguard.

اَمِیْنٌ: مُعتمد، مُعتبر، مُعتمد الیہ (تہذیب، صحاح، مصباح، قاموس)۔

Trusted, Trusted in; confided in.

مُؤْمِنٌ کے معنی ہیں: امن کی ضمانت (guaranty) دینے والا؛ جس پر اعتماد کر کے آدمی بے فکر اور خوف و خطر سے محفوظ ہو جائے۔ امنِ عالم کا ضامن (مصباح، قاموس، تاج)۔

اَمَانَۃٌ: وہ چیز جو کسی پر اعتماد کر کے رکھی جائے، واپس لینے کے لیے (مذکورہ مآخذ)۔

اَمْنٌ کے اصل معنی نفس کے مُطمئن ہونے اور خوف کے جاتے رہنے کے ہیں (المفردات)۔

ابنِ فارس کے نزدیک اَمْنٌ کی ضد خیانت ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: اِطمینانِ قلب اور تصدیق کرنا (المجمل)۔

اَمَنَ: کسی کو بے فکر اور مُطمئن کر دینا؛ دوسرے کو امن دے دینا؛ اس کی حفاظت کی ذمّے داری اپنے سر لے لینا۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں کہ یَأْمَنُ عَلٰی نَفْسِہٖ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ محفوظ ہے اور اپنے بارے میں بے خوف ہے (تاج العروس)۔

أَمَنَہٗ کا نقیض أَخَافَہٗ ہے۔ اٰمَنْتُہٗ مِنْہُ کے معنی ہیں: میں نے اُسے فلاں سے محفوظ یا مصئون کر دیا (صحاح، المصباح، تاج العروس، المحکم)۔

اَمْنٌ، اَمَانَۃٌ اور اَمَانٌ۔ یہ سب اصل میں مصدر ہیں۔ اَمَان کے معنی کبھی حالتِ امن کے

Marfat.com

آتے ہیں اور کبھی اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت کے رکھی جائے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال ۸: ۲۷):

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جانتے بوجھتے ہوئے تم نہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی (امانت میں) خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں ہی میں خیانت کرو۔

وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آلِ عمران ۳: ۹۷):

اور جو شخص اُس (بیت اللہ) میں داخل ہوگیا، اُس نے امن پالیا (یعنی مامون و مصئون ہوگیا)۔

مَاْمَن ظرفِ مکان ہے جس کے معنی ہیں: "جائے امن"۔ اور

اٰمَنَ (افعال) دو طرح سے اِستعمال ہوتا ہے: (ا) متعدی بنفسہٖ، جیسے اٰمَنْتُهٗ: میں نے اُسے امن دیا یا اُسے میں نے اپنی امان میں لے لیا، اور اسی معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام مُؤْمِنٌ ہے۔

(ب) لازم، جس کے معنی پُرامن ہونے کے ہیں (المفردات)۔

مُؤْمِنٌ، عرب کے بدویوں کے نزدیک وہ شخص ہے جو امن کی ضمانت دینے والا ہو، یا جس پر اعتماد کرکے آدمی بے فکر اور محفوظ ہو جائے۔ اس کے معنی امنِ عالم کی ضمانت دینے والے کے بھی ہیں (تاج العروس)۔

اٰمَنَ کا صلہ لام ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے بات ماننا۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ .... (البقرۃ ۲: ۵۵):

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا: اے مُوسیٰؑ! ہم تیری بات نہیں مانیں گے۔ اس میں اعتبار، اعتماد، ایقان اور اطاعت کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جب اس کا صلہ ب ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں: كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ .... (البقرۃ ۲: ۲۸۵): تمام اللہ پر ایمان لائے۔

اِیمان قرآنِ حکیم کی کثیر المعانی اِصطلاح ہے۔ چنانچہ ایمان لانے میں یہ تمام معانی پائے جاتے ہیں: ماننا، یقین کرنا، تصدیق کرنا، اس کے سچے ہونے کا اِقرار کرنا، یعنی تکذیب نہ کرنا، اِعتماد کرنا، تسلیم بالیقین کرنا، اِطمینانِ قلب کے ساتھ یقین و تسلیم کرنا۔

قرآنِ حکیم کی رُو سے ایمان کا مطلب ایمان باللہ۔ ایمان بالآخرۃ۔ ایمان بالملائکۃ۔ ایمان بالکتب

Marfat.com

اور ایمان بالرُّسُل یا ایمان بالنبیّین ہے :

★ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ (البقرۃ ۲ : ۱۷۷) :

لیکن حُسنِ عمل یہ ہے کہ اِنسان اللہ کو، یومِ آخر کو، فرشتوں کو، اللہ کی کتاب اور نبیوںؑ کو تسلیم بالیقین کرے۔

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ○ (النّسآء ۴ : ۱۳۶) :

اے لوگو جو اِیمان لائے ہو (سچے دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ) اِیمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسولؐ (آخر) پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ اور جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوںؑ اور روزِ آخرت کو تسلیم بالیقین کرنے سے انکار کیا وہ صراطِ مُستقیم سے بھٹک کر گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔

قرآنِ مجید کی رُو سے مؤمن وہ شخص ہے جو مذکورۂ بالا اِیمانِ خمسہ رکھتا ہو۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار، کُفر ہے؛ اور اس سے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

انکار تو تکذیبِ دین اور کُفر ہے اور اس گُناہِ کبیرہ کی پاداش میں وہ گمراہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہو جاتا ہے۔

غ ی ب (غیب)

غاب (مضارع يَغِيْبُ اور مصدر غَيْبَةٌ اور غَيْبٌ، اور غِيَابٌ یا غِيَابٌ اور غُيُوْبٌ اور غُيُوْبَةٌ اور غَيْبُوْبَةٌ) ۔ وہ (آدمی یا چیز) غیر حاضر تھا یا ہوگیا (صحاح، عُباب، مِصباح، قاموس، مُعرب، تاج، لِسان) - He, or it, was, or became, absent.

غاب ضد ہے حَضَرَ کی؛ یا وہ دُور فاصلے پر تھا (distant)، یا پوشیدہ، پنہاں، یا غیر مرئی تھا۔

اَوْ حَشَتْنِىْ غَيْبَةُ فُلَانٍ : فُلاں کی غیر حاضری نے مُجھ میں احساسِ تنہائی پیدا کر دیا (اساس)۔

بَنُوْ فُلَانٍ يَشْهَدُوْنَ اَحْيَانًا وَّيَتَغَايَبُوْنَ اَحْيَانًا : فُلاں کے بیٹے گاہے تو اُس کے پاس

Marfat.com

موجود ہوتے ہیں اور گاہے غیر حاضر (ابن سکیت، صحاح، تاج) - The sons of such a one are present sometimes and are absent (یَغِیْبُوْنَ) sometimes.

مُغَايَبَةٌ کے معنی ہیں: ایک کا دوسرے سے فراق و دُوری کی حالت (مذکورہ مآخذ) -
اَلْغَيْبُ، غَابَتِ الشَّمْسُ وَغَيْرُهَا کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کا نگاہوں سے اُوجھل ہو جانا (المفردات) - عرب کہتے ہیں غَابَ عَنْهُ (مصدر غَيْبَةٌ) وہ شخص یا چیز اُس سے غیر حاضر، بعید یا دُور فاصلے پر تھی (صحاح، تاج العروس، اَلْمُعْرَب) یا اس سے پوشیدہ یا مخفی تھی (اَلْمُعْرَب) -

غَائِبٌ (اسم فاعل) کے معانی ہیں: غیر حاضر، نامشہود، غیر مرئی، پوشیدہ یا ہدف سے مخفی، یا حسی مشاہدے یا ذہنی اِدراک کی پہنچ سے دُور - جمع (صرف اِنسانوں کے لیے) غُيَّابٌ اور غَائِبُوْنَ، نیز غَائِبِيْنَ (قاموس، المغرب) - غَابَةٌ ایسی نشیبی جگہ کو کہتے ہیں جس سے پہلے اونچی جگہ آجائے اور وہ نظروں سے اُوجھل ہو جائے (تاج العروس، محیط، المفردات) - غَيِّبَاتُ الشَّجَرِ، درختوں کی اُن جڑوں کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوں اور دکھائی نہ دیں (تاج العروس) -

قرآنِ حکیم میں ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (الحشر ۵۹: ۲۲؛ اللہ غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے) - غیب کو شہادۃ کے نقیض و ضد کے طور پر اِستعمال کیا گیا ہے، جس سے اس کے معانی واضح ہو گئے ہیں کہ جُملہ مخفی و پوشیدہ اور غیر محسوس و غیر مرئی اشیاء یا باطنی و نامشہود حقائق نیز طبیعی و مابعدالطبیعی غیر مرئی و مخفی اشیاء پر بھی غائب کا اطلاق ہوتا ہے -

یہاں اِس نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ کسی شے کو غَيْبٌ یا غَائِبٌ بنی نوعِ اِنسان کے لحاظ سے کہا جاتا ہے نہ کہ ربِّ علیم و خبیر کے اعتبار سے - دلیل یہ ہے کہ کائنات کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہو یا بڑی سے بڑی، اُس سے مخفی یا پوشیدہ نہیں:

★ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا ۳۴: ۳):

رب تو عالم الغیب ہے - اُس سے ذرّہ برابر کوئی شے نہ آسمانوں میں پوشیدہ ہے نہ زمین میں؛ نہ ذرّے سے بھی چھوٹی اور نہ اُس سے بڑی - سب کچھ (قُدرت کے) صاف صاف بتادینے والے دفتر (ریکارڈ) میں ہے -

نُکتہ: اِس آیۂ حقیقت افروز سے یُونانی فلاسفہ، مثلاً ارسطو کے اِس نظریے کی تردید و

Marfat.com

تکذیب ہو جاتی ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ صرف کُلّیات (UNIVERSALS) کو جانتا ہے جُزئیات کو نہیں۔ مثال کے طور پر، وہ ہر مخلوق کی نوع (SPECIES) کا علم رکھتا ہے، مگر افراد (INDIVIDUALS) کا نہیں۔

الغرض، ائمۂ لُغت کے نزدیک غَائِبٌ کے معانی ہیں: غیر حاضر، گم، پوشیدہ، مخفی، غیر مرئی، حسّی مشاہدے یا مُدرکہ کی رسائی سے دُور۔ اس کی جمع (صرف اِنسانوں کے لیے) غُیَّابٌ اور غَائِبُوْنَ آتی ہے؛ نیز غَائِبِیْنَ بھی ہے (قاموس، صحاح، المُغرب، المفردات)۔

★ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرۃ ۲ : ۳؛ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں)، کے معانی اِمام راغب اصفہانیؒ نے یہ لکھے ہیں: اَلْغَیْبُ سے وہ تمام اشیاء اور حقائق مراد ہیں جو اِنسانی حواس سے ماوراء ہیں اور عقل ان کو معلوم نہیں کر سکتی، بلکہ انبیاء علیہم السّلام کے خبر دینے ہی سے ان کا علم ہوتا ہے، اور اُنھیں نہ ماننے سے اِنسان مُلحِد ہو جاتا ہے (المفردات)۔

اَلْغِیْبَۃُ کے معنی ہیں: کسی شخص کی عدم موجودگی میں یا پیٹھ پیچھے اس کے عیب بیان کرنا، جو اس میں ہوں، لیکن اس کا ذکر کرنا اُسے سخت ناگوار ہو۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

★ وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا (الحُجُرات ۴۹ : ۱۲):
اور تُم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

اَلْغِیَابَۃُ کے معنی نشیبی زمین کے ہیں اور اِسی سے گھنے جنگل کو غَابَۃٌ کہا جاتا ہے۔
قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَاَلْقُوْہُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ (یُوسُف ۱۲ : ۱۰): اور اُسے کسی کنویں کی گہرائی میں ڈال دو۔
عربی کا محاورہ ہے:

★ ھُمْ یَشْھَدُوْنَ اَحْیَانًا وَّیَتَغَایَبُوْنَ اَحْیَانًا: وہ کبھی ظاہر ہو جاتے اور کبھی چُھپ جاتے ہیں۔
قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَیَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ مِنْ مَّکَانٍۢ بَعِیْدٍ ۝ (سبا ۳۴ : ۵۳):
اور عقل سے بعید محض اندھیرے میں اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

★ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ (سبا ۳۴ : ۴۸):
کہہ دو کہ میرا مربّی و آقا یقیناً (اُوپر سے) حق باطل پر پھینکتا ہے؛ وہ غیبّات و مخفیات (یعنی پوشیدہ حقائق و اُمور، تاریخی واقعات اور باتوں) کو خوب جاننے والا ہے۔ (اس

Marfat.com

ترجمے کے لیے دیکھیے یہ آیۂ فکر انگیز) -

★ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ (الانبیاء ۲۱: ۱۸):

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں۔

★ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (یوسف ۱۲: ۱۰۲):

(اے نبیؐ!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو ہم آپ پر وحی کر رہے ہیں (نیز دیکھیے ھود ۱۱: ۴۹)-

مُتّقی یا اہلِ آرزو و خشیت چونکہ ایمان بالغیب رکھتے ہیں، اس لیے

★ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ○ (الانبیاء ۲۱: ۴۹): وہ اپنے رب (کے قانونِ مُجازات) سے پوشیدگی میں بھی ڈرتے ہیں اور قیامت (کے روزِ حساب و جزا) کا بھی خوف رکھنے والے ہیں۔

قُرآنِ حکیم نے جہاں ہمیں یہ بتایا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اپنے انبیآء علیھم السّلام کو غیب کی باتیں بتاتا تھا، وہاں اُس نے غیر مبہم و واضح طور پر اِس حقیقتِ نفس الامری سے آگاہ بھی کر دیا ہے کہ غیبِ مُطلق و کُلّی کا علم اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کسی بشر یا کسی اور مخلوق کو نہیں تھا، نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہی ہے۔ یہ صرف ربِّ علیم و خبیر ہی سے مختص ہے۔ دوسرے، کسی مخلوق خصوصاً بشر کے مقدور ہی میں نہیں کہ وہ عالم الغیب ہو سکے۔ اِس سے مُستنبط ہوا کہ بشر کا علم اضافی و جُزوی اور موہبتِ ربّانی ہے، جبکہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا علم مُطلق و کُلّی اور ذاتی ہے۔ اِس موقف کے ثبوت میں یہ آیات پیش کی جاتی ہیں:

★ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانعام ۶: ۵۹):

وہ علمِ غیب کے ذرائع و وسائل کا مالک ہے، جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو بھی سُمندر اور خشکی میں ہے۔ اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر اس کے علم میں ہوتا ہے؛ اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی ہری اور نہ کوئی خشک شے ہی ہے مگر وہ اس کے واضح نوشتہ میں مرقوم ہے۔

یہ قول و اعتراف ہر نبیؑ کا ہے:

★ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ... (ھود ۱۱: ۳۱):

Marfat.com

اور میں تُم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں۔

غیب سے متعلق یہ اصلِ عظیم ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ غیب کا اطلاق ہمیشہ اُس چیز یا چیزوں پر ہوتا ہے جو اِس دُنیا یا کسی اور جہان میں موجود ہوں، مگر غیر حاضر، مخفی، غیر مرئی، نظروں سے اوجھل یا پوشیدہ ہوں۔ جو چیز مخلوق ہی نہ ہو یعنی کہیں موجود ہی نہ ہو تو اس پر غیب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اِس سے مُستنبط ہوا کہ ایمان بالغیب سے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ، اُس کے ملائکہ، جُملہ انبیاءِ علیہم السّلام، عالمِ برزخ اور آخرت (یعنی قیامت، یومُ الدین یا روزِ حساب وجزا، جنّت اور دوزخ) وغیرہُم کو تسلیم بالیقین کرنا لازم آتا ہے۔ علاوہ بریں، غیب اپنے مشہود کو چاہتا ہے۔ چنانچہ جو مخلوقات (یعنی اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ جہان اور ان کی چیزیں) آج اِنسان سے پوشیدہ ہیں، اُن کا کبھی نہ کبھی اس پر مشہود ہوجانا لازم ہے۔ اس سے مُعتزلہ وغیرہ کا یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ جنّت میں بھی رویتِ اِلٰہی نہ ہوگی۔

غِیۡبَۃٌ کے معنی ہیں کسی شخص کی عدم موجودگی میں اُس کے کسی ایسے عیب یا فعل کا ذکر کرنا جو اس میں موجود تو ہو، لیکن اس کا ذکر اُسے بُرا لگے یا ناگوار گزرے۔ اگر وہ بات اُس میں موجود ہی نہ ہو تو اُسے غیبت نہیں بُہتان یا تہمت کہتے ہیں (لِسان، محیط، اقربُ الموارد، تاج)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ۝ (النمل ۲۷ : ۶۵) :

اس حقیقت کا اعلان کردو کہ اللہ کے سوا جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، غیب کا علم نہیں رکھتے۔ انھیں تو اِس حقیقت کا بھی شعور نہیں کہ وہ (قیامت کے روز دوبارہ زندہ کرکے) کب اُٹھائے جائیں گے۔

اِس آیۂ اِیمان افروز سے ان تمام نظریوں کا بُطلان ہو جاتا ہے، جن کی رُو سے برگزیدہ ہستیاں غیب کا علم رکھتی ہیں۔ صرف انبیاءِ علیہمُ السّلام کو وحی و تنزیل کے ذریعے بعض غیب کی باتیں بتائی جاتی تھیں لیکن وہ عالم الغیب نہ تھے۔ کسی کو ایسا سمجھنا قرآنِ مجید کی تکذیب بھی ہے اور شرک بھی (آلِ عمران ۳ : ۴۴)۔

★ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ (الکھف ۱۸ : ۲۲) : اٹکل پچو باتیں کہنا (guessing at random) محض قیاس آرائی کرنا۔

Marfat.com

ق و م (قوم)

قَامَ يَقُوْمُ قَوْمًا وَقَوْمَةً وَقِيَامًا وَقَامَةً : وہ اپنی جگہ سیدھا اور بے حرکت کھڑا ہوگیا۔ سُورۃُ الفاتحہ میں بھی اس مادّہ کی تشریح کر دی گئی ہے (کشّاف ؛ بیضاوی : ۲ : ۱۹) - He stood still in his place.

قَامَتِ الدَّابَّةُ : جانور یا چوپایہ تھک ہار کر سفر کرنے سے رُک گیا یا ٹھہر گیا (صحاح، تاج، قاموس) - The beast stopped from journey from fatigue, or being jaded.

قَامَ بِاللَّيْلِ : وہ رات کو عبادت کے لیے اُٹھا۔

قَامَ رَمَضَانَ : اُس نے رمضان کے مہینے کی راتیں عبادت میں گزار دیں۔

He passed the nights of Ramādān in prayer.

قَامَتِ الصَّلَاةَ : لوگ صلوٰۃ یا نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔

قَامَ عَلَيْهِ : وہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا : He rose against him.

قَامَ بِالْاَمْرِ : اُس نے کام کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا یا اپنے ذِمّے لے لیا : مترادف تَكَفَّلَ بِهِ (حماسہ، ص ۵) -

اس کی صفت ہے قَيِّمٌ اور قَائِمٌ : مترادف سَاسَهُ (تاج، مادّہ سوس) -

اُس نے معاملے یا اُمور کا اِنتظام کیا، ان کو نظم و ضبط میں لایا، یا ان کی نگرانی کی :

He managed, conducted, ordered, regulated, or superintended, the affair or affairs.

محاورہ ہے : قَامَ بِالْيَتِيْمِ وَ بِالصَّبِيِّ : اُس نے یتیم اور بچّے کی کفالت کی (مِصباح، مادّہ عول اور کفل) : He maintained the orphan, and the child.

مترادف : عَالَهُ اور كَفَلَهُ (وہی مآخذ) - اور

قَامَ الْمَرْاَةُ وَعَلَيْهَا : اُس نے اس عورت کی کفالت کی ذِمّے داری لی ؛ یا اُس کی کفالت کی (صحاح، قاموس، مادّہ مون) - He undertook the maintenance of the woman; or he maintained her.

★ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النّسآء ۴ : ۳۴) : مرد تو عورتوں کے کفیل، نگران اور محافظ ہوتے ہیں - The men maintain and superintend the women, or are guardians of women.

Marfat.com

قَوَّمَهُ : اُس نے (اُس ٹیڑھی چیز کو) سیدھا یا ہموار کر دیا (قاموس)؛
نیز اَقَامَهُ : اُس نے اُسے سیدھا کر دیا، یا دُرست حالت میں کر دیا۔

He made it straight, or even, namely, a crooked thing.

And made it right, or in a right condition; direct or rightly directed.

قَاوَمَهُ : وہ اس کے (یا اپنے مخالف کے) خلاف اُٹھ کھڑا ہوا، اور اس کی مزاحمت کی؛ یا اُس کی مخالفت کی، جیسے تنازع یا جھگڑے وغیرہ میں (مُغرِب، مادّہ نہض)۔

He rose against him, and withheld him, or opposed him, in contention; namely, his adversary.

قَاوَمَهُ فِي الحَرْبِ : اُس نے اُس کے ساتھ برابری کے لیے جنگ یا لڑائی میں مقابلہ کیا؛ یا اُس کی مزاحمت کی (مُحکم)۔

He opposed him, or contended with him for equality in war, or battle.

يُقَاوِمُ السُّمُوْمَ : اس نے زہر کا دفعیہ یا اس کے اثر کا ازالہ کر دیا (تاج، مادّہ بلس)۔

It counteracts poisons.

اَقَامَ : اُس نے اس چیز کو گاڑ دیا یا رکھ دیا یا سیدھا کر دیا (مصباح)۔

He set up, put up, set upright, a thing.

اَقَامَ عَلَيْهِ الحَدَّ : اُس نے اُس پر حدّ لگا دی یا تعزیر یا سزا مقرر کر دی (مُغرِب، مادّہ حدّ) — حدّ۔

He inflicted upon him the punishment, termed

اَقَامَ الصَّلٰوةَ : اُس نے صلوٰۃ یا نماز درست طریق سے قائم کی (صحاح، مصباح)۔

اَقَامَ الاَمْرَ : بمعنی نَظَمَهُ : اُس نے معاملے کو دُرست حالت میں کر دیا یا اس میں نظم و ضبط پیدا کر دیا (مصباح)۔

He put the affair into a right state.

اِسْتَقَامَ : وہ سیدھا، راست یا مُستقیم، ہموار، یا دُرست حالت میں ہو گیا؛ اُس کا رُجحان راستی کی طرف ہو گیا؛ اس کی جہت سیدھی تھی؛ وہ نظم و ضبط کا پابند ہو گیا (مُقدّمۃ الأدب، الکنز اللغۃ)۔

It became right; direct; even : tended towards right point or object; had a right direction, or tendency.

اِسْتَقَامَ عَلٰى طَرِيْقِ الحَقِّ : وہ راہِ راست پر قائم و دائم یا رواں دواں رہا (قاموس،

Marfat.com

مادّہ رُشد)۔ He continued in the way of truth, or the right way.

قَوْمٌ : کسی برادری کے یا کسی مذہب یا فرقے یا جماعت کے لوگ، یعنی مرد، نہ کہ عورتیں (صحاح، مصباح، قاموس وغیرہم)۔ A people, or body of persons composing a community; and people or persons, properly, without women.

قَوَامٌ : آدمی کی قامت، اور راست قامت، یا درازیِ قد (صحاح)۔

Stature, and goodly stature, or tallness.

اور ہم آہنگی، یا تناسب میں اعتدال (مصباح)۔ Symmetry, or justness of proportion.

قِوَامُ الْاَمْرِ اور قِیَامُهٗ اور قِوَامُهٗ : کسی چیز، یا کام، معاملے کا سہارا یا تکیہ، جس کے ذریعے وہ قائم رہتا ہے، اور اُسے مُنظّم و مُنضبط کیا جاتا ہے (مصباح)۔ The stay, or support of the thing, or affair, whereby it subsists, and is managed and ordered.

قِوَامٌ : غذا یا کھانا جو اِنسان کا سہارا ہو (مصباح)۔ The food that is a man's support or subsistence.

عرب کہتے ہیں : فُلَانٌ قِوَامُ اَهْلِ بَيْتِهٖ تو ان کی مُراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص افرادِ خانہ کی ضروریات پُوری کرنے والا ہے (تاج)۔

مُسْتَقِیْمٌ : راست و متوازن، متناسب و مُعتدل (تاج)۔ تَقْوِیْمُ الشَّیْئِ ء : کسی چیز کو سیدھا، راست کرنا، اس کا توازن قائم کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہوا :

★ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ (التین ۹۵ : ۴) :

یقیناً ہم نے اِنسان کو حسین ترین خلقت میں تخلیق کیا؛ یعنی خَلق و خُلق کے لحاظ سے دیگر سب مخلوقات سے زیادہ حسین بنایا۔ (اِس بناء پر ہم نے اِنسان کے لیے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار کی تعبیر بھی اختیار کی ہے)۔

مَقَامٌ : پاؤں رکھنے کی جگہ (قاموس : The place of the feet.) کھڑے ہونے کی جگہ (صحاح، مصباح)؛ نیز

مُقَامٌ اور مَقَامٌ دونوں کے معنی ہیں : مُستقل یا عرصۂ دراز کے قیام، ٹھہرنے اور بُود و باش کی جگہ (قاموس اور شرحِ مُعلّقات از Calc)۔

A place of continuance, or long continuance, stay, residence, or abode.

Marfat.com

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

قَامَ یَقُوْمُ قِیَامًا فَھُوَ قَائِمٌ : کھڑا ہونا۔ قَائِمٌ کی جمع بھی قِیَامٌ آتی ہے، اور اَقَامَہٗ کے معنی ہیں دُوسرے کو کھڑا کرنا۔ اَقَامَ بِالْمَکَانِ اِقَامَۃً کے معنی ہیں کسی جگہ قیام کرنا (ٹھیرنا یا سکونت اختیار کرنا، قلیل یا طویل مُدّت کے لیے) ۔

قیام کا لفظ مختلف معانی میں اِستعمال ہوتا ہے :

(۱) کسی شخص کا تسخیری (مجبوری) کے طور پر یا اپنے اِرادے سے کھڑا ہونا۔

(۲) قِیَامٌ لِلشَّیْءِ : کسی چیز کی حفاظت و نگہبانی کرنا۔

(۳) کسی کام کا پُختہ اِرادہ کرنا۔

تسخیری طور پر کھڑا ہونے کے معنی میں فرمایا :

★ مِنْھَا قَآئِمٌ وَّ حَصِیْدٌ ۝ (ھُود ۱۱ : ۱۰۰) : ان میں بعض (بستیاں) تو رہتی بستی ہیں اور بعض تہس نہس ہوگئیں ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ اَفَمَنْ ھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ (الرّعد ۱۳ : ۳۳) :
تو کیا وُہ (= اللّٰہ) ہر متنفّس نے جو کمایا ہے، اس کا نگہبان یا حافظ ہے ؟

★ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ (آلِ عمران ۳ : ۱۱۳) : دینِ حق پر قائم گروہ ۔

Righteous staunch community.

★ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا (آلِ عمران ۳ : ۷۵) : سوائے اس کے کہ تُم اس کے سر پر سوار رہو (تقاضا کرتے ہوئے) ۔ Unless you constantly steadfast demanding.

قَائِمًا کے معنی مُسلسل تقاضا کرنے والے کے ہیں ۔

★ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ (البقرۃ ۲ : ۳) : اور صلوٰۃ کو (اُس کے تقاضوں کے مطابق نظام کی صورت میں علی الدّوام) قائم کرتے ہیں ۔

یُقِیْمُوْنَ کی اِصطلاح قُرآنی خطوطِ وحدانی کے اندر کے جُملے پر دلالت کرتی ہے ۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں قِیَامٌ و قِوَامٌ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کے سہارے کوئی چیز قائم

Marfat.com

رہ سکے۔ یہی معنیٰ اس آیۂ فکر انگیز میں پایا جاتا ہے :

★ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا (النسآء ۴ : ۵) :

اپنے مال ومنال کو، جسے اللہ نے تمھاری معیشت کا ذریعہ بنایا ہے، نادان وعاقبت نااندیش لوگوں کے سپرد نہ کرو (کیونکہ وہ اس کا صحیح مصرف نہیں کرسکیں گے، اس طرح ضائع کردیں گے)۔

اس آیۂ بصیرت افروز کو اس کے وسیع واجتماعی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اس میں متعدد نکات خصوصی توجہ چاہتے ہیں : اوّلاً، جو لوگ قرآنِ مجید کی رُو سے بے وقوف ہیں، اور بے وقوف وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال و دولت کو اُس کے احکام کے مطابق استعمال نہیں کرتے، مثلاً بخیل، جس کی بصیرت افروز مثال "قارون" ہے؛ بخیل وہ ہے جو زکوٰۃ والعفو نہیں دیتا، نیز الماعون و قرضِ حسنہ بھی نہیں دیتا، اور مال و دولت کو جمع کرکے رکھتا ہے، آج کل بینکوں میں یا اس سے سرکاری تمسکات خرید کر رکھتا ہے۔ ثانیاً، اسراف وتبذیر کرنے والے بھی بے وقوف ہیں۔ ثالثاً، جو مال و دولت کے ساتھ تجارت، زراعت یا صنعت وحرفت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لیکن رابعاً، ایسے لوگوں کی کفالت کا احسن انتظام کرنا حکومت اور معاشرے پر فرض ہے؛ نیز ان کی دلجوئی کا سامان کرنا بھی ان پر لازم ہے۔

★ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ (المآئدۃ ۵ : ۹۷) :

اللہ نے قابلِ احترام مکان کعبے کو بنی نوعِ انسان کی راہِ راست اور منزلِ مقصود کی جہت صالحہ یا درست رکھنے کا مستقل و دائمی نشان یا مقام بنایا ہے۔

نکتہ : قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کے معنی ہیں افرادِ نسلِ انسانی کی ہدایت یا راہِ مستقیم اور منزلِ مقصود کا ایسا نشان یا مقام جو ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

★ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا (الانعام ۶ : ۱۶۱) :

(میرے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ بلاشبہ میرے پروردگار و مالک نے میری حسین وفطری راہِ راست کی طرف رہنمائی کردی ہے، (جو) سچا اور کفایت کرنے والا دین ہے۔

اس دین کی صراحت ساتھ ہی کردی ہے کہ یہ مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (۶ : ۱۶۱) : صرف ایک اللہ کی طرف ہمیشہ رجوع کرنے والے موحّد ابراہیمؑ کا شعارِ زندگی ہے، اور وہ مشرکوں (اصنام واکابر پرستوں) میں سے نہیں تھا۔

اِصطلاحِ قرآنی میں حنیف کا مطلب ہے : صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا سچا اور وفادار عاشق،

Marfat.com

جو پکا موحّد ہوتا ہے، اور دِیۡنًا قِیَمًا کے معنی ہیں: اِنسان کی معاشی اور اُخروی زندگی کی اِصلاح و کفایت کرنے والا دین۔ اِس میں معاشی زندگی کی کفالت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

★ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ (التوبۃ ۹: ۳۶):
یہی درست و راست اور کفایت کرنے والا دین یا شِعارِ زندگی ہے۔

★ ..... وَلَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا (الکہف ۱۸: ۱-۲): (اللہ نے اپنی) اِس کتاب (یعنی قرآنِ حکیم) میں اُس نے ٹیڑھ رکھی ہے نہ اِبہام (بلکہ یہ) غیر مبہم و واضح اور راست و مُستقیم ہے۔

★ وَ ذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ؕ (البیّنۃ ۹۸: ۵):
اور یہی راست و مُستقیم اور کفایت کرنے والا دستور و شِعارِ زندگی ہے۔

نُکتہ: یہ آیۂ اِیمان افروز دین کی رُوح اور اس کی غایتِ حقیقی کی آئینہ دار ہے۔

★ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ (البیّنۃ ۹۸: ۲-۳):
اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبرِ (اعظم و آخرﷺ) پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے، یعنی پڑھاتے ہیں، جن میں سچے، واضح اور مُستقیم و کفایت کرنے والے ابواب یا سُوَر (Chapters) ہیں۔

★ الۡقَيُّوۡمُ (البقرۃ ۲: ۲۵۵): (اللہ تعالیٰ) قائم بِالذّات (Self - existent)، قدیم (ETERNAL) اور کُل موجودات کو قائم رکھنے اور ان کی کفالت کرنے والا، نیز اُن کے لیے کافی (حسیب) ہے۔

الۡقِيٰمَةُ (النّسآء ۴: ۸۷ و بمواضعِ کثیرہ): اصطلاحِ قرآنی میں کُل افرادِ نسلِ اِنسانی کی نشأۃِ ثانیہ یا یکبارگی زندہ اُٹھنے کا یوم یا ساعت ہے۔ قرآنِ مجید نے اپنی سُنّتِ حسنہ کے مطابق اس اصطلاح کی صراحت خود ہی کر دی ہے:

★ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ (المؤمن ۴۰: ۴۶): اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی۔
زیادہ صراحت کے ساتھ

★ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ (النّسآء ۴: ۸۷):
اللہ (وحدہٗ لاشریک ہے)، اس کے سوا کوئی معبود و مقصود اور حاکم و مُطاع نہیں۔ وہ قیامت کے روز (Day of Resurrection) تُم سب کو (مبعوث کر کے) ضرور جمع کرے گا، جس کی وقوع پذیری میں شک و اضطراب کی قطعاً گنجائش نہیں۔

Marfat.com

اَلْمُقَامُ : یہ قیام سے کبھی بطور مصدر میمی اور کبھی بطور ظرفِ مکان اور ظرفِ زمان کے استعمال ہوتا ہے۔ اِرشاد ہُوا :

★ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ (یُونُس ۱۰ : ۷۱) : حضرت نُوحؑ نے کہا) میری قوم کے لوگو! اگر میرا تم میں رہنا تم پر شاق گزرتا ہے۔

★ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ○ (الدخان ۴۴ : ۵۱) : یقیناً، اہلِ آرزو و خشیت امن و سلامتی کی جگہوں میں مقیم ہوں گے۔

★ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ ۱ : ۵) : حسین وفطری راہِ راست کی طرف ہماری رہنمائی فرما (جو حقیقی منزلِ مُراد کو جاتی ہے)۔ Guide us to the natural, sublime and straight path (which leads to the Destination).

اِسے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے "اپنا راستہ" (صِرَاطِیْ) سے بھی تعبیر کیا ہے :

★ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (الانعام ۶ : ۱۵۳) : اور یہ کہ یہی میری حسین و فطری راہِ راست ہے۔

اَلْقَوْمُ : اصل میں اس کا اطلاق صرف مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے، لیکن قُرآنِ مجید نے اس کا اطلاق مردوں اور عورتوں کی جماعت پر بھی کیا ہے :

★ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النسآء ۴ : ۳۴) : مرد عورتوں کے محافظ اور نگرانِ احوال وظروف ہیں۔

ص ل و (صلو)

اَلصَّلٰوةُ یا اَلصَّلَاةُ : اکثر اہلِ لُغت کے نزدیک "صَلَاةٌ" کے معنی ہیں : دُعا دینا، تحسین و ستائش اور تعظیم کرنا اور مبارک باد دینا۔ چنانچہ اہلِ عرب کا محاورہ ہے :

صَلَّيْتُ عَلَيْهِ : میں نے اُسے دُعا دی، نشوونما دی اور بڑھایا ؛ اور صَلّٰى عَلٰى فُلَانٍ : اُس نے فُلاں شخص کو دُعا دی اور اس کی تعریف وستائش یا ثنا کی (المفردات، تاج، المصباح)۔ حدیثِ طیبہ میں ہے :

★ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ وَ اِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ (مسلم ۱ : ۴۶۲، مطبوعہ دہلی)۔ جب کسی شخص کو کھانے پر بُلایا جائے تو اُسے یہ دعوت قبول کر لینا چاہیے۔ اور اگر وہ

Marfat.com

روزے سے ہو تو اُسے دعوت دینے والے کو دُعا دینا چاہیے۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ (التوبۃ ۹ : ۱۰۳) :

اور (اے نبیؐ!) اُن کے لیے دُنیوی و اُخروی حسنہ کی دُعا کرو کہ آپ کی دُعا ان کے لیے مُوجبِ سکینت (SOLACE) ہوتی ہے۔

★ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ‌ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۵۶) :

دیکھو! اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ (آخرالزمان) پر خیر و برکت بھیجتے ہیں : (تُم بھی) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! آپ کے لیے خیر و حسنہ کی دُعا کرتے رہو! اور آپؐ کی فرماں برداری کرو جیسا فرماں برداری کرنے کا حق ہے۔

نُکتہ : اللہ تعالیٰ تو اپنے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنی رحمت سے نوازتے رہتے ہیں، لیکن فرشتے اور اہلِ ایمان اُن کے لیے رحمت و سلامتی کی دُعا کرتے ہیں (المصباح، تاج)۔

اہلِ عرب کا یہ محاورہ اِسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے : اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی : بارِ الٰہا! اَبُو اَوْفٰی کے خاندان پر رحمت و برکت ارزانی فرما، یا اس پر رحم فرما!

★ هُوَ الَّذِىۡ يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ... (الاحزاب ۳۳ : ۴۳) :

وہی تو ہے جو تُم کو اپنی نُصرت و رحمت اور ہدایت سے نوازتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمھارے لیے یہ دُعا کرتے ہیں۔

یہ لطیف و فکر انگیز نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ

★ صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ (التوبۃ ۹ : ۹۹) : کے معنی ہیں : رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دُعائیں؛ لیکن ربِّ رحمٰن کی صَلَوٰت کا مطلب ہے : عنایات و حسنات اور ہدایت و نُصرت۔

★ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ‌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ۝

(البقرۃ ۲ : ۱۵۷) :

یہی لوگ ہیں جن کو اُن کا پروردگار و مالک اپنی عنایات و انعامات اور نُصرت و ہدایت اور رحمت سے نوازتا ہے، اور (اس کے نتیجے میں) وہی حسین و فطری راہِ راست پر ہیں۔

راغب اِصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ الصَّلٰوۃُ جو کہ ایک مخصوص عبادت کا نام ہے (جس کے لیے

Marfat.com

عجمی ممالک عموماً نماز کی تعبیر اختیار کرتے ہیں) اصل میں دُعا ہی ہے۔

صلوٰۃ چونکہ دُعا پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے؛ (یعنی یہ اِسم بامُسمّیٰ ہے) ؛ اور اس کا وجود ہر شریعت میں ملتا ہے، گو اس کی شکلیں مختلف ہیں بعض عُلماء کا خیال ہے کہ لفظ صَلوٰۃ اصل میں صِلَوٰۃ" سے مُشتق ہے، لہٰذا صَلَّی الرَّجُلُ کے معنی ہیں اُس شخص نے اس عبادت کے ذریعے اپنے آپ کو صَلَاۃ" یعنی جہنم کی آگ سے دُور کیا۔ چنانچہ جس طرح مَرَّضَ کا لفظ مرض کو دُور کرنے کے معنی میں اِستعمال ہوتا ہے اسی طرح صَلّٰی میں سلب مأخذ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ کبھی عبادت گاہ کو بھی صَلَاۃ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں کَنَائِسُ یعنی یہود کی عبادت گاہوں کو صَلَوٰتٌ کہا گیا ہے (الحج ۲۲ : ۴۰)۔

قرآنِ مجید میں جہاں بھی صلوٰۃ قائم کرنے کی ترغیب یا تعریف کی گئی ہے، وہاں لفظ اقامت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ محض مُصَلِّیْنَ کا لفظ صرف مُنافقین کے مُتعلق وارد ہوا ہے، جیسے الماعون ۱۰۷: ۴-۵ میں۔ صلوٰۃ کے ساتھ لفظ اِقَامَۃ" کا ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ صلوٰۃ (= نماز) کو ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ ادا کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ اس کے حقوق یا تقاضوں اور فرائض کو پُورا کرنا بھی لازم ہے۔ اِسی بناء پر ایک روایت میں ہے کہ محض صلوٰۃ ادا کرنے والے تو بہت ہیں، مگر اس کو اس کے حقوق و فرائض اور تقاضوں کے ساتھ ادا کرنے والے بہت کم ہیں (المفردات)۔

نُکتہ : صلوٰۃ کے تقاضوں سے متعلق حُسنِ تفسیر کی سُورۂ فاتحہ میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے؛ نیز دیکھیے مؤلف کی کتاب فلسفۂ صلوٰۃ (فیروزسنز لمیٹڈ، لاہور، کراچی، راولپنڈی)۔

قُرآنِ حکیم کی اصطلاح میں اِقَامَۃ" کا مطلب ہے صلوٰۃ کا نظام قائم کرنا، جیسے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مدینۂ مُنورہ میں اِقتدار ملتے ہی قائم کیا تھا، جس کی طرف سُورۂ الحج (۲۲ : ۴۱) میں تاکیدی انداز میں اِشارہ کیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کا نظام قائم کرنا اس لیے ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر زکوٰۃ، امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام بھی قائم نہیں ہوسکتے؛ نیز اگر یہ چار نظام قائم و فعّال نہ ہوں تو اِسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر بھی نہیں ہوسکتی۔

نُکتہ : اُمّتِ مُسلمہ کے فرقوں میں مُنقسم ہو کر انحطاط و زوال کا شکار ہو جانے کا بُنیادی سبب یہ ہے کہ مُسلمانوں نے ان "چہار نظام" سے اغماض نظر کر لیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ ناکارہ اور ناپید ہوگئے۔ اور ہیں۔ اگر اُمّتِ مُسلمہ کے انحطاط و زوال کا سبب ان چہار نظام کا فُقدان ہے تو اس کے اِحیاء کا درماں صرف یہ ہے کہ قُرآن و سُنّت کے مطابق صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المُنکر کے

Marfat.com

جہار نظام کو قائم کیا جائے، اور اُن کی بنیادوں پر زندگی کے جدید تقاضوں کے مطابق اِسلام کے مثالی معاشرے کی از سرِ نو تشکیل کی جائے۔

رزق

رزق : رَزَقَهُ اللهُ کے معنی ہیں: اللہ نے وسائل یا ذرائع معاش (MEANS OF SUBSISTENCE) اس کے لیے فراہم کر دیے؛ یعنی اللہ نے اُسے ذرائع معاش سے نوازا، یا وہ اُسے عطا یا مہیا کیے (قاموس، الصحاح) - اہلِ عرب کہتے ہیں : رَزَقَ الطَّائِرُ فَرْخَهُ : پرندے نے اپنے بچے کو کھلایا۔ اور رَزَقَ الأَمِيرُ الْجُنْدَ : سپہ سالار نے فوج کو تنخواہ، وظیفہ یا زرِ کفالت (Subsistence - money) دیا، یُوں بھی کہتے ہیں : رَزَقَ الْجُنْدَ رَزْقَةً : اُس نے فوج کو زرِ کفالت وغیرہ دیا۔

رِزْقٌ : ایسی چیز جس سے کوئی شخص نفع کمائے یا اُس سے فائدہ اُٹھائے (الصحاح، القاموس)؛ اور تحفہ، خاص طور پر اللہ کا عطیہ (الصحاح)؛ روزمرہ کے مطابق معاش یا جسم کی نشو و نما کے وسائل جو اللہ نوعِ اِنسانی اور دیگر مخلوقات کے لیے نازل کرتا ہے۔ جمع أَرْزَاقٌ (بمعنی اقوات) - ان کی دو قسمیں ہیں : اوّلاً، مرئی یا مادّی، جو جسمانی اقوات (aliments) یعنی اجسام کو نشو و نما دینے والی غذائیں۔ ثانیاً، اقواتِ قلبی، جیسے علم و حکمت (الصحاح، المصباح، القاموس)۔ رُزِقْتُ عِلْمًا : مجھے علم عطا ہوا (المفردات)۔ ابنِ فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو وقتِ مقررہ پر دینا۔ بعد ازاں، وقت کی قید کے بغیر دیے جانے والے ہر عطیہ پر اس کا اطلاق ہونے لگ گیا (المعجم)۔

اِمام راغبؒ نے لکھا ہے : اَلرِّزْقُ : وہ عطیہ جو مقرر ہو، خواہ دُنیوی ہو یا اُخروی؛ رزق بمعنی نصیبہ یا حظ بھی آتا ہے۔ کبھی اُس چیز کو بھی رزق کہا جاتا ہے جو پیٹ میں پہنچ کر غذا بنتی ہے۔ (چنانچہ قرآنِ مجید نے رزق کو معایش کے معنی میں اِستعمال کیا (الحجر ۱۵ : ۲۰)۔ لیکن اسے اپنی دیگر نعمتوں کے لیے بھی اِستعمال کیا ہے):

★ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۳):

اور جو کچھ بھی (غیر مرئی یا مادّی) ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (نیز دیکھیے المُنٰفِقُوْن ۶۳ : ۱۰)۔

یہاں رَزَقْنٰهُمْ کا لفظ کثیر المعانی ہے؛ مثلاً مال و منال، زر و سیم، لعل و گوہر، منقولہ و غیر منقولہ جائیداد، علم و حکمت، جاہ، ہُنر و فن، ٹیکنالوجی وغیرہ وغیرہ (القاموس، المفردات، تاج العروس، الصحاح)۔

Marfat.com

الرِّزْقُ: کبھی اُس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جو پیٹ میں پہنچ کر غذا بنتی ہے۔
محاورہ ہے:

اَعْطَى السُّلْطَانُ رِزْقَ الْجُنُوْدِ:

بادشاہ نے فوج کو رسد دی۔

قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ...... (المنٰفقون ۶۳ : ۱۰):

اور ہم نے جو بھی تمھیں عطا کیا ہے، اس میں سے (اللہ کی راہ میں اس کے بندوں کے لیے) خرچ کر ڈالو، پیشتر اس کے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آجائے۔

اِس آیۂ جلیلہ و تنذیری میں رزق سے مُراد ہے: مال و دولت، زر و سیم، لعل و گوہر، منقولہ و غیر منقولہ جائیداد، نیز علم و ہنر، ٹیکنالوجی وغیرہ وغیرہ۔

ساتھ ہی یہاں اِس اہم ترین اصلِ عظیم کی بھی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اَنفاق کا حُکمِ اِلٰہی ایک تو لازمی (Compulsory) ہے، اِختیاری (Optional) نہیں، اور دوسرے، اس سے مُراد زکوٰۃ، العفو، عُشر، الماعون اور قرضِ حسنہ کا دینا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اِس حُکمِ اِلٰہی پر عمل کرنے والا نہ بخیل ہو سکتا ہے اور نہ سرمایہ دار یا دولت مند، اور نہ ہی وڈیرہ یا بڑا زمیندار۔

چُنانچہ ربِّ رحمٰن کا اِرشاد ہے:

★ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران ۳ : ۹۲):

(یاد رکھو!) تُم اس وقت تک صَلاح و حسنہ کا مقام حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اپنی متاع میں سے جو تم محبوب رکھتے ہو (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کر ڈالو۔

اس حُکمِ اِلٰہی کی تعمیل کے لیے صحابۂ کرامؓ نے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا: ہم اپنی متاع یعنی مال و منال، منقولہ اور غیر منقولہ میں سے کس قدر اللہ کی راہ میں خرچ کریں؟ اس اہم سوال کا جواب ربُّ العلمین نے خود دینا پسند کیا اور آپؐ سے فرمایا:

★ وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ (البقرۃ ۲ : ۲۱۹):

اور آپؐ سے پُوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر (متاع اللہ کی راہ میں) خرچ کریں؟ کہہ دیجیے! جو ضرورت سے زائد (Superfluous) ہو یعنی بانجھ اور ناکارہ ہو۔

Marfat.com

قُرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق "انفاق بالعفوٰ" کے حُکمِ الٰہی کی خود ہی توجیہ بھی کر دی ہے کہ ضرورت سے زائد مال و دولت وغیرہ دراصل ان لوگوں کا حق یا حصّہ ہوتا ہے، جو اپنے حصّے سے محروم کر دیے جاتے ہیں، چاہے وہ اپنا حصّہ مانگیں یا نہ مانگیں۔ قرآنِ مجید کی زبانِ بلیغ میں :

★ وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ۝ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۱۹) :

اور ان کے مال و منال میں اُن لوگوں کا بھی حق یا حصّہ ہوتا ہے، جو اپنے حق یا حصّے سے محروم کر دیے جاتے ہیں، چاہے وہ اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے ہوں یا نہ ہوں۔

ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اِس حق کو تسلیم یا عمل کرنے والے مُتّقی لوگ ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کے تقرّب و رِضوان کی آرزو اور اس کے قانونِ مُجازات کا خوف ہوتا ہے

(الذّٰریٰت ۵۱ : ۱۵-۱۸ بعد)۔

رزق سے مُتعلق ایک اور فکر انگیز آیت :

★ وَفِي ٱلسَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۲۲) :

اور اُوپر فضا (Space) میں تمھاری روزی کا سامان ہے : In space is the provision of your sustenance.

علم یا سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے اُوپر فضا (Space) میں ایسے کھربوں کی تعداد میں ذرّات ہوتے ہیں، جو آب بدوش بادلوں میں مل کر کھربوں روپے کی کھاد بن جاتے ہیں۔ پھر جب یہ پانی زرعی زمین پر برستا ہے تو اس کے ذرّات میں بے شمار مُردہ حیاتیاتی جرثوموں کو زندہ کر دیتا ہے۔ سماوی کھاد سے مل کر یہ زندہ حیاتیاتی جرثومے زرعی زمین (یا اراضی) کو زندہ اور بار آور کر دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے آسمان یا فضا میں ہماری روزی کا سامان موجود ہوتا ہے۔

★ وَنَزَّلۡنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ مُّبَٰرَكٗا فَأَنۢبَتۡنَا بِهِۦ جَنَّٰتٖ وَ ..... رِّزۡقٗا لِّلۡعِبَادِۖ ....

(قٓ ۵۰ : ۹-۱۱) :

اور ہم نے آسمان یا فضا (SPACE) سے مُبارک یعنی نشوونما دینے والا پانی (زمین پر) اُتارا، پھر اس کے ساتھ جنگلات ۔ باغات (Fruit forests) اور فصلوں کے غلّے، نیز اُونچی اُونچی کھجوروں کے درخت، جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بتہ لگتے ہیں اُگائے ...

یہ (اناج اور پھل وغیرہ سب میرے کُل) بندوں یا انسانوں کے لیے رزق یا روزی کا سامان ہے۔

نُکتہ : زمین کی کُل پیداوار یا کُل نعمتیں ربُّ العٰلمین نے اپنے کُل جمالیاتی۔ تخلیقی

Marfat.com

شہکاروں کے لیے پیدا کی ہیں۔ لہٰذا کوئی اِنسان (مثلاً حکمران، جاگیردار، زمیندار، وڈیرا، سردار، سرمایہ دار وغیرہ وغیرہ) اِس بات کا مجاز نہیں کہ ان کو ان کے حصّے کے رزق سے محروم کر دے۔ جو بھی ایسا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا حق مارتا ہے، اس لیے اس کا نافرمان اور اہلِ نار ہوتا ہے۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اپنے بندوں کو زکوٰۃ، العفو، عُشر، الماعون اور قرضِ حسنہ دینے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے جو شخص بھی اِس حکمِ ربّی پر عمل کرے گا، وہ دولت مند ہو ہی نہیں سکتا۔ سرمایہ دار، مالدار یا دولت مند صرف وہ ہوتے ہیں جو بخیل یا قارون ہوتے ہیں؛ یعنی زکوٰۃ و العفو دینے والے نہیں ہوتے؛ بلکہ مال و دولت جمع کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے نافرمان، اس کے بندوں کے دشمن اور اہلِ نار ہوتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ رزق سے صرف غذائی چیزیں ہی نہیں، بلکہ کھانے، پینے، پہننے اور ہر قسم کی اِستعمال کی چیزیں مُراد ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں قُدرتِ اِلٰہی سے بارش ہی کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں (المفردات)۔

برزخ میں شہیدوں کو جو "رزق" ملتا ہے، اس کی نوعیت قریب قریب وہی ہے جو صالح بندوں کو عالمِ رؤیا یا خواب کی حالت میں ملتا ہے۔ علاوہ بریں، ان کی زندگی کی نوعیت بھی ایسی ہی ہے جیسی عالمِ رؤیا میں اِنسان کی ہوتی ہے۔ عالمِ رؤیا کا زوج عالمِ برزخ ہے، جیسے نیند کا زوج موت ہے۔ یہی مطلب ہے اِس آیۂ فکر انگیز کا:

★ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آلِ عمران ۳ : ۱۶۹ بعد):

اور ان لوگوں کو مُردہ یعنی فنا و معدوم نہ سمجھو، جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گیے، بلکہ وہ (برزخ میں) زندہ ہیں، اور اپنے ربّ سے ان کو رزق ملتا رہتا، یعنی ان کی خاطر و مدارات ہوتی رہتی ہے۔

نُکتہ: یہاں شہیدوں کے زندہ ہونے سے مُراد ہے کہ وہ حیاتِ طیّبہ بسر کر رہے ہیں اور ان کو رزق ملنے کا مطلب ہے کہ اُن کو لذیذ و مرغوب نعمتیں ملتی رہتی ہیں۔

نبیِ اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالیٰ (صلوٰۃ کے دوران) مجھے رزق و مشروب دیتا ہے"، اِس اصلِ عظیم پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو مسرت انگیز و رُوح افزا معنوی نعمتیں دیتا تھا۔

ربِّ رحمٰن نے اِس معاشی اصلِ عظیم کا ہم میں شعور بیدار اور حقّ الیقین پیدا کرنے کی خاطر مختلف

Marfat.com

اسالیب اختیار کیے ہیں کہ اُس نے اپنی کُل نعمتیں اپنے کُل بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ؛ لہٰذا اس میں سب کا حق یا حصّہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ کسی وجہ سے اپنے حق سے محروم رہ جائیں، اُن کو اُن کا حق دینا کُل مالداروں پر فرض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مال و منال کے مالک نہیں، بلکہ صرف امینِ مُستفید ہیں اور اپنی مرضی سے اس میں تصرّف کے ہرگز مجاز نہیں۔ علاوہ بریں، ربُّ العٰلمین کے کُل بندے معاشی لحاظ سے مساوی یا برابر ہیں، اس لیے اِس اعتبار سے کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ اِس سے اِس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ اُس نے کیوں معاشی مساوات قائم کرنے کی خاطر خاص طور سے "انفاق بالعفو" کا حُکم دیا ہے، یعنی ضرورت سے زائد اپنے مال و منال کو جمع کر کے رکھنے کے بجائے اپنے حق سے محروم یا اہلِ احتیاج کو لوٹانے کا "لازمی حکم" دیا ہے۔ یہ شیطان اور اس کے پیروکار ہیں جنھوں نے اِس "لازمی حکمِ الٰہی کو "اختیاری" (Optional) مشہور کر دیا ہے۔ بہر حال، معاشی مساوات اِسلام کا بُنیادی اُصول ہے، جس کی بنیاد پر اُس کا معاشی / اقتصادی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ معاشی مساوات کے اِس مثالی اُصول کو اُس نے مندرجہ ذیل آیۂ بصیرت افروز میں ایسے ایجازِ بلاغت سے بیان کیا ہے کہ اُسے ایک "اعجازِ قُرآن" بنا دیا ہے :

★ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ‌ۚ فَمَا الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّىۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰى مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ‌ ؕ اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ○

(النحل ۱۶: ۷۱) :

اور اللہ نے بعض لوگوں کو مال و دولت میں دوسروں پر برتری دی ہے (یعنی اُن کو دُوسروں کی بہ نسبت زیادہ مال و منال دیا ہے) - پھر ایسا کیوں نہیں کہ وہ جن کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مال و دولت دیا ہے، وہ اُسے اپنے ماتحت کام کرنے والوں کو اُن کا حصّہ (یا حق) لوٹا دیں ؟ حالانکہ اِس (مال و دولت یا مُنافع) میں سب کا مساوی حق ہے (یعنی سب آجر اور اجیر یا آقا اور ملازم سب برابر حقدار ہیں)، پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کے مُنکر ہو رہے ہیں ؟

نُکتہ : قُرآنِ حکیم اپنے اِیجازِ بلاغت سے اپنی کوئی اصطلاح یا لفظ ایسے قرینے سے اِستعمال کرتا ہے کہ وہ ذومعنی ہو جاتا ہے۔ مثلاً اِس آیۂ بصیرت افروز میں "نعمت" کا لفظ اِس انداز سے اِستعمال کیا ہے کہ اس کے ایک معنی تو مال و دولت کی زیادتی کے ہیں ؛ اور دُوسرے شُکرِ نعمت کے، یعنی مال و دولت کو اُن کے حقداروں کو واپس کر دینا تاکہ معاشرے میں "معاشی مساوات" قائم ہو جائے اور امیری و غریبی کا فرق ختم ہو جائے کہ یہ دینِ اِسلام کا معاشی اصل الاُصول ہے۔

Marfat.com

ن ف ق (نفق)

نَفَقَ و نَفَاقًا و نَفِقَ، نَفْقًا۔ الشَّیْءُ: چیز کا ختم یا کم ہونا، چلے جانا۔
راغب اِصفہانیؒ کے نزدیک چلے جانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اوّلاً، نَفَقَ الْبَیْعُ: سامان کا خوب فروخت ہونا۔ اِسی سے نَفَاقُ الْاَیِّمِ ہے، جس کے معنی ہیں، بیوہ عورت کے طلبگاروں کا بکثرت ہونا۔ نَفَقَ الْقَوْمُ: بازار یا مارکیٹ کا پُر رونق ہونا۔ (عرب کہتے ہیں: نَفَقَتِ السُّوْقُ: بازار گرم ہوگیا یعنی کاروبار زوروں پر ہوگیا) مترادف قَامَتِ۔
ثانیاً، بذریعہ مرجانے کے، جیسے نَفَقَتِ الدَّابَۃُ۔
ثالثاً، بذریعہ ختم یا فنا ہوجانے کے جیسے نَفَقَتِ الدَّرَاھِمُ: دراہم خرچ ہوگئے۔
اَنْفَقْتُھَا: ان کو خرچ کر دیا۔ مترادف نَفِدَتْ (المفردات)۔
اَلْاِنْفَاقُ: مال ومنال وغیرہ خرچ کرنا۔ کبھی مال و دولت کے علاوہ علم وغیرہ پر بھی اِس کا اطلاق ہوتا ہے (المُفردات)۔
نَفَقٌ: اس سُرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کُھلے ہوں: سَرَبٌ اس سُرنگ کو کہتے ہیں جس سے نکلنے کا راستہ نہ ہو۔ اَنْفَاقٌ: چوہوں اور چھچھوندروں کے بِلوں کو کہتے ہیں۔ اَلنَّفَقَۃُ وَالنَّافِقَاءُ: جنگلی چوہے یا چھچھوندر کا بِل، جس کو وہ بوقتِ ضرورت کھول کر باہر نکل سکتا ہے (تاج العروس، الصّحاح، لُغات القرآن)۔ یَنْفَقٌ اس نیفے کو کہتے ہیں جس کے دونوں مُنہ کُھلے ہوں۔
نَافَقَ: اُس نے دین میں مُنافقت کی (تاج العروس، القاموس)۔ اپنے آپ کو مُسلمان جتانا، لیکن اس کا دین اِسلام کے علاوہ کوئی اور ہونا۔ نَافَقَ فُلَانًا: اُس نے فلاں شخص کے ساتھ مُنافقانہ رویّہ اختیار کیا۔

اِمام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: اَلنَّفَقُ: آرپار ہونے والے کوچے، گلی یا سُرنگ، جس کے دونوں مُنہ کُھلے ہوں۔ ارشاد ہوا:

★ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ (الانعام ۶: ۳۵): اگر تُم میں مقدور ہو تو زمین میں کوئی سُرنگ ڈھونڈ نکالو۔

اور اِسی سے نَافِقَاءُ الْیَرْبُوْعِ: چھچھوندر یا جنگلی چوہے کا بِل جس کے دو دہانے ہوں۔ نَافَقَ الْیَرْبُوْعُ وَنَفَقَ: چھچھوندر اپنے بِل کے ایک دہانے سے داخل ہوکر دوسرے سے باہر نکل گئی؛ اور

Marfat.com

اِسی سے "نِفَاق" ہے، جس کے معنی شریعت (یا دین میں) دو رُخی اختیار کرنے کے ہیں، یعنی شریعت (یا دین) میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جانا۔ چنانچہ اسی معنی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا :

★ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (التوبۃ ۹ : ۶۷) :
یقیناً منافق عہد شکن ہیں، یعنی وہ شریعتِ حقّہ سے خارج ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے مُنافقین کو کُفّار سے بھی زیادہ مُجرم و گُناہگار اور سزاوارِ تعزیر قرار دیا ہے :

★ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ○ (النسآء ۴ : ۱۴۵) : بلاشُبہ مُنافق جہنّم کے تحت الثرای میں ہوں گے، اور تم کسی کو ان کا مددگار (شفیع) نہ پاؤ گے۔

"نَفَق" کے اصل معنی کی بناء پر اِنفاق کا مطلب ہُوا اپنے مال و دولت کو جمع کر کے نہ رکھنا، بلکہ کُھلا اور گردش میں رکھنا، خرچ کر کے ختم کر دینا اور باقی نہ رکھنا۔ قرآنِ مجید نے اس کے مقابل میں "اِمْسَاكٌ" (روک رکھنے) کا لفظ لا کر اس کے معانی کی صراحت کر دی ہے (الاسراء ۱۷ : ۱۰۰)۔ اِنفاق کا حُکم قرآنِ حکیم میں جس شکل میں بھی آیا ہے، اس کے بُنیادی معنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں فالتو (SURPLUS)، بیکار (IDLE) اور بانجھ (SHY) سرمائے یا مال و دولت کو خرچ کرنے کے ہیں (دیکھیے آلِ عمران ۳ : ۹۲؛ البقرۃ ۲ : ۲۱۹ و بمواضعِ کثیرہ)۔

ن ز ل (نزل)

اَلنُّزُوْلُ (مادّہ ن ز ل) : اس کے اصل معنی بلند جگہ سے نیچے اُترنا ہیں۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے : نَزَلَ عَنْ دَابَّتِهٖ : وہ اپنی سواری سے نیچے اُترا۔ نَزَلَ فِيْ مَكَانِ كَذَا : کسی جگہ پر ٹھیرنا۔ اَنْزَلَ (افعال) : اُتارنا۔

نُزُلٌ : منزل کو کہتے ہیں (المفردات)؛ نیز نُزُلٌ کھیتی کے نشوونما پانے کو بھی کہتے ہیں۔

اَرْضٌ نَزِلَةٌ : اُس ارضی کو کہتے ہیں جو کثرت سے پیداوار دے۔ اَلنَّزْلُ بارش کو کہتے ہیں۔ نَزْلَةٌ کے معنی ہیں ایک بار نازل ہونا۔ تَنْزِيْلٌ : مہمان۔ مَنْزِلٌ : اُترنے کی جگہ : جمع مَنَازِل۔ مترادف مَنْهَلٌ (تاج العروس، مصباح، المفردات)۔

لین لکھتے ہیں : نَزَلَ بِالْمَكَانِ (ابوالبقا : کُلّیات) اور نَزَلَ الْمَكَانَ (مصباح در مادّہ حل) کے معنی ہیں : He alighted, descended and stopped or sojourned or lodged or settled, in the

Marfat.com

حَلَّ فِيْهِ - place, syn.

نَزَلَ لَبَنُ الشَّاةِ : بھیڑ کے تھنوں میں دودھ اُتر آیا۔

نَازَلَهُ : وہ اس کے ساتھ اُترا، دونوں میں ہر ایک جنگ یا لڑائی میں ایک دوسرے کی مزاحمت کرنے کے لیے، مصدر مُنَازَلَةٌ اور نِزَالٌ (مصباح)۔ نَازَلَهُ : وہ اس کے ساتھ اُترا۔

تَنَازَلَ : وہ بتدریج تھوڑا تھوڑا اُترا۔

مَنْزِلَةٌ : ایسا مقام جہاں سے کوئی مسافر سفر کرتا ہوا گزرتا ہے (تاج العروس، مادہ سیر)۔

مَنْزِلَةٌ : بلاقید استعمال میں : مقام، حیثیت (Standing)، رتبہ، درجہ؛ بلند مقام یا درجہ؛ مقامِ کارکردگی۔

كَلِمَةٌ بِمَنْزِلَةِ كَلِمَةٍ أُخْرٰى : ایک لفظ جو دوسرے لفظ کے برابر یا مثل ہو۔ یا ایک لفظ جو دوسرے لفظ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جائے (LANE'S LEXICON)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

قرآنِ مجید نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق نُزُولٌ کے معانی کی خود ہی صراحت کر دی ہے :

★ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا (سبا ۳۴ : ۲) : اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے خارج ہوتا ہے اور جو آسمان سے نیچے اُترتا ہے اور جو اُس میں چڑھتا ہے۔

اس میں نُزُولٌ کی ضد عُرُوجٌ ہے۔

نَزَلَ (کسی جگہ ٹھیرنا یا اُترنا) اور اَنْزَلَ (افعال، اُتارنا) کے معانی کے فرق کو کس معجزنما اُسلوب سے ظاہر کر دیا گیا ہے :

★ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ (المؤمنون ۲۳ : ۲۹) : اور کہہ کہ پروردگار و آقا! مجھے برکت والی جگہ اُتار اور تُو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے۔

اَنْزَلَ اور نَزَّلَ میں عام طور پر یہ فرق کیا جاتا ہے کہ تَنْزِيْلٌ (نَزَّلَ) تدریجی طور سے اُتارنے کو کہتے ہیں اور اِنْزَالٌ میں یہ شرط نہیں (لطائف اللغۃ) : نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (العنکبوت ۲۹ : ۶۳) : اس نے بادلوں سے پانی برسایا۔ ظاہر ہے پانی بتدریج گرتا ہے، یک دم نہیں گرتا، اگر ایسا

Marfat.com

ہوتا تو پانی کے بارِ گراں سے جاندار ہلاک و برباد ہو جاتے۔

قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَ اِنَّهٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ۙ عَلٰی قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ۙ (الشّعراء ۲۶ : ۱۹۲-۱۹۴) :

اور یہ وحی و تنزیل (= قُرآنِ مجید) یقیناً کُل مخلوقات کی بتدریج نشو و نما کرنے والے مالک کی بتدریج اُترنے والی کتاب ہے اور آپ کے قلب پر اسے رُوح الامین (یعنی حضرت جبریل علیہ السّلام) نے اُتارا ہے تاکہ آپ (لوگوں کو مُشرکانہ عقائد اور اعمالِ سُوء کے بھیانک نتائج و عواقب سے) مُتنبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

ابنِ فارس نے المُجمل میں لکھا ہے کہ التَّنۡزِیۡلُ کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے مقام پر ترتیب و قرینہ سے رکھنا۔ ابوالفضل بلیاوی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں ترتیب سے اُوپر سے نیچے اُترنا (مصباح)۔

جہاں تک قُرآنِ حکیم کا تعلق ہے اُس نے تَنۡزِیۡلُ کو صرف "اُوپر سے نیچے اُتارنے" کے معنی ہی میں نہیں، بلکہ اِنعام و اکرام عطا کرنے اور عذاب نازل کرنے کے مفاہیم میں بھی اِستعمال کیا ہے :

اِنعام و اکرام ارزانی کرنے کے معنی میں :

★ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ (الکھف ۱۸ : ۱) :

تعریف و ستائش اور شُکر و سپاس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (مُحمّدؐ) پر یہ کتاب نازل کی۔

★ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ (الشّوریٰ ۴۲ : ۱۷) :

(اللہ نے) حق کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی ہے۔

★ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ (الحدید ۵۷ : ۲۵) :

اور ہم نے لوہا نازل یا ظاہر کر دیا (REVEALED)۔

★ وَ اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزۡوَاجٍ ؕ (الزُّمر ۳۹ : ۶) :

اور اُس نے تمہارے لیے (اپنے فضل سے) چوپاؤں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کیے۔

★ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكُمۡ لِبَاسًا (الاعراف ۷ : ۲۶) : ہم نے (اپنے فضل سے) تمھیں لباس عطا کیا۔

Marfat.com

عذاب نازل کرنے کے معنی میں :

★ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤی اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ○

(العنکبوت ۲۹: ۳۴): ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب بھیجنے والے ہیں اس سبب سے کہ وہ بدکاری کرتے رہے ہیں۔

عذاب سے متعلق اِنۡزَالٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن اور ملائکہ کے نازل کرنے کے متعلق اِنۡزَال اور تَنۡزِيۡل دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں معنوی فرق ہے جو آپ بعد کی آیات میں دیکھیں گے۔

اہلِ نار کے متعلق فرمایا :

★ ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ۙ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ۙ ...

هٰذَا نُزُلُهُمۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ○ (الواقعۃ ۵۶: ۵۱ تا ۵۶):

پھر اے گمراہو اور (روزِ حساب وجزا کو) جھٹلانے والو! تم زقّوم کے درخت سے کھاؤ گے اور اسی سے تم پیٹ بھرو گے اور اُوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے جس طرح سخت پیاسا اُونٹ پیتا ہے۔ حساب وجزا کے دن یہ اُن کی ضیافت ہوگی۔

اَنۡزَلۡتُ فُلَانًا کے معنی ہیں: کسی کی ضیافت کرنا۔ اور نَازِلٌ کے معنی ہیں: فرودگاہ یا جمع ہونے کی جگہ۔

★ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ

(الحشر ۵۹: ۲۱): اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر (یکبارگی) نازل کرتے تو تم اُسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جاتا اور پھٹا پڑتا۔

اس آیۂ جلیلہ میں نَزَّلۡنَا کے بجائے اَنۡزَلۡنَا کا لفظ لاکر متنبّہ کیا گیا ہے کہ جو کتاب (اے نبیؐ!) ہم نے تُم پر تدریجاً نازل کی ہے، اگر اُسے پہاڑ پر یکبارگی نازل کر دیتے، تو وہ احکامِ الٰہیہ کی ذمّے داری یا بارِ گراں برداشت نہ کرسکتا اور مارے خوف کے سرنگوں اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

اِنۡزَال اور تَنۡزِيۡلٌ کا فرق :

★ تَنۡزِيۡلٌ کے معنی ایک چیز کو مرّۃً بعد اُخریٰ یا باری باری اور متفرق طور پر نازل کرنے کے ہوتے ہیں ؛ اور اِنۡزَال کا لفظ عام ہے جو ایک ہی دفعہ مکمّل طور پر کسی چیز کو نازل کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

دو آیات دیکھیے جن میں تَنْزِیْلٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے :

★ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۹۲-۱۹۴):
اور بے شبہ یہ (قرآن حکیم) رب العالمین کا نازل کیا ہوا چیز ہے اسے لے کر تیرے قلب پر امانت دار روح اتری ہے تاکہ تو ان میں شامل ہو جو لوگوں کو (قوانینِ مکافاتِ عمل سے) متنبہ کرنے والے ہیں۔

ایک قرأت میں نَزَّلَ ہے : وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۰۶): اور ہم نے اسے تدریجاً رفتہ رفتہ (SUCCESSIVELY) نازل کیا۔

★ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر ۱۵: ۹): بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (یاد دہانی کرنے والا کلام) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے (الفاظ و آیات اور معانی و مطالب کے) محافظ ہیں۔

★ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ ..... (الفرقان ۲۵: ۳۲):
وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس (نبی) پر سارے کا سارا کیوں ایک ہی بار نازل نہیں کیا گیا؟

اور اَنْزَلَ سے متعلق فرمایا :

★ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ..... (التوبۃ ۹: ۲۶):
پھر اللہ نے اپنی سکینت (= طمانیت) اپنے رسولؐ پر اور مومنین کے دلوں پر نازل فرمائی۔

★ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (موضوعِ مذکور): اور (اللہ نے) وہ لشکر اتارے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔

★ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ..... (الطلاق ۶۵: ۱۰-۱۱): اللہ نے تمہاری طرف ذکر نازل کیا ہے: ایسا رسولؐ جو تم پر اللہ کی صاف و واضح آیات کی تلاوت کرتا ہے (تاکہ تم ان پر عمل کرو)۔

نَزَلَ کا لفظ بھی نَزَّلَ بِهٖ کی طرح (صلہ باء کے ساتھ) استعمال ہوتا ہے :

★ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۹۳):
اس کو امانت دار روح لے کر اتری۔

Marfat.com

★ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ (القدر ۹۷: ۴) فرشتے اور رُوح (الامین) اس (رات) میں اپنے پروردگار (و آقا) کی اجازت سے ہر امر لے کر نازل ہوتے ہیں۔

★ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم ۱۹: ۶۴): اور ہم تمہارے رب کے حُکم کے سوا اُتر نہیں سکتے۔

★ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ..... (الطلاق ۶۵: ۱۲): اُن کے درمیان حُکم نازل ہوتا رہتا ہے۔

تَنَزَّلَ اس کلام سے متعلق استعمال ہوتا ہے جو افتراء اور جُھوٹ ہو یا شیاطین کی طرف سے القاء ہو۔

★ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ (الشُّعراء ۲۶: ۲۱۰): اس (کلامِ پاک) کو شیاطین لے کر نہیں اُترتے۔

★ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۗ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ (الشُّعراء ۲۶: ۲۲۱-۲۲۲): (لوگو!) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اُترتے ہیں؟ وہ ہر جعل ساز گُناہگار پر اُترتے ہیں۔

اَلتِّزَالُ (مصدر فاعلہ): دو گروہوں کا باہم لڑنے کے لیے میدانِ جنگ میں اُترنا۔

تَنَزَّلَ فُلَانٌ کے معنی مقامِ منیٰ میں اُترنا بھی آتے ہیں۔ عامر بن طفیل کا مصرع ہے:

اَ نَازِلَةٌ اَسْمَاءُ اَمْ غَيْرُ نَازِلَةٍ

کیا اسماء میدانِ منیٰ میں فروکش ہوگی یا نہیں؟

ی ق ن (یقن)

يَقِنَهُ اور يَقِنَ بِهٖ؛ اور اَيْقَنَهُ، اور اَيْقَنَ بِهٖ؛ اور تَيَقَّنَهُ؛ اور اِسْتَيْقَنَهُ اور اِسْتَيْقَنَ بِهٖ (الصّحاح، القاموس، المصباح) سب کا مطلب ہے وہ اُسے جانتا تھا؛ اُسے اس کا یقین ہوگیا؛ یا اُس نے اس کے متعلق تحقیق کرلی۔ مترادف عَلِمَهُ (القاموس، المصباح): اُس نے وجدانی یا اِستنباطی طور پر اسے معلوم کرلیا۔

يَقِيْنٌ بروزنِ فَعِيْلٌ ہے، مگر فَاعِلٌ کے وزن میں اس کا مطلب ہے مُتَيَقِّنٌ، باوثوق حتمی یا واضح۔

اِمام راغب اصفہانی رحؒ لکھتے ہیں:

اَلْيَقِيْنُ کے معنی کسی امر کو پُوری طرح سمجھ لینے کے ساتھ اس کے پایۂ ثبوت تک پہنچ جانے کے ہیں۔

Marfat.com

اِس بناء پر یہ صفتِ علم سے ہے اور معرفت، درایت وغیرہ سے اس کا درجہ ارفع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عِلم الیقین کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے، لیکن مَعْرِفَةُ الْيَقِيْنُ نہیں بولتے۔ اور علم الیقین، عین الیقین اور حقُّ الیقین میں قدرے معنوی فرق پایا جاتا ہے (المفردات)۔

يَقِيْنٌ ضد ہے شَكٌّ کی، یعنی شک کا زائل ہوکر علم و تحقیق کے ساتھ کسی امر کا پایۂ ثبوت تک پہنچ جانا۔

مَوْتٌ کو بھی يَقِيْنٌ کہتے ہیں، کیونکہ ہر مخلوق پر اس کا آنا یقینی ہے اور ٹھوس واقعات ہر روز اس کی شہادت دیتے ہیں (تاج العروس)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

یقین کا مترادف علم ہے اور اس کی ضد شک و شُبہ اور ظن ہے:

★ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ (النسآء ٤ : ١٥٧) :

اور انھوں نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰؑ ابن مریمؑ (MESSIAH JESUS SON OF MARY) اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ اُنھوں نے عیسیٰؑ کو نہ تو قتل کیا اور نہ انہیں صلیب یا سُولی پر ہی چڑھایا، بلکہ حقیقتِ حال ان پر مُشتبہ ہوگئی۔ اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ بھی شک میں مُبتلا ہیں۔ اصل واقعہ کا انھیں علم نہیں ہے، محض گمان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ انھوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

اُسلُوبِ بیاں کا اعجاز ہے کہ یقین یہاں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین پر دلالت کرتا ہے؛

اور درج ذیل آیۂ بصیرت افروز میں بھی:

★ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (الانعام ٦ : ٧٥) :

اور اس طرح ہم نے ابراھیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کا مشاہدہ کرا دیا تاکہ وہ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین رکھنے والوں میں سے ہو جائیں۔

علم الیقین، عین الیقین اور حقُّ الیقین کے لیے دیکھیے بالترتیب التکاثُر ١٠٢ : ٥، ٧؛ الحآقّۃ ٦٩ : ٥١۔

Marfat.com

ف ل ح (فلح)

فَلَحَ مضارع ہے اور اس کا مصدر ہے فَلْحٌ : اُس نے فلاں چیز کو پھاڑ دیا، چاک کر دیا، شق کر دیا، ٹکڑے ٹکڑے کر دیا؛ اس میں شگاف ڈال دیا (تاج، قاموس، تہذیب، المفردات) - انگریزی میں HE CLOVE, SPLIT, SLIT, OR CRACKED, AND HE CUT (قب فَلَجَ، فَلَقَ، اور فَلَذَ) - چنانچہ مثل مشہور ہے : اَلْحَدِيْدُ بِالْحَدِيْدِ يُفْلَحُ : لوہا لوہے سے کاٹا جاتا ہے (المفردات، تاج)۔

فَلَحَ الْأَرْضَ : اُس نے کاشتکاری کی غرض سے زمین میں ہل چلایا؛ اس میں کاشت کی۔ فَلَحَ رَأْسَهٗ : اُس نے اس کا سر پھوڑ دیا (محلِ مذکور)۔

فَلَّاحٌ کسان کو کہتے ہیں (کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے)۔ فَلَاحَةٌ : کاشتکاری، کھیتی باڑی کرنا۔

فَلَاحٌ کے معنی ہیں : کامیابی، مُراد برآری، خوشحالی، فَلَحٌ کے بھی یہی معنی ہیں (لِسان، صِحاح، قاموس، المفردات، مصباح وغیرہ وغیرہ) - اس میں کامیابی یا خوشحالی کے ثباتِ دوام کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے (لین) - ابن فارس کا قول ہے کہ فَلَاحٌ یا کاشتکار کی محنت کا صلہ یہ ہوتا ہے کہ قُدرت ایک ایک دانے کے بدلے سوسو دانوں سے اُسے نوازتی رہتی ہے۔ اس لیے فَلَاحٌ کا لفظ کامیابی اور بقاء کے لیے اِستعمال ہوتا ہے۔

اِمام راغب اصفہانیؒ : فَلَاحٌ کے معنی کامیابی اور مُراد برآری کے ہیں، اور یہ دو قسم پر ہے : دُنیوی اور اُخروی - دُنیوی فلاح ان سعادتوں کو حاصل کر لینے کا نام ہے جن سے دُنیوی زندگی خوشحال و مسرور بنتی ہے، مثلاً بقاء، مال، عزّت اور دولت - چنانچہ شاعر (عبید بن الابرص) نے اسی معنی میں کہا ہے :

اَفْلِحْ بِمَا شِئْتَ فَقَدْ يُدْرَكُ

بِالضُّعْفِ وَقَدْ يُخْدَعُ الْاَرِيْبُ (لسان العرب جلد ۳، ص ۳۸۱)۔

جس طرح سے چاہو عیش کرو۔ کبھی کمزور کامیاب ہو جاتا ہے اور عقلمند و زیرک دھوکا کھا کر محروم رہ جاتا ہے۔

فلاحِ اُخروی چار اشیاء کے حصول سے عبارت ہے : بقاء بِلا فناء؛ غنا بِلا فقر؛ عزّت بِلا ذلّت اور علم بِلا جہل - اِسی لیے کہا گیا ہے کہ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ : آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔

Marfat.com

قرآنِ حکیم کی رُو سے

★ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المؤمنون ۲۳: ۱): یقیناً مؤمن کامیاب و بامُراد ہو گئے۔

★ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ (الاعلیٰ ۸۷: ۱۴): کامیاب و بامُراد ہوا جس کا تزکیہ ہو گیا۔

★ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (الشمس ۹۱: ۹-۱۰):
بلاشُبہ جس نے اپنے قلب (ونفس) کا تزکیہ کیا، وہ کامیاب و بامُراد ہو گیا؛ اور جس نے اُسے نشوونما دینے کے بجائے (گُناہوں کے بارِگراں تلے) دبا دیا، وہ بے نیلِ مرام رہ گیا۔

یہ آیۂ بصیرت افروز اعجازاتِ قُرآنی میں سے ہے، اور ازبس اہم حقائق کی نقاب کشائی کرتی ہے: اوّلاً، فلاح کی پیش شرط (PRE-REQUISITE) تزکیہ ہے۔ ثانیاً، تزکیہ کا نقیض دَسّ ہے، لہٰذا تزکیہ کے معنی تطہیر و تصفیہ کرنے اور نشوونما دینے کے ہیں۔ ثالثاً، قلب ونفس کا تزکیہ کرنے سے وہ حسین دمنیرا در زندہ و حرکی بنتا اور اس کا جمالیاتی شعور اِرتقاء کرنے لگتا ہے اور رابعًا، یہ واقعیت اِنسان کی ابدی طمانیت و مسرت، حیاتِ طیّبۂ سرمدی اور تقرّب و رضوانِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔

★ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر ۵۹: ۹):
اور جس شخص کو اس کے نفس کے بُخل و حرصِ تکاثُر سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیابی و مُراد پانے اور دُنیوی - اُخروی ترقّی کرنے والے ہیں (نیز تغابن ۶۴: ۱۶)۔

Marfat.com

حواشی

۱— **عالَمِ انفُس و آفاق :** نفس کی جمع انفُس اور اُفق کی جمع آفاق ہے۔ یہ دونوں اہلِ نظر کے لیے حُسن وحق، علم وحکمت، فن وہنر، جمالیاتی حقائق و معارف اور نوامیسِ فطرت (NATURAL LAWS) کے آئینہ دار اور ان کے لیے کتب کا حُکم رکھتے ہیں۔ لِہٰذا جو شخص اپنے نفس کی کتاب پڑھ لیتا ہے، اُسے صاحبِ کتاب ربِّ رحمٰن کی صفات کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مقولہ جتنا مشہور ہے اُتنا سچا بھی ہے کہ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"؛ یعنی جس نے اپنے آپ یا اپنے باطن یا اپنی کتابِ نفس کو پڑھ کر اپنے نفس کو پہچان لیا، اُس نے اپنے نظامِ نفس کے علیم وحکیم، عزیز وقدیر، خالق و قیوّم، مدبّر و منتظم اور پروردگار و مالک کو پہچان لیا۔ آفاق یا کائنات کو کتابِ نوامیسِ فطرت کہتے ہیں جو اپنے علیم وحکیم اور عزیز وقدیر، خالق وقیوّم اور مدبّر و پروردگار کی ذات و صفات اور قوانین کی آئینہ دار ہے۔

۲— **اِکتشاف، ایجاد، اختراع :**

(۱) اِکتشاف کے معنی ہیں : موجودات کے اسرار و خواص کا سراغ لگانا یا ان کو دریافت کر لینا۔

(۲) ایجاد : کوئی ایسی نئی چیز بنانا، جو پہلے موجود نہ ہو، اور نہ دُنیا میں اُس کی نظیر ہی ملتی ہو۔

(۳) اِختراع : کسی چیز میں اِضافہ یا کمی کر کے اُسے شکل وصورت اور کارکردگی کے اعتبار سے نئی بنانے کو اِختراع کرتے ہیں۔

۳— **خُوب تر کی طلب وجستجو :** حُسن کی آرزو اِنسان کو فطرۃً ودیعت ہوئی ہے اور حُسن ایک سے ایک اعلیٰ وارفع صورت میں جلوہ پیدا کرتا رہتا ہے جس کے مشاہدے سے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہو کر بھی تشنگی بڑھتی رہتی ہے۔ اس کی بُنیادی وجہ یہ ہے کہ رُوحِ اِنسان "روزِ الست" اپنے ربِّ رحمٰن کا جو حُسنِ حقیقی ہے، مشاہدہ کر چکی ہے (دیکھیے قُرآنِ حکیم، الاعراف ۷ : ۱۷۲)، لِہٰذا اُسے ایک بار دیکھا، دوسری بار دیکھنے کی حسرت رہتی ہے، جسے خُوب سے خُوب تر کی طلب وجستجو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ہر حسین شے کمال کی آئینہ دار ہونے کے باوجود حُسنِ حرکی کے اعتبار سے ناتمام ہی ہوتی ہے، کیونکہ کمال حقیقت میں عروج و اِرتقاء کے نُقطۂ منتاہی پر نہیں، بلکہ کمالِ نَو کے نُقطۂ آغاز پر دلالت کرتا ہے؛ لِہٰذا اہلِ ذوق ونظر کو حسین سے حسین تر یا خُوب سے خُوب تر کی آرزو وجستجو رہتی ہے۔

۴— **کُتبِ سماوی :** اِس سے مُراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نُور وہدایت ہے، اور رُوح القُدس یا

Marfat.com

حضرت جبرائیل علیہ السّلام کی وساطت سے بذریعہ وحی وتنزیل کُل انبیآء و رُسل علیہم السّلام کو ملا، مثلاً، توراتِ مقدّس، انجیلِ مقدّس اور قرآنِ مجید وغیرہم۔ اس وقت قرآنِ مجید کے سوا کوئی کتابِ سماوی بھی زمانے کی دستبُرد سے، نہ اِنسان کی لفظی، موضوعی اور معنوی تحریفات سے محفوظ ہے۔

۵ـ جنّتِ قُرَّةُ العین : قرآنِ مجید نے جنّت کو قُرَّةِ اَعْیُن (= آنکھوں کی ٹھنڈک) سے تعبیر کیا ہے، جو اِنسان بلکہ ہر متنفّس کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے کہ کسی نفس کو اس کا اِدراک ہے نہ مشاہدہ کہ اس کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون سی شے (= جنّت) اس کے لیے چھپا کر رکھی گئی ہے، جو اس کے اعمال کا صلہ ہوگی (السجدۃ ۳۲ : ۱۷)۔ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے کہ جنّت کو دیکھنے کا توسوال کیا، کوئی شخص اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ وہ کیا ہے (المشکوٰۃ، ح ۵۳۷۰)؛ یہ حسین جنّت اِنسان کے حواس وقلب اور نفس وبدن کے لیے آرام وراحت، حظ ومسرّت اور کیف وسُرور کی ٹھنڈک ہے جو اِنتہائی طمانیّت بخش، مسحور کُن و وجد آفرین ہوگی۔

۶ـ عُلماءِ سُوء : یہ ایسے مذہبی پیشواء ہیں جو خود بھی مُشرک واصنام پرست ہوتے ہیں، اور لوگوں کو بھی مُشرک، یعنی اکابر وسادات پرست، روضہ ومقبرہ پرست، بُت وشبیہ پرست اور ظالم وجاہل بناتے ہیں۔ یہ ان پر اللّٰہ کی صِراطِ مُستقیم مسدود کرتے ہیں۔ تاویل بِالباطل اور تسمیہ بِالباطل کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرنا اور ان کا اِستحصال کرنا، ان کا شِعار ہوتا ہے۔ یہ عُلمائے سُوء ہی ہیں جنھوں نے اُمّتِ مُسلمہ کا شیرازہ مُنتشر کر کے اُسے بیسیوں فرقوں میں مُنقسم کر دیا ہے اور ان میں ایک دوسرے کے خلاف منافرت ومخاصمت کے جذبات اُبھارتے رہتے ہیں۔ یہ اصلِ عظیم یاد رکھنا چاہیے کہ عُلماءِ سُوء (= آزروں) کے استیصال کیے بغیر مُسلمانانِ عالم کبھی متّحد و موحّد نہیں ہو سکتے۔

۷ـ دُنیوی۔اُخروی زندگی : زمان ومکان کے لحاظ سے اِنسان اور حیوان میں اہم ترین اور فکر انگیز فرق یہ ہے کہ حیوان کو ایک بار زندگی ملتی ہے، جس کی جولانگاہ یہ دُنیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک بار ہی لذّتِ زندگی سے آشنا ہوتا ہے اور مر کر ہمیشہ کے لیے فنا ومعدوم ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے، اِنسان کی دو زندگیاں ہیں (تیسری زندگی کا عقیدہ غیر قرآنی ہے، اس لیے باطل ہوا)۔ بہرحال، حیاتِ اِنسانی کی صرف دو جولانگاہیں ہیں : دُنیا اور دارالآخرت، جو الحَیَوان ہے۔ الحَیَوان میں موت نہیں ہوگی اور زندگی ابدی ہوگی۔ وہاں جاکر اِنسان امر یا زندۂ جاوید ہو جائے گا۔ عمل وجزاء کے لحاظ سے دُنیوی زندگی اور اُخروی زندگی ایک ہی سلسلے کی دو لاینفک کڑیاں ہیں۔ یہ حقیقت ازبس اہم اور یاد رکھنے کی ہے کہ اِنسان مر کر قبر یا روضے وغیرہ میں زندہ نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی نَشْأَۃِ ثانیہ قیامت کے روز ہوگی۔ لذّتِ

Marfat.com

موت سے آشنا ہونے کے بعد نفسِ انسانی عالَمِ برزخ میں اس طرح زندگی کرتا ہے، جس طرح وہ پہلے خواب کی حالت میں زندگی کرتا تھا۔

۸ — تسمیہ بالباطل: کسی متنفّس کو ایسے مُسمّٰی سے موسوم کرنا یا ایسی صفت / صفات سے موصوف کرنا جو اس میں نہ ہوں۔ دوسرے لفظوں میں، کسی کو ایسے نام سے موسوم کرنا جس کا وہ مُسمّٰی نہ ہو، یعنی اُس میں اس نام کے حقیقی معانی نہ پائے جائیں۔ مثال کے طور پر، کسی مُتنفّس یا بشر کو ابنُ اللہ، غیب دان، حاضر و ناظر، زندہ و قائم، مُشکل کُشا، کارساز، حاجت روا اور مُستجیب الدّعوٰت ایسے ناموں سے موسوم کرنا، تسمیہ بالباطل ہے۔

۹ — جمالیاتی۔تخلیقی تزویجی عمل (AESTHETIC-CREATIVE PAIRING ACTIVITY)۔

ربِّ کریم نے اپنی ہر شے کو جو اس نے تخلیق کی ہے، ایک تو حسین بنایا ہے (السّجدۃ ۳۲: ۷)، اور دوسرے اس کو زوجین یا جوڑا جوڑا بنایا ہے (الذّٰریٰت ۵۱: ۴۹؛ النّجم ۵۳: ۴۵ و بمواضعِ دیگر)؛ اُس کی اِس تخلیقی فعلیّت کے لیے ہم نے جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّت کی تعبیر اختیار کی ہے۔

۱۰ — سیّئۃ و شرّ: ہر شے جو اِنسان کو غم، دکھ، رنج، فکر اور تنگیِ حیات میں مُبتلا کر دے، اُسے سُوء کہا جاتا ہے، خواہ وہ اُمُورِ دُنیوی سے تعلّق رکھتی ہو یا آخرت سے۔ سیّئۃ کے معنی بُرائی ہیں، جو اِنسان کو غم میں مبتلا کرے۔ یہ حسنہ کی ضد ہے، جس کے معنی ہر وہ شے ہے جو طمانیّت و مسرّت دے۔ اُخروی حسنہ سے مُراد جنّتِ قُرّۃُ العین اور اُخروی سیّئۃ سے مُراد جہنّم ہے۔

شرّ، ضد ہے خیر کی۔ چنانچہ ہر وہ شے جو کُل (دُنیوی و اُخروی اور مادّی و معنوی) زندگی کے لحاظ سے نُقصان دِہ، ضرر رساں، موجبِ خسارہ و تنزّل اور غم انگیز و خوف آفرین ہو، شرّ ہے۔ بخلاف اس کے، ہر وہ شے جو کُل زندگی کے اعتبار سے منفعت و ترقّی اور طمانیّت و مسرّت کا باعث ہو، خیر ہے۔

۱۱ — تشہیر بالباطل: اس کا مطلب غلط و گمراہ باتوں یا واقعات کو کھُلم کھُلا یا رازدارانہ طریقے سے شہرت دینا یا انہیں مشہور کرنا ہے۔ کھُلم کھُلا تشہیر کو انگریزی میں پراپیگنڈہ (PROPAGANDA) اور خُفیہ یا رازدارانہ تشہیر کو WHISPERING PUBLICITY کہتے ہیں۔

۱۲ — (ا) قُدرت کا قانونِ اِرتقاء یا (ب) طبیعی۔مفاجاتی اِرتقاء

(ا) قدرت کا قانونِ اِرتقاء: روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ کاشتکار اراضی میں جس نباتاتی چیز کا بیج ڈالتا ہے، وہ مناسب آبیاری اور کھاد ملنے کے بعد بتدریج زمین سے کسی اور صورت میں سر نکالتا ہے؛

Marfat.com

پھر بتدریج نشو ونما پاتا اور ترقّی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ پودا یا شجر بن کر برگ وبار لاتا ہے۔ کچھ اسی اِرتقائی انداز میں مرد کا مادّۂ منویّہ رحمِ عورت میں درجہ بدرجہ اِرتقائی مراحل طے کرتا، صُورتیں بدلتا ہُوا، مکمل بشر بن جاتا ہے، اور پھر بچّے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اِسی طرح ربِّ رحمٰن کی ہر مخلوق اس کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیت کی مرہونِ منّت ہوتی ہے اور تدریجی اِرتقاء کرتے ہوئے اپنی تکمیل کرتی ہے۔ یہ ہے قُدرت کا اِرتقاء (مفصّل بحث کے لیے دیکھیے اِس تلمیذ القرآن کی کتاب سرگُذشتِ فلسفہ، جلد اوّل)۔

(ب) طبیعی۔ مفاجاتی اِرتقاء: نباتات وحیاتیات کے عُلماء ومُحقّقین نے سالہا سال کے مشاہدہ و تحقیق کے بعد اس اصل کا سراغ لگایا ہے جس کا انکشاف قُرآنِ مجید نے چودہ صدیاں پہلے کیا تھا کہ ربِّ ذی مدارج کے قانونِ تخلیق کے مطابق کائنات کی جُملہ مخلوقات نے اِرتقائی صورت میں اپنی تکمیل کی تھی۔ جہاں تک بشر کے مولد ومنشا زمین کا تعلّق ہے، بشمول اس کے کُل مخلوقات نے اس کے معمورۂ آب میں نفسِ واحدہ سے اپنی ہستی کا آغاز اور اِرتقاء کیا تھا۔ چنانچہ، قُدرت کے قانونِ احترامِ آرزو کے مطابق، ہر مخلوق کے اِرتقاء کا سلسلہ دفعتًا منقطع ہوگیا۔ اس کے لیے طبیعی۔ مفاجاتی اِرتقاء کی تعبیر اِختیار کی گئی ہے۔

۱۴۔۔۔ تطہیر وتقدیس: (ا) تطہیر کے معنی ہیں: کسی چیز، مثلاً قلب کو ہر آلودگی گناہ یا اعمالِ سُوء کے منفی اور اِرتقاء کُش اثرات سے پاک وصاف اور منزّہ کرنا۔ اس اعتبار سے تطہیر میں تزکیہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

(ب) تقدیس: اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کے عیب ونقص اور شرک سے پاک ومنزّہ سمجھنا اور اس کا اِظہار کرنا؛ نیز اس کی صفاتِ حسنہ کا اِظہار واِبلاغ کرنا۔

۱۵۔۔۔ حسنہ وسیّئہ: (ا) حسنہ کا مطلب ہر وہ شے ہے جو سُرور انگیز، قُرّۃُ العین، نیز راحت وآرام اور اِطمینانِ قلب وجان کا سامان ہو، مثلاً مال ودولت، عزّت وشہرت، کامیابی وکامرانی، صحّت وتندرستی، اِحسان وخیر، صالح اولاد وبیوی، امن وسلامتی، ارزانیِ علم وفن وغیرہ وغیرہ۔

(ب) حسنہ کی ضد سیّئہ ہے۔ اس کا مطلب ہر وہ شے ہے جو اِنسان کو غم میں مبتلا کردے، خواہ وُہ اُمورِ دُنیوی سے تعلّق رکھتی ہو یا آخرت سے۔ اُخروی سیّئہ سے مُراد جہنّم یا النّار ہے۔

Marfat.com

۶ - اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

۷ - خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۷﴾

۶ — ترجمہ

یقیناً جن لوگوں نے کُفر یعنی اَنکار و جحود کی روش اِرادۃً اِختیار کر رکھی ہے، اُن کے حق میں آپ کا (کُفر کے قبیح وظُلمت انگیز اور غم آفرین وشکیب رُبا نتائج وعواقب سے) مُتنبّہ کرنا نہ کرنا ایک ہی جیسا ہے کیونکہ وہ اِیمان لانے والے نہیں۔

تفسیری ترجمہ

اصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے (شرک و اکابر پرستی، دینی و نسلی عصبیت اور ظُلم وجَہل ایسے عوامل کے سبب) ربِّ رحمٰن کی توحیدِ اُلُوھیت و ربُوبیت، اس کے حُسنِ کلامِ آخر اور پیغمبرِ اعظم وآخر ؐ کی دعوت مُسترد کرنے کو اپنا شِعارِ زندگی بنا رکھا ہے، ان کو اِس واقعیت سے ڈرانا (کہ وہ اپنے کُفر کے نتیجے میں دُنیا میں آتشِ خوف و حُزن میں اور آخرت میں جہنّم کے شکیب رُبا آتشیں عذاب میں ہمیشہ جلتے اور تڑپتے رہیں گے) بیسود ہے، کیونکہ وہ کسی طرح اِیمان لانے والے ہی نہیں (جیسے سنگلاخ زمین میں بارانِ جانفزا برسے بھی تو وہ زندہ ہوگی نہ بارآور کہ اس میں ایسا ہونے کی اِستعداد ہی نہیں ہوتی اور نہ آرزو ہی)۔

۷ — ترجمہ

اللّٰہ نے (اپنے قانونِ مُجازات کے مطابق اُن کے کُفر کی ظُلمتوں کی دبیز تہوں سے) ان کے دل و دماغ اور کان مُہر بند کر دیے ہیں، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے، (نتیجۃً) اُن کو بہت بڑا عذاب (النّار) سہنا ہوگا۔

تفسیری ترجمہ

اللّٰہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کُفر کی روش اِختیار کرنے پر (اور اپنے قلب وحواس کے نظاموں سے کام نہ لینے کی پاداش میں اپنے قانونِ کُفرانِ نعمت کے مطابق) ان کے اِن نظاموں کو مُعطّل ہی کر دیا ہے (جس کے نتیجے میں وہ اندھے، بے عقل، گُونگے، بہرے اور گُمراہ بہائم بن گئے ہیں، اور اس کے نتیجے میں) ان کو دُنیا میں بھی کربناک عذابِ آتشِ خوف وحُزن ہوگا اور آخرت میں بھی جہنّم کا بڑا ہی اذیت ناک و شکیب رُبا عذاب سہنا ہوگا۔

Marfat.com

تفسیر

ربِّ علیم وحکیم نے سُورۂ بقرہ میں تین قسم کے اِنسانوں کا ذکر کیا ہے: ایک مُتقیوں ۔ مؤمنوں کا؛ دوسرے، کافروں ۔ دین کی تکفیر و تکذیب کرنے والوں کا؛ اور تیسرے، مُنافقوں ۔ دو چہرے والوں کا، جو زبان سے تو اِیمان لاتے ہیں، مگر دل سے نہیں۔ اُن کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے، کیونکہ ان کے زبان و دل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ اہلِ اِیمان وتقوٰی اور کافروں کی نشاندہی کرنے کے بعد زیرِ تفسیر آیات میں مُنافقوں کی دو ایک اِنتہائی خطرناک بیماریوں کی طرف بلیغ اشارات کیے ہیں۔ مثلاً وہ زبان سے تو اللہ تعالیٰ اور روزِ حساب وجزا پر اِیمان لاتے ہیں، مگر دل سے نہیں، اِس لیے وہ مؤمن نہیں ہوتے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اِس جگہ دو از بس اہم نِکات کی صراحت کر دی جاتی ہے: اوّلاً، جس طرح قُرآنِ حکیم حواسِ خمسہ (سامعہ، باصرہ، لامسہ، شامّہ، ذائقہ) میں صرف سامعہ اور باصرہ کا ذکر کرتا ہے، کیونکہ جمالیاتی مشاہدہ و تجربہ اور تحصیلِ علم وحکمت وغیرہ وغیرہ میں صرف یہی دو حواس اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں؛ اِسی طرح اُس نے اِیمانِ خمسہ میں سے صِرف اِیمان باللہ اور اِیمان بالآخرۃ کا ذکر کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان دو پر اِیمان لانے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اِنسان کے لیے ملائکہ، انبیاءؑ اور کُتبِ سماوی پر اِیمان لانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ثانیًا، یہ واقعیت غیر معمولی اور یاد رکھنے کی ہے کہ تحریکِ اِسلام میں مُنافق مکّہ مکرّمہ میں نہیں، بلکہ مدینۂ مُنوّرہ میں داخل ہوئے تھے (جیسا کہ التوبۃ ۹: ۹۷-۱۰۱ سے مُستنبط ہے)۔ اِس دعوے کی دلیل یہ بھی ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں تحریکِ اِسلام اِنتہائی کس مپرسی کی حالت میں تھی؛ اور اُس کی کامیابی کا بظاہر کوئی اِمکان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پھر جو لوگ رضاکارانہ طور پر اس میں داخل ہوتے تھے، وہ جان پر کھیل کر ایسا کرتے تھے۔ پھر انھیں قُریش کے ظُلم وتشدّد اور تضحیک واِستہزاء کا ہدف بھی بننا پڑتا تھا۔ اِس خطرناک صُورتِ حال میں وہی لوگ اِسلام لاتے تھے، جو ہدایت کی سچّی طلب وجستجو رکھتے تھے، اور دُنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے تھے۔ تحریکِ اِسلام کے ان مُخلص و بے غرض مُتقی وموحّد اور رضاکار وایثار پیشہ مجاہدوں میں کسی مُنافق کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو مؤمن ہونے کے مُدعی ہونے کے باوجود عصبیّت واکابر پرستی کی بناء پر ان اہلِ اِیمان وتقوٰی کو جنھیں السّابِقون اور صحابہؓ ہونے کا شرف حاصل ہے "مُنافق" سمجھتے اور کہتے ہیں، وہ خود مُنافق ہیں اور تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ بولتے اور بُہتان

Marfat.com

باندھتے ہیں۔

ان مُخلص و مُتقی مہاجرین اور انصار نے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قیادتِ بے مثال میں مدینۂ منوّرہ میں شہری مملکت کی بُنیاد رکھی اور تحریکِ اسلام کی کامیابی کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو بعض مفاد پرست اور طالع آزما بھی اس میں داخل ہونے لگے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہر تحریکِ انقلاب کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

تحریکِ اِسلام کا مَولد و منشا مکہ مکرمہ ہے۔ وہاں سب سے پہلے اُس کا سابقہ مُشرکوں، یعنی اکابر پرست اور اصنام پرست قریش سے پڑا۔ قُریش کے سردار اور عمائدین مدّتوں سے معاشرتی سرطانوں یعنی فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کی طرح زندگی کر رہے تھے۔ اُن کے لیے اِسلام کے منشور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو قبول کرنا اپنے پروانۂ ہلاکت و بربادی پر دستخط کرنے کے مترادف تھا، حالانکہ یہ ان کے لیے دُنیوی و اُخروی حسنہ اور مادّی و معنوی ترقّی کا مُژدۂ جانفزا تھا۔ سرمایہ داری، سُود خوری اور حرام خوری کے عادی قارونوں اور بُتانِ کعبہ کے چڑھاووں کی آمدن سے دستبردار ہونا اور کسبِ حلال پر قناعت کرنا، اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ بُتانِ آزری و نفسانی کے پرستارانِ قدیم کے لیے اُن کو چھوڑنے اور ایک اللہ کو اپنا اِلٰہ و ربّ بنانے کا تصوّر بھی اُن کے لیے سُوہانِ رُوح تھا۔ اُخوّت و مساوات اور حُرّیّت کے اِسلامی اُصول کو قبول کرنا بھی اُن کے لیے محال تھا، کیونکہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنے غلاموں، خادموں، محنت کشوں، غریبوں اور یتیموں کو اپنے بھائی سمجھ سکتے تھے نہ اُنھیں بھائیوں جیسا مُساویانہ معاشرتی درجہ ہی دے سکتے تھے۔ اِسلام کا یہ اُصول کہ "عزّت و تکریم کا معیار تقویٰ ہے"، مال و دولت ہے نہ قُوّت و اِقتدار، منصبِ آزری ہے نہ رُتبۂ سرداری، مکّے کے سرداروں کے لیے اس اُصول کو ماننا جان سے جانے کے برابر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے لیے نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعوتِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو قبول کرنا تو کُجا، سُننا بھی گوارا نہ تھا۔ اِس پر آپؐ کا رنجیدہ خاطر ہونا فطری امر تھا، کیونکہ آپؐ رحمۃٌ لِّلعٰلمین تھے، اور آپؐ کو نوعِ اِنسانی کا شدید غم تھا۔

ربِّ رحمٰن و علیم جہاں یہ چاہتا تھا کہ اُس کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے منشور پر عمل کر کے حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کے لیے اِسلامی معاشرے کی تعمیرِ نو کریں، وہاں اُن کے غم میں اپنے منظورِ نظر پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانگدازی کی کیفیت بھی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ چنانچہ آپؐ کی دلجوئی و تسلّی کے لیے اُس نے ان معاشرتی سرطانوں کے مذکورہ احوال و ظروف کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اُن کے لیے دعوتِ توحید کو تسلیم بالیقین کرنا فی الحال محال ہے کیونکہ اس سرطانی مرض کا علاج دوا نہیں جراحی ہے،

Marfat.com

لہٰذا اپریشن یا جرّاحی کا وقت آنے تک اِنتظار کریں۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ تنذیر کا کام جاری رکھیں۔ یہ مطلب ہے اِس آیۂ فکر انگیز کا کہ

★ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (البقرة ۲: ۶)۔

اس کی دلیل اگلی ہی آیت میں دی ہے، جس کا ترجمہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ اب اس کی تفسیر نفسیاتی۔ جمالیاتی نُقطۂ نظر سے کی جاتی ہے :

ربِّ کریم نے اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار۔ اِنسان کو باطنی یا حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام ودیعت کیا ہے، جو اُسے دیگر مخلوقات سے ممیز کرتا ہے، نیز وہ وجہِ شرفِ اِنسانیت ہے۔ اِس نظام میں قلب یا دل و دماغ کا نظام مرکزی و امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے وظیفے (Function) کی نوعیّت فاعلی بھی ہے اور مفعولی بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قلب حواس کے اثرات قبول بھی کرتا ہے اور ان پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔ دوسرے، یہ حِسّی۔ نفسی نظام کو کنٹرول بھی کرتا ہے اور اِنسان کے اعمال و کردار کی راہ و منزل کو مُتعیّن بھی کرتا ہے۔ تیسرے، اگر یہ سلیم ہو تو نُور کی تولید بھی کرتا ہے۔ تولیدِ نُور سے وہ اِرتقاء کرتا ہے جو عبارت ہے تقرُّب اِلَی اللہ اور ترفُّعِ درجات سے۔

اگر قلب سلبی عوامل و محرکات سے سلیم یعنی حسین و مُنیر نہیں رہتا تو اس کا نظام اور اس کے سبب سے حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام بھی معطّل و ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے جو منفی نتائج نکلتے ہیں، اُن میں چند اہم ترین یہ ہیں :

★ گوش ہی حق نیوش رہتے ہیں، نہ آنکھیں ہی عبرت نگاہ رہتی ہیں۔
★ جمالیاتی حِس مفلوج ہو جاتی ہے نتیجۃً وہ حُسن و قبح اور حسنہ و سیئہ میں امتیاز کرنے کے قابل نہیں رہتی۔
★ ضمیر کی آواز مؤثر نہیں رہتی۔
★ نفسِ امّارہ سرکش اور شیطان کا پیرو کار بن جاتا ہے؛ اس کے نتیجے میں اس پر
★ نفسِ لوّامہ کی ملامت و سرزنش اثر نہیں کرتی۔
★ عقل بھی سلیم نہیں رہتی؛ اس کے نتیجے میں وہ عیّار و طاغوتی ہو جاتی ہے، اور اس کی فکر کی جہت صالحہ نہیں رہتی اور وہ کجرو اور غلط اندیش ہو جاتی ہے۔

اِنسان کے حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام کے اِس طرح مُعطّل و ناکارہ ہو جانے کو قرآنِ حکیم نے اپنے اِعجازِ بلاغت سے اِس طرح بیان کیا ہے :

★ (۷) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ

Marfat.com

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿البقرۃ ۲: ۷﴾:
اللہ نے ان کے دل و دماغ اور کانوں کو (اُن کے گناہوں کی ظلمتوں کے دبیز پردوں سے) مُہربند کر دیا ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اِس آیۂ بصیرت افروز و عبرت انگیز میں یہ اصلِ عظیم مُضمر ہے کہ اِنسان جب اپنی قلبی۔حِسّی قُوّتوں سے کام نہیں لیتا جیسا کہ لینا چاہیے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کو اُس کے فطری حُسن و نُور، کیف و سرُور اور لذّت و شیرینی سے محروم کر دیتا ہے تو وہ اس کے لیے بے کیف و تلخ اور اندوہناک و کرب انگیز بن جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر، اس کے لیے عذاب بن جاتی ہے۔ اگرچہ اِنسان اپنی زندگی کو ایسا خود کرتا ہے، لیکن ایسا چونکہ قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق ہوتا ہے، اس لیے اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ عذاب دینے کی ضمیر اپنی طرف پھیرتا ہے۔ قُدرت کا یہ قانونِ مکافاتِ عمل سُنّتِ اللہ ہے جو ناقابلِ تبدّل و تحوّل ہے (فاطر ۳۵: ۴۳)۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہوا کہ اِنسان اپنی حسین و منوّر اور لذّت انگیز و شیریں زندگی کو اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے قبیح و تاریک، تلخ و کربناک اور اجیرن نہ بنائے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اُس نے اپنی زندگی کو ایسا بنا لیا تو پھر اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہستی، چاہے کتنی برگزیدہ کیوں نہ ہو اور وہ اُسے خدائی طاقتوں کا مالک ہی کیوں نہ سمجھتا ہو، اس کی زندگی کو حسین و منوّر اور لذّت انگیز و شیریں نہیں بنا سکتی اور نہ اس کی حِسّی۔قلبی قُوّتوں کو اس کے لیے بحال ہی کر سکتی ہے۔ اِس جمالیاتی۔نفسیاتی اصلِ عظیم کو قُرآنِ مجید نے ازبس بصیرت افروز و تنذیری انداز میں بیان کیا ہے:

★ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿الانعام ۶: ۴۶﴾:

(اے نبیؐ!) ان سے کہیے کیا تم نے کبھی اِس بات میں غور و فکر کیا کہ اگر اللہ تمہاری سمعی و بصری قُوّتیں تُم سے سلب کر لے اور تمہارے قلبی نظام کو مُعطّل و ناکارہ بنا دے تو اللہ کے سوا اور کون سا "معبود و حاکم" ہے جو ان قُوّتوں کو تمہارے لیے بحال کر سکتا ہے؟ (یعنی نہیں کر سکتا)۔ دیکھو! ہم کس طرح گُوناگُوں اسالیب میں اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ ان سے مُنہ پھیرے جاتے ہیں۔

اِس موقع پر چونکہ یہ نہایت اہم سوال ذہنِ اِنسانی میں پیدا ہو کر دل میں خلشِ پیہم پیدا کر سکتا تھا کہ

Marfat.com

وہ کون سے عوامل و محرکات ہیں جو اِنسان کے حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام کو معطّل و ناکارہ بنا دیتے ہیں، لہٰذا قرآنِ حکیم نے اپنی سُنّتِ حسنہ کے مطابق خود ہی اِس سوال کا جواب دے دیا ہے جو اس کے اِعجازات میں سے ہے:

★ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

(الجاثیۃ ۴۵ :۲۳):

پھر کیا تُم نے کبھی اس شخص (کے احوال وظروف) میں غور وفکر کیا جس نے اپنی خواہش (نیز جذبہ وعصبیّت) کو اپنا معبود ومقصود اور حاکم بنایا ہوا ہے، اور اللہ نے (اپنے قانونِ مُجازات کی رُو سے) اُس کے علم کے باوصف اُسے گم گشتہ کردیا، اور اس کی سامعہ اور قلب کو مُہر بند کر دیا (یعنی ناکارہ بنا دیا)، اور اس کی بصیرت کو ملفوف کر دیا ہے۔پھر اس کے بعد اللہ کے سوا کون ہے جو اُسے صراطِ مُستقیم دکھا سکتا ہے؟ (یعنی کوئی نہیں دکھا سکتا)۔کیا پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرو گے؟

اِنسان جب اپنی کسی معروضِ خواہش (OBJECT OF DESIRE OR LUST) کو اپنا ناظور ومقصودِ حیات بنا کر اس کی تکمیل میں اپنی غایتِ زندگی کو مُضمر سمجھنے لگتا ہے تو اُسے کسی ناصح کی بات کو سُننے اور نہ کسی عبرتناک شے کو دیکھنے کا دماغ رہتا ہے نہ یارا۔اس کی فکر ونظر کا ہدف صرف اس کا معروضِ خواہش بن کر رہ جاتا ہے۔اس کی دماغی وجسمانی قوّتیں اس کے حصول میں لگی رہتی ہیں، اور وہ اس کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتا چلا جاتا ہے؛ عقل چاہے کتنا ہی روکے، وہ نہیں رُکتا؛ ضمیر چاہے کتنا ہی سمجھائے اور منع کرے وہ اس کی سُنتا ہی نہیں؛ نفسِ لوّامہ اُسے کتنی ہی ملامت کرے تاکہ وہ باز آجائے، لیکن اُس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔اپنے علم کی شمعِ فروزاں کو وہ چراغِ غول سمجھنے لگتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام مُعطّل وناکارہ ہو جاتا ہے اور وہ زمانے سے پند ونصیحت اور عبرت حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خواہش وجذبہ کو اپنا اِلٰہ بنانا اِنسان کو حیوان وگُمراہ بنانے کا اصل سبب ہے۔لیکن اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں، جن کی طرف قُرآنِ حکیم نے چشم کُشا وفکر انگیز اِشارات کیے ہیں؛ مثلاً اِرشاد ہوتا ہے:

★ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

Marfat.com

الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۱۰۶-۱۰۹) :

لیکن جن کا سینہ (حسّی ـ قلبی ـ نفسی نظام) کُفر کے لیے کُھل گیا تو وہ اللہ کے زیرِ عتاب آ گئے اور ان کے لیے زندگی کی بہت بڑی محرومیاں اور اذیتیں ہیں، اس کے سبب کہ انھوں نے دُنیوی زندگی کو آخرت (یعنی جنّتِ قُرّۃُ العین کی زندگی) پر ترجیح دی۔ توحید کی راہِ مُستقیم پر چلنے سے انکار کرنے والوں کو اللہ زبردستی یہ فطری و حسین راہِ راست نہیں دکھاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلب، سامعہ اور باصرہ پر اللہ نشان زدہ مُہر لگا دیتا ہے (یعنی سمعی، بصری، قلبی نظام مُعطّل و ناکارہ کر دیتا ہے)۔ یہی اصل میں غافل لوگ ہیں۔ یقیناً یہی لوگ آخرت میں گھاٹے میں ہوں گے (جنّت کا نقصان، کیا سب سے بڑا خسارۂ ابدی نہیں؟)۔

ربِّ علیم و حکیم نے اِس اِنتہائی اہم مسئلے کا دُوسرا رُخ بھی دکھایا ہے تاکہ ہم اسے جامع طور سے سمجھ سکیں اور خسارے میں رہنے کے بجائے دُنیوی و اُخروی حسنہ حاصل کر سکیں۔ اس کا ارشاد ہے کہ جس طرح اِنسان کا اپنی خواہش کو اپنا اِلٰہ بنا کر اُس کی پیروی کرنے کے نتیجے میں حسّی ـ قلبی ـ نفسی نظام مُعطّل و ناکارہ ہو جاتا ہے، اسی طرح جب وہ اس نعمتِ عُظمٰی کا کُفران کرتا ہے تو وہ مُعطّل و ناکارہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قُدرت کا قانونِ آرزو ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اِنسان حیوان سرشت بن کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے :

★ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ○ (مُحمّد ۴۷ : ۱۶) :
یہ (قرآنِ مجید ایسی نعمتِ عُظمٰی کا کُفران کرنے والے) لوگ ہیں جن کے دل و دماغ پر اللہ نے مُرتسم مُہر لگا دی ہے (یعنی اِس کے سبب اُن کے عقل و فکر کا نظام مُعطّل و ناکارہ ہو گیا ہے، نتیجۃً) وہ اپنی خواہشات کا اِتّباع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

حسّی ـ قلبی ـ نفسی نظام، جو اِنسان کی وجہِ فضیلت اور اس کے اور دیگر جانداروں میں مابہِ الامتیاز خصوصیت ہے، اس کے مُعطّل و ناکارہ ہو جانے کے دیگر عوامل و محرّکات یہ ہیں :

★ اللہ کی آیات (Revelations) کا انکار کرنا اور ان کا مذاق اُڑانا (الاحقاف ۴۶ : ۲۶)۔

★ کُفر یعنی احکامِ اِلٰہیہ ماننے سے انکار (النّسآء ۴ : ۱۵۵؛ الاعراف ۷ : ۱۰۱)۔

Marfat.com

★ گناہوں کا اِرتکاب (الاعراف ۷: ۱۰۰)۔
★ اللہ کی آیات کی تکذیب اور اس کی حدود سے تجاوز [Transgress] کرنا (یُونس ۱۰: ۷۴)۔
★ قُرآنِ حکیم کے احکام و آیات کا انکار اور نبیِ اکرمؐ کی تکذیب کرنا اور حقیقت کا علم نہ ہونا (الرُّوم ۳۰: ۵۸-۵۹)۔
★ آیات اللہ کے بارے میں ردّ و قدح اور تکبّر و سرکشی کرنا (المؤمن ۴۰: ۳۵)۔
★ خاص کر دولت مندوں کا میدانِ جہاد میں جانے کے بجائے عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کو پسند کرنا اور ترجیح دینا (التوبۃ ۹: ۸۷)۔
★ نفاق و ارتداد (اَلْمُنٰفِقُوْن ۶۳: ۳)۔

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قُرآن

ک ف ر (کفر)

اَلْکُفْرُ: اس کے بُنیادی معنی ہیں: کسی چیز کو چُھپا لینا (المفردات، اقرب الموارد)۔ الرُّمانی نے کَفَرَ، اَخْفٰی، سَتَرَ اور اَجَنَّ کو الالفاظ المترادفۃ (= مترادف الفاظ) لکھا ہے۔ رات کو کافر کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تمام چیزوں کو چُھپا لیتی ہے۔ اِسی طرح کسان چونکہ بیج کو زمین کے اندر چُھپاتا ہے، اس لیے اُسے بھی کافر کہتے ہیں۔ سیاہ بادل کو بھی کافر کہا جاتا ہے (تاج العروس، المفردات)۔

کُفْرٌ کے معنی کُفرانِ نعمت کے ہیں، یعنی نعمت کی ناشُکری کر کے اُسے چُھپا لینا ہے (المفردات)۔ اس سے استنباط کر سکتے ہیں کہ جو لوگ ربِّ رحمٰن کے عطا کردہ مال و دولت کو اللہ کی راہ میں زکوٰۃ اور العفو میں خرچ کرنے کے بجائے تجوریوں، بینکوں وغیرہ میں چُھپا کر رکھتے ہیں، وہ کُفرانِ نعمت کرتے ہیں؛ اور ان معنی میں کافر ہوئے (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ (النِّسَآء ۴: ۳۷):

جو لوگ بُخل کرتے ہیں (یعنی اپنا مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے) اور دُوسروں کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً العفو نہ دیں)، اور اللہ نے اپنے فضل سے جو مال و دولت انھیں دیا ہے، اُسے (لوگوں اور حکومت سے)

Marfat.com

چھپاتے ہیں تو ایسے کافروں کے لیے ہم نے ذِلّت و رُسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

کَفَرَ کے تین مصادر ہیں: کُفْرَانٌ - کُفْرٌ - اور کُفُوْرٌ - جہاں تک کُفران کا تعلق ہے، اس کا اِستعمال عموماً نعمت کی ناشکری و اِخفا پر ہوتا ہے۔ کُفر کا لفظ انکارِ دین کے معنی میں اور کُفُوْرٌ کا لفظ دونوں قسم کے اِنکار پر بولا جاتا ہے (المفردات، تاج) - سب سے بڑا کُفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا شریعتِ حقّہ یا نبوّت کا اِنکار ہے - تاج العروس میں البصائر کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ کافِرٌ (دین کا اِنکار کرنے والے) کی جمع کُفَّارٌ آتی ہے (الفتح ۴۸: ۲۹)؛ اور کَافِرٌ (کافرِ نعمت کے معنی میں) کی جمع کَفَرَۃٌ (عبس ۸۰: ۴۲) - کَفُوْرٌ کے معنی ہیں: بڑا ناسپاس، ناشکرا اور بڑا مُنکرِ حق - اس میں کافِر سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے (لُقمٰن ۳۱: ۳۲) - کَفَّارٌ اور کَفُوْرًا ہم معنی ہیں لیکن کبھی کبھی اس میں کَفُوْرًا سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے (المفردات) -

کلیدِ لُغاتِ قُرآن کی رُو سے

کَفَرَ فَهُوَ كَافِرٌ ہر دو معانی کے لیے آتا ہے: انکار کے معنی ہیں۔

★ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷: ۹۹):
ظالموں کو اِصرار ہے کہ وہ اس کا انکار ہی کریں گے۔

★ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷: ۸۹):
تو اکثر لوگ اِنکار ہی پر مُصر رہے۔

ناسپاسی و ناشکر گزاری کے معنی میں

★ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ○ (النمل ۲۷: ۴۰):
(سُلیمانؑ نے) کہا: یہ میرے ربّ کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شُکر کرتا ہوں یا کُفرانِ نعمت؟ اور جو کوئی شُکر کرتا ہے وہ اپنے فائدے ہی کے لیے شُکر کرتا ہے؛ اور جو کوئی شُکر نہیں کرتا (یا کُفرانِ نعمت کرتا ہے) تو میرا ربّ بے شک بے احتیاج - نہایت کرم کرنے والا۔

★ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (البقرۃ ۲: ۱۵۲):
اور میرا شُکر کرتے رہنا اور کُفرانِ نعمت نہ کرنا۔

البقرۃ

Marfat.com

★ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (الشُّعراء ۲۶: ۱۹):
اور تُو نے وہ کچھ کیا جو تُو نے کیا (لیکن ہم فضل کا بدلہ نہیں لے رہے) اور تُو شُکر ناگزار یا اِحسان فراموش ہے۔

★ اَلْكَفُوْرُ (مبالغہ): اِنتہا درجے کا ناسپاس یا ناشُکرا۔

★ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ○ (الحج ۲۲: ۶۶): یقیناً اِنسان تو بڑا ہی ناسپاس یا ناشُکرا ہے۔

قُرآنِ حکیم نے کُفر کو اِیمان کی ضد و نقیض کے طور پر بکثرت اِستعمال کیا ہے:

★ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ط (البقرۃ ۲: ۲۵۳): ان میں سے کچھ تو اِیمان لے آئے اور بعض نے کُفر کیا۔

★ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا .... لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۶):
جو لوگ اِنکار پر جمے ہوئے ہیں اُنھیں آپؐ کا مُتنبّہ کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ وہ اِیمان لانے والے نہیں۔

اب ایک ایسی آیۂ فکر انگیز و بصیرت افروز پیش کی جاتی ہے جو لفظاً جتنی مختصر ہے معناً اُتنی ہی زیادہ عظیم ہے:

★ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ○ (الرُّوم ۳۰: ۴۴):
جس نے اِیمان و دینِ اِسلام کا اِنکار کیا اور کُفر کی روش اختیار کی تو اس کے گُمراہ کُن اور منفی نتائج و عواقب اُسی کو بُھگتنا ہوں گے۔ اور (بخلاف اس کے) جس نے (اِیمان کے مطابق) حسین و نوازن آفرین عمل کیا یا روشِ زندگی اختیار کی تو وہ اپنے ہی لیے (ہدایت، حیاتِ طیّبہ اور جنّت کی) راہ ہموار کرتے ہیں۔

یہ آیت اِعجازاتِ قُرآن میں سے ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حُسنِ کلامِ آخر نے اِیمان و کُفر، عملِ صالح، اور ہدایت و ضلالت کے فلسفے کو جو دینِ اِسلام کا لُبِّ لُباب ہے، چند الفاظ میں اِس اِیجازِ بلاغت سے بیان کر دیا ہے کہ عقلِ سلیم اسے "اِعجاز" سمجھنے پر مجبور ہے۔

قُرآنِ مجید نے مُعجز نما طریقے سے لفظِ اِیمان کو محذوف کر کے کُفر کو پہلے اِیمان کے اور پھر عملِ صالح کے نقیض کے طور پر اِستعمال کر کے اپنی ان اہم ترین اصطلاحات کی احسن و اکمل صراحت کر دی ہے۔ مثال کے طور پر، اِیمان سے مُراد احکامِ اِلٰہیہ کو تسلیم بالیقین کرنا ہے، اور ان کے مطابق احسن طریقے سے عمل کرنا، عملِ صالح ہے۔ اِس بناء پر کُفر کا مطلب اِسلام کے عقائدِ جلیلہ و مُحرّکہ یا اِیمانیات اور احکامِ اِلٰہیہ کا اِنکار اور اُن کے یا اعمالِ صالحہ کے برخلاف عمل یا زندگی کرنا ہے۔ مزید برآں ہمیں اِس اصلِ عظیم سے بھی آگاہ کر دیا

Marfat.com

گیا ہے کہ ایمان لانے اور عملِ صالح کرنے کے نتیجے میں مؤمن اپنی راہ و منزل کو پا لیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، وہ مُطمئِن نفوس بن کر حیاتِ طیّبہ گزارتے، دُنیوی و اُخروی حسنہ سے بہرہ مند ہوتے اور اپنے جمالیاتی شعور کی تکمیل کرتے ہوئے جنّتِ قُرّۃُ العین کے وارث بن جاتے ہیں۔ یہ ہے مقصودِ زندگی، غایتِ دین و ایمان اور مشیّتِ ایزدی۔

بخلاف اس کے، کُفر یا احکامِ الٰہیہ کے اِنکار اور اُن کے مطابق عمل یا زندگی نہ کرنے کا فطری و منطقی نتیجہ اپنی راہ و منزلِ مقصود کو گُم کر دینا، دُنیوی و اُخروی حسنہ، حیاتِ طیّبہ اور جنّتِ قُرّۃُ العین سے محروم ہو جانا اور اہلِ نار بن جانا ہے۔

یہ آیۂ فکر انگیز ہمیں اِس از بس اہم نکتے سے بھی آگاہ کرتی ہے کہ قُرآنِ مجید کی رُو سے کافر دو قسم کے ہیں : ایک وہ جو دینِ اسلام، یعنی اس کے پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور حُسنِ کلامِ آخر کا مُطلق اِنکار کرتے ہیں۔ دوسرے، وہ مُسلمان جو دینِ اسلام پر ایمان تو رکھتے ہیں، مگر اس کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ زندگی، جن کو بالتّرتیب عملِ صالح اور حیاتِ طیّبہ (النحل ۱۶ : ۹۷) کہتے ہیں۔

كَفَّرَ عَنْهُ کے معنی ہیں : دُور کر دینا اور محو کر دینا؛ مثلاً اعمالِ سُوء کے اثرات جو قلب پر مُرتسم ہو جاتے ہیں :

★ ..... كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (محمّد ۴۷ : ۲) :
اُن (کے دل و دماغ) سے اُن کی بُرائیوں کے اثرات محو کر دیے گئے اور ان کی حالتِ (قلوب) کی اصلاح کر دی گئی (نیز دیکھیے البقرۃ ۲ : ۲۷۱ و بمواضعِ کثیرۃ)۔

نُکتہ : قلب گرویدۂ ایمان ہو جائے تو اُسے کُفر و عصیان اور فسق و فجور سے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ صِراطِ مُستقیم اختیار کر لیتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، اِیمان محبوب اور قلوب کی زینت بن جائے تو اہلِ ایمان کُفر و گُناہ اور فسق و فجور سے سخت نفرت کرنے لگتے ہیں؛ نیز حسین و فطری راہِ راست پر گامزن ہو جاتے ہیں (الحُجرات ۴۹ : ۷)۔

اَلْكَفَّارَةُ : جو چیز گُناہ کے اثرات کو چُھپا لے اور محو کر دے، اُسے كَفَّارَة کہا جاتا ہے۔ اِسی سے كَفَّارَةُ الْيَمِيْن ہے۔

قُرآنِ مجید میں ہے :

★ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ (المائدۃ ۵ : ۸۹) : یہ تمھاری قسموں (Oaths) کا کفّارہ ہے جب تُم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو)۔

Marfat.com

اَلْکَافُوْرُ: اصل میں پھلوں کے غلاف کو کہتے ہیں جو ان کو اپنے اندر چھپائے رکھتا ہے لیکن کافور ایک مشہور خوشبو کا نام ہے (المفردات) - قرآنِ مجید میں ہے:

★ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ○ (الدھر ۷۶: ۵): جس میں کافور کی آمیزش یا تاثیر ہوگی۔

قرآنِ مجید کا مخلص تلمیذ بن کر اس میں سالہا سال تفکّر بالحق کرنے کے بعد مجھے اس اصلِ عظیم کا حقُ الیقین ہوگیا ہے کہ قرآنِ مجید جزوی و کلّی طور پر مُعجزہ ہے، اُن کے لیے جو اس کے مُخلص و مفکّر تلامیذ ہیں۔ درجِ ذیل آیۂ جمیلہ و جلیلہ کا اِعجاز یہ ہے کہ اس میں مؤمنوں اور کافروں کا موازنہ ازبس بصیرت افروز و عبرت انگیز انداز میں کیا گیا ہے: اِرشاد ہُوا:

★ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ○

(محمّد ۴۷: ۱۲):

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے (ایمان کے تقاضوں کے مطابق) حسین و توازن آفرین عمل کیے (تو اس کے نتیجے میں) اللہ انھیں یقیناً بہشتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے دریا رواں دواں ہوں گے۔ (بخلاف اس کے) جن لوگوں نے کُفر کیا (یعنی اِنکار و جحود کی روش اختیار کی اور حسین و توازن گر عمل نہیں کیے) وہ (اللہ کی نعمتوں سے) وقتی و عارضی فائدہ اُٹھاتے ہیں، اور اس طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے پیتے ہیں۔ (نتیجۃً) وہ چونکہ نار بقلب ہوتے ہیں، اس لیے) اُن کا ٹھکانا (بھی) اَلنّار یا دوزخ ہوگا۔

★ کافروں کی سمعی و بصری اور قلبی حالت چارپایوں سے بھی زیادہ ابتر ہوتی ہے، لہٰذا وہ ان سے کہیں زیادہ گُم گشتہ و بے عقل اور غافل ہوتے ہیں (الاعراف ۷: ۱۷۹)۔

نُکتہ: کافر کا لفظ دُشنام یا گالی نہیں، بلکہ ہر اُس شخص کو کافر کہتے ہیں جو دین کا اِنکار کرے۔ چنانچہ دین کے دو تقاضے ہیں: ایک سلبی، اور دوسرا اِیجابی۔ سلبی تقاضا طاغوت کی تکفیر یا اِنکار کرنا (یہ مطلب ہے کلمۂ توحید کے "لَآ" کا) اور اِیجابی تقاضا اللہ کو تسلیم بالیقین کرنا ہے (اور یہ کلمۂ توحید کے "اِلَّا" کا مطلب ہے)۔ اِس بِنا پر مؤمن وہ ہے جو طاغوت (یعنی بشری سرطانوں، مثلاً فرعونوں، ہامانوں، قارونوں، آزروں وغیرھم) کی معبودیت و حاکمیتِ مطلقہ اور خدائی کا اِنکار اور اللہ کی معبودیت و رُبوبیت اور حاکمیت و خُدائی کو تسلیم بالیقین کرے۔ جیسا کہ اِس آیۂ جلیلہ سے ثابت ہے:

★ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ

Marfat.com

(البقرۃ ۲ : ۲۵۶) : چنانچہ جو بشری سرطانوں (کی حاکمیت وخُدائی) کا اِنکار (reject) کرتا ہے اور اللہ (کی اُلوھیت وربُوبیت اور حاکمیت وخُدائی) کو تسلیم بالیقین کرتا ہے تو اُس نے یقیناً ایک ایسا آسرا تھام لیا جو شکستنی نہیں یعنی ٹوٹنے والا نہیں۔

★ کُفر کی طرح اِیمان بالحق بھی ہوتا ہے اور اِیمان بالباطل بھی (النحل ۱۶ : ۷۲؛ العنکبوت ۲۹ : ۵۲)۔

س و ی (سوی)

(۱) سَوِیَ مضارع یَسْوَی۔ گولیئس (Golius) اَلْکَنْزُ اللُّغَۃِ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سَوَی مصدر سِوًی کے معنی ہیں : اُس نے قصد یا اِرادہ کیا۔ لیکن لین (Lane) لکھتا ہے کہ میں نے صحاح اور دیگر مشہور لُغات میں قَصَدَ کے معنی اِسْتَوَی اِلَی کے دیکھے ہیں، لیکن سَوَی کے نہیں (ARABIC-ENGLISH LEXICON)۔

(۲) سَوَّاہُ مصدر تَسْوِیَۃٌ : اُس نے مُساوی، یکساں، ہم آہنگ بنایا، یا برابر، ہموار، مُسطّح کیا؛ یا طول وعرض اور بلندی ونشیب کے لحاظ سے برابر بنایا (صحاح، قاموس، مصباح، المفردات، المُقدِّمۃُ الأدب)۔ أَسْوَاہُ کے بھی یہی معنی ہیں (قاموس وغیرہ)۔ ایک روایت میں ہے : فَأَمَرَ بِالْخِرَبِ فَسُوِّیَتْ کے معنی ہیں : اُس نے کھنڈرات کے متعلق حکم دیا اور وہ زمین کے برابر کر دیے گئے۔

سَاوَیْتُ یا سَوَّیْتُ بَیْنَہُمَا : میں نے اُن کو آپس میں مساوی یا ہم آہنگ کر دیا یا ایک جیسا کر دیا (مُحکم، تاج العروس، قاموس)۔

★ فَدَمْدَمَ عَلَیْہِمْ رَبُّہُمْ بِذَنْۢبِہِمْ فَسَوّٰىہَا ○ (الشمس ۹۱ : ۱۴) :
اُن کے ربّ نے اُن کے گناہوں کے سبب اُن پر عذاب نازل کیا اور ہلاک کر کے خاک میں ملا دیا۔

★ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۵۵) : دوزخ کے بیچ میں۔

(۳) سَاوَاہُ مصدر مُسَاوَاۃٌ (المفردات، تاج، مصباح) اور سِوَاءٌ (مُحکم) یہ اُس کے مساوی یا برابر ہو گیا؛ اور وہ جسامت، وزن، پیمائش، ناپ، طول وعرض، کمیت، حجم، مقدار اور قیمت میں برابر ہو گیا۔ محاورہ ہے : ھٰذَا الثَّوْبُ مُسَاوٍ لِذٰلِکَ الثَّوْبِ : یہ کپڑا طول وعرض میں اُس کپڑے کے برابر ہے۔

(۴) اِسْتِوَاءٌ : کسی چیز کا اپنی ذات میں کاملاً اِعتدال پر ہونا؛ اِس کے قُویٰ کا صحیح تناسب کے ساتھ

Marfat.com

موجود ہونا اور اس طرح اس چیز کا نشوونما کر کے حدِ کمال تک پہنچ جانا (تاج العروس)۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادّے کے بُنیادی معنی ہیں: اِستقامت اور دو چیزوں کے درمیان اِعتدال (المجمل)۔

اِسْتَوٰی الرَّجُلُ: وہ شخص اپنی قوّت کے عروج پر پہنچ گیا یا اس کا شباب اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا (لین)۔

اِسْتَوٰی: اس کا اِستعمال دو طرح ہوتا ہے: ایک یہ کہ ایک دو یا دو سے زائد فاعل کی طرف اس کی نسبت ہو، جیسے اِسْتَوٰی زَیْدٌ وَعَمْرٌو فِیْ کَذَا: زید اور عمرو فلاں چیز میں برابر ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ (التّوبۃ ۹: ۱۹): یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں۔

اگر نسبت دو فاعل کی طرف نہ ہو تو اس کے معنی کسی چیز کے اپنی ذات میں حالتِ اِعتدال پر ہونے کے ہوتے ہیں، جیسے فرمایا:

★ ذُوْ مِرَّۃٍ ط فَاسْتَوٰی ○ (النّجم ۵۳: ۶): بہت قوّت والے (جبریلؑ) بتمام وکمال نظر میں آئے۔

★ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَکَ عَلَی الْفُلْکِ ..... (المؤمنون ۲۳: ۲۸): جب تم اور تمھارے ساتھی کشتی میں ٹھیک طور پر بیٹھ جاؤ۔

اَعراب کا محاورہ ہے: اِسْتَوٰی اَمْرُ فُلَانٍ: فُلاں شخص کا معاملہ ٹھیک اور درست ہو گیا لیکن جب عَلٰی کے ساتھ متعدّی ہو تو اس کے معنی کسی چیز پر (چڑھنے، قرار پکڑنے اور) مستولی ہونے یا غالب آنے کے ہوتے ہیں، جیسے محاورہ ہے: اِسْتَوٰی فُلَانٌ عَلٰی عُمَالَتِہٖ: فُلاں اپنے عہدے پر فائز ہو گیا (یا اُس نے اپنے عہدے کا چارج لے لیا)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُھُوْرِہٖ ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَۃَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْہِ (الزّخرف ۴۳: ۱۳): تاکہ تم اُن کی پیٹھوں (BACKS) پر چڑھ بیٹھو، اور جب ان پر سوار ہو جاؤ تو اللہ کے احسان کو یاد کرو (یعنی اس کا شُکر ادا کرو)۔

★ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ (الفتح ۴۸: ۲۹): پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

★ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ○ (طٰہٰ ۲۰: ۵): رحمٰن اپنے تختِ فرماں روائی پر جلوہ افروز ہے۔

راغبؒ نے لکھا ہے: بعض نے اِس کے معنی یہ کیے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اس کے سامنے

Marfat.com

مساوی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ان کو درست بنانے سے سبھی اُس کی مشیت کے مطابق درست اور ٹھیک ہوگئی ہیں۔

★ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرة ۲: ۲۹):
پھر وہ السَّمَآء (Mass) کی طرف متوجہ ہوا تو اس سے سات موزوں آسمان بنا دیے۔

بعض نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ آیت اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے معنی ہیں: تمام اشیاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف برابر ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے متعلق یہ کہہ سکیں کہ یہ بہ نسبت دوسری چیز کے اللہ کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اجسام پر قیاس نہیں کرسکتے جو ایک جگہ موجود ہوتے ہیں اور دوسری جگہ نہیں ہوتے۔ لیکن جب یہ متعدی بَاِلٰی ہو تو اس کے معنی کسی چیز تک بالذّات یا بالتّدبیر پہنچ جانے کے ہوتے ہیں۔ درج ذیل آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں (المفردات)۔

★ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ (فُصّلت ۴۱: ۱۱):
پھر السَّمَآء (Mass) کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دُھواں تھا۔

سَوَّاهُ، تَسْوِيَةٌ اور اَسْوَاهُ کے معنی ہیں اس کو ہموار، ہم آہنگ، متناسب اور معتدل کر دیا (تاج العروس، مفردات)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ اَلَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ (الانفطار ۸۲: ۷): وہی تو ہے جس نے (اے انسان) تیرا ڈھانچہ بنایا، پھر تیرے اعضاء و جوارح اور قد و قامت متناسب و ہم آہنگ بنائے، پھر ان میں اعتدال پیدا کیا۔

★ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ (الشمس ۹۱: ۷): اور نفس اور اس کی قسم جس نے اُس (کے نظام) میں موزونی و ہم آہنگی پیدا کی۔

★ اَلَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ (الاعلیٰ ۸۷: ۲): جس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور اس میں ہم آہنگی و موزونی پیدا کی۔

نُکتہ: سوّیت (= ہم آہنگی و موزونی) دراصل جمالیاتی قدر (Aesthetic value) ہے، جو چیزوں کو موزوں اور حسین بنا دیتی ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر آیت کی تفسیر قرآنِ مجید نے خود ہی کر دی ہے:

★ اَلَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ (السجدة ۳۲: ۷): اُس نے جو چیز بھی تخلیق کی اُسے حسین بنایا۔

اِس بناء پر سَوَآءَ السَّبِيْلِ (البقرة ۲: ۱۰۸): حسین راستے کو کہیں گے۔ اگر اس سے ٹھیک درمیان کا راستہ لیں تو تب بھی درست ہے، کیونکہ یہ راستہ صراطِ مستقیم ہی ہوتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک

Marfat.com

حدیثِ طیّبہ کی رُو سے وسط کے خطِ مُستقیم کی طرح جس کے دونوں طرف ٹیڑھے میڑھے راستے ہوتے ہیں، راہِ راست ہی صراطِ مُستقیم ہے اور یہی اللہ کا حسین و فطری اور سیدھا راستہ ہے (راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، روایت احمد، نسائی، دارمی، المشکوٰۃ، ح ۱۵۹)۔

ن ذ ر (نذر)

(۱) اَلنَّذْرُ کے معنی کسی حادثے کی وجہ سے غیر واجب چیز کو اپنے اُوپر واجب کر لینے کے ہیں (المفردات)۔ نَذْرٌ [آفت، حادثے یا نقصان وغیرہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے] جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیا جائے؛ نیز کسی شرط پر کوئی وعدہ کرنا بھی نَذْرٌ کے معنی میں داخل ہے (تاج العروس)۔ نَذَرَ عَلٰی نَفْسِہٖ (مضارع اور مصدر نَذْرٌ): اُس نے قسمیہ وعدہ کیا؛ کوئی نذر مانی (خفاش، قاموس، محکم، تہذیب، اساس، صحاح)۔

لین نے ان لُغات کے حوالے سے لکھا ہے He made a vow; imposed upon himself a vow.

(۲) نَذَرَ بِالشَّیْءِ: کسی شے کے اِدراک کے بعد اس سے ہوشیار، خبردار اور چوکنا رہنا (محکم، مصباح، قاموس، ابن قتیبہ)۔ عربوں کا محاورہ ہے: نَذِرَ الْقَوْمُ بِالْعَدُوِّ (اساس، صحاح): لوگوں کو دشمن کی خبر ہوگئی...... یا انھیں دُشمن کی خبر ہوگئی اور اس کے مقابلے کے لیے تیاری کر لی؛ یا چوکنے اور ہوشیار ہوگئے۔

(۳) اَلْاِنْذَارُ کے معنی کسی خوفناک چیز سے ازراہِ ہمدردی آگاہ کرنے کے ہیں؛ اور اس کے مقابل تَبْشِیْرٌ کے معنی کسی اچھی بات کی خوشخبری سُنانے کے ہیں۔

(۴) اَلنَّذِیْرُ کے معنی مُنْذِرٌ ہیں، یعنی ڈرانے والا۔ اور اس کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جس میں خوف پایا جائے؛ خواہ وہ اِنسان ہو یا کوئی اور چیز۔ نَذِیْرٌ کی جمع نُذُرٌ آتی ہے؛ اور مُنْذِرٌ کی جمع مُنْذِرِیْنَ ہے۔ مُنْذَرٌ (اسم مفعول) جسے مُتنبّہ کیا جائے؛ اس کی جمع مُنْذَرِیْنَ ہے (مفردات، لسان العرب)۔

(۵) نَذِیْرَۃٌ: نذرانہ یا منّت مانی ہوئی چیز جو نذر والا دیتا ہے۔ بچہ جسے منّت ماننے والے والدین ہیکل، مذہبی درگاہ، کلیسا، خانقاہ، پیر یا فقیر وغیرہ کی نذر کر دیتے ہیں، خدمت یا تبلیغِ دین کرنے کی غرض سے اس کی جمع نَذَائِرُ آتی ہے (تاج العروس)۔

Marfat.com

از روئے کلیدِ لغاتِ قرآن

★ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (آلِ عمران ۳: ۳۵):
یا رب! میرے شکم میں جو بچہ ہے (اُسے دُنیا کے کاموں اور والدین کی خدمت سے) آزاد کرکے تیرے (مقدس ہیکل کے) لیے نذر کرتی ہوں (یعنی منّت مانتی ہوں کہ اُسے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کردوں گی)۔

★ فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (مریم ۱۹: ۲۶): کہنا کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر یا منّت مانی ہوئی ہے۔

★ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ (الاحقاف ۴۶: ۲۱): جب انھوں نے اپنی قوم کو مُتنبّہ کیا۔

★ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ○ (البقرۃ ۲: ۶): جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے اور ان پر عمل کرنے سے انکار کر رہے ہیں، آپ کا انھیں مُتنبّہ کرنا یا مُتنبّہ نہ کرنا ان کے لیے برابر ہے، وہ ماننے والے نہیں۔

★ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام ۶: ۹۲):
تاکہ آپ مکّے اور اس کے مضافات کے لوگوں کو (قانونِ مکافاتِ عمل اور روزِ حساب وجزا اور عذابُ النّار سے) آگاہ و مُتنبّہ کریں۔

★ لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا○ (الکہف ۱۸: ۲): تاکہ وہ کافر افرادِ نسلِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے آگاہ و مُتنبّہ کرے، اور ان مؤمنوں کو جو خیر و صلاح کے کام کرتے ہیں خوشخبری دے کہ ان کے لیے حسین اجر (= جنّتِ قُرّۃُ العین) ہے۔

قُرآنِ مجید نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق یُنْذِرَ کے لفظ کو یُبَشِّرَ کے مقابلے میں اپنے مُعجز نما بلیغ انداز میں استعمال کرکے اس کی معنویّت کی صراحت کردی ہے۔ اِس سلسلے میں اعجازِ قرآن کی آئینہ دار ایک آیۂ بصیرت افروز نقل کی جاتی ہے:

★ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ○ (یٰسٓ ۳۶: ۷۰):
تاکہ جو (معنوی لحاظ سے) زندہ ہے اُسے آگاہ و مُتنبّہ کرے اور کافروں پر (جو معنوی لحاظ سے مُردہ ہیں اللہ کی) بات سچّی ثابت ہوجائے۔

Marfat.com

اس میں درجِ ذیل نکات ازبس اہم اور قابلِ غور ہیں :

۱- قرآنِ مجید کا انذار یا اِنتباہ ان اِنسانوں پر مؤثر ہوتا ہے جو زندہ ہوں ، اور

۲- زندہ اِنسان وہ ہوتے ہیں جن کا حِسّی-قلبی-نفسی نظام زندہ وصحت مند اور فعّال ومنیر ہوتا ہے ، اس میں اثر پذیری کی صلاحیت برقرار ہوتی ہے۔

۳- کافر حقیقت میں زندہ نہیں مُردہ ہوتے ہیں ، کیونکہ اِیمان کی حیات آفرین ونُور افزا قُوّت کے فُقدان کے سبب ان کا حِسّی-قلبی-نفسی نظام مُردہ ، یعنی مجہول و بے نُور اور مفلوج وناکارہ ہوجاتا ہے ؛ نتیجۃً اس میں اثر پذیری کی قُوّت بھی مفلوج ہوجاتی ہے۔

تزکیہ کا مطلب اِس حِسّی-قلبی-نفسی نظام کا اِحیاء کرنا ، اور اُسے صحت مند وسلیم اور فعّال ومنیر بنانا ہے۔ اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہوجاتی ہے کہ کیوں ربِّ علیم وحکیم نے اپنے حُسنِ کلامِ آخر کے نصابِ تعلیم وتربیت کے پانچ مضامین میں سے تزکیہ کو کتاب وحکمت اور علومِ جدیدہ کی تعلیم سے پہلے یعنی دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے (البقرۃ ۲ : ۱۵۱ ؛ آلِ عمران ۳ : ۱۶۴ ؛ الجمعۃ ۶۲ : ۲)۔

★ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ (یُونُس ۱۰ : ۲) :

کہ بنی نوعِ اِنسان کو (مکافاتِ عمل سے) آگاہ ومُتنبّہ کرے اور اِیمان لانے والوں کو یہ بشارت دے کہ ان کے ربّ کے پاس ان کے لیے حقیقی مقام (جنّت) ہے۔

★ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ (البقرۃ ۲ : ۲۷۰) : یا کوئی نذر یا منّت مانو !

★ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (الحج ۲۲ : ۲۹) : اور اپنی نذریں پُوری کریں۔

★ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر ۳۵ : ۲۴) : یقیناً ہم نے آپ کو الحق (قرآنِ مجید) کے ساتھ خوشخبری سُنانے والا اور مُتنبّہ کرنے والا (بناکر) بھیجا ہے ؛ اور کوئی قوم یا قبیلہ یا بستی نہیں ، مگر اس میں مُتنبّہ کرنے والا گزرا ہے۔

★ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (یُونُس ۱۰ : ۱۰۱) : اور جو لوگ اِیمان نہیں رکھتے (ان کے دلوں میں اثر پذیری کی قُوّت کے مفلوج ہوجانے کے سبب اللہ کی) نشانیاں اور تنبیہات ان پر اثر نہیں کرتیں۔

★ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ (القمر ۵۴ : ۱۶ ، ۱۸ ومابعد) : تو پھر کیسا تھا میرا عذاب اور تنبیہات؟

Marfat.com

★ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ○ (النّٰزِعٰت ۷۹ : ۴۵) : آپ تو دراصل اس کے لیے مُتنبہ کرنے والے ہیں جو اس (روزِ قیامت) سے ڈرتا ہے۔

★ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ (البقرۃ ۲ : ۲۱۳) : اِبتداء میں بنی نوعِ اِنسان ایک ہی روشِ زندگی اِختیار کیے ہوئے تھے (پھر اِن میں اِختلافات و تنازعات رُونما ہوئے تو) اللہ نے انبیاءؑ مبعوث کیے — اِیمان و حُسنِ عمل کے حسین نتائج کی خوشخبری دینے والے اور کُفر و شرک اور اعمالِ سُوء کے اذیت ناک نتائج و عواقب سے مُتنبہ کرنے والے۔

★ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ (یُونُس ۱۰ : ۷۳؛ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۷۳) : ذرا سوچو تو سہی کہ اُن لوگوں کا حشر کیا ہوا (جو شِرک و کُفر اور اعمالِ سُوء کے نتائج عبرتناک سے) خبردار اور مُتنبہ کر دیے گئے تھے؟

خ ت م (ختم)

خَتَمَهٗ (مضارع اور مصدر خَتْمٌ اور خِتَامٌ) : اُس نے اُس چیز کو سربہ مُہر کر دیا، اُس پر چھاپ یا مُہر لگا دی؛ اُس پر ٹھپّا لگا دیا۔ اُسے مُرتسم کر دیا (مصباح، قاموس، صحاح، تاج العروس، المغرب)۔

لین کا انگریزی ترجمہ : He sealed, stamped, imprinted, or impressed, it.

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْخَتْمُ وَ الطَّبْعُ کا لفظ دو طرح سے اِستعمال ہوتا ہے کبھی تو خَتَمْتُ اور طَبَعْتُ کے مصدر ہوتے ہیں اور اس کے معنی کسی چیز پر مُہر کی طرح نشان لگانا کے ہیں اور کبھی اس نشان کو کہتے ہیں جو مُہر لگانے سے بن جاتا ہے۔ مجازاً کبھی اس سے کسی چیز کا محفوظ کرنا مُراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتابوں یا دروازوں پر مُہر لگا کر اُنہیں محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ کوئی چیز ان کے اندر داخل نہ ہو یا باہر نہ آئے کبھی کسی چیز کا اثر حاصل کر لینے سے کنایہ ہوتا ہے، جیسا کہ مُہر سے نقش ہو جاتا ہے، اور کبھی اس سے کسی چیز کی اِنتہا کو پہنچ جانا مُراد ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی سے خَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ کا محاورہ ہے : یعنی میں نے قُرآن ختم کر لیا (المفردات)۔

اہلِ عرب خَتَمَ الزَّرْعَ کا محاورہ اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب کھیتی میں ہل چلا کر اور بیج ڈال کر پہلی مرتبہ پانی دیتے ہیں، اس لیے کہ پانی دینے کے بعد مٹی جم جاتی ہے اور بیج مٹی کے اندر بند ہو کر

Marfat.com

محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے کے خانوں میں شہد جمع کر کے موم کا باریک سا پردہ خانوں کے مُنہ پر بنا دیتی ہیں، جس سے شہد اندر بند اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ اہلِ عرب اس کو خَتْمٌ کہتے ہیں۔ بعد ازاں، وہ خود شہد اور ان خانوں کے مُنہ کو بھی خَتْمٌ کہنے لگے (تاج العروس)۔

خَتَمَ الشَّیْءَ خَتْمًا : کسی چیز کے آخری سرے تک پہنچ جانے کو کہتے ہیں (تاج)۔ ابن فارس کے نزدیک یہ اس کے بنیادی معنی ہیں (المجمل)۔

خَتْمٌ اور طَبْعٌ کا لفظ دو طرح سے مُستعمل ہے : اَوّلًا، کسی چیز پر لاکھ وغیرہ لگا کر مُہر سے اس پر نشانی لگا دینا۔ ثانیًا، وہ نقش یا نشان جو اس طرح مُہر لگانے سے بن جائے۔ پھر اس کے مفہوم میں وسعت پیدا ہو گئی اور کسی چیز کو بند کرنے اور روک دینے کے لیے بولا جانے لگا، کیونکہ مُہر لگا کر خط یا قُفل یا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور اس کے اندر کی چیز باہر نہیں نکالی جاتی (تاج و المفردات)۔

خِتَامٌ : اُس لاکھ یا موم وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو مُہر بہ لب کیا جاتا ہے، اور خَاتَمٌ اُس چیز کو کہتے ہیں (مثلاً انگوٹھی وغیرہ) جس سے لاکھ پر مُہر لگائی جاتی ہے۔ ہر چیز کا انجام اور آخر خَاتَمٌ کہلاتا ہے۔ چنانچہ خَاتَمُ الْقَوْمِ کے معنی ہیں قوم کا آخری فرد۔ چنانچہ خِتَامٌ ہر مشروب کے آخری حصے کو کہتے ہیں (المجمل)۔ فراء کا قول ہے کہ خَاتَمٌ اور خِتَامٌ قریب المعنی ہیں۔

فُلَانٌ خَتَمَ عَلَیْكَ بَابَهٗ : فلاں نے تجھ پر دروازہ بند کر دیا، یعنی اُس نے تجھ سے اعراض کیا یا مُنہ موڑ لیا۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے : زُفَّتْ اِلَیْكَ بِخِتَامِهَا : دُلہن مُہرِ بکارت کے ساتھ تیرے پاس لائی گئی۔

خَاتَمٌ اور خَاتِمٌ (قاموس) : قرآنِ مجید میں ہے : خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب ۳۳ : ۴۰) : آخری نبی حضرت محمدؐ جن سے انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (البقرۃ ۲ : ۷) : اللہ نے اُن کے دل و دماغ اور کانوں کو مُہر بند کر دیا اور اُن کی آنکھوں پر پردہ (پڑ گیا) ہے اور (اس کے نتیجے میں) ان کے لیے بُہت بڑا عذاب ہے (دُنیا اور آخرت دونوں میں)۔

Marfat.com

قرآنِ حکیم نے اپنے اِعجازِ بلاغت سے اِس مختصر آیۂ فکر انگیز میں فلسفۂ نفس کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اِس فلسفے کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ کُفر ایسا سرطانی مرض ہے کہ اُس کے نُور رُبا و مرگ آفریں اثرات سے اِنسان کا حِسّی قلبی نفسی نظام بے نُور و مُردہ اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کی عقل اور سامعہ و باصرہ اپنے فطری وظائف ادا کرنے کے قابل نہیں رہتیں، اور وہ بشر نما حیوان بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ ایسی خواہشات کا دلدادہ ہو جاتا ہے، جن کی پیروی کر کے وہ مُشرک و ظالم بخیل و زیاں کار اور غافل و مُجرم اور "اہلِ نار" بن جاتا ہے۔ اہلِ نار کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں اپنے آتشکدۂ خوف و حُزن میں اور آخرت میں دوزخ میں جلنا اُن کا مقدر بن جاتا ہے۔

دہریت پسند فلاسفہ و عُلمائے نفسیات اِس باطل و گمراہ کُن نظریئے کے مُبلّغ ہیں کہ سامعہ و باصرہ اور قلب کی محیّر العقول قوّتیں غیر مخلوق و خود رو ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اس نظریئے کی اِس انداز میں تردید کی ہے کہ ساتھ ہی فلسفۂ نفس کے بعض پہلوؤں کی صراحت بھی ہو گئی ہے۔ اِرشاد ہوا :

★ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝

(الانعام ۶ : ۴۶) :

(ہمارے پیغمبرؐ!) اِن سے کہیے کہ تُم نے کبھی غور و فکر کیا کہ اگر اللہ تمہاری سامعہ اور باصرہ کی قُوّتیں سلب کرلے اور تمہارے دل و دماغ کے نظام مُہر بند کر دے (اور وہ مُعطّل و بیکار ہو کر رہ جائیں) تو پھر اللہ کے سوا وہ کون سا خُدا ہے جو یہ قُوّتیں تمھیں واپس دلا سکتا ہے؟ دیکھو! ہم (اپنی) آیات کو کس مُفسّرانہ انداز میں لاتے رہتے ہیں، پھر وہ کس لاپروائی سے ان سے اعراض کرتے ہیں!

فلسفۂ نفس کے حوالے سے یہ ازبس اہم سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ حِسّی قلبی نفسی نظام مُعطّل و مُردہ اور ناکارہ کیوں ہو جاتا ہے؟ اس کا جواب جو قرآنِ مجید نے دیا ہے وہ بے حد مختصر ہونے کے باوجود جامع و مانع ہے۔ اِعجاز بیاں دیکھیے :

★ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(الجاثیۃ ۴۵ : ۲۳) :

کیا تُم نے اس شخص (کے نفسیاتی احوال اور کردار) میں غور و فکر کیا جس نے اپنی خواہش و

Marfat.com

جذبہ کو اپنا معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود بنا رکھا ہے اور اس کے یہ حقیقت جانتے بُوجھتے کی بناء پر اللہ نے (اپنے قانونِ احترامِ آرزو کی رُو سے) اُسے گم گشتہ کر دیا ہے اور اس کی سامعہ اور قلب کو مُہر بند کر دیا اور اس کی باصرہ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اللہ کے بعد کون ہے جو اُسے صراطِ مُستقیم دکھا سکتا ہے؟ کیا تُم لوگ پند و نصیحت نہیں سُنتے؟

اللہ تعالیٰ کے حُسنِ کلامِ آخر نے کس حسین و بلیغ اور دل انگیز و حکیمانہ انداز میں اِنسان کو اِس نفسیاتی اصلِ عظیم سے آگاہ کر دیا ہے کہ جو شخص اِس علم کے باوجود کہ شیطان اس کا کھلا دُشمن ہے، اس کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے اپنی قبیح و گمُراہ کُن خواہش کو حسین و ناظور اور مقصود سمجھ لیتا ہے اور اس کی تسکین کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عشق اور احکام کو بھول جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ اور اپنی حقیقی منزلِ مقصود اور اس کی حسین راہِ راست کو بھول جاتا ہے۔ اِس بناء پر بھی کہ اس کا حِسّی قلبی نفسی نظام مُعطّل و ناکارہ ہو جاتا ہے۔

★ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (یٰس ۳۶: ۶۵):

آج ہم نے اُن کو مُہر بہ لب کر دیا ہے (لہٰذا وہ بولنے کے قابل نہیں رہے)۔

اور خَتمٌ کے مشتقات کے مفصّلۂ بالا معانی و مطالب کو پیشِ نظر رکھیے اور اِس آیۂ ایمان افروز میں تفکّر بالحق کیجیے:

★ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

(الاحزاب ۳۳: ۴۰): (لوگو! حضرت مُحمّدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوںؑ میں سے آخری نبی ہیں (یعنی نبیوںؑ کی بِعثت کے سلسلے کو ختم کر دینے والے ہیں)۔

اگر خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنی مُہرِ انبیاءؑ بھی لیں تو اہلِ عرب کے محاورے میں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپؐ نبیوںؑ کی بعثت کے سلسلے کو مُہر بند کرنے والے ہیں۔ لیکن اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا جس سے سلسلۂ نُبُوّت کے خاتمے کے برعکس اجرائے نُبُوّت کا مفہوم نکالا جائے، سراسر باطل اور گمُراہ کُن ہے۔ قُرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ "نُبُوّت اور کتاب" لازم ملزوم ہیں۔ پھر کسی ایسے شخص کو "نبی" ماننا جس پر کتاب نازل نہ ہوئی ہو ظُلم و جہل نہیں تو اور کیا ہے؟ بلکہ ایسے باطل نظریئے اور تاویل سے تکذیبِ قُرآن و دین لازم آتی ہے۔

دیکھیے قُرآنِ مجید نے "مَخْتُوْمٌ" اور "خِتَامُهٗ" کے الفاظ اس اعجاز کے ساتھ اِستعمال کیے کہ ان کی معنویّت کی صراحت بھی ہو جاتی ہے اور اہلِ لُغت اور اِس تلمیذ القُرآن کے موقف کی تائید بھی۔ اِرشاد ہوا:

Marfat.com

★ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ۙ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ (المُطفِّفين ۸۳: ۲۵-۲۶):
ان (اہلِ جنّت) کو مُہر بند خالص شراب پلائی جائے گی، جس پر مُشک کی مُہر ہوگی۔

ق ل ب (قلب)

قَلَبَهٗ (مضارع اور مصدر قَلْبٌ ہے) کے معنی ہیں: اُس نے اُس شخص یا چیز کی حالت، طریقہ یا انداز کو بدل دیا یا تبدیل کر دیا (صِحاح، اَساس، قاموس، مصباح، المُغرب)۔ قَلَّبَهٗ اور قَلَّبَهٗ کے بھی یہی معنی ہیں (مصباح وغیرہ)، لیکن مبالغہ کے ساتھ۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں: قَلْبُ شَيْءٍ کے معنی ہیں: کسی چیز کو پھیرنا اور ایک حالت سے دُوسری حالت کی طرف پلٹنا۔ مثلاً قَلْبُ الثَّوْبِ: کپڑے کو اُلٹنا۔ اور قَلْبُ الْإِنْسَانِ کے معنی آدمی کو اُس کے راستے سے پھیر دینے کے ہیں (المفردات)۔ قَلَبَهٗ عَنْ وَجْهِهٖ: اُس نے اُسے (اُس کے طریقۂ کارروائی، یا) راہ و سمت سے پھیر دیا۔ قَلَبَ الصِّبْيَانَ: اس یعنی مُعلّم نے لڑکوں کو گھر جانے کی رُخصت دے دی (اساس، تاج)۔ تَقَلَّبَ: لوٹ پوٹ ہونا۔ قَلَبَ الْخُبْزَ: اس وقت کہتے ہیں جب روٹی کو اندر اور دوسری طرف سے پکانے کی خاطر اُلٹ پلٹ کیا جائے۔ مِقْلَبٌ: اس لوہے کے آلے کو کہتے ہیں جس سے کسان کاشتکاری کرنے کے لیے اراضی کو اُلٹ پلٹ کرتا ہے۔

قَلَبٌ دلالت کرتا ہے اِنْقِلَابٌ پر (صحاح، اساس، قاموس، تاج العروس)، اس کے معنی ہیں ہونٹ کا مُڑا ہوا یا ڈھیلا ڈھالا ہونا۔

اَلْقَلْبُ مترادف ہے الضَّمِيرُ کا۔ اس کے معنی ہیں: ذہن، عقل، نفس، دماغ، فہم، قوائے عقلی و دانشمندی (الفراء، تاج، صحاح، مصباح، العُباب، قاموس)۔ ان عُلمائے لُغت کے نزدیک یہی مطلب ہے اِس آیۂ بصیرت افروز کا:

★ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ (قٓ ۵۰: ۳۷):
(اس تاریخی عمل میں) یقیناً اس شخص کے لیے یاددہانی و عبرت ہے جو عقل سے کام لیتا ہے اور متوجہ ہو کر بات سُنتا ہے۔

ابنِ ہشام نے قَلْبٌ کے چار اہم معانی لکھے ہیں: دل۔ عقل۔ ہر چیز کا لُب یا مغز اور — ہر چیز کا

Marfat.com

بہترین حصّہ۔ ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ اس مادّے میں دو بُنیادی معنی ہیں: (ا) کسی چیز کا خالص اور گراں قدر حصّہ، اور (ب) کسی چیز کو ایک رُخ سے دوسرے رُخ پر پھیرنا (المُجمل)۔ چنانچہ اہلِ عرب کا محاورہ ہے: ھٰذَا عَرَبِیٌّ قَلْبٌ: یہ شخص خالص عربی ہے۔

قرآنِ مجید نے فُؤَادٌ (جمع اَفْئِدَۃٌ) کو قَلْبٌ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

★ مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى ○ (النجم ۵۳: ۱۱):
آپؐ نے جو مشاہدہ کیا اُسے قلب نے جھوٹ نہ جانا (بلکہ اس کی تصدیق کی)۔

بقول فراء اہلِ عرب کہتے ہیں مَالَكَ قَلْبٌ: تُم عقل نہیں رکھتے (تاج)؛ اور مَاقَلْبُكَ مَعَكَ: تمھاری عقل تمھارے پاس نہیں ہے (اُردو میں کہتے ہیں تُم نے عقل بیچ کھائی ہے)؛ اور أَيْنَ ذَهَبَ قَلْبُكَ (تاج العروس): تمھاری عقل کہاں چلی گئی ہے؟

أَفْعَالُ الْقُلُوبِ: قلب کے وظائف یا کام (Functions and operations)۔

قَلْبُ الْجَيْشِ: فوج کا بڑا اور اہم حصّہ جو ہراول اور عقب (Van and rear) کے درمیان ہوتا ہے۔

قَلْبٌ: کسی چیز کے خالص، بہترین اور اہم ترین حصّے کو بھی کہتے ہیں۔ اِسی بناء پر حدیث میں سُورۂ یٰسٓ کو قَلْبُ الْقُرْاٰن کہا گیا ہے (لسان، قاموس، تاج)۔

★ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ (الحج ۲۲: ۱۱): اُلٹے پاؤں لوٹ پڑا۔

★ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (البقرۃ ۲: ۱۴۳): کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟

★ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ○ (آلِ عمران ۳: ۱۹۶):
کافروں کا ملکوں ملکوں میں گھومنا پھرنا آپ کو فریب میں مُبتلا نہ کر دے۔

نُکتہ: جس طرح عصرِ حاضر میں ترقّی یافتہ اقوام کے افراد سیاحت یا تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لیے مُلک مُلک گھومتے پھرتے ہیں۔

★ قَلْبٌ: غَلِيْظَ الْقَلْبِ (آلِ عمران ۳: ۱۵۹): سخت دل ہونا۔

★ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (الشُّعراء ۲۶: ۸۹): ہاں! جو اللہ کے پاس صحت مند یعنی حسین و مُطمئن، نیز کُفر و شرک اور کذب و ظُلم ایسی سرطانی بیماریوں سے مُبرّا قلب لے کر آئے (نیز دیکھیے الصّٰٓفّٰت ۳۷: ۸۴)۔

★ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ○ (قٓ ۵۰: ۳۳): اور جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے

Marfat.com

قلب کے ساتھ آیا۔

★ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (الاعراف ۷: ۱۷۹): ان کے پاس عقول یا دماغ ہیں مگر اُن سے سوچتے سمجھتے ہی نہیں۔

★ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرة ۲: ۷۴): پھر تمہارے قلب سخت ہو گئے۔ اس کا مطلب قلب کا مُردہ ہو کر اکڑ جانا، بےحِس ہو جانا، اور اس میں تفکّر و تعقّل اور اثر پذیری و اثر انگیزی کی فطری اِستعداد کا ضائع ہو جانا ہے۔

★ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آلِ عمران ۳: ۸):
یا ربّ! ہمیں صراطِ مُستقیم پر لگا چکنے کے بعد اب ہمارے دل و دماغ (کے قُوٰی کی فعلیّت کی جہت و قبلہ کو ہمارے گناہوں کے سبب) کو ٹیڑھا نہ کر دینا۔

★ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرة ۲: ۷): اللہ نے (ان کے کُفر کی وجہ سے) اُن کے دل و دماغ پر مُہر لگا دی۔

اس کا مطلب نظامِ قلب کا مُعطّل و ناکارہ ہو جانا، اور اس میں تفکّر و تعقّل اور اثر پذیری و اثر آفرینی کی اِستعدادوں کا مسلُوب ہو جانا ہے۔

★ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (التوبة ۹: ۱۲۵):
اور البتہ جن لوگوں کے قلب بیماری میں مُبتلا تھے ان کی نجاست پر نجاست کا اضافہ کر دیا۔

اِس آیۂ بصیرت افروز میں تین نِکات خصوصی توجہ چاہتے ہیں: ایک یہ کہ قلب جو زندہ و حرکی لطیفۂ غیبی ہے، مُستوجِبِ امراض ہے۔ دوسرے، عقل مریض و سقیم ہو جائے تو وہ اپنا فطری وظیفہ ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی اور تیسرے، اس کے نتیجے میں وہ باطنی نظام کو جامد و مُعطّل اور نجس بنا دیتی ہے۔ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو اس کی بیماری کے ساتھ نجاست بھی بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ اِس آیت سے مُستنبط ہے:

★ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (يُونُس ۱۰: ۱۰۰): (قُدرت کا قانونِ کُفرانِ نعمت یہ ہے کہ) اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (جیسا کہ لینے کا حق ہے تو قُدرت کے قانونِ کُفرانِ نعمت کے باعث عقل مُردہ و نجس ہو جاتی ہے، اس کے نتیجے میں) ان لوگوں کی زندگی بھی ناپاک و نجس ہو جاتی ہے۔

قرآنِ حکیم نے اُن لوگوں کو حیوان، گمراہ اور اہلِ نار قرار دیا ہے جو حواس اور قلب سے کام نہیں لیتے؛ یعنی سامعہ و باصرہ اور عقل کو اِستعمال نہیں کرتے جیسا کہ اِستعمال کرنا چاہیے (الاعراف ۷: ۱۷۹)۔

Marfat.com

س م ع (سمع)

اَلسَّمۡعُ : قُوّتِ سامعہ۔ کانوں میں ایک حاسّہ ہے جس کے ذریعے آوازوں کا اِدراک ہوتا ہے ؛ یعنی آوازیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اس کے معنی سُننا (مصدر) بھی آتے ہیں ؛ اور کبھی اس سے خود کان مُراد لیا جاتا ہے (دیکھیے البقرۃ ۲ : ۷) ؛ نیز جو چیز سُنی جائے اُسے بھی سَمۡعٌ کہا جاتا ہے۔ سَمِیۡعٌ کے معنی سُننے والے کے ہیں (المفردات ، قاموس ، مصباح)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

سِمَاعٌ کی طرح کبھی سَمۡعٌ سے مصدری معنی سماعت یا سُننا مُراد ہوتے ہیں : قُرآنِ مجید میں ہے :

★ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ۝ (الشعراء ۲۶ : ۲۱۲) :
وہ تو اس کی سماعت سے دُور و مہجور کردیے گئے ہیں۔

★ اَوۡ اَلۡقَى السَّمۡعَ وَهُوَ شَهِيۡدٌ ۝ (قٓ ۵۰ : ۳۷) : یا وہ گوشِ ہوش و حق نیوش سے سُنتا ہے۔

اور کبھی سَمۡعٌ کے معنی فہم و تدبّر اور کبھی طاعت بھی آجاتے ہیں : اہلِ عرب کا محاورہ ہے : اِسۡمَعۡ مَا اَقُوۡلُ لَكَ : میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو ؛ اور لَمۡ تَسۡمَعۡ مَا قُلۡتُ لَكَ : میں نے جو کچھ تجھ سے کہا تو نے اُسے سمجھا نہیں۔ یا میری بات سُنی اَن سُنی کردی۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا (البقرۃ ۲ : ۹۳) : اور سُنو ! کہنے لگے : ہم نے سُن تو لیا مگر ماننے کے نہیں۔

گوشِ حق نیوش کے ساتھ سُننے اور ماننے کے معنی میں :

★ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا (البقرۃ ۲ : ۲۸۵) : ہم نے حُکم سُن لیا اور طاعت اِختیار کرلی ؛ اور

★ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝ (الانفال ۸ : ۲۱) :
اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کہا : ہم نے (حُکم) سُنا لیکن (گوشِ حق نیوش سے) نہیں سُنتے۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں : سَمِعۡنَا وَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ”ہم نے

Marfat.com

سمجھ لیا، حالانکہ وہ سمجھتے نہیں"۔ اور یہ بھی کہ "ہم نے سمجھ لیا مگر اس کے مطابق عمل نہیں کرتے"۔ وجہ یہ ہے کہ جب انھوں نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو گویا وہ ان کی طرح ہیں جو سرے سے سُنتے ہی نہیں۔

پھر اس کے بعد فرمایا :

★ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانفال ۸ : ۲۳) : اگر اللہ اُن میں (آرزوئے) حسنہ دیکھتا تو اُن کو بالضرور سُننے کی توفیق دیتا۔ (لیکن آرزوئے خیر کے بغیر) انھیں سُنواتا تو مُنہ موڑ لیتے؛ مگر وہ تو بے رُخی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

★ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ (النمل ۲۷ : ۸۰) : اس میں شک نہیں کہ تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ بہروں ہی کو (اپنی) آواز سُنا سکتے ہو جب وہ مُنہ موڑ کر بھاگ رہے ہوں۔

لَا تُسْمِعُ کے معنی ہیں کہ تم انھیں کچھ بھی سمجھا نہیں سکتے، کیونکہ وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے قوّتِ عاقلہ کو، جو انسانیّت کے ساتھ مختص اور اس کی مابہ الامتیاز خوبی ہے، ضائع کر بیٹھتے ہیں اور مُردوں کی طرح ہو جاتے ہیں :

★ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (الکھف ۱۸ : ۲۶) : کیا خُوب دیکھنے والا اور سُننے والا ہے وہ (اللہ)۔

★ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (المُلک ۶۷ : ۲۳) :

کہو! اللہ ہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے لیے سامعہ، آنکھیں اور قلب بنائے۔ کم ہی تم شکر ادا کرتے ہیں؛ یعنی ان قوّتوں سے جتنا اور جیسا کام لینا چاہیے، اُتنا اور ویسا کام نہیں لیتے، بلکہ بہت کم کام لیتے ہو؛ نیز ان غیر مترقّبہ وعظیم نعمتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر و سپاس بھی کم ہی کرتے ہو۔

★ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ (المُلک ۶۷ : ۱۰) :

اور کہیں گے! کاش ہم (کلامِ الٰہی کو گوشِ حق نیوش سے) سُنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنے والوں میں شامل نہ ہوتے۔

Marfat.com

ب ص ر (بصر)

بَصُرَ اور بَصِرَ (مضارع) اور مصدر بَصَرٌ اور بَصَارَةٌ : اُس نے دیکھا (سِیبَوَیہ، مُحکم، قاموس، اللحیانی)؛ مترادف صَارَ مُبْصِرًا (مُحکم، قاموس)۔

اَلْبَصَرُ : آنکھ کو کہتے ہیں، اور قوّتِ بینائی کو بھی بَصَرٌ کہا جاتا ہے (المفردات)۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا اِدراک کرنا؛ اور کسی چیز کا موٹا ہونا ہے (المجمل)۔

راغب اِصفہانیؒ کے نزدیک قلب کی بینائی پر بَصَرٌ اور بصیرت دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔

بَصَرٌ کی جمع اَبْصَارٌ اور بَصِیْرَةٌ کی جمع بصائر آتی ہے (المفردات)۔

الفیّومی نے لکھا ہے : بَصَرٌ اس روشنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے آنکھ مُبْصَرات (نظر آنے والی یا Visible objects or things) کا اِدراک کرلیتی ہے۔ بعدازاں آنکھ پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا؛ نیز بَصَرٌ کے معنی کسی شے کا قلب میں اُتر جانا ہے؛ اِسی بناء پر اس کے معنی "علم" کے آتے ہیں۔

بَصِیْرٌ دیکھنے والے کو، نیز عالِم کو کہتے ہیں؛ اور بَصِیْرَةٌ قوّتِ اِدراک یا ذہانت وفطانت کو کہتے ہیں؛ نیز دلیل وبُرہان اور حُجّت کو، اور یقین واِرادہ کو بھی، اور عبرت وموعظت کو بھی (مصباح)۔ اس کے معنی شاہد یا گواہ کے بھی ہیں (تاج العروس)۔

اَلْبَصِیْرَةُ کا مطلب ہے اَلْاِسْتِبْصَارُ فِی الشَّیْءِ : جو مذکورۂ بالا جُملہ معانی پر دلالت کرتا ہے (صحاح، قاموس)۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے : عَمَی الْاَبْصَارِ اَھْوَنُ مِنْ عَمَی الْبَصَائِرِ : آنکھوں کی بے بصری (اندھاپن) قلب یا قوائے عقلیہ کی بے بصری (اندھے پن) سے کم تر ہے۔ اَعْمَی اللّٰہُ بَصَائِرَہٗ : اللہ اس کے قوائے عقلیہ کو اندھا کردے (اساس)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ○ (القمر ۵۴ : ۵۰) : پلک جھپکتے (Twinkling of an eye)۔

★ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ (النجم ۵۳ : ۱۷) : آپؐ کی نگاہ نہ تو (ہدف سے) ایک طرف ہی ہوئی اور نہ اُس سے آگے ہی بڑھی۔

نظر اور بصر میں جو لطیف فرق ہے اس کی صراحت بھی قرآنِ مجید نے کردی ہے :

Marfat.com

★ وَ تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۹۸) : اور آپ بظاہر انھیں اپنی طرف تکتے دیکھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ دیکھ نہیں رہے ہوتے (اُن کا خیال کہیں اور ہوتا ہے) ۔

★ بَصِیْرٌ کی ضد اَعْمٰی ہے (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲۴ - ۱۲۵) :

اِن آیات میں ایک قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ کلامِ الٰہی سے مہجور رہ کر اس سے اِکتسابِ نُور نہیں کرتے ، وہ حقیقت میں اندھے ہوتے ہیں - اس اصلِ عظیم کی تفسیر قُرآنِ حکیم نے خود ہی کر دی ہے کہ علم و بصیرت اور حُسن و نُور کا سرچشمہ وحی و تنزیل یا کلامِ اِلٰہی ہے ، لِہٰذا جو شخص اس سے اِکتسابِ نُور و علم نہیں کرتا وہ حقیقت میں اندھا ہے اور اس شخص کے برابر یا مثل کیسے ہو سکتا ہے جو حُسنِ کلامِ اِلٰہی سے اِکتسابِ نُور و علم کرنے والا بینا (SEER) ہے (الانعام ۶ : ۵۰) ۔

بَصِيْرَةٌ کو قُرآنِ حکیم نے شاہد ، گواہ ، دلیل ، حُجّت ، علیم کے معانی میں اِستعمال کیا ہے :

★ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ○ (القیٰمۃ ۷۵ : ۱۴) : بلکہ اِنسان خود ہی اپنے نفس کی حالت اور کردار و اعمال کو اچھی طرح دیکھنے اور جاننے والا ہے ۔

اس میں یہ نکتہ ہے کہ روزِ حساب و جزا ہر اِنسان کی کُل دُنیوی زندگی کا وڈیو کیسٹ "ٹیلی وژن" پر چلا کر اُسے دکھایا جائے گا اور اپنے سب اعمال دیکھ کر اچھی طرح جان لے گا کہ وہ اہلِ نار میں سے ہے یا اہلِ جنّت میں سے - اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اِنسان اپنے نفس میں تفکّر بالحق کرے تو اُس پر کُھل جائے گا کہ وہ صالح و مطمئن ہے یا گُناہگار و رہینِ خوف و حُزن ہے ۔

بَصَآئِرُ : قُرآنِ حکیم نے اپنی آیات کو بَصَآئِرُ کہا ہے ، ان معانی میں کہ وہ انوارِ علم و بصیرت ہیں :

★ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ (الانعام ۶ : ۱۰۴) :

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے علم و بصیرت کے انوار آ چکے ہیں - جو اُن کو دیکھتا اور اِکتسابِ نُور کرتا ہے تو اس کا فائدہ اُسی کو ہوتا ہے ، اور جو اُن کو نہیں دیکھتا وہ خود ہی علم و نُور سے محروم رہتا ہے ؛ اور میں تمھارا نگران و محافظ نہیں ہوں ۔

★ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ (یُوسف ۱۲ : ۱۰۸) :

میں اللہ کی طرف بُلاتا ہوں ، میں بھی وحی و تنزیل کی روشنی میں ہوں اور وہ بھی جو میرا اِتباع کر رہے ہیں ۔

Marfat.com

اَلْمُبْصِرَۃ کے معنی ہیں : روشن اور واضح دلیل و بُرہان۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً (النمل ۲۷ : ۱۳) : مگر جب ہماری واضح اور روشن نشانیاں ان کے پاس آئیں۔

تَبْصِرَۃً : قُرآنِ مجید کی اصطلاح میں اس کے معنی بصیرت افروز کے ہیں :

★ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً (قٓ ۵۰ : ۷-۸) :

اور اس میں ہم نے کُل خوشنما نباتاتی جوڑے اُگا دیے — بصیرت افروز۔

نُکتہ : ربِّ کریم نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے (النجم ۵۳ : ۴۵)۔ لہٰذا کُل جہانوں میں، نیز آخرت میں صرف اور فقط اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہی تنہا، واحد اور یکتا ہے۔

غ ش ی (و) : غشی اور غشو

غَشِيَهٗ (مضارع يَغْشٰى، مصدر غَشَاوَۃٌ) : اُس نے اُسے ڈھانپ لیا چھپا لیا (تاج)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

غَشِيَهٗ، غِشَاوَۃً و غِشَاءً : وہ اس کے پاس اس چیز کی طرح آیا جو اُسے چھپائے۔

غِشَاوَۃٌ (اسم) : پردہ جس سے کوئی چیز ڈھانپ دی جائے۔

غَشِيْتُ مَوْضِعَ كَذَا : میں فلاں جگہ پر آیا، اور کنایتاً عورت سے مجامعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ غَشَّاهَا وَ تَغَشَّاهَا کے معنی ہیں : میں نے عورت سے مجامعت کی (المفردات، تاج)۔ غَاشِيَۃٌ اس جھلّی کو کہتے ہیں جو دل پر غلاف کے طور پر چڑھی ہوتی ہے؛ نیز تلوار کے نیام پر مڑھے ہوئے چمڑے کو بھی کہتے ہیں (تاج)۔

غِشَاءٌ : پردہ، اس کا مترادف غِطَاءٌ (صحاح، مصباح)۔

غَاشِيَۃٌ (جمع غَوَاشٍ، الاعراف ۷ : ۴۱) کے معنی ہیں : اَغْمَاءٌ (قاموس، تاج)؛ یعنی اَغْشَاءٌ۔ غلاف، سرپوش، پوشش، ڈھکنا (COVERING)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

اہلِ عرب کا محاورہ ہے : غَشِيَهٗ وَ تَغَشَّاهُ وَ غَشَّيْتُهٗ : اُسے چھپا لیا، ڈھانپ لیا۔

Marfat.com

★ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ (لقمٰن ۳۱ : ۳۲) : اور جب (دریا یا سمندر کی) موج سائبانوں کی طرح ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

★ وَّ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرۃ ۲ : ۷) : اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

★ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (الجاثیۃ ۴۵ : ۲۳) : اور ان کی بینائی (باصرہ) پر پردہ ڈال دیا۔

★ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ (ابراھیم ۱۴ : ۵۰) : اور آگ اُن کے چہروں کو ڈھانپ لے گی۔

★ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ۝ (النجم ۵۳ : ۱۶) : جب سِدرۃ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

★ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى ۝ (الّیل ۹۲ : ۱) : اور قسم ہے رات کی جب وہ (دن کو) چھپا لے یا جب وہ بالکل اندھیری ہو جائے۔

★ اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ (الانفال ۸ : ۱۱) : جب اُس نے تم پر اپنی طرف سے اُونگھ طاری کر دی۔

★ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ (یُوسُف ۱۲ : ۱۰۷) : کیا وہ نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ کا عذاب ان کو محیط ہو جائے ؟

★ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۝ (الغاشیۃ ۸۸ : ۱) : کیا تمھیں چھا جانے والی آفت (قیامت) کی خبر ملی ہے ؟

راغب اصفہانیؒ کے نزدیک اَلْغَاشِیَۃ سے مُراد "قیامت" ہے اور اس کی جمع غَوَاشٍ ہے۔

غُشِیَ عَلٰی فُلَانٍ : اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ (الاحزاب ۳۳ : ۱۹) : جیسے کسی قریب المرگ پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

اَغْشَاہُ کے معنی ہیں کہ اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰسٓ ۳۶ : ۹) : ہم نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، پس وہ نہیں دیکھتے۔

★ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ (نُوح ۷۱ : ۷) : اور انھوں نے اپنے کپڑوں سے اپنا مُنہ سر ڈھانپ لیا۔ مقصد یہ کہ نہ دیکھیں نہ سُنیں۔

Marfat.com

قُرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق اِس مادّے کی تفسیر خود ہی کر دی ہے :

★ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾ (الشمس ۹۱ : ۳-۴) :

اور دن کی قسم جب اُسے (سُورج کو) نمایاں کر دے؛ اور رات کی جب وہ اُسے چُھپا لے۔

★ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ (الیل ۹۲ : ۱-۲) :

اور رات کی قسم جب وہ اُسے چھپا دے؛ اور دن کی جب وہ اُسے (سُورج کو) نمایاں کر دے۔

ع ذ ب (عذب)

عَذُبَ (مضارع اور مصدر عُذُوْبَةٌ) : وہ (پانی، کھانا، شروب وغیرہ) شیریں و خُوشگوار تھا یا ہوگیا (صِحاح، تاج، مصباح، قاموس) — مَاءٌ عَذْبٌ : خُوشگوار، شیریں اور ٹھنڈا پانی۔

اس مادہ سے متعلق محیط، تاج العروس، صِحاح، قاموس میں لکھا ہے کہ اس کے تین معانی ہیں: اوّلاً، پانی کی شیرینی اور لذّت جو پیاس کو دُور کر دیتی ہے۔ ثانیاً، اذیّت، تکلیف جس کے باعث زندگی اپنی راحت و لذّت سے محروم ہو جاتی ہے۔ ثالثاً، ممانعت، رکاوٹ، بندش۔ ان تینوں معانی کا مختصراً بیان :

(۱) اَلْعَذْبُ : فرحت انگیز، شیریں اور خُنک پانی۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ (الفرقان ۲۵ : ۵۳) : ایک کا پانی لذیذ و شیریں (Palatable and sweet) ہے اور دوسرے کا کھاری اور تلخ (Saltish and bitter) ہے۔

إِعْذَابُ عَنْ شَيْءٍ : (اُس نے) اس چیز سے احتراز یا پرہیز کیا (تاج، قاموس)۔

عَذْبٌ بحیثیتِ مصدر عَذَبَ عَنْ کے معنی ہیں : وہ اس سے محترز یا مجتنب رہا۔

أَعْذِبْ نَفْسَكَ عَنِ الْأَمْرِ : اپنے آپ کو اس شے سے روکے رکھو!

إِسْتَعْذَبَ الْمَاءَ : اُس نے پانی کو شیریں محسوس کیا یا اس کی تعریف کی کہ وہ شیریں ہے۔

إِسْتَعْذَبَ لِأَهْلِهٖ : اُس نے اپنے خاندان کے لیے پانی طلب کیا۔

مَاءٌ عَذْبٌ یا مَاءٌ عِذَابٌ : شیریں پانی۔

اس کے دُوسرے معنی ہیں : تکلیف یا اذیّت۔ چنانچہ عَذَبٌ ان تنکوں یا کوڑے کرکٹ وغیرہ کو کہتے ہیں جو پانی کے اُوپر گر جائیں اور اسے مکدّر یا خراب کر دیں۔

Marfat.com

عَذَبَۃٌ ایک درخت کا نام ہے جسے کھا کر اُونٹ ہلاک ہو جاتے ہیں۔

عَذَابٌ : سزا، تعزیر، اذیّت، تادیب۔ مترادف عُقُوبَۃٌ یا نَکَالٌ : CHASTISEMENT (صِحاح، قاموس، بیضاوی، ۲ : ۶)۔ اسے عموماً جسمانی سزا یا اذیّت، یا شرمناک یا عبرتناک سزا کے معنی میں اِستعمال کیا جاتا ہے۔ اِستعارۃً اس سے مُراد ایسا کام یا سانحہ ہے جو مُشکل، تکلیف دہ اور المناک ہو۔ اسی سے یہ کہاوت ہے : اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ : سفر تعزیر یا عُقُوبت کا ایک حصّہ ہے (مِصباح)۔ قُرآنِ حکیم (المؤمنون ۲۳ : ۷۷) میں عَذَابٍ شَدِیْدٍ سے مُراد بھوک، پیاس یا قحط ہے (زِجاج، عُباب، تاج)۔

اس کے تیسرے معنی ہیں : بندش اور رکاوٹ۔ عَذُوْبٌ اور عَاذِبٌ : اُس آدمی، اُونٹ یا گھوڑے کو کہتے ہیں جو پیاس کی شدّت کی وجہ سے کھانا چھوڑ دے۔ جو بغیر کچھ کھائے اور سوئے رات گزار دے اسے بھی عَاذِبٌ کہتے ہیں، نیز اُسے بھی جسے حفاظت اور سائے کے لیے چھت نصیب نہ ہو (تاج العروس، محیط)۔ الغرض، اذیّت، قحط، بھوک، پیاس، عُقوبت، بےگھری، محتاجی سب کے لیے عَذَابٌ کا لفظ اِستعمال ہوا ہے۔

روکنے کے لیے عَذَبَہٗ عَنِ الشَّیْءِ وَاَعْذَبَہٗ وَاسْتَعْذَبَہٗ کہتے ہیں : یعنی اُسے کسی چیز سے روک دیا (تاج، محیط)۔

عَذَّبَہٗ تَعْذِیْبًا : اُسے عرصۂ دراز تک عذاب میں مُبتلا رکھا (المفردات)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

- ★ لَاُعَذِّبَنَّہٗ عَذَابًا شَدِیْدًا (النّمل ۲۷ : ۲۱) : میں اُسے سزا دُوں گا، نہایت سخت سزا۔
- ★ وَلَہُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۹) : ان کے لیے دائمی یا مُستقل عذاب ہے۔
- ★ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ (الاسراء ۱۷ : ۱۵) : اور ہم عذاب دینے والے نہیں۔
- ★ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ○ (الشّعراء ۲۶ : ۱۳۸) : ہم عذاب میں مُبتلا ہونے والے نہیں۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں : لفظِ عَذَابٌ کی اصل میں اِختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عَذَبَ (ض) الرَّجُلُ کے محاورے سے مشتق ہے، یعنی اس نے پیاس کی شدّت کی وجہ سے کھانا اور نیند ترک کر دی، اور جو شخص اس طرح کھانا اور سونا چھوڑ دے اسے عَاذِبٌ و عَذُوْبٌ کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

لہٰذا تَعۡذِیۡبٌ کے اصل معنی ہیں کسی کو بھوکا اور بیدار رکھنا۔
بعض کے نزدیک یہ عَذۡبٌ (شیریں) سے مشتق ہے، لہٰذا عَذَّبۡتُہٗ کے معنی ہیں: میں نے اُسے زندگی کی لذّت اور خوش گواریوں سے محروم کر دیا، جیسا کہ مَرَّضۡتُہٗ: میں نے اس سے مرض کو دُور کر دیا۔ اور قَذَّیۡتُہٗ: میں نے اس کی آنکھ سے تنکا نکالا۔
بعض نے کہا ہے کہ اَلتَّعۡذِیۡبُ کے معنی ہیں: کسی کو کوڑے کے ساتھ متواتر مارنا۔ چنانچہ بعض عُلمائے لُغت نے تَعۡذِیۡبٌ کے معنی ہی "مارنا" لکھے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مَاءٌ عَذۡبٌ کے محاورے سے مأخوذ ہے؛ یعنی مُکدّر پانی جس کے اُوپر کوڑا کرکٹ پڑا ہو۔ اِس بناء پر عَذَّبۡتُہٗ کے معنی ہیں: میں نے اس کی زندگی کے چشمۂ صافی کو مُکدّر کر دیا؛ اس سے زندگی کی راحت دُور کر دی۔
عَذَبَۃُ السَّوۡطِ: کوڑے کا سرا۔ عَذَبَۃُ اللِّسَانِ: زبان کا سرا۔ عَذَبَۃُ الشَّجَرِ درخت کا سرا (المفردات)۔

نُکتہ: یہاں اِس ازبس اہم نُکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اِسلام کا بُنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ ربِّ رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کے فلسفۂ رحمت کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ اُسے خاص طور سے اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار اِنسان سے اتنی زیادہ محبّت ہے کہ اس کا تصوّر کرنا بھی محال ہے۔ مثال کے طور پر، ہر نوع کی جُملہ ماؤں کی مامتا ربِّ رحمٰن کی محبّت کے مقابلے میں اتنی ہے جتنا قطرہ بحرِ بیکراں کے مقابلے میں ہو۔ پھر اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو عذاب دیتا ہے، اس کی رحمتِ بے نہایت کی توہین بلکہ نفی کرنے کے مترادف ہے۔
ربِّ عاشق کسی کو عذاب نہیں دیتا کہ یہ اس کی رحمت کا تقاضا اور خاصّہ ہے۔ وہ معذّب ان معنی میں ہے کہ اس کا قانونِ مکافاتِ عمل یہ ہے کہ جو صاحبِ ارادہ و اِختیار اِنسان کُفر و شرک اور دیگر اعمالِ سُوء کرتا ہے وہ اس کی عطا کردہ حسین و شیریں اور دلکش و طیّب زندگی کو اس کے حُسن و سرُور اور لذّت و شیرینی سے محروم کر کے اُسے خوف و حُزن کا آتشکدہ اور اجیرن بنا دیتا ہے۔ یہی آتشکدہ آخرت میں موضوعی۔ معروضی شکل اِختیار کرے گا، جسے قُرآنِ مجید اَلنَّار، جہنّم یا سقر سے تعبیر کرتا ہے۔
قُرآنِ مجید نے تُعَذِّبَ کے مقابلے میں حُسۡنًا کو لا کر دونوں الفاظ کی معنویّت کی صراحت کر دی ہے:

★ قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا ۝ (الکھف ۱۸: ۸۶): ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! تجھے یہ بھی اختیار ہے کہ تو انھیں سخت سزا دے اور یہ بھی ہے کہ اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے۔

Marfat.com

ع ظ م (عظم)

عَظُمَ (مضارع)، مصدر عِظَمٌ اور عِظَامَةٌ: وہ ہڈی کے اعتبار سے بڑا تھا یا ہو گیا (صحاح، مصباح، قاموس)۔ پھر استعارةً ہر کبیر یا بڑی شے پر بولا جانے لگا، چاہے وہ حاسہ ہو یا عقل، جوہر (SUBSTANCE) ہو یا عرض (ACCIDENT)۔ اس کا مترادف کَبُرَ کے معنی ہیں: وہ چیز طول، عرض اور موٹائی میں بڑی ہو گئی (تاج، مصباح، صحاح)۔ استعارةً اس کا اطلاق انسان پر ہوتا ہے، وہ قدر و منزلت اور منصب میں بڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں، اللہ اتنا ارفع و اعلیٰ اور جَلَّ شأنہٗ ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اَلعَظْمُ کے معنی ہڈی کے ہیں۔ اس کی جمع عِظَامٌ آتی ہے (دیکھیے المؤمنون ۲۳: ۱۴)۔ عَظْمَةُ الذِّرَاعِ: بازو کے موٹے حصے کو کہتے ہیں۔ عَظُمَ الشَّیْءُ کے اصل معنی کسی چیز کی ہڈی کے بڑا ہونے کے ہیں۔ مجازاً ہر اُس چیز کے بڑا ہونے پر بولا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق حِس (= حاسہ) سے ہو یا عقل سے، اور عام اس سے کہ وہ مادی شے ہو یا معنوی۔ عظیم کا لفظ جب اجسام کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو ایسے جسم سے متعلق بولا جاتا ہے جس کے اجزاء مُتصل ہوں، مگر اس کے مقابل کثیر کا لفظ افراد پر بولا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی عظیم کا لفظ بھی افرادِ کثیرہ پر بولا جاتا ہے، جیسے جَیْشٌ عَظِیْمٌ (بہت بڑا لشکر) اور مَالٌ عَظِیْمٌ: بہت زیادہ مال۔ اس صورت میں عَظِیْمٌ کے معنی کَثِیْرٌ کے ہوتے ہیں۔ عَظِیْمَةٌ: بڑے حادثے کو کہتے ہیں (المفردات)۔

عَظَمَاتُ الْقَوْمِ: قوم کے سرداروں کو کہتے ہیں۔ عَظْمُ الطَّرِیْقِ: راستے کے کُشادہ حصے کو کہتے ہیں (ابن فارس، تاج)۔

عَظَّمَهُ (مصدر تَعْظِیْمٌ) اور اَعْظَمَهُ: اُس نے فُلاں چیز کو بڑا، لمبا اور کُشادہ کر دیا۔ اِس بناء پر اس کے معنی ہیں: اُس نے اُس کی عزت و توقیر کی، یا وہ اُس کے ساتھ عقیدت و احترام سے پیش آیا۔ اَعراب کا محاورہ ہے: فَعَلْتُ كَذَا تَعْظِيْمًا لَّهُ: میں نے ایسا اُس کے آداب بجا لانے یا اس کی توقیر و تکریم کرنے کے لیے کیا (صحاح، مصباح، قاموس)۔

عَظِیْمٌ: عظمت والا، یعنی بڑا، اُونچا اور وسیع۔ اس کا اسمِ تفضیل عُظَامٌ ہے: بہت بڑا، اُونچا، وسیع۔ چنانچہ جو شخص صاحبِ کمال ہو، مثلاً علم و حکمت، عقل و دانش، قوت و صولت، ادب و فن وغیرہ وغیرہ میں، اُسے عظیم کہتے ہیں۔ اَعراب کا محاورہ ہے: رَجُلٌ عَظِیْمٌ فِی الْمَجْدِ وَالرَّأْیِ: انسان جو عزت و

Marfat.com

آبرو، شان وشوکت، سطوت وصولت یا شرافت ونجابت اور عقل و رائے کے لحاظ سے بڑا ہو (تاج)۔ بیضاوی نے لکھا ہے: کوئی چیز، واقعہ، سانحہ یا حادثہ جو تکلیف دہ، کربناک، دشوار، مُہیب، خوفناک، غم انگیز، شدید، لرزہ خیز، صبر آزما یا شکیب رُبا ہو (۲: ۶؛ نیز ۲۲: ۱)۔

ازروئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ يُعَظِّمْ: (ادب واحترام کرنا)۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ (الحج ۲۲: ۳۰): اور جو شخص اللہ کی مُتبرک وقابلِ احترام چیزوں کا ادب واحترام کرتا ہے (نیز دیکھیے آیہ ۳۲)۔

★ يُعْظِمْ (بڑا کرنا، زیادہ کرنا .To magnify) : وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا (الطلاق ۶۵: ۵): اور (اللہ) اجر یا صلے کو اُس کے لیے بہت زیادہ کردے گا۔

★ عَظِيْمٌ : وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرۃ ۲: ۷): اُن کے لیے بڑا بھیانک خوفناک اور کربناک عذاب ہوگا (Formidable and awful doom)۔

★ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (البقرۃ ۲: ۴۹): بڑی سخت، صبر آزما اور کربناک آزمائش (Tremendous and formidable trial).

★ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر اِنتہائی و بیمثال اور لامُتناہی: وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (البقرۃ ۲: ۱۰۵): اور اللہ لامُتناہی موہبت و اِحسان اور اِنعام واکرام والا ہے۔

★ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرۃ ۲: ۲۵۵): وہ غایت درجہ عالی مرتبت۔ صاحبِ جلالت وعظمت ہے۔

★ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (المائدۃ ۵: ۱۱۹): یہ بہت بڑی وبے قیاس کامیابی ہے۔

★ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الانعام ۶: ۱۵): اِنتہائی مُہیب وشکیب رُبا دن کا عذاب۔

★ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ (التوبۃ ۹: ۶۳): یہ بڑی بھیانک اور شکیب رُبا رُسوائی ہے۔ انگریزی میں Extreme and grievous abasement or disgrace ۔

★ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ (یوسف ۱۲: ۲۸): یقیناً تم عورتوں کے چلتر سخت دلفریب وصبر آزما ہوتے ہیں۔ انگریزی میں: .Mighty snare or guile

★ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر ۱۵: ۸۷): اور بے عدیل جلیل وکریم قرآن۔

★ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمٰن ۳۱: ۱۳): بیشک شرک بھیانک زیادتی وناانصافی اور دھاندلی ہے۔

Marfat.com

وقف لازم

۸ — وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

۹ — يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ؕ

۱۰ — فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

۸ — ترجمہ

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، مگر وہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں۔

تفسیری ترجمہ

لوگوں میں ایک گروہ مُنافقوں کا بھی ہے جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت، نشأۃِ ثانیہ، روزِ حساب و جزا اور جنّت و دوزخ پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ وہ دل سے نہ تو اللہ کی ذات و صفاتِ حسنہ کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں اور نہ روزِ آخرت کو۔

۹ — ترجمہ

وہ (اپنی دانست میں) اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن وہ اُن کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر اس اصل کو سمجھتے نہیں۔

تفسیری ترجمہ

خُوگرِ مُنافقت ہونے کے سبب وہ اپنے قول و فعل سے اللہ اور اہلِ ایمان کو چُل دینے کی کوشش کرتے ہیں، مگر وہ اللہ کو فریب دیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ تو اہلِ ایمان کو بھی دھوکا نہیں دیتے، بلکہ دُوسروں سے جھوٹ بولتے بولتے اپنے آپ سے بھی جھوٹ بولنے لگتے ہیں، لیکن سمجھتے ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ فریب کاری کا خاصّہ ہے کہ مکّار یا مُنافق لاشعوری طور پر اپنے آپ کو بھی دھوکا دینے کا عادی بن جاتا ہے۔

۱۰ — ترجمہ

ان کے قلوب میں (نفاق) کی بیماری ہے۔ اللہ (اپنے قانونِ آرزو اور قانونِ مُجازات کے مطابق) ان کی یہ بیماریِ مُنافقت اور زیادہ کرتا جاتا ہے؛ اور ان کے لیے کربناک عذاب ہے، اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

Marfat.com

تفسیری ترجمہ

اصل یہ ہے کہ اُن کے باطن نفاق کے مرض میں مُبتلا ہیں اور جھوٹ بولنا ان کی عادت بن چکی ہے۔ اِس باعث اللہ کا قانونِ آرزو و مُجازات اُن کا یہ مرضِ نفاق زیادہ کرتا رہتا ہے؛ نیز تکلیف دہ عذاب اُن کا مُنتظر ہے۔

تفسیر

مدینۂ مُنوّرہ میں اِسلامی مملکت کے معرضِ وجود میں آجانے کے ساتھ ہی مُسلمانوں نے وہاں صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المُنکر کے اِدارے قائم کیے، اور اُن کی اساس پر اِسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کی، اور انھیں قومی تشخص حاصل ہوگیا۔ نیز تحریکِ اِسلام کی کامیابی کی راہ ہموار ہونے لگی تو مؤمن وُمتقی اور مُخلص وصالح مہاجرین وانصار کی صفوں میں عبداللہ بن اُبیّ اور اُس کے ساتھیوں ایسے طالع آزما ومفاد پرست مُنافق بھی شامل ہوگئے۔ زیرِ نظر آیاتِ بصیرت افروز میں ان کے حوالے سے ہر زمان ومکان کے مُنافق لوگوں کے نفسیاتی احوال وظروف کی طرف بڑے ہی بلیغ اِشارے کیے گئے ہیں۔

★ مُنافقوں کے دل وزبان میں مغائرت و ناآہنگی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

★ نِفاق کے سرطانی مرض کے سبب اُن کا حسّی قلبی نفسی نظام مفلوج ومُعطّل ہوجاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کا سینہ حُسن وحق کے لیے بند ہوجاتا ہے۔ دُوسرے، وہ اِس زعمِ باطل میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اپنے مکروفریب، کذب بیانیوں اور ریاکاریوں سے وہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے مخلص بندوں کو جھکمہ دے رہے ہیں، حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں۔ انھیں اِس حقیقت کا شعور نہیں رہتا کہ عالم الغیب والشہادۃ کو کون دھوکا دے سکتا ہے؟ تاریخی عمل شاہد ہے کہ وقت کے فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کا آج بھی یہی شعار ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مُسلم اقوام پس ماندہ و دست نگر اور ضعیف ومفلوک الحال ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نفاق کا سرطانی مرض نفسِ اِنسانی کو، جسے ذاتِ اِنسانی سے تعبیر کیا جاتا ہے، دو حِصّوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کے باطنی نظام میں تشتُّت وافتراق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بیکار ہو جاتا ہے، نہ عقل سلیم، یعنی حسین ومنیر رہتی ہے اور نہ سامعہ وباصرہ۔ قلب

Marfat.com

اپنے فطری حُسن و نُور سے محروم ہو کر اندھا ہو جاتا ہے اور اُس کی دُنیا تنگ و تاریک اور آتشکدۂ خوف و حُزن ہو جاتی ہے۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ قلب کا اندھا آخرت میں بھی اندھا اُٹھے گا، اور جنّت کی راہ نہیں دیکھ سکے گا۔

نفاق نفس کا سرطانی مرض ہے جو جسمانی کینسر یا سرطان کی طرح چپکے چپکے زیادہ ہوتا رہتا ہے اور آخر میں عذابِ شدید دیتا ہے۔یہ مطلب ہے فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ کا (البقرۃ ۲: ۱۰)۔

اِس آیت میں بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ کا جُملہ علّتِ غائی کے طور پر آیا ہے اور معنی خیز و عبرت انگیز ہے۔اس کے معنی ہیں کہ مُنافق ایک تو اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ سے، دوسرے مؤمنوں سے اور تیسرے خود اپنے آپ سے جھوٹ بولتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں، مُنافق ایک تو اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے کلام و صفات کی، دُوسرے، اہلِ ایمان کے عقائد و روشِ زندگی کی، اور تیسرے اپنی ذات کی نفی کرتے ہیں۔اس کے نتیجے میں وہ ربِّ کریم کے جمالیاتی-تخلیقی شہکار ہونے کے باوصف بہیمیت کے تحت الثّریٰ میں جا گرتے ہیں، جیسا کہ اِرشادِ الٰہی ہے:

★ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝

(التّین ۹۵: ۴-۵):

یقیناً ہم نے اِنسان کو خَلق و خُلق کے اعتبار سے دوسرے جانداروں کی بہ نسبت حسین ترین بنایا ہے۔پھر (اس کے نفاق و شرک اور کُفر و کذب کے سبب) اُسے ادنیٰ ترین مخلوقات سے بھی ادنیٰ کر دیتے ہیں۔

بہرحال، مُنافق اپنی مُنافقت کی سرطانی بیماری کے سبب اُخروی زندگی میں جہنّم کے تحت الثّریٰ میں ہوں گے:

★ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝

(النّسآء ۴: ۱۴۵):

بلاشُبہ مُنافق جہنّم کے تحت الثّریٰ میں ہوں گے۔اور تُو اُن کے لیے کوئی نصیر (یعنی مددگار، شافع، مولیٰ، وکیل، حامی) نہ پائے گا۔

یہ آیۂ تنذیری اُن مُسلمانوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے جو نفاق و شرک ایسی سرطانی بیماریوں کے شکار ہونے کے باوجود اِس زعمِ باطل میں مُبتلا ہیں کہ ان کے اکابر انھیں عذاب سے چھڑا لیں گے۔

Marfat.com

مُنافقوں سے متعلق مزید معلومات

درج ذیل آیۂ فکر انگیز اس تاریخی واقعیت پر دلالت کرتی ہے کہ مُنافق مکۂ مکرمہ میں نہیں تھے اور نہ تحریکِ اِسلام میں شامل ہوئے تھے، بلکہ وہ اس میں مدینۂ مُنوّرہ میں شامل ہوئے تھے :

★ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ..... عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ (التوبۃ ۹: ۱۰۱):

(اے نبیؐ!) آپ کے گرد و نواح میں بدویوں میں مُنافق پائے جاتے ہیں اور مدینہ (منوّرہ) کے باشندوں میں بعض نفاق پر جمے ہوئے ہیں۔ آپ اُن کو نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم اُنھیں (دُنیا میں) دو بار سخت سزا دیں گے۔ پھر وہ بُہت بڑے عذاب کے لیے لوٹائے جائیں گے۔

بُخل سے نِفاق پیدا ہوتا ہے، اور اَنفاق سے صالحیّت پیدا ہوتی ہے۔

★ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ ..... وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

(التوبۃ ۹: ۷۵ - ۷۸) : اور اُن میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ اپنے فضل سے ہمیں مال و منال دے تو ہم ضرور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے (یعنی زکوٰۃ اور العفو دیں گے) اور صالح اور نیکوکار بن جائیں گے لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں مال و منال دیا تو انھوں نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے جمع کر کے رکھ لیا، اور وعدے سے پھر گئے اور منحرف ہو گئے۔

اس کے نتیجے میں ان کے قلوب میں نفاق (کا سرطانی مرض) اس طرح لگا دیا کہ وہ اللہ کے رُو برو حاضر ہونے تک اس کو چھوڑنے کا نہیں، بوجہ اس کے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اس لیے بھی کہ جھوٹ بولنا ان کا شِعار بن چکا تھا۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے (دلوں کے) بھیدوں اور ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ اور اللہ بلا شُبہ غیبات و مخفیات کا علم رکھنے والا ہے۔

Marfat.com

ان آیاتِ تنذیری میں مُنافقین کے مندرجۂ ذیل خصائلِ ستّہ کی نشاندہی کی گئی ہے :

۱ ۔ مُنافق پہلے تو ربِّ رحمٰن سے اس وعدے کے ساتھ دُعا مانگتے ہیں کہ وہ اس کے عطا کردہ مال و دولت میں سے اس کے احکام کے مطابق زکوٰۃ و العفو دیں گے اور اس کے نتیجے میں صالحیت وحسنہ کے مقام پر پہنچ جائیں گے، یعنی صالح و مُحسن بن جائیں گے (نیز دیکھیے آلِ عمران ۳ : ۹۲ ؛ البقرۃ ۲ : ۲۱۹) ۔

۲ ۔ لیکن جب ربِّ کریم انھیں مال و دولت سے نوازتا ہے تو وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو جاتے ہیں، اور بخیل ہو جاتے ہیں۔ بخیل کے لیے قرآنِ حکیم نے " قارون " کی تلمیح اختیار کی ہے۔ بخیل کا شعار دولت کو جمع کر کے رکھنا اور گن گن کر خوش ہونا ہے (الھُمزۃ ۱۰۴ : ۱ تا ۹) ۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو وہ خودکُشی سمجھتا ہے ۔

۳ ۔ مُنافق نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ و العفو دینے کا وعدہ ایفا نہیں کرتے، بلکہ وہ تو اس کے سُننے سے بھی اعراض کرتے ہیں ۔

۴ ۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ سے جھوٹ بولتے ہیں ؛ اس طرح صفاتِ الٰہیہ اور اپنی ذات کی نفی کرتے ہیں ۔

۵ ۔ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اور اہلِ ایمان سے اپنے دل کی باتیں چُھپانے کی کوشش اور ان کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں (نیز دیکھیے البقرۃ ۲ : ۱۳ - ۱۴ بعد) ۔

ان خصائل و کردار کے نتیجے میں

اُن کے دلوں میں نِفاق کا سرطانی مرض اِس مضبوطی سے جڑ پکڑ لیتا ہے کہ قیامت تک پیچھا نہیں چھوڑتا ۔

۶ ۔ مُنافق اِس مُشرکانہ غلط فہمی میں مُبتلا ہوتے ہیں کہ اُن کے دلوں کے بھید اور سرگوشیاں اللہ تعالیٰ سے مخفی رہتی ہیں ؛ لیکن

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ انھیں مُتنبہ کرتا ہے کہ جو چیزیں بھی اُن کے لیے غیب ہیں، وہ اس کے لیے ظاہر و عیاں ہیں ۔

★ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ ..... وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۝ (التوبۃ ۹ : ۶۷ - ۶۸ بعد) :
مُنافق مرد اور مُنافق عورتیں ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں ۔ وہ فطرتِ انسانی کے خلاف اعمالِ سُوء کا حُکم دیتے ہیں اور حسین و فطری اعمال سے منع کرتے ہیں ؛ نیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنی مُٹھی بھینچ رکھتے ہیں ۔ انھوں نے اللہ کو بُھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں بُھلا دیا ؛

Marfat.com

یعنی اُن سے صرفِ نظر کر لیا۔
(یہ مقولہ جتنا مشہور ہے اُتنا سچا بھی ہے کہ جو کسی کو دل سے اُتار دیتا ہے، وہ بھی اس کے دل سے اُتر جاتا ہے)۔
یقیناً مُنافق عہد شکن اور فطری حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے مُنافق مردوں، مُنافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ جہنّم کا وعدہ کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (کیونکہ وہ سَمَندر سرشت ہیں، اس لیے آتشِ جہنّم ہی) اُن کے حسبِ حال ہے۔ اور اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے اور ان کے لیے قائم و دائم رہنے والا عذاب ہے۔

ان آیات میں ربِّ رحمٰن نے ہمیں مُنافقوں کے مفصلۂ ذیل خصائل سے آگاہ کیا ہے، تاکہ ہم اپنے نفس کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں بھی یہ خصائل پائے جاتے ہوں اور ہمیں اس کا شعور ہی نہ ہو۔

اوّل : نفاق کی بیماری میں مُبتلا مرد و زن کے خصائل ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔

دوم : اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے اِرشاد کے برخلاف وہ ایسے کام کرنے کا حُکم دیتے ہیں جن سے فطرتِ اِنسانی اِبا کرتی ہے، کیونکہ وہ غارتگرِ اِیمان و تقوٰی اور رہزنِ طمانیتِ قلب و نفس ہوتے ہیں لیکن ایسے کام کرنے سے منع کرتے ہیں جو فطرتِ اِنسانی چاہتی ہے، اِس لیے کہ وہ حسین و اِیمان افروز اور تقوٰی انگیز و طمانیت آفرین ہوتے ہیں۔

سوم : وہ بخیل ہوتے ہیں، یعنی دولت کے پرستار قارون ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ و العفو، قرضِ حسنہ اور الماعون دینے سے ان کی جان نکلتی ہے، اِس لیے مال و دولت پر سانپ بن کر بیٹھے رہتے ہیں۔

چہارم : اللہ فراموش ہوتے ہیں، اس کے نتیجے میں اُس کی نظروں سے گرے ہوئے اور اُس کی رحمت سے دُور و محروم ہوتے ہیں۔

پنجم : اپنے اِلٰہ و ربّ کے بیوفا و عہد شکن ہوتے ہیں۔

ششم : اللہ کی (یا فطری) حدود سے تجاوز کرنا اُن کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

ہفتم : ان کے قول و فعل میں نمایاں تضاد ہوتا ہے۔

اللہ کی امانت میں خیانت کرنا مُنافق مردوں اور عورتوں کا شعارِ زندگی ہوتا ہے۔

★ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ ..... ۙ لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ

Marfat.com

وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ ..... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الاحزاب ۳۳: ۷۲-۷۳):
ہم نے (انتخاب و عمل کی آزادی کی) امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو پیش کی (کہ اگر چاہیں تو اس کا بار اُٹھا لیں)، مگر انھوں نے یہ بارِ امانت اُٹھانے سے احتراز کیا (اور اس کے نتائج و عواقب سے) کانپ اُٹھے۔ اور اِنسان نے (اپنی مرضی سے) اُسے اُٹھا لیا۔ بیشک وہ (اس کے نتائج و عواقب کی سنگینی کے اعتبار سے) اپنے اُوپر ظلم کرنے والا۔ نادان ہے۔
یہ اس لیے ہوا تاکہ اللہ مُنافق مردوں اور مُنافق عورتوں اور مُشرک مردوں اور مُشرک عورتوں کو (اس امانتِ آزادی میں خیانت کرنے کی) سزا دے؛ اور (اس امانت یا آزادی کا حُسنِ استعمال کرنے والے) اہلِ ایمان مرد و زن پر مائل بہ کرم ہے، اور اللہ تو بڑا ہی درگزر و حفاظت کرنے والا۔ بار بار اور نہایت رحم و کرم کرنے والا ہے۔

مُنافق مرد و زن اللہ کے بارے میں سُوءِ ظن رکھتے ہیں اور اس کا خمیازہ بھگتتے ہیں۔

★ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (الفتح ۴۸: ۶): اور (اس لیے کہ) مُنافق (Hypocrites) مردوں اور مُنافق عورتوں، مُشرک (Polytheists) مردوں اور مُشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں بہت زیادہ گمان کرتے ہیں اور گمان بھی بُرے ہوتے ہیں۔ (اس کے نتیجے میں) وہ مصائب کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ اللہ کا عتاب انھیں پر پڑتا ہے اور وہ اُن کو دُھتکارتا، یعنی اپنی رحمت سے دُور رکھتا ہے، ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جو (سفرِ حیات کی) بڑی ہی غم انگیز و تکلیف دہ اور خوفناک منزل ہے۔

مُنافق اپنی مُنافقانہ روش و حرکات کے سبب ہمیشہ کے لیے اپنے نُورِ قلب سے محروم یا قلب کے اندھے ہو جاتے ہیں۔

★ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ ..... مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ○ (الحدید ۵۷: ۱۳):
(آخرت کے) روز مُنافق مرد اور مُنافق عورتیں اہلِ ایمان سے درخواست کریں گے کہ ہماری

Marfat.com

طرف نظرِ کرم کیجیے تاکہ آپ کے نُور سے ہم بھی نُور حاصل کریں۔ اس پر اُن سے کہا جائے گا :
لوٹ جاؤ اپنے پیچھے (دُنیا میں) اور وہاں نُور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا، جس کے اندر حسنہ، یعنی سرُور انگیز وحسین نعمتیں ہوں گی اور اس کے باہر کی جانب عذاب یعنی قبیح اور کرب انگیز اذیتیں ہوں گی۔

اِس آیۂ عبرت انگیز کا ایک مقصد اِنسان میں اس کے باطنی نُور کی غیر معمولی اہمیت کے شعور کا اِحیاء کرنا بھی ہے۔

★ اِیمان لانے کے بعد کُفر کرنا، اور اللہ، اس کی آیات اور رسولؐ سے اِستہزاء کرنا مُنافقوں کا شیوہ ہوتا ہے، اور یہ قابلِ تعزیر جُرم ہے (التوبۃ ۹ : ۶۴-۶۶ ببعد)۔

★ جہاد میں حِصّہ لینے کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرکے مُکر جانا، اللہ اور اس کے رسولؐ کے وعدوں کی تکذیب کرنا، جہاد سے ڈرنا اور گریز کرنا اور دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دینا مُنافقوں کا شعارِ زندگی ہوتا ہے (الاحزاب ۳۳ : ۱۲-۱۵ ببعد)۔

★ مُنافق جنگ یا خطرے کے وقت ذرا ذرا سی بات پر جھُوٹی افواہیں اُڑانے کے خُوگر، اور اِس جُرم کی پاداش میں ملعون، واجب القتل اور جہنّمی ہوتے ہیں (الاحزاب ۳۳ : ۶۰-۶۲)۔

(ا) منافقوں کا دستور ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اِیمان رکھنے کا زبانی دعوٰی تو کرتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ مؤمن نہیں ہوتے۔

(ب) اپنے نِفاق کو چُھپانے اور اپنے آپ کو بچانے کی خاطر جھوٹی قسمیں کھاتے رہتے ہیں۔ اس جُرم کی پاداش میں اُن کے قلوب کی حق پذیری اور حق سمجھنے کی اِستعداد سلب ہو جاتی ہے۔

(ج) دلفریب باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔

(د) اس قدر مغرور و مُتکبّر ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کرنے کو بھی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

(ہ) نِفاق کے سبب وہ گُمراہ ہی رہتے ہیں (المُنٰفِقُوْن ۶۳ : ۱-۶ ببعد)۔

★ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ..... عَنۡکَ صُدُوۡدًا ۝ (النِّسَآء ۴ : ۶۱) :
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے (یعنی قرآنِ مجید) اس کی طرف اور اس کے رسولؐ کی طرف آؤ تو تُم دیکھتے ہو کہ مُنافق ٹھٹکتے اور اِعراض کرتے ہیں۔
یہ آیۂ تنذیری ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم بھی اپنے نفس کا تجزیہ کرکے معلوم کریں کہ کہیں ہم بھی تو قُرآنِ مجید اور اُسوۂ حسنہ کی طرف آنے سے گُریز اور اِجتناب تو نہیں کرتے ؟

Marfat.com

اہلِ ایمان کو بھی اپنی طرح کافر بنانے کو عزیز رکھتے ہیں۔

★ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النّسآء ۴ : ۸۹) : (مُنافق) آرزو رکھتے ہیں کہ تُم بھی ان کی طرح کافر بن کر ایک جیسے ہو جاؤ۔

اِیمان لا کر کُفر کرنا اور کُفر کے بعد پھر اِیمان لا کر کافر ہو جانا، نیز مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بنانا اُن کا شعار رہوتا ہے۔

★ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ (النّسآء ۴ : ۱۳۷-۱۳۹) :
جن لوگوں نے اِیمان لا کر پھر کُفر کیا، پھر اِیمان لائے، پھر کُفر کیا، پھر کُفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ اُن کو معاف کرنے والا نہیں اور نہ اُن کی صراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی ہی کرے گا (بوجہ ان کی خواہشِ ضلالت کے)۔ مُنافقوں کو یہ مُژدہ سُنا دو کہ اُن کے لیے کربناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ اُن سے قُوّت یا عزّت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ قُوّت و عزّت تو ساری کی ساری اللہ کے اِختیار میں ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔

★ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ..... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (النّسآء ۴ : ۱۴۲-۱۴۳) : اصل یہ ہے کہ مُنافق (اپنے زعمِ باطل میں) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، حالانکہ خود اللہ نے ان کو (ان کی خود فریبی کے سبب) اِلتباسِ ذہنی میں مُبتلا کر رکھا ہے۔ (فُقدانِ محبّتِ الٰہی کے باعث) صلوٰۃ کے لیے اُٹھتے ہیں تو اُکتائے ہوئے اُٹھتے ہیں، محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر، اور وہ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ ایمان و کُفر کے درمیان ڈانوا ڈول، نہ اہلِ اِیمان کی طرف اور نہ کافروں کی طرف۔ (وہ گمراہ ہوتے ہیں) اور جسے اللہ (اپنے قانونِ احترامِ آرزو کے مطابق) گُم گشتہ کر دے تو تُم ان کے لیے (ہدایت کا) کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔

Marfat.com

اِس سے مُستنبط ہوا کہ عشقِ اِلٰہی ہو نہ آرزوئے ہدایت تو اِنسان مُنافق ہوتا ہے؛ اور مُنافق راہ گُم کردہ، فریب کار و فریب خوردہ اور ریاکار و بیوفا ہوتا ہے۔

★ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ..... فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

(المنٰفقون ۶۳ : ۱-۳) : اے پیغمبرؐ! جب مُنافق آپ کے پاس آتے ہیں تو (دل سے نہیں، محض زبان سے) کہتے ہیں کہ "ہم شہادت دیتے ہیں، یعنی اِقرار کرتے ہیں کہ آپ بلاشُبہ اللہ کے رسول ہیں"۔ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ مُنافق یقیناً (دل کے) جھوٹے ہیں۔

اُنھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ بیشک وہ جو کر رہے ہیں شرّ انگیز و قبیح ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ پہلے اِیمان لائے اور پھر کُفر کیا تو نتیجتًہ ان کے دل و دماغ کو مُہر بند کر دیا گیا، لہٰذا وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

ان آیات میں مُنافقوں کے چار خصائل کو نُمایاں کیا گیا ہے :

اوّلاً ، وہ صرف زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں، دل سے نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسالتِ آخر کو تسلیم بالیقین نہیں کرتے۔

ثانیًا ، قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ان کا شِعار ہوتا ہے۔

ثالثًا ، اِیمان لانے کے بعد کُفر کرتے ہیں، یا بعض آیات کو مانتے ہیں اور بعض کو قولاً یا فعلاً نہیں مانتے۔

رابعًا ، نِفاق کی سرطانی بیماری کے سبب اُن کا نظامِ قلب مُہر بند ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان کی عقل مفلوج و قبیح ہو جاتی ہے اور حق کی باتیں سمجھنے کے قابل نہیں رہتی۔

★ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المنٰفقون ۶۳ : ۵) :

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہؐ تمھارے لیے مغفرت کی دُعا کریں تو وہ سر کو جھٹک دیتے ہیں۔ اور تُم دیکھتے ہو کہ وہ کس تکبّر سے آنے سے اکڑ جاتے ہیں۔

مُنافق اس قدر مُتکبّر و مغرور اور سرکش و عاقبت نااندیش ہو جاتے ہیں کہ اُنھیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی بھی پروا نہیں رہتی۔ وہ چونکہ فاسق ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دینا ان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے، اس لیے وہ راہِ راست پر نہیں آسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ انھیں ہدایت کی آرزو ہی نہیں ہوتی (۶۳ : ۶ بعد)۔

Marfat.com

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قرآن

ان س (انس)

أَنِسَ بِهٖ اور اِلَیْهِ، اور أَنُسَ - اہلِ عرب کا محاورہ ہے: أُنْسٌ اور أُنْسَةٌ (جیسا کہ کہتے ہیں: بُعْدٌ اور بُعْدَةٌ) کے معنی ہیں: وہ اس کے ساتھ (یا اس کے ذریعے) اُنس کرنے لگا؛ اس سے مانوس ہوگیا؛ اس کا رفیق، یار باش، آشنا یا مائل بہ کرم ہوگیا۔ اس کا رویّہ مصالحانہ یا دوستانہ ہوگیا۔ وہ گھُل مل گیا۔

أَنِسَ بِهٖ (مصدر کی صورت میں؛ اس کا نقیض ہے وَحْشَةٌ): وہ اس سے مانوس، مُطمئن یا خوش ہوگیا (القاموس، لسان العرب، شرحِ حماسہ ص ۷۶۸؛ اساس، الصّحاح؛ المختار الصّحاح، زمخشری)۔

اِمام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلْاِنْسُ: یہ ضد ہے جِن کی؛ اور اُنْسٌ (بضمۃ الھمزۃ) کے معنی ہیں مانوس ہونا، اور محبّت کرنا نُفُوْرٌ کی ضد ہے، اور اِنْسِیٌّ - اِنْسٌ کی طرف منسوب ہے؛ اور اِنْسِیٌّ اُسے کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ مانوس ہو؛ نیز ہر وہ چیز جس سے اُنس کیا جائے اُسے بھی اِنْسِیٌّ کہا جاتا ہے۔

اِنْسٌ کی جمع اَنَاسِیُّ ہے (یہی قول فرّاء، مبرد اور زجاج کا ہے۔ سِیْبَوَیہ کے نزدیک یہ اِنسان کی جمع ہے)۔ قرآنِ مجید میں ہے: اَنَاسِیَّ كَثِيْرًا (الفرقان ۲۵: ۴۹): بہت سے اِنسان (المفردات)۔ ساتھ ہی قرآنِ حکیم نے اَكْثَرُ النَّاسِ کی تعبیر اختیار کر کے بتا دیا کہ اس سے مُراد بنی نوعِ اِنسان (Mankind) ہے (الفرقان ۲۵: ۵۰)۔

اٰنَسَ (اِفعال) کے معنی کسی چیز سے اُنس ہونا یا دیکھنا ہے: قرآنِ حکیم کا اِرشاد ہے:

★ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (النّسآء ۴: ۶): اگر اُن میں عقلِ سلیم دیکھو۔

★ اٰنَسْتُ نَارًا (النّمل ۲۷: ۷): میں نے آگ دیکھی ہے۔

★ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ (النُّور ۲۴: ۲۷): گھر والوں سے اجازت لیے اور اُنھیں سلام کیے بغیر (ان کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے اور اپنا تعارف کرانے اور اُن پر سلامتی کی دُعا کیے بغیر دوسروں کے گھروں میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

Marfat.com

اَلْاِنْسَانُ : اِنسان چونکہ فطرۃً ہی کچھ اِس قسم کا واقع ہوا ہے کہ اُس کی زندگی کا مزاج باہم اُنس اور میل جول کے بغیر نہیں بن سکتا، اس لیے اُسے اِنسان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ اِنسان طبعاً مُتمدّن واقع ہوا ہے، کیونکہ وہ آپس میں میل جول کے بغیر نہیں رہ سکتا اور نہ اکیلا ضروریاتِ زندگی کا اِنتظام ہی کر سکتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اُسے جس چیز سے محبّت ہوتی ہے اُسی سے مانوس ہو جاتا ہے، اِسی لیے اُسے اِنسان کہا جاتا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ اِنسان اصل میں اِنْسِیَانٌ (= مرد و زن) بر وزنِ اِفْعِلَانٌ ہے، اور یہ چونکہ اپنا عہد بُھول گیا تھا، اس لیے یہ نسیان سے مشتق ہے (المصباح، تاج العروس، المفردات)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۵) : اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، مگر وہ اُسے بھول گیا۔

★ قُرآنِ مجید میں اَلْاِنْسِ اور اَلْجِنِّ کو نقیضین کے طور پر اِستعمال کیا گیا ہے (الانعام ۶ : ۱۱۲؛ الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۶ وبمواضعِ کثیرہ)، اور اَلْاِنْسَانُ کو بنی نوعِ اِنسان (Mankind) کے معنی میں (ابراھیم ۱۴ : ۳۴؛ الاسراء ۱۷ : ۱۱، ۱۳، ۵۳؛ الاحزاب ۳۳ : ۷۲ وبمواضعِ کثیرہ)۔

★ اُنَاسٌ : بمعنی قبیلہ : قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (البقرۃ ۲ : ۶۰) : ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا (نیز الاعراف ۷ : ۸۲؛ النّمل ۲۷ : ۵۶)۔

★ مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ (الاحزاب ۳۳ : ۵۳) : کے معنی ہیں باتوں میں جی لگا کر بیٹھ رہنا۔

سرسیّد احمد خاں اور بعض اہلِ علم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اِنسان اور جنّ دراصل ایک ہی مخلوق ہیں، دو جُداگانہ مخلوقات نہیں ہیں، اور ان کی جُداگانہ خلقت یا پیدائش کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے متعلق علّامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے :

تاویل سے قُرآں کو بنا دیتے ہیں پازند

قُرآنِ مجید نے اپنے اِعجازی تفسیری اُسلوب میں اَلْاِنْسُ وَالْجِنُّ (الانعام ۶ : ۱۱۲، ۱۳۰؛ الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۶) اور الاِنْسَانَ اور الْجَآنَّ (الحجر ۱۵ : ۲۶-۲۷) کو ایک دُوسرے کے مقابل لاکر اور ان کی خلقت کو بالترتیب آبی / طینی اور ناری کہہ کر صاف بتا دیا کہ وہ دو جُداگانہ مخلوقات ہیں۔

★ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر ۱۵ : ۲۶) : اور ہم نے اِنسان کو سڑے ہوئے مٹی کے گارے سے پیدا کیا۔ اور

Marfat.com

★ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (الحجر ۱۵: ۲۷):
اور جنوں کو اس سے پہلے ہم حرارتِ سوزاں سے پیدا کر چکے تھے۔

★ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (الاعراف ۷: ۱۲):
(ابلیس نے جو جنوں میں سے تھا) کہا: میں انسان سے بہتر ہوں، اس لیے کہ تُو نے مجھے آگ سے تخلیق کیا ہے اور اُسے مٹی سے تخلیق کیا ہے۔

لیکن ربُّ العٰلمین کا یہ ارشاد بھی ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ

★ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ (الانبیاء ۲۱: ۳۰): اور ہم نے کُل جاندار چیزیں پانی سے بنائیں؛ یعنی ان کی تخلیقِ اِرتقائی کا آغاز معمورۂ آب سے ہوا ہے۔

ان آیاتِ فکر انگیز سے یہ اِستنباط کر سکتے ہیں کہ اِنسان کی تخلیق کا پہلا مرحلہ آبی تھا اور آخری مرحلہ طینی۔ اِس بِناء پر ہم نے اِنسان کی خِلقت کو آبی طینی سے تعبیر کیا ہے۔

بہرحال، ان آیاتِ بصیرت افروز سے صاف ظاہر ہے کہ اِنسان کی تخلیق ایک تو آبی۔طینی اور اِرتقائی ہے اور دوسرے وہ جِن کی ناری تخلیق سے جُداگانہ ہے، لہٰذا وہ دونوں جُداگانہ مخلوقات ہیں۔

ق و ل (قول)

اَلْقَوْلُ اور اَلْقِیْلُ کے معنی بات کے ہیں: قُرآنِ مجید میں ہے:

★ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○ (النّسآء ۴: ۱۲۲):
اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا اور کون ہو سکتا ہے؟

قول کا لفظ کئی معانی میں اِستعمال ہوتا ہے:

(۱) عام طور پر حروف کے اس مجموعے پر قول کا لفظ بولا جاتا ہے جو نُطق کے ذریعے زبان سے معرضِ اظہار میں آتے ہیں، خواہ وہ الفاظ مُفرد ہوں یا جُملے کی صورت میں مُفرد، جیسے زَیْدٌ خَرَجَ اور مرکب جیسے زَیْدٌ مُنْطَلِقٌ وَهَلْ خَرَجَ عَمْرٌو وَنَحْوَ ذٰلِكَ، کبھی انواعِ ثلاثہ، یعنی اِسم، فعل اور حرف میں ہر ایک کو قول کہا جاتا ہے، جس طرح کہ قصیدہ اور خُطبہ وغیرہما کو قول کہہ دیتے ہیں۔

(۲) جو بات ابھی ذہن میں ہو اور زبان تک نہ لائی گئی ہو، اسے بھی قول کہتے ہیں:

Marfat.com

★ وَيَقُولُونَ فِيٓ أَنفُسِهِمۡ لَوۡلَا يُعَذِّبُنَا ٱللَّهُ (المجادلۃ ۵۸: ۸) :
اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ (اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو ہماری ان باتوں پر) اللہ ہم پر کوئی آفت کیوں نہیں بھیج دیتا؟
دل میں خیال کرنے کو قول سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) خیال، رائے اور عقیدے پر بھی قول کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مثلاً فُلَانٌ يَقُوْلُ بِقَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ: فلاں ابوحنیفہؒ کی رائے کا قائل ہے۔

(۴) کسی چیز پر دلالت کرنے کو قول سے تعبیر کر لیتے ہیں: جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:
اِمْتَلَأَ الْحَوْضُ وَ قَالَ قَطْنِيْ :
حوض بھر گیا اور اس نے کہا: بس مجھے کافی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:
★ يَوۡمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ ٱمۡتَلَأۡتِ وَتَقُولُ هَلۡ مِن مَّزِيدٖ ۝ (قٓ ۵۰: ۳۰) :
اس روز ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟

(۵) کسی چیز کا صدق دل سے اعتبار کرنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا، جیسے فُلَانٌ يَقُوْلُ بِكَذَا: فلاں اس کا صدق دل سے خیال رکھتا ہے۔

(۶) اہل منطق قول کو تعریف (حدّ) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں: جیسے قَوْلُ الْجَوْهَرِ كَذَا و قَوْلُ الْعَرَضِ كَذَا، یعنی جوہر کی تعریف یہ ہے اور عرض کی تعریف یہ ہے۔

(۷) الہام کرنا، القاء کرنا یعنی کسی کے قلب میں کوئی بات ڈال دینا، جیسے فرمایا
★ قُلۡنَا يَٰذَا ٱلۡقَرۡنَيۡنِ إِمَّآ أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَن تَتَّخِذَ فِيهِمۡ حُسۡنٗا ۝ (الکہف ۱۸: ۸۶):
ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! تیرے اختیار میں ہے خواہ انھیں سزا و اذیت دو اور یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرو!

اس آیۂ جلیلہ میں قول بمعنی الہام اور القا کے ہے، کیونکہ تاریخ اور روایات سے ثابت ہے کہ ذوالقرنین کو انبیاء کی طرح مخاطب نہیں کیا گیا، بلکہ یہ بات ان کے دل میں القا کر دی گئی تھی۔
چنانچہ اس الہام کو قول سے تعبیر کیا گیا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ اس آیۂ فکر انگیز
★ قَالَتَآ أَتَيۡنَا طَآئِعِينَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱: ۱۱) : ان دونوں نے کہا: ہم فرماں برداروں کی طرح

Marfat.com

آتے ہیں) میں خطاب ظاہری نہیں تھا، بلکہ ان کا یہ امتثال اور اظہارِ طاعت تسخیری طریقے سے تھا۔ (امتثالِ تسخیری کا مطلب یہ ہے کہ مأمورِ مطیع (یا معمولِ مطیع) کی طرح اللہ تعالیٰ کے ارادۂ تکوین کے مطابق موجود ہو گئے) (الکشاف، ۳: ۶۶، مصر ۱۳۶۷ھ)۔ یہی مطلب درجِ ذیل آیتِ جلیلہ کا ہے:

★ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ (الانبیآء ۲۱: ۶۹):
ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ پر (موجبِ) سلامتی بن جا۔

★ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ (آلِ عمران ۳: ۱۶۷):
وہ اپنے مُونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔

اس آیت میں "افواھھم" کے لفظ سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں ان کے دل ان کی تائید نہیں کرتے، اور یہ محاورہ اس قبیل سے ہے جیسے کتابت کے ساتھ "ید" یا ہاتھ کا ذکر کر کے اُس کے جھوٹا ہونے پر اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:

★ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرۃ ۲: ۷۹): پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے یعنی رائے اور نظریے کے مطابق (شرعی احکام کے) نوشتے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔

★ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (یٰسٓ ۳۶: ۷):
ان میں سے اکثر پر (اللہ کا) فیصلہ ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

"اس میں "قول" سے اللہ کا علم اور حکم مراد ہے" (المفردات)۔ میرے نزدیک یہاں "قول" سے مُراد قُدرت کا قانونِ مکافاتِ عمل اور قانونِ احترامِ آرزو ہے۔

قَوْلٌ کے مجازی معنی بہت سے آتے ہیں: غالب آنا، مارنا، مرجانا، راحت پانا، متوجہ ہونا وغیرھم (تاج العروس)۔

تَقَوَّلَ عَلَيْهِ: اُس نے اس کے خلاف جھوٹ بات کہی یا بہتان باندھا (الحریری: مقامات، ص ۲۵۶)۔

★ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ (الحاقّۃ ۶۹: ۴۴): اگر یہ پیغمبرؐ ہماری نسبت کوئی جھوٹ بنا لاتے۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ ق و ل کے مادّے کا خاصّہ حرکت کرنا اور پھڑ پھڑانا ہے۔

Marfat.com

قَوّالٌ میں زبان اور ہونٹوں کی حرکت موجود ہوتی ہے (العلم الخفاق، بذیلِ مادّہ)۔
قَالَتِ الْعَيْنَانِ : اُردو میں کہتے ہیں آنکھ سے بات کرگئی، یا جو چشمِ یار کہے مان جائیے۔
قَالَ بِرَأْسِهِ : اُس نے سر کے ساتھ اشارہ کیا (تاج)۔ یا حرکت کی (حماسہ، ص ۲۴۲)۔
قَالَ بِيَدِهِ : اُس نے ہاتھ کے ساتھ پکڑا۔ قَالَ بِرِجْلِهِ : وہ چلا گیا یا اُس نے پاؤں یا لات سے مارا یا ٹھوکر لگائی (تاج)۔
قَالَ بِثَوْبِهِ : اُس نے اپنا کپڑا اُونچا کیا (تاج)۔ قَالَ بِالْمَآءِ عَلَى يَدِهِ : اُس نے اس کے ہاتھ یا بازو پر پانی لُنڈھایا۔ قَالَ فِيْهِ : وہ اُس کے خلاف بولا۔ اُسے گالیاں دیں (Vituperated)۔
قَالَ شِعْرًا : اُس نے شعر کہا یا موزوں کیا یا نظم کہی۔ قَالَ بِيَدِهِ : اُس نے کچھ کہنے کے لیے ہاتھ سے اِشارہ کیا، نیز اُس نے اُس چیز پر ہاتھ مارا (المُغرب)۔
قَوَّالٌ : فصیح البیان، گفتگو میں شائستہ (Loquacious; eloquent; perspicuous) :
اِبْنُ أَقْوَالٍ : بہت باتیں کرنے والا (تاج، بذیلِ مادّہ بنی)۔
منطق میں اَلْمَقُوْلَاتُ الْعَشْرُ : (The ten predicaments or categories) : (۱) الجَوْهَرُ (Substance) (۲) اَلْكَمُّ (Quantity) (۳) الكَيْفُ (Quality) (۴) الإِضَافَةُ (Relation) (۵) الأَيْنُ (Place or where) (۶) المَتٰى (Time or when) (۷) الوَضْعُ (Collocation or posture) (۸) المِلْكُ (Possession or having) (۹) الفِعْلُ (Action or doing) اور (۱۰) الإِنْفِعَالُ (Passion or suffering) (لین، جلد ۸، تکملہ)۔

خ دع (خدع)

خَدَعَهُ (مضارع، مصدر خَدْعٌ) : اُس نے اُسے چُھپالیا یا مخفی رکھا (تاج، بیضاوی ۲: ۸)؛ نیز اِخْدَعَهُ، مصدر اِخْدَاعٌ (مصباح، تاج) کے معنی ہیں : اُس نے اُسے دھوکا دینے، بات چُھپانے کو اُسے فریب یا جکمہ دینے پر اُکسایا، یا کسی کو جکمہ دینے کی خواہش کی ؛ یا کسی سے ایسی بات کا بہانہ کرنا، جو دل میں نہ ہو (قاموس)۔
اَلْخِدَاعُ کے معنی ہیں : جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف ظاہر کر کے کسی کو اس چیز سے پھیر دینا

Marfat.com

جس کے وہ درپے ہو (المفردات)۔ کسی کے ساتھ چھپ کر بُرائی کرنا (تاج)۔ ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چُھپانے اور پوشیدہ رکھنے کے ہیں (المُجمل)۔ اصل میں خَدُوْعٌ اس ناقہ کو کہتے ہیں جو کبھی تو خوب دودھ دے اور کبھی بالکل چڑھا جائے اور کچھ نہ دے (قاموس)۔ خَیْدَعٌ، سراب کو کہتے ہیں (کیونکہ وہ نظر کچھ آتا ہے اور اصل میں ہوتا کچھ اور ہے)۔ علاوہ ازیں، غولِ بیابانی اور اس راستے کو بھی خَیْدَعٌ کہتے ہیں جو بادی النظر میں منزلِ مقصود کو جا رہا ہو، لیکن اصل میں اس کے خلاف ہو (تاج)۔ چور، ڈاکو وغیرہ کو دھوکا دینے کے لیے گھر میں جو مخفی کمرہ بنایا جاتا ہے، اُسے بھی خَادِعَۃٌ کہتے ہیں۔

خَدَعَ الْکَرِیْمُ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی فیاض شخص خلافِ توقع بُخل کرنے لگے۔ خَدَعَ الْمَطَرُ اس وقت کہتے ہیں جب بارش خلافِ توقع بہت کم ہو۔ سُوْقٌ خَادِعَۃٌ اس منڈی کو کہتے ہیں جو ایک حالت پر قائم نہ رہے۔ جب حالات دگرگوں ہو جائیں تو خَدَعَتِ الْاُمُوْرُ کہتے ہیں (تاج)۔ دِیْنَارٌ خَادِعٌ اس دینار کو کہتے ہیں جو دیکھنے میں کھرا ہو، لیکن حقیقت میں کھوٹا ہو (المُجمل)۔ صاحبِ محیط کے نزدیک خَدَعَ کے بنیادی معنی اس کتمان، اِخفاء یا پوشیدگی کے ہیں جس کا قبل از وقت اندازہ نہ لگایا جاسکے۔

خَدِیْعَۃٌ: فریب، مغالطہ، دغا، جُل، مکاری Deceit, Delusion, Guile, Outwitting) (Or Circumvention؛ اور کسی کو اندھیرے میں رکھ کر اُسے دغا، جُل، دم یا دھوکا دینے اور اس کے ساتھ نوسر بازی کرنے کی خواہش (صحاح، قاموس، لین)۔

مَخْدُوْعٌ اور مُخَدَّعٌ مترادف ہیں: دھوکا، دغا اور جُل کھایا ہوا آدمی (تاج، لسان، صحاح)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝

(البقرۃ ۲: ۹): وہ اللہ اور اہلِ ایمان کو فریب دینا چاہتے ہیں، لیکن ان کو نہیں صرف اپنے آپ کو دم دیتے ہیں، لیکن اس کی آگہی نہیں رکھتے۔

اس آیۂ فکر انگیز میں اس کے سیاق کے حوالے سے یہ نفسیاتی نکتہ مُضمر ہے کہ مُنافق لوگ زبان سے تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ رکھنے کا دعوٰی کرتے ہیں، لیکن اس کے مطابق زندگی نہیں کرتے۔ اس طرح وہ اللہ اور اہلِ ایمان کو جُل دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے اس طرزِ عمل اور روشِ زندگی سے اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں، لیکن انھیں اپنی فریب خوردگی سے آگہی نہیں ہوتی۔ نفاق حقیقت میں

Marfat.com

فریب خوردگی اور اپنے آپ کو نادانستہ فریب دینے کا نام ہے۔ یہ حقیقت بزبانِ قرآنِ حکیم :

★ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النّسآء ۴: ۱۴۲) :
مُنافق اللہ کو دھوکا دینے کی خواہش رکھتے ہیں، حالانکہ اللہ کا قانونِ مُجازات خود ان کو دھوکے میں رکھتا ہے (تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا پائیں) ۔ (یعنی وہ اس طرح اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں اور اپنی اس نفسیاتی فعلیت وکیفیت کا شعور نہیں رکھتے) ۔

اگر مُسلمان اپنے نفس کا اِستقصاء و محاسبہ کریں تو ان میں سے اکثر پر اس نفسیاتی واقعیت کا مُنکشف ہوجانا یقینی ہے کہ اُن کا اِیمان باللہ اور اِیمان بالآخرۃ محض قولی ہے فعلی نہیں ، اور وہ مُنافق ہیں۔ قُرآنِ حکیم کا فیصلہ ہے کہ مُنافق جہنّم کے تحت الثّرایٰ میں ہوں گے اور بے یار و مددگار ہوں گے (النّسآء ۴: ۱۴۵) ۔

ن ف س (نفس)

نَفُسَ (مضارع ، نَفَاسَةٌ مصدر) ، اور نِفَاسٌ اور نَفَسٌ اور نُفُوْسٌ اور أَنْفَسَ (مصدر اِنْفَاسٌ) ، وہ شے گراں قدر، قابلِ ستائش ، بیش بہا یا قیمتی ہوگئی ، اِس لیے اس کی مانگ بڑھ گئی خصوصًا رشک کے سبب یا دیکھا دیکھی (قاموس، مُحکم، تاج) ۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلنَّفَسُ کے معنی سانس کے ہیں جو مُنہ اور نتھنوں کے ذریعے بدن کے اندر جاتا اور باہر نکلتا ہے، جس کے انقطاع سے نفس زائل ہوجاتا ہے؛ نیز نَفَسٌ کے معنی کشائش اور فراخی کے بھی آتے ہیں؛ اور اِسی سے ایک روایت میں ہے :

★ اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ رَبِّکُمْ مِّنْ قِبَلِ الْیَمَنِ : میں یمن کی جانب سے کشائش وفراخیِ زیست یا نصرتِ اِلٰہی پاتا ہوں (انصار کا یمنی ہونا آپؐ کے اِس احساس کی تصدیق کے لیے کافی ہے) ۔

آپؐ کی ایک دُعا ہے : اَللّٰهُمَّ نَفِّسْ عَنِّیْ : اے اللہ ! میری تکلیف دُور فرما !

اَلنِّفَاسُ کے معنی عورت کے بچّہ جننے یا حالتِ زچگی میں ہونے کے ہیں؛ اور اس عورت کو جو حالتِ نِفاس میں ہو، نُفَسَاءُ کہتے ہیں۔ اس کی جمع نُفَاسٌ آتی ہے؛ اور صَبِیٌّ مَّنْفُوْسٌ : نوزائیدہ بچّے کو کہتے ہیں۔ نِفَاسٌ اس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد عورتوں کو آتا ہے ۔

Marfat.com

تَنَفَّسَ النَّھَارُ : دن کا چڑھنا، دوپہر ہونا۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ○ (التکویر ۸۱ : ۱۸) : اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے۔ [تَنَفَّسَ کو عَسۡعَسَ (۸۱ : ۱۷) کے مقابل رکھ کر اس کی معنویت کی صراحت کر دی (کلیدِ لُغاتِ قرآن)]۔

نَفِسۡتُ بِکَذَا کے معنی ہیں : کسی چیز کو عزیز سمجھنے اور اس پر بُخل کرنے کے ہیں؛ اور اسی سے نَفِیۡسٌ، مَنۡفُوۡسٌ یا مُنۡفِسٌ کے معنی ہیں : بیش بہا اور عُمدہ چیز (المفردات)۔

نَافَسَ اور تَنَافَسَ کے معنی کسی اچھے کام میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہیں (تاج، لِسان العرب، دیکھیے المطففین ۸۳ : ۲۶)۔

لین نے اہلِ لُغت کے حوالے سے نَفۡسٌ کے مُتعدد معنی لکھے ہیں :

رُوح، قُوّتِ حیات، جس سے احساس، شعور اور امتیاز کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ عقل، قلب اور علم کو بھی کہتے ہیں۔ اِسے عظمت، بڑائی، ہمّت، نفاست، اِرادہ اور عُقوبت کے معنوں میں اِستعمال کیا جاتا ہے۔ نَفۡسٌ اپنی ذات، اہل و عیال اور دینی بھائیوں پر بھی دلالت کرتا ہے؛ نیز اس کے معنی وُسعت و کُشادگی اور نمود و اِظہار کے بھی ہیں (المفردات، محیط، تاج، لِسان العرب)۔

نفس اصلِ اِنسان ہے اور اِنسان ربِّ کریم کا تخلیقی۔ جمالیاتی شہکار ہے، جس کے لیے اُس نے یہ کائنات تخلیق کی اور اُسے بے حد جمیل و جلیل اور دلکش و نظر افروز بنایا۔ علاوہ بریں، اِنسان کے لیے اُس نے دارالآخرت بنایا جو الحَیَوان ہے، یعنی اس میں زندگی ہوگی موت نہیں۔ اس میں اُس نے اپنے اس جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار کے لیے جنّتِ قُرّۃُ العین بنائی، جو اس کی تفریح گاہ بھی ہے اور حُسنُ المآب بھی؛ یعنی ایسا گھر جو حُسن و سرُور میں آپ اپنا جواب ہوگا۔ اِنسان ہی کے لیے اُس نے اپنا حُسین کلامِ آخر نازل کیا جو اس کی احسن و اکمل کتاب البشریات ہے (الانبیآء ۲۱ : ۱۰)۔ نفسِ اِنسانی کی اِس غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی معنویت کو جامع طور سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے :

"بشر کے جسم کے اندر جو حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام ہے، اس کی بدولت وہ اِنسان بنا اور حیوانوں سے مُمیّز و ممتاز ہوا۔ یہ جمالیاتی نظامِ باطنی نہ تو خود بخود معرضِ وجود میں آ سکتا تھا اور نہ آیا۔ اسے ربِّ جمیل و جلیل نے اپنی تخلیقی فعلیّت کے بجائے "امر" سے قائم اور جاری و ساری کیا۔ یہی وجہ ہے کہ رُوح "خلق" نہیں، امرِ ربّی ہے..... قرآنِ مجید کی رُو سے اللہ تعالیٰ جب بشر کے اندر اپنی رُوح سے پھونکتا ہے تو (اس کی تاثیرِ نُورِ حُسن سے اس کے اندر اس کی ذات و صفات کا شائبہ رکھنے والی کوئی شے پیدا ہو جاتی ہے، جس کی بدولت) حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام معرضِ وجود میں آ جاتا ہے۔ ربِّ جمیل و جلیل اپنی رُوح سے جو "شے" بشر کے

Marfat.com

اندر پھونکتا ہے اُسے "رُوحِ الٰہی" کی رعایت سے رُوحِ اِنسانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ رُوحِ اِنسانی چونکہ رُوحِ الٰہی میں سے ہے، اس لیے اس کی اصل بھی رُوحِ الٰہی ہوئی، لیکن وہ اِس اعتبار سے اپنی اصل کی فرع نہیں کہ وہ نفخۂ رُوحِ اِلٰہی، (السجدۃ ۳۲: ۹) کے باعث اس سے جُدا اور الگ ہے اور اپنی جُداگانہ ہستی (Entity)، انفرادیت (Individuality) اور تشخّص (Personality) رکھتی ہے۔

رُوح اور نفس میں فرق

رُوحِ اِنسانی اصلاً حُسن اور الحُسن کی تخلیقِ امری ہے۔ وہ جوہر ہے اور قائم بالذات ہونے کے باوجود اپنے عرض کو مُستلزم ہے اور یہ عرض اس کی صورت ہے جو منفرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فردِ بشر کی رُوح مُصوّر و مُتشکّل ہے اور اپنی انفرادیت و تشخّص رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر رُوح کو ایسے پیکرِ بشری میں ڈالتا ہے جو اس کے پیکرِ ذاتی کے مماثل ہوتا ہے۔ رُوح اپنے پیکرِ بشری میں جان کی طرح جذب ہو جاتی ہے اور اس میں ایک حسین و زندہ اور حرکی و خود کار حسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام قائم و فعّال ہو جاتا ہے، جسے جمالیاتی نظامِ باطنی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ جمالیاتی نظام دراصل رُوح کے اندر پہلے ہی موجود ہوتا ہے۔ اس طرح رُوح اور وجود لازم ملزُوم ہو جاتے ہیں اور جسم و رُوح کے مرکّب کو "نفس" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
نفس ایک نامیاتی کُل (Organic whole) ہے۔ اس کے دو اجزاء ہیں جو مربوط و لاینفک بھی ہیں اور اپنی علیحدہ و مُنفرد حیثیّت بھی رکھتے ہیں۔ نیز ان کے خصائص و وظائف علیحدہ اور متضاد نوعیت کے ہیں، اور اس لحاظ سے انھیں نفسِ امّارہ اور نفسِ لوّامہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے" (دیکھیے ڈاکٹر نصیر احمد ناصر: فلسفۂ حُسن، طبعِ ثانی، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۲۱۷-۲۱۹ بعد)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

نَفۡسٌ: اِنسان، بشر یا آدمی کے معنی میں: دیکھیے البقرۃ ۲: ۴۸، ۱۲۳، ۲۳۳؛ آلِ عمران ۳: ۲۵ و بمواضعِ کثیرہ) ۔ اکیلی شخص جان: نَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ (النِّسَآء ۴: ۱) ۔

ذات کے معنے میں:

★ كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ... اَلَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (الانعام ۶: ۱۲)

Marfat.com

اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ وہ تم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا جس کے آنے میں قطعاً تردّد و شک کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ اپنی ذات کو نقصان میں رکھتے ہیں، وہی اسے تسلیم بالیقین نہیں کرتے۔

★ اَلنَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ (الفجر ۸۹ : ۲۷ بعد) : اس سے مراد ایسا انسان ہے، جس کا قلب آتشِ خوف و حُزن کے کربناک و اضطراب انگیز اثرات سے مُنزّہ اور مُطمئن و مسرور ہو۔ اسے اہلِ حُسن و سُرور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

★ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ (المائدۃ ۵ : ۴۵) : جان (Life) کے بدلے جان۔

★ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ (الانبیآء ۲۱ : ۳۵) : ہر نفس نے لذّتِ موت سے آشنا ہونا ہے۔ اس سے مراد نفسِ وجودی ہے (نیز دیکھیے العنکبوت ۲۹ : ۵۷)۔

★ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِيَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ○

(السجدۃ ۳۲ : ۱۷) : نوعِ اِنسانی میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کون سی حسین و سُرور انگیز شے اُن کے لیے چُھپا کر رکھی گئی ہے، جو اُن کے اعمال کا اجر ہے۔

یہاں نَفۡسٌ سے مراد نوعِ بشر یا کُل افرادِ نسلِ اِنسانی ہے۔

نَفۡسٌ سے مراد صاحبِ پیکرِ الحَیَوانی بھی ہے۔ موت نا آشنا یہ پیکرِ حیات اِنسان کو قیامت کے روز اس کی نَشۡاَۃِ ثانیہ کے بعد ملے گا۔

★ يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (ھُود ۱۱ : ۱۰۵) : اُس (حساب و جزا کے) دن کوئی "صاحبِ پیکرِ الحَیَوانی" اللہ کے حُکم کے بغیر بول نہیں سکے گا۔

★ قلب یا دل و دماغ کے معنی میں : تَعۡلَمُ مَا فِيۡ نَفۡسِيۡ وَلَآ اَعۡلَمُ مَا فِيۡ نَفۡسِكَ ○

(المائدۃ ۵ : ۱۱۶) : جو کچھ میرے قلب میں ہے تُو جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا (عیسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض)۔

نَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ : یکتا جرثومۂ آبی، جس میں دو علیحدہ و مشخص حِصّوں میں منقسم ہو جانے کی فطری اِستعداد ودیعت کی گئی تھی۔ عُلمائے حیاتیات کے نزدیک ایسے حیاتیاتی۔ آبی جرثومے آج بھی پائے جاتے ہیں (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب سرگذشتِ فلسفہ، ۱ : ۱۸ ام بعد)۔

★ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا (الزُمر ۳۹ : ۶) : اُس (اللہ) نے تمھیں یکتا جرثومۂ آبی سے پیدا کیا، پھر اس میں سے اُس کا زوج (Spouse) یا جوڑا (Mate) بنایا۔

Marfat.com

اس ترجمہ کی اساس یہ آیۂ فکر انگیز ہے : وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیآء ۲۱: ۳۰):
ہم نے کُل جاندار چیزیں پانی سے پیدا کیں (دیکھیے محولۂ بالا کتاب)۔
نَفْسٌ : اِنسان کے مشخص و باشعور، ذی عقل و فکر، زندہ و حسّاس اور صاحبِ اِرادہ و اِختیار لطیفۂ غیبی کو کہتے ہیں۔ لطیفۂ غیبی کو ذات سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

★ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس ۹۱: ۷-۸ بعد):
اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کو متناسب و موزوں بنایا۔ پھر اس میں اس کی خواہشِ حدود شکنی اور ہدایت نیز اِحترامِ حدود اللہ کی آرزو ودیعت کر دی۔

م ر ض (مرض)

مَرِضَ (مضارع اور مَرَضٌ اور مَرْضٌ) : وہ (اِنسان یا ہر قسم کا جانور) بیمار ہوگیا، اس کی طبیعت ناساز ہوگئی، اس کا مزاج بگڑ گیا (صحاح، مصباح، قاموس)۔
اَلْمَرَضُ کے معنی ہیں، اِنسان کے مزاجِ خصوصی کا اِعتدال اور توازن کی حد سے نکل جانا یا ہٹ جانا (المفردات)۔
مَرِضَتِ الْعَيْنُ : آنکھ دُکھنے لگی یا کمزور ہوگئی۔ آنکھ پُر آشوب ہوگئی۔
مَرِضَتِ اللَّيْلَةُ : رات اندھیری ہوگئی (فصیح، العُباب)۔
شَمْسٌ مَرِيْضَةٌ : اس وقت کہتے ہیں جب گرد و غبار، دھویں یا کسی اور عارضے سے سُورج کی روشنی مدھم پڑ جائے (المفردات)۔
اَلتَّمْرِيْضُ : تیمار داری کرنا۔ اصل میں تَمْرِيْضُ کے معنی ہیں مرض کو زائل کرنا؛ یہ تَقْذِيَةٌ کی طرح ہے جس کے معنی آنکھ سے خاشاک یا تنکا وغیرہ دُور کرنے کے ہیں (المفردات)۔
اَرْضٌ مَرِيْضَةٌ : ایسی زمین کو کہتے ہیں، جس میں قُوّتِ نشو و نما کم ہو جائے۔
مَرَضٌ کے معانی تاریکی، شک اور نفاق کے بھی آتے ہیں (تاج)۔
مَرَضٌ کا مترادف سَقَمٌ اور نقیض صِحَّةٌ اور شِفَاءٌ ہے (ابنِ دُرید، صحاح اور قرآنِ مجید)۔

Marfat.com

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ مَرَضٌ کا نقیض شِفَاءٌ ہے: وَ اِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ○ (الشعراء ۲۶: ۸۰):
اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شِفا دیتا ہے۔
مرض جسمانی بھی ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورۂ بالا آیت اور درجِ ذیل آیات سے ثابت ہے:

★ وَلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ (النور ۲۴: ۶۱):
اور نہ مریض یا بیمار کے لیے کوئی مضائقہ یا تنگی ہے۔

★ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی (التوبۃ ۹: ۹۱): اور نہ بیماروں کے لیے (حرج) ہے۔
مرض نفسیاتی یا قلبی بھی ہوتا ہے:

★ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (البقرۃ ۲: ۱۰): ان کے دل و دماغ میں بیماری ہے۔
راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ مَرَضٌ کا لفظ اخلاق کے بگڑنے پر بولا جاتا ہے اور اس سے جہل، بُزدلی، بُخل، نفاق جیسے اخلاقِ رذیلہ مُراد ہوتے ہیں۔

★ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا (النُّور ۲۴: ۵۰): کیا ان کے دل و دماغ میں (نفاق کی) بیماری ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟
قُرآنِ مجید نے اِنسان کو اِس اصلِ عظیم سے آگاہ کیا ہے کہ نفسیاتی امراض بھی ہوتے اور ان کی شِفا وہ ہے!

★ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (یُونس ۱۰: ۵۷): اور وہ قلب و نفس کی بیماریوں کی شِفا ہے۔
نفسیاتی امراض کے لیے دیکھیے اِس تلمیذ القرآن کی کتاب "جمالیات، قرآنِ حکیم کی روشنی میں"، فیروزسنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۲۶-۱۵۴ بعد۔

ز ی د (زید)

زَادَ (مضارع یَزِیْدُ اور مصدر زِیَادَۃٌ اور زَیْدٌ، جس کے مترادفات ہیں زِیْدٌ اور زَیْدٌ اور مَزِیْدٌ: فلاں چیز (مثلاً پانی، جائیداد وغیرہ) زیادہ ہوگئی، اِس میں توسیع یا اضافہ ہوگیا یا وہ نشو و نما

Marfat.com

پائی (صحاح، اساس، المُغرب، مصباح، قاموس، تاج)۔
زَادَ کَذَا کے معنی لین (LANE) نے یہ لکھے ہیں : It, or he, increased, or augmented, or grew, in such a thing.

اَلزِّیَادَۃُ: اُس اِضافے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے پُورا ہونے کے بعد بڑھایا جاتا ہے۔
اہلِ عرب کہتے ہیں : زِدْتُہٗ : میں نے اُسے بڑھایا، افزوں کیا : فَازْدَادَ۔ چنانچہ وہ بڑھ گیا، افزوں ہوگیا (المفردات)۔
زَیْدٌ : بڑھنا، نشوونما پانا، پھلنا پھولنا اور افزوں ہونا یا زیادہ ہونا، نیز یہ مُتعدّی بھی آتا ہے:
زَادَ اللّٰہُ خَیْرًا ؛ نیز زَیَّدَہٗ کے معنی زیادہ دینا اور زیادہ کرنا ہیں (تاج)۔
اِزْدَادَ، اِزْدِیَادًا : زیادہ ہونا یا زیادہ کرنا (لازم و مُتعدّی)۔ (محیط، تاج)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

قرآنِ مجید نے غَیْضٌ کو اِزْدِیَادٌ کے نقیض کے طور پر استعمال کیا ہے۔

★ اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ (الرّعد ۱۳: ۸):
اللہ ہر مادہ کے حمل کی نوعیّت کو اور جو رحموں میں کم یا زیادہ ہوتا ہے جانتا ہے۔
غَیْضٌ کے معنی کم ہونے، یا جذب ہونے کے ہیں۔

★ وَنَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ (یُوسُف ۱۲: ۶۵) اور ایک بارِ شتر غلّہ اور زیادہ بھی لے آئیں گے۔
راغبؒ لکھتے ہیں کہ اس میں نَزْدَادُ فعل متعدّی نہیں ہے کہ کَیْلَ بَعِیْرٍ کو اس کا مفعول کہا جائے بلکہ یہ اِزْدَدْتُ فَضْلًا کی طرح ہے، جس کے معنی فضل میں زیادہ ہونے کے ہیں اور یہ باب سَفِہَ نَفْسَہٗ کے قبیل سے ہے (المفردات)۔

افزونی یا زیادتی کبھی مذموم ہوتی ہے، یعنی کسی چیز کا ضرورت سے زیادہ ہونا، اسی لیے قرآنِ مجید نے ضرورت سے زائد مال و دولت (العفو) کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا (البقرۃ ۲: ۲۱۹) اور جمع کرکے رکھنے سے منع فرمایا ہے (التوبۃ ۹: ۳۵ ؛ الھمزۃ ۱۰۴: ۱-۹) ؛ اور کبھی افزونی یا زیادتی اچھی ہوتی ہے :

★ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ؕ (یُونس ۱۰: ۲۶) : جو لوگ احسان و حسنہ کرتے ہیں (اس صلے میں) ان کے لیے حسنہ یا رحمت و خیر ہے اور اس سے بڑھ کر بھی (نعمتِ عُظمٰی ہے)۔

Marfat.com

زِيَادَةٌ سے مُراد قُربِ ورِضوانِ الٰہی ہے۔
وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرۃ ۲ : ۲۴۷) : اور اس (اللہ) نے اُسے علم اور جسم کی صلاحیتیں زیادہ مرحمت فرمائی ہیں۔
مرض کی زیادتی ہمیشہ بُری ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا :
فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ ۲ : ۱۰) : ان کے قلوب (دل و دماغ) میں بیماری ہے، جسے اللہ کے قانونِ مجازات نے اور زیادہ بڑھا دیا۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ بیماری جسمانی ہو یا قلبی اگر اس کا علاج نہ کیا جائے اور بد پرہیزی کی جائے تو وہ بڑھتی جاتی ہے۔ ایسی نفسیاتی یا قلبی بیماریوں کا درماں اللہ تعالیٰ کے حُسنِ کلامِ آخر کے احکام کو تسلیم بالعمل کرنا ہے (یُونس ۱۰ : ۵۷)۔

ک ذ ب (کذب)

كَذَبَ، مضارع اور مصدر كَذِبٌ (یہ مصدر کی عجیب و غریب صُورت ہے۔ الفرّاز کے مطابق اس کی صرف چودہ مثالیں ملتی ہیں جیسے لَعِبٌ اور ضَحِكٌ وغیرہ)، كِذْبٌ اور كِذْبَةٌ یا كَذْبَةٌ اور كِذْبَةٌ اور كِذَابٌ اور كِذَّابٌ ؛ نیز كَذِبٌ : اُس نے جُھوٹ بولا ؛ باطل کہا ؛ وہ کہا جو سچ نہ تھا ؛ اُس نے اس کا غلط حساب دیا، یا اس چیز کی نسبت غلط بیانی کی، خواہ شعوری یا لاشعوری طور پر (صحاح، قاموس، لسان)۔

اَلْكَذِبُ : جُھوٹ۔ قول اور فعل دونوں سے متعلق اس کا اِستعمال ہوتا ہے (المفردات)۔
اس کی پانچ اقسام ہیں :
اوّلاً، راوی نے جو سُنا اس میں تحریف کرنا ؛ بغیر جانے بُوجھے دوسروں سے سُنی سُنائی بات کی روایت کرنا۔ یہ فعل راوی کو مُجرم اور گناہگار بنا دیتا ہے۔
ثانیاً، ایسا قول جو جُھوٹ کے مثل ہو، لیکن اس کا مفہوم سچ کے سوا کچھ اور نہ ہو۔
ثالثاً، ایسی روایت یا بات جو سہواً یا غیر ارادی طور پر سچی نہ ہو ؛ غلطی یا خطا کرنا۔
رابعاً، کسی کی اُمیدوں کا باطل یا بے سُود ہونا متحقق ہو۔
خامساً، کسی کو اشتعال دینے یا اُکسانے کا فعل (مصباح)۔

Marfat.com

اَلْکِذْبُ کی ضد الصِّدْقُ ہے (المفردات)؛ اور اس کے معنی ہیں جانتے بوجھتے خلافِ حقیقت روایت کرنا یا خبر دینا لیکن جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں عمدًا ہو یا سہوًا دونوں صورتوں میں کَذِبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے (تاج)۔ اَکْذَبَ الرَّجُلُ: اس وقت کہتے ہیں جب کسی شخص کو پکارا جائے اور وہ خوابیدہ شخص کی طرح چُپ سادھ لے۔ کَذَّابَۃٌ، اس کپڑے کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں میں رنگا یا چھاپا جائے (اقرب الموارد، محیط)۔ کَذَبَ فِیْ سَیْرِہٖ کے معنی ہیں کہ اُونٹ سست رفتار ہوگیا؛ یعنی جس رفتار سے وہ چل سکتا تھا، اس پر نہ چلا اور سُست پڑگیا (تاج)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

زُبان و دل میں ہم آہنگی و موافقت نہ ہو، بلکہ ناآہنگی و تضاد ہو تو بات جھوٹی ہوگی، جسے کِذْبٌ کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص زبان سے تو سچّی بات کہے لیکن دل سے اُسے سچّی نہ مانے تو وہ جھوٹا یا کاذِب ہوگا۔ اِسی بناء پر قرآنِ حکیم مُنافق کو "کاذِبٌ" کہتا ہے:

★ اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۝ (المنٰفقون ۶۳: ۱):

(میرے پیغمبرؐ!) جب مُنافق (Hypocrites) آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسول ہیں، لیکن اللہ شاہد ہے کہ مُنافق قطعاً جھُوٹے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نفاق جھُوٹ اور مُنافق جھُوٹا ہوتا ہے۔

★ دَمٍ کَذِبٍ: جھُوٹ مُوٹ خون کو کہتے ہیں۔ کَاذِبٌ: جھُوٹا (ھُود ۱۱: ۹۳، الزُّمر ۳۹: ۳)۔ کَذَّابٌ (صٓ ۳۸: ۴): بہت بڑا جھُوٹا۔ کَذَّبَ: تکذیب کرنا یا جھُٹلانا۔

★ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ (الماعون ۱۰۷: ۱ بعد): کیا تُم نے اس شخص (کے عقیدہ و کردار) میں غور کیا جو دِین (اسلام) کو جُھٹلاتا ہے۔

قُرآنِ مجید کا ارشاد ہے کہ

★ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ (الماعون ۱۰۷: ۲-۳ بعد): یہ وہی (معاشرتی سرطان) تو ہے جو یتیم یا بے سہارا، بے یار و مددگار لوگوں کو

Marfat.com

(حقارت سے اپنی مجلس یا معاشرے سے) دھتکار کر باہر نکالتا ہے؛ اور اہلِ احتیاج کی کفالت کے لیے (حکومت و معاشرے کو) ترغیب نہیں دیتا۔

کیا مُسلم معاشرے میں فرعونوں، ہامانوں، قارونوں (یعنی جاگیرداروں، وڈیروں، سرداروں، دولت مندوں اور صنعت کاروں وغیرہ وغیرہ) کا یہ شعارِ زندگی نہیں؟ بلکہ متوسط الحال لوگوں کا بھی یہی شیوہ ہے اور اِسے قرآنِ مجید تکذیبِ دین کہتا ہے۔

★ کُذِّبَ : جھٹلایا جانا : وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ (فاطر ۳۵ : ۴) : (اے پیغمبرؐ!) اگر یہ لوگ آپ کو جُھٹلاتے ہیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) آپؐ سے پہلے بھی رسولؑ جُھٹلائے جاچکے ہیں۔

★ مَکۡذُوۡب : جو بات بعد میں جُھوٹی ثابت ہو۔ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَکۡذُوۡبٍ ○ (هُود ۱۱ : ۶۵) : یہ ایسی میعاد ہے جو جُھوٹی ثابت نہ ہوگی۔

★ اَلۡمُکَذِّبُوۡنَ (الواقعہ ۵۶ : ۵۱) ؛ اور اَلۡمُکَذِّبِیۡنَ (آلِ عمران ۳ : ۱۳۷ و بمواضعِ کثیرۃ) ؛ اس کے معانی ہیں : آیاتُ اللہ کی تکذیب کرنے والے، خواہ قولاً یا فعلاً۔ ایسے لوگوں کا انجام ہمیشہ ہلاکت و بربادی ہوا ہے۔ کیا یہ عبرت کا مقام نہیں کہ آج کے اکثر مُسلمانوں کا شیوہ بھی تکذیبِ آیات اور تکذیبِ دین ہے؟

ا ل م (الم)

★ أَلِمَ (مضارع اور أَلَمٌ مصدر ہے) : اسے درد ہُوا، مثلاً سر، پیٹ، جسم وغیرہ میں درد ہُوا (تاج، مصباح، صحاح)۔ اَلۡاَلَمُ کے معنی سخت درد کے ہیں؛ اور یہ باب اَلِمَ یَاۡلَمُ (س) اَلَمًا فَھُوَ اٰلِمٌ سے ہے (المفردات)۔ اَلَمٌ اور اَیۡلَمَۃٌ : درد کو کہتے ہیں۔ اَلِیۡمٌ کے معنی ہیں : درد دینے، پہنچانے والا یا دردناک، کربناک۔ اَلِیۡمُ الۡعَذَابِ : اس تکلیف کو کہتے ہیں جو اپنی درد انگیزی میں اِنتہا کو پہنچی ہوئی ہو (تاج و صحاح)۔ بعض نے زندگی کی ناخوشگواریوں کو اَلَمٌ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے مقابل لَذَّۃٌ ہے (محیط)۔

أَلِمَ بَطۡنَہٗ : اس کو پیٹ درد ہوگیا۔ أَلِمۡتَ بَطۡنَكَ یا رَأۡسَكَ : تیرے پیٹ یا سر میں درد تھا یا ہوگیا (تاج، صحاح)۔

أَلِیۡمٌ اور مُؤۡلِمٌ مترادف المعانی ہیں، جیسے سَمِیۡعٌ اور مُسۡمِعٌ ہیں۔

Marfat.com

آلَمْتُ فُلَانًا : میں نے فلاں کو سخت تکلیف پہنچائی (وہی کتاب) ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ (النِّسَآء ۴ : ۱۰۴) :
جس طرح تم شدید تکلیف اُٹھا رہے ہو اسی طرح وہ شدید تکلیف اُٹھاتے ہیں ۔

★ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرۃ ۲ : ۱۰) : اور اُن کے لیے کرب انگیز دُکھ ہے ۔
اس میں اَلِيْمٌ بمعنی مُؤْلِمٌ ہے ۔
قُرآنِ مجید میں یہ لفظ انہیں معانی میں مُتعدد بار آیا ہے ۔

Marfat.com

۱۱- وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

۱۲- أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

۱۳- وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

۱۴- وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا
مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿۱۴﴾

۱۵- اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

۱۶- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾

۱۱ - ترجمہ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، یعنی خرابی و بے نظمی پیدا نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو احوال وظروف کی اصلاح کرنے والے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

جب بھی مُنافقوں سے کہا جاتا ہے کہ حیاتِ اجتماعیہ کے توازن کو نہ بگاڑو کہ اس کے نتائج منفی نوعیت کے ہوتے ہیں، اور وہ حسین وطیّب نہیں رہتی، بلکہ رہینِ خوف وحُزن ہو جاتی ہے تو وہ حسبِ عادت یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو احوال و ظروف کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ اُن کی اِس دروغ گوئی سے اپنے بندوں کو مُتنبّہ کرنے کی خاطر ربِّ علیم وحکیم فرماتا ہے:

Marfat.com

۱۲- ترجمہ

یاد رکھو اور ہوشیار ہوجاؤ! یہی لوگ تو فسادی ہیں، لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔

تفسیری ترجمہ

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ایسے مُنافقوں کی جو معاشرتی سرطان ہوتے ہیں، جھوٹی مگر چکنی چُپڑی باتوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتا ہے، اور ساتھ ہی ہم میں اس حقیقت کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ مُنافق، مذہبی و سیاسی پیشواء ہوں یا اربابِ حکومت، معاشرتی سرطان ہوتے ہیں۔ ان کی عقل چونکہ سلیم نہیں، سقیم اور بے نُور ہوتی ہے، اس لیے وہ نہ تو اپنی نفسیاتی حقیقت کو اور نہ معاشرتی احوال و ظروف ہی کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۳- ترجمہ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ان کی طرح ایمان لائیں جو بے عقل ہیں۔ ہوشیار رہو! یہی لوگ اصل میں بے عقل ہیں، لیکن جانتے نہیں۔

تفسیری ترجمہ

مُنافق معاشرتی سرطانوں کو چونکہ اپنے مال و دولت اور اقتدار و قُوّت پر گھمنڈ ہوتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو عقلمند، صاحبِ رائے، بڑا اور دوسروں کو کمتر و بے عقل سمجھتے ہیں، اس لیے وہ مُسلمانوں کی طرح ایمان لانے کو حماقت پر محمول کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اِسلام میں سب مُسلمان بھائی بھائی ہیں؛ کسی کو حقیر و ذلیل نہیں سمجھتے، بلکہ سب کی عزّت و تکریم کرتے اور ان کے بنیادی حقوق کا پاس و احترام کرتے ہیں۔ اِس بناء پر ربُّ العلمین مؤمنوں کو اربابِ عقلِ سلیم اور مُنافقوں کو بے عقل کہتا ہے۔ مُنافقوں کی عقل چونکہ اپنے فطری حُسن و نُور سے محروم ہوتی ہے، لہٰذا وہ حُسن و قُبح، حسنہ و سیّئہ اور سُود و زیاں میں تمیز نہیں کر سکتی۔

۱۴- ترجمہ

اور جب اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو (انھیں دھوکے میں رکھنے کی خاطر) کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں۔ لیکن جب اپنے شریروں سے خلوت یا علیحدگی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمھارے ساتھ ہیں، (رہا مُسلمانوں سے معاملہ تو) ہم اُن سے ٹھٹھول کرتے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

اِس آیۂ فکر انگیز میں مُنافقت کے خاصّے اور مُنافقوں کے کردار کو اِنتہائی بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مؤمنوں سے ملنا تو اپنے آپ کو مُسلمان ظاہر کرنا اور کافروں سے ملنا تو اپنے آپ کو اُن کا ہمنوا و ہم مذہب ظاہر کرنا، نیز اپنے آپ کو مُسلمانوں کا مذاق اُڑانے والے کہنا مُنافقوں کا شِعارِ زندگی ہوتا ہے۔

Marfat.com

۱۵ — ترجمہ

اللہ اُن سے اِستہزاء کرتا ہے اور انھیں ڈھیل دیے جاتا ہے اور وہ بسلِ سرکشی میں بھٹکتے جارہے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

قُدرت کا قانونِ احترامِ آرزو و تقوٰی یہ ہے کہ جو معاشرتی اِنسان اللہ تعالٰی کے اہلِ ایمان و آرزو اور اربابِ عقلِ سلیم بندوں کی تضحیک کرتے ہیں، وہ دراصل اپنی تضحیک کرتے ہیں، اور اِس شیطانی رویّے سے وہ اور زیادہ سرکش ہوتے جاتے ہیں۔ اِس بناء پر ربُّ العزّت نے فرمایا ہے کہ وہ اہلِ ایمان سے مذاق کرنے والوں سے خود اِستہزاء کرتا اور انھیں ان کی سرکشی کے طوفان میں سرگرداں رہنے دیتا ہے۔ یہ بھی اُس کا قانونِ اِمہال[۳] ہے۔

۱۶ — ترجمہ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کی، لہٰذا نہ تو اُن کی تجارت سُود مند ہُوئی اور نہ وہ ہدایت یا راہِ راست پانے ہی والے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

قرآنِ مجید کا فیصلہ یہ ہوا کہ مُنافق (اپنی سفاہت و بےعقلی کے سبب) ہدایت کے بدلے ضلالت خریدتے ہیں جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے؛ لہٰذا اپنے آپ کو دانا و کامیاب تاجر سمجھنے والے، جو دراصل بے وقوف و عاقبت نااندیش ہوتے ہیں، خسارے کی تجارت کرنے والے ہوتے ہیں، اِس سے اُن کا راہِ راست پانا مُحال ہوتا ہے۔ الغرض، مُنافق زیاں کار و گمراہ ہوتے ہیں۔

تفسیر

۱۱- قُرآنِ حکیم نے تاریخی عمل کے حوالے سے ہمیں موقع بہ موقع اِس اصلِ عظیم سے آگاہ کیا ہے کہ مفسدین اصل میں بشری سرطان — فرعون و ہامان اور قارون و آزر ہیں، جن کا شِعار اللہ تعالٰی کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کا اِستحصال کرنا، ان کے اِنسانی حقوق غصب کرنا، ان کو فرقوں اور طبقوں میں تقسیم کرنا، حیاتِ اجتماعیہ کا توازن بگاڑنا، اَمن و امان کے مسائل پیدا کرنا، تخریب کاری و خرابی پیدا کرنا، لوگوں کو شِرک کی راہوں پر لگانا اور اُن کو توحید کی راہ پر چلنے سے باز رکھنے کی کوششیں کرنا ہیں؛ اور اس کے باوجود وہ انھیں شعوری یا لاشعوری طور پر باور کرانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے کہ ملک میں فساد کرنا ان کا کام نہیں، بلکہ وہ تو حالات کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ ان اشرار کی ایک فکر انگیز مثال ان آیاتِ عبرت آموز میں ملتی ہے:

Marfat.com

★ وَ اِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ...... وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○

(الاعراف ۷ : ۸۵-۸۶) :

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے قومی بھائی (حضرت) شُعیبؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا: میرے برادرانِ قوم! صرف اللہ کی طاعت و بندگی کرو۔ (اس لیے کہ) اُس کے سوا تمھارا کوئی اِلٰہ، یعنی معبود و محبوب اور مقصود و حاکم ہے ہی نہیں۔ تمھارے پاس (میرے ذریعے) تمھارے پروردگار و آقا کی طرف سے بُرہانِ قاطع آچکی ہے۔ لہٰذا (اُس کے بیان کے مطابق) اپنے پیمانے اور اوزان پُورے کرو! اور لوگوں کو اُن کی اشیائے (خرید و فروخت) کم نہ دو۔ ملک میں امن و امان قائم ہو جانے اور حالات سُدھر جانے کے بعد اس میں توازنِ حیات کو درہم برہم نہ کرو۔ یہ شعارِ زندگی تمھارے لیے سُودمند ہے اگر تُم واقعی اہلِ ایمان ہو۔

اور (دیکھو! زندگی کے) ہر راستے پر رہزنی کرنے اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے مال ہتھیانے (آج کل کی اصطلاح میں غنڈہ یا جگا ٹیکس یا تاوان وغیرہ لینے) کے لیے بیٹھا نہ کرو کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں، اُن کو اللہ کا (حسین، فطری اور سیدھا) راستہ اختیار کرنے سے نہ روکو اور نہ اس راہ میں ٹیڑھ میڑھ پیدا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ وہ (دور بھی) یاد کرو جب تُم تعداد میں کم تھے، پھر اللہ نے تمھیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔ اور دیکھو کہ حیاتِ اجتماعیہ میں برہمی پیدا کرنے، ملک میں خرابی و بدنظمی پیدا کرنے اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا رہا ہے؟

ان آیاتِ جلیلہ میں فساد کے زُمرے میں آنے والے جن افعالِ سُوء کی نشاندہی کی گئی ہے، وہ یہ ہیں:

★ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کی معبودیت و حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کر کے اس کی طاعت و بندگی کرنا کہ یہ شرک ہے اور شرک اِنتہائی ظُلم و جہل اور ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے۔

★ احکامِ اِلٰہیہ پر عمل نہ کرنا۔

★ اِقتصادی بددیانتی کرنا؛ مثلاً کم تولنا، کم ناپنا، اشیاء میں کھوٹ ملانا اور کم دینا۔

★ ملک کے نظم و نسق میں خلل اندازی کرنا اور امن و سلامتی کو خراب کرنا۔

★ زندگی کے ہر گوشے میں لوگوں کے مال و دولت، عزّت و آبرو اور حقوق کو زبردستی ہتھیا لینا۔

★ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے غنڈہ ٹیکس وصول کرنے کی خاطر راستوں پر تاک لگائے بیٹھنا (جیسا کہ

Marfat.com

آج کل پاکستان میں ہو رہا ہے) ۔

★ اہلِ ایمان کو توحید و حسنہ کی حسین وفطری راہِ راست پر چلنے سے روکنا، اور

★ اس میں ٹیڑھ میڑھ پیدا کرنا تاکہ وہ موحِّد و صالح اور مجاہد نہ بن جائیں ۔

یاددہانی کے طور پر اس اصلِ عظیم کا اِعادہ کیا جاتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان تفسیری ہے، جو اس کی منفرد (UNIQUE) اور امتیازی خوبی ہے جسے اس کا "اِعجاز" کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کی ایک مثال درج ذیل آیۂ فکر انگیز ہے، جس میں مفسدین کے مقابل محسنین کو لاکر اُس نے اپنی ان دونوں اہم ترین اصطلاحات کی معنویت آشکارا کر دی ہے :

★ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الاعراف ۷: ۵۶) :

(دُنیا یا ملک میں) امن وسلامتی قائم ہو جانے کے بعد اس میں بدنظمی و برہمی اور انتشار و خرابی پیدا نہ کرو؛ اور اللہ ہی کو خشیت (دل) اور اُمید کے ساتھ (امداد کے لیے) پکارا کرو۔ یقین جانو کہ اللہ کی رحمت (= حسنہ و خیر) اِحسان وحسنہ اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کے قریب یعنی شاملِ حال ہوتی ہے۔

مُنافق مفسد کی ایک آفاقی نوعیت کی فکر انگیز مثال :

★ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (البقرۃ ۲: ۲۰۴ - ۲۰۵ بعد) :

اور اِنسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے، دُنیوی زندگی سے متعلق جس کی باتیں تمھیں حیران کُن خوشی دیتی ہیں، اور اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو بار بار گواہ ٹھیرا تا ہے، حالانکہ وہ بڑے درجے کا دُشمنِ (اِنسانیت) ہوتا ہے۔ چنانچہ (جب اُسے اِقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو) وہ دُنیا میں اس لیے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ اس میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسلِ اِنسانی کو غارت کرے، اور اللہ فساد (یعنی قتل وغارت، جنگ وجدال، اِنتشار وخلفشار، بےنظمی وخرابی اور فتنہ وظلم) کو پسند نہیں کرتا۔

عصرِ حاضر کے حکمرانوں کی دُنیا میں مُفسدانہ سرگرمیاں ان آیاتِ جلیلہ کا زندہ ثبوت ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اقتدار و قُوّت کا نشّہ اِنسان کو مُتکبّر و مغرور، ظالم وغافل اور عاقبت نا اندیش بنا دیتا ہے؛ لیکن کبھی

Marfat.com

یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں ایسا جمالیاتی۔نفسیاتی لمحہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے، جو اس کی کایا پلٹ کر کے اُسے مُفسد سے مُحسن بنا سکتا ہے۔یہی ان آیاتِ عبرت آموز کا مقصودِ حقیقی ہے۔

اِس جگہ دو ازبس اہم نِکات کی صراحت کر دی جاتی ہے۔اوّلاً، قرآنِ مجید کی رُو سے اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے کُل یا بعض احکام کو قولاً یا فعلاً نہ ماننا "کُفر" ہے چاہے ایسا کرنے والے غیر مُسلم ہوں یا مُسلم۔ثانیاً، کُفر کی راہ اختیار کرنا اور دوسروں کو اللہ کی راہِ مُستقیم اِختیار کرنے سے روکنا "فساد" ہے۔

★ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ زِدۡنٰہُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یُفۡسِدُوۡنَ ○ (النحل ۱۶ : ۸۸)

جن لوگوں نے خود بھی (اللہ کی حسین و فطری راہِ راست اختیار کرنے سے) انکار کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہِ مُستقیم اِختیار کرنے سے روکا تو ہم اِس "فساد" کی پاداش میں انھیں عذاب پر عذاب دیں گے (ایک کُفر کرنے کا عذاب اور دوسرا لوگوں کو راہِ مُستقیم سے روکنے کا عذاب)۔

یہ آیۂ تنذیری بلاشبہ مُطلق حیثیت رکھتی ہے، لیکن اِس میں تفکّر بالحق کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عصرِ حاضر کی اِستعماری قُوّتوں اور خاص طور سے مُسلم معاشرتی سرطانوں (فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو نہ تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو عمل کرنے ہی دیتے ہیں، قوانین اور ذرائعِ اِبلاغ کے ذریعے۔دلیل کے طور پر کیا یہ درست نہیں کہ

★ پاکستان سمیت کسی مُسلم ملک میں قُرآن و سُنّت کے مطابق صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اِدارے قائم نہیں ؟

★ کیا یہ امرِ واقعی نہیں کہ یہ معاشرتی سرطان نہ تو خود قُرآن و سُنّت کے مطابق زکوٰۃ اور العفو دیتے ہیں اور نہ دوسروں ہی سے لیتے ہیں جو اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے ؟

★ کیا یہ صحیح نہیں کہ کسی بھی مُسلم مُلک کے نظامِ تعلیم میں قُرآنِ مجید کا نصابِ تعلیم و تربیت رائج نہیں ؟ اس لیے کہ نہ تو حکمران قُرآنِ مجید کا نظامِ تعلیم و تربیت قائم کرتے ہیں نہ رعایا کو کرنے ہی دیتے ہیں۔

★ کیا اس واقعیت سے اِنکار کیا جا سکتا ہے کہ بشمولِ پاکستان جُملہ مُسلم ممالک میں سُود اور سُودی سرمایہ کاری کے نظام قائم ہیں ؟ مثلاً جاگیرداری، زمینداری، کرایہ داری، سُودی بینکاری، تمسّکات کاری، حصص کاری وغیرہ وغیرہ کے نظام۔

★ کیا یہ عام مشاہدے کا واقعہ نہیں کہ معاشرتی سرطان خود بھی اکابر و سادات پرست ہیں اور اوروں کو بھی

Marfat.com

اکابر پرستی کی ترغیب دیتے اور خالص توحید کی راہ اِختیار کرنے سے روکتے ہیں؟

★ الغرض، معاشرتی سرطانوں کے مذکورۂ بالا افعال "فساد" کے زُمرے میں آتے ہیں، جو اِنتہائی سنگین نوعیت کے کبائر ہیں۔ نیز وہ چونکہ ایک تو خود توحید وحق کی راہِ مُستقیم اِختیار نہیں کرتے، اور دُوسرے یہ ظالم اوروں پر بھی راہِ مُستقیم مسدود کرتے ہیں، اس لیے دوچند سزا کے سزاوار ہیں۔

قُرآنی تلمیحات میں فساد عبارت ہے فرعونیت، ہامانیت، قارونیت اور آزریت سے۔ قارونی فساد کی ایک بلیغ و بصیرت افروز مثال، جسے یہ تلمیذ القرآن اِعجازاتِ قُرآن میں سے گردانتا ہے:

★ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ... ۞ ... الْمُجْرِمُوْنَ ۞

(القصص ۲۸: ۷۶-۷۸):

اصل یہ ہے کہ قارون (KORAH، فرعون کی قومِ قبطی سے نہیں تھا، بلکہ حضرت) مُوسیٰؑ کی قوم (بنی اِسرائیل) کا فرد تھا۔ وہ (ضمیر فروش و قوم فروش تھا اور فرعون کا کاسہ لیس اور آلۂ کار بن کر اپنی قوم پر جور و جفا اور ان کا اِستحصال کرتا تھا۔ اور ہم نے اُسے اتنے زیادہ خزانے عطا کیے تھے کہ اُن کی کُنجیاں ایک مضبوط و طاقتور جماعت کے لیے اُٹھانا مُشکل تھا۔ (اُس کے استکبار و تفاخُر کو دیکھ دیکھ کر) جب اُس کی قوم کے لوگوں نے اُس سے کہا: اتنا نہ اِترا کہ اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اللہ نے تجھے جو (مال و منال) عطا کیا ہے، اس کے ذریعے (یعنی اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے) آخرت کے گھر (= حُسنُ المآب) کی طلب و جستجو کر۔ لیکن دُنیا (کی نعمتوں) سے اپنے حصّے کو نظر انداز نہ کرنا؛ اور (لوگوں کے ساتھ) اس طرح حُسنِ سلوک کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ اِحسان کیا ہے (یعنی اللہ نے تجھے دولت دی ہے تو تُو بھی اس کے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو دے کہ فالتو دولت ان کا حصّہ ہے)؛ اور ملک میں فساد نہ کر (یعنی لوگوں پر نہ جور و جفا اور نہ ان کا اِستحصال کر اور نہ ان کے حقوق ہی غصب کر)۔ سُن لو! اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا؛ تو (یہ سُن کر) اُس نے جواب دیا: "یہ مال و منال تو مجھے علم و دانش کی بدولت ملا ہے جو میرے پاس ہے (لہٰذا یہ دولت میری مِلکیّت ہے اور میں اس میں تصرُّف کرنے کا مجاز ہوں)۔

کیا اُسے اس بات کا علم نہ تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے اُس جیسے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا جو اُس سے کہیں زیادہ قُوّت و جمعیت رکھتے تھے۔ مُجرموں سے اُن کے

Marfat.com

گناہوں کی وضاحت طلب نہیں کی جاتی۔

ربِّ رحمٰن جب اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو یہ حکم دیتا ہے کہ دُنیا میں فساد نہ کرو (البقرۃ ۲ : ۱۱ بعد) تو اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم نہ تو قارون بنیں اور نہ اس کی طرح فساد ہی کریں جس کی طرف مذکورۂ بالا آیات میں فکر انگیز و عبرت آموز اشارے کیے گئے ہیں۔ان میں دیگر اہم نِکات کے علاوہ ایک ازبس اہم معاشی اُصول بھی بیان ہُوا ہے، جو یہ ہے :

★ اِنسان مال و دولت کا مالک نہیں، امینِ مُستفید ہے، لِہٰذا وہ اس میں اپنی مرضی سے تصرُّف کرنے کا مجاز نہیں۔

★ وہ حُسنِ ضرورت سے زائد مال و دولت، یعنی العفو کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتا، کیونکہ العفو اہلِ احتیاج کا حق ہوتا ہے۔

★ العفو کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اس کا لازم حُکم ہے، جس کی تعمیل کرنا فرض ہے۔

★ انفاق بالعفو کے حکمِ الٰہی کی تعمیل نہ کرنا، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

یہ کتنی تلخ اور عبرتناک واقعیت ہے کہ مُسلم اقوام بہت عرصے سے اس معاشی اصل الاُصول سے کم آشنا ہیں اور اس کو اپنانے سے گریزاں و ترساں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ قارونی ذہنیت رکھتی ہیں اور اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ذلیل وخوار اور کمزور و پس ماندہ ہیں اور ہلاک و برباد ہو رہی ہیں لیکن اس کا مجرّب علاج بھی ہے اور وہ ہے قُرآنِ مجید کے چشمۂ حَیوان کا آبِ حیات آفریں۔

قُرآنِ حکیم کی رُو سے فرعونیت کا خاصّہ بھی فساد کرنا ہے؛ اور اس کا مطلب ہے : ملک یا دُنیا میں ریشہ دوانیاں کرنا؛ اور اس کے باشندوں کو فرقوں اور طبقوں میں تقسیم کر دینا (تاکہ وہ متحد نہ ہو سکیں) ؛ محکوم فرقے کو ضعف اور ذلّت و مسکنت میں مُبتلا رکھنا؛ اس کے بیٹوں کو ہلاک کرنا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دینا۔یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہر زمان و مکان کے مُفسد ہوتے ہیں اور یہی ان کا شِعار ہوتا ہے :

★ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَیَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ○ (القصص ۲۸ : ۴) :

واقعہ یہ ہے کہ فرعون (PHARAOH) دُنیا یا ملک میں ریشہ دوانیاں کرتا تھا اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو فرقوں اور طبقوں میں بانٹ رکھا تھا۔ان میں سے ایک فرقے کو اس نے اس قدر ضعف و ذِلّت میں مُبتلا کر دیا تھا کہ اس کے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتا اور اس کی

Marfat.com

عورتوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

ہمیں یہ تاریخی واقعیت یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بھی اپنے اپنے زمان و مکان کے فرعون تھے جنھوں نے اُمّتِ مُسلمہ کو بیسیوں فرقوں میں تقسیم کیا اور یہ فرعون ہی ہیں جو انھیں مُتحد نہیں ہونے دیتے؛ کیونکہ انھیں یقین ہے کہ اگر فرقے مٹ گئے تو نہ وہ رہیں گے، نہ ہارون وقارون اور نہ آزر۔

اِس سے یہ حقیقت مُنکشف ہوئی کہ فرقہ سازی بھی فساد ہے اور فرقہ داری بھی؛ نیز اپنے آپ کو کسی فرقے سے وابستہ کرنا بھی فساد ہے۔ علاوہ بریں، یہ شِرک ہے (الرُّوم ۳۰: ۳۱-۳۲)، اور اِس سے اِنسان دائرۂ اِسلام سے خارج ہو جاتا ہے (الانعام ۶: ۱۵۹)۔

دُنیا کے مُسلمانوں پر جو وقت پڑا ہے اس کا تقاضا بھی ہے اور ہلاکت و بربادی سے بچنے کا طریقہ بھی کہ وہ قومیت اور فرقہ واریت کے بُتوں کو پاش پاش کر کے مُتحد ہو جائیں اور صرف مُسلمان بن جائیں، اور اپنے آپ کو صرف مُسلمان کہیں اور کہلائیں۔

یہ دُرست ہے کہ فرعون و آزر ایسا کرنے نہیں دیں گے تو یہ بھی دُرست ہے کہ ان کا اِستیصال کرنا ناگزیر بھی ہے اور احسن بھی۔

قُرآنِ حکیم نے ہمیں اِس حقیقتِ نفس الامری سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ مُفسد نہ تو مؤمن ہوتے ہیں نہ صالح:

★ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ (صٓ ۳۸: ۲۸):
کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور حسینِ عمل کرتے ہیں دُنیا میں فساد کرنے والوں ایسا کر دیں؟
(یعنی دونوں گروہوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

اِس آیۂ اِعجازی میں مؤمن و صالح کو مُفسد کے مقابل میں لا کر ایک تو فساد کی معنویت کی صراحت کر دی؛ دوسرے ہمیں مُتنبّہ کر دیا کہ مُفسد نہ تو مؤمن ہوتے ہیں اور نہ صالح، نیز مُفسد جہنّم میں جائیں گے اور مؤمن و صالح جنّت میں۔

۱۲- اس آیۂ تنذیری میں ربِّ علیم و حکیم نے ہمیں فساد کے خاصّہ اور مُفسدوں کی نفسیاتی کیفیت سے آگاہ کر دیا ہے کہ وہ فساد تو کرتے ہیں، مگر سمجھتے ہیں کہ وہ حُسنِ عمل اور حیاتِ اِجتماعیہ کی اصلاح کرتے ہیں۔ اِس میں یہ نکتہ مُضمر ہے کہ فساد بھی شِرک کی ایک قسم ہے؛ لہٰذا اس کا خاصّہ بھی اِلتباسِ ذہنی ہے۔ چنانچہ جس طرح مُشرک اپنے شِرک کو عبادت و حسنہ سمجھتا ہے، اس طرح مُفسد بھی فساد کو صالح و حسنہ خیال کرتا ہے۔ فساد اصل میں نفسیاتی۔سرطانی مرض ہے، جو عقل کو مفلوج اور نفس کو ہلاک و

Marfat.com

برباد کر دیتا ہے۔

۱۳ — ایمان دراصل اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے عشق سے عبارت ہے، جو پیکرِ حُسن وعشق ہے اور ہمارا ناظور و مقصودِ حیات بھی ہے اور ربِّ عاشق بھی۔ جہاں تک عشق کا تعلق ہے وہ ہر رنگ رقیبِ سر وسامان ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عشق کی نظر میں مال و دولت اور سر و سامانِ دُنیا جچتا ہی نہیں؛ اس لیے کہ وہ گرویدۂ پیکرِ حُسن وعشق ہوتی ہے۔ علاوہ بریں، اہلِ عشق و وفا کو حقُّ الیقین ہوتا ہے کہ عشق بہائے جنّتِ "دوست" ہے، جو اُس کی جائے لِقاء ہے؛ جہاں اس کی ہم نظری و ہمکلامی اور قُرب و رضوان کی رحیقِ مختوم ملے گی اور سدا ملتی رہے گی۔ چنانچہ وہ حیاتِ دُنیا کے بدلے اپنے ناظور — عاشق کی جائے لِقاء خرید لیتے ہیں۔ قُرآنِ حکیم کی رُو سے یہ اس قدر عظیم فلاح و فوز اور نفعِ مدام کا سودا ہے کہ کوئی مُتنفّس اس کا تصوّر تک نہیں کر سکتا۔ لیکن لذّتِ عشق سے ناآشنا، عاقبت نااندیش اور دُنیا کے گرویدہ بشر نما حیوانوں کو یہ سُرمۂ مُفت نظر سودا گھاٹے اور بیوقوفی کا سودا دکھائی دیتا ہے، لہٰذا جب انھیں اہلِ عشق و وفا یہ سودا کرنے کو کہتے ہیں تو قلب کے اندھوں کو یہ بات احمقانہ (RIDICULOUS) لگتی ہے۔ چنانچہ وہ نہ صرف حقارت سے یہ پیشکش ٹھکرا دیتے ہیں، بلکہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم بھی کوئی ان "زیاں کاروں" کی طرح احمق اور پاگل ہیں کہ تمھاری بات مان کر یہ گھاٹے کا سودا کریں۔

اس پر ربِّ علیم و رحیم اپنے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کی آگاہی کے لیے فرماتا ہے کہ "اہلِ عشق و وفا" بے وقوف نہیں، بے وقوف و جاہل تو یہ خود ہیں، جو اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کی جنّتِ قُرّۃُ العین کو چھوڑ کر اپنے لیے جہنّم خریدتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ ابدی اور ناقابلِ تلافی خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔

اِس ارشادِ "دوست" کے مُضمرات میں ہے کہ ہم بھی اپنے نفس اور کردار کا تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ کہیں ہم بھی تو جہالت و سفاہت میں مبتلا ہو کر خسارۂ سرمدی کا سودا تو نہیں کر رہے؟ اگر ایسا کر رہے ہوں تو اپنا تزکیہ کریں اور اپنے دل کی شمع کو عشق کی تب و تابِ جاودانی سے فروزاں کریں، اور اہلِ عشق و وفا کی طرح اپنے مال و منال اور جسم و جاں کے بدلے اپنے ناظورِ حیاتؑ کی جلوہ گاہِ حُسن وعشق — جنّتِ قُرّۃُ العین کو خرید کریں۔

۱۴ — یہ اور اس سے مُتّصِل آیات فلسفۂ مُنافقت کا ایک خیال انگیز و بصیرت افروز مطالعہ پیش کرتی ہیں۔ ان میں ہر زمان و مکان کے مُنافقوں کے نفسیاتی احوال و ظروف اور مکر و فریب کو بلیغ انداز میں

Marfat.com

بیان کیا گیا ہے۔ ریاکاری و مکاری، دروغ گوئی و کتمان حق، فریب کاری و کنارہ پسندی، طالع آزمائی و مفاد پرستی اور ضمیر فروشی چونکہ مُنافقوں کا شِعار ہوتا ہے، اِس لیے اِس تلمیذ القرآن نے اُن کے لیے "اربابِ سالوس" کی تعبیر اختیار کی ہے۔ وہ کافروں میں کافر اور مؤمنوں میں مؤمن ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ "آدھے تیتر اور آدھے بٹیر" ہوتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں خرقۂ سالوس میں ہوتے ہیں۔ ان کے دل و زبان میں ہم آہنگی و موافقت نہیں ہوتی۔ وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں۔ ان کی زبان جو کہتی ہے، ان کے دل اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

چنانچہ مؤمنوں یا اہلِ عشق و وفا سے ملتے ہیں تو زبان سے تو ایمان لے آتے ہیں اور اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتے ہیں، لیکن اُن کے دل لذّتِ ایمان و عشق سے نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ بہرحال، جب وہ اپنے معاشرتی سرطانوں سے ان کے خلوتکدوں میں ملتے ہیں تو انھیں یقین دلاتے ہیں کہ وہ اُن کے ہمنوا اور رفیق ہیں۔ مؤمنوں سے تو محض ان کا تمسخر اُڑانے کے لیے ملتے اور انھیں دھوکے میں رکھنے کے لیے جھوٹ مُوٹ کلمۂ توحید پڑھتے ہیں۔

۱۵- اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جو دلوں کے احوال و اسرار اور نفاق کی نفسیات کو جانتا ہے، ہمیں اِس اصلِ عظیم سے آگاہ کرتا ہے کہ حُسن کو رمُنافقوں کا اہلِ عشق و وفا سے اِستہزاء کرنا اور اُن سے فریب کرنا دراصل اُن کی خود تضحیکی و خود فریبی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے ردِّ عمل میں وہ نشۂ تغافُل میں سرکشی کرتے اور بہکتے چلے جاتے ہیں۔

نفاق سرطانی بیماری ہے جو بیمار کو اپنا پتا ہی چلنے نہیں دیتی اور چپکے چپکے بڑھتی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں مُنافق سرکشی و سرگردانی اور گم گشتگی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ہر نفسیاتی بیماری کی طرح چونکہ یہ بیماریِ نفاق بھی قُدرت کے قانونِ آرزو و مُجازات کے باعث پیدا ہوتی ہے، اس لیے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کا الٰہِ جمیل و ربِّ رحمٰن و عاشق ہے اور اس نے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کر رکھا ہے نیز اس کی رحمت ہر شے کو محیط ہے (الانعام ۶ : ۵۴؛ الاعراف ۷ : ۱۵۶؛ غافر ۴۰ : ۷)، لہٰذا اُس کا ان سے اِستہزاء کرنا اور ان کو سرکشی و سرگشتگی میں بڑھانا، اُس کی شانِ سُبحانیت سے بعید ہے۔

اصل یہ ہے کہ اِنسان کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے (الشُّوریٰ ۴۲ : ۳۰)، ورنہ اللہ تعالیٰ تو ربِّ عاشق ہے، وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی ہی کرتا ہے، اور یہ اُس کی سُنّتِ حسنہ ہے۔

Marfat.com

۱۶ - نِفاق کی بیماری کے سبب اِنسان کا حسّی، قلبی، نفسی نظام مُعطّل و ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مُنافق میں سُود و زیاں، حسنہ و سیّئہ، کامیابی و ناکامی اور ہدایت و ضلالت میں تمیز کرنے کی صلاحیّت مفقود ہو جاتی ہے اور وہ ہدایت کے بدلے ضلالت یا جنّت کے عوض جہنّم کا سودا کر کے ہمیشہ کے لیے گھاٹے میں چلا جاتا ہے۔ جب وہ خود گمراہی مول لیتا ہے تو ہدایت کیسے پا سکتا ہے؟ ظاہر ہے اِنسان اپنی منزلِ مقصود اور اس کی راہِ راست سے مُنہ موڑ کر ٹیڑھی ترچھی راہوں پر چلنے لگے تو اُس کا گُمراہ و سرگرداں اور ناکام و محرومِ منزل ہو جانا یقینی ہے۔ اِسی منطقی اُصولِ ہدایت کا اِطلاق زیرِ نظر آیۂ عبرت آموز میں مُنافقوں پر کیا گیا ہے۔

از رُوئے لُغات

ف س د (فسد)

اَلْفَسَادُ فَسَدَ (ن) الشَّیْءُ فَھُوَ فَاسِدٌ کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں کسی چیز کا حدِّ اعتدال سے تجاوز کر جانا، چاہے تجاوز کم ہو یا زیادہ۔ فَسَادٌ اصل میں صَلَاحٌ کی ضد ہے؛ اور نفس، بدن اور ہر اُس چیز سے متعلق اِستعمال ہوتا ہے جو حالتِ اِستقامت سے نکل چکی ہو؛ اور اَفْسَدَہٗ کے معنی کسی چیز کا توازن بگاڑنے کے ہیں (المفردات)۔

لَحْمٌ فَاسِدٌ اس گوشت کو کہتے ہیں جو گل سڑ کر بدبودار ہو گیا ہو اور کام کا نہ رہا ہو۔

فَسَدَ: (ا) کوئی چیز ناقص، خراب، مضرت رساں، ناموزوں، عیب دار، مضمحل، زوال پذیر، تلف، بے اثر، ضائع، پراگندہ، درہم برہم ہو گئی یا اس کا توازن بگڑ گیا۔

(ب) کسی شخص کا شریر، بدقماش، بدکردار، بدمعاش، غُنڈہ، بددیانت، بے اِیمان ہونا اور نیکی، خیر یا حسنہ سے محروم ہو جانا۔

(ج) کسی چیز کا بے نظمی، بے اعتدالی، خرابی، برہمی، بربادی، اِضمحلال و انحطاط، اِتلاف کی حالت میں ہو جانا (الزمخشری: اساس اور المقدمۃ الأدب؛ تاج العروس، الصحاح، الکنز اللغۃ، المصباح، الصّغانی: العُباب)۔

فَسَادٌ: (ا) خرابی، شر، فتنہ، ناموزونی، شرارت، ناراستی، بے اثری، غنڈہ گردی، شیطنت،

Marfat.com

بے ایمانی، تاثیر اور نیکی سے معرّا ہونے کی حالت۔

(ب) گل سڑ جانے، فاسد ہو جانے، غلیظ، زخمی، بے توازن، مضمحل ہو جانے کی حالت۔

(ج) بے نظمی، برہمی، پراگندگی، اِتلاف، اِنتشار، آشفتگی کی حالت (الصّحاح، الزمخشری: المقدمۃ الأدب؛ الکنز اللّغۃ)۔

اَفْسَدَہٗ: کسی چیز کا توازن بگاڑنا (المفردات)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

قرآن مجید نے مُفسِد کو مُصلِح کی ضد کے طور پر استعمال کر کے اُس کی معنویت کی صراحت کر دی ہے:

★ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (البقرۃ ۲: ۱۱-۱۲):

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ مُلک، زمین یا دُنیا میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو محض (احوال و ظروف کی) اِصلاح کرنے والے ہیں۔ ہوشیار رہو یہی تو فساد کرنے والے ہیں۔

فساد سے یہاں مراد ہر نوع کا فساد ہے، مثلاً معاشرتی، ثقافتی، قبائلی، خاندانی، سیاسی، اِقتصادی یا معاشی، مذہبی، دینی فساد، اور فساد کے معنی اُوپر دے دیے گئے ہیں۔

سُورۂ قصص میں فساد کو اَحْسَنَ کے نقیض کے طور پر استعمال کیا گیا ہے:

★ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ (القصص ۲۸: ۷۷):

اور لوگوں سے (اپنے مال و دولت وغیرہ کے ساتھ) اِس طرح احسان یا حُسنِ سلوک کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے، اور زمین میں فساد کرنے کی طلب و سعی نہ کر۔

یہاں فساد کے معنی ہیں، بُخل کرنا، یعنی مال و دولت کو جمع کر کے رکھنا اور خرچ نہ کرنا، اس طرح لوگوں کو اُن کے اِنسانی حق، یعنی ربِّ رحمٰن کی نعمتوں سے محروم رکھنا ہے۔ بالفاظِ دیگر، ربِّ کریم کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کی کفالت اور اُن کی زندگی کو طیّب بنانے کے لیے زکوٰۃ اور العفو نہ دینا اور اس کے نتیجے میں حیاتِ اِجتماعیہ کے توازن کو بگاڑنا اور لوگوں کو حیاتِ خبیثہ بسر کرنے پر مجبور کرنا ہے۔

بیجا اِسراف کرنے والے (= مُسْرِفِین) بھی مُفسِدین یا حیاتِ اِجتماعیہ میں خرابی و انتشار پیدا کرنے والے ہوتے ہیں (الشّعراء ۲۶: ۱۵۱-۱۵۲)۔ فساد کے معنی ہیں:

Marfat.com

★ نظامِ کائنات کا توازن بگڑ جانا اور درہم برہم ہو جانا (الانبیآء ۲۱ : ۲۲ ؛ المؤمنون ۲۳ : ۷۱)۔
★ مملکت کا نظام بگاڑ دینا ؛ ہلاکت و بربادی کرنا، حیاتِ اجتماعیہ کا توازن بگاڑ دینا اور شیرازہ منتشر کر دینا (النّمل ۲۷ : ۳۴)۔
★ کھیتوں کو اور نسل کو تباہ و برباد یا ہلاک کرنا (البقرۃ ۲ : ۲۰۵)۔
★ سمندر اور خشکی میں رہزنی، ڈکیتی، قتل و غارت، جنگ و جدال، تخریب کاری کرنا ؛ نیز اقتصادی بد دیانتی، ظلم و ستم، ناانصافی، عہد شکنی کرنا، اور امن و سلامتی کو برباد اور خوف و خطرہ کی فضا قائم کرنا (الرّوم ۳۰ : ۴۱)۔
★ کلامُ اللہ کی تکذیب کرنا ؛ یعنی قرآنِ مجید کے احکام و تعلیمات اور عقائد و حقائق کو جھٹلانا یا ان کی نفی کرنا (یُونُس ۱۰ : ۳۸-۴۰)۔
★ سحر یا جادو کرنا (یُونُس ۱۰ : ۸۱)۔
★ حکمرانوں کا فرعونی کرنا، یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق حکومت نہ کرنا ؛ سرکشی کرنا، اس کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو محکوم و غلام بنانا، اُن کو اُن کے اِنسانی حقوق سے محروم رکھنا، اُن کا اِستحصال کرنا، اُن کی نسل کُشی کرنا ؛ اُن پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کرنا (یُونُس ۱۰ : ۹۰-۹۱)۔
★ اللہ کے بجائے غیر اللہ کو معبود بنانا اور اس کی طاعت و بندگی کرنا (= شرک کرنا)، ماپ تول میں کمی کرنا، لوگوں کو ان کی چیزیں کم دینا ؛ زمین میں خرابی و فتنہ پردازی کرنا اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال و دولت کو اپنی ملکیت سمجھنا اور اپنی مرضی سے اس کو جمع یا خرچ کرنا (ھُود ۱۱ : ۸۴-۸۷ ؛ الشّعراء ۲۶ : ۱۸۱-۱۸۳)۔

ارض

ربُّ العٰلمین نے ہر چیز زوجین یا جوڑا جوڑا پیدا کی ہے (یٰسٓ ۳۶ : ۳۶ ؛ الذّٰرِیٰت ۵۱ : ۴۹ و بمواضعِ کثیرہ) ؛ اور ارض و سماء زوجین ہیں، اور اصلاً ایک ہی ہیں (النّٰزِعٰت ۷۹ : ۳۰)۔

اَلْاَرْضُ (زمین) سَمَآءٌ کے بالمقابل ایک جِرم یا کُرے کا نام ہے۔ اس کی جمع اَرْضُوْنَ ہے اور یہ لفظ قُرآنِ مجید نے استعمال نہیں کیا۔ کبھی ارض کا لفظ بول کر اِس سے سفلی کائنات مراد لی جاتی ہے، جس طرح سَمَآءَ کا لفظ عُلوی کائنات پر بولا جاتا ہے (المفردات)۔

اَرْضٌ : زمین۔ ہر اس چیز کو جو نیچے ہو اَرْضٌ کہتے ہیں۔ بخلاف سَمَآء کے جو اُونچی چیز کے لیے

Marfat.com

بولا جاتا ہے۔ گھوڑے وغیرہ کا وہ حصہ جو اس کی ٹانگوں کے نیچے ہو اَرْضٌ کہلاتا ہے اور اُوپر کے حصے کو سَمَاءٌ کہتے ہیں۔ زمین کو بھی اَرْضٌ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پاؤں تلے رہتی ہے (تاج العروس)۔

اہلِ عرب کا محاورہ ہے اَرْضٌ اَرِيْضَةٌ : زرخیز زمین۔

تَاَرَّضَ الْجَدْيُ : بیلا گھاس چرنے لگا۔

اَرَضَةٌ کے معنی ہیں دیمک۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

اَرْضٌ کو سَمَآء کے زوج کے طور پر استعمال کیا گیا ہے (البقرۃ ۲: ۲۲؛ ھُود ۱۱: ۴۴)۔ دوسری جگہ اِرشاد ہوا :

★ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (ھُود ۱۱: ۷) :

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے ادوار میں تخلیق کیا۔

نُکتہ : بنی نوعِ اِنسان زمین میں پیدا ہوئے تھے اور یہی ان کا مولد و منشا ہے :

★ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ھُود ۱۱: ۶۱) :

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمھیں آباد کیا (نیز دیکھیے المؤمنون ۲۳: ۷۹)۔

ص ل ح (صلح)

★ اَلصَّلَاحُ (دُرُست، باترتیب) کی ضِد "فساد" ہے (المفردات)۔

اَصْلَحَ الدَّابَّةَ (تاج العروس) اور اَصْلَحَ اِلَى الدَّابَّةِ (التھذیب، الاساس، المُغرِب، تاج العروس) میں اَصْلَحَ کے معنی ہیں اَحْسَنَ : اُس نے جانور کے ساتھ اچھا سلوک کیا؛ اس کی اچھی طرح سے نگہداشت کی۔

اَصْلَحَ اِلَيْهِ : اُس نے اس کے ساتھ حُسنِ سلوک یا اِحسان کیا (القاموس، تاج)۔

اکیلے اَصْلَحَ کے معنی ہیں : اُس نے وہ کام کیا جو اچھا، درست یا مُنصفانہ تھا (المصباح)۔

اَلصُّلْحُ : باہمی امن و آشتی کو کہتے ہیں (تاج)۔

Marfat.com

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

★ فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ (البقرۃ ۲ : ۱۸۲) : پھر اُن میں صُلح کرادے۔
اَصْلَحَ : یعنی اُس نے اپنی زندگی حسین بنالی ؛ اپنے کردار کی تطہیر و تحسین کی ؛ اپنا تزکیہ کیا (المآئدۃ ۵ : ۳۹)۔

★ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ (مُحمّد ۴۷ : ۲) : اُس (اللہ) نے اُن کی بُرائیوں کے اثرات ان کے قلب سے محو کردیے اور اُن کی حالت حسین بنادی۔

★ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ (الانبیآء ۲۱ : ۹۰) : ہم نے اس کی بیوی کا بانجھ پن دُور کردیا اور حاملہ ہونے اور اولاد پیدا کرنے کے قابل بنادیا۔

★ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ (البقرۃ ۲ : ۲۲۴) : تُم لوگوں کے درمیان صُلح و آشتی کرادو۔

★ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (یُونس ۱۰ : ۸۱) : اللہ فساد کرنے والوں کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

★ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (الاحزاب ۳۳ : ۷۱) : وہ تمھارے اعمال کو حسین و توازن آفرین بنادے گا۔

★ اِسراف اور فساد کے دُور کرنے کو يُصْلِحُوْا کہتے ہیں (الشعرآء ۲۶ : ۱۵۱-۱۵۲)۔

★ صَالِحًا ؛ عَمَلَ صَالِحًا : دافعِ فساد و سیّئہ، حسین اور تحسین و توازن آفرین عمل (البقرۃ ۲ : ۶۲؛ المائدۃ ۵ : ۶۹؛ و بمواضعِ کثیرہ)۔

★ تندرست اور صحیح و سالم بچّے کے لیے بھی "صَالِحًا" کا لفظ اِستعمال ہوتا ہے (الاحزاب ۷ : ۱۸۹)۔

★ كُفر کے نقیض و ضد کے طور پر بھی اِستعمال ہوتا ہے (الرُّوم ۳۰ : ۴۴)۔

★ سَيِّئَة کے نقیض و ضد کے معانی میں (فُصِّلت ۴۱ : ۴۶ ؛ الجاثیہ ۴۵ : ۱۵)۔

★ صَالِحُوْنَ کا (حکومت کے حوالے سے) مطلب عدل و احسان کے ساتھ حکومت کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ہیں (الانبیآء ۲۱ : ۱۰۵)۔

★ صَالِحِيْنَ : ایمان رکھنے اور حسین و توازن آفرین عمل کرنے والے (العنکبوت ۲۹ : ۹)۔

★ اِصْلَاحٌ : (بے سہارا لوگوں کی) تعلیم و تربیت اور کفالت کا بندوبست کرنا اور مل جل کر رہنا بھی جو ایسا کرتا ہے وہ مُصْلِح ہوتا ہے، جس کا نقیض و ضد مُفسِد ہے (البقرۃ ۲ : ۲۲۰)۔

Marfat.com

★ مُصْلِحٌ کی ضد جَبَّارٌ بھی ہے (القصص ۲۸: ۱۹)۔

ش ع ر (شعر)

اَلشَّعَرَ: بال، جمع اَشْعَارٌ۔ قرآن مجید میں ہے:

★ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ (النحل ۱۶: ۸۰):
اور ان کی اُون اور پشم اور بالوں سے کتنے ہی سامان اور مفید چیزیں بنا دیں کہ ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں۔

شَعَرْتُ کے معنی ہیں بالوں پر مارنا؛ اور اسی سے شَعَرْتُ کَذَا استعارہ ہے، جس کے معنی بال کی طرح باریک و لطیف علم حاصل کر لینے کے ہیں۔ چنانچہ شاعر کو اس کی فطانت اور دقتِ نظر کی بناء ہی پر شاعر کہا جاتا ہے۔ لَيْتَ شِعْرِىْ كَذَا کے محاورے میں شعر اصل میں علم لطیف کا نام ہے۔ پھر عُرف میں موزوں اور مُقفّٰی کلام کو شعر کہا جاتا ہے، اور شعر کہنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

★ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (الانبیآء ۲۱: ۵): بلکہ اُس نے اسے اپنی طرف سے بنا لیا ہے، نہیں بلکہ وہ (یہ شعر ہے جو اس) شاعر (کی طبع آزمائی کا حاصل) ہے (المفردات)۔

شِعْرٌ سے جھوٹ بھی مراد لیتے ہیں اور شَاعِرٌ جھوٹ بولنے والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ شاعری میں مبالغہ و کذب کو معیوب سمجھنے کے بجائے شِعر کی صفت سمجھا جاتا تھا، اس لیے یہ مثل مشہور ہوگئی کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ: سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو۔ کُفّار اور دیگر مخالفین رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو شاعر اور قرآنِ حکیم کو شعر اسی مفہوم کی بناء پر کہتے تھے (المفردات، تاج العروس)۔ قرآن مجید میں ہے:

★ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۳۶):
اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

★ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (الطُّور ۵۲: ۳۰ بعد):
کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں؟

اس آیت سے متعلق بہت سے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ مخالفین نے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر شعر بمعنی منظوم و مُقفّٰی کلام موزوں کرنے کی تہمت لگائی تھی، حتّٰی کہ وہ قرآن کی ہر اُس آیت کی تاویل کرنے لگے جس میں وزن پایا جاتا ہے، جیسے

Marfat.com

★ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ط (سبا ۳۴: ۱۳)۔
★ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ (اللّھب ۱۱۱: ۱)۔

لیکن بعض حقیقت شناس اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس سے ان کا مقصد منظوم اور مُقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن اسالیبِ شعر سے مبرّا ہے اور اس حقیقت کو عوام عجمی بھی سمجھ سکتے ہیں، پھر فصحاءِ عرب کا تو ذکر ہی کیا ؟ اصل یہ ہے کہ وہ آپؐ پر (نعوذ باللہ) کذب یا جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے، کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب اور شاعر بمعنی کاذب استعمال ہوتا ہے؛ حتّٰی کہ جھوٹے دلائل کو اِدِلَّۃٌ شِعْرِيَّۃٌ کہتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے :

★ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ (الشعرآء ۲۶: ۲۲۴ بعد) :
اور شاعروں کا اِتّباع گم گشتہ لوگ کرتے ہیں۔
اَلْمَشَاعِرُ حواس کو کہتے ہیں ؛ لہٰذا آیۂ فکر انگیز

★ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحُجرات ۴۹: ۲ : اور تمھیں خبر بھی نہ ہو)۔

کے معنی ہیں کہ تم حواس سے اس کا اِدراک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اکثر مقامات پر جہاں لَا يَشْعُرُوْنَ کا صیغہ ہے، اس کے بجائے لَا يَعْقِلُوْنَ کہنا صحیح نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو محسوس تو نہیں ہو سکتیں، لیکن عقل سے ان کا اِدراک ہو سکتا ہے۔

مَشَاعِرُ الْحَجِّ کے معنی ہیں رسومِ حج ادا کرنے کی جگہ۔ اس کا واحد مَشْعَرٌ ہے ؛ اور انہیں شَعَآئِرُ الْحَجِّ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا واحد شَعِيْرَۃٌ ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ ذٰلِكَ ق وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (الحج ۲۲: ۳۲) :
یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو کوئی اللہ کے مقرر کیے ہوئے شعائر کی تعظیم و تکریم کرے تو یہ قلوب کے تقوٰی سے ہے۔

★ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (المآئدۃ ۵: ۲) : اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرو۔

الشِّعْرٰى : ایک سیارے کا نام ہے (جو سخت گرمی کے زمانے میں دکھائی دیتا ہے)۔ قرآن مجید میں ہے :

★ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ (النجم ۵۳: ۴۹) : وہ شِعرٰی (SIRUS) کا رب ہے۔

اس میں شعرٰی کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ ایک قوم کا معبود تھا (المفردات)۔ بعض کے نزدیک ایک سے زائد گروہ شعرٰی کی عبادت کرتے تھے۔

شِعَارٌ : جنگ میں جو الفاظ علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں (CODE WORDS) ؛ یا

Marfat.com

سفر میں اپنے قافلے کو پہچاننے کے لیے جو نشان مقرر کیے جاتے ہیں، اُنہیں شِعَارٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح حج میں قربانی کے جانور پر نشان لگانے کو اِشْعَارٌ کہتے تھے اور اس جانور کو شَعِیْرَۃٌ۔ اس کی جمع شَعَائِرُ ہے (المفردات، محیط)۔

قرآنِ حکیم نے شعور کو اِدراک بالحواس اور اِدراک بالقلب کے معنی میں استعمال کیا ہے، جیسے اِس آیۂ فکر انگیز میں

★ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۵۴): جو لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) مارے جائیں، اُنہیں مُردہ نہ کہو (کیونکہ وہ معدوم و فنا نہیں ہو چکے) بلکہ زندہ ہیں، لیکن تُم (ان کی زندگی کی نوعیت کا) حواس اور عقل سے اِدراک نہیں کر سکتے۔

ہمیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قرآنِ حکیم کی رُو سے ہر فردِ بشر کی زندگیاں دو اور صرف دو ہیں؛ اور تیسری زندگی کا عقیدہ غیر قرآنی ہے اور اس کے ڈانڈے عقیدۂ تناسخ (=آواگون) سے مل جاتے ہیں۔ زندگی ایک تو اِس دُنیا کی اور دوسری آخرت کی زندگی ہے، جسے نَشْاَۃَ الْاٰخِرَۃِ یا نشأۃِ ثانیہ کہتے ہیں (البقرہ ۲ : ۲۸؛ یُونس ۱۰ : ۵۶؛ الحج ۲۲ : ۶۶؛ المؤمن ۴۰ : ۱۱)۔ یہ نُکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اِنسان کا نفس لذّتِ موت سے آشنا ہوتا ہے تو وہ عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے۔ وہاں اس کا جسم یا پیکر اس جہانِ موت و حیات ایسا مادّی نہ ہوگا، جس میں موت مُضمر ہوتی ہے۔ عالمِ برزخ سے چونکہ کوئی بشر واپس دُنیا میں نہیں آیا اور نہ کبھی آ ہی سکتا ہے کہ یہ اِرشادِ قرآنی ہے (محلِ مذکور)، لہٰذا کوئی متنفّس اس کی ماہیت کا حواس و قلب سے اِدراک و تعقّل نہیں کر سکتا۔ ماہیت سے عالمِ برزخ کے زمان و مکان، احوال و ظروف، اور زندگی وغیرہم کی ماہیت مُراد ہے۔ یہی مطلب ہے وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کا۔

★ **شعور بمعنی علم و ظن**: کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَاَتٰھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ (الزّمر ۳۹ : ۲۵): اُن سے پہلے لوگوں نے بھی (دین و رسالت کی) تکذیب کی تھی، نتیجۃً اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آیا جس کا انہیں علم اور گُمان نہ تھا۔

س ف ہ (سفہ)

السَّفَہُ: اس کے اصل معنی جِسمانی ہلکا پن کے ہیں۔ اسی سے بہت زیادہ مضطرب رہنے والی

Marfat.com

مہار کو زِمَامٌ سَفِیۡہٌ کہا جاتا ہے۔ ثَوۡبٌ سَفِیۡہٌ کے معنی ہیں : خراب بنے ہوئے کپڑے۔ پھر اسی سے یہ لفظ خِفّتِ نفس یعنی کم عقلی اور نادانی کے معنی میں اِستعمال ہونے لگا ہے (المفردات)۔ اس کے بنیادی معنی حرکت اور اضطراب کے بھی ہیں۔ اِس بناء پر عقل و رائے کی ناپختگی کو سَفَاھَۃٌ کہتے ہیں (الصحاح ، محیط ، تاج العروس)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ (البقرۃ ۲ : ۱۳۰) : بجز اس کے جس نے خود اپنے آپ کو جہالت و حماقت میں مُبتلا کر لیا ہو۔

بعض ائمۂ لُغت کے نزدیک اِس آیت کے معنی ہیں : مَنۡ سَفِهَ فِیۡ نَفۡسِهٖ : وہ جو اپنی ذات میں بلحاظِ عقل و فراست خفیف اور بودا ہو (But he who is light-witted in his mind) ، یعنی جو سَفِیہ بن گیا (لین)۔ زجاج کی رائے میں اس محاورے کا مطلب ہے : اِلَّا مَنۡ جَهِلَ نَفۡسَهٗ : لیکن جس نے اپنے آپ کو احمق و جاہل بنا لیا۔

سَفِهَ الۡحَقَّ کے معنی ہیں جَهِلَ الۡحَقَّ : یعنی اُس نے حق یا سچ کا استخفاف کیا اور اُسے سچ یا درست خیال نہ کیا (صحاح ، تاج العروس ، مادہ غ م ط)۔ ایک حدیث میں ہے : اَلۡکِبۡرُ اَنۡ تَسۡفَهَ الۡحَقَّ : یعنی تکبر یہ ہے کہ تُو حق کا استخفاف کرے۔

سَفَهٌ کا اِستعمال دُنیوی اور اُخروی دونوں اُمور کے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ اُمورِ دُنیوی میں سفاہت سے متعلق اِرشاد ہوا :

★ وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ ..... (النّسآء ۴ : ۵) : بے عقل و فہم لوگوں کو ان کے مال و منال نہ دو جو تمھارے پاس ہیں۔

اور سفاہتِ اُخروی سے متعلق فرمایا :

★ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ (الجن ۷۲ : ۴) : اور یہ کہ ہم میں سے بعض جاہل و احمق اللہ کے بارے میں جھوٹ اِفترا کرتے رہے ہیں۔

اس میں سفاہتِ دینی مراد ہے ؛ نیز فرمایا :

★ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۱۳) :
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں : کیا ہم ایمان لائیں جس طرح احمق و جاہل ایمان لائے ہیں۔ سُن لو ! یہی تو احمق و جاہل ہیں ، لیکن وہ

Marfat.com

(اپنی اس نفسیاتی کیفیت سے) آگہی نہیں رکھتے۔

اصل یہ ہے کہ قلب جب سلیم یعنی حسین و منیر اور صحت مند نہیں رہتا تو وہ اندھا اور مختلف بیماریوں میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان بے عقل و جاہل، کم اندیش اور نفس پرست ہو جاتا ہے، اور اس میں حق و باطل، ایمان و کفر اور سُود و زیاں کی تمیز نہیں رہتی۔ ایسے لوگوں کے لیے قُرآن مجید نے سُفَھَاء کی تعبیر اختیار کی ہے۔

ع ل م (علم)

اَلْعِلْمُ : کسی چیز کی حقیقت کا اِدراک کرنا (To get into the truth of a thing)۔

عِلْمٌ (عَلِمَ-یَعْلَمُ) : کسی چیز کو کما حقہٗ جاننا، پہچاننا، حقیقت کا اِدراک کرنا، یقین حاصل کرنا، حتمی طور پر معلوم کرنا (محیط، تاج العروس اور المفردات)۔ چنانچہ عالِم اس شخص کو کہتے ہیں جو حقیقت کا علم الیقین رکھتا ہے۔ اس کی جمع عَالِمُوْنَ آتی ہے، اور عَلِیْمٌ کی جمع عُلَمَاءُ آتی ہے، یعنی وسیع، گہرا اور پختہ علم رکھنے والے۔ ابنِ فارس کے نزدیک اس مادّے کے بنیادی معنی کسی چیز پر ایسے نشان کے ہیں جس سے وہ دیگر اشیاء سے متمیز ہو سکے (المجمل)۔

اَعراب کے نزدیک علم کو معرفت اور شعور پر فضیلت حاصل ہے۔ اِس بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا لفظ اِستعمال کرتے ہیں، لیکن معرفت یا شعور کا نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو عالِم یا علیم تو کہتے ہیں، لیکن عارف (عرفان یا معرفت رکھنے والا) اور شاعر (شعور رکھنے والا) نہیں کہا جا سکتا (تاج العروس)۔

اَعْلَمْتُہٗ و عَلَّمْتُہٗ دراصل ہم معنی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اِعْلَامٌ جلدی سے بتا دینے کے ساتھ مختص ہے، اور تَعْلِیْمٌ کے معنی بار بار اور کثرت کے ساتھ خبر و آگہی دینے کے ہیں، حتیٰ کہ مُتعلِّم کے ذہن میں اس کے اثرات مُرتسم ہو جائیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ تَعْلِیْمٌ کے معنی کسی تصور کے لیے ذہن کو متوجہ کرنے کے اور تَعَلُّمٌ، کے معنی ایسے تصور کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں۔ کبھی تَعْلِیْمٌ کا لفظ اِعْلَامٌ کے بجائے اِستعمال کیا جاتا ہے، جیسے فرمایا

★ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ (الحجرات ۴۹ : ۱۶) : ان سے کہو! کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتلاتے ہو؟ یا اس کی خبر دیتے ہو؟

مندرجہ ذیل آیات میں تَعْلِیْمٌ کا لفظ اِستعمال ہوا ہے :

★ اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ (الرحمٰن ۵۵ : ۱-۲) : وہ رحمٰن یعنی صاحبِ رحمتِ بے نہایت

Marfat.com

اور ازل سے ابدالآباد تک بے نہایت محبّت و شفقت، رحم و کرم اور بے حساب نعمتیں ارزانی کرنے والا ہے جس نے قُرآن کی تعلیم دی ہے (اِس بِناء پر قُرآنِ حکیم اِنسان کے لیے باعتبارِ علم و حکمت، نیز اس کے مادّی و معنوی اِرتقاء کے لحاظ سے رحمتِ بے نہایت ہے)۔

★ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ (العلق ۹۶ : ۴) : جس نے قلم کے ذریعے (اِنسان کو) علم سکھایا یا تعلیم دی۔

★ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا (الانعام ۶ : ۹۱) : تمھیں وہ کچھ سکھایا گیا جو تُم نہیں جانتے تھے۔

★ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آلِ عمران ۳ : ۱۶۴) : اور ان کو (اللہ کی) کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

عالِم اور عَلیم کے الفاظ اللہ تعالیٰ اور اِنسان دونوں کے لیے اِستعمال ہوتے ہیں، لیکن اَلْعَالِمُ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی صفت کی حیثیّت سے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس پر کوئی چیز بھی مخفی نہ ہو، جیسے فرمایا

لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ (الحَآقّة ۶۹ : ۱۸) : اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات مخفی نہیں رہے گی۔

اور یہ مفہوم صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے حق میں ہی صحیح ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کو اس معنی کے ساتھ متّصف کرنا صحیح نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ صرف اور فقط اللہ تعالیٰ ہی عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (سبا ۳۴ : ۴۸) : غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔

اس میں یہ نُکتہ مُضمر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور کوئی شے بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

اَلْعَلَمُ : ایسے نشان کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پہچانی جا سکے۔ اسے مَعْلَمٌ بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ عَلَمُ الطَّرِيْقِ : ایسے نشان کو کہتے ہیں جو راستے کی پہچان کے لیے اس میں کھڑا کر دیا جاتا ہے؛ اور فوج کے جھنڈے کو عَلَمُ الْجَيْشِ کہتے ہیں، کیونکہ اس سے فوج کی پہچان ہو جاتی ہے۔ بڑے اور لمبے پہاڑ کو بھی عَلَمٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَعْلَامٌ ہے (الرّحمٰن ۵۵ : ۲۴)۔ اَعْلَمَ نَفْسَهٗ : اپنے اُوپر وہ نشان لگایا جو جنگ میں شریک ہونے والے لگاتے ہیں (المفردات، محیط، تاج العروس، اقرب الموارد، لِسان العرب)۔

عَالَمٌ (جمع عَالَمِيْنَ) دراصل فَاعَلٌ کے وزن پر ہے جو اِسمِ آلہ کے لیے اِستعمال ہوتا ہے؛ جیسے طَابَعٌ : مَا يُطْبَعُ بِهٖ ؛ خَاتَمٌ : مَا يُخْتَمُ بِهٖ وغیرہ۔ اِسی طرح عَالَمٌ بھی ہے، جس کے

Marfat.com

معنی ہیں مَا یَعْلَمُ بِهٖ : یعنی وہ چیز جس کے ذریعے کسی شے کا علم حاصل کیا جائے، اور کائنات کے ذریعے بھی، چونکہ اللہ کا علم حاصل ہوتا ہے، اس لیے جُملہ کائنات کو اَلْعَالَمُ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قُرآنِ حکیم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کائنات میں تفکُّر بالحق کرنے کا حکم دیا ہے :

★ اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ (الاعراف ۷ : ۱۸۵) : کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور جو چیز بھی اللہ نے تخلیق کی ہے غور و فکر نہیں کیا ؟

اس سے مُستنبط ہوا کہ اس کائنات کی ہر نوع اپنی جگہ ایک مُستقل عَالَمٌ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً عَالَمُ الْاِنْسَانِ ، یا عالَمِ اِنسان ، عالَمِ ماء ، عالَمِ نار وغیرہ وغیرہ۔ اس کی جمع اَلْعَالَمُوْنَ یعنی واؤ نون کے ساتھ مذکر سالم بنانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نوعِ اِنسانی بھی شامل ہے، ورنہ یہ وزن ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے۔ جب کسی لفظ میں دوسری مخلوقات کے ساتھ اِنسان بھی شامل ہوں تو اِنسانوں کو غالب رکھا جاتا ہے۔ اسی لیے قوم یا نسل کو بھی عَالَمٌ کہا جاتا ہے (المفردات، محیط، تاج العروس)۔

قرآن مجید نے عَالَمِیْنَ کو ہم عصر اقوام کے معنی میں بھی اِستعمال کیا ہے :

★ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۴۷) : میں نے تمھیں (تمھاری ہمعصر) اقوام پر فضیلت دی تھی۔

قُرآنِ حکیم کی رُو سے کائنات کی جُملہ اشیاء مُدرَک بالحواس والقلب ہیں، اس لیے ان کا علم ممکن الحصول ہے۔ بخلاف اس کے، اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے مثل چونکہ کوئی شے نہیں (الشوریٰ ۴۲ : ۱۱)، اس لیے نہ تو وہ مُدرَک بالحواس والقلب ہے اور نہ اس کی حقیقت و ماہیت کا علم ممکن الحصول ہی ہے۔ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی اس مابہ الامتیاز خصوصیت کی بناء پر جو لوگ اس کی ذات کے مُنکر ہیں، وہ اپنے حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام کے مُکذِّب اور جاہل و ظالم ہیں۔ یہ اِستقرائی نتیجہ ہے ان آیاتِ مُعجز نما کا :

اوّلاً : وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۲ : ۳۱) : اُس نے اِنسان کو کُل (اشیاء کے) نام سکھا دیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی کُل اشیاء کے حقائق و خواص کا اِدراک اور تسمیہ کرنا سکھا دیا۔

اِس آیۂ بصیرت افروز کا اعجاز یہ ہے کہ تقدیرِ عبارت اسماء کے بجائے "بظاہر" اشیاء کا لفظ چاہتی تھی، لیکن اسماء کا لفظ لایا گیا ہے، جو جُملے کا اِعجاز بن گیا ہے۔ اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسماء ایک تو اشیاء کا نعم البدل ہے۔ دوسرے، اسماء سے اشیاء معروف بنتی ہیں۔ اس کا نقیض

Marfat.com

یہ ہوا کہ بے اِسم یا بے نام چیز غیر معروف اور مجہول ہوگی، اس لیے بے مصرف و بے سُود ہوگی۔
یہ اِعجازِ آیت اِس اصلِ عظیم پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ربِّ علیم وحکیم نے اِنسان میں نہ صرف اشیاء اور ان کے حقائق و خواص کو معلوم کرنے کی اِستعداد بِالقُوَّۃ ودیعت کر دی ہے، بلکہ اُسے اشیاء کے نام رکھنے (=تسمیہ) کی صلاحیت بھی عطا کر دی ہے۔ یہ نام ہی ہیں جن کی بدولت ہم نہ صرف ہم جنسوں کو، بلکہ دُنیا بھر کی چیزوں کو پہچانتے ہیں اور ان چیزوں کے حقائق و خواص کا اِدراک کرتے ہیں۔ علاوہ بریں، اللّٰہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے اَسماءُ الحُسنٰی ہی کے طفیل ہم اس کی صفات کی معرفت رکھتے اور رکھ سکتے ہیں۔

ثانیاً : عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے جُملے کا ایک اِعجاز یہ بھی ہے کہ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی سمیت کُل علوم پر حاوی ہے جو شجرِ علم سے فروع اور برگ و بار کی صورت میں ہمیشہ نکلتے رہیں گے۔

ثالثاً : وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۷۸) :
اور (اے بنی نوعِ اِنسان!) اللہ ہی ہے جس نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تمھیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔ چنانچہ (حصولِ علم کے لیے) ہم نے تمھارے کان، آنکھیں اور قلب (دل و دماغ) بنا دیے تاکہ تُم ان سے کام لو اور اِظہارِ تشکّر کرو۔

نُکتہ : قُرآنِ حکیم قلب اور فؤاد کو عموماً مترادفات کے طور پر استعمال کرتا ہے (دیکھیے البقرۃ ۲ : ۷، بمواضعِ کثیرۃ)۔

علاوہ ازیں، یہ قُرآنِ حکیم ہے جس نے چودہ صدیاں پہلے اِنسان کو اِس اصلِ عظیم سے آگاہ کیا تھا کہ جمالیاتی مشاہدے، علم و حکمت اور ہُنر و فن کے حصول کے لیے حِسّی۔قلبی نفسی نظام میں سامعہ، باصرہ اور قلب اہم ترین ذرائع ہیں۔

ان تشریحات کی بناء پر علم کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں کہ "علم عبارت ہے سامعہ و باصرہ اور قلب کے ذریعے اشیائے کائنات کے اِدراک و تسمیہ کرنے کی قُوّت سے"۔

علم کی دو بڑی انواع ہیں : (ا) علم بِالطَّبع اور (ب) علم بِالوَحی۔

(ا) علم بالطّبع کا مطلب یہ ہے کہ ربِّ علیم وحکیم اپنے ہر جمالیاتی۔تخلیقی شہکار کی طبع میں علم الاشیاء کو بالقُوَّۃ ودیعت کر کے دُنیا میں بھیجتا ہے۔ اسے اِکتساب یعنی محنت و مشقّت سے قُوّۃ سے فعل میں لانا اِنسان کا کام اور اس کا اہم ترین فریضۂ حیات و دین ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے محنت و مشقّت کرنا

Marfat.com

اِنسان کا مقدر بنا دیا ہے (البلد ۹۰: ۴) -اس اعتبار سے علم بالطبع وھبی-اِکتسابی ہے-

(ب) علم بالوحی سے مُراد کلامُ اللہ ہے، جو علم و حکمت کا سرچشمہ ہے-یہ علم انبیآءعلیھم السّلام کی وساطت سے افرادِ نسلِ اِنسانی کو مکتوبی صورت میں ملتا رہا ہے-اِسے بھی اِکتساب کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے-اِکتساب سے مراد تعلیم، خصوصاً تعلیم بالقلم، مزاولت، تفکر بالحق اور مشاہدہ بالحق ہے- مشاہدہ سمعی بھی ہوتا ہے اور بصری بھی، نیز قلبی بھی-

یہ حقیقتِ نفس الامری ہمیشہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ علم بالوحی خصوصاً اب فقط حُسنِ کلامِ آخر ہی اِیمان و کُفر، ہدایت و ضلالت، حق و باطل، حسنہ و سیئہ، خیر و شر اور سُود و زیاں میں امتیاز کرنے کا حقیقی و ناقابلِ تغیر و تبدل معیار (= الفُرقان) ہے، اور اس کا فیصلہ حرفِ آخر اور قولِ فیصل ہے، جسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ایسا کرنا اس کی تکذیب کرنا ہے-

خ ل و (خلو)

اَلْخَلَاءُ : خالی جگہ جہاں عمارت و مکان وغیرہ نہ ہو- اور

اَلْخُلُوُّ کا لفظ زمان و مکان دونوں کے لیے اِستعمال ہوتا ہے-چنانچہ زمانے میں مُضِیّ (مرور یا گذرنے) کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لیے اہلِ لُغت خَلَا الزَّمَانُ کے معنیٰ "زمانہ گذر گیا" کر لیتے ہیں (المفردات)- خَلْوَۃٌ کے معنی ہیں: تنہائی- خَلِیَّۃٌ: شہد کی مکھیوں کا چھتا (تاج العروس)-مرورِ زمانہ کے معنی میں قرآنِ حکیم میں ہے:

★ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ (آلِ عمران ۳: ۱۴۴):
اور مُحمّد (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے بھی بہت سے رسولؐ گزر چکے ہیں-

★ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (البقرۃ ۲: ۱۳۴): یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی-

★ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (آلِ عمران ۳: ۱۳۷): تُم سے پہلے بہت سے دَور گزر چکے ہیں-

خَلَا الْاِنْسَانُ : تنہا ہونا-

خَلَا فُلَانٌ بِفُلَانٍ : کسی کے ساتھ تنہا ہونا-

خَلَا اِلَيْهِ : کسی کے پاس خلوت میں پہنچنا- قرآنِ مجید میں ہے:

Marfat.com

★ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ (البقرۃ ۲: ۱۴): اور جب اپنے معاشرتی سرطانوں کے پاس خلوت میں جاتے ہیں۔

خَلَيْتُ فُلَانًا کے اصل معنی ہیں کسی کو خالی جگہ میں چھوڑ دینا، پھر عام چھوڑ دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ ارشاد ہوا:

★ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (التوبۃ ۹: ۵): تو اُن کی راہ چھوڑ دو، یعنی اُن سے تعرّض نہ کرو۔

★ الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ (الحاقۃ ۶۹: ۲۴): گذشتہ ایام۔

خَلَا سَبِيلَ الْأَسِيرِ کے معنی ہیں قیدی کو رہا کر دینا۔

اِمْرَأَةٌ خَلِيَّةٌ: مُطلّقہ عورت۔

جو کشتی ملّاحوں کے بغیر چل جا رہی ہو اُسے بھی خَلِيَّةٌ کہتے ہیں۔

اَلْخَلَاءُ: خُشک گھاس۔

سَيْفٌ يَخْتَلِي: تیز تلوار جو گھاس کی طرح ہر چیز کاٹ کر رکھ دے۔

(المفردات، تاج العروس، اقرب الموارد، محیط)۔

ش ط ن (شطن)

اَلشَّيْطَانُ: اس میں نون اصلی ہے اور شَطَنَ سے مُشتق ہے، جس کے معنی دُور ہونے کے ہیں۔

شَطَنَتِ الدَّارُ: گھر کا دُور ہونا۔

بِئْرٌ شَطُونٌ: بہت گہرا کُنواں۔

شَطَنٌ: مضبوط بٹی ہوئی لمبی رسّی کو کہتے ہیں۔

لمبائی کی نسبت سے ہر دُور کی چیز کو شَطِينٌ یا شَاطِنٌ کہتے ہیں: الرّمانی نے شَطَّ، شَطَنَ اور بَعُدَ (دُور ہونے) کو الالفاظ المترادفۃ، یعنی مترادف المعنی الفاظ لکھا ہے۔

غُرْبَةٌ شَطُونٌ (وطن سے دُوری) ایسے محاورات اسی سے مشتق ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ لفظ شَيْطَانٌ میں نون زائد ہے اور یہ شَاطَ، يَشِيطُ سے مشتق ہے، جس کے معنی غصّے سے سوختہ ہونے یا جل جانے کے ہیں۔ اور شیطان کو بھی شیطان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے:

Marfat.com

★ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ (الرحمٰن ۵۵ : ۱۵) :
اور جِنّ کو شُعلہ زن آگ سے پیدا کیا۔

یہی وجہ ہے کہ شیطان میں قوّتِ غضبیہ اور حمیّتِ مذمومہ اِفراط کے ساتھ پائی جاتی ہے۔اِسی بناء پر اُس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

ابُوعبیدہ نے کہا ہے کہ ہر سرکش کو شیطان کہا جاتا ہے خواہ وہ جنّوں سے ہو یا انسانوں سے یا دیگر حیوانات سے۔قُرآنِ مجید میں ہے :

★ شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الانعام ۶ : ۱۱۲) : اِنسانی شیطانوں اور جِنّوں کو۔

★ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ (الانعام ۶ : ۱۲۱) :
اور شیاطین (معاشرتی سرطان) اپنے رُفقاء (MINIONS) کو تحریک کرتے ہیں کہ تُم سے جھگڑا کریں۔

★ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ (البقرۃ ۲ : ۱۴) : اور جب وہ اپنے اکابر معاشرتی سرطانوں کے پاس خلوت گزین ہوتے ہیں۔

★ كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۶۵) : جیسے شیطانوں کے سر۔ بعض نے کہا ہے کہ شیاطین سے مراد باریک جسم کے سانپ ہیں۔ناگ پھنی یا تھوہر کے چوڑے پتوں کو بدنما ہونے کے سبب رُءُوسُ الشیٰطین کہا گیا ہے۔

بُرے اخلاق کو بھی شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حدیث میں ہے :

★ اَلْحَسَدُ شَیْطَانٌ وَّالْغَضَبُ شَیْطَانٌ : حسد بھی شیطان ہے اور غُصّہ بھی شیطان ہے،یعنی خُلقِ سُوء ہے (المفردات، محیط، لِسان العرب)۔

شیطان سے متعلق مفصّل بحث کے لیے دیکھیے حُسنِ تفسیر، جلد اوّل، ص ۱۷۳ بعد۔

هـزء یا هـزأ

هَزَأَ مِنْهُ اور بِهٖ ؛ اور هَـزِئَ بِهٖ (مضارع اور مصدر هُـزْؤٌ اور هُزُؤٌ اور هُزُوْءٌ) اور اِسْتَهْزَاَ بِهٖ : He mocked at, scoffed at, laughed at,derided or ridiculed him. (لین) ۔اُس نے اس کا مذاق اُڑایا، مضحکہ اُڑایا، ٹھٹھا کیا، اس کے ساتھ تمسخر کیا؛ اس کی تضحیک کی،

Marfat.com

اس پر طنز یا طعن کیا (قاموس، صحاح، تاج العروس، الخفاش) -
هُزْأَةٌ : جس کا مذاق یا تمسخر اُڑایا جائے، یا جس کی تضحیک کی جائے : (مردِ) مُضحک -
هُزَأَةٌ : جو شخص دوسروں کا مذاق اُڑائے، ان کی تضحیک کرے (صحاح، قاموس) -
راغب کے نزدیک
اَلْهَزْءُ کے معنی اندرونی طور پر کسی کا مذاق اُڑانے کے ہیں ؛ اور کبھی یہ مزاحیہ گفتگو پر بھی بولا جاتا ہے (المفردات) -
قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا :

★ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ (المائدۃ ۵: ۵۸) : اور جب تم (لوگوں کو) صلوٰۃ یا مسجد کی طرف (اذان کے ذریعے) بُلاتے ہو تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے اور تماشا بناتے ہیں -
★ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ (البقرۃ ۲: ۶۷) : بولے کیا تُم ہم سے مذاق کرتے ہو ؟
★ وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اِتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ (الجاثیۃ ۴۵: ۹) : اور جب ہماری آیات میں سے کچھ اُس کو معلوم ہوتی ہیں تو وہ ان کا تمسخر اُڑاتا ہے -
★ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ز (البقرۃ ۲: ۲۳۱) : اور اللہ کے احکام یا آیات کا مذاق نہ اُڑاؤ -
★ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۱۴-۱۵) : کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں - (اہلِ ایمان کے ساتھ تو) ہم محض ہنسی مذاق کیا کرتے ہیں - (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) اللہ (کا قانونِ اِمہال) ان کے مآل پر ہنستا ہے اور انھیں مہلت دیے جا رہا ہے اور وہ سرکشی (کے طوفان میں) بہکے جا رہے ہیں -

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے بندوں کی تضحیک کرے یا اُن کا مذاق اُڑائے، لہٰذا اِس آیۂ عبرت انگیز کی اس طرح تاویل کرنا انسب ہے کہ ربُّ العزّت کی نظر میں احترام و عزّت کے قابل اہلِ ایمان و حق کی تضحیک کرنا یا اُن سے اِستہزاء کرنا دراصل اپنی ذات کی تضحیک کرنا ہوتا ہے، لہٰذا مُنافقوں کے اپنے آپ سے اِستہزاء یا تضحیک کرنے کے فعل کو اُس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے - بالفاظِ دیگر، اہلِ حق کو جھوٹا قرار دے کر اُن کی تضحیک کرنا عقلِ سلیم کی رُو سے اپنے آپ کو جھوٹا، جاہل، ظالم و

Marfat.com

سرکش اور مضحک قرار دینا ہے، اور عقلِ سلیم موہبتِ اِلٰہی ہے، اِس بناء پر منافقوں کی خود تضحیکی و خود غلطی اور سرکشی کے فعل کو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

م د د (مدّ)

اَلْمَدُّ کے بنیادی معنی (طول میں) کھینچنے اور بڑھانے کے ہیں۔ اِسی سے عرصۂ دراز کو مُدَّۃٌ کہتے ہیں (المفردات)۔ اسی نسبت سے مَدٌّ کے معنی سیلاب کے آتے ہیں۔ مَدٌّ کے معنی بڑھانے اور اضافہ کرنے کے بھی ہیں۔ مَدُّ الْبَحْرِ: سمندر کے چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔ اس کی ضد اَلْجَزْرُ آتی ہے۔ مثلاً مدّ و جزر۔ مَدٌّ اور اِمْدَادٌ کے معنی مُہلت دینے کے بھی ہیں۔ مَدِیْدٌ لمبی پھیلی ہوئی یا کھینچی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ مِدَادٌ: روشنائی کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ قلم سے برابر آتی رہتی ہے اور بعد میں آنے والی روشنائی پہلی روشنائی سے ملتی رہتی ہے۔ مَدٌّ کے معنی مدد دینے کے بھی آتے ہیں (محیط، تاج العروس)۔

مَدَدْتُ عَیْنِیْ اِلٰی کَذَا..... : کسی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا: چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:

★ لَاتَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی..... (الحجر ۱۵: ۸۸): تُم اپنی نظروں کو اُن کی طرف نہ بڑھاؤ، یعنی ان کی طرف رشک کی نظروں سے نہ دیکھو!

مَدَدْتُهٗ فِیْ غَیِّهٖ: سرکشی میں مہلت دینا اور فوراً گرفت نہ کرنا۔

نُکتہ: قرآنِ حکیم میں اَمَدَّ (افعال) اچھی شے کے لیے اور مَدٌّ (ثلاثی مجرد) بُری چیز کے لیے استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ اِرشاد ہوا (اچھی اشیاء کے لیے):

★ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ○ (الطور ۵۲: ۲۲):
اور جس قسم کے میوے اور گوشت وہ چاہیں گے اُن کو عطا کر دیا جائے گا۔

بُری شے یا بُرے معنی میں:

★ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۱۵): اور (اللہ) انھیں مہلت دیے جاتا ہے کہ شرارت اور سرکشی کے (طوفان میں) بہکے جا رہے ہیں۔

★ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ..... (الاعراف ۷: ۲۰۲): اور ان (کفّار) کے

Marfat.com

بھائی بند انھیں سرکشی میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

★ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ ... (لقمٰن ۳۱ : ۲۷) : اور سمندر کا سارا پانی روشنائی اور سات سمندر اور بھی (روشنائی) ہو جائیں۔

اِس آیۂ بصیرت افروز میں یَمُدُّهٗ کا صیغہ مَدَّهٗ نَهْرُ الْاُخَرِ کے محاورے سے مأخوذ ہے، اور اِمْدَادٌ یا مَدٌّ سے نہیں ہے۔ اصل میں یہ مَدَدْتُ الدَّوَاةَ اَمُدُّهَا کے محاورے سے مأخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: دوات میں روشنائی ڈالنا۔ اِسی طرح اِس آیۂ جلیلہ میں

★ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف ۱۸ : ۱۰۹) : اور اگر چہ ہم ویسا (اور سمندر) اس کی مدد کو یا اس کے اضافے کے لیے لائیں۔

اس میں بھی مـدد سے مِدَادًا یعنی روشنائی کے معنی مراد ہیں۔

اَلْمُدُّ : غلّہ ناپنے کا مشہور پیمانہ۔

(ان سب کے لیے دیکھیے المفردات، تاج العروس، اقرب الموارد، نیز کلید لُغاتِ قرآن، در حُسنِ تفسیر، ۱ : ۱۴۷ بعد)۔

ط غ ی (و) : (طغی اور طغو)

★ طَغَوْتُ وَطَغَيْتُ طَغْوَانًا وَ طُغْيَانًا : کے معنی طُغیان اور سرکشی کرنے کے ہیں۔

اَطْغَاهُ (افعال) کے معنی ہیں : اُسے طُغیان یا سرکشی پر اُبھارا، اور طُغیان کے معنی ہیں: نافرمانی میں حدّ سے تجاوز کر جانا (المفردات)۔

طُغْوَانٌ مترادف ہے طُغْيَانٌ کا (قاموس، صحاح)؛ اور طَغٰی کا مصدر طَغًی ہے (مصباح، تاج العروس): وہ معروف، اِعتدال، اِنصاف یا توازن کی حدّ سے نکل گیا؛ خاص کر نافرمانی میں حدّ سے گزر گیا۔ (دین میں غُلُوّ کر گیا)۔ وہ مُسرِف، سرکش، غیر معتدل یا خود سر تھا۔ اُس نے تکبّر کیا؛ وہ مغرور اور کفر میں سرکش تھا؛ اور نافرمانی و عصیان میں حدّ سے تجاوز کرنے والا تھا (محلِّ مذکور) :

He exceeded the just, or common, limit or measure; was excessive, immoderate, inordinate or exorbitant, disobedient.

He exalted himself, and was inordinate in infidelity: he was extravagant in acts of disobedience and in wrong-doing.

Marfat.com

طَغْوٰی: فعل طَغَا سے اِسم (قاموس، تاج العروس)، جیسا کہ طُغیانٌ ہے (مصباح)۔
الفراء نے کہا ہے کہ الطَّغْوٰی اور طُغْیَانٌ مصدر ہیں۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ (الشّمس ۹۱: ۱۱): ثمود کی قوم نے اپنی مُتکبّرانہ سرکشی کے سبب (رسالت وحق کو) جُھٹلایا۔

اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ قومِ ثمود کو جب اُن کی سرکشی کی پاداش سے ڈرایا گیا تو انھوں نے یقین نہ کیا (المفردات)۔

الطَّغٰی: اُسے حدود شکن اور سرکش بنایا۔ الطَّاغِیْ: حد سے متجاوز، قانون شکن۔ اس کی جمع الطَّاغُوْنَ اور الطَّاغِیْنَ ہے۔

طَاغِیَۃٌ: گُستاخ، جابر وسخت گیر؛ وہ شخص جو راہِ راست یا جہتِ صالحہ سے بھٹک جائے؛ اور احمق، بے وقوف، مُتکبّر؛ بدکردار، ناانصاف اور مُضرّت رساں ہو (قاموس، تاج)۔ یا جو شخص لوگوں کا اِستحصال کرنے، اُن کی جائیداد وغیرہ ہتھیانے، اُن پر جبر و تشدد کرنے میں بیباک ہو (محلِ مذکور)۔ اس کا مترادف صَاعِقَۃٌ بھی ہے (تاج العروس، صحاح، قاموس): بجلی گرنے کی کڑک یا حادثۂ فاجعہ۔ قُرآنِ حکیم میں ہے:

★ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰہٰ ۲۰: ۴۳): وہ بے حد سرکش ہوگیا ہے۔

★ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ (طٰہٰ ۲۰: ۴۵): دونوں نے عرض کیا: ہمارے پروردگار وآقا! ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر جور وجفا کرنے لگے یا زیادہ سرکش ہو جائے۔

★ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ (قٓ ۵۰: ۲۷): اس کے ساتھی نے کہا: اے ہمارے پروردگار وآقا! میں نے اُسے گُمراہ نہیں کیا تھا۔

★ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ (صٓ ۳۸: ۵۵): اور یقیناً مُتکبّر سرکشوں کے لیے قبیح و غم آفرین گھر ہے۔

طَاغُوْتٌ: بروزنِ فَلَعُوْتٌ، از طَغُوْتٌ (قاموس، مُحکم): ہر وہ شخص جو حدود شکن ہو؛ اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت (حمد و پرستش اور طاعت وبندگی) کی جائے، طاغوت ہے۔ یہ واحد اور جمع دونوں میں آتا ہے (المفردات)، لیکن اس کی جمع طَوَاغِیْتُ (صحاح، قاموس) اور طَوَاغٍ (قاموس اور تاج العروس) ہے۔ حدود شکنی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کی بناء پر ساحر، کاہن،

Marfat.com

سرکش اور وہ چیز جو راہِ حق سے پھیرنے والی ہو، اُسے طَاغُوتٌ کہا جاتا ہے (المفردات) - جوہری کا قول ہے کہ سرکشوں کے سرغنہ کو طَاغُوتٌ کہا جاتا ہے۔ زجاج کے نزدیک اللہ کے سوا جس کسی کی بھی طاعت کی جائے وہ طَاغُوتٌ ہے۔

یہ تلمیذ القرآن اپنے قرآنی لغوی فارمولے (کلیدِ لُغاتِ قرآن، حُسنِ تفسیر، جلد اوّل) کی مدد سے اس استقرائی نتیجے پر پہنچا ہے کہ ہر فرعون، ہامان، قارون، آزر، وڈیرا، سردار یعنی معاشرتی سرطان یا سرطانی اِدارے، نیز ہر وہ ہستی یا شے جس کی پرستش وطاعت اور بندگی کی جائے،" الطَّاغُوتُ" ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

★ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ (البقرۃ ۲ : ۲۵۶) : جو ہر طرح کے معاشرتی سرطانوں کی حاکمیت وخدائی کا انکار کرتا اور اللہ پر ایمان لاتا ہے، یعنی اُس کی بلا شرکتِ غیرے حاکمیت وخدائی کو تسلیم بالیقین کرتا ہے۔

دوسری جگہ قرآن مجید نے اس کی خود ہی تصریح کر دی ہے :

★ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۱۶ : ۳۶) : یہ کہ اللہ کی عبادت یعنی طاعت وبندگی کرو اور سرکش قوتوں (معاشرتی سرطانوں اور سرطانی اِداروں کی حمد و پرستش اور طاعت وبندگی کرنے) سے بچو۔

★ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ (النسآء ۴ : ۷۶) : جو لوگ اہلِ ایمان ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جنھوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے وہ فرعونی قوتوں یا معاشرتی سرطانوں کی خاطر لڑتے ہیں، لہٰذا شیطان کے رفیقوں یعنی ان طاغوتی قوتوں کے ساتھ لڑو۔

پیغمبرِ اعظم وآخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی شان یعنی اُن کے مشاہدے کی صحت سے متعلق فرمایا :

★ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ (النجم ۵۳ : ۱۷) : آپؐ کی نظر نہ اپنے ہدف سے ہٹی اور نہ اس سے متجاوز ہوئی (یعنی وہیں جمی رہی، کیونکہ ایسا کرنا تکمیلِ مشاہدہ کے لیے ناگزیر تھا)۔

نُکتہ : اِس سے مُستنبط ہوا کہ اکمل واحسن مشاہدے کے لیے کامل اِرتکازِ توجّہ لازم ہے۔

ع م ہ (عمہ)

اَلْعَمَهُ : حیرت کی وجہ سے کسی کام میں تردُّد وتذبذُب سے کام لینا (المفردات)۔

Marfat.com

عَمِهَ (س) صیغہ صفتِ فاعل عَمِهٌ وَ عَامِهٌ اور عَامِهٌ کی جمع عُمَّهٌ ہے: متحیّر ہونا، گمراہی میں بھٹکنا (المفردات، مصباح)۔

عَمَهًا و عُمُوْهًا و عَمَهَانًا : To be confounded, bewildered. : حیران و پریشان اور آشفتہ سر ہو جانا۔

عَمِهٌ (ج) عَمِهُوْنَ ; confused. (الفرائد الدریّۃ) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۵) : اللہ (اپنے قانونِ امہال کے مطابق) ان کو مہلت دیے جاتا ہے اور وہ اپنی شرارت و سرکشی میں بہکے اور بھٹکتے جا رہے ہیں۔

★ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (النمل ۲۷ : ۴) : بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے (اپنے قانونِ مکافات کی بناء پر) ان کے اعمالِ (سوء) ان کے لیے خوشنما بنا دیے ہیں، لہٰذا وہ (اس جمالیاتی فریب میں آکر) حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں۔

ش ر ی (شری)

شَرَاهُ (مضارع) اور مصدر شِرًى اور شِرَاءٌ (تاج العروس، قاموس وغیرہ)۔

شِرَاءٌ اور بَيْعٌ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مُشتری کے معنی قیمت دے کر اس کے بدلے میں کوئی چیز لینے والے کے ہیں، اور بائع اُسے کہتے ہیں جو چیز دے کر قیمت لے؛ اور یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب ایک طرف سے نقدی اور دوسری طرف سے سامان ہو۔ لیکن جب خرید و فروخت جنس کے عوض جنس ہو (جیسا کہ BARTER سسٹم میں ہوتا ہے) تو دونوں میں سے ہر ایک کو بائع اور مُشتری تصوّر کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیع اور شراء کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر شَرَيْتُ بمعنی بِعْتُ اور اِبْتَعْتُ بمعنی اِشْتَرَيْتُ آتا ہے (المفردات، قب، صحاح، قاموس، اقرب الموارد)۔

قرآنِ حکیم میں ہے :

★ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (یُوسُف ۱۲ : ۲۰) : اور اُسے تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالا۔

★ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (النّسآء ۴ : ۷۴) : جو لوگ آخرت (جنّت کی زندگی)

Marfat.com

کے لیے دُنیا کی زندگی بیچنا چاہتے ہیں۔
پھر شِرَاءٌ اور اِشْتِرَاءٌ کا لفظ ہر اُس چیز کے متعلق اِستعمال ہوتا ہے جس کے عوض دُوسری چیز لی جائے۔

★ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (آلِ عمران ۳ : ۷۷) : بے شک جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے وعدے اور قسموں کو بیچ ڈالتے ہیں اور تھوڑی سی قیمت اس کے عوض حاصل کرتے ہیں۔

★ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا (آلِ عمران ۳ : ۱۹۹) : وہ اللہ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے۔

نُکتہ : دُنیا کی ہر بڑی سے بڑی شے کی قیمت بھی قلیل ہی ہے۔

★ اِشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ (البقرۃ ۲ : ۸۶) : جنھوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کی زندگی خریدی۔

★ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ (التوبۃ ۹ : ۱۱۱) : بیشک اللہ نے مؤمنوں سے اُن کے جسم وجان اور مال ومنال خرید لیے ہیں۔

اہم نُکتہ : اِس آیۂ اِیمان افروز میں یہ اصلِ عظیم بیان ہوئی ہے کہ مؤمن درحقیقت وہ ہیں جو ربُّ العالمین کے بندگانِ تسلیم ورضا اور اہلِ آرزو بن کر اس کے پاس اُس کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کی حیاتِ طیبہ یعنی اُن کی کفالت، فلاح وبہبود، مادّی ومعنوی ترقّی، دُنیوی واُخروی حسنہ اور امن وسلامتی کے لیے اپنے جسم وجان اور مال ومنال بیچ ڈالتے ہیں۔ اس کا نقیض یہ ہوا کہ جو لوگ اپنے آپ کو مؤمن کہنے اور سمجھنے کے باوجود ایسا نہیں کرتے وہ قرآنِ حکیم کی رُو سے مؤمن نہیں ہیں۔ مؤمن بننے کے لیے اپنا جسم وجان اور مال ومنال اللہ کے پاس بیچنا ناگزیر ہے۔

رب ح (ربح)

اَلرِّبْحُ : فائدہ یا نفع جو خرید وفروخت یا کاروبار سے حاصل ہو۔ مجازًا ثمرۂ اعمال کو بھی رِبْحٌ کہتے ہیں۔ اس کی نسبت کبھی سامانِ تجارت کی طرف ہوتی ہے اور کبھی صاحبِ سامان کی طرف (المفردات)۔

رَبِحَ فِیْ تِجَارَتِهٖ : اُس نے اپنے کاروبار میں نفع یا فائدہ اُٹھایا (صحاح، اساس، المغرب، قاموس)۔

رَبِحَتْ تِجَارَتُهٗ : اس کے کاروبار نے اُسے نفع یا فائدہ پہنچایا (مصباح، تاج)۔

Marfat.com

تَرَبَّحَ وَاسْتَرْبَحَ : نفع مانگنا یا اس کا تقاضا کرنا۔
مَالٌ رَابِحٌ : نفع یا فائدہ دینے والا مال۔
الرِّبْحُ : تجارت کے اُونٹ ؛ سانڈنی کے چھوٹے بچے (المفردات، صحاح، اساس، قاموس، تاج، المغرب)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۱۶) : جن لوگوں نے ہدایت کے بجائے گمراہی خرید لی ہے (یعنی حسین و فطری راہِ راست پر چلنے کے بجائے گمراہ کُن راستوں پر چلنے کو ترجیح دی ہے) تو اُن کا یہ سودا اُن کو ہرگز نفع نہیں دے گا اور نہ وہ راہِ راست ہی پانے والے ہیں۔

ت ج ر (تجر)

تَجَرَ (ن) تَجْرًا وَ تِجَارَةً کے معنی نفع کمانے کے لیے راس المال کو کاروبار میں لگانے کے ہیں۔ صیغہ صفت تَاجِرٌ وَ تَجْرٌ جیسے صَاحِبٌ و صَحْبٌ (المفردات)۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ فُلَانٌ تَاجِرٌ بِكَذَا کے معنی ہیں کہ فلاں شخص اس شے یا کام میں ماہر ہے اور اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا (محلِ مذکور، قاموس)۔ ایسے شخص کو عامیانہ بولی میں بیوپاگیر کہتے ہیں۔ عرب بادہ فروش (Vintner) کو بھی تَاجِرٌ کہتے تھے (صحاح، قاموس، تاج العروس)۔ اسی معنی میں تاجر کا لفظ اس روایت میں آیا ہے :

★ اِنَّ التَّاجِرَ فَاجِرٌ (تاج العروس) : بلاشبہ بادہ فروش حد سے تجاوز کرنے والا (Transgressor) ہے۔ اس کی جمع تُجَّارٌ، تِجَارٌ اور تَجْرٌ ہے (صحاح، مصباح، قاموس)۔

قرآنِ مجید میں ہے :

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الصف ۶۱ : ۱۰) : اے اہلِ ایمان! کیا میں تمھیں اس سچے سودے کی نشاندہی کردوں جو تمھیں اذیت ناک دُکھوں سے نجات دے؟ (اور وہ یہ ہے کہ)

★ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (الصف ۶۱:۱۱) :

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال ومنال اور جسم وجان سے جہاد کرو۔

یہ آیاتِ جلیلہ اُن لوگوں، جماعتوں اور فرقوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہیں جو اپنے آپ کو مؤمن ومتقی اور ناجی سمجھتے ہیں، لیکن اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کو اُن کے اِنسانی حقوق دلانے یا اُن کے تحفُّظ کے لیے اپنے مال ومنال اور جسم وجاں کی قُوّتوں اور صلاحیتوں کو صَرف نہیں کرتے، اور نہ سرطانی اِداروں اور معاشرتی سرطانوں کے اِستیصال کے لیے سعی وجُہد ہی کرتے ہیں۔

اِسلام میں کاروبار کا اصل الاُصول تجارتِ ہمرضائی ہے، جو جائز ہے، مُشتری ہوں یا بائع جو اس اصل الاُصول کے خلاف سودا بازی کرتے ہیں، وہ حرام خوری کرتے اور اپنے آپ کو انفرادی۔ اِجتماعی طور پر ہلاکت میں ڈالتے ہیں: اِرشاد ہوتا ہے:

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ○ (النسآء ۴ : ۲۹) : اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال جھوٹے طریقوں یا سَودوں کے ذریعے نہ کھاؤ، اس سے مُستثنیٰ تجارتِ ہمرضائی ہے، یعنی باہمی رضامندی کے اصول پر خرید و فروخت سے جو منافع ہو (اس کا کھانا جائز ہے۔ اس پر عمل کرو) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یقین رکھو کہ اللہ تم پر رحمت ارزانی کرنے والا ہے۔

قُرآنِ حکیم کے اُصولِ تجارتِ ہمرضائی کا سلبی مفہوم یہ ہے کہ کاروبار میں مختلف ناجائز طریقوں سے دوسروں کا اِستحصال کرنا چونکہ تجارتِ ہمرضائی نہیں ہوتی، اس لیے حرام ہے۔ مثال کے طور سے، مشتری کو بائع کی اور بعض حالتوں میں بائع کو مُشتری کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانے یعنی زیادہ قیمت وصول کرنے یا کم قیمت دینے کو باہم رضامندی کی تجارت نہیں کہہ سکتے، لہٰذا یہ ناجائز تجارت ہوگی اور نفع بھی ناجائز ہوگا۔ خالص چیزوں کے دام دے کر ناخالص یعنی ملاوٹ یا کھوٹ والی یا خراب چیزیں لینا کوئی خریدار پسند نہیں کرتا، لہٰذا یہ باہمی رضامندی کا سودا ہوگا نہ اس کا منافع حلال ہوگا۔

الغرض، باہمی رضامندی کی تجارت سچے سودے پر دلالت کرتی ہے؛ اور دھوکے اور بے ایمانی کی تجارت اِستحصالی ہونے کے سبب ناجائز وحرام ہے، اور اس کا منافع بھی۔ ایسے ناجائز استحصالی کاروبار سے معاشرے میں فساد پھیلتا ہے، جس سے قومی معیشت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور اس کے نتائج افراد کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوتے ہیں۔

Marfat.com

حواشی

۱- **معاشرتی سرطان** (Social cancers) - اس اِصطلاح سے مُراد استحصالی- طاغوتی طبقے ہیں، جو سرمایہ و قُوّت اور اِقتدار و سطوت کے بل پر لوگوں کا استحصال کرتے اور معاشرے میں فساد برپا کرتے ہیں۔ قُرآنِ حکیم نے ان کے لیے فرعون و ہامان، قارون و آزر اور مُفسد و ظالم کی تلمیحات و اِصطلاحات اِستعمال کی ہیں۔ شیطان کے یہ پیروکار دین و ایمان اور اِنسانوں کے دُشمن اور ان کے بنیادی یا اِنسانی حقوق کے غاصب ہوتے ہیں۔

۲- **حُسن و قُبح** : ا- ہر وہ شے جو طمانیّت و مسرّت یا حیرت انگیز جمالیاتی حظ دے؛ نیز جو قُرّۃُ العین ہو، یعنی حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام کو مسحور کُن و کیف پرور ٹھنڈک پہنچائے حسین (Beautiful) ہوتی ہے۔ حسین اشیاء کے جوہر کو حُسن (Beauty) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کی تأثیر حیرت افزا یا حیران کُن سُرور انگیزی و دل انگیزی اور کیف پروری ہے۔ ربِّ جمیل و جلیل کو حُسن اور حُسنِ عمل محبوب ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے ثمرات اِنسان کے لیے بڑے ہی حسین و سُرور انگیز ہوتے ہیں۔

ب- **قُبح** : ضد ہے حُسن کی، جسے انگریزی میں Ugliness کہتے ہیں۔ اس کا خاصّہ دل میں خلش، نفرت و کراہت اور خوف و حُزن پیدا کرنا ہے۔ اس کی تأثیر غم انگیزی و خوف آفرینی ہے۔

ربِّ کریم قُبح اور قبیح کردار اور اعمالِ سُوء سے نفرت کرتا ہے، کیونکہ اِنسان کے لیے ان کے نتائج و عواقب (Repercussions) بڑے ہی خوفناک و حُزن آفرین اور اذیّتناک ہوتے ہیں۔

۳- **قانونِ اِمہال** : قُدرت کے قانونِ اِمہال کا مطلب کسی فعل یا عمل کے ظہورِ نتائج کے لیے مُہلت دینا ہے۔ مثال کے طور پر، کسان بیج بوتا ہے تو وہ فوراً ثمر دار پودا یا شجر نہیں بن جاتا، بلکہ قُدرت کے قانون کے مطابق اُس کی نشوونما ہوتی رہتی ہے اور اس میں قُدرت کا معیّنہ وقت لگتا ہے، تب وہ ثمر دار پودا یا شجر بنتا ہے۔ اِسی طرح نیکی یا بدی کے بیج کو ثمر دینے میں قُدرت کا وقتِ معیّنہ لگتا ہے۔ اس کے لیے قُدرت کے قانونِ اِمہال کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

۴- **اِلتباسِ ذہنی** : اس کا مطلب ذہنی اِشتباہ اور اُلجھاؤ، اور اس کے باعث سہو و خطا کا اِرتکاب ہے۔

۵- **ناظورِ حیات** : محبوبِ دل انگیز (Exciting beloved)، جسے اِنسان اپنی جان کی طرح چاہتا ہو۔

Marfat.com

۶ - قانونِ آرزو و مُجازات : ا - قانونِ آرزو : قُدرت کا قانونِ آرزو یہ ہے کہ ربِّ رحمٰن اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکار (= اِنسان) کی سچّی آرزو کا احترام کرتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ سچّی آرزو عمل اور اس کی جہتِ صحیحہ سے معتبر بنتی ہے۔ اِنسان کو جس نعمت کی سچّی آرزو ہوتی ہے ، وہ اسے ملتی ہے اور جس نعمت کی اُسے آرزو نہ رہے یا اُس سے نہ تو خود مُستفید ہو نہ دوسروں ہی کو اِستفادہ کرنے دے ، تو قُدرت اُسے سلب کر لیتی ہے۔ آرزو لب پر آجائے تو اُسے دُعا کہتے ہیں۔ قُدرت کے قانونِ احترامِ آرزو کے مطابق سچّی دُعا ہی مُستجاب ہوتی ہے ؛ اور آرزو یا دُعا کی صداقت کا معیار حُسنِ عمل ہے۔

ب - قانونِ مُجازات : اِسے قانونِ مکافاتِ عمل بھی کہتے ہیں۔ اِس کی رُو سے ہر اِنسان رہینِ اِکتساب اور مُستوجبِ سزا و جزاء ہے۔ اِنسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کی آرزو یا مرضی کے مطابق فکر و عمل اور اِرادہ و اِختیار کی آزادی بطور امانت ودیعت کی ہے۔ اگر وہ اس آزادی کا صحیح اِستعمال کرے گا تو جنّت میں جائے گا اور دُنیا میں حیاتِ طیّبہ بسر کرے گا۔ بخلاف اس کے ، اگر وہ اس آزادی کا اِستعمال غیر فطری طریقے سے کرے گا یا اعمالِ سُوء کرے گا تو وہ جہنّم میں جائے گا ، اور دُنیا میں بھی خوف و حُزن کی آگ میں جلتا رہے گا۔

قانونِ مُجازات اور قانونِ مُکافاتِ عمل میں ایک فرق بھی ہے ، جسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اعمالِ سُوء کی جزائے سُوء کے لیے قانونِ مُجازات آتا ہے۔ بخلاف اس کے ، قانونِ مُکافاتِ عمل ، اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سُوء دونوں کی جزاء و سزا کے لیے اِستعمال ہوتا ہے۔

۷ - حیاتِ خبیثہ : یہ ضد ہے حیاتِ طیّبہ کی۔ ناپاک و پلید اور خوف و غم سے آلودہ زندگی کے لیے ہم نے حیاتِ خبیثہ کی تعبیر اِختیار کی ہے۔ کافروں ، مُشرکوں ، مُنافقوں ، مُجرموں ، مُفسدوں ، متکبّروں ، ظالموں یا لوگوں کے اِنسانی حقوق غصب کرنے والوں کی زندگی خبیث ہوتی ہے ، اور یہ سب ستمگر سرشت اہلِ نار ہوتے ہیں۔

۸ - اِستعداد بِالقُوّۃ : قُدرت ہر بچّے میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کر کے بھیجتی ہے ، جن کی نشو و نما کر کے اور فعّال بنا کر اِنسان مادّی و معنوی ترقّی کر سکتا ہے۔ اِستعداد بِالقُوّۃ ایک اعتبار سے اِنسان کے اندر خُفتہ ہوتی ہے ، لیکن اُس میں بیدار و فعّال ہونے کی آرزو ہوتی ہے۔ اپنی زندگی کی تکمیل کرنے یا علم و فن کے کسی شُعبے میں کمال حاصل کرنے کے لیے اپنی اِستعداد یا اِستعدادوں کو قُوّت سے فعل میں لانا ناگزیر ہے۔ لیکن یہ کام سچّی آرزو چاہتا ہے اور آرزو سچّی بننے کے لیے تعلیم و تربیّت ، سعی و جُہد اور اِکتساب و مزاولت کی مقتضی ہوتی ہے۔

Marfat.com

۱۷- مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ
بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۸- صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۹- أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ
فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

۲۰- يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَإِذَآ أَظْلَمَ
عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۗ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
ع ۱۴ ۲ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

۱۷- ترجمہ

اُن (مُنافقوں) کی مثال اُس شخص ایسی ہے جِس نے (اپنی منزل کا راستہ دیکھنے کی خاطر) آگ جلائی۔ پھر جب اُس نے اِردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور اُنھیں اندھیروں میں (بھٹکنے کے لیے) چھوڑ دیا، اس حال میں کہ وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔

تفسیری ترجمہ

ان زیاں کار مُنکرینِ حق کی مثال اس بُھولے بھٹکے مسافر ایسی ہے جو کسی شبِ تاریک میں اپنی راہ و منزل دیکھنے کی خاطر آگ فروزاں کرتا ہے۔ جب وہ ماحول کی چیزوں کو روشن کر دیتی ہے تو اللہ (کا قانونِ مُجازات) اُن کی روشنی سلب کر لیتا ہے اور انھیں اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، مگر اس حال میں کہ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے، نہ راہ نہ منزل۔

۱۸- ترجمہ

وہ بہرے۔ گونگے۔ اندھے ہیں، (لہٰذا اپنے اِلٰہ و ربّ کی طرف) رجوع نہیں کریں گے۔

Marfat.com

تفسیری ترجمہ

نفاق کے سرطانی مرض سے حسّی قلبی نفسی نظام مُعطّل و ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مُنافقوں میں حُسن و حق کی باتیں سُننے کی نہ کہنے کی اور نہ تاریخی عمل کے نتائج و عواقب (Consequences and repercussions) کو دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھنے کی استعداد رہی رہتی ہے۔ اُن کے عقل و حواس سے کام نہ لینے کے نتیجے میں اُن میں صراطِ مُستقیم دیکھنے اور اس پر چلنے کا دماغ و خیال رہتا ہے نہ طلب و جستجو۔ لہٰذا وہ اِسلام یا اپنے اِلٰہ و ربّ کی طرف رجوع کریں تو کیوں اور کیسے؟

۱۹— ترجمہ

یا پھر اُن کی مثال بارش ایسی ہے، جو آسمان سے برس رہی ہو، اور اس میں کالی گھٹائیں، گرج یا کڑک (Thunder) اور بجلی (Lightning) ہوں اور کڑکوں کے خوف سے اُن کی جان نکلی جا رہی ہو اور وہ (موت کے خوف سے) کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں (تاکہ گھن گرج سے ان کی جان نہ نکل جائے)۔ اور اللہ کا قانونِ مُجازات مُنکرانِ حق کو محیط ہے۔

تفسیری ترجمہ

یا پھر ان زیاں پسند و زیاں کار اور آشفتہ سر و گمراہ مُنکرانِ حق کی مثال ایسی ہے جیسے مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور پیاسی مخلوقات کو سیراب کرنے والا پانی برس رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ بارانِ رحمت کے ساتھ کالی گھٹائیں بھی ہوتی ہیں اور رعد و برق بھی، جو زندگی و سیرابی کے آرزومندوں کے لیے نویدِ جانفزا ہوتی ہیں، لیکن جن مُردوں اور گمراہوں کو حیات و ہدایت کی آرزو نہیں ہوتی، اُن کے لیے بارانِ حیات بخش ایسی نعمت بھی بیکار ہوتی ہے، مگر اس کے لوازم۔ گرج اور خیرہ کُن چمک سے وہ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ ان کی قُوّتِ سامعہ چونکہ کڑکوں کی حریف نہیں ہو سکتی، لہٰذا وہ مارے ڈر کے کان بند کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ وہ کہیں بھی ہوں اور کچھ بھی کریں، ربِّ جلیل و جبّار کی گرفت میں ہوتے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے نفاق و اِنکارِ حق کی پاداش میں اُنھیں ہلاک کر سکتا ہے۔

۲۰— ترجمہ

قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) اُن کی آنکھوں (کی بینائی) کو اُچک لے جائے۔ جب کبھی بجلی ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اُس میں چل پڑتے ہیں، اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو اُن کے کانوں (کی سماعت) اور آنکھوں (کی بصارت) کو زائل کر دے۔ بلاشُبہ اللہ ہر چیز اور اس کے کرنے پر قُدرتِ کاملہ رکھنے والا ہے۔

Marfat.com

تفسیری ترجمہ

رعد و برق اور گھٹائیں بارانِ حیات بخش کے لوازم ہیں - حیاتِ طیّبہ کے آرزو مند تو ان سے نہیں ڈرتے - ڈرتے تو وہ ہیں جنھیں بارانِ رحمت کی آرزو نہیں ہوتی - لذّتِ عشق سے ناآشنا منافقوں کا ڈرنا فضول ہے، کیونکہ برق دم بھر میں ان کی بینائی کو زائل بھی کر سکتی ہے - پھر اُس کی روشنی رہ نوردانِ شوق کو اُن کی راہ و منزل دکھانے والی بھی ہوتی ہے - چنانچہ برق چمکتی ہے تو منافق اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیتے ہیں، لیکن وہ نہ چمکے اور گھپ اندھیرا چھا جائے تو ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں - ان کا یہ ڈرنا فضول ہے، کیونکہ اگر اللہ چاہے (تو اُن کے اِس کفرانِ نعمت کی پاداش میں) اُن کی سامعہ اور باصرہ دونوں کو چشم زدن میں ناکارہ بنا سکنے کی قدرتِ کاملہ رکھتا ہے - اصل یہ ہے کہ ہر شے اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے -

تفسیر

۱۷-۱۸- قدیم تاتاریوں کی قومی دُعا تھی : "یاربّ ! ہمیں "دوستوں" کے شرّ سے محفوظ رکھنا، دشمنوں کا مقابلہ ہم خود کر لیں گے" - دوستوں سے ان کی مُراد منافق ہیں جو دوست بن کر غیر متوقّع طور پر پیچھے سے وار کرتے ہیں اور یہ مُنافقت کی سرشت ہے - اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان و تقوٰی کو منافقوں کے خصائل سے آگاہ کرنے کی خاطر ان کو مختلف تمثیلی اسالیب سے بیان کرتا ہے -

مُنافق اپنی ریاکاری و عیّاری اور فریب کاری کے باوجود زیاں کار ہوتے ہیں اور گھاٹے کا سودا کرتے ہیں - وجہ یہ ہے کہ نفاق کے باعث ان کا حِسّی - قلبی - نفسی نظام غلط کار ہو کر اپنے فطری حُسن و نُور اور توازن سے محروم ہو جاتا ہے - زیرِ نظر آیۂ خیال افروز میں ربِّ علیم و حکیم نے مُنافقوں کے شِعارِ زندگی کو ایک حکمت آموز مثال سے واضح کیا ہے :

رات تاریک ہے اور مُسافر اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں - اُنھیں راہ سُجھائی دیتی ہے نہ منزل - اُن کی اس پریشانی و سرگردانی پر ترس کھا کر ایک مردِ رحیم ان کی رہنمائی کی خاطر آگ روشن کرتا ہے، لیکن خوگرِ ظُلمت اس روشنی سے اس طرح بِدکتے ہیں جیسے جنگلی وحوش آگ سے گریزاں و ترساں رہتے ہیں - اِس روشنی کی قدر کرنے اور اس میں اپنی راہِ راست پر چلنے اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بجائے انھیں روشنی سے گریزاں و ترساں دیکھ کر قُدرت اپنے قانونِ آرزو کی

Marfat.com

رُو سے ان کو روشنی سے محروم کر دیتی ہے۔ ان کے قلب اندھے ہو جاتے ہیں۔ وہ دیکھ سکتے نہ پہچان سکتے ہیں، اور نہ ہدایت و ضلالت، حق و باطل، حسنہ و سیئہ، سُود و زیاں اور فلاح و نامرادی میں امتیاز ہی کر سکتے ہیں۔

اِس مثال سے ان مُسلمانوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے حُسنِ کلامِ آخر کے نُور سے محروم ہیں، اس لیے کہ وہ اس سے گریزاں و ترساں رہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اندھیروں میں سرگرداں اور راہِ مُستقیم و منزلِ مقصود سے دُور ہیں، لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔

علاوہ بریں، حواس و قلب کے نُور سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ نتیجۃً وہ چوپایوں کی طرح نہ تو دوسروں کی سُن سکتے ہیں نہ اپنا مافی الضمیر ہی بیان کر سکتے ہیں۔ ان میں حق سُننے اور نہ حق کہنے کی صلاحیت ہی باقی رہتی ہے۔ علاوہ ازیں، وہ نہ راہِ مُستقیم کو پہچاننے اور نہ تاریخی عمل کی روش اور زندگی کے احوال و ظروف کو دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا اپنی حسین و سلیم فطرت کی طرف پلٹنے اور نہ فاطرِ ہستی کی طرف رجوع کرنے کی اُن میں طلب و جستجو ہی رہتی ہے۔

۱۹۔ مُنافقوں کی ایک مثال، جس سے آج کل کے خوگرِ نفاق مُسلمانوں کو بالخصوص عبرت حاصل کرنا چاہیے، نُور میں خارجی دُنیا کو روشن کرنے اور گرمانے کی اور باطنی یعنی حواس و قلب کی دُنیا کو منیر و زندہ اور فعّال و حرکی بنانے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ بارانِ رحمت بھی ربِّ رحمٰن کی گراں قدر نعمت ہے۔ اس میں ارضی مُردہ جرثوموں کو زندہ و بار آور کرنے اور برگ و بار کی تطہیر کرنے، نیز انسان کے جسم و جاں کو راحت و تسکین پہنچانے کی جانفزا تأثیر پائی جاتی ہے۔

بارانِ رحمت عموماً کالی گھٹاؤں کے ساتھ آتی ہے، جن میں گھن گرج (رعد) اور بجلی کی تیز روشنی (برق) بھی ہوتی ہے۔ اس حسین و جانفزا اور تسکین آفرین و راحت انگیز بارانِ رحمت سے زندگی اور طمانیتِ قلب و جاں اور کالی گھٹاؤں اور برق و رعد کے نظر افروز منظر سے جمالیاتی ثروت حاصل کرنے کے بجائے حُسن کور و مسلوب النُّور منافقین خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کو بارانِ رحمت سے اپنی مزرعِ حیات کا تزکیہ و اِحیاء کرنے کی طلب و جستجو ہوتی ہے نہ دماغ و خیال۔ اثرِ نفاق سے اُن کی نفسیاتی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اُن کی سامعہ آوازِ حق کی حریف نہیں ہو سکتی اور مارے خوفِ جاں کے وہ اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔ لیکن اِس طرح کی احمقانہ حرکت سے وہ قُدرت کے قانونِ مُجازات سے بچ نہیں سکتے، اس لیے کہ حیاتِ اِنسانی رہینِ قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔

Marfat.com

۲۰- اس سے ملتی جُلتی تیسری مثالِ مُنافقین

حُسنِ کلامِ الٰہی کی مثال ایٹم سے دی جاسکتی ہے جس میں جوہری توانائی ہوتی ہے، جو انسان کو روشنی و قوّتِ تسخیر بھی دیتی ہے اور اس میں قیامت خیزی کی اِستعداد بھی ودلیعت کی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم میں علم و حکمت کی بیشال دبے قیاس جوہری توانائی پائی جاتی ہے، جس سے اہلِ ایمان و آرزو اِستفادہ کرتے ہیں؛ لیکن یہی جوہری توانائی شپّر سرشت منافقین اور خوگرِ ظلمت مُنکرانِ حق کو باصرہ سوز برق معلوم ہوتی ہے۔ اندھیروں میں گم کردہ راہ مُسافروں کے لیے تیز روشنی بھی بہرحال غنیمت ہوتی ہے، وہ اس میں چلنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دو چار قدم چلنے کے بعد ان کی باصرہ برق آسا روشنی کی تاب نہیں لاسکتی اور وہ آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ اس طرح مُنافق نورِ حق سے اپنی آنکھیں بند کرکے اندھیروں میں گم سُم ہوکر رہ جاتے ہیں، اور اُن کے قدم رُک جاتے ہیں۔

ایسے شپّر سرشت منافقوں اور مُنکرانِ حق کو ان کی قدر ناشناسیِ نُورِ قُرآن اور آرزوئے ضلالت متقاضی تو اِس بات کی تھی کہ ان کو مسلوبُ البصیرت کردیا جاتا، لیکن قُدرتِ کاملہ رکھنے کے باوجود ربِّ رحمٰن کی رحمت ایسا نہیں کرتی اور انھیں مزید مہلت دیتی رہتی ہے تاکہ وہ تقوٰی اِختیار کریں اور انھیں گوشِ حق نیوش سے سُننا اور دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھنا آجائے۔

مُہلت تو بہرحال مُہلت ہی ہوتی ہے۔ اگر اس سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے تو اس کے گزرنے کے بعد قُدرت کا قانونِ مکافاتِ عمل حرکت میں آجاتا ہے اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن اس اصلِ عظیم کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ کُل اعمالِ حیات کا حساب تو بہرحال اِنسان کو بروزِ قیامت دینا ہوگا، جس کے لیے قُرآنِ مجید نے یومُ الدّین کی بصیرت افروز تعبیر اِختیار کی ہے۔

Marfat.com

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قُرآن

م ث ل (مثل)

مَثَلَ (مضارع) اور مصدر مُثُولٌ؛ اور مَثَلَ کے معنی ہیں: وہ سیدھا کھڑا ہوگیا، بَیْنَ یَدَیْہِ: اس کے سامنے (صحاح، محکم، قاموس وغیرہ) ۔ مَثَلَ الشَّیْءُ مُثُولًا کے معنی کسی چیز کا سیدھا کھڑا رہنا یا دوسری چیز کی شکل وصورت اِختیار کرلینا۔اسی سے حدیث میں ہے کہ: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّمْثُلَ لَہُ الرِّجَالُ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس کے سامنے سیدھے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (المفردات)۔

مِثْلٌ: کسی کے مانند، مشابہ یا برابر (قاموس وغیرہ): لین کے انگریزی ترجمے میں:

Alike; a similar person or thing; match; fellow; an analogue.

مِثَالٌ: انداز، اُسلوب، شکل وصورت، نمونہ جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے؛ قالب (Pattern) ۔ وہ مقدار جس کے مطابق کوئی چیز ماپی یا قطع کی جائے؛ اور Example (تاج، محیط اور لین) ۔ اَلْمُمَثَّلُ: وہ چیز جو کسی نمونے کے مطابق بنائی گئی ہو۔ اَلتِّمْثَالُ: تصویر، جمع تَمَاثِیْلُ۔ مجسّمے اور مورتی کو بھی کہتے ہیں۔ تَمَثَّلَ کَذَا: کسی کی شکل بن جانا یا روپ دھار لینا۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ (مریم ۱۹: ۱۷): تو اس نے اس کے سامنے راست قامت و حسین اِنسان کا روپ دھار لیا۔

اِمْتِثَالٌ مصدر ہے؛ اور اِمْتَثَلَ اَمْرَہٗ کے معنی ہیں: اُس نے اس کے اِرشاد یا حکم کی تعمیل کی؛ اُس نے ایسا کیا جیسا اُس کو کرنے کی تاکید کی گئی تھی؛ نیز وہ حکم بجالایا (اَلْمُغْرِب)۔

مُثْلَۃٌ: کسی کو ہلاک کرکے اس کے اعضاء کاٹنا اور اس کی شکل وصورت کو مسخ کردینا (تاج، صحاح وغیرہ)۔

اَلْمُثْلَۃُ اور اَلْمَثُلَۃُ، عبرتناک سزا یا تعزیر جس سے لوگ عبرت حاصل کریں۔ یہی معنی

Marfat.com

نِکَالٌ کے ہیں۔اس کی جمع مُثُلَاتٌ اور مَثُلَاتٌ آتی ہے (الرعد ۱۳ : ۶)۔

اَلْمَثَلُ : ایسی بات جو کسی دوسری بات سے ملتی جُلتی ہو، اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعے دوسری بات کا مطلب واضح ہو جاتا ہو، اور معاملے کی شکل سامنے آجاتی ہو (المفردات)۔چنانچہ قرآن حکیم نے اَمثال بیان کرنے کی غرض یہ بتائی ہے :

★ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الحشر ۵۹ : ۲۱) :
اور یہ مثالیں ہم بنی نوعِ اِنسان کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

مَثَلٌ اور مِثْلٌ دونوں ہم معنی ہیں، جیسے شَبَہٌ اور شِبْہٌ، اور نَقَضٌ و نِقْضٌ وغیرہ۔اور یہ دو طرح اِستعمال ہوتا ہے : ایک بمعنی وصف، جیسے اِرشاد ہوا :

★ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (الرعد ۱۳ : ۳۵) : جس جنّت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کے اوصاف یہ ہیں :

دوسرے، مشابہ کے معنی میں آتا ہے اور ہر قسم کی مشابہت کو شامل ہوتا ہے، یعنی عربی میں جو الفاظ بھی مشابہ کے معنی میں آتے ہیں، سب سے عام ہوتا ہے۔مثلاً نِدٌّ صرف اس مشابہ کو کہتے ہیں جو دوسرے کے ساتھ اس کے جوہر (Substance) میں شریک ہو، اور شِبْہٌ کا لفظ دوسرے کے ساتھ صرف کیفیت (Quality) کو ظاہر کرتا ہے؛ اور مساوی اسے کہتے ہیں جو صرف کمیّت (Quantity) میں دوسرے کے برابر ہو۔اسی طرح شَکْلٌ کا لفظ صرف اندازہ اور پیمائش کے لحاظ سے مشابہت پر بولا جاتا ہے، اِسی بناء پر اللہ تعالیٰ سے من کُل الوجود تشبیہ کی نفی کرنے کے لیے قرآن نے "مِثْل" کا لفظ اِستعمال کیا ہے چنانچہ فرمایا :

★ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۱) : اُس جیسی کوئی شے نہیں (نہ ذات اور نہ صفات میں)۔

جب کوئی چیز اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے مثل ہی نہیں تو پھر اس کے بارے میں مثالیں بیان کرنا روا نہیں، اس لیے اُس نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے :

★ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ (النحل ۱۶ : ۷۴) : لوگو! اللہ کے لیے مثالیں نہ گڑھو!
(Do not coin similitudes for Allah) ۔

اَلْاَمْثَلُ : اُس شخص کو کہتے ہیں جو نفوسِ فاضلہ (یا فاضل لوگوں) سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو اور اَقْرَبُ اِلَى الْخَيْرِ ہو، اور کنایہ کے طور پر برگزیدہ لوگوں کو اَمَاثِلُ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے (المفردات)۔ قرآن مجید میں ہے :

Marfat.com

★ وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۶۳) : اور تمھارے افضل و اعلیٰ مذہب یا طریقِ زندگی کو برباد کر ڈالیں۔

مَثَلَ کے معنی فَضَلَ کے بھی آتے ہیں (اقرب الموارد) : یعنی افزوں یا زیادہ ہوا، یا غالب آیا۔ اس اعتبار سے اَمْثَلُ کے معنی اَفْضَلُ اور اَغْلَبُ ہو گئے۔ اس کا مؤنث مُثْلیٰ ہے۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۰۴) : جب کہ اُس وقت ان میں سب سے اچھی راہِ زندگی یا مذہب والا (عاقل و دانا) کہے گا کہ نہیں بلکہ ایک ہی روز ٹھیرے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

★ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ص (البقرۃ ۲ : ۲۳) : پھر اس (قُرآن) کے مثل کوئی سُورت تصنیف کر کے دکھاؤ۔ یعنی ایسی سُورت جو اس کے تفسیری و اعجازی اندازِ بیاں، ایجاز بلاغت، حُسنِ الفاظ و معانی، آفاقی و ہمہ گیر معنویت کی حامل ہو۔

تاریخی عمل شاہد ہے کہ یہ چیلنج جو قُرآنِ مجید نے چودہ صدیاں پہلے اہلِ دُنیا کو دیا تھا، آج تک کسی قوم، فرد یا جماعت نے قبول نہیں کیا اور نہ کر ہی سکتی ہے ؛ وجہ یہ ہے کہ اِس الہامی کتاب کی طرح کوئی چیز تصنیف کرنا کسی بشر کے مقدور ہی میں نہیں (البقرۃ ۲ : ۲۴) -

وق د (وقد)

وَقَدَتِ النَّارُ (مضارع تَقِدُ، مصدر وُقُودٌ اور وَقُودٌ) : آگ لگ گئی ، روشن ہو گئی، آگ شعلے مارنے لگی، بھڑک اُٹھی (لِسان، مصباح، قاموس، سیبویہ، الزجاج) - وَقَدَ اور تَوَقَّدَ = وہ (چیز) روشن ہو گئی یا چمک اُٹھی۔ تَوَقَّدَ قَلْبُهُ : اس کے دل میں جذبے یا اشتیاق سے ہیجان پیدا ہو گیا (لسان العرب) -

اَوْقَدَ النَّارَ : اُس نے آگ جلائی یا روشن کی۔ مترادف اَقْرَبَهَا اور اَشْعَلَهَا : آگ کو شُعلہ زن کیا (بیضاوی، ۲ : ۱۶) - قُرآنِ مجید میں ہے :

★ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ (المائدۃ ۵ : ۶۴) : جب بھی یہ لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں تو اللہ اُسے بُجھا دیتا ہے۔

Marfat.com

وَقْدٌ : آگ (لسان، قاموس)۔ وَقُوْدٌ : جلانے کی لکڑی، ایندھن، اور آگ کے شعلے کو بھی وَقُوْدًا کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے :

★ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (البقرۃ ۲ : ۲۴) : پھر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے (نیز دیکھیے التحریم ۶۶ : ۶)۔

★ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۰) : اور یہ لوگ جہنم کی آگ کا ایندھن (FUEL) ہوں گے۔

مُوْقَدَۃٌ : جلائی ہوئی : نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَۃُ ۝ (الھمزۃ ۱۰۴ : ۶) : اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ۔

وَقَادٌ : چمک دمک (لسان)۔

★ مُوْقِدٌ اور مُسْتَوْقَدٌ اور مُوْقَدٌ : آتشکدہ، چولھا؛ جگہ جس میں آگ جلائی جائے (صحاح، لسان، مصباح، اساس)۔

★ وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ (الرعد ۱۳ : ۱۷) : اور جس چیز کو (زیور وغیرہ بنانے کے لیے) آگ میں تپاتے ہیں۔

★ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ (القصص ۲۸ : ۳۸) : ہامان! میرے لیے گارے کو آگ لگا کر اینٹیں پکا دو یا پختہ کر دو۔

ن و ر (نور)

نُوْرٌ : روشنی (LIGHT)، مترادف ضِیَآءٌ یا ضَوْءٌ اور اس کا نقیض ہے ظُلْمَۃٌ (صحاح، اساس، محکم)۔ روشنی کی شعاؤں کو بھی نُوْرٌ کہتے ہیں۔ زمخشری کے نزدیک ضِیَآءٌ (مترادف ضَوْءٌ) نُور سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ضِیَآءٌ جوہر (ESSENTIAL) اور نُوْرٌ عرض (ACCIDENTAL) ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آفتاب کے لیے ضِیَآءٌ اور چاند کے لیے نُوْرٌ کی اصطلاح استعمال کی ہے :

★ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا (یونس ۱۰ : ۵) : وہی تو ہے جس نے سورج کو تابناک اور چاند کو روشن بنایا ہے۔ (دیکھیے مادہ ض و ء)۔

نکتہ : ضیاء اور نور میں یہ فرق وہاں ہوگا جہاں ان الفاظ کو ایک دوسرے کے مقابل لایا

Marfat.com

جائے گا، جیساکہ محوّلۂ بالا آیۂ کریمہ میں لایا گیا ہے، ورنہ نُور کے معنی روشنی کے ہوں گے۔

نُوْرٌ کی جمع اَنْوَارٌ اور نِیْرَانٌ ہے (صحاح، مصباح، قاموس، محکم)۔ نُوْرَانِیَّۃٌ کا بھی وہی مفہوم ہے جو نُوْرٌ کا ہے۔ راغبؒ لکھتے ہیں :

اَلنُّوْرُ۔ وہ پھیلنے والی روشنی جو چیزوں کو دیکھنے میں مدد دیتی ہے، اور یہ دو قسم پر ہے : دُنیوی اور اُخروی۔ نُورِ دنیوی پھر دو قسم پر ہے۔ اوّلاً، معقول جس کا اِدراک بصیرت سے ہوتا ہے، یعنی اُمورِ الٰہیہ کی روشنی، جیسے عقل یا قرآن کی روشنی۔ ثانیاً محسوس، جس کا تعلق بصر یا بینائی سے ہے، جیسے چاند، تارے اور دیگر اجرامِ نیّرہ۔ چنانچہ نُورِ الٰہی سے متعلق فرمایا :

★ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدۃ ۵ : ۱۵) : بیشک اللہ کی طرف سے تمھارے پاس روشنی اور صاف صاف بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے۔

★ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ (الانعام ۶ : ۱۲۲) : اور اس کے لیے روشنی کر دی جس میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیسے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں گھرا ہوا اور ان سے ہرگز نکلنے والا نہ ہو۔

★ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (الزمر ۳۹ : ۲۲) : اب کیا وہ شخص جس کا سینہ (حسّی قلبی نفسی نظام) اللہ نے دینِ اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے رب کی ہدایت سے روشنی پر ہو۔

نُورِ اُخروی سے متعلق فرمایا :

★ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ (التحریم ۶۶ : ۸) : اُن کا نُور اُن کے آگے آگے اور داہنے جانب تیزی سے رواں دواں ہوگا۔ وہ دُعا کریں گے : اے ہمارے مُربّی و مالک ! ہمارے نُور کی ہمارے لیے تکمیل کر دے اور ہماری مغفرت فرما۔

اِس آیۂ بصیرت افروز میں نُور سے مُراد نُورِ قلبی ہے؛ جو اس دُنیا میں موضوعی انداز میں یا بصیرت بن کر راہ و منزل دکھاتا ہے اور آخرت میں معروضی صورت اختیار کرکے اہلِ ایمان و آرزو کو جنّت کی راہ دکھائے گا۔ لیکن یہ نُور وہاں موضوعی۔معروضی ہوگا۔

نُکتہ : نُورِ باطنی یا قلبی آخرت میں کچھ اس طرح معروضی شکل اختیار کرکے اہلِ ایمان و آرزو کے آگے اور دائیں جانب رواں دواں ہوگا، جیسے ہم کاروں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے اندر کی روشنی کو

Marfat.com

ان کے باہر چاروں طرف رواں دواں دیکھتے ہیں۔

یہ نُورِ باطنی یا قلبی کیا ہے؟ یہ اِنسان کے حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام کے حُسن و عشقِ اِلٰہی کی تب و تاب ہے۔ بالفاظِ دیگر، یہ ایمان و حُسنِ عمل،عقلِ سلیم و علمِ قُرآنی اور عشقِ اِلٰہی کا حاصل ہے،جسے بصیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِس تلمیذ القرآن نے اس کے لیے جمالیاتی شعور کی تعبیر اختیار کی ہے،جس کی نوعیت اِرتقائی ہے۔

اَلنُّوْرُ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے ہے۔ابن الأثیر کے مطابق اللہ اِسی معنی میں النُّور ہے کہ اس کی روشنی کے ذریعے قلب کا اندھا دیکھتا ہے؛ اور جس کی رہنمائی سے ایک غلط رو راہِ راست پر آجاتا ہے؛ یا وہ "الظاہر" (The Manifest) ہے،جس کی بدولت جُملہ اشیائے کائنات ظاہر و باہر ہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النُّور ۲۴ : ۳۵) : اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے۔ جیسے کہ فُلَانٌ غِیَاثُنَا کا مطلب ہے مُغِیْثُنَا (تاج)، یعنی فلاں ہمارا مددگار ہے، یعنی ہمارا مغیث ہے۔

ن ور (نار)

نُکتہ : نُور اور نار دونوں کا مادّہ ن ور ہے۔

اَلنَّارُ۔ اُس شعلے کو کہتے ہیں جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے (المفردات)۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ○ (الواقعہ ۵۶ : ۷۱) : کیا تُم نے غور کیا کہ جو آگ تم سُلگاتے یا جلاتے ہو؟

★ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا (البقرۃ ۲ : ۱۷) : ان کی مثال اُس شخص ایسی ہے جس نے (راستہ دیکھنے کی خاطر) آگ روشن کی۔

نار کا اِطلاق حرارت و تمازت اور آتشِ خوف و حُزن پر، نیز نارِ جہنّم پر بھی ہوتا ہے :

★ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ (الحج ۲۲ : ۷۲) : جہنّم کی آگ جس کا وعدہ (بطورِ اِنتباہ) اللہ نے کافروں سے کیا ہے۔

★ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرۃ ۲ : ۲۴) : تو (جہنّم کی) آگ سے بچو جس کا ایندھن اِنسان اور پتّھر ہوں گے۔

اِصطلاحِ قُرآنی میں نار سے دل کی آگ بھی مراد ہوتی ہے؛ یعنی خوف و حُزن کی آگ جو مُجرِموں کے

Marfat.com

دلوں کو محیط ہو جاتی ہے (کلیدِ لغاتِ قرآن) :

★ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (البقرۃ ۲ : ۲۰۱) : اے ہمارے پروردگار و مالک! ہمیں دُنیا میں بھی ہر حسین و سرور انگیز نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں جہنم کی، نیز خوف و حُزن کی آگ سے محفوظ رکھنا۔

★ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ○ (الھمزۃ ۱۰۴ : ۶-۷ بعد) : اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے یا اُن کو محیط ہو جاتی ہے۔

نار بمعنی نارِ حرب (جنگ کی آگ) بھی استعمال ہوتی ہے :

★ کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ (المآئدۃ ۵ : ۶۴) : جب کبھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اُسے بُجھا دیتا یا ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : بعض نے کہا ہے کہ نار اور نُور کی اصل ایک ہی ہے اور عام طور پر لازم ملزوم ہوتے ہیں لیکن نار کو حاجت مندوں کے لیے متاعِ دُنیوی قرار دیا ہے اور نُور کو متاعِ اُخروی۔ اسی لیے نُور سے متعلق اِقْتِبَاسٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے (المفردات)۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ (الحدید ۵۷ : ۱۳) : ہم بھی تمھارے نُور سے روشنی حاصل کریں۔

اَلنَّارُ کے معنی نشانی یا علامت کے بھی ہیں، اس لیے کہ عرب اپنے اونٹوں کو گرم لوہے سے داغ کر نشان (MARK) لگایا کرتے تھے (تاج)۔

نَارٌ میں نفرت اور وحشت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے : نَارَتِ الْمَرْاَۃُ تَنُوْرُ کے معنی ہیں : عورت کا مُتَنَفِّر اور مُتَوَحِّش ہونا۔ بَقَرَۃٌ نَوَارٌ : اس گائے کو کہتے ہیں جو نر سے مُتَنَفِّر ہو۔ مُنَاوَرَۃٌ : آپس میں گالی گلوچ کرنا؛ نیز نَائِرَۃٌ کے معنی ہیں : عداوت، بُغض اور حسد۔ وجہ یہ ہے کہ عداوت اور بغض و حسد دل کی آگ ہے۔ نَائِرَۃُ الْحَرْبِ سے مُراد جنگ کا شر اور ہیجان (تاج)۔ نَارُ الْحَرْبِ : اس آگ کو کہتے تھے، جسے عرب پہاڑ کی چوٹی پر جلاتے تھے، اور جس سے مُراد اعلانِ جنگ ہوتا تھا (رُوح المعانی)۔ نَارَ الْقَوْمُ کے معنی ہیں قوم نے شکست کھائی (صحاح، لسان)۔

ض و أ (ضوأ)

اَلضَّوْءُ کے معنی ہیں : نُور اور روشنی۔ ضَاءَتِ النَّارُ وَ اَضَاءَتْ : آگ روشن ہو گئی۔ اَضَاءَتْ (افعال) کے معنی روشن کرنا بھی آتے ہیں (المفردات)۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

Marfat.com

★ فَلَمَّآ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ (البقرۃ ۲ : ۱۷) : جب آگ نے ان کے اِردگرد کی چیزیں روشن کر دیں۔

★ يَكَادُ زَيۡتُهَا يُضِيۡٓءُ (النُّور ۲۴ : ۳۵) : تو اس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہے (GLOWS FORTH) (چاہے اُسے آگ چھوئے بھی نہ)۔

★ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ (القصص ۲۸ : ۷۱) : جو تمھارے لیے روشنی لائے۔

زمخشری نے لکھا ہے کہ ضَوۡءٌ کا لفظ نُوۡرٌ سے زیادہ شدّت اور قوّت رکھتا ہے؛ نیز ضَوۡءٌ کسی کی ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نُوۡرٌ اس روشنی کو جو دوسرے سے اِکتساب کی گئی ہو (اساس)۔ غالباً اِسی بناء پر شَمۡسٌ کو ضِیَاءٌ اور قَمَرٌ کو نُوۡرٌ کہا گیا ہے :

★ هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا (یُونس ۱۰ : ۵) : وہی تو ہے جس نے سُورج کو تابناک اور چاند کو روشن بنایا۔

لیکن قُرآنِ مجید نے ان دونوں الفاظ کو مترادفات کے طور پر بھی اِستعمال کیا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر تورات کو نُوۡرٌ کہا گیا ہے (المائدۃ ۵ : ۴۴)، اور دوسری جگہ ضِیَآءٌ (الانبیآء ۲۱ : ۴۸)۔

ح و ل (حول)

حَالَ (مضارع يَحُوۡلُ، مصدر حَوۡلٌ اور حُؤُوۡلٌ) اور (حَوَلَانٌ) : وہ (چیز) بدل گئی، متغیّر یا تبدیل ہوگئی؛ اپنی حالت یا فطری حالت یا کیفیّت، حال یا ساخت کے لحاظ سے (صحاح، مصباح، قاموس، المفردات وغیرہ)۔

اَلۡحَوۡلُ (ن) اس کے اصل معنی کسی چیز کے متغیّر ہونے اور دوسری چیزوں سے الگ ہو جانے کے ہیں۔

اِسۡتَحَالَ کے معنی ہیں : تغیّر پذیر ہونے کے لیے مُستعد ہونا اور معنیِ انفعال کے اعتبار سے حَالَ بَيۡنِيۡ وَ بَيۡنَكَ كَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے؛ یعنی میرے اور اس کے درمیان فلاں چیز حائل ہوگئی ؛ اور آیۂ جلیلہ :

★ اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ (الانفال ۸ : ۲۴) : یہ کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

میں اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقلِّبُ القُلُوب ہونے کی طرف اِشارہ ہے؛ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق اِنسان کے دل میں ایسی بات ڈال دیتا ہے جو اُسے اُس کے مقصد سے پھیر دیتی ہے۔ اسی معنی میں فرمایا :

★ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ (سبا ۳۴ : ۵۴) : اور ان کے اور ان کی خواہش کی چیزوں کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا (یعنی معروضاتِ خواہش (OBJECTS OF DESIRE) سے محروم کردیے گئے)۔

حَوَّلْتُ الشَّيْءَ : کسی چیز کو متغیّر کرنا اور پھیر دینا؛ اور یہ تغیّر کبھی باعتبارِ ذات کے ہوتا ہے اور کبھی باعتبارِ حکم اور قول کے۔ اِسی بناء پر کہا ہے :

اَحَلْتُ عَلٰی فُلَانٍ بِالدَّيْنِ : میں نے فُلاں کے قرض کو بدل دیا۔

حَوَّلْتُ الْكِتَابَ : میں نے کتاب کو نقل کیا۔ مثل مشہور ہے : لَوْ كَانَ ذَا حِيلَةٍ لَتَحَوَّلَ : اگر وہ صاحبِ تدبیر ہوتا تو پھر جاتا۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (الکہف ۱۸ : ۱۰۸) : اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں سے نقلِ مکانی نہیں چاہیں گے۔ اس میں حِوَلًا کے معنی تَحَوُّلَ یعنی پھرنے کے ہیں۔

اَلْحَوْلُ سال کو کہتے ہیں کہ سُورج سال بھر میں اپنی گردش پوری کرلیتا ہے۔ قُرآنِ حکیم میں ہے :

★ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرۃ ۲ : ۲۳۳) : اور مائیں اپنے بچّوں کو پورے دو سال اپنا دودھ پلائیں (SUCKLE)۔

اسی سے "حَالَتِ السَّنَةُ تَحُوْلُ" کا محاورہ ہے، جس کے معنی سال کے گزر جانے کے ہیں۔

حَالَتِ الدَّارُ : گھر کی حالت متغیّر ہوگئی۔

اَلْحَالُ : اِنسان وغیرہ کی وہ حالت جو نفس، جسم اور مال کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے؛ اور حَوْلٌ کا لفظ مالی، نفسانی یا قلبی اور جسمانی تینوں قسم کی قُوّت پر بولا جاتا ہے۔ اِسی سے کہا جاتا ہے :

★ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ : کوئی حِیلہ، تدبیر اور قُوّت نہیں اللہ (کی تدبیر و حکمت) کے سوا (المفردات)۔

حَوَالُ الدَّهْرِ : زمانے کے تغیّرات کو کہتے ہیں۔ علاوہ بریں، اَلْحَالُ : زمانۂ حاضر کو بھی کہتے ہیں۔

حَوَلٌ کے معنی ہیں بھینگا ہونا؛ اس لیے کہ اس میں آنکھ اپنی اصل حالت پر نہیں ہوتی۔

حِوَلٌ : زوال یا انتقال (تاج، اقرب الموارد)۔ ابن فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی ہیں :

Marfat.com

دورانِ حرکت (المجمل)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: اَلحِیلَۃُ وَ الحُوَیلَۃُ: اس تدبیر کو کہتے ہیں جس سے کسی معاملے یا بات تک پوشیدہ طور سے پہنچا جا سکے۔ عام طور پر اس کا استعمال بُری تدبیر کے لیے ہوتا ہے، لیکن کبھی ایسی تدبیر کے متعلق بھی ہوتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کے وصف میں ہے:

★ وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ○ (الرعد ۱۳: ۱۳): اور وہ اپنی تدبیر و حکمت میں بڑا ہی زبردست ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کام کو خفیہ تدبیر سے سرانجام دیتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کو مکر و کید کے ساتھ متصف کیا گیا ہے۔

مُحَالٌ کے معنی ہیں دو متناقض چیزوں کا ایک جگہ جمع ہو جانا (جو ناممکن ہے)؛ نیز باطل اور اپنی صحیح جہت سے ہٹا ہوا۔

حَوْلَۃٌ کے معنی قوّت، غلبہ، اِقتدار اور تصرّف کے بھی ہیں؛ نیز گھوڑے کی پُشت پر جم کر بیٹھ جانے کو بھی کہتے ہیں۔ اپنی پیٹھ پر جو گٹھری یا بوری وغیرہ اُٹھائی جائے اُسے بھی حَالٌ کہتے ہیں۔ حَوِیلٌ کے معنی ہیں: گواہ، شاہد، نیز کفیل۔

اَلْحَالُ: لُغت میں اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی چیز موصوف ہوتی ہے۔ اہلِ منطق کی اِصطلاح میں سریعُ الزّوال کیفیت کو "حالت" سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ جیسے حرارت، برودت، یبوست اور رطوبت جو کسی چیز کو عارض ہوتی ہیں (المفردات)۔

ذ ہ ب (ذھب)

ذَهَبَ (مضارع اور ذَهَابٌ اور ذِهَابٌ اور ذُهُوبٌ اور مَذْهَبٌ): وہ (آدمی یا حیوان) چلا گیا، گزر گیا، سفر پر گیا (صحاح، اساس، قاموس وغیرہ)۔ مترادف مَشَیٰ یا سَارَ یا مَرَّ (اساس، صحاح، قاموس)۔ لین لکھتا ہے: اِسی بِناء پر اس کے معنی ہیں: وہ چیز ضائع یا تلف ہو گئی، ختم ہو گئی، تباہ ہو گئی، خرچ ہو گئی۔

ذَهَبَ اِلَیْهِ: وہ اس کی طرف چلا گیا یا روانہ ہوا (تاج)۔ عرب کہتے ہیں: ذَهَبَ الشَّامَ: وہ شام (SYRIA) چلا گیا۔ ذَهَبَ عَنْهُ: وہ اُسے چھوڑ کر چلا گیا، یا اس سے علیحدہ ہو گیا۔

(He, or it, went from, quitted, relinquished or left, him or it.)

Marfat.com

ذَھَبَ بِہٖ : لے جانا۔ ذَھَبَ عَلَیَّ کَذَا : میں فلاں بات کو بھول گیا۔ اگر ذَھَبَ کے ساتھ عَنْ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھوڑ دینا، علیحدہ ہو جانا؛ اور اس کے ساتھ اِلیٰ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں متوجہ یا مُلتفت ہونا (صحاح، تاج، قاموس)۔ اَذْھَبَہٗ : اُسے زائل، دُور کر دیا یا ختم کر دیا۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَذْھَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا (الاحقاف ۴۶ : ۲۰) : تم اپنی لذت انگیز چیزیں دُنیوی زندگی میں ختم کر چکے ہو۔

بعض نے لکھا ہے کہ ذَھَبَ بِہٖ کے معنی ہیں اُسے اپنے ساتھ لے گیا، یعنی خود بھی اس کے ساتھ چلا گیا (کشّاف، محیط)۔ لیکن قرآنِ مجید نے اِسے صرف لے جانے یا زائل کر دینے کے معنی میں استعمال کیا ہے :

★ ذَھَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِھِمْ (البقرۃ ۲ : ۱۷) : اللہ اُن کی روشنی لے گیا، یعنی ان کی روشنی زائل کر دی۔

اَلْمَذْھَبُ : جانا، جانے کی جگہ، راستہ، طریقہ، نظریہ یا عقیدہ جس کی طرف کسی شخص یا جماعت کا میلان ہو؛ نیز بیت الخلاء (Privy) کو بھی کہتے ہیں (تاج)۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے مکتبِ فکر (School of thought)

اَلذَّھَبُ : سونا۔ اسے ذَھَبَۃٌ بھی کہتے ہیں۔ رَجُلٌ ذَھِبٌ : جو شخص کان کے اندر زیادہ سونا دیکھ کر ششدر رہ جائے۔ شَیْءٌ مُّذَھَّبٌ : اس چیز کو کہتے ہیں جس پر سونے کا ملمع کیا گیا ہو یا سونے کا پترہ چڑھایا گیا ہو (المفردات)۔ مترادف : تِبْرٌ ہے، لیکن دونوں میں فرق کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سونے کو تِبْرٌ کہتے ہیں جو ابھی کان کے اندر ہو اور اسے گلا کر صاف نہ کیا گیا ہو۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں : چلے جانا اور حُسن و نظر افروزی (المجمل)۔ اَلذِّھْبَۃُ : پھوار یا ہلکی بارش، نیز سخاوت کو کہتے ہیں (تاج، صحاح، مصباح)۔

اَلذَّھَابُ کے معنی ہیں، چلے جانا۔ ذَھَبَ بِالشَّیْءِ وَاَذْھَبَہٗ : لے جانا۔ یہ اعیان اور معانی دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے :-

★ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۹۹) : میں اپنے مربّی کی طرف جانے والا ہوں؛ وہ مجھے راہِ راست دکھائے گا۔

★ فَلَمَّا ذَھَبَ عَنْ اِبْرٰھِیْمَ الرَّوْعُ (ھُود ۱۱ : ۷۴) : پھر جب (حضرت) ابراہیمؑ سے خوف جاتا رہا (AWE DEPARTED)۔

★ فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر ۳۵ : ۸) : پس ان کے غم کے مارے آپ کا دم

Marfat.com

نہ نکل جائے۔

★ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۝ (ابراهیم ۱۴ : ۱۹) : اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے (تمھیں نابود کر دے) اور (تمھاری جگہ) نئی مخلوق (Creation) لے آئے۔

★ وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ (فاطر ۳۵ : ۳۴) : اور وہ کہیں گے : ثنائے جمیل اور شکر و سپاس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم و اندوہ کو دُور کر دیا۔

★ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ (الاحزاب ۳۳ : ۳۳) : اے نبیؐ کے اہلِ خانہ! بیشک اللہ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست کو دُور کر دے۔

★ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ (الانفال ۸ : ۴۶) : اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا؛ ایسا کرو گے تو تمھارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

★ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ (هود ۱۱ : ۱۰) : تو کہتا ہے کہ مجھ سے سب غم انگیز مصائب دُور ہو گئے۔

ت ر ك (ترك)

تَرَكَهٗ (مضارع اور مصدر تَرۡكٌ اور تِرۡكَانٌ) : اُس نے اُسے چھوڑ دیا، اُسے ہٹا دیا یا پھینک دیا (صحاح، مُحکم، مصباح، قاموس)۔ راغب اصفہانیؒ کے نزدیک اِرادۃً چھوڑنا ہو، خواہ مجبوراً۔ چنانچہ اِرادی و اختیاری طور پر چھوڑنے کے متعلق فرمایا :

★ وَ اتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ (الدخان ۴۴ : ۲۴) : اور دریا کو خشک پھٹا ہوا چھوڑ دے۔

★ وَ تَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ يَّمُوۡجُ فِىۡ بَعۡضٍ (الکہف ۱۸ : ۹۹) : اُس روز ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ (سمندر کی موجوں کی طرح) ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو جائیں (Seurge against)۔

اور بحالتِ مجبوری چھوڑنے سے متعلق فرمایا :

★ كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۝ (الدُّخان ۴۴ : ۲۵) : وُہ بہت سے باغات اور چشمے پیچھے چھوڑ گئے۔

اسی سے میراث کے مال کو "تَرۡكَة" کہتے ہیں؛ نیز کبھی ہر عمل کے متعلق جو کسی حالت پر منتہی ہو۔

Marfat.com

تَرَکْتُهُ کَذَا یا اس کے ہم معنی جَعَلْتُهُ کا محاورہ اِستعمال کرلیتے ہیں۔جیسے تَرَکْتُ فُلَانًا وَحِیْدًا: میں نے اُسے اکیلا کر کے چھوڑ دیا۔

التَّرِیْکَۃُ کے اصل معنی جنگل میں پڑے ہوئے انڈے کے ہیں ؛ اور مجازاً لوہے کے خود کو بھی تَرِیْکَۃٌ کہتے ہیں ؛ جیساکہ اس پر بَیْضَۃ کا لفظ بولا جاتا ہے (المفردات)۔

تَرَكَ کو جَعَلَ کے معنی میں بھی اِستعمال کرتے ہیں۔اس کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو ایسا کر دیا ؛ نیز اس کے معنی کسی سلسلے کو باقی رکھنے (دوام عطا کر دینے) کے بھی ہوتے ہیں (تاج، محیط)، مثلاً :

★ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۷۸) : ہم نے ان کا تذکرہ آئندہ آنے والی نسلوں میں باقی رکھا (انھیں دوام بخش دیا)۔

مَتْرُوْكٌ : ترک کیا ہوا، غیر مروّج (Forsaken, obsolete) (لین)۔

ظ ل م (ظلم)

ظَلَمَ (مُضارع اور مصدر ظَلْمٌ یا ظُلْمٌ) بحالتِ لازم اس کے معنی عموماً یہ ہوتے ہیں : اُس نے جُرم و گناہ کیا ؛ یا غلط، ناروا، غیر مُنصفانہ، مُفسدانہ، مضرت رساں یا ظالمانہ کام کیا ؛ اور بحالتِ متعدّی : اُس نے تعدّی یا زیادتی کی ؛ یا ناروا یا بُرا سلوک کیا ؛ یا تکلیف دِہ یا غیر منصفانہ رویّہ اِختیار کیا ؛ یا غلط اِستعمال کیا (مُحکم، مصباح، قاموس)۔

راغب اصفہانیؒ کہتے ہیں : اَلظُّلْمُ : اہلِ لُغت اور اکثر عُلماء کے نزدیک ظُلم کے معنی ہیں کسی چیز کو اُس کے اصل یا مخصوص مقام پر نہ رکھنا، خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اُسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔اسی سے ظَلَمْتُ السِّقَاءَ کا محاورہ ہے، جس کے معنی ہیں مشکیزہ میں دُودھ جمنے کے لیے رکھا اور دہی بننے سے پہلے ہی پی لیا، اور ایسے دودھ کو ظَلِیْمٌ کہتے ہیں۔ ظَلَمْتُ الْاَرْضَ : میں نے زمین کو ایسے مقام سے کھودا جہاں سے کھودنا نہیں چاہیے تھا۔اِس قسم کی زمین کو مَظْلُوْمَۃٌ کہا جاتا ہے ؛ اور اسے کھود کر جو مٹی نکالی جاتی ہے اُسے ظَلِیْمٌ کہتے ہیں۔

اَلظُّلْمُ کا لفظ "حق" سے تجاوز پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کسی کو اس کا حق یا حصّہ نہ دینا یا کم دینا ؛ بنیادی حقوق کو کُلّی یا جزوی طور پر غصب کرلینا ؛ کسی اور کی ملکیت میں بیجا تصرّف کرنا، حدّ سے تجاوز کرنا (کلیدِ لُغاتِ قُرآن) ؛ حق کی مثال دائرے میں مرکزی نقطے کی ہوتی ہے ؛ اور ظُلم کا اطلاق چونکہ ہر قسم کے

Marfat.com

تجاوز پر ہوتا ہے، خواہ وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اسی بناء پر ایک طرف تو ابلیس کو ظالم کہا گیا ہے اور دوسری طرف آدم کو اس کی غلطی کی بناء پر ظالم کہہ دیا گیا ہے، گو دونوں کے ظالم ہونے پر بہت بڑا فرق ہے (المفردات، نیز دیکھیے منتہی الادب، تاج، محکم)۔

ابن فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی ہیں: تاریکی، حدّ سے تجاوز کر کے کسی چیز کو بے جگہ رکھ دینا۔ مَظْلِمَۃٌ اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی زبردستی دوسرے سے چھین کر لے جائے۔ الظَّالِمُ (جمع الظَّالِمُوْنَ، الظَّالِمِیْنَ، اَلظَّلَمَۃُ) ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دوسروں کے حقوق غصب کرنے والے ہوں (لسان، صحاح)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: بعض حُکماء نے کہا ہے کہ ظُلم تین قسم کا ہے:

اوّل، وہ ظُلم جو اِنسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ اِس کی سب سے بڑی قسم کُفر، شِرک اور نفاق ہے:

★ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمٰن ۳۱ : ۱۳): بلاشُبہ شِرک، یعنی غیر اللہ کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات، صفاتِ اُلوہیت و رُبُوبیت، حاکمیت، احکام یا امورِ خدائی میں قولاً یا فعلاً شریک ماننا یا سمجھنا اِنتہائی قسم کی دھاندلی، زیادتی، جھوٹ اور جُرم و گناہ ہے۔

★ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ○

(ھود ۱۱ : ۱۸):

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم یا مُجرم و گناہگار اور کون ہوگا جو اللہ کے بارے میں جھوٹی باتیں اِختراع کرے۔ ایسے لوگ اپنے پروردگار و آقا کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ کان کھول کر سُن لو کہ ظالموں یا مُشرکوں پر اللہ کی پھٹکار ہے (یعنی مُشرک ملعون و مغضوب ہیں)۔

ظُلم کی دوسری قسم یہ ہے کہ اِنسان دُوسرے اِنسان یا اِنسانوں پر ظُلم کرے۔

★ وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الشّوریٰ ۴۲ : ۴۰): اور کسی کو ضرر پہنچانے کا بدلہ مُضرت رسانی کے برابر (مقرر کیا گیا) ہے؛ پھر جو کوئی معاف کر دے اور معاملہ درست کر دے تو اس کا صِلہ دینا اللہ کے ذِمّے ہے۔ بلاشُبہ وہ زیادتی کرنے اور ضرر پہنچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

Marfat.com

★ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ (الشّورٰی ۴۲ : ۴۲) : اِلزام تو صرف اُن لوگوں پر ہے جو بنی نوعِ اِنسان کے حقوق غصب کرتے اور اُن کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

تیسری قسم کا ظُلم وہ ہے جو اِنسان اپنے نفس پر کرتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا :

★ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (فاطر ۳۵ : ۳۲) : تو ان میں بعض اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ہیں؛ یعنی ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔

★ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ (القصص ۲۸ : ۱۶) : میرے ربّ! میں نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔

★ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (البقرۃ ۲ : ۲۳۱) : اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

یہ تینوں قسم کا ظُلم درحقیقت ظُلم عَلَی النَّفْس ہی ہے، اس لیے کہ جب اِنسان کسی پر ظُلم کرنے کا اِرادہ کرتا ہے تو وہ پہلے دراصل اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ اِس بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ ظالم اپنے ظُلم کی اِبتداء ہمیشہ اپنی ذات سے کرتا ہے (المفردات)۔ چنانچہ اِس بناء پر متعدد مقامات پر فرمایا :

★ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۳۳) : اور اللہ نے اُن کے ساتھ ناانصافی نہیں کی، بلکہ انھوں نے خود اپنے نفسوں پر زیادتی کی (یعنی اُن کو رہینِ خوف وحُزن اور اہلِ نار بنایا)۔

تَظْلِمُ کو قُرآنِ مجید نے تَنْقُصُ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا ہے :

★ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْئًا (الکہف ۱۸ : ۳۳) : اور اس کی پیداوار میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی۔

ظُلْمَةٌ اور ظُلُمَةٌ : تاریکی یا اندھیرا (اس کا نقیض نُوْرٌ ہے) یا فُقدانِ روشنی یا روشنی کا جاتے رہنا (تہذیب، صِحاح، مُحکم، المفردات)۔ ظُلْمَةٌ کی جمع ہے ظُلَمٌ اور ظُلُمَاتٌ اور ظُلَمَاتٌ اور ظُلْمَاتٌ (تہذیب، تاج، مصباح)۔

ظَلَامٌ (کی جمع نہیں آتی) کے معنی ہیں : رات کا پہلا حصّہ۔ سِیْبَوَیہ کے مطابق اسے بصورتِ فعل (Adverbially) اِستعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے : اَتَیْتُهٗ ظَلَامًا : میں اس کے پاس رات کو آیا؛ اور مَعَ الظَّلَامِ : رات کے وقت۔

ظُلْمَةٌ کو مجازی طور پر جہل، نادانی؛ اور عقیدۂ ثنویت، حدود شکنی، غُلُوّ، ناراستی کے معنے میں اِستعمال کیا جاتا ہے (تاج)۔

Marfat.com

اساس میں ہے کہ اَلظُّلْمُ تو ظُلْمَۃٌ ہے، جیسے اَلْعَدْلُ نُوْرٌ ہے۔
ظُلُمَاتُ الْبَحْرِ کے معنی ہیں : سمندر کی تکالیف، آفات، دُشواریاں یا مصائب (تاج)۔
لَیْلَۃٌ ظُلْمَۃٌ اور لَیْلَۃٌ ظُلْمَاءُ کے معنی ہیں : بہت اندھیری رات، شبِ یلدا۔
ظَلَّامٌ اور ظِلِّیْمٌ (اور ظَلُوْمٌ کو مُحکم اور قاموس میں ظَالِمٌ کا مترادف بتایا گیا ہے لیکن یہ مُبالغہ کا صیغہ ہے) کے معنی ہیں : وہ شخص جو غیر منصفانہ، ناروا، مضرت رساں یا ظالمانہ کام کرتا ہے، یا جور وجفا کرتا ہے (صحاح، تاج) ; جیسے کَثِیْرُ الظُّلْمِ۔
مَظْلُوْمٌ : جس کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی کی گئی ہو، جس پر ظلم یا جور وجفا کیا گیا ہو، جس کا حق مارا گیا ہو، جسے نقصان پہنچایا گیا ہو — اَرْضٌ مَظْلُوْمَۃٌ : زمین کو ایسی جگہ سے کھودنا جہاں سے کھودنا مناسب یا موزوں نہ ہو (اساس، تاج) یا سخت زمین ; نیز ایسی زمین جس پر بارش نہ ہوئی ہو (حماسہ، ص ۵۶) - بَلَدٌ مَظْلُوْمٌ : وہ سرزمین جس میں بارش نہ ہوئی ہو اور اس میں اُونٹوں کے چرنے کے لیے چراگاہ یا گھاس نہ ہو (تاج)۔
ظَالِمُوْن قرآنِ مجید کی ازبس اہم مُصطلحات میں سے ہے اور حسبِ دستور اُس نے اس کی خود ہی تفسیر بھی کر دی ہے :

★ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۲۲۹) : جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں (Transgress) یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو وہی ظالم ہیں۔

حدود اللہ کی اصطلاحِ قرآنی، حُقوقُ اللہ اور حُقوقُ العباد (بنی نوعِ انسان کے حُقوق) کی تعیّنات پر دلالت کرتی ہے۔ اور جو شخص ان سے تجاوز کرتا ہے وہ ظُلم کرتا ہے ; یعنی شرک یا اکابر پرستی کرتا ہے لیکن اللہ کی طاعت وبندگی نہیں کرتا اور نہ اس کی حاکمیّتِ مُطلقہ کو عملاً تسلیم ہی کرتا ہے - نیز وہ لوگوں کے بنیادی اور عام حُقوق کو غصب کرتا، اُن کے ساتھ زیادتی وناانصافی اور اُن پر جور وجفا کرتا، اور انھیں گزند پہنچاتا ہے ظُلم عبارت ہے حدود شکنی سے اور اس سے حیاتِ اجتماعیہ اپنے حُسن وتوازن سے محروم ہو جاتی ہے، اس لیے اُسے سُوْءٌ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی ضد حُسْنًا ہے :

★ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (النمل ۲۷ : ۱۱) : ہاں جس نے ظُلم کیا، پھر اس نے بدی کو حسنہ سے بدل دیا تو بیشک میں بڑا ہی معاف کرنے — بخشنے والا ہوں۔
ربُّ العالمین نے اپنی ساری نعمتیں اپنے جُملہ جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کے لیے پیدا کی ہیں، انھیں

Marfat.com

اُن کے حق کے مطابق نہ دینا یا ان کے حقوق کو غصب کر لینا عبارت ہے ظلم سے - اِس اصلِ عظیم کو قرآنِ مجید نے اپنے اعجاز سے اس طرح بیان کیا ہے :

★ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (ابراهیم ۱۴ : ۳۴) :

(اے بنی نوعِ اِنسان !) جو کچھ تُم نے اس سے مانگا ، وہ سب کچھ تمھیں عطا کر دیا - اور اگر تُم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے - بلاشُبہ اِنسان لوگوں کا حق مارنے والا — نعمتوں کو چھپانے والا ہے -

ظُلم کی اِنتہائی مُہلک سرطانی قسم شرک ہے جو ناقابلِ عفو جُرم و گناہِ کبیرہ ہے :

★ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

(الانعام ۶ : ۸۲) : جو لوگ اِیمان لائے اور انھوں نے اپنے اِیمان کو شرک سے ڈھانپ نہیں دیا تو انھیں کے لیے (راہِ) امن (اور اِطمینانِ قلب) ہے اور وہی حسین و فطری راہِ راست پر ہیں -

ص م م (صمم)

اَلصَّمَمُ کے معنی ہیں : سامعہ کا ضائع ہو جانا ، کان کا بند ہو جانا - سماعت کا جاتے رہنا - مجازاً اس کے ساتھ ہر وہ شخص متّصف ہے جو حق کی آواز نہ سُنے اور نہ اُسے قبول ہی کرے بلکہ اپنی مرضی کرتا جائے (المفردات ، محیط) -

اَلْاَصَمُّ بہرے کو کہتے ہیں - اس کی جمع صُمٌّ آتی ہے ؛ نیز ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو کسی کی حق بات نہ سُنے اور جس سے یہ توقع نہ رہے کہ اُسے اس کی خواہشات سے باز رکھا جائے گا (تاج) -

قرآنِ مجید میں ہے :

★ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ (البقرۃ ۲ : ۱۸) : یہ بہرے ، گونگے اور اندھے ہیں -

اَصَمَّ کے معنی ہیں : بہرہ کر دینا : فَاَصَمَّهُمْ (مُحمّد ۴۷ : ۲۳) : ان کو بہرہ بنا دیا -

قرآنِ حکیم نے ہمیں اس حقیقتِ کُبریٰ سے آگاہ کیا ہے کہ جو لوگ حق سُننے سے کان اور حق کہنے سے زبان بند کر لیتے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے وہ حیاتیاتی مخلوقات میں بدترین ہیں :

★ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (الانفال ۸ : ۲۲) :

Marfat.com

بلاشبہ اللہ کے نزدیک حیاتیاتی مخلوقات میں بدترین وہ (انسان) ہیں جو بہرے — گونگے ہیں، جو عقل سے کام نہیں لیتے (اس لیے کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں) ۔

اِس اصلِ عظیم کی صراحت قرآنِ مجید حسبِ دستور ایک خیال افروز و عبرت آموز مثال کے ذریعے کرتا ہے :

★ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (هُود ۱۱ : ۲۴) :

ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک تو اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا بینا (SEER) اور سُننے والا ہو۔ کیا دونوں کا حال ایک جیسا ہو سکتا ہے ؟ کیا تم اس سے سبق نہیں سیکھتے ؟

قرآنِ حکیم نے عِبَادُ الرَّحْمٰن کی ایک خصلت یہ بتائی ہے کہ

★ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۷۳) : اور جب انھیں ان کے رب کی آیات (تعلیمات واحکام اور شیئون) کے ذریعے پند و نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن پر بہروں اور اندھوں کی طرح ٹوٹ نہیں پڑتے (بلکہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں) ۔

قرآنِ حکیم مختلف اسالیب میں ہمیں اِس شُدنی سے مُتنبّہ کرتا ہے کہ جو لوگ اس دُنیا میں اپنے حواس و عقل سے کام نہیں لیتے اور بے عقل بہرے، گونگے اور اندھے حیوانوں کی طرح زندگی گزار کر مر جاتے ہیں، انھیں قیامت کے روز دوبارہ زندہ کر کے ایسی ہی حالت میں مُنہ کے بل گھسیٹ کر جہنّم میں لے جایا جائے گا (الاسراء ۱۷ : ۹۷) :

تشبیہ کے طور پر ہر اُس چیز کو صَمَمٌ کے ساتھ متّصف کیا جاتا ہے جس کی آواز سُنائی نہ دے۔ چنانچہ محاورہ ہے : صُمَّتْ حَصَاةٌ بِدَمٍ : خون اتنا زیادہ اور گاڑھا ہے کہ اگر اس میں کنکر پھینکا جائے تو اس کی حرکت سنائی نہ دے۔ ضَرْبَةٌ صَمَّاءُ : ایسی مہلک ضرب جس کے بعد مضروب کی آواز سُنائی نہ دے۔ اِسی سے اس بہادر تیغ زن کو جو تلوار کی ایک ہی ضرب سے دُوسرے کو ہلاک کر ڈالے صِمَّةٌ کہتے ہیں۔ صَمَمْتُ الْقَارُوْرَةَ : میں نے شیشی پر کاک لگایا جس سے اس کا مُنہ بند ہو گیا جیسا کہ بہرہ شخص ہوتا ہے۔

صَمَّمَ فِي الْاَمْرِ : اُس نے کسی کی نہ سُنی اور اپنی مرضی کی۔ صَمَّانٌ سخت زمین کو کہتے ہیں۔ اِشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ کے معنی ہیں، کپڑے کو اس طرح لپیٹنا کہ جسم کا کوئی حصّہ ننگا نہ رہے (المفردات)۔

Marfat.com

ب ك م (بکم)

بَکِمَ (مضارع ، مصدر بَکَمٌ) : وہ اَخْرَسْ تھا : یعنی وہ گونگا تھا ، پیدائشی طور پر یا اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے فُقدانِ الفاظ کے سبب (مصباح ، قاموس ، صحاح) ۔

بَکَمٌ : گونگا ہونا ۔ ازہری نے لکھا ہے کہ اَبْکَمُ اور اَخْرَسْ میں یہ فرق ہے کہ اَخْرَسْ اُسے کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر بول ہی نہ سکتا ہو اور اَبْکَمُ اُسے کہتے ہیں جو بولتا تو ہو ، مگر حاضر جواب نہ ہو اور الفاظ کی کمی یا اندازِ بیان میں نقص ہونے کے سبب اس کی بات سمجھ میں نہ آتی ہو (تہذیب) ۔

لیکن اَبْکَمُ (جمع بُکْمٌ) اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر بہرا اور گونگا ہو (تاج) ۔

ابن فارس کے نزدیک اَبْکَمُ : اس شخص کو کہتے ہیں جو جہل کے سبب یا دانستہ بولنے سے گریز کرے ؛ نیز جو بات کو واضح طور سے بیان نہ کر سکے (المجمل) ۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : قرآنِ مجید میں ہے : صُمٌّ بُکْمٌ (البقرۃ ۲ : ۱۸) : یہ بہرے گونگے ہیں ۔ اس آیت میں بُکْمٌ جمع ہے اَبْکَمُ کی ، جس کے معنے ہیں پیدائشی گونگا ؛ اور اَخْرَسْ عام گونگے کو کہتے ہیں ۔ لہٰذا اَخْرَسْ عام اور اَبْکَمُ خاص ہے ۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ (النحل ۱۶ : ۷۶) :

اور اللہ ایک اور مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں ، ان میں ایک گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا ۔

محاورہ ہے : بَکِمَ عَنِ الْکَلَامِ : ضُعفِ عقل کے سبب گفتگو نہ کر سکنا اور گونگے کی طرح چُپ سادھنا (المفردات) ۔

" کلیدِ لُغاتِ قرآن " کی رُو سے صُمٌّ ، بُکْمٌ ، عُمْیٌ وہ ظالم و جاہل لوگ ہیں جو عقل و حواس سے کام نہیں لیتے ؛ یعنی نہ سچ سُنتے ، نہ سچ بولتے اور نہ دیدۂ عبرت نگاہ سے تاریخی عمل دیکھتے ہیں ، اس لیے عبرت حاصل نہیں کرتے ۔

ع م ی (عمی)

عَمِیَ (مضارع یَعْمَی ؛ مصدر عَمًی) : وہ اندھا ہو گیا یا اندھا تھا (صحاح ، مصباح ، قاموس) ۔ دونوں آنکھوں سے (تاج ، قاموس) ۔ اعراب بولتے ہیں : عَمِیَتْ عَیْنَاہُ : اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں ۔ اس سے اِستعارۃً عَمًی قلب کے اندھے کو کہتے ہیں (تاج) ۔

Marfat.com

اگر کوئی شخص ایک آنکھ سے اندھا ہوجائے تو اُسے اَعْمٰی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ بصیرت کے زائل ہونے کو عَمَۃٌ کہا جاتا ہے اور بصارت کے چلے جانے کو عَمًی ؛ لیکن اَلْعَمٰی قلب کی بصیرت کے زائل ہوجانے کو بھی کہتے ہیں (لطائفُ اللّغۃ) ۔ عَمِیَّۃٌ کے معنی ہیں گمراہ ہوجانا ؛ باطل پر مُصر ہوجانا۔

اَلْعَامِیُّ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جسے راستہ نہ مل سکے (تاج) ۔

عَمِیَ عَلَیْہِ الْاَمْرُ : اُس پر فلاں معاملہ مُبہم و مُشتبہ ہوگیا (مُحیط ، تہذیب) ۔

اَلْعَمَایَۃُ : گمراہی ، بے رہروی ، ضد اور ہٹ دھرمی ، نیز شبِ تاریک کے آخری حصّے کو بھی کہتے ہیں (تاج ، مُحکم) ۔ جب کوئی قوم اندھیرے میں ہو اور حالات کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکنے کے قابل نہ رہے تو اُسے قَوْمٌ عَمُوْنَ کہتے ہیں (لِسان العرب) ۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْعَمٰی : یہ بصارت اور بصیرت دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے ؛ لیکن جو شخص بصارت کا اندھا ہو ، اس کے لیے صرف اَعْمٰی اور جو بصیرت کا اندھا ہو اس کے لیے اَعْمٰی اور عَمٍ دونوں کا اِستعمال ہوتا ہے ۔ اِس آیۂ جلیلہ میں

★ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ○ (عَبس ۸۰ : ۲) : کہ اُن کے پاس نابینا آیا۔

میں اَلْاَعْمٰی سے مراد بصارت کا اندھا ہے ، مگر جہاں کہیں قُرآنِ مجید نے اَلْعَمٰی کی مذمّت کی ہے وہاں دوسرے معنی یعنی بصیرت کا اندھا مراد لیا ہے ۔ مثلاً اِرشاد ہوا :

★ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ (البقرۃ ۲ : ۱۸) : یہ بہرے ، گونگے ، اندھے ہیں ۔

★ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا (المائدۃ ۵ : ۷۱) : وہ اندھے اور بہرے ہوگئے ۔

یہاں بصیرت کے اندھے مراد ہیں ۔ اس کے مقابلے میں بصارت کا اندھاپن ، قُرآنِ حکیم کی نظر میں اندھاپن ہی نہیں ہے ۔ جیسا کہ فرمایا :

★ فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ○ (الحجّ ۲۲ : ۴۶) : اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ قلب اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ۔

★ اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ وَ کَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ○ (الکھف ۱۸ : ۱۰۱) : وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر (= کلام) سے پردے میں تھیں اور وہ سُننے کی تاب بھی نہیں رکھتے تھے ۔

اس سے بھی قلب کی بے بصری مراد ہے ۔

Marfat.com

کور بصری (Blindness) سے متعلق فرمایا : لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ (النّور ۲۴ : ۶۱) : نہ اندھے پر کوئی الزام ہے۔

اَعْمٰی کی جمع عُمْیٌ اور عُمْیَانٌ آتی ہے۔ مثلاً بُكْمٌ عُمْيٌ (البقرۃ ۲ : ۱۸) : گونگے اور اندھے ہیں۔

★ صُمًّا وَّ عُمْيَانًا (الفرقان ۲۵ : ۷۳) : بہرے اور اندھے ہوکر۔

★ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (الاسراء ۱۷ : ۷۲) : اور جو شخص اِس دُنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا، بلکہ اندھے سے زیادہ راہ گم کردہ۔

عَمِيَ عَلَيْهِ کے معنی ہیں۔ اس پر فلاں معاملہ اس طرح غیر واضح اور مشتبہ ہوگیا کہ گویا وہ اس سے اندھا ہے اور وہ اسے سُجھائی نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں ہے :

★ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ (القصص ۲۸ : ۶۶) : اُس روز خبروں سے اندھے ہو جائیں گے، یعنی اس روز حالات کی نوعیت ان پر مشتبہ ہو جائے گی ؛ بالفاظِ دیگر، حقیقت ان پر مستور ہو جائے گی۔

جیسا کہ اس آیۂ جلیلہ میں ہے :

★ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ط (ھُود ۱۱ : ۲۸) : اور اُس نے اپنے فضل سے مجھے رحمت بھی عطا کر دی ہے جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

ر ج ع (رجع)

رَجَعَ (مضارع، مصدر رُجُوْعٌ اور رَجْعٌ اور رُجْعَانٌ) : وہ واپس آیا ؛ وہ اس جگہ یا اس شخص کے پاس واپس گیا یا آیا ؛ یا اپنی حالت، کیفیت، قول، کام یا پیشے کی طرف لوٹ آیا (صحاح، قاموس، محکم، مصباح)۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلرَّجُوْعُ : اس کے اصل معنی کسی چیز کے اپنے مبدءِ حقیقی یا تقدیری کی طرف لوٹنے کے ہیں، خواہ وہ کوئی مکان ہو یا فعل ہو یا قول ؛ اور خواہ وہ رجوع بذاتہٖ ہو یا باعتبار جُزء کے اور یا باعتبار فعل کے ہو۔ الغرض، رجوع کے معنی عود کرنے اور لوٹنے کے ہیں ؛ اور رَجْعٌ کے معنی لوٹانے کے۔ رَجْعَةً یا

Marfat.com

رِجْعَۃٌ کا لفظ طلاق کے بعد رجوع کرنے یا موت کے بعد دُنیا کی طرف لوٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے :

فُلَانٌ یُؤْمِنُ بِالرَّجْعَۃِ : فلاں شخص رجعت پر ایمان رکھتا ہے۔ رِجَاعٌ کا لفظ خاص کر کسی پرند کے اپنی جماعت سے علیٰحدہ ہونے کے بعد واپس اس طرف لوٹ آنے پر بولا جاتا ہے (المفردات)۔

لَیْسَ لِیْ مِنْ فُلَانٍ رَجْعٌ کے معنی ہیں مجھے اس شخص سے کوئی نفع نہیں پہنچا یعنی اس کے ہاں سے کوئی چیز پلٹ کر نہیں آئی۔ اعراب کا محاورہ ہے : مَاھُوَ اِلَّا سَجْعٌ لَیْسَ تَحْتَہٗ رَجْعٌ : یہ محض مُقفّٰی عبارت ہے جس کے اندر معنویت نہیں یعنی بے فائدہ عبارت ہے۔ سَفْرَۃٌ مَرْجِعَۃٌ : اس سفر کو کہتے ہیں جس میں فائدہ ہو یعنی نفع بخش سفر۔ مَتَاعٌ مُرْجِعٌ : بہت نفع بخش جنس (تاج، لین)۔

چنانچہ رجوع سے متعلق قرآنِ مجید میں آیا ہے :

★ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ (المنافقون ۶۳ : ۸) : وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے آگئے۔

★ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْھِمْ (یُوسُف ۱۲ : ۶۳) : جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر آگئے۔

★ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ (یُوسُف ۱۲ : ۶۲) : غالبًا وہ لوٹ کر یہاں آئیں گے۔

★ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِہٖ (الاعراف ۷ : ۱۵۰) : جب (حضرت) مُوسیٰؑ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس آئے۔

★ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا (النُّور ۲۴ : ۲۸) : اور اگر تمھیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس لوٹ جایا کرو۔

رَجَعْتُ عَنْ کَذَا کے معنی ہیں : میں نے فلاں بات سے رجوع کر لیا۔

رَجَعْتُ الْجَوَابَ (متعدّی) : میں نے جواب دیا (المفردات)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ فَاِنْ رَّجَعَکَ اللّٰہُ اِلٰی طَآئِفَۃٍ (التوبۃ ۹ : ۸۳) : اگر اللہ آپ کو اس گروہ کے پاس واپس لے جائے۔

★ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ (ھود ۱۱ : ۴) : تم سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس ہی جانا ہے۔

◻ سیبویہ نے مَرْجِع کے معنی رجوع ہی کیے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ اُن مصادر سے ہے جو ضَرَبَ سے بروزنِ مُفْعِلٌ آتے ہیں، لہٰذا یہ اسمِ ظرف نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ایک تو یہ اِلٰی کے ساتھ متعدّی

Marfat.com

ہے، اور دوسرے یہ کہ حال کو نصب دیتا ہے اور اسمِ ظرف میں یہ دونوں چیزیں مُمتنع ہیں، [لسان العرب]۔

★ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰى (العلق ۹۶ : ۸) : واپسی (RETURN) یقیناً تیرے رب کی طرف ہے۔

★ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الزخرف ۴۳ : ۲۸) : تاکہ وہ اس (کلمے) کی طرف رجوع کریں۔

راغب اصفہانیؒ کے نزدیک اس سے رجوع عن الذنب یعنی گناہ سے باز آنا مُراد ہے، یہ مفہوم سباقِ عبارت کے لحاظ سے موزوں نہیں۔

★ ارْجِعُوْا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ (الحدید ۵۷ : ۱۳) : اپنے پیچھے (دُنیا کی طرف) لوٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو۔

اس میں یہ طنز ہے کہ اِکتسابِ نُور کی جگہ دُنیا ہے، آخرت نہیں ؛ اور اب تُم واپس دُنیا میں جا نہیں سکتے !

★ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ (الفجر ۸۹ : ۲۸) : (اے مُطمئن نفس !) تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔

نُکتہ : اس میں لوٹ جانے کا نہیں لوٹ آنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

★ ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ○ (قٓ ۵۰ : ۳) : اور جب ہم مرجائیں گے اور خاک ہو جائیں گے تو پھر زندگی کی طرف لوٹنا بعید از عقل ہے یا بُہت دُور کی بات ہے۔

جواب دینے کے معنی میں :

★ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ○ (النمل ۲۷ : ۲۸) : پھر انتظار کر کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

اس آیت میں يَرْجِعُوْنَ رَجَعَ الْجَوَاب سے ہے نہ کہ رجوع سے ؛ اور آیت

★ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ○ (الطارق ۸۶ : ۱۱) : اور قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی، میں رَجْع کے معنی بارش کے ہیں ؛ اور بارش کو رَجْعٌ اس لیے کہتے ہیں کہ پہلے سُمندر سے پانی بُخارات کی شکل میں اوپر فضا میں جاتا ہے اور پھر نیچے زمین پر آتا ہے ؛ نیز ژالہ اور تالاب کو بھی رَجْعٌ کہا جاتا ہے۔

محاورہ ہے : لَيْسَ لِكَلَامِهٖ مَرْجُوْعٌ : اس کی بات کا جواب نہیں۔

نَاقَةٌ رَاجِعٌ : ڈاچی جو جُفتی سے حاملہ نہ ہو، گویا وہ نر کے نطفہ کو واپس لوٹا دیتی ہے۔

اِسْتَرْجَعَ فُلَانٌ : اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنا۔

اَلتَّرْجِيْعُ : غنا یا قرأت کے وقت آواز کو حلق میں لوٹانا۔ دوسرے، کوئی بات دوبارہ کہنا۔ اسی سے تَرْجِيْعٌ فِي الْاَذَانِ ہے جس کے معنی اذان میں شہادتین میں ایک مرتبہ پست آواز میں کہنے کے بعد

Marfat.com

دوبارہ بلند آواز سے کہنے کے ہیں (المفردات، الثعالبی، تاج)۔

★ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۵۶) : ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیۂ بصیرت افروز کی تفسیر مندرجۂ ذیل ارشاداتِ الٰہیہ سے ہو جاتی ہے :

★ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الانعام ۶ : ۱۶۲) : (یہ بھی) کہو کہ میری عبادت و بندگی اور میری قربانی و ایثار اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو کُل جہانوں کی مخلوقات کا پروردگار و مالک ہے۔

جس بندۂ تسلیم و رضا کا ایمان و عمل اور شعارِ زندگی یہ ہو، ایک تو وہ ہر بات میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے؛ اور دوسرے، اسی کا ہو کر رہتا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو عظیم ترین نعمت ہے (التوبۃ ۹ : ۷۲)، اپنے آپ کو اس کے پاس بیچ دیا ہوتا ہے (البقرۃ ۲ : ۲۰۷)۔ علاوہ بریں، اپنے ایسے ہی اہلِ عشق و وفا سے اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کے عوض ان کے جسم و جان اور مال و منال خرید لیے ہوتے ہیں (التوبۃ ۹ : ۱۱۱)۔ پھر جب قیامت کے روز وہ وفد کی صورت میں اپنے ربِّ عاشق کے حضور پیش کیے جائیں گے (مریم ۱۹ : ۸۵)، تو وہ اپنے اہلِ عشق و وفا کی عزت افزائی اور ان سے اپنے عشق کا اظہار کرنے کی خاطر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ اپنی جلوہ گاہِ حُسن میں بُلائے گا اور دیکھیے کس اندازِ عاشقانہ سے بلائے گا :

★ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (الفجر ۸۹ : ۲۷ - ۳۰) :

اے مُطمئن نفس! اپنے پروردگار و مالک کے پاس لوٹ آ (اس لیے کہ دُنیا میں بھی تُو میری طرف ہی رجوع کرنے والا تھا) تو اُس سے خوش، وہ تجھ سے خوش۔ تو میرے (اہلِ تسلیم و رضا) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ ہے قرآنِ حکیم کا اندازِ تفسیر، جو اس کا اعجاز بھی ہے، اور اس سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ کے پاس اس کی جنت، قُرَّۃُ العین کے عوض بک چکے ہیں اور اُسی کے ہو چکے ہیں اور جنتِ موعودہ حاصل کرنے کے لیے اُسی کے پاس جانے والے ہیں؛ اس لیے نفسِ مُطمئِنّہ بننا ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے۔

Marfat.com

ص و ب (صوب)

صَوْبٌ (مضارع یَصُوْبُ اور مصدر صَوْبٌ اور مَصَابٌ) : بارش کا گرنا ؛ اُوپر سے نیچے گرنا یا آنا (صحاح، مُحکم، اساس، قاموس اور الحریری کے مقامات، ص ۲۴۰، طبع پیرس) ۔لین نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے : It poured forth; or it descended. (A. E. Lexicon) ۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اُترنے اور اُتر کر اپنے مُستقر تک جا پہنچنے کے ہیں ۔اس اعتبار سے اس بات یا کام کو جو اپنی صحیح جگہ یا مقام پر پہنچ کر ٹھیر جائے صَوَابٌ کہتے ہیں (المجمل) ۔ سَہْمٌ صَائِبٌ اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر لگے ۔علاوہ ازیں، صَوْبٌ کے معنی بہانے، گرانے اور اوپر سے نیچے اُترنے کے بھی آتے ہیں ۔آسمان سے بارش ہونے کے معنی میں بھی یہ لفظ اِستعمال ہوتا ہے ۔

تَصْوِیْبٌ کے معنی ہیں کسی بات کی تصدیق کرنا کہ وہ درست یا صحیح ہے ۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلصَّوَابُ (صحیح بات) کا لفظ دو طرح اِستعمال ہوتا ہے ۔اَوّلاً، کسی شے کی ذات کے اعتبار سے یعنی جب کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے قابلِ تعریف، اور عقل و شریعت کی رُو سے پسندیدہ ہو ۔ مثلاً تَحَرِّی الْعَدْلِ صَوَابٌ : عدل و انصاف کو مدِّ نظر رکھنا قابلِ ستائش ہے ۔اَلْکَرَمُ صَوَابٌ : کرم و بخشش صواب یا قابلِ تعریف ہے ۔ثانیاً، قصد کرنے والے کے لحاظ سے، یعنی جب کوئی شخص اپنے حسبِ منشا کسی چیز کو حاصل کرے تو اس کے متعلق اَصَابَ کَذَا کا محاورہ اِستعمال ہوتا ہے ۔مثلاً اَصَابَہٗ بِالسَّہْمِ : اُس نے ٹھیک نشانے پر تیر مارا ۔پھر اس دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کی چند قسمیں ہیں : (۱) اچھی چیز کا قصد کرے اور اسے کر گزرے، اسے صَوَاب کہتے ہیں ؛ یعنی قابلِ تعریف و ستائش ۔(۲) مستحسن فعل کا قصد کرے، لیکن اس سے غیر مستحسن فعل سرزد ہو جائے، یہ بھی صواب میں داخل ہے ۔وجہ یہ ہے کہ اُس نے اِجتہاد کے بعد اسے صواب سمجھ کر کیا ہے ؛ اور یہی مطلب ہے نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اِس اِرشاد کا : کُلُّ مُجْتَہِدٍ مُصِیْبٌ : ہر مجتہد مُصیب یعنی مُحسن ہوتا ہے ۔

Marfat.com

الصَّوَاب (ن) کے معنی بھی اِصَابَۃٌ (اِفعال) ہی ہیں، اور صَابَۃٌ وَ اَصَابَۃٌ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی پہنچانا یا پہنچنا یا لگانا۔ اور صَوْبٌ اس بارش کو کہتے ہیں جو صرف اُسی قدر برسے جس حد تک کہ مفید ہو۔ چنانچہ اس آیۂ جمیلہ میں کہ

★ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ (الزخرف ۴۳ : ۱۱) : اور جس نے موزوں مقدار میں آسمان سے پانی اُتارا۔

بِقَدَرٍ سے یہی معنی مراد ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا :

فَسَقَیٰ دِیَارَكَ غَیْرَ مُفْسِدِهَا
صَوْبُ الرَّبِیْعِ وَ دِیْمَةٌ تَهْمِیْ

موسمِ بہار (ربیع) کی بارش اور مسلسل برسنے والا پانی تمہارے شہر کو سیراب کرے جس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ (لسان العرب میں یہ معنی ابو عبیدۃ سے منقول ہیں، بذیلِ مادّہ ھ م ی)۔

صَیِّبٌ خاص کر صَابَ یَصُوْبُ سے فَیْعِلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں، بارش کا گرنا، اوپر سے نیچے آنا۔ بقولِ شاعر

فَكَأَنَّمَا اَصَابَتْ عَلَیْهِ سَحَابَةٌ
گویا اس پر زور کا بادل برسا ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ (البقرۃ ۲ : ۱۹) میں بعض نے کہا ہے کہ صَیِّبٌ کے معنی بادل ہیں، اور بعض نے بارش مراد لی ہے؛ اور بارش کو مجازاً صَیِّبٌ کہا جاتا ہے، جیسا کہ اُسے سَحَابٌ کہہ دیتے ہیں۔

مُصِیْبَةٌ اصل میں تو اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر جا کر پیوست ہو جائے۔ اس کے بعد (عُرف میں) ہر حادثے اور واقعے کے ساتھ یہ لفظ مخصوص ہو گیا ہے (المفردات، نیز تاج، محیط، لسان)۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ ..... (التوبۃ ۹ : ۵۰) :

(اے نبیؐ!) اگر آپ کو کامیابی ہوتی یا حسنہ یا بھلائی پہنچتی ہے تو وہ رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ..... یہ یاد رہے کہ اَصَابَ (افعال) کا لفظ خیر و شر یا حسنہ و سیئۃ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

★ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ ..... (النسآء ۴: ۷۳) : اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ارزانی ہو۔

★ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ (النور ۲۴: ۴۳) : تو جس پر چاہتا ہے اُسے برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ جب اَصَابَ کا لفظ خیر کے معنی میں اِستعمال ہوتا ہے تو یہ صَوْبٌ بمعنی بارش سے مشتق ہوتا ہے اور جب بُرے معنی میں آتا ہے تو یہ معنی اَصَابَ السَّهْمُ کے محاورے سے مأخوذ ہوتے ہیں، مگر ان دونوں معانی کی اصل ایک ہی ہے (المفردات)۔

کلیدِ لُغاتِ قرآن کی رُو سے

سلبی انداز میں
مُصِيْبَةٌ کا نقیض نَعْمَةٌ، فَضْلٌ (نساء ۴: ۷۲-۷۳)، حَسَنَةٌ (التوبۃ ۹: ۵۰) ہے۔
اس لغوی فارمولے کی مدد سے اس اِصطلاحِ قرآنی کی معنویت کے دیگر پہلوؤں کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔

ر ع د (رعد)

رَعَدَتِ السَّمَآءُ (مضارع اور مصدر رَعْدٌ اور رُعُوْدٌ) : آسمان گرجا، یا بارش سے پہلے گونجا (اساس، لسان، مصباح، صحاح)۔

اَلرَّعْدُ (اسم) بادل کی گرج؛ نیز مروی ہے کہ رَعْدٌ اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے (جامع ترمذی، روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)۔ رَعَدَتِ السَّمَاءُ بَرَقَتْ : بادل گرجا اور چمکا؛ اور یہی معنی اَرْعَدَتْ وَاَبْرَقَتْ کے ہیں۔ کنایہ کے طور پر یہ دونوں لفظ تہدید و ترهیب یعنی ڈرانے دھمکانے کے معنی میں بھی اِستعمال ہوتے ہیں (المفردات)۔ اَلرَّعَّادُ، اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑکیں مارنے والا، باتونی یا بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے والا ہو (تاج، صحاح)۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت اور اضطراب کے ہیں (المجمل)۔ اَلْکُمَیْت کا شعر ہے:

Marfat.com

أَرْعِدْ وَأَبْرِقْ یَا یَزِیْدُ فَمَا وَعِیْدُكَ لِیْ بِضَائِرْ

اے یزید! تو جتنا چاہے گرج اور ڈرا، تمھارا ڈرانا دھمکانا مجھے نقصان پہنچانے والا نہیں (صحاح، تاج)۔ اِسی سے محاورہ ہے:

رَعَدَتْ وَبَرَقَتْ: اس (صنفِ جمیلہ یا عورت) نے اپنی تحسین و آرائش کی (صحاح، اساس، قاموس)، اور (لِی) میرے سامنے عمداً جلوہ افروز ہوئی (تاج العروس، بذیل مادہ برق)۔

سَحَابٌ رَاعِدٌ: گرجدار بادل (Thundering clouds) اور سَحَابَةٌ رَاعِدَةٌ ایک گرجدار بادل (صحاح)۔

اَلرِّعْدِیْدُ: بزدلی کی وجہ سے کانپنے والا، اور محاورہ ہے: أُرْعِدَتْ فَرَائِصُهٗ خَوْفًا: یعنی مارے خوف کے اس کے پٹھے کانپنے لگے (المفردات)۔

قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (الرعد ۱۳ : ۱۳) : اور رعد اس (اللہ) کی تعریف و ستائش اور شکر و سپاس کے ساتھ اپنا وظیفہ ادا کرتی ہے۔

ب ر ق (برق)

بَرَقَ (مضارع، مصدر بُرُوْقٌ یا بَرِیْقٌ، اور بَرْقٌ اور بَرَقَانٌ) : وہ (چیز یا تلوار) چمکی، درخشندہ ہوئی یا صبح طلوع ہوگئی (صحاح، مُغرب، قاموس)۔

اَلْبَرْقُ کے معنی بادل کی چمک کے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ (البقرۃ ۲ : ۱۹) : اس میں اندھیرے (کالی گھٹائیں) اور بادل کی گرج اور بجلی کی کوند ہے۔ بَرَقَ ہر چمکدار چیز سے متعلق اِستعمال ہوتا ہے۔ جیسے سَیْفٌ بَارِقٌ: چمکدار تلوار۔ بَرِقَ وَ اَلْبَرْقُ کے معنی مارے خوف کے آنکھوں کا خیرہ ہو جانا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ (القیٰمۃ ۷۵ : ۷) : جب نظر کو چکا چوندی لگے گی یا جب نگاہ متحیر وغیرہ ہو جائے گی۔

کبھی بَرَقَ سے گوناگونی یا اختلافِ رنگ کے معنی لے کر رنگا رنگ کی پتھریلی زمین کو بَرْقَةٌ کہتے ہیں۔ اَلْاَبْرَقُ کے معنی سیاہ و سفید پہاڑ کے ہیں، اس لیے آنکھ کو بَرْقَاءُ کہتے ہیں۔

Marfat.com

اَلْاِبْرِیْقُ : بلوریں قرابہ یا صراحی جمع اَبَارِیْقَ (الواقعہ ۵۶ : ۱۸)۔

★ اِسْتَبْرَقٍ (الکھف ۱۸ : ۳۱) : ریشمی کپڑے، اطلس کو کہتے ہیں۔

ج ع ل (جعل)

جَعَلَ (مضارع، مصدر جَعْلٌ اور جُعْلٌ، جَعَالَۃٌ، جِعَالَۃٌ اور مَجْعَلٌ) : اس نے کوئی چیز بنائی : مترادف صَنَعَ ؛ لیکن فَعَلَ اور صَنَعَ کی بہ نسبت عام ہے (صحاح، قاموس، مصباح، تاج المفردات)۔ "کلید لغاتِ قرآن" کی رُو سے جَعَلَ کثیر المعانی اصطلاحِ قرآنی ہے، لہٰذا موقع ومحل اور سیاق وسباق اور تقدیرِ عبارت کے لحاظ سے اس کا ترجمہ کرنا ہوگا۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : جَعَلَ پانچ طرح پر استعمال ہوتا ہے :

(۱) بمعنی صَارَ و طَفِقَ۔ اس صورت میں متعدی نہیں ہوتا، جیسے جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ کَذَا : زید یُوں کہنے لگا۔

(۲) بمعنی اَوْجَدَ (یعنی ایجاد اور اختراع کرنا)۔ اس صورت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا :

★ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام ۶ : ۱) : اور اُس نے ایجاد کیے اندھیرے اور روشنی۔

★ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ (النحل ۱۶ : ۷۸) : اور اُس نے تمھارے لیے سامعہ، باصرہ اور قلب (عقل ودل) اختراع کیے۔

(۳) ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنا اور بنانا :

★ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا (الشوریٰ ۴۲ : ۱۱) : جس نے تمھاری اپنی جنس سے تمھارے لیے جوڑے (نر اور مادہ) پیدا کیے۔

★ وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا (النحل ۱۶ : ۸۱) : اور پہاڑوں میں تمھارے لیے پناہ گاہیں بنا دیں۔

★ وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا (الزخرف ۴۳ : ۱۰) : اور اس میں تمھارے لیے راستے بنا دیے۔

(۴) بمعنی تَصْیِیْرِ الشَّیْءِ، یعنی کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دینا، جیسے فرمایا :

★ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (البقرۃ ۲ : ۲۲) : وہی تو ہے جس نے کرۂ ارضی کو

Marfat.com

تمھارے لیے فرش بنا دیا۔

★ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا (نُوح ۷۱ : ۱۶) : اور چاند کو ان میں (زمین کا) نُور بنا دیا۔

★ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (الزُّخرف ۴۳ : ۳) : ہم نے قُرآن عربی میں بنایا ہے۔

(۵) کسی چیز پر کسی چیز کے ساتھ حُکم لگانا، عام اس سے کہ وہ حُکم حق ہو یا باطل ۔ حق کی مثال

★ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ (القصص ۲۸ : ۷) : ہم اُسے تمھارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اُسے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنا دیں گے۔

اور باطل کی مثال

★ وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا (الانعام ۶ : ۱۳۶) : وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ اللہ کے لیے مقرّر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے ہے، بزعمِ خود، اور یہ حصّہ ہمارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کا ہے۔

★ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ (النّحل ۱۶ : ۵۷) : یہ اللہ کے لیے بیٹیاں مقرّر (ASSIGN) کرتے ہیں۔

★ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (الحِجر ۱۵ : ۹۱) : جنھوں نے قُرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ص ب ع (صبع)

صَبَعَ بِهٖ (مضارع، مصدر صَبْعٌ) : اُس نے اس کی طرف اُنگلی سے اِشارہ کیا، بِإِصْبَعِهٖ : اس پر حقارت سے اُنگلی اُٹھائی (تہذیب لابن ازہری، صحاح، قاموس)۔ محاورہ ہے مَا صَبَعَكَ عَلَيْنَا؟ تُونے ہمیں کیا اِشارہ کیا؟ یا ہمیں کیا ہدایات دیں؟ (تاج) ۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو بڑا (وڈیرا) سمجھتا اور اپنی عملداری اور حکومت میں مُتکبّرانہ رویّہ اختیار کرتا ہے اُسے صَبْعَةُ الشَّيْطَانِ کہتے ہیں۔

صَبْعٌ : تکبُّر، بڑائی (العباب، قاموس)، جو اِنتہا کو پہنچا ہو، اور سرکشی، یا گستاخی، یا جھوٹی نمائش (تاج)، اور مَصْبَعَةٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔

إِصْبَعٌ اور أُصْبَعٌ اور أُصْبُعٌ اور إِصْبُعٌ اور أَصْبَعٌ اور أُصْبُوعٌ (صحاح، العُباب، مصباح، قاموس)۔ ہاتھ کی انگلی، اور پاؤں کی اُنگلی (TOE)۔ اَصْبَعٌ کی جمع اَصَابِعُ اور أُصْبُوعٌ کی جمع

Marfat.com

اَصَابِعُ ہے (قاموس، مُقدّمۃ الأدب)۔

قرآن مجید میں اَصَابِعُ کا صیغہ آیا ہے (البقرۃ ۲: ۱۹، اور نوح ۷۱: ۷) ; جیسے ان آیاتِ فکر انگیز میں

★ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ط (البقرۃ ۲: ۱۹) :
وہ بجلی کی کڑک سے موت کے ڈر کے مارے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔

★ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ (نوح ۷۱: ۷) :
اور دیکھیے جب بھی میں نے اُن کو بُلایا کہ (وہ ایمان لائیں اور) تُو اُن کو معاف کر دے تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں (کہ اُن کے دل حق سُننے کے حریف نہیں ہو سکتے تھے)۔

اذن

اَذِنَ لَهٗ اور اِلَيْهِ (مضارع، مصدر اَذَنٌ) : اُس نے اس کی طرف کان دھرا یا رکھا، یعنی اس کی بات سُنی (تاج، صحاح، مُحکم، مصباح، قاموس) ; نیز اس کے معنی سُن کر خوش ہونے یا خوش کرنے کے بھی آتے ہیں (مُحکم، قاموس)۔ ایک روایت میں آتا ہے : مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ كَاَذَنِهٖ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ (تاج العروس) : اللہ نے کوئی شے اس شوق سے نہیں سُنی ہے، جس شوق سے اس نے نبیؐ کو تلاوتِ قرآن کرتے سُنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

★ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ (الانشقاق ۸۴: ۲، ۵) :
اور اپنے رب کا حکم سُنے گی اور تعمیل کرے گی اور یہی حق ہے (بیضاوی، جلالین)۔

اَذِنَ بِالشَّيْءِ (مضارع، مصدر اِذْنٌ اور اَذَنٌ اور اَذَانٌ اور اَذَانَةٌ) : اُسے اس چیز کا علم تھا، اُسے جانتا تھا ; اُس سے آگاہی رکھتا تھا ; اس سے مُطّلع ہوا، یا اسے پسند کیا (صحاح، مُحکم، مصباح، قاموس)۔ قرآن مجید میں ہے :

★ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرۃ ۲: ۲۷۹) : اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ یا کان کھول کر سُن لو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

اَذِنَ اور تَاَذَّنَ : دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے ; یعنی اُسے معلوم ہوا ; وہ علم رکھتا تھا ; یا اس سے آگاہ یا مُطّلع ہوا ; یا اُسے مشورہ دیا گیا ; جیسا کہ کہا جاتا ہے اَيْقَنَ اور تَيَقَّنَ (صحاح، تاج)۔ تَاَذَّنَ کے

Marfat.com

معنی ہیں اِعْلَمُوْ، یعنی جان لو! جیسا کہ کہا جاتا ہے : تَعَلَّمْ بمعنی اِعْلَمْ (مُحکم)۔

اِذْنٌ کے معنی ہیں : اجازت، رُخصت، یا آزادی کسی کام کے کرنے کی۔ گاہے گاہے حکم اور ارادہ (مصباح، تاج)۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (النّسآء ۴ : ۶۴) : (انھیں بتا دیجیے کہ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ یہاں اِذن کے معنی ارادہ اور حکم کے ہیں (المفردات)۔

اُذُنٌ، اُذْنٌ : کان یا گوش کو کہتے ہیں اور اس کی جمع آذانٌ ہے۔ اُذُن اُس شخص کو کہتے ہیں جس کے کان بڑے بڑے ہوں (Large-eared) جو شخص دُوسروں کی باتوں پر کان دھرنے اور قبول کر لینے والا ہو، اُسے اُذُنٌ کہتے ہیں : قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ (التوبۃ ۹ : ۶۱) : کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔

اَذَانٌ : اعلان، بانگ، صلوٰۃ کا بُلاوا (تاج، صحاح، المفردات)۔ انگریزی میں

– Notification, proclamation, announcement

اس آیۂ جلیلہ میں

★ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ (التوبۃ ۹ : ۳) : اَذَانٌ کے معنی اعلان ہی کے ہیں۔

اَذِنَ لَهٗ فِي الشَّيْءِ کے معنی ہیں اجازت دینا، اور اِسْتِيْذَانٌ کے اجازت طلب کرنا (تاج، مُحکم)۔

اِذْنٌ کے معنی علم کے بھی آتے ہیں : مثلاً فَعَلَهٗ بِاِذْنِيْ : اُس نے وہ کام میرے علم سے کیا (تاج)۔

ابن فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی کان اور علم دونوں ہیں (المُجمل) راغب اِصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں

★ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (المُجادلہ ۵۸ : ۱۰) : " اللہ کے اِذن کے سوا انھیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔" بعض نے کہا ہے کہ یہاں اِذْنٌ بمعنی عِلْمٌ ہے۔ لیکن ان دونوں کے معانی میں فرق ہے۔ اِذْنٌ کا لفظ خاص ہے اور اس میں مشیّت کا مفہوم پایا جاتا ہے، خواہ وہ کام پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ؛ لیکن علم میں مشیّت کا ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اس ارشادِ الٰہی میں

★ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (یُونس ۱۰ : ۱۰۰) : "کوئی متنفّس اللہ کے اِذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔"

Marfat.com

★ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرۃ ۲ : ۱۰۲) : وہ اس کے ذریعے اللہ کے اِذن کے سوا کسی ایک کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اس آیۂ فکر انگیز میں مشئیت کسی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ مُسَلَّمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو طبعی طور پر ایسا بنایا ہے کہ دوسرے کی ضرب سے متأثر ہو اور اس سے اُسے گزند پہنچے۔ وہ پتھر نہیں ہے کہ کسی قسم کی ضرب سے اُسے تکلیف نہ ہو، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اِنسان میں اس قسم کی صلاحیّت کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کے فعل [یا امر] سے ہے؛ تو اس لحاظ سے جب کسی شخص کو کسی ظالم کے ظُلم سے گزند پہنچتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے امر یا حکم اور مشئیت ہی سے پہنچی ہے (المفردات)۔

اِذْنٌ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، مثلاً بِاِذْنِ رَبِّهٖ (الاعراف ۷ : ۵۸؛ سبا ۳۴ : ۱۲) تو بعض نے اس کے معنی قانونِ الٰہی یا نوامیسِ فطرت (LAWS OF NATURE) بتائے ہیں؛ نیز قُرآنی فارمولا کلیدِ لُغاتِ قُرآن ملاحظہ اور استعمال کیجیے۔

مُؤَذِّنٌ : اذان دینے والا، صلوٰۃ یا بوقتِ قیامِ صلوٰۃ مسجد کی طرف بلانے والا (مُحکم، قاموس)۔

ص ع ق (صعق)

صَعَقَتْهُمُ السَّمَآءُ (مضارع اور مصدر صَاعِقَةٌ) : آسمان صَاعِقَةٌ یعنی بجلی کی کڑک سے گونجا (صحاح، قاموس)۔ انگریزی میں THUNDERBOLT۔ صَعَقَتْهُمْ کا بھی یہی مطلب ہے۔ اور صَعِقَ (مضارع، مصدر صَعْقٌ یا صَعْقَةٌ یا دونوں؛ اور صَعَقٌ اور تَصْعَاقٌ): وہ بے ہوش ہوگیا؛ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا، کسی دیوار یا تودۂ کوہ کے گرنے کے ہولناک شور سے (صحاح، مصباح، قاموس، العُباب) ۔ اور

صَعِقَ (مضارع، اور مصدر صَعْقٌ اور تَصْعَاقٌ : وہ (آدمی) مرگیا (تاج)۔

قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (الزمر ۳۹ : ۶۸) : اور اُس روز صور پھونکا جائے گا اور سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں گر کر مرجائیں گے (صحاح، تاج)۔

اَلصَّاعِقَةُ اور صَاقِعَةٌ : دونوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں؛ یعنی ہولناک دھماکہ۔ لیکن

Marfat.com

صَقعٌ کا لفظ اجسامِ ارضی کے متعلق استعمال ہوتا ہے ؛ اور صَعقٌ اجسامِ عُلوی کے بارے میں۔ بعض اہلِ لُغت نے کہا ہے کہ صَاعِقَۃٌ تین قسم پر ہے۔ اوّل، بمعنی موت و ہلاکت (الزمر ۳۹ : ۶۸)، اور

★ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۴۴) : اُن کو موت نے آپکڑا۔

دوم : بمعنی عذاب

★ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ○ (فُصّلت ۴۱ : ۱۳) : میں تم کو اُسی طرح کے ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے مُتنبہ کرتا ہوں، جیسا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا۔

سوم : آگ اور بجلی کی کڑک۔

★ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ (الرّعد ۱۳ : ۱۳) : اور وہی کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔

لیکن یہ تینوں چیزیں دراصل صاعقۃ کے آثار سے ہیں، کیونکہ اس کے اصل معنی تو فضا میں کڑاکے کی آواز کے ہیں۔ پھر کبھی اس آواز یا گھن گرج سے صرف آگ ہی پیدا ہوتی ہے اور کبھی وہ آواز، عذاب اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ اصل میں وہ ایک ہی چیز ہے اور یہ سب چیزیں اس کے آثار سے ہیں (المفردات)۔

★ وَّخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا ج (الاعراف ۷ : ۱۴۳) : اور (حضرت) موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑے۔

صَعۡقَةٌ اور صَاعِقَةٌ کی جمع صَوَاعِقُ ہے (العُباب، مصباح، تاج)۔

ح ذ ر (حذر)

حَذِرَ (مضارع اور مصدر حَذَرٌ) : وہ چوکنّا، مُحتاط، چوکس یا خبردار تھا ؛ اُس نے احتیاط کی ؛ وہ تیاری یا خوف کی حالت میں تھا ؛ وہ ڈرتا تھا (مصباح، قاموس، تاج)۔

اَلۡحَذَرُ (س) خوفزدہ کرنے والی چیز سے دُور رہنا، بچنا، محتاط رہنا (المفردات)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی ہیں : بچاؤ کرنا اور چوکنّا رہنا (المجمل)۔ قرآن مجید میں ہے :

★ يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ (الزُمر ۳۹ : ۹) : آخرت سے ڈرتا ہے۔

رَجُلٌ حَذِرٌ : اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت احتیاط کی وجہ سے جاگتا رہے۔ اِبۡنُ اَحۡذَارٍ بہت زیادہ محتاط شخص کو کہتے ہیں۔ حَذَارِ، حَذَارِ کے معنی ہیں : بچو، بچو (تاج، محیط)۔

Marfat.com

اَلحَاذِرُ : اُس شخص کو کہتے ہیں جو اسلحہ سے لیس ہو کر جنگ کے لیے تیار ہو (حوالۂ مذکور) - اس کی جمع حَاذِرُوْنَ ہے - قرآن مجید میں ہے :

★ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ○ (الشعرآء ۲۶ : ۵۶) : ہم سب چوکنّے اور ہتھیاروں سے لیس رہنے والے ہیں -

★ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ (المنٰفقون ۶۳ : ۴) : یہ تمہارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے محتاط رہنا - حَذَّرَ : کسی امر سے محتاط رہنے کے لیے کہنا -

★ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ (آلِ عمران ۳ : ۲۸) : اور اللہ اپنے قانونِ مُجازات سے تمہیں مُتنبّہ کرتا ہے -

اَلْحِذْرُ : بچاؤ - آیتِ جلیلہ

★ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ (النسآء ۴ : ۷۱) : مؤمنو ! اپنے بچاؤ کے لیے اسلحہ لے لیا کرو -

میں حِذْر سے مُراد اسلحہ یا سامانِ حرب ہے جس کے ذریعے مجاہد اپنا دفاع یا بچاؤ کر سکتا ہے -

حَذَار (اسم فعل بمعنی امر) بچو ! جیسے مَنَاعِ بمعنی اِمْنَعْ (المفردات) -

مَحْذُوْرٌ : ایسی چیز جس سے احتراز کرنا یا بچنا عقل کی رُو سے لازم ہو (کلیدِ لُغاتِ قرآن) -

★ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷ : ۵۷) : یقیناً تیرے ربّ کی سزا (تیرے ظُلم وگُناہ کے سبب) ایسی ہے کہ اس سے بچاؤ کرنا لازم ہے - انگریزی میں A thing to be shunned.

تَحْذِیْرٌ : دوسرے کو چوکنّا یا مُحتاط کرنا : Cautioning another; making him to be cautious or wary or vigilant or alert; the making to fear. (صحاح، تاج)

حَذِیْرٌ : دوسروں کو چوکنّا اور ہوشیار کرنے والا (A cautioner) -

محاورہ ہے : اَنَا حَذِیْرُكَ مِنْهُ : میں تجھے اس آدمی یا چیز سے ہوشیار یا چوکنّا کرنے والا ہوں (قاموس، تاج) - مُنْذِرُوْنَ : مُتنبّہ یا ہوشیار کرنے والے -

م و ت (موت)

مَاتَ ، یَمُوْتُ ، مَوْتٌ (اصل میں مَوِتَ ، جیسا کہ خاف اصل میں خَوِفَ ہے) :

Marfat.com

وہ مر گیا۔ اس کا نقیض (CONTRARY) حَیِی ہے (قاموس، تاج، مصباح)۔

مَاتَ عَنْ بَنِیْنَ وَ بَنَاتَ : وہ بیٹے اور بیٹیاں چھوڑ کر مرگیا۔ اَللَّبَنُ لَا یَمُوْتُ : لفظی ترجمہ دُودھ نہیں مرتا۔ اس کا مطلب ہے کہ دودھ ماں کے مرنے سے رضاعت کا رشتہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ باقی رہتا ہے اور رضاعی بہن یا بھائی اور ان کی اولاد سے نکاح حرام ہے، جس طرح سگے بہن، بھائیوں اور ان کی اولاد سے نکاح حرام ہے (قاموس)۔

مَاتَتِ الْاَرْضُ (مصدر مَوَاتَانٌ اور مَوَاتٌ) : زمین کاشت اور باشندوں سے محروم ہوگئی (تاج)۔ اور مصباح میں ہے : اراضی نباتاتی زندگی سے محروم ہوگئی۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْمَوْتُ - یہ حیات کی ضد ہے، لہٰذا حیات کی طرح موت کی بھی کئی قسمیں ہیں :

اوّل : قُوّتِ نامیہ (جو کہ اِنسان، حیوانات اور نباتات سب میں پائی جاتی ہے) کے زوال کو موت کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا :

★ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط (الحدید ۵۷ : ۱۷) : (اللہ ہی) زمین کی موت یعنی اُس کی قُوّتِ نامیہ کے زوال کے بعد اس کا اِحیاء کرتا ہے۔

★ وَ اَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ط (قٓ ۵۰ : ۱۱) : اس (پانی) سے ہم مُردہ یعنی قُوّتِ نامیہ سے محروم زمین کو زندگی بخش دیتے ہیں۔

دوم : حِس و شعور کے زائل ہو جانے کو موت کہتے ہیں : اِرشاد ہوا :

★ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا (مریم ۱۹ : ۲۳) : اُس نے کہا : کاش ! میں اِس سے پہلے مر کھپ گئی ہوتی۔

سوم : قُوّتِ عاقلہ کا زائل ہو جانا اور اِسی کا نام جہالت ہے۔ چنانچہ فرمایا :

★ اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ (الانعام ۶ : ۱۲۲) : کیا وہ شخص جو پہلے مُردہ (یعنی زندگی کے حُسن و نُور بشمول حواس و عقلِ سلیم و علم سے محروم) تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا، یعنی یہ لوازمِ حیات اُسے بخش دیئے۔

★ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (النمل ۲۷ : ۸۰) : (اے نبیؐ !) آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے، یعنی ایسے لوگوں کو نہیں سُنا سکتے جو حواس و قلب کے نُور سے محروم ہو چکے ہیں۔

چہارم : خوف و حُزن جو زندگی کو اُس کے حُسن و نُور اور سرُور سے محروم کر دیتا ہے :

Marfat.com

★ وَ يَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ (ابراھیم ۱۴: ۱۷): اور موت ہر طرف سے اس کو آئے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا۔ (یہاں موت سے مُراد ہے ہولناک و زھرہ گداز خوف و حُزن)۔

پنجم: موت کا لفظ بمعنی نیند بھی استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ ہے: اَلنَّوْمُ مَوْتٌ خَفِيْفٌ وَالْمَوْتُ نَوْمٌ ثَقِيْلٌ: نیند عبارت ہے ہلکی موت سے اور موت بھاری نیند کا نام ہے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو تَوَفِّی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

★ وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ (الانعام ۶: ۶۰): وہی ہے جو رات کو (نیند میں) تمھیں وفات دیتا ہے، یعنی تمھارے نفس قبض کر لیتا ہے (اس آیۂ فکر انگیز کی تفسیر بھی خود ہی کر دی ہے)۔

★ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزُّمر ۳۹: ۴۲): وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت نفسوں کو قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی مرا نہیں اس کا نفس نیند میں قبض کرتا ہے۔

★ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ (الزمر ۳۹: ۳۰): (اے پیغمبرؐ!) آپ نے بھی مرنا ہے اور ان لوگوں نے بھی مرنا ہے۔

بعض نے اس آیت میں مَيِّتٌ کے معنی سَتَمُوْتُ کیے ہیں؛ یعنی آپ عنقریب مر جائیں گے۔ اس میں یہ انتباہ ہے کہ موت سے کسی کو بھی مفر نہیں۔

اَلْمَيْتَةُ: اُس حیوان کو کہتے ہیں جو ذبح کیے بغیر مر چکا ہو۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدة ۵: ۳): تُم پر مرا ہوا جانور (= مُردار) حرام کیا گیا ہے۔

اَلْمُسْتَمِيْتُ: موت کا سامنا کرنے والا نڈر آدمی۔

اَلْمُوْتَةُ: ایک قسم کا جنون جس سے دماغ (= عقل و علم و شعور) ماؤف یا مُردہ ہو جاتا ہے۔ اسی سے مُردہ دل مرد کو مَوْتَانُ الْقَلْبِ اور عورت کو مَوْتَانَةُ الْقَلْبِ کہا جاتا ہے (المفردات)۔

قُرآنِ مجید نے بڑے ہی ایجاز بلاغت سے زندگی اور موت کی تفسیر کر دی ہے:

★ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (یٰسٓ ۳۶: ۷۰): تاکہ اس شخص کو مُتنبّہ کرے جو معنوی طور پر زندہ ہے۔ اس کا مطلب ہے جس کا حِسّی قلبی نفسی نظام زندہ و فعّال ہے۔ اس کا نقیض یہ ہوا کہ جس شخص کا حِسّی قلبی نفسی نظام مفلوج و معطّل ہو، وہ مُردہ ہوگا (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

Marfat.com

ح و ط (حائط)

حَاطَ بِهٖ (مضارع ہے یَحُوْطُ : حَاطَهُ ؛ مصدر حَوْطٌ ، حِیْطَةٌ اور حِیَاطَةٌ) :
اُس نے (اس شخص یا شے) کی حفاظت کی ؛ اُسے محفوظ کرلیا یا حفاظت سے رکھّا ؛ نیز اس نے اس کی حمایت ، طرفداری یا وکالت کی ؛ وہ اُسے اکثر توجّہ دیتا رہا ۔ اُس نے ان اشیاء کا ، جو اس کے لیے مفید تھیں ، پاس و لحاظ کیا (تاج ، قاموس ، صحاح ، مصباح) ۔ محاورہ ہے :

لَازِلْتَ فِیْ حِیَاطَةِ اللّٰهِ : اللہ نہ کرے تُو اللہ کے حفظ و امان میں نہ رہے ۔ اور

اَحُوْطُ عِرْضِیْ : میں اپنی عزت و شہرت کا پاس و حفاظت کرتا ہوں (تاج) ۔

اَلْحَائِطُ : دیوار جو کسی چیز کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو ۔ اِحَاطَةٌ (افعال) کا لفظ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے ۔

۱ : اجسام سے متعلق ، جیسے اَحَطْتُ بِمَکَانِ کَذَا ۔ یہ کبھی حفاظت کے معنی میں آتا ہے ؛ جیسے فرمایا :

★ اَلَآ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ○ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ : ۵۴) : کان کھول کر سُن لو کہ وہ (اللہ) ہر شے کو محیط ہے (یعنی اللہ کے علم اور قبضۂ قدرت میں ہے) ۔ وہ ہر طرف سے ان کی حفاظت کرتا ہے ؛ اور کبھی روکنے کے معنی میں آتا ہے ؛ جیسے فرمایا :

★ اِلَّآ اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ (یُوسُف ۱۲ : ۶۶) : مگر یہ کہ تُم کو گھیرے میں لے کر روک لیا جائے ؛ نیز اِرشاد ہوا :

★ وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓــَٔتُهٗ (البقرۃ ۲ : ۸۱) : اور اس کے اثراتِ خطاکاری اس (کے قلب) کو محیط ہوجائیں ۔ (اس کے باعث قلب امراض کا شکار ہوجاتا ہے ؛ انجامِ کار اس پر مُہر لگ جاتی ہے) ۔

اَلْمُحَاطُ : اُس اِحاطے یا باڑے کو کہتے ہیں جہاں مال مویشی رکھے جائیں اور وہ چاروں طرف سے محفوظ ہو ۔

دوم : احاطہ بالعلم ہے ۔ جیسے اِرشاد ہوا :

★ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ○ (الطّلاق ۶۵ : ۱۲) : اور بلاشُبہ اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے [نیز دیکھیے آلِ عمران ۳ : ۱۲۰ ؛ و بمواضعِ کثیرۃ] ۔

Marfat.com

اَلْاِحَاطَۃُ میں شدید حفاظت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

کسی چیز پر علم کے ذریعے احاطہ کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس چیز کے وجود، جنس، کیفیت، اس کی غرض وغایت اور اس کو وجود میں لانے کی مقصدیت، الغرض اس کے مَالَہٗ وَمَا عَلَیہ کو کامل طور سے معلوم کرلے؛ اور اس طرح کا احاطہ کرنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں اور نہ ہو ہی سکتی ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے مخلوق کے اِس قبیل کے احاطۂ علمی کی نفی کی ہے :

★ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيطُوْا بِعِلْمِهٖ (یُونس ۱۰ : ۳۹) : اصل یہ ہے کہ جس شے کے علم کا وہ احاطہ نہ کر سکے انھوں نے اسے جھٹلا دیا۔

★ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ○ (ھُود ۱۱ : ۸۴) : مجھے تُم پر محیط ہو جانے والے دن کے عذاب کے آنے سے ڈر لگتا ہے۔

★ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۹) : اور اللہ نے مُنکرانِ حق کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ یعنی کافر اللہ کے قانونِ مُجازات کے مُستوجب ہیں اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔

اَلْحَيْطَۃُ : عفیفہ یا شریف عورت کو کہتے ہیں؛ یعنی جو بہت زیادہ اپنی احتیاط کرنے والی ہو۔

خ ط ف (خطف)

خَطَفَ يَخْطِفُ خَطْفًا وَ اَلْخُتَطَفَ (یہ باب س ص دونوں سے آتا ہے)، اِس کے معنی ہیں : چھین لینا، جلدی سے لے لینا؛ تیزی یا زور سے اُچک لینا (المفردات، تاج، صحاح، قاموس)۔ سلب کر لینا (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔ قُرآنِ حکیم میں ہے :

★ وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ (العنکبوت ۲۹ : ۶۷) : حالانکہ اس کے گرد و نواح میں لوگوں کو زبردستی اِغواء کر لیا یا اُچک لیا جاتا ہے۔

★ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○ (الحج ۲۲ : ۳۱) : اور جس کسی نے اللہ کی ذات، صفات یا امورِ خُدائی میں کسی کو شریک سمجھا، قولاً یا فعلاً مانا، وہ گویا آسمان سے نیچے آگرا۔ اب اُسے یا پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہوا اُسے کسی دُور و دراز گوشے میں پھینک دے گی۔

★ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ (البقرۃ ۲ : ۲۰) : قریب ہے کہ آسمانی بجلی اُن کی آنکھوں کی

Marfat.com

بینائی سلب کرے۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰) : بجز اس کے کہ کوئی گری پڑی بات اُچک کر لے جائے۔

آج کل اِغواء شدہ لڑکی کو اَلْخَطِیْفَةُ کہتے ہیں (مُحکم، مُحیط)۔

الخَطَّافُ ذُومعنی لفظ ہے: اوّل، ایک شکاری پرند جو اُڑتے اُڑتے کسی پرند کو جھپٹ کر لے جاتا ہے۔ دوم، کجدار لوہا جس کے ذریعے کنویں سے ڈول نکالا جاتا ہے۔ سوم، وہ لوہا جس پر کنویں کی چرخی گھومتی ہے۔ اس کی جمع خَطَاطِیفُ آتی ہے۔ بَازٍ مِخْطَفٌ : باز جو جھپٹ کر شکار کو اُچک لے جاتا ہے۔ اَلْخَیْطَفُ : تیز رفتاری یا برق رفتاری۔

خَطْفَةٌ : یکبارگی چھیننے، جھپٹا مار کرے جانے یا اُچک لے جانے کا فعل (تاج)۔

خَطِیْفَةٌ : زبردستی چھیننے یا پکڑ کرے جانے کا یا غیر متوقع طور پر دفعتاً چھین لے جانے کا فعل (تاج)۔

م ش ی (مشی)

اَلْمَشْیُ : چلنا، پیدل چلنا، آہستہ یا تیز (المقدمۃ الادب، قاضی عیاض)۔ راغب اِصفہانیؒ نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں : ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف قصداً یا اِرادۃً منتقل ہونا (المفردات)۔ مجازاً اس کے معنی راہ پا جانے اور رہنمائی حاصل کرنے کے بھی آتے ہیں (محیط، تاج)۔

مَشَاءٌ کے اصل معنی کثرت اور نشوونما کے ہیں (تاج)؛ اور ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی ایک تو انسان وغیرہ کی حرکت، اور دوسرے نمو اور زیادتی کے ہیں (المجمل)۔

تَمَاشَوْا : وہ ایک دوسرے کی طرف گئے، پیدل (تاج)۔

مَاشَاهُ : اس نے اس کے ساتھ سیر کی : وہ اس کے ساتھ قدم ملا کر چلا۔

تَمَشّٰی : وہ اِدھر اُدھر گھوما؛ اس نے سیر کی۔

دَوَاءُ الْمَشِیِّ : مُسہل یا اِسہال لانے والی دوا (تاج)۔

اَلْمَاشِیَةُ (جمع اَلْمَوَاشِیْ) : اُونٹ، بکری، بھیڑ وغیرہ پالتو جانوروں کو کہتے ہیں۔

اِمْرَأَةٌ مَاشِیَةٌ : کثیر الاولاد عورت (المفردات)۔

قرآنِ مجید میں ہے :

Marfat.com

★ مَّشَوۡا فِیۡهِ (البقرۃ ۲: ۲۰): اس (روشنی) میں چل پڑتے ہیں۔

★ وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ (الاسراء ۱۷: ۳۷): اور زمین میں اکڑ اور تن کر نہ چل۔

★ تَمۡشِیۡ عَلَی اسۡتِحۡيَآءٍ (القصص ۲۸: ۲۵): ان میں سے ایک عورت شرماتی اور لجاتی ہوئی چلی آتی تھی۔

اِذۡ تَمۡشِیۡۤ اُخۡتُكَ: جب تمھاری بہن گئی۔

★ يَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ (الفرقان ۲۵: ۲۰): اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

★ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِيۡنَ يَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا (الفرقان ۲۵: ۶۳): اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر انکسار کے ساتھ چلتے ہیں۔

★ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِیۡ بِهٖ فِی النَّاسِ (الانعام ۶: ۱۲۲): اور ہم نے اُسے روشنی عطا کی جس میں وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

★ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيۡمٍۙ (القلم ۶۸: ۱۱): وہ شخص جو لگائی بجھائی کرنے اور چغلیاں کھانے کے لیے اِدھر اُدھر آتا جاتا ہے۔

ش ی ء (ش ی أ)

شَآءَهٗ (اصل میں شَيِئَهٗ)، خَافَهٗ کے مثل (جو اصل میں خَوِفَهٗ ہے)، واحد متکلم شِئۡتُهٗ، مضارع يَشَاۤؤُهٗ (ضرورتِ شعری POETIC LICENCE کی بناء پر يَشَاهُ، بغیرِ ء)، مصدر شَیۡءٌ اور مَشِيۡئَةٌ: اُس نے اور میں نے ارادہ کیا، چاہا یا خواہش کی۔ مترادف اَرَادَهٗ اور اَرَدۡتُهٗ (صحاح، قاموس، مصباح، الکسائی)۔ اکثر متکلمین اَلۡمَشِيۡئَةُ اور اَلۡاِرَادَةُ میں کوئی فرق نہیں کرتے، اگرچہ کہا جاتا ہے کہ دونوں الفاظ اصل میں مختلف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اَلۡمَشِيۡئَةُ فصیح زبان میں اَلۡاِيۡجَادُ کا مترادف ہے، اور اَلۡاِرَادَةُ کا مترادف اَلطَّلَبُ ہے (تاج)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلۡمَشِيۡئَةُ: اکثر متکلمین کے نزدیک مشیئت اور ارادہ ایک ہی صفت کے دو نام ہیں، لیکن بعض کے نزدیک دونوں میں فرق ہے۔ مشیئت کے اصل معنی کسی چیز کی ایجاد یا کسی چیز کو پا لینے کے ہیں، اگرچہ عرف میں مشیئت کو ارادہ کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے معنی اشیاء کو معرضِ وجود

Marfat.com

میں لانے یا موجود کرنے کے ہیں اور لوگوں کی مشیئت کے معنی کسی چیز کو پا لینے کے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو چاہنا چونکہ اس کے وجود کو متقاضی ہوتا ہے، اسی بناء پر کہا گیا ہے :

مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ : یعنی جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا ارادہ کرنا اس کے حتمی وجود کو نہیں چاہتا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ ۲ : ۱۸۵) : اللہ تمھارے لیے خوشحالی چاہتا ہے، لیکن تمھارے لیے تنگیِ زیست نہیں چاہتا۔

★ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ○ (المؤمن ۴۰ : ۳۱) : اور اللہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندوں کے ساتھ نا انصافی یا زیادتی ہو، یا ان پر ظُلم ہو۔

کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ لوگوں میں تنگیِ زیست بھی پائی جاتی ہے اور ان پر ظُلم بھی ہوتا ہے۔

مشیئت اور ارادہ میں دوسرا فرق یہ ہے کہ اِنسان کا ارادہ تو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بغیر ہو سکتا ہے۔ مثلاً اِنسان چاہتا ہے کہ اُسے موت نہ آئے، لیکن اللہ تعالیٰ اُسے مار دیتا ہے۔ بخلاف اس کے، مشیئتِ اِنسانی بغیر مشیئتِ الٰہی کے وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ جیسے فرمایا :

★ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (التکویر ۸۱ : ۲۹) : اور تم نہیں چاہتے مگر جو اللہ تمام افرادِ نسلِ اِنسانی کا مربّی چاہتا ہے (المفردات)۔ ⊏ کچھ نہ چاہو مگر وہی کچھ جو تمام افرادِ نسلِ اِنسانی کا اِلٰہ و ربّ چاہتا ہے ⊐ یعنی اپنی چاہت کو اُس کی چاہت کے طابع کر دو۔

یہ تلمیذ القرآن "کلیدِ لُغاتِ قرآن" کی مدد سے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اس آیت کے معنی ہیں : کچھ نہ چاہو مگر وہی جو اللہ تمام افرادِ نسلِ اِنسانی کا پروردگار و مالک چاہتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، لوگو! تمھاری طلب و جستجو رضائے الٰہی کے لیے ہونی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ

★ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (البقرۃ ۲ : ۲۷۲) : کچھ خرچ نہ کرو مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے۔

الزمخشری کی "کشاف" سے بھی ان معانی کی تائید ہوتی ہے۔

عربی گرامر (= صرف و نحو) میں مضارعِ نفی کو "نہی" کے معنی میں اِستعمال کرنا بلاغت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید نے بھی یہ اندازِ بیاں اِختیار کیا ہے۔ مثلاً اِرشاد ہوا۔

★ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ (البقرۃ ۲ : ۸۳) : اور جب ہم نے بنی اِسرائیل سے عہد لیا (تھا) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

Marfat.com

یہ یعنی اِس مفہوم کا ترجمہ قریب قریب سبھی مترجمین اور مُفسّرین نے کیا ہے ؛ یعنی مضارعِ نفی سے ''نہی'' کا مفہوم لیا ہے جو احسن و ابلغ ہے (مفصّل بحث کے لیے دیکھیے زمخشری : کشّاف ، بذیلِ آیۂ زیرِ نظر)۔

اِس قاعدے کی رُو سے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ کا معنی و ترجمہ یہ کرنا انسب و ابلغ ہے کہ ''کچھ نہ چاہو مگر وہی کچھ جو تمام افرادِ نسلِ اِنسانی کا الٰہ و ربّ چاہتا ہے''۔

یہاں اِس حقیقتِ نفس الامری کی یاددہانی کرانا اِس آیۂ فکر انگیز کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اِنسان کو صاحبِ اِرادہ و اِختیار بنایا ہے اور اُسے حیاتِ طیبہ یا حیاتِ خبیثہ بسر کرنے کی آزادی حاصل ہے اور اس آزادی کے سبب ہی وہ قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کا مُستوجب ہے۔ چنانچہ وہ اپنے لیے جیسی روشِ زندگی چاہے ، اِختیار کرسکتا ہے۔ اِس میں نہ تو قدرت جبر کرتی ہے اور نہ کسی اور کو ایسا کرنے کی اجازت ہی دیتی ہے ؛ اور یہی مطلب ہے اِس آیۂ جلیلہ کا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ ۲ : ۲۵۶) : دین یا روشِ زندگی اِختیار کرنے میں جبر نہیں (آزادی ہے)۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ ۔ ربُّ العالمین کی اپنے جمالیاتی ۔ تخلیقی شہکاروں سے متعلق مشیّت کیا ہے ؟ یعنی وہ اُن کے متعلق کیا چاہتا ہے ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ ، ربِّ رحمٰن و رحیم اور پیکرِ حُسن و عشق ہے۔ اُس نے اپنے جمالیاتی ۔ تخلیقی شہکاروں کے لیے اِنتہائی خوبصورت و دلکش کائنات تخلیق کی ، اور ان کے رہنے کے لیے کرۂ ارضی کو جمیل و جلیل حیاتیاتی ، نباتاتی اور جماداتی پیکروں سے مزیّن کرکے اس میں ان گنت نعمتوں کے خزینے چھپا دیے ۔ پھر اِنسان کو حِسّی ۔ قلبی ۔ نفسی نظام ، نیز فکر و نظر اور قول و فعل کی آزادی بھی امانتاً ودیعت کردی تاکہ وہ اِس دُنیا میں اس کا بندۂ تسلیم و رضا ، اہلِ عشق و وفا اور نفسِ مُطمئنّہ بن کر حیاتِ طیبہ بسر کرے ۔ پھر اس عالمِ مرگ و حیات سے ہجرت کرکے دارالآخرت میں جائے ، جو الحیوان یا جہانِ حیات ہے تو اس کے حسین و نظر افروز عالمِ بیکراں ۔ جنّتِ قُرّۃُ العین میں عالمِ کیف و سرُور میں ہمیشہ زندگی کرتا رہے ؛ اور اس کا جمالیاتی شعور مسلسل اِرتقاء کرتا رہے ؛ اس کے نتیجے میں اس کا ترفّعِ درجات ہوتا رہے اور اس کے تقرّبِ اِلٰہی کا سلسلہ جاری و ساری رہے ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اہلِ عشق و وفا اپنے اِلٰہِ جمیل و جلیل اور ربِّ عاشق کی ہم نظری و ہمکلامی کی رحیقِ مختوم کی لذّتِ کیف پرور و سرُور انگیز سے سدا مُتکیّف رہیں اور اپنی ذات کی تکمیل کرتے رہیں ۔

یہ ہے مشیّتِ اِلٰہی ؛ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اِس طرح زندگی کریں ، اِس دُنیا اور جنّتِ قُرّۃُ العین میں ؛ لہٰذا ہمیں بھی اپنے لیے یہی چاہنا چاہیے ۔

اَلشَّيْءُ : بعض کے نزدیک شے وہ ہوتی ہے جس کا علم ہوسکے اور اس کے متعلق خبر دی جاسکے ۔

Marfat.com

اکثر متکلمین کے نزدیک یہ اسم مشترک ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے؛ نیز باقی موجودات بلکہ معدومات پر بھی بولا جاتا ہے؛ یعنی اُن کو شے کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ شے صرف موجود شے کو کہتے ہیں۔ یہ اصل میں شَاءَ کا مصدر ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے متعلق شے کا لفظ اِستعمال ہو تو یہ بمعنی شَاءٍ یعنی اسم فاعل کے ہوتا ہے اور غیر اللہ پر بولا جائے تو مَشِیْءٌ (اسمِ مفعول) کے معنی میں ہوتا ہے (المفردات)۔ اس سے شے، اللہ تعالیٰ کے حوالے سے، وہ چیز ہوئی، جسے وہ چاہے، یعنی جو اس کی مشیّت کی چیز ہو۔

شے سے متعلق ایک ازبس اہم نکتے کی صراحت: قرآنِ مجید میں ہے:

★ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (البقرۃ ۲: ۱۰۶؛ آلِ عمران ۳: ۲۶ و بمواضع کثیرۃ)۔
یہ کہ اللہ ہر شے کرنے پر جو وہ چاہے قُدرتِ کاملہ رکھنے والا ہے۔

شے کی اس اصل معنویت سے ناواقفیت کی بِناء پر بعض غیر مُسلم اِسلام دشمن مذہبی پیشواؤں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر اللہ ہر شے کرنے پر قادر ہے تو پھر وہ (خاکم بدہن و عیاذًا باللہ) جنسی فعل کرنے، گندگی کھانے اور جُرم و گناہ کرنے پر بھی قادر ہوگا اور اُس سے ایسے گھناؤنے افعال بھی سرزد ہوتے ہوں گے۔

اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اِس آیۂ جلیلہ میں شے کا مطلب ہے معروضِ مشیّتِ اِلٰہی؛ یعنی ایسی چیز جسے اللہ کرنا چاہے۔ قُرآنِ مجید کی رُو سے چونکہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ جُملہ اسماءِ حُسنٰی یا صفاتِ حسنہ کا مالک ہے اور حُسن و طہارت، عدل و احسان اور حسنہ و خیر ہی کو پسند کرتا ہے، لہٰذا یہی چیزیں اس کی مشیّت کی معروضات یا اشیاء ہیں، جن کو کرنے کی وہ قُدرت رکھتا ہے۔ جہاں تک ناپاک، قبیح، گندی چیز یا سیّئہ کا تعلق ہے، وہ اس کی مشیّت کی معروض ہی نہیں اور نہ ہو ہی سکتی ہے، اس لیے اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے اُسے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ منطق کی زبان میں، جو معروضِ مشیّتِ اِلٰہی ہی نہیں، وہ شے ہی نہیں اور اس کے مقدور ہی میں نہیں کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اُسے کرے۔ مثال کے طور پر، جس طرح سُوئی کے ناکے کے مقدور میں ہی نہیں کہ اونٹ اُس میں سے گزر سکے۔

ق د ر (قدر)

قَدَرْتُ الشَّیْءَ (مضارع، مصدر قَدْرٌ مشتق از التَّقْدِیْرُ۔ اس کے وہی معنی ہیں جو

Marfat.com

قَدَّرْتُ الشَّیْءَ کے ہیں۔ مصدر تَقْدِیْرٌ) کے معنی ہیں: میں نے اس چیز کو ماپا یا ناپا، اس کا اندازہ کیا، یا اس چیز کی کیفیّت، کمیّت، مقدار، جسامت، لمبائی، چوڑائی، تعداد، حدّ یا حدود کی تعیین کی (مصباح، صحاح)۔ ایک روایت ہے: اِذَا غُمَّ عَلَیْکُمُ الْهِلَالُ فَاقْدِرُوْا لَهُ: جب رمضان کا ہلال بادل، دُھند وغیرہ کی وجہ سے تمھاری نظروں سے چُھپا ہوا ہو تو دنوں کا شمار کرلو (المُغرب، مصباح)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (الانعام ۶: ۹۱): ⊏ اور انھوں نے اللہ کی ذات وصفاتِ حسنہ جیسے عظمت وکبریائی، بے پایاں رحمت ومغفرت، ہدایت ونُصرت اور انعامات واِحسان کی اتنی تحسین وتحمین نہ کی جتنی کہ کرنے کا حق تھا ⊐۔ بعض نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: انھوں نے اللہ کی وہ تعظیم وتقدیس نہیں کی جس کا وہ حقدار تھا۔

وجہ یہ ہے کہ قَدْرٌ کے معنی تقدیس وتعظیم کرنے کے بھی ہیں (قاموس، کتاب لیث)۔

قَدَرَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ: اُس نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ماپا (لِسان، قاموس)۔

قَدَرَ الْاَمْرَ اور قَدَرَ اِلَی الْاَمْرِ: اُس نے فلاں معاملے یا شے پر غور وفکر کیا، اور اس کے انجام، نتیجے، مسئلے کو سوچا (لِسان، قاموس)؛ نیز اُس نے اس چیز کی پیمائش کی، ایک حصّے کا دوسرے حصّے کے ساتھ تقابُل کیا؛ اس نے تأمُّل کیا اور اس میں غور وفکر کیا (لِسان)۔ قَدَرْتُ عَلَیْهِ الثَّوْبَ: میں نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے؛ اس کے ماپ کی مطابقت کی (صحاح، قاموس)۔

قَدَّرْتُ عَلَیْهِ الشَّیْءَ کے معنی ہیں: میں نے یہ چیز اس کے یا اس کے ماپ کے مطابق بنا دی؛ یا اس چیز میں ایسی قطع وبرید کی کہ اس پر ٹھیک بیٹھ گئی۔ قَدَّرَ الشَّیْءَ کا مترادف ہے جَعَلَهُ بِقَدَرٍ (ابن القطّاع): اُس نے ناپ کے مطابق چیز بنائی۔

تَقْدِیْرٌ کے بنیادی معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز کے ماپ کے مطابق بنانا (بیضاوی: ۱۵: ۶۰)۔

قَدَرَ اللّٰہُ ذٰلِکَ عَلَیْهِ ⊏ مضارع اور مصدر قَدَرٌ اور قَدْرٌ (قاموس)، یا اوّل الذکر محض اِسم، (اللّحیانی، مِصباح)، اور مَقْدَرَةٌ؛ اور قَدَّرَہُ اللّٰہُ ذٰلِکَ عَلَیْهِ (یہ زیادہ مُستعمل ہے)، مصدر تَقْدِیْرٌ (تاج) ⊐: اللہ نے اُس کے خاص معاملے کی نوعیّت کے مطابق اس کے حق میں یا خلاف حکم دیا یا فیصلہ کیا۔

قَدَرَ اور اِقْتَدَرَ دونوں طَبَخَ اور اِطَّبَخَ کی طرح ہیں اور ان کے معنی ہیں: اُس نے کھانا پکایا، اور اُس نے اپنے لیے کھانا پکایا، قِدْرٌ یا ہنڈیا میں (صحاح، تاج)۔ اس کی جمع قُدُوْرٌ ہے۔

Marfat.com

قَدِیْرٌ : اس گوشت کو کہتے ہیں جو ہنڈیا میں پکایا ہوا مسالے دار ہو (صحاح ، تاج) ۔
قَدَّرَ (مصدر تَقْدِیْرًا) : اُس نے فلاں معاملے یا چیز کو ترتیب دینے یا تیار کرنے میں غور و فکر کیا (تاج ، قاموس ، البصائر) ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ○ (المدثر ۷۴ : ۱۸) : اس نے سوچا اور منصوبہ بنایا۔

قَدَّرَ کے معنی بنانا بھی ہیں : مترادف صَنَعَ اور جَعَلَ (لین) ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا (حٰم السجدۃ ۴۱ : ۱۰) : اور اُس نے اِس میں اس کی غذاؤں (ALIMENTS) کو (حکیمانہ طریقے سے) ودلیعت کر دیا۔

اس لغوی بحث سے مستنبط ہوا کہ قَدَّرَ کے معنی ہوئے کسی چیز کو اس کی موضوعی۔معروضی مقتضیات کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے مطابق موزوں یا حسین بنانا ، اور اسے "تقدیر" کہتے ہیں۔

نکتہ : موزونی جمالیاتی قدر (Aesthetic value) یا حُسن کی ایک صفت ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ (الحجر ۱۵ : ۱۹) : اور اس میں ہم نے ہر نشو و نما پانے والی چیز کو اس کے حسبِ حال و مقتضیات حسین و ترقی پذیر پیدا کیا۔

نکتہ : نبات اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہر نشو و نما پانے والی چیز سے متعلق استعمال ہوتا ہے ، اور نباتات ، حیوانات اور انسان سب پر بولا جاتا ہے (المفردات ، مادہ ن ب ت) ۔

اسی مفہوم کی آئینہ دار درجِ ذیل آیات بصیرت افروز ہیں :

★ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (الطلاق ۶۵ : ۳) : اللہ نے ہر شے کی تقدیر مقرر کر دی ہے ؛ یعنی اس کی موضوعی۔معروضی مقتضیات کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے مطابق موزوں یا حسین بنایا۔

★ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ○ (المرسلٰت ۷۷ : ۲۳) : پھر ہم نے اس کے حسبِ حال اس کی تخلیق کی ، دیکھیے ہم کتنی اعلیٰ تخلیق کرنے والے ہیں۔

اسی بناء پر قرآنِ مجید نے اللہ تعالیٰ کو اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کہا ہے ؛ نیز اس لیے کہ اُس نے جو چیز بھی تخلیق کی ، اسے حسین بنایا۔

★ اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (السجدۃ ۳۲ : ۷) : اُس نے جو چیز بھی تخلیق کی اُسے حسین بنایا۔

★ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المؤمنون ۲۳ : ۱۴) : پس اللہ بڑا ہی مبارک اور برکت دینے والا ۔ جملہ تخلیق کاروں سے بہترین تخلیق کار ہے۔

Marfat.com

قدر اور تقدیر کی اِن تشریحات کی رُو سے لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ کے معنی ہوئے: حسین و مبارک تقدیر والی رات ؛ اِسی بناء پر اس میں مبارک حُسنِ کلام آخر نازل ہوا :

★ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ○ (القدر ۹۷ : ۱ بعد): بلاشُبہ ہم نے اُسے (قرآنِ مجید کو) حسین و مبارک اور موزوں رات میں نازل کیا۔ دوسرے مقام پر لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ اور لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کہا ہے (الدّخان ۴۴ : ۳) - اس سے ہم نے جو معنی کیے ہیں، ان کی تائید ہو جاتی ہے۔

اَلۡقُدۡرَةُ (قُدرت) : اگر یہ اِنسان کی صفت ہو تو اس سے مراد وہ قوّت ہوتی ہے جس سے اِنسان کوئی کام کرسکتا ہو ؛ اور اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ عاجز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری ہستی معنوی طور پر قُدرتِ کاملہ کے ساتھ مُتّصف نہیں ہوسکتی ، اگرچہ لفظی طور پر ان کی طرف نسبت ہوسکتی ہے ، اس لیے اِنسان کو مُطلقاً هُوَ قَادِرٌ کہنا صحیح نہیں ہے - البتہ تقیّد کے ساتھ هُوَ قَادِرٌ عَلٰی کَذَا کہا جائے گا - لہٰذا اللہ کے سوا ہر چیز قُدرت اور عجز دونوں کے ساتھ مُتّصف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جو ہر لحاظ سے عجز سے پاک ہے۔

اَلۡقَدِیۡرُ اُسے کہتے ہیں جو اِقتضائے حکمت کے مطابق جو چاہے کرسکے اور اس میں کمی بیشی نہ ہونے دے ؛ لہٰذا اللہ کے سوا کسی کو قدیر نہیں کہہ سکتے (المفردات) -

قرآنِ حکیم میں ہے :

★ وَهُوَ عَلٰی جَمۡعِهِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ ○ (الشّوریٰ ۴۲ : ۲۹) : اور وہ جب چاہے ان کو جمع کر لینے پر قُدرتِ کاملہ رکھنے والا ہے۔

اور یہی معنی تقریباً مُقۡتَدِرٍ کے ہیں ، جیسے فرمایا :

★ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ (القمر ۵۴ : ۵۵) : قُدرتِ کاملہ رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں۔

★ فَاِنَّا عَلَیۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ○ (الزّخرف ۴۳ : ۴۲) : ہم ان پر قُدرتِ کاملہ رکھنے والے ہیں۔

لیکن مُقتدِر کے ساتھ کبھی اِنسان بھی مُتّصف ہو جاتا ہے - اور جب اللہ تعالیٰ کے متعلق مقتدر کا لفظ اِستعمال ہو تو یہ قدیر کے ہم معنی ہوتا ہے ؛ اور جب یہ اِنسان کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنی تکلّف یعنی محنت و مشقّت سے قُدرت حاصل کرنے والے کے ہوتے ہیں - محاورہ ہے قَدَرۡتُ عَلٰی کَذَا قُدۡرَةً : میں نے فُلاں چیز پر قُدرت حاصل کرلی (المفردات) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ لَا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ مِّمَّا کَسَبُوۡا ؕ (البقرۃ ۲ : ۲۶۴) : (مُنافقوں نے) جو کچھ کمایا ہوگا اس پر قطعاً قُدرت (طاقت یا مقدور) نہیں رکھیں گے (کہ اس سے اِستفادہ کرسکیں) -

Marfat.com

اَلْقَدْرُ وَالتَّقْدِیْرُ کے معنی ہیں کسی چیز کی کمیت بیان کرنا۔ کہا جاتا ہے: قَدَرْتُہٗ وَقَدَّرْتُہٗ اور قَدَّرَہٗ (تفعیل) کے معنی کسی کو قُدرت (Command, Control) عطا کرنا بھی ہیں: محاورہ ہے: قَدَّرَنِیَ اللّٰہُ عَلٰی کَذَا وَقَوَّانِیْ عَلَیْہِ: اللہ نے مجھے اُس پر قُدرت عطا فرمائی۔ چنانچہ "تَقْدِیْرِ اِلٰہی" کی دو صورتیں ہیں: اوّلاً، اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو قُدرت (=قُوّت وتوانائی، صلاحیت و اِستعداد اور خواص و قُویٰ) بخشنا ۔ ثانیاً، یا اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو مقدارِ مخصوص اور طرزِ مخصوص پر بنانا، جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، اس لیے کہ فعلِ اِلٰہی دو قسم کا ہے: ایک اِیجاد بالفعل، یعنی اِبتداء ہی سے کسی چیز کو ایسا کامل وجود عطا کرنا کہ جب تک مشیّتِ اِلٰہی اس کے تغیُّر و تبدُّل یا فنا و زوال کی متقاضی نہ ہو اس میں کمی بیشی نہ ہو سکے۔ دوسرے، یہ کہ اصولِ اشیاء کو بالفعل اور ان کے اجزاء کو بالقُوّۃ وجود عطا کرنا اور ان کو اِس اندازہ کے ساتھ مقدّر کرنا کہ اس کے خلاف ظہور پذیر نہ ہو سکیں۔ جیسا کہ کھجور کی گٹھلی سے متعلق تقدیرِ اِلٰہی یہ ہے کہ اس سے کھجور کا درخت ہی اُگتا ہے، سیب یا زیتون کا درخت نہیں اُگ سکتا (فارسی کا مقولہ ہے: گندم از گندم بروید جوز جو) ۔ اسی طرح اِنسان کے مادّۂ منویّہ سے اِنسان ہی پیدا ہوتا ہے، دوسرے جانور پیدا نہیں ہو سکتے (المفردات) ۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (الاعلیٰ ۸۷: ۳): اور اُس نے اُس کی حسبِ حال تخلیق کی پھر اسے اس کی روشِ زندگی سے آگہی دی۔

یہاں قَدَّرَ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی خلقت و روشِ زندگی کی مقتضیات کے مطابق اُسے اِستعداد و صلاحیت اور حواس و قُویٰ عطا فرمائے۔ درجِ ذیل آیۂ فکر انگیز اسی مفہوم کی آئینہ دار ہے:

★ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ (طٰہٰ ۲۰: ۵۰): مُوسیٰؑ نے جواب دیا: ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی (موضوعی۔ معروضی) خِلقت یا خَلق یا خُلق عطا فرمایا اور پھر اُسے اس کی روشِ زندگی سے آگاہ کر دیا۔

نُکتہ: خَلْقَهٗ میں ضمیر اِس واقعیت پر دلالت کرتی ہے کہ ربُّ العالمین کے حافظے (=لوحِ محفوظ) میں ہر شے نقش تھی۔ اُسے دُنیا میں پیدا کرنے کی خاطر اسے ایسی موضوعی۔ معروضی خِلقت عطا کی جو اس کے احوال و ظروف اور مقتضیاتِ زندگی اور جمالیاتی لحاظ سے موزوں ترین تھی۔ موزونی جیسا کہ معلوم کر چکے ہیں، جمالیاتی قدر (Aesthetic value) ہے۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ جب "تقدیر" کا فاعل اِنسان ہو تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں: ایک "تقدیرِ محمود"، یعنی عقل و فکر کے مطابق غور و فکر کرنا (عقلِ سلیم کے ساتھ تفکُّر بالحق کرنا) اور نتیجۂ فکر کے مطابق

Marfat.com

کسی امر یا امور کو سرانجام دینا۔ دوسرے "تقدیرِ مذموم" کہ انسان اپنے جذبہ و عصبیت اور تمنا و خواہش کے پیمانے کے مطابق کسی امر پر غور و فکر کرے اور عقل و فکر (عقلِ سلیم) سے کام نہ لے؛ جیسے فرمایا:

★ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ (المدّثر ۷۴: ۱۸-۱۹): اُس نے سوچا اور منصوبہ بنایا۔ ہلاک ہوجائے کہ اُس نے کیسا (مذموم) منصوبہ بنایا۔

اِستعارے کے طور پر قُدرت اور مقدور کے معنی حالت اور وسعتِ مالی کے بھی آتے ہیں؛ اور قَدَرٌ کے معنی اس مُعیّن وقت یا مقام کے بھی ہوتے ہیں جو کسی کام کے لیے مُعیّن ہوچکا ہو۔ چنانچہ فرمایا:

★ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (المرسلٰت ۷۷: ۲۲): ایک مُعیّن وقت تک۔

★ فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا (الرّعد ۱۳: ۱۷): پھر ندی نالے اپنے ظرف کے مطابق اس پانی کو لے چلے۔

قَدَرْتُ عَلَيْهِ الشَّىْءَ کے معنی ہیں: کسی پر تنگی کر دینا۔ گویا وہ چیز اُسے مُعیّن مقدار کے ساتھ دی گئی ہے۔ اس کے بالمقابل بغیرِ حساب (یعنی علی الحساب یا اندازہ کیے بغیر) آیا ہے۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ (الطّلاق ۶۵: ۷): اور جس کے لیے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو۔

نیز فرمایا:

★ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ (الرّعد ۱۳: ۲۶): اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

مِقْدَارُ الشَّىْءِ: اس وقت یا زمانے کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے لیے مقرّر کر دیا گیا ہو۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج ۷۰: ۴): اس کی طرف ملائکہ اور رُوح چڑھ کر جاتے ہیں ایک یوم میں، جس کی مِقدار (مدّت) پچاس ہزار برس ہے۔

Marfat.com

حواشی

۱— **جمالیاتی ثروت :** اسے عموماً دولتِ دل یا من کی دولت بھی کہتے ہیں۔ قُرآنِ مجید نے اس کے لیے جامع و معنی خیز مُصطلحہ "حسنہ" اِستعمال کی ہے۔ اس کا مطلب ہے ہر قسم کی مادّی و معنوی شئے ، جو حسین و طمانیت آفریں، سُرور انگیز و لذّت خیز اور قُرّۃُ العین ہو۔ جمالیاتی ثروت کی اصطلاح حیاتِ طیبہ، طمانیت و مسرت، جمالیاتی سُرور و ساز، عشقِ الٰہی و غمِ اِنسانی؛ بصیرت و معرفتِ اِلٰہی اور سلامتی و ہدایتِ قلبی پر دلالت کرتی ہے۔

Marfat.com

۲۱- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۲- الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۱— ترجمہ

اے بنی نوعِ انسان! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے انسانوں کو تخلیق کیا تاکہ تم اس کا تقویٰ اختیار کرو۔

تفسیری ترجمہ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جو نہایت محبّت سے اپنی تخلیقات کو جسمانی و معنوی درجہ بدرجہ نشوونما دیتے اور تمھیں صراطِ مُستقیم پر زندگی کرنے کا چلن سکھانے والا تمھارا مُربّی و ہادی اور آقا و مالک ہے، اور اُس نے تمھیں اور تم سے پہلے جُملہ بنی نوعِ انسان کو تخلیق کیا ہے۔ اس کے کُل احکام و تعلیمات کو برضا و رغبت تسلیم بالیقین کرو اور اُن کے مطابق زندگی کرو، تاکہ اس سے تمھارے اندر اس کے قُرب و رِضوان اور جنّتِ قُرّۃُ العین کی آرزو اور ان سے محروم رہ جانے کی خشیّت کا اِحیاء ہو جائے۔

۲۲— ترجمہ

وہی تو ہے، جس نے تمھارے لیے کُرۂ ارض کو (السّمآء سے جُدا کر کے) تمھاری سکونت گاہ اور آسمان کو چھت (CANOPY) بنایا۔ اور وہ بُلندی سے پانی برساتا ہے اور اس سے تمھاری روزی کے لیے پھل اور اناج اُگاتا ہے، لہٰذا اللہ کے شریک و ہمسر نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کے مثل کوئی شے ہے نہ ہو سکتی ہی ہے)۔

تفسیری ترجمہ

وہ اللہ (احسن الخالقین اور تم سے بے اندازہ محبّت و شفقت کرنے والا تمھارا پروردگار و مالک) ہے، جس نے اس کُرۂ ارض کو تمھاری بُود و باش کے لیے (بلا شرکتِ غیرے، آتشیں گیسوں کے بے اندازہ عظیم فلکی تودے (MASS) کے اندر قیامت خیز ہیجان پیدا اور دھماکہ کر کے اس سے علیحدہ و جُدا

Marfat.com

کر کے فضا ہی میں) مُسطّح کر دیا اور اس کے اُوپر آسمان کو چھت بنا دیا (تاکہ تمہاری نظریں اوپر اُٹھیں تو لامُتناہی بسیط فضا میں اپنے آپ کو کھو کر تمھیں حواس باختہ نہ کر دیں۔ تُم دیکھتے ہو کہ) اللہ آسمان یعنی بلندیوں سے پانی برساتا ہے (جو زمین کے ذرات میں ملے ہوئے کھربوں بلکہ بے قیاس غیر مرئی حیاتیاتی جرثوموں کے لیے آب حیات ہوتا ہے؛ اور اس میں بے اندازہ کھاد ہوتی ہے؛ نیز اس سے اراضی میں نشوونما پانے اور بار آور ہونے کی اِستعداد پھر پیدا ہو جاتی ہے، اور اس طرح) زمین میں بنی نوعِ اِنسان (اور دیگر حیاتیاتی مخلوقات) کی غذا کے لیے ہر قسم کے رس بھرے پھل، پھول، ترکاریاں، بُوٹیاں، چارا، غلہ اور اناج اُگتے ہیں۔ لہٰذا، ایسے بے حساب رزق اور نعمتیں دینے والے ربِّ عاشق کا اپنے لیے کوئی ہمسر و شریک مقرر نہ کرو، حالانکہ تُم جانتے ہو کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کے مثل کوئی شے نہیں اور نہ ہو سکتی ہی ہے، اس لیے کہ سب ہستیاں اس کی مخلوق، مرزوق، مرلوب، محتاج اور رسائل ہیں؛ نیز ایسا کرنا شِرک ہے جو ظُلمِ عظیم اور ناقابلِ معافی گناہِ کبیرہ ہے۔

تفسیر

اِن آیاتِ فکر انگیز میں مُتعدد نِکات اپنی غیر معمولی اہمیت کی بناء پر غور طلب ہیں۔ اوّلاً، اِن میں بنی نوعِ اِنسان کو اپنے ربّ کی عبادت کرنے کا بلاواسطہ حُکم پہلی بار دیا جا رہا ہے۔ ثانیاً، اللہ کی بجائے ربّ کا لفظ اِعجاز کا حُکم رکھتا ہے۔ ثالثاً، ربّ کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہر زمان و مکان کے افرادِ نسلِ اِنسانی کا خالق ہے۔ رابعاً، عبادت کی مقصدیت یہ بتائی گئی ہے کہ اِس سے اِنسان میں تقویٰ جو بالقُوّۃ موجود ہے، قُوّت سے فعل میں آجاتا ہے؛ یا اُس کا اِحیاء ہو جاتا ہے۔

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے جُملہ جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو مخاطب کر کے صرف اپنی عبادت (= طاعت و بندگی، حمد و تشکُّر اور ذکر و عشق) کرنے کا حُکم دیا ہے۔ دلیل یہ دی ہے کہ میں صرف تمہارا ہی نہیں، بلکہ ان سے پہلے تمام بنی نوعِ اِنسان کا بھی خالق و پروردگار اور آقا و مالک ہوں۔ اپنے ربِّ عاشق کے تمام جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں سے محبت کرنا، اُن کے اِنسانی حقوق کی پاسداری کرنا، اور اِن پر رحم و کرم کرنا اس لیے لازم ہے کہ یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ تُم اپنے ربّ سے شدید ترین محبت یا عشق کرتے ہو، جس کا کرنا فرض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک تو ہمیں ربُّ العٰلمین کے سوا کسی سے شدید محبت نہیں کرنا

Marfat.com

چاہیے کہ یہ شرک ہے۔ دوسرے، اس کے تمام بندوں کے لیے ہمیں رحمت بننا، اور تیسرے، اس کے بندگانِ تسلیم و رضا یا اہلِ عشق و وفا بن کر زندگی کرنا جُملہ بنی نوعِ اِنسان پر لازم ہے۔

یہاں اس نُکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ جس طرح ربّ کے معنی ہیں، تدریجاً یا درجہ بدرجہ نشو و ارتقاء کرنے والا آقا و مالک، اسی طرح اس کی تخلیقِ اِنسان کا مطلب اس کی درجہ بدرجہ نشو و ارتقاء کر کے اُسے معرضِ وجود اور دُنیا میں لانا ہے۔ اس کی ایک بصیرت افروز مثال خود ربِّ رحمٰن کا اِنسان کی شکمِ مادر میں چھے مختلف مراحل میں نشو و ارتقاء کر کے اس کی تخلیق کی تکمیل کرنا ہے (المومنون ۲۳: ۱۴)۔ دُنیا کے معمورۂ آب میں بھی ربُّ العالمین نے اِنسان کے نفسِ واحدہ یا ایک جرثومۂ حیات کو چھے مراحل سے گزار کر چھے ادوار میں اپنی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت کی تکمیل کی تھی اور اُسے بشر، اِنسان یا آدم بنایا تھا۔

ربُّ العٰلمین جو رحمٰن و رحیم یا عاشق ہے، اس کی عبادت کرنے کا ثمرہ اِنسان کو یہ ملتا ہے کہ اس کے باطن میں ودیعت کردہ "تقوٰی" قوّۃ سے فعل میں آجاتا ہے اور وہ مُتقی بن جاتا ہے۔ مُتقی بننا بڑے نصیب اور فضیلت و کامیابی کی بات ہے، اس لیے کہ قرآنِ مجید انھیں ہی اُن کے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کی حسین و فطری راہِ راست (صراطِ مستقیم) کی طرف رہنمائی کرتا اور اس پر گامزن رہنے کی ترغیب و تحریک کرتا رہتا ہے تاکہ اس کے اہلِ آرزو و خشیّت بندے اُس کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں پہنچ جائیں جو ان کا 'حُسن المآب ہے' یعنی حسین و دلکش اور راحت افزا و سرُور انگیز حقیقی و پائیدار گھر ہے۔

تقوٰی کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اِنسان میں ربِّ عاشق کی عبادت کا، اور اس کے بندوں کے لیے رحمت بننے کا داعیہ نشو و نما پاتا ہے۔

اِس آیہ ایمان افروز میں یہ نُکتہ بھی خصوصی غور و فکر کا متقاضی ہے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ چونکہ ربِّ عاشق ہے، اس لیے اس کی مشیّت اپنے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں میں تقوٰی کا اِحیاء کرنا ہے تاکہ وہ اس کی جنّتِ قُرّۃُ العین میں کیف و سرُور میں حیاتِ ابدی بسر کرنے کے لیے پہنچ جائیں، جو اس نے ان کے لیے تیّار کر رکھی ہے۔

آیہ نمبر ۲۱ بصیرت افروز اعجازاتِ قرآن میں سے ہے۔ اس میں اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت کی غایت، توحیدِ ربُوبیّت و اُلُوہیّت' اور عبادت و تقوٰی کے فلسفے کو، جو شرح و بسط کا متقاضی ہے، چند الفاظ میں ایسے حیرت انگیز ایجازِ بلاغت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ دین کی معنویّت' حیاتِ اِنسانی کی غایت اور ربِّ عاشق کی مشیّت قلبِ حسین پر مشہود ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جو پیکرِ حُسن وعشق ہے، اپنے جمالیاتی-تخلیقی شہکاروں کو امن وسلامتی اور طمانیتِ قلب وجاں کے ساتھ حیاتِ طیّبہ بسر کرانے کی خاطر انھیں اپنے احکام و ہدایت اور تعلیمات کے مطابق زندگی کرنے کا حکم دیتا ہے، اِس دلیل کے ساتھ کہ وہ ان کا ربّ ہی ہے جو ان کو اور ان سے پہلے گزری ہوئی نسلوں کو وجود، زندگی اور حِسّی-قلبی-نفسی نظام دے کر دُنیا میں لایا تھا۔ پھر وہی ہے جو چاہتا ہے کہ وہ اس کے بندگانِ تسلیم و رضا بن کر امن وسلامتی کے ساتھ حیاتِ طیّبہ بسر کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمان ومکان میں اپنے انبیاءِ کرامؑ کو " الھُدیٰ" دے کر بھیجتا رہا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہدایت کی نوعیّت موضوعی-معروضی (SUBJECTIVE – OBJECTIVE) ہے۔ موضوعی ہدایت سے مُراد طبعی-وِجدانی اور عقلی حِسّی ہدایت ہے، جسے وہ اِنسان میں ودیعت کر کے دُنیا میں اُسے پیدا کرتا ہے۔ معروضی ہدایت وحی وتنزیل ہے، جس کی آخری احسن و اکمل ملفوظی ومکتوبی صورت قُرآنِ مجید ہے، جس کے لیے اِس تلمیذ القرآن نے حُسنِ کلامِ آخر کی تعبیر بھی اِختیار کی ہے۔

یہ موضوعی-معروضی ہدایت جو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے حُسنِ رُبُوبیّت پر دال ہے، اِنسان کے لیے حیاتِ طیّبہ بسر کرنے اور مادّی ومعنوی ترقی کرنے کا وسیلہ ہے، اور اس کے مطابق زندگی کرنا ہی عبادتِ اِلٰہی ہے؛ اور یہ اصلِ دین ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ربُّ العٰلمین نے ہر زمان ومکان میں ہر بستی، اُمّت اور قوم میں لوگوں کے رُشد و ہدایت کے لیے اپنے کلام یا وحی وتنزیل یا کتاب/صحیفہ کے ساتھ رسولؑ بھیجے۔ ان جُملہ رسولوںؑ کی دعوت تو بس یہ تھی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو؛ یعنی اس کے جُملہ احکام کی پُوری پُوری تعمیل کرو؛ نیز انھیں سمجھنے اور ان کے مطابق زندگی کرنے کی خاطر اس کی وحی وتنزیل کا مطالعہ بالحق کرو اور اس کی یاد کو حرزِ جاں بنالو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تُم میں ایک تو اپنے اِلٰہ (= ناظورِ دلنشین) اور پروردگارِ عاشق (= ربِّ رحمٰن) کے قُرب و رضوان اور جنّتِ قُرّۃُ العین کی آرزو اور دوسرے اس سے دُوری و مہجوری اور جنّت سے محرومی اور عذابُ النّار کی خشیت پیدا ہو جائے گی۔ اسے اِصطلاحِ قرآنی میں تقویٰ کہتے ہیں (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

اِس جگہ ایک غایت درجہ اہم نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے۔ بعض لوگ "عبادت" کی اِصطلاحِ قُرآنی کا ترجمہ پرستش کرتے ہیں، جو اس اعتبار سے غلط اور گُمراہ کُن ہے کہ پرستش تو مورتیوں، بُتوں، شبیہوں، مجسّموں، آستانوں، روضوں یا مقابر وغیرھم کی کی جاتی ہے؛ اور اِسلام اسے بُت پرستی، اکابر پرستی اور شرک قرار دیتا ہے، جو ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے۔ قُرآنِ حکیم کے اِعجازات میں سے ہے کہ وہ اپنی اصطلاحات اور آیات کی تفسیر خود ہی کر دیتا ہے۔ عبادت کی تفسیر دیکھیے:

الٓمّٓ ۱

Marfat.com

★ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النّحل ۱۶ : ۳۶) : اور ہم نے (ہر زمان و مکان میں) ہر قوم، بستی، قبیلے میں اپنا رسولؑ بھیجا جس کی دعوت تھی کہ (اللہ کی عبادت یعنی اس کے احکام (= اوامر و نواہی) کی تعمیل کرو اور طاغوتی یا شیطانی قوّتوں مثلاً فرعونوں یا آمرانہ سلاطین، ہامانوں، قارونوں (سادات و کبائر، جاگیرداروں، سرداروں، خوانین اور سرمایہ داروں) اور آزروں (عُلمائے سُوء، مشائخِ سالوس، جعلی و فریب کار درویشوں، فقیروں، پیروں، ملنگوں وغیرہ وغیرہ) کے تعلیمات اور اقوال کے ماننے سے بچو۔

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم بالیقین کرنا اور صرف اس کی تعلیمات و ہدایات اور احکام کے مطابق اس کی حسین و قائم و دائم راہِ راست پر سفرِ زندگی کرنا عبارت ہے توحید سے؛ اور ایسا نہ کرنا، بلکہ طاغوت، جو علامت ہے سرکش و باغی قوّتوں، مثلاً فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کی، اس کے عقائد و اقوال اور احکام کو تسلیم بالیقین کرنا اور ان کے مطابق زندگی کرنا، نیز اس کا ذکر و حمد کرنا (جیسا اللہ تعالیٰ کا کرنا چاہیے) اکابر پرستی یا شرک ہے۔ "خُوئے بد را بہانۂ بسیار" کے مصداق مُشرک ہمیشہ اپنے شرک یا عبادتِ طاغوت کے جواز میں مشیّتِ الٰہی کو پیش کرتے ہیں، جیسے قرآنِ مجید نے ہمیں مُتنبّہ کرنے کی خاطر نقل کیا ہے :

★ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (النّحل ۱۶ : ۳۵) :

اور جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیّت ہوتی تو نہ ہم اور نہ ہمارے آباؤ اجداد ہی اس کے سوا کسی اور ہستی کے احکام و عقائد اور تعلیمات و ہدایات کو تسلیم کرتے، نہ ان پر عمل ہی کرتے اور نہ اُن کا ذکر و حمد ہی کرتے، اور نہ اس کے احکام کے بغیر کسی چیز کو حرام ہی ٹھیراتے۔ ایسا ہی رویّہ ان سے پہلی قوموں نے بھی اختیار کیا تھا، حالانکہ اُن کے پاس جو رسولؑ آئے تھے اُن کے ذمّے (اللہ کی مشیّت اور اِنسان کی آزادیِ اِرادہ و اِختیار کی حقیقت کو) واضح و غیر مُبہم طور پر بیان کرنا ہی تو تھا۔

قرآنِ مجید کی رُو سے ہمیں اِس سلسلے میں ایک تو اِس حقیقتِ نفس الامری کو ہمیشہ کے لیے تسلیم بالیقین کر لینا چاہیے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی مشیّت یہ ہے کہ ہم اس کے مؤمن و موحِّد اور مُتّقی بنیں، اور شرک کی

Marfat.com

ہر رسم، مثلاً اکابر پرستی، اصنام پرستی، روضات و مقابر پرستی اور شبیہ و آستانہ پرستی سے گریزاں و ترساں رہیں؛ نیز اس کے سوا کسی اور کی ہرگز طاعت و بندگی نہ کریں۔ دوسرے، اِس اصلِ عظیم پر بھی ایمان لانا اور رکھنا ناگزیر ہے کہ ربِّ رحمٰن اپنے ہر جمالیاتی۔ تخلیقی شہکار کو توحید و شرک، ہدایت و ضلالت، حسنہ و سیئہ؛ خیر و شر اور سُود و زیاں میں امتیاز کرنے کے لیے اُسے بیمثال و حیرت انگیز حسّی قلبی نفسی نظام اور اس کے ساتھ اُسے قول و فعل، اِرادہ و اِنتخاب کی آزادی ودیعت کرکے دُنیا میں بھیجتا ہے۔ اب اِنسان کی ذِمّے داری ہے کہ وہ موحِّد بن کر اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے کُل عقائد و احکام کو تسلیم بالیقین اور ان کے مطابق زندگی کرتا ہے یا "طاغوت" کے احکام کو تسلیم کرکے مُشرکانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ چنانچہ اِس آزادی کی بدولت ہی بنی نوعِ اِنسان قُدرت کے قانونِ مُکافاتِ عمل کے مُستوجب ہیں۔

اپنے حُسنِ سُنّت کے مطابق قُرآنِ مجید نے اِس آیۂ بصیرت افروز کی تفسیر بھی خود ہی کر دی ہے:

★ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (یٰسٓ ۳۶: ۶۰-۶۱):

اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں تاکیدی حُکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کا کہا نہ ماننا، یعنی اُس کی بات، حُکم اور پند و نصیحت پر عمل نہ کرنا؛ وہ بلاشُبہ تمھارا کُھلا دشمن ہے۔ اور میرا کہا اور حُکم ماننا کہ یہی (میرا) حسین و پائیدار اور سیدھا راستہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ صراطِ مُستقیم ہی دُنیوی و اُخروی حسنہ و کامیابی، قُرب و رِضوانِ اِلٰہی اور جنّتِ قُرّۃُ العین حاصل کرنے کا حسین و واحد راستہ ہے۔

ظاہر ہے کوئی قوم شیطان کو صُوری طور پر جانتی ہے نہ اس کی مُورتی، تصویر، بُت یا مُجسّمہ بنا کر اس کی پرستش ہی کرتی ہے۔ لوگ تو صرف اس کے دلفریب بہلاوں میں آکر اس کا کہا مانتے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ مطلب ہے اس کی عبادت کا۔

عبادت کی ایک اِنتہائی بلیغ و مدلّل اور احسن و اکمل تفسیر۔ قُرآنِ حکیم کے اعجازِ زبان میں:

★ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ۭ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یُوسُف ۱۲: ۳۹-۴۰):

اے زنداں (جیل) کے ساتھیو! (ذرا سوچو تو) کیا مختلف (DIVERSE) روزی رساں

Marfat.com

آقا و حاکم بہتر ہیں یا اللہ یکتا۔ غالب (ONE ALMIGHTY)؟ اُس کے سوا تُم جن کی طاعت و بندگی کرتے ہو وہ محض اسمائے بے مُسمّٰی ہیں (یعنی بے حقیقت نام ہی نام ہیں) جو تُم نے اور تمھارے آباؤ اجداد نے (فنِّ تسمیہ بالباطل کے ذریعے) رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے حقیقی ہونے کے متعلق کوئی سند نازل نہیں کی۔ (اصل یہ ہے کہ) فرماں روائی کا اختیار اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں۔ اُسی کا فرمان ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو، کسی اور کی نہیں۔ یہی قائم و دائم اور راست شعارِ زندگی (= دین) ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

اس پر مزید کچھ کہنا تحصیلِ حاصل ہوگا؛ لیکن تقوٰی کے حوالے سے اِس حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا بیجا نہ ہوگا کہ تقوٰی ذریعۂ ہدایت ہے تو عبادتِ اِلٰہی ذریعۂ تقوٰی۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ کے حسین و فطری اور پائیدار و راست راستے پر چلنے، حیاتِ طیّبہ بسر کرنے، مادّی و معنوی ترقّی کرنے اور اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کی سچی آرزو اور ان چیزوں سے محروم ہو جانے کا خوف ہو تو وہ ان چیزوں کو پالینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہی فوز و فلاح ہے۔ کچھ اسی طرح جو شخص اللہ سُبحانہٗ وتعالٰی کے احکام کو تسلیم بالیقین کرتا اور ان پر عمل کرتا ہے تو اس کا نفسیاتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے دل میں اپنے معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود (اِلٰہِ جمیل) اور خالق و رازق اور پروردگارِ عاشق کے قُرب و رِضوان کی طلب و جُستجو اور اس سے دُوری و مہجوری کی خشیت کے امکانات کی وقوع پذیری یقینی ہو جاتی ہے۔

تقوٰی دراصل عشقِ اِلٰہی پر دلالت کرتا ہے جو اصلِ ایمان و توحید اور مقصودِ عبادت و دین ہے۔

اب دو اور آیاتِ بصیرت افروز جو عبادت کی معنویت کے بارے میں قولِ فیصل اور حرفِ آخر کی حیثیّت رکھتی ہیں اور اِعجازاتِ قُرآن میں سے ہیں، پیش کی جاتی ہیں:

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ (البقرۃ ۲: ۲۰۸): اے لوگو جو ایمان لائے ہو (اور اپنے آپ کو مُسلمان۔ مؤمن کہتے ہو) اِسلام کے جُملہ اعتقادات و ایمانیات اور تعلیمات و احکام (اوامر و نواہی) کو تسلیم بالیقین کر کے اور ان کے مطابق کُل (انفرادی۔ اِجتماعی اور دُنیوی۔ اُخروی) زندگی بسر کرنے کے داعیہ و عزم کے ساتھ اس کے افرادِ معاشرہ میں شامل ہو جاؤ۔ لیکن شیطان کا اِتّباع نہ کرنا، یعنی نہ تو اُس کے وسوسوں اور جمالیاتی دھوکوں میں آنا اور نہ اُس کا کہا ہی ماننا، اس لیے کہ وہ تو تمھارا کوئی ڈھکا چُھپا نہیں بلکہ کُھلا دشمن ہے۔

Marfat.com

یہ اصلِ عظیم ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان کی پیروی کرنا ہی اُس کی عبادت کرنا ہے۔ شیطان کی ذُرّیّت تعداد میں یوں تو افرادِ نسلِ انسانی جتنی ہے، لیکن اس کے سرکردہ و سرغنہ چار گروہ ہیں، جن کو تلمیحاً فرعون، ہامان، قارون اور آزر کہہ سکتے ہیں۔ ان کو یہ تلمیذ القرآن طاغوتی قوّتوں اور معاشرتی سرطانوں سے تعبیر کیا کرتا ہے۔ اِسلامی معاشرے کی ایک واضح پہچان یہ ہے کہ وہ ان طاغوتی قوّتوں یا معاشرتی سرطانوں سے پاک و منزّہ ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے، طاغوتی معاشرے کی پہچان یہ ہے کہ اس میں ان معاشرتی سرطانوں کی حاکمیّت و عملداری ہوتی ہے۔ اُن کی حاکمیّت و سطوت، قوّت و اِقتدار، مال و منال، ذرائعِ پیداوار پر اُن کے قبضہ و تصرّف اور مذہبی و دینی اجارہ داری کی بناء پر افرادِ معاشرہ طوعاً و کرہاً اُن کے احکام کی طاعت اور اُن کی روشِ زندگی پر چلنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی حاکمیّت و اجارہ داری کو چیلنج کرنا جہادِ اکبر ہے، جو فرض بھی ہے اور شیوۂ پیغمبری بھی۔

یہ ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ ایک قلب میں بیک وقت رحمٰن اور شیطان نہیں رہ سکتے؛ لہٰذا شیطان کے پیروکاروں کے قلب میں چونکہ شیطان مُتمکّن ہوتا ہے، اس لیے وہ رحمٰن کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ خود فراموشی، اللہ فراموشی اور آخرت فراموشی پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ فراموشی کا مطلب اس کے حُسنِ کلامِ آخر سے دُوری و مہجوری اور اِس کے عقائدِ جلیلہ و محرّکہ، اوامر و نواہی اور تعلیمات سے کم آگہی و فراموشی ہے۔

ان مباحث سے اِس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں ربِّ علیم و حکیم نے مُسلمانوں کو اعتصام یا تمسّک بالقرآن کا حُکم دیا ہے:

★ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص (آلِ عمران ۳ : ۱۰۳): اور (مُسلمانو!) تُم سب کے سب متفق و متحد ہو کر اللہ کی رسّی - قرآنِ مجید - کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو (کیونکہ فرقہ بندی اور فرقہ سازی شرک ہے)۔

قُرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھامنا ہی اصلِ عبادت ہے۔ اس کا مطلب قُرآنِ مجید کے عقائدِ جلیلہ و محرّکہ اور تعلیمات کو اپنے اندر جذب کر لینا؛ نیز اس کے احکام کے مطابق کُل زندگی کرنا ہے۔ ایسی زندگی ہی کو قُرآنِ مجید "حیاتِ طیّبہ" سے تعبیر کرتا ہے (النحل ۱۶ : ۹۷)۔

بعض کج اندیش قلوب میں یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ بنی نوعِ اِنسان، اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی تعلیمات و احکام کو تسلیم بالیقین کیوں کریں اور پھر ان کے مطابق کیوں کُل زندگی کریں؟ وہ چونکہ عالم الغیب والشہادۃ اور دِلوں کے بھید جانتا ہے، اس لیے اُس نے ان سوالوں کے مُدلّل و حکیمانہ جوابات اپنے اِیجازِ بلاغت سے

Marfat.com

مندرجۂ بالا آیات میں دے دیے ہیں :

اوّل : اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر زمان ومکان کے افرادِ نسلِ انسانی کو زندگی، وجود، صورت اور حسّی قلبی-نفسی قُوّتیں عطا کرکے پیدا کیا ہے۔

کیا اِن عظیم وغیر مترقّبہ نعمتوں کا تقاضا نہیں کہ اِنسان اپنے ایسے احسن الخالقین کی حمد وعبادت کرے ؟

دوم : پھر اپنے ان جمالیاتی-تخلیقی شہکاروں کی ربُوبیّت بھی وہی کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، ربُّ العالمین ہی اُن کو رزق دیتا، اُن کی نشوونما اور مادّی ومعنوی اِرتقاء کا اِنتظام کرتا ہے؛ نیز وہی ان کو مُطمئن و خوشحال نفوس بن کر حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کی ہدایات دیتا ہے؛ اور حیاتِ طیّبہ عبارت ہے آتشِ خوف وحُزن سے محفوظ ومصئون اور جمالیاتی ثروت سے معمور زندگی سے۔

سوم : یہ احسن الخالقین کی جمالیاتی-تخلیقی فعلیّت کا اعجاز تھا کہ اُس نے اپنے جمالیاتی-تخلیقی شہکاروں کی پیدائش، نشوونما پانے، رہنے سہنے، چلنے پھرنے، سیر وسیاحت اور کاروبار کرنے، نیز اپنے ربِّ رحمٰن کی نعمتوں سے مُتمتّع ہونے کے لیے کرۂ ارضی کو اِس طرح بنایا جیسا کہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے متعلق قرآنِ مجید کے موقف کو واضح طور سے سمجھنے کے لیے اس تلمیذ القرآن کی کتاب "سرگذشتِ فلسفہ" (۱ : ۳۸۲-۴۳۹؛ عُنوان قرآنِ حکیم کا جمالیاتی-اِرتقائی نظریۂ تخلیق، فیروزسنز لمیٹڈ، لاہور) کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے۔ بہرحال اِس جگہ تخلیقِ ارض سے متعلق چند اشارے کیے جاتے ہیں :

۱- ربِّ رحمٰن نے اپنے جمالیاتی-تخلیقی عمل سے آسمانوں اور ارض کو چھے ایّام یا ادوار میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا (الاعراف ۷ : ۵۴ ومواضعِ کثیرہ)۔

۲- اُس نے پہلے "السّماء" کی جمالیاتی انداز میں تخلیق کی۔ وہ (سات سماوی کُروں کا مجموعہ تھا اور) ایک عظیم (آتشیں) تودہ (MASS) تھا، جس سے اُس نے کرۂ ارضی کو ایک زوردار جھٹکے سے علیحدہ کرکے دُور پھینک دیا (النّٰزعٰت ۷۹ : ۲۷-۳۰)۔

قُدرت کے اِس تخلیقی عمل کو قرآنِ حکیم نے تفسیری انداز میں بیان کیا ہے :

۳- کُل (ساتوں) آسمان اور زمین پہلے آپس میں باہم ایک تھے (عظیم آتشیں تودے کی صورت میں)- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیمانہ-تخلیقی عمل سے انھیں جُدا اور الگ کیا (لاکھوں، کروڑوں برسوں کے کیمیاوی عمل اور موسمی اثرات کے نتیجے میں زمین معمورۂ آب بن گئی)- پھر ہر زندہ شے کو پانی سے (جس سے زمین معمور تھی) پیدا کیا (الانبیآء ۲۱ : ۳۰)۔

Marfat.com

اِس سے مُستنبط ہوا کہ یہ کُرۂ ارضی یا زمین ہی اِنسان کا مَولد و منشا اور مُستقر و امتحانگاہ ہے، نہ کہ جنّتِ سماوی، جسے کسی مُتنفّس نے نہ دیکھا ہے اور نہ اس کا علم ہی رکھتا ہے (السجدۃ ۳۲ : ۱۷ ؛ نیز دیکھیے المشکوٰۃ، بابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ، ح ۵۳۷۰)۔

۴- اللہ تعالیٰ نے اپنے جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کے آرام و راحت سے رہنے سہنے کے لیے مدوّر کُرۂ ارضی کو بِساطًا یا مُسطّح بنایا (اور اس میں راستے بھی بنا دیے) تاکہ تُم اس کے اندر کُشادہ راستوں میں چلو پھرو (نُوح ۷۱ : ۱۹-۲۰)۔

۵- (اے بنی نوعِ اِنسان!) اُس نے تمھارے لیے زمین کو مَہد یعنی راحت و آرام کی جگہ بنایا اور اس میں تمھارے لیے راستے بنا دیے تاکہ تُم اپنی مطلوبہ منزلوں پر پہنچ سکو (الزخرف ۴۳ : ۱۰ ؛ النّبا ۷۸ : ۶-۷)۔

۶- (اے بنی نوعِ اِنسان!) اُس نے زمین کو کششِ ثِقل والی بنایا، زندوں اور مُردوں سب کے لیے (یہ واقعیّت غورطلب ہے)، اور اس میں کوہسارانِ گراں جما دیے اور تمھیں آبِ شیریں پلایا (المرسلٰت ۷۷ : ۲۵-۲۷)۔

۷- (اے بنی نوعِ اِنسان!) اُس نے تمھیں (تمھاری مرضی و منشا سے) اِختیار دے کر زمین میں بسایا اور اس میں تمھارے لیے وسائلِ معیشت رکھ دیے (الاعراف ۷ : ۱۰)۔

۸- کیا تُم آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اُسے رفعت دی گئی؟ اور پہاڑوں میں غور نہیں کرتے کہ کیسے جما دیے گئے ہیں؟ اور کُرۂ ارضی کو غور کی نظروں سے نہیں دیکھتے کہ کیسے اُسے مُسطّح کیا گیا ہے (الغاشیہ ۸۸ : ۱۷-۲۰)؟

چہارم: اُس نے نہ صرف کُرۂ ارضی کو بنی نوعِ اِنسان کے رہنے سہنے، کھیتی باڑی، کاروبار، سیر و سیاحت اور آرام و راحت سے زندگی کرنے، نیز اس کی نعمتوں، جمیل و جلیل مناظر اور نظاروں سے مُتمتّع اور لُطف اندوز ہونے کے قابل بنایا، بلکہ اس کے اوپر افلاک کا سائبان بھی بنا دیا۔ اِس فلکی تعمیر کی غیر معمولی اہمّیت کا اندازہ اِس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے اِنسان کو احساسِ مکانیّت ہوتا ہے جو زندگی کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ دوسرے، اگر یہ فضائی مکان نہ ہوتا تو نظر کے لیے کوئی روک نہ ہوتی جو اس کے لیے ناگزیر ہے تو نظر لامُتناہیت و لامحدودیت میں کھو کر فنا ہو جاتی، اور اِنسان متوحّش و دیوانہ ہو کر زندہ نہ رہ سکتا۔

پنجم: ربِّ علیم و حکیم کا اعجازِ رُبوبیّت ہے کہ وہ پہلے کُرۂ ارضی کے آبی ذخائر (سُمندروں، دریاؤں،

Marfat.com

جھیلوں وغیرہ) سے کھربوں ٹن پانی اُوپر فضا میں لے جاتا ہے اور بادل کے دلکشا و نظر افروز پیکروں میں بند کر کے مُعلّق رکھتا ہے۔ پھر اس پانی کو یکدم نہیں بلکہ ارضی، نباتاتی، حیاتیاتی زندگی کی مقتضیات کے مطابق موزوں انداز میں آہستہ آہستہ بارش کی شکل میں برساتا ہے۔ اگر کھربوں ٹن پانی یک لخت گرتا تو یہ زندگی ہلاک و برباد ہو جاتی۔

ابر و باد و باراں کا تخلیقی وصعودی اور ہبوطی عمل ایسا اِعجازِ قدرت ہے کہ اگر عقلِ سلیم اس میں تفکّر بالحق کرے تو انسان میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہستی اور توحیدِ رُبوبیت کا ایقان و اذعان پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ اعجازِ رُبوبیت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آگے چلتا ہے۔ سائنس یعنی نباتات وحیاتیات (BOTANY AND BIOLOGY) نے اِنسان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے کہ اراضی بے قیاس ولامحدود ذرّات سے اور ہر ذرّہ اربوں حیاتیاتی جرثوموں سے مرکّب ہے۔ ان حیاتیاتی جرثوموں کی زندگی کا دار و مدار قُوتِ آبی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ بارش نہ ہو تو وہ بھوکوں مر جاتے ہیں، مگر فنا و معدوم نہیں ہوتے، کیونکہ ان میں بار بار جی اُٹھنے کی اِستعداد بالقُوّہ پائی جاتی ہے جو بارش سے، جس میں غیر مرئی کھاد ہوتی ہے، فعل میں آجاتی ہے — وہ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں، اور قُوتِ ارضی یا زمین کی قُوت و غذا اور قُوّتِ نمو بن جاتے ہیں۔ اس طرح اراضی اِنسان کے تغذیہ کے لیے بالخصوص ہر قسم کے پھل، پھول، سبزیاں، بُوٹیاں اور اناج وغیرہ اُگاتی ہے۔

مشاہدہ وتجربہ اور علم نے بالخصوص اِنسان کو جب ربِّ رحمٰن کے اعجازِ تخلیق و رُبوبیت اور توحیدِ اُلُوہیت و رُبوبیت سے آگاہ کر دیا ہے تو پھر یہ اس کا ظُلم وجہل ہے کہ وہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک اور اس کی توحیدِ رُبوبیت کو تسلیم بالیقین نہ کرے اور اس کے ہمسر اور شریک ملنے؛ یا اس کے جُملہ احکام کو تسلیم بالعمل نہ کرے یا ان کے ساتھ کسی اور ہستی یا ہستیوں کی حمد و طاعت اور بندگی کرے۔

اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کو اِس ظُلم وجہل یا اکابر پرستی وشرک سے باز رکھنے کی خاطر اُنھیں حکیمانہ اسالیب میں حُکم بھی دیتا ہے اور شرک کی حقیقت سے آگاہ بھی کرتا ہے:

★ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۲):
لہٰذا اللہ کے ہمسر، مدِّمقابل یا شریک نہ ٹھیراؤ، کیونکہ تُم اس اصلِ عظیم کا علم رکھتے ہو کہ (اس کے عملِ تخلیق و رُبوبیت میں) اس کا کوئی شریک نہیں۔

★ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

Marfat.com

وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ (البقرۃ ۲: ۱۶۵):

بنی نوعِ انسان میں سے ایسے (ظالم و جاہل بھی) ہیں جو اللہ کے سوا (خود ہی) اس کے ہمسر و شریک اور مدِمقابل بنا لیتے ہیں۔ پھر ان سے اس قدر محبت کرتے ہیں جس قدر اللہ سے محبت کرنا چاہیے۔ (ان مشرکوں کے برعکس) جو اہلِ ایمان ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔ اگر ان ظالموں یا مشرکوں پر وہ حقیقت اب منکشف ہو جائے جو (روزِ حساب و جزا) عذاب کو دیکھ کر ان پر آشکارا ہوگی (تو وہ کبھی یہ ظلمِ عظیم نہ کریں اور ان کو اس اصلِ عظیم کا بھی حق الیقین ہو جائے کہ) کُل قوتوں کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔

کیا یہ سامنے کی بات نہیں کہ غیرمسلم اقوام کے علاوہ خود ایمان و توحید کی علمبردار مسلم اقوام میں اُن فرقوں اور افراد کی کمی نہیں جو اپنے اکابر و سادات اور ائمہ و مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے ہمسر و شریک مانتے (الاحزاب ۳۳: ۶۷) اور ان سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں کرتے؛ نیز اُن کا اس قدر ذکر کرتے ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ کا بھی نہیں کرتے۔ اس پر بھی وہ اپنے آپ کو مؤمن و ناجی اور دوسروں کو اہلِ نار کہتے اور سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ خود ستمندر سرشت اور اہلِ نار ہیں۔

اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں سے بے نہایت محبت یا عشق کرنے والا ربِ رحمٰن ان کے انتباہ کے لیے انھیں اس عبرتناک حقیقتِ کبریٰ سے طرح طرح سے آگاہ کرتا ہے کہ ان کی خود ساختہ "انداد پرستی" ان کو گمراہ کر کے دوزخ میں پہنچا دیتی ہے؛ جس میں رہنا انتہائی اذیت ناک اور تشکیب رُبا ہوگا:

★ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ (ابراھیم ۱۴: ۳۰):

اور (ستمندر سرشت لوگوں نے جلبِ منفعت کی خاطر) اللہ کے خود ساختہ ہمسر و شریک مقرر کر لیے ہیں تاکہ وہ (نتیجۃً) اللہ کی حسین و فطری راہ اُن پر گم کر دیں۔ اُنھیں بتا دو کہ تھوڑی مُدت کے لیے فائدہ اُٹھالو، بالآخر تمھیں جانا تو جہنم ہی کی طرف ہے۔

اِس آیۂ جلیلہ کی بصیرت افروز تفسیر بزبانِ قرآنِ حکیم:

★ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (التوبۃ ۹: ۳۴):

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال و دولت باطل طریقوں سے

Marfat.com

کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہِ مُستقیم سے روکتے بھی ہیں۔

نُکتہ : اس آیۂ عبرت آموز کا اطلاق نہ صرف غیر مُسلم بلکہ مُسلم مذہبی پیشواؤں پر بھی ہوتا ہے۔
قُرآن حکیم ہمیں اس واقعیّت سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ یہ مُستکبرین (یعنی فرعون و ہامان اور قارون و آزر) ہیں جو کمزور عوام کو اللہ کے احکام نہ ماننے، بلکہ اس کے سہیم و ہمسر ماننے کی تاکید کرتے ہیں :

★ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ (سبا ۳۴ : ۳۳) :

اور (روزِ حساب وجزا) کمزور عوام مُستکبرین (معاشرتی سرطانوں) سے کہیں گے : (معاملہ یہ نہیں) بلکہ یہ تمھاری شب و روز کی ریشہ دوانیاں تھیں جب تم ہمیں تاکید کرتے تھے کہ ہم اللہ کے احکام کی نافرمانی کریں اور اس کے ہمسر و سہیم بنائیں۔

انداد پرستی جس کا ایک عامل تو مُستکبرین کا مُشرکانہ کردار ہوتا ہے اور دوسرا دولت کا ملنا، انسان کو متکبّر و مغرور، خود فراموش و خُدا فراموش اور اہلِ نار بنا دیتی ہے :

★ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ○ (الزُّمر ۳۹ : ۸) :

اور جب اِنسان پر کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے تو وہ اپنے ربّ کی طرف خلوصِ نیّت سے متوجّہ ہوتا ہے۔ پھر (اللہ اس کی دُعا قبول کر کے) اس پر اپنی نعمت (دولت وغیرہ) ارزانی کرتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے جس کے لیے وہ پہلے اُسے پکارتا تھا ؛ اور (مزید ظُلم یہ کرتا ہے کہ) اللہ کے ہمسر و سہیم بنا لیتا ہے تاکہ (لوگوں پر) اس کا راستہ گُم کر دے۔ کہہ دو کہ اپنے اس کُفر یعنی انداد پرستی سے تھوڑا سا فائدہ اُٹھا لو (لیکن یاد رکھو کہ) تُم دوزخیوں میں سے ہو۔

آخر میں دو ایسی ایمان افروز آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں انداد پرستی کے بُطلان کے لیے ایسا حکیمانہ اندازِ استدلال اِختیار کیا گیا ہے جو بیک وقت مشاہداتی و منطقی اور تخلیقی و رُبُوبیتی ہے۔ ارشاد ہوا :

★ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (حٰمٓ السّجدۃ ۴۱ : ۹-۱۰) :

(اے نبیؐ !) ان سے کہیے کہ تُم اُس ہستی (کی توحیدِ اُلوہیّت و رُبوبیّت) کا انکار کرتے ہو

Marfat.com

جس نے دو ادوار میں کرۂ ارضی یا زمین کی تخلیق کی، اور اس کے ہمسر و سہیم مقرر کرتے ہو ؟
یہی (خالقِ ارض) تو کُل مخلوقات و موجودات کی ربُوبیّت کرنے والا ہے۔ اور اُس نے
زمین میں اس کے اُوپر کوہِ گراں بنا دیے اور اس میں نشوونما پلنے والے وسائل و ذخائر پیداوار
ودیعت کر دیے اور اس میں مقتضائے ضروریات چار ادوار میں قُوت و تغذیہ کے وسائل کا
ذخیرہ کر دیا، جس میں سب اہلِ طلب و احتیاج کا مساوی حق یا حصّہ ہے۔

ان تفسیری مباحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ اِنسان فطری عقل، مشاہداتی اور علمی طور پر جانتا ہے کہ صرف اور تنہا اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہی کُل موجودات کا خالق و ربّ اور اِلٰہ ہے، اور وحدہٗ لاشریک ہے، لہٰذا اس کا کوئی ہمسر و سہیم اور شریک ہے نہ ہو سکتا ہی ہے تو پھر عقلِ سلیم کا تقاضا یہ ہوا کہ ہم انداد پرستی ایسے ظُلمِ عظیم اور گُناہِ کبیرہ کو ترک کر دیں اور مؤمن و موحّد بن جائیں تاکہ ہم جہنم کے عذابِ ابدی سے بچ جائیں اور جنّتِ قُرّۃ العین کے سزاوار بن جائیں۔ علاوہ بریں، اپنے حصّے کی روزی لینا جُملہ بنی نوعِ اِنسان کا بنیادی یا اِنسانی حق (BASIC OR HUMAN RIGHT) ہے۔

Marfat.com

ازرُوئے لُغات وکلیدِ لُغاتِ قُرآن

خ ل ق (خلق)

خَلْقٌ کے بنیادی معانی ہیں : اندازہ لگانا، ناپنا یا پیمائش کرنا، یا کسی چیز کے ناپ، تناسب اور پیمائش کی تعیین کرنا، کسی چیز کو اندازے کے مطابق بنانا، یا کسی چیز کو دوسری چیز کے ماپ، قدوقامت یا پیمائش کے مطابق بنانا، یا کسی چیز کو دوسری چیز کے متناسب بنانا۔ مترادف تَقْدِیْرٌ ہے (صحاح، قاموس، مصباح، تاج، اور بیضاوی، ۲ : ۱۹) -

خَلَقَ الْاَدِیْمَ : اس نے چمڑے کی کھال کو ناپا یا متناسب کیا (قَدَّرَ) اور پھر اسے سی دیا (وہی کُتب) -

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْخَلْقُ - اصل میں خَلْق کے معنی (کسی چیز کو بنانے کے لیے) پوری طرح اندازہ لگانے کے ہیں۔ اور کبھی خلق بمعنی ابداع بھی آجاتا ہے، یعنی کسی چیز کو بغیر مادّہ کے اور بغیر تقلید کے پیدا کرنا۔ چنانچہ آیۂ جمیلہ

★ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (النحل ۱۶ : ۳ : اُس نے زمین اور آسمانوں کو بالحکمۃ و با مقصد پیدا کیا) -

میں خلق بمعنی ابداع ہی ہے، کیونکہ دوسرے مقام پر اسی کو

★ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرۃ ۲ : ۱۱۷ ؛ وہ آسمانوں اور زمین کا مُوجِد ہے) سے تعبیر کیا ہے؛ نیز ایک چیز کو دوسری شے سے بنانے اور ایجاد کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا :

★ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (النسآء ۴ : ۱ : اُس نے ایک جرثومۂ حیات سے تمھاری تخلیق کی (المفردات) -

★ خَلَقَ اللّٰہُ الشَّیْءَ (مصدر خَلْقٌ) کے معنی ہیں : اللہ اُس چیز کو وجود میں لایا جبکہ وہ پہلے نہ تھی (المُغرِب، تاج)۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اِعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ (البقرۃ ۲ : ۲۱) : اپنے ربّ کی عبادت کرو جو تمھیں نابود یا نیست سے ہست یا بُود میں لایا ہے (جلالین) -

Marfat.com

عام لوگوں کے لیے خَلَق کا لفظ صرف دو معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے : اندازہ کرنا یا سوچنا، اور افترا کرنا یا جھوٹ بولنا۔ اعراب کا محاورہ ہے : حَدَّثَنَا فُلَانٌ بِاَحَادِیْثِ الْخَلْقِ : فُلاں شخص نے ہمارے تفنّنِ طبع کی خاطر ہمیں جھوٹے قِصّے یا افسانے سُنائے (تاج)۔

قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ط (العنکبوت ۲۹ : ۱۷) : اور تُم جھوٹ اِفترا کرتے ہو۔

خَلْقٌ کے معنی ایسی شے ایجاد کرنے کے بھی آتے ہیں جو ٹھوس ہو نہ مرئی، بلکہ لطیف و غیر مرئی ہو، مثال کے طور پر، حیات و ممات۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (المُلک ۶۷ : ۲) : جس نے موت اور حیات یا زندگی کو ایجاد کیا۔

نُکتہ : اللہ تعالیٰ اور آخرت کے مُنکِروں کا نظریہ اور دعوٰی ہے کہ حقیقت ٹھوس ہے (Reality is concrete.) اس لیے وہ صرف ٹھوس حقیقت کو مانتے ہیں، لیکن اللہ کی ذات چونکہ ٹھوس ہے نہ مرئی، اس لیے اس کے مُنکر ہیں۔ لیکن موت و حیات کو جو ٹھوس ہیں نہ مرئی تسلیم کر کے اپنے دعوے کا بُطلان کرتے ہیں۔

خَلْقٌ مصدر ہے خَلَقَ کا (صحاح، مصباح، قاموس)۔ محاورہ ہے :

رَجُلٌ تَامُّ الْخَلْقِ : ساخت یا قد و قامت کے لحاظ سے مکمّل یا کامل اِنسان (صحاح، قاموس)۔

اَلْخَلْقُ کے معنی ہیں : اِنسان کے ظاہر یا ظاہری شخصیت کی شکل و صورت، وضع قطع، سج دھج، روپ اور اس کے اوصاف و صفات۔ بمثل اس کے

اَلْخُلُقُ کے معنی ہیں : باطنی اِنسان یا اِنسان کے باطن کی صورت، سرشت، عادت، خصلت، وضع قطع، خاصیت وغیرہ وغیرہ (تاج)۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

خَلْقٌ اور خُلُقٌ اصل میں دونوں ایک ہی ہیں، جیسے شَرْبٌ و شُرْبٌ وَصَرْمٌ وَصُرْمٌ، مگر ان میں اتنا فرق ہے کہ خَلْق بمعنی خِلقت یعنی شکل و صورت، ہیئت پر بولا جاتا ہے جس کا تعلّق اِدراکِ بصر سے ہے؛ اور خُلُق کا لفظ عادت، خصلت کے معنی میں اِستعمال ہوتا ہے، جس کا تعلّق بصیرت سے ہے (المفردات)۔

افصح العرب حضرت مُحمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان دونوں الفاظ کی بڑے بلیغ انداز میں صراحت کر دی ہے :

★ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرمایا کرتے تھے : اَللّٰھُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ (احمد، المشکوٰۃ، ح ۴۸۷۰) : میرے اللہ ! تُو نے میرے ظاہر یعنی میری شکل و صورت اور وضع و قطع کو حسین بنایا ہے تو میرے باطن یعنی میرے شمائل و خصائل کو بھی حسین بنا دے۔

Marfat.com

اِس دُعا کے جواب میں اللہ جَلّ شانہٗ آپؐ سے فرماتا ہے :

★ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم ۶۸ : ۴) : اور یقیناً آپ کے شمائل و خصائل اِنتہائی جمیل و جلیل، اور ارفع و اعلیٰ ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ (لین) : یعنی آپؐ کے خصائل و شمائل اور عادات و اطوار بعینہٖ ایسے ہی عظیم و حسین تھے کہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہییے تھے۔

نَوْمَةُ الْخُلَقِ (یا خُلْقِ یا خُلُقِ) قیلولہ کو کہتے ہیں۔

خُلْقَةٌ : ملائمت، ہمواری (Smoothness)، نیز خُلُوقَةٌ اور خَلَاقَةٌ (قاموس، تاج)۔

خِلْقَةٌ : اس کے بنیادی معنی ہیں : طور طریقہ، چلن، رویّہ۔ لیکن اس کے عام معانی ہیں : تخلیق؛ مخصوص ساخت یا بناوٹ؛ نیز قد و قامت۔ اس کا مترادف ہے تَرْكِيْبٌ (مُغرب)۔

اسے فِطْرَةٌ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، یعنی پیدائشی ساخت یا طبعی بناوٹ اور خصلت۔

اہلِ عرب کا محاورہ ہے : رَجُلٌ حَسَنُ الْخِلْقَةِ : جسمانی ساخت یا شکل و صورت اور قد و قامت کے اعتبار سے حسین یا وجیہ مرد۔

فِيْ مَسْلَكِ هُوَ خِلْقَةٌ کا مطلب ہے فِيْ طَرِيْقٍ اَصْلِيٍّ يَا خِلْقِيٍّ : وہ اپنے فطری یا حقیقی مسلک یا طریقے پر ہے (اساس، تاج، مُغرب)۔

★ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الشعراء ۲۶ : ۱۳۷) : اس کا مطلب ہے هٰذَا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ؛ یعنی اگلے وقتوں کے لوگوں کے قصّے کہانیاں ہیں (اِستقراء از العنکبوت ۲۹ : ۱۷)۔

بعض نے اس کے معنی عادات و اطوار اور طریقِ کُہن و دستور کے بھی کیے ہیں (تاج، المفردات، صحاح)۔

خَلَقٌ، خَلِقَ کا مصدر ہے، اس کے معنی پُرانے اور فرسودہ ہو جانے کے ہیں (مصباح)۔

ثَوْبٌ خَلَقٌ : ایک پھٹا پُرانا کپڑا یا لباس (تاج)۔ دَارٌ خَلَقٌ : ایک پُرانا اور بوسیدہ مکان۔

ثَوْبٌ اَخْلَاقٌ : بالکل پھٹا پُرانا اور بوسیدہ لباس یا کپڑا۔

خَلِقٌ (خَلِقَ کا اسمِ فاعل) : اِس سے سَحَابَةٌ خَلِقَةٌ ہے : بادل جس میں بارش کے آثار ہوں۔ نیز خَلِيْقَةٌ (صحاح، قاموس)۔

خُلْقٌ اور خُلُقٌ (صحاح، مصباح، قاموس) : فطرت؛ یا طبع یا طبعی و فطری یا ودیعت کردہ مزاج، خصلت وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مترادف سَجِيَّةٌ اور طَبْعٌ ہے (تاج، قاموس، مصباح)۔

خِلْقَةٌ کے بھی یہی معنی ہیں؛ یعنی فِطْرَةٌ (Nature)، جس پر اِنسان پیدا ہوا ہے۔

Marfat.com

خُلُقٌ کے اصل معنی اِخلاق کردار کے یا باطنی اِنسان کے خصائل وشمائل کے ہیں۔

خَلَاقٌ : حِصّہ، بہرہ (مصباح، صحاح) اور ایک مُنصفانہ، دیانتدارانہ حِصّہ یا بخرہ؛ یا نیکی، حسنہ، خیر یا راستبازی کا مکمل، پورا یا کثیر حِصّہ یا بہرہ (تاج، قاموس)؛ اور دین یا اس کا حِصّہ یا بخرہ۔ محاورہ ہے : لَاخَلَاقَ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ : اس کا آخرت میں حسنہ یا خیر کا کوئی حصّہ نہیں (صحاح)۔ اور لَاخَلَاقَ لَہٗ کے معنی ہیں : اُسے دین میں نیکی کی؛ نہ راستبازی ہی کی طلب وآرزو ہے (تاج)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ (آلِ عمران ۳ : ۷۷) : آخرت میں ان کو (حسنہ میں سے) کوئی حِصّہ نہیں ملے گا (صحاح)۔

خَلُوقٌ : خُوشبو کی ایک قسم (قاموس، مصباح)؛ اسے خِلَاقٌ بھی کہتے ہیں۔ بعض فُقہا کے نزدیک اِسے زعفران وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے؛ اس میں سرخ اور زرد رنگ نمایاں ہوتے ہیں، اور مرد اسے اِستعمال نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ عورتوں کے لیے تیار کی جاتی ہے (تاج)۔

خَلِیقٌ ، اس کا اِطلاق آدمی پر ہوتا ہے، جو قدوقامت میں مکمّل یا کامل ہو (تاج)۔

نیز مُخْتَلَقٌ : شرح حماسہ، از التبریزی، ص ۵۶۱)۔ ساخت یا قدوقامت میں مکمّل یا کامل اور متناسب وموزوں۔ خَلِیقٌ اور خَلِیقَۃٌ ایک ہی جیسے ہیں (تاج)۔

مُخَلَّقٌ کا مطلب بھی قدوقامت یا ساخت میں مکمّل یا کامل ہے، اس کا اطلاق جمل یا اونٹ پر ہوتا ہے (تاج)۔ ہوسکتا ہے کہ جمل یہاں بجائے حَمْل کے لیے لکھا گیا ہو، اس لیے کہ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ (الحج ۲۲ : ۵)۔ جنین (Foetus) پر دلالت کرتا ہے جب یہ گوشت کا لوتھڑا ہوچکتا ہے، ساخت میں مکمّل یا کامل (صحاح، تاج، ابن الاعرابی)۔ نیز (قُدرت کی طرف سے) مناسب، موزوں، متوازن، متناسب یا قابل بنایا یا ترکیب دیا ہوا (صحاح کا فارسی ترجمہ اور کنز اللُّغَۃ)؛ مترادف جَدِیْرٌ (صحاح، قاموس)، اور حَرِیٌّ (تاج)۔

هُوَخَلِیقٌ لِلْخَیْرِ : وہ طبعاً حسنہ واحسان ہی کے لیے بنا ہوا ہے؛ بالفاظِ دیگر، وہ ہمیشہ احسان وحسنہ ہی کرے گا۔

خَالِقٌ (خَلَقَ کا اِسمِ فاعل) : چمڑے اور اس کے مثل کام کرنے والا، کیونکہ وہ پہلے اس کی پیمائش کرتا، پھر اسے قطع کرتا ہے (قاموس، تاج)۔ خَالِقَات : چمڑے کا کام کرنے والی عورتیں۔

اَلْخَالِقُ بحیثیتِ صفت جب اس کا اطلاق خاص اللہ تعالیٰ پر ہو تو اس کے معنی ہوں گے : وہ جو کسی چیز یا چیزوں کو ٹھیک اندازے، تناسب یا توازن کے مطابق وجود میں لاتا ہے (قاموس، تاج،

Marfat.com

مصباح) - مُبتدع، مُوجد یا مُخترع (ORIGINATOR)؛ پہلے سے موجود کسی شے کے مانند تخلیق کرنے والا نہیں، بلکہ "وہ" جو جُملہ چیزوں کو جو پہلے موجود نہیں تھیں، وجود میں لایا (ابوزید، تاج)؛ اور اَلْخَلَّاقُ کے بھی یہی معنی ہیں (تاج)؛ یا یہ اسم مبالغہ ہے: عظیم خالق یا بہت سی مخلوقات کا خالق (کشاف، بیضاوی اور جلالین، ۳۶ : ۸۱) - الازہری کا قول ہے کہ حرفِ تنکیر ال کے ساتھ اس صفت کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر کرنا جائز نہیں (تہذیب) - بقول ابن الانباری: تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کا معنیٰ ہے: اَحْسَنُ الْمُقَدِّرِيْنَ: یعنی بابرکت ہے اللہ جو ان میں بہترین ہے جو چیزوں کو ان کے مناسب تناسبات یا اقدار یا پیمائشوں کے مطابق بناتے ہیں (تاج) -

اَخْلَقُ : صاف، شفاف اور ٹھوس (صحاح، قاموس، تاج)، اس مفہوم میں اس کا اطلاق ہر چیز پر ہوتا ہے - اس کا مؤنث خَلْقَاءُ ہے - حَجَرٌ اَخْلَقُ : صاف پتھر کو کہتے ہیں، اور ٹھوس کہ اس پر کوئی چیز نقش نہ جما سکے (تاج) - هَضْبَةٌ خَلْقَاءُ (کوہ و دامن وغیرہ) جس میں جڑی بُوٹیاں یا نباتات نہ ہوں (تاج) - اس سے اس کے معنی ہیں: غریب یا فقیر (قاموس) - عربوں کا محاورہ ہے: رَجُلٌ اَخْلَقُ مِنَ الْمَالِ : مال ومنال سے تہی دست شخص - ایک روایت میں ہے:

★ لَيْسَ الْفَقِيْرُ فَقِيْرُ الْمَالِ اِنَّمَا الْفَقِيْرُ الْاَخْلَقُ الْكَسْبِ (تاج) : فقیر یا غریب وہ نہیں جو مال ومنال کے لحاظ سے غریب یا محتاج ہے، محتاج یا فقیر اصل میں وہ ہے جس نے حسنہ وخیر میں کچھ نہیں کمایا -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

ق ب ل (قبل)

قَبْلُ بمعنی پہلے - اس کی ضد (Contrary) بَعْدُ ہے (صحاح، قاموس، وغیرہ) - یہ ظرفِ زمان ہے، بعض کے نزدیک یہ ظرفِ مکان ہے اور بعض کے نزدیک ظرفِ منصب ومرتبہ ہے (تاج، الغاسی) - راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: قَبْلُ تو تَقَدُّمِ مُتَّصِل اور مُنْفَصِل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کی ضد "بَعْد" ہے - بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں تقدمِ مُتَّصِل کے لیے آتے ہیں، اور ان کی ضد دُبُرٌ اور دُبُرٌ ہے - یہ اس کے اصل معنی ہیں - اگرچہ مجازاً ہر قسم کے تقدّم پر بولا جاتا ہے - پس قَبْلُ کئی طرح استعمال ہوتا ہے:

۱- تقدّمِ مکانی : یعنی کسی مقام کا دورانِ سفر پہلے آنا اور دوسرے کا اس کے بعد آنا: جیسے (لاہور سے کراچی جاتے ہوئے مُلتان، حیدر آباد سے پہلے آتا ہے، لیکن کراچی سے لاہور آتے ہوئے

Marfat.com

حیدر آباد ملتان سے پہلے آتا ہے)۔

۲- تقدمِ زمانی : جیسے (شہنشاہ بابر کا زمانہ شہنشاہ اکبر سے قبل یا پہلے کا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۹۱) : پوچھیے کہ اگر تم مؤمن تھے تو اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کیوں کیا کرتے تھے ؟

۳- تقدم بلحاظِ مرتبہ : جیسے عبد الملك قَبْلَ الْحَجَّاج : عبد الملک مرتبے میں حجاج سے پہلے ہے، یعنی مرتبے میں بڑا ہے۔

۴- تقدمِ صناعی : یعنی ترتیبِ تعلیمی اور فنی میں ایک چیز کا دوسری سے پہلے ہونا، جیسے کہا جاتا ہے: تَعَلُّمُ الْهِجَاءِ قَبْلَ تَعَلُّمُ الْخَطِّ : یعنی حروفِ ہجا کی تعلیم کتابت سے پہلے دی جاتی ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا (طٰہٰ ۲۰ : ۱۳۰) : اپنے پروردگار و مالک کی تعریف و ثنا اور شکر و سپاس سُورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے کیا کرو۔

★ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (النمل ۲۷ : ۳۹) : قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں۔

ان تمام آیات میں تقدّمِ زمانی مراد ہے؛ اور کِنَایَةً، قُبُلٌ و دُبُرٌ کا لفظ شرمگاہ پر بولا جاتا ہے۔

اِستقبال کی طرح اِقْبَالٌ کے معنی بھی کسی کے رُوبرو اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے :

★ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ○ (القلم ۶۸ : ۳۰) : پھر رُوبرو ہو کر ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے لگے۔

جو شخص ڈول کی طرف مُنہ کرکے اُسے کنویں سے پکڑ کر نکالتا ہے اُسے قَابِلٌ اور دایہ کو قَابِلَةٌ کہتے ہیں، کیونکہ وہ ولادت کے وقت بچّہ دانی کی طرف مُنہ کرکے بچّے کو پکڑتی ہے۔

قَبَلَ عموماً اَقْبَلَ کے مترادف اور اَدْبَرَ کے نقیض کے طور پر بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ محاورہ ہے : قَبَحَ اللّٰهُ مَا قَبَلَ مِنْهُ وَمَا دَبَرَ (دیکھیے دَبَرَ)۔

قَبِلَ کے معنی ہیں : اُس نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا یا بطیبِ خاطر قبول کیا۔ دیکھیے قَبُوْلٌ۔

قَابَلَهٗ : وہ اس کے مُنہ آیا ؛ یا اس کا مقابلہ کیا ؛ یا اس کی مخالفت کی (صحاح، قاموس)۔

اِسْتَقْبَلَهٗ : وہ اس کے برابر یا ایک جیسا ہو گیا — قَابَلَهٗ بِنَفْسِهٖ : اُس نے بذاتہٖ اس کی مخالفت کی (تاج، مادّہ عرض)۔

Marfat.com

اَقْبَلَ بِهٖ : اُس نے اسے آگے کی طرف موڑا - یہ نقیض ہے اَدْبَرَ بِهٖ کا (صحاح ، قاموس مادہ دبر)۔
اَقْبَلَ : وہ اس کے سامنے آیا ، آگے آیا - ضد اَدْبَرَ -
اِقْبَالٌ : خوش نصیبی کا آنا : ضد ہے اِدْبَارٌ کی - اِقْبَالٌ : خوش نصیبی اور عِزَّةٌ (Honourable might) (دیکھیے ابو البقا کی کُلّیات ، ص ۶۴) - اَقْبَلَ عَلَيْهِ : اُس نے اس کے ساتھ اِحسان کیا : یا اُس نے اس کے سامنے کریمانہ پہلو پیش کیا - عام بول چال میں وہ اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا (قاموس وغیرہ)۔
اَقْبَلَ عَلَيْهِ بِالسَّيْفِ ، وَ بِالْعَصَاءِ وَ بِالسَّوْطِ : وہ تلوار ، ڈنڈے یا کوڑا لے کر اس کے مقابل آیا یا اس پر پل پڑا (صحاح ، مادّہ حول) - اَقْبِلْ عَلٰى نَفْسِكَ : اپنے کام سے کام رکھو ! یا اپنا خیال رکھو ! (تاج)۔
قَبْلٌ بحیثیتِ نقیضِ دَبْرٌ : اِنَّ الْحَقَّ بِقَبَلٍ : یقیناً حق یا سچ ظاہر ہے ، ہر شخص اُسے دیکھ سکتا ہے۔
لَقِيْتُهُ قِبَلاً : میں نے بالمشافہ اس سے ملاقات کی (جامی الکرمانی کی لغت کا مخطوطہ)۔
قُبُلٌ : آگا یا اگاڑی - سامنا یا سامنے : قرآنِ مجید میں ہے :
★ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ (یُوسُف ۱۲ : ۲۶) : اگر یُوسُف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو۔
قَبُوْلٌ : حُسنِ استقبال یا پذیرائی ، منظوری ، قبولیت (صحاح ، فارسی ترجمہ ، القاضی عیاض) ، محبّت دل کی رضا و رغبت (تاج) - قَبُوْل : حُسن ، زیبائی ، جمال ، دلپذیری یا دلآویزی ، نیز لباس و وضع کا حُسن (قاموس)۔
قَبِيْلٌ (دیکھیے دَبِيْرٌ) کے معنی ہیں : قسم ، نوع (SPECIES) ، طبقہ ، نسل (RACE) ، دیکھیے قَبِيْلَةٌ۔
جَآءَ قَبِيْلٌ : وہ ذرا پہلے ہی آیا ہے : مترادف آنِفًا۔
قَبِيْلَةٌ : ایک ماں باپ کے آدمیوں کا گروہ : اور قَبِيْلٌ : ۃ کے بغیر : متعدد آباء و اجداد کے آدمیوں کا گروہ (تاج ، مادّہ سبط)۔
قَابِلِيَّةٌ : کسی شے کو قبول کر لینے کی اِستعداد۔
اَقْبَلُ لِلْمَوْعِظَةِ : وعظ و نصیحت قبول کرنے کی از بس استعداد رکھنے والا (تاج ، مادّہ رق)۔
مُقَابَلٌ : نجیب الطرفین (صحاح ، قاموس ، تاج)۔
مُسْتَقْبَلٌ : ب پر فتح - پیش بینی - آئندہ زمانہ (صحاح ، قاموس)۔
قُبْلَةٌ : بوسہ ، جمع قُبَلٌ - قَبَّلَتْهُ تَقْبِيْلًا کے معنی ہیں بوسہ دینا (المفردات)۔
اَلْقِبْلَةُ : اصل میں بالمقابل آدمی کی حالت کو کہا جاتا ہے ، جیسے جِلْسَةٌ اور قِعْدَةٌ ، اور عرف میں اس جہت یا سمت کو قبلہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجّہ ہو کر صلوٰۃ قائم کی جاتی ہے (المفردات)۔

Marfat.com

ازروئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

تَقۡبَلُوۡا : گواہی وغیرہ کو تسلیم یا قبول کرنا یا نہ کرنا۔ قرآن مجید میں ہے :

★ وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ (النّور ۲۴ : ۴) : اور کبھی اُن کی شہادت کو تسلیم یا قبول نہ کرو۔ (Do not accept their testimony or evidence)۔

★ توبہ وغیرہ قبول کرنا : اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ (التّوبۃ ۹ : ۱۰۴) : اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے : (God doth accept repentance from His votaries or bondmen)

اَقۡبَلَ عَلٰى : ایک دوسرے کی طرف رُخ کرنا، مُنہ درمُنہ ہونا (To turn to one another) :

★ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ۝ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۲۷) : پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کرکے ایک دوسرے سے سوال (وجواب) کریں گے۔ (نیز دیکھیے ۳۷ : ۵۰؛ الطّور ۵۲ : ۲۵؛ القلم ۶۸ : ۳۰)۔

★ قَابِلِ : (توبہ وغیرہ) قبول کرنے والا : قَابِلِ التَّوۡبِ (غافر ۴۰ : ۳) : توبہ قبول کرنے والا۔

★ قَبُوۡلٍ : قبولیّت : فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ (آلِ عمران ۳ : ۳۷) : تو اُس کے ربّ نے اُسے حُسنِ قبولیّت کے ساتھ قبول فرمایا۔

★ مُتَقَابِلِيۡنَ : آمنے سامنے (face to face) : اِخۡوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ۝ (الحجر ۱۵ : ۴۷) : اُخوّت ومحبّت ومساوات کے پیکر بنے وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ نیز دیکھیے الصّٰفّٰت ۳۷ : ۴۴؛ الدّخان ۴۴ : ۵۳؛ الواقعہ ۵۶ : ۱۶)۔

★ مُسۡتَقۡبِلَ : آنا، کسی طرف بڑھنا، مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ (الاحقاف ۴۶ : ۲۴) : ان کی وادیوں کی طرف آتے (انھوں نے دیکھا)۔

اَلۡقِبۡلَةَ : مرکزِ جہتِ عبادت (مثلاً یروشلم یا خانۂ کعبہ) یعنی جس کی طرف یہود اور مُسلمان مُنہ کرکے عبادت یا صلوٰۃ قائم کرتے ہیں (البقرۃ ۲ : ۱۴۲-۱۴۵؛ یُونس ۱۰ : ۸۷ وبمواضع کثیرہ)۔

قَبِيۡلًا : بالمشافہ یا بحالتِ رُو در رُو ★ اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ قَبِيۡلًا ۝ (الاسراء ۱۷ : ۹۲) : یا تو اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے بالمشافہ لائے۔

Marfat.com

★ قَبْلُ : ضد بَعْدُ - مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ...... وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ (النّور ۲۴ : ۵۸) : صلوٰۃ الفجر سے پہلے ..... اور عشاء کی صلوٰۃ کے بعد۔

★ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (الرّوم ۳۰ : ۴) :
اللہ ہی کا حکم چلتا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

ب ن ی (بنی)

بَنَاهُ (مضارع)، اس کا مصدر بِنَآءٌ اور بِنًا اور بَنْیٌ اور بُنْیَانٌ اور بِنْیَۃٌ اور بِنَایَۃٌ : اس نے اسے تعمیر کیا، بنایا؛ (He built it; constructed it.) : ضد اس کی ھَدَمَہٗ ہے (تاج، صحاح، محکم، قاموس، تہذیب وغیرہم)، جیسے مکان یا خیمہ وغیرہ۔

بَنَّآءٌ : معمار یا ماہرِ فنِ تعمیر (Architect) کو کہتے ہیں (محکم)۔

بَانٍ کے معنی ہیں : تعمیر۔ اس کی جمع بقول ابو عبید اَبْنَآءٌ آتی ہے۔

بَانِیَۃٌ : یہ بَانٍ کی تانیث ہے، نیز یہ بَوَانٍ کی واحد ہے۔ اس کے معنی ہیں : سینے کی پسلی، جسے زَوْر کہتے ہیں (محکم، قاموس)، یا سینے کی ہڈیاں : یا دونوں بازو یا چاروں ٹانگیں (تاج) اور ناقہ کی ٹانگیں (محکم)۔

بِنْیَۃٌ : کسی عمارت یا تعمیر کی طرز، وضع قطع اور ہیئت (تہذیب، تاج)۔

بِنَآءٌ دراصل جماداتی چیز کو کہتے ہیں جس میں نشو و نما پانے کی استعداد نہ ہو، جیسے پتھر، چٹان وغیرہ (محکم)۔

اَرْضٍ مَبْنِیَّۃٌ : وہ زمین جس پر عمارت بنائی جانے والی ہو یا بنائی جائے (تاج)۔

فِیْ بِنَآءِ السُّفُنِ : سفینوں یا جہازوں کی تعمیر میں۔ عام بول چال میں بَنَی فِی الْاَرْضِ کے بجائے بَنَی اَرْضًا کہتے ہیں : اُس نے زمین میں یا اس کے اوپر تعمیر کی (المغرب) - غالباً اسی بناء پر اعراب بولتے ہیں : بَنَی عَلٰی اَھْلِہٖ (تہذیب، صحاح، محکم وغیرہ) یا عَلَی اِمْرَأَتِہٖ اور بَنَی بِھَا (محکم، مصباح وغیرہ): وہ شادی کی رات اپنی بیوی کے پاس گیا (پہلی بار) - اس کے معنی شبستانِ عروسی کو بنانے یا آراستہ کرنے کے بھی آتے ہیں (المغرب، مصباح)۔

تَبَنَّاهُ : اُس نے اُسے اپنا مُتبنّٰی یا بیٹا بنالیا (صحاح، قاموس)۔

Marfat.com

اِبْنٌ : بیٹا، تانیث بِنْتٌ : بیٹی (صحاح، محکم وغیرہ)۔

بُنَیَّاتُ الطَّرِیْقِ : ان چھوٹی چھوٹی سڑکوں کو کہتے ہیں جو کسی شاہراہ سے نکلی ہوں (صحاح)۔

بِنَآءٌ (اصل میں مصدر) : اس کے معنی ہیں : عمارت؛ مکان؛ ڈھانچا: اس کی جمع اَبْنِیَۃٌ اور جمع الجمع اَبْنِیَاتٌ (محکم، قاموس) اور بُنْیَانٌ کے بھی یہی معنی ہیں (مصباح)۔ اس کا مترادف حَائِطٌ بھی ہے، یعنی دیوار یا دیواریں۔

بُنَیٌّ (کہتے ہیں کہ یہ اصل میں بُنَیْوٌ ہے) : پیار سے چھوٹے بیٹے کو کہتے ہیں۔ یہ اِبْنٌ کا اسمِ تصغیر ہے (مصباح)۔

اِبْن کا اطلاق جب غیر ذی عقل شے (Irrational being) پر ہوتا ہے تو اس کی جمع بَنَات آتی ہے (ابن الانباری، مصباح)؛ لہٰذا اِبْنُ مَخَاضٍ (دو سالہ نر اونٹ) کی جمع بَنَاتُ مَخَاضٍ ہے؛ اور اِبْنُ نَعْشٍ کی جمع بَنَاتِ نَعْشٍ (عقدِ ثریا) آتی ہے۔

بَنَاتٌ : چھوٹی لڑکیوں کے کھیلنے کی گڑیاں (Dolls) کو کہتے ہیں (صحاح، المُغرب، قاموس)۔

اِبْنُ الطِّیْنِ : آدمی کو کہتے ہیں؛ اور اِبْنُ اللَّیْلِ اور اِبْنُ الطَّرِیْقِ کے معنی ہیں : چور یا رہزن (تہذیب)۔ راغب اصفہانیؒ نے اِبْنُ اللَّیْلِ کے معنی کیے ہیں : باکمال آدمی۔ اور تاج العروس میں اس کے معنی مسافر اور سیّاح دیے ہیں؛ اور یہی معنی اِبْنُ السَّبِیْلِ کے ہیں۔

اِبْنُ حَرْبٍ : جنگجو =.A warrior (المفردات)؛ اسے اِبْنُ الْحَرْبِ بھی کہتے ہیں۔

اِبْنُ الدُّنْیَا : مالدار آدمی (مصباح)۔ اِبْنُ الْعِلْمِ : پروردۂ علم (المفردات، لسان)۔

فُلَانٌ اِبْنُ بَطْنِہٖ : پیٹ پرست، پیٹو، بسیار خور۔

فُلَانٌ اِبْنُ فَرْجِہٖ : شہوت پرست۔ اِبْنُ یَوْمِہٖ : جو کل کی فکر نہ کرے (المفردات)۔

ازروئے کلیدِ لغاتِ قرآن

بِنَآءً (تعمیر کرنا، بنانا): ★ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً (البقرۃ ۲:۲۲): جس نے تمھارے لیے زمین کو مُسطّح مُستقر اور آسمان کو سائبان بنایا (نیز غافر ۴۰: ۶۴)۔

بَنَّآءٍ (معمار یا ماہرِ تعمیرات Architect) : ★ وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ (ص ۳۸: ۳۷): اور تمام سرکشوں کو جو معمار تھے اور عمارتیں بناتے تھے۔

Marfat.com

★ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصّف ۶۱ : ۴) : سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ بُنْيَانٌ واحد ہے جمع نہیں۔
اس کے معنی عمارت بھی ہیں : (التوبۃ ۹ : ۱۰۹-۱۱۰ ؛ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۹۷)۔
مَبْنِيَّةٌ : تعمیر شدہ مکان ، محل وغیرہ (الزُّمر ۳۹ : ۲۰)۔
اِبْنٌ (بیٹا) ★ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (البقرۃ ۲ : ۸۷) ★ اِبْنَ السَّبِيْلِ (البقرۃ ۲ : ۱۷۷ و بمواضع کثیرہ)۔ یہ اصل میں بَنَوٌ ہے ، کیونکہ اس کی جمع اَبْنَآءٌ اور تصغیر بُنَيٌّ آتی ہے ؛ نیز اس کی جمع بُنُوْنٌ بھی آتی ہے اور بَنِيْنَ بھی (النحل ۱۶ : ۷۲)۔
بَنِيْ مترادف بَنُوْ (اسمِ جمع) : مثلاً ★ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (البقرۃ ۲ : ۴۰ و بمواضعِ کثیرہ)۔
بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ (یُونس ۱۰ : ۹۰)۔
اِبْن کی جمع بَنِيْ ، بَنُوْ اور بَنِيْنَ ہے۔ ★ وَالْبَنِيْنَ (آلِ عمران ۳ : ۱۴) ؛ نیز اَبْنَآءٌ بھی آتی ہے : نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ (المائدۃ ۵ : ۱۸) : ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔
بُنَيٌّ (اِبْن کا اسم تصغیر ہے ، پیار سے بولتے ہیں) ★ قَالَ يٰبُنَيَّ (یُوسف ۱۲ : ۵) : اُس نے کہا : پیارے بیٹے !
اِبْنَتَ : اِبْن کی تانیث ہے ، یعنی بیٹی ★ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ (التحریم ۶۶ : ۱۲) : مریم بنتِ عمران یعنی عمران کی بیٹی۔
اِبْنٌ کی مؤنث اِبْنَةٌ و بِنْتٌ اور ان کی جمع بَنَاتٌ آتی ہے۔
نُکتہ : ہر زبان کی طرح عربی میں بھی قوم یا دوسروں کی بیٹیوں کو شفقت اور اپنائیت کی بناء پر اپنی بیٹیاں کہنے کا رواج تھا اور ہے۔ اِس سے اس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں حضرت لُوط علیہ السّلام نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو بَنَاتِيْ اور جواب میں لوگوں نے بَنَاتِكَ کہا تھا (ھُود ۱۱ : ۷۸-۷۹)۔
ان معانی اور تفسیر کی تائید مندرجۂ ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے جن میں اَبْنَآءَ بمقابلہ نِسَآءَ اور بَنِيْنَ کے مقابلے میں اِنَاثٌ آیا ہے :
★ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ (ابراھیم ۱۴ : ۶) : وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے ہیں۔
★ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا (الاسراء ۱۷ : ۴۰) : کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے لیے تمہارا رب تو تمھیں بیٹوں کے لیے منتخب کرے اور اپنے لیے فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنائے۔

Marfat.com

م ی ء یا موا ٔ یا م وہ

مَآءٌ کے معنی ہیں : پانی - قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانبیآء ۲۱ : ۳۰) :
اور ہم نے کُل جاندار اشیاء کو پانی سے پیدا کیا - کیا یہ اس کو تسلیم بالیقین نہیں کرتے ؟

اِس واقعیت کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کی خاطر کہ ہر زندہ شے کی طرح اِنسان کی تخلیق کا آغاز بھی پانی سے ہوا ہے، سوچنا چاہیے کہ اب وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے یا ہوتا ہے ؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت بدلا نہیں کرتی (الاسراء ۱۷ : ۷۷، فاطر ۳۵ : ۴۳) - اِرشاد ہوتا ہے :

★ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ (الطارق ۸۶ : ۵-۶ بعد) :
پس اِنسان کو غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ کس شے سے پیدا ہوا ہے ؟ وہ اُچھل کر تیزی کے ساتھ بہنے والے پانی سے (پیدا ہوا ہے) -

★ مَآءً طَهُوْرًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۴۸) : پاک و صاف کرنے والا پانی (Purifying water) -
اِس کی تفسیر قرآنِ حکیم نے خود ہی کر دی ہے (کلیدِ لُغاتِ قرآن) :

★ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (الانفال ۸ : ۱۱) : اور وُہ تُم پر آسمان سے پانی برساتا ہے تاکہ اس سے تمھیں پاک و صاف کر دے -

پانی میں تطہیر کرنے، تسکین و راحت پہنچانے کے علاوہ قوّتِ اِحیاء بھی ہوتی ہے :

★ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرۃ ۲ : ۱۶۴) :
اور اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس پانی سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے -

نُکتہ : یہ سِرِّ حیاتیاتی جس کی نشاندہی قرآنِ حکیم نے چودہ صدیاں پہلے کر دی تھی، علمِ نباتات و حیاتیات (BOTANY AND BIOLOGY) نے عصرِ حاضر میں معلوم کیا ہے - اصل یہ ہے کہ ایک قطعۂ اراضی کی مٹی کھربوں بلکہ بے قیاس ذرّات سے مرکب ہوتی ہے اور ہر ذرّے میں اِنتہائی دقیق و غیر مرئی اربوں کی تعداد میں حیاتیاتی جرثومے ہوتے ہیں، جو ناقابلِ فنا ہوتے ہیں، لیکن پانی نہ ملنے کی وجہ سے جو اُن کی غذا ہوتی ہے، مُردہ ہو جاتے ہیں - چنانچہ جب پانی برستا ہے تو انھیں حیات آفریں قوّت یا غذا ملتی ہے تو پھر زندہ ہو جاتے ہیں - اس سے زمین میں قوّتِ نشو و نما پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پھر ثمرات (اپنے وسیع ترین مفہوم میں)

Marfat.com

اُگانے لگتی ہے۔

مَاءٌ اصل میں مَوَہٌ ہے، کیونکہ اس کی جمع اَمْوَاہٌ اور مِیَاہٌ آتی ہے؛ اور تصغیر مُوَیْہٌ؛ پھر ہا کو حذف کرکے واؤ کو الف سے تبدیل کرلیا گیا ہے (المفردات)۔

رَجُلٌ مَاءُ الْقَلْبِ: بزدل آدمی؛ یعنی ایسا آدمی جس کا ڈر سے زہرہ آب ہو جاتا ہو۔ اعراب چونکہ پانی کی طلب و جستجو میں رہتے تھے اور پانی کی جگہ ڈیرا جما لیتے تھے، اس لیے انھیں بَنُوْ مَاءِ السَّمَاءِ کہتے تھے (تاج)۔

ث م ر (ثمر)

ثَمَرَ: وہ پھل وغیرہ پک گیا (تہذیب)۔ ثَمَرَ لِلْغَنَمِ: اُس نے اپنی بھیڑ بکریوں کے لیے درخت یا جھاڑیاں اکٹھی کیں (قاموس)۔ ثَمِرَ (مضارع) اُس شخص کی دولت بہت زیادہ ہوگئی (اساس، تاج)۔

ثَمِرٌ: دولت جس میں برکت و افزونی ہو (اساس، تاج)؛ یا کثیر مال و دولت؛ اِسے مَثْمُوْرٌ بھی کہتے ہیں۔ مَا نَفْسِيْ لَكَ بِثَمِرَةٍ: میرے دل میں تیرے لیے لطیف جذبہ نہیں ہے (قاموس)۔

ثَمَرٌ (صحاح، تہذیب، اساس) اور ثُمُرٌ (سیبَوَیہ، محکم، اساس) اور ثِمَارٌ (محکم): درختوں کا پھل؛ متعدد اقسام کے میوے۔

اَلثَّمَرُ: اصل میں درخت کے ان اجزاء کو کہتے ہیں جن کو کھایا جا سکے۔ اس کا واحد ثَمَرَةٌ اور جمع ثِمَارٌ و ثَمَرَاتٌ آتی ہے (المفردات)۔

ثَمَرٌ کے معنی جائیداد یا مال و منال کے بھی آتے ہیں، جو کثیر ہو، اور اپنے لیے کمائی یا حاصل کی گئی ہو (ابن عباس، بصائر)، اور مجاہد کی رُو سے ثَمَرٌ قرآنِ مجید میں پھل کے معانی میں آیا ہے؛ اور ثُمُرٌ: مال و منال یا دولت کے، لیکن یُونس اِس رائے کو تسلیم نہیں کرتا اور دونوں کو ہم معنی کہتا ہے (تہذیب)۔

قُطِعَتْ ثَمَرَتُهٗ: اس کی رجولیت یا قُوّتِ مردانگی ختم ہوگئی یعنی وہ نامرد ہوگیا (تاج)۔

ثَمَرَةُ الْقَلْبِ: دوستی، اُلفت، محبت۔

ثَمَرَةٌ: درخت یا جھاڑی یا پودا (تاج)؛ بچہ یا بیٹا (قاموس، تاج)۔

بعض نے قرآنِ مجید میں الثَّمَرَاتِ (البقرۃ ۲: ۱۵۵) کے معنی الْأَوْلَادِ (اولاد) اور الْأَحْفَاد

Marfat.com

(پوتے) لکھے ہیں۔ یعنی آل اولاد (Progeny) یا نسل (Offspring)، (بصائر، تاج)۔
ثَمَرَآءُ : شَجَرَۃٌ ثَمَرَآءُ : ثمرور درخت یا پھلدار درخت (صحاح، قاموس) یا پھل سے لدا ہُوا درخت۔ اَرْضٌ ثَمْرَآءُ یا ثَمِیْرَۃٌ : پھل سے لدی ہوئی زمین (ابوحنیفہ الدّینوری محکم، قاموس)۔
لَبَنٌ ثَمِیْرٌ : دُودھ جس سے مکھن نکالا نہ گیا ہو (تاج، مادّہ جھر) یا دُودھ جس کا مکھن پُھٹکیاں بن گیا ہو (ابن الأثیر الجزری، تاج)۔
اِبْنُ ثَمِیْرٍ : چاند رات یا چاندنی رات (صحاح، قاموس) یا چودھویں کے چاند کی رات (تاج)۔
ثَامِرُ الْحِلْمِ : کامل بُردبار، پکے پھل کی طرح (مُحکم)۔
عَقْلٌ مُثْمِرٌ : ثمرورعقل : عقلِ سلیم، ضد عَقْلٌ عَقِیْمٌ : بے ثمر یا بےسُود عقل (مُحکم، تاج)۔
قَوْمٌ مُتَثْمُورُوْنَ : بہت مالدار قوم یا جماعت (قاموس)۔
ثَمَرٌ : زمخشری نے اس سے مراد ہرقسم کا مال لیا ہے اور یہ ثَمُرَ مَالُہٗ کے محاورے سے مشتق ہے، جس کے معنی مال ومنال کے زیادہ ہونے کے ہیں۔ مجاہد نے سونا چاندی مراد لیا ہے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ ثَمَرَ (بفتح الثاء) ثَمَرَۃ کی جمع ہے اور ضمہ کے ساتھ اموالِ کثیرہ کے معنی میں ہے۔
★ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ (الکھف ۱۸ : ۳۴) : اس کے پاس بہت پیداوار یا دولت تھی۔
ثَمَرَاتٌ سے مراد کھانے پینے والی چیزیں : ماکولات ومشروبات۔ یہی مفہوم اِس آیۂ فکر انگیز کا ہے :
★ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (البقرۃ ۲ : ۲۲) : پھر اس بارش کے پانی سے تمھارے لیے زمین سے ماکولات ومشروبات نکالیں۔
اس کی تفسیر اِس آیۂ بصیرت افروز سے ہوجاتی ہے :
★ يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (القصص ۲۸ : ۵۷) : اِس شہر (حرم شریف) میں ہرقسم کی کھانے پینے کی چیزیں کھنچی چلی آتی ہیں جو ہماری طرف سے روزی کا سامان ہے۔
★ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا (النحل ۱۶ : ۶۷) : اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم مُسکرات یا منشّیات بھی بناتے ہو اور حسین مشروب وماکول بھی۔

اس آیۂ جمیلہ میں یہ ازبس اہم جمالیاتی نکتہ مُضمر ہے کہ پھلوں کے رس تو حسین ومطہّر اور صحّت بخش وجانفزا ہوتے ہیں، مگر ان سے جو شراب وغیرہ بنائی جاتی ہے وہ حسین نہیں قبیح ہوتی ہے، یعنی ناپاک و مضرّت رساں، جسمانی ومعنوی ہر لحاظ سے۔

Marfat.com

ن د د (ند)

نَدِیْدُ الشَّیْءِ اُسے کہتے ہیں جو کسی ذات یا جوہر (Substance) میں شریک ہو، اور یہ مماثلت کی ایک قسم ہے۔ مِثْلٌ کا لفظ چونکہ ہر قسم کی مشارکت (Participation) پر بولا جاتا ہے، اس بناء پر نِدٌّ کو مِثْلٌ کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر مِثْلٌ، نِدٌّ نہیں ہوتی۔ نِدٌّ، نَدِیْدٌ اور نَدِیْدَۃٌ تینوں ہم معنی ہیں (المفردات، لسان، قاضی زکریا، الغاسی)۔

نِدٌّ کی جمع اَنْدَادٌ، نَدِیْدٌ کی جمع نُدَدَآءُ؛ اور نَدِیْدَۃٌ کی جمع نَدَائِدُ ہے (لسان، مصباح، قاموس، الاخفش)۔ نِدٌّ کا اطلاق صنم یا بُت (Idol) پر ہوتا ہے، یعنی ہر اس چیز پر جس کو اللہ وحدہٗ لاشریک کے بجائے معبود بنا لیا جائے (لسان)۔ محاورہ ہے: ھُوَ نِدُّ فُلَانٍ، اور نَدِیْدُہٗ، اور نَدِیْدَتُہٗ: وہ تو فلاں کے مثل یا ہمسر ہے اور ھِیَ نِدُّ فُلَانَۃَ: وہ عورت اس صنفِ جمیلہ کے مثل ہے (ابن شمیل، لسان)۔

قرآنِ مجید میں ہے:

★ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۲): پس اللہ کے ہمسر (Rivals) نہ بناؤ (چاہے تمھاری نظر میں کتنے ہی برگزیدہ کیوں نہ ہوں) اور تم یہ حقیقت جانتے ہو (کہ کوئی مخلوق و پروردہ اور فقیر و سائل ہستی اس کی ہمسر نہیں ہو سکتی)۔

اِس حکم کے باوجود بعض لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہمسر و شریک بناتے ہیں، بلکہ اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔ یہ شرک و کفر ہے۔ ایسے مُشرکوں اور کافروں کے برعکس، اہلِ ایمان اللہ سے شدید ترین محبت کرنے والے ہوتے ہیں، یعنی اہلِ عشق و وفا ہوتے ہیں (البقرۃ ۲ : ۱۶۵)۔

کسی ہستی کو اللہ وحدہٗ لاشریک کا ہمسر یا شریک بنانا، چاہے زندہ ہو یا فوت شدہ، اکابر پرستی ہے؛ جو شرک کی عام، اِنتہائی مقبول اور اتنی ہی مُہلک سرطانی قسم ہے، اور اس کا خاصّہ گمراہ کرنا ہے (ابراھیم ۱۴ : ۳۰؛ الزمر ۳۹ : ۸)۔

قرآنِ حکیم میں ہمیں اِس نفسیاتی اصلِ عظیم سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے کہ اکابر پرستی کفر و ظلم اور جہل ہے (فُصّلت ۴۱ : ۹)؛ اس کی تفصیل تفسیر میں ملے گی۔

التَّنَادُّ کے معنی ہیں: وحشت سے مُنتشر و متفرق ہو جانا (قاموس)۔ انہیں معانی میں قرآنِ مجید میں ہے:

Marfat.com

★ وَيٰقَوۡمِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَيۡکُمۡ يَوۡمَ التَّنَادِ ۝ (المؤمن ۴۰ : ۳۲):
اور اے قوم! مجھے تمھارے بارے میں اس وقت سے خوف آتا ہے جو تمھارے خوف و وحشت سے پراگندہ ہو کر بھاگنے کا روزِ قیامت ہے (صحاح، لسان، مُحکم، قاموس)۔
بعض نے اِس کا ترجمہ لوگوں کے حشر یا جمع ہونے کا دن کیا ہے (تاج، الغاسی)۔
طَيۡرٌ اَنَادِيۡدُ اور بَنَادِيۡدُ : پرندوں کا پراگندگی و انتشار کی حالت میں ہونا (مُحکم، لسان)۔
ذَهَبُوۡا اَنَادِيۡدَ اور بَنَادِيۡدُ یا تَنَادِيۡدَ : لوگ مختلف سمتوں میں مُنتشر ہو گئے (لسان، قاموس)۔

ف ر ش (فرش)

فَرَشَهٗ (مضارع) - اِس کا مصدر فَرۡشٌ اور فِرَاشٌ ہے : اُس نے اسے بچھایا، کشادہ یا مُسطح کیا : He expanded, spread or levelled it. (کلیدِ لُغاتِ قُرآن، صحاح، اساس، قاموس، العُباب)۔ عربوں کا محاورہ ہے : فَرَشۡتُ لَهٗ فِرَاشًا اور فَرَشۡتُهٗ فِرَاشًا اور اَفۡرَشۡتُهٗ اور اِفۡتَرَشۡتُهٗ : میں نے اس کے لیے بستر بچھایا : یا آخری لفظ کا معنی ہے : میں نے (بستر کو) اپنے لیے بچھایا۔ فَرَشَ فُلَانًا بِسَاطًا (مصدر فَرۡشٌ)، اور اَفۡرَشَهٗ بِسَاطًا ؛ اور فَرَّشَهٗ بِسَاطًا (مصدر تَفۡرِيۡشٌ) : اُس نے فُلاں شخص کے لیے دری بچھائی (قاموس) مہمانداری کے لیے (ابن الاعرابی)۔
فُلَانٌ يَفۡرُشُ نَفۡسَهٗ لِلنَّاسِ : اُس نے اپنے آپ کو لوگوں کی خدمت میں لگا دیا ہے (اساس)۔
اَلۡفَرۡش کے اصل معنی کپڑا بچھانے کے ہیں، لیکن بطورِ اسم ہر اُس چیز کو جو بچھائی جائے فَرۡشٌ و فِرَاشٌ کہتے ہیں۔ قُرآن مجید میں ہے :

★ اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا (البقرۃ ۲ : ۲۲) : جس نے کُرۂ ارضی کو تمھارے لیے مُسطح و مُستقر بنایا (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

★ اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (المؤمن ۴۰ : ۶۴) : یہ اللہ ہی ہے جس نے ارض یا زمین کو تمھارا مُستقر بنایا اور آسمان کو سائبان بنایا۔

★ وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَيۡفَ سُطِحَتۡ ۝ (الغاشیہ ۸۸ : ۲۰) : کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح اُسے مُسطح کیا گیا ہے؟

راغب اصفہانیؒ کے نزدیک اسے قابلِ رہائش بنایا ؛ اُبھرا ہوا نہیں بنایا کہ جس پر استقرار ممکن نہ ہو۔

Marfat.com

اَلْفِرَاش کی جمع فُرُشٌ آتی ہے (المفردات)۔

وسیع اور کُشادہ فضا کو، نیز اس کھیتی کو جو وسیع رقبے پر پھیل جائے، فَرْشٌ کہتے ہیں (تاج)۔

قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا (الانعام ۶: ۱۴۲): اور چوپایوں میں سے اُس نے لدّو جانور (جیسے گھوڑے، اونٹ، گدھے وغیرہ) اور زمین میں لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے، جیسے بکری، بھیڑ وغیرہ وغیرہ)۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ فَرْشًا سے مراد وہ چوپائے ہیں جو ذبح کرنے اور کھانے کے لیے موزوں ہوں (المجمل)۔ کنایہ کے طور پر فِرَاش کا لفظ میاں بیوی میں سے ہر ایک پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ: بچّہ شوہر کا ہے (المفردات)۔

فَرْشٌ کی جمع فُرُشٌ آتی ہے:

★ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ (الواقعہ ۵۶: ۳۴): اور ارفع و اعلیٰ مسندوں پر ہوں گے۔

★ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍ (الرحمٰن ۵۵: ۵۴): اہلِ جنّت مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔

اعراب کا محاورہ ہے: فُلَانٌ كَرِيْمُ الْمَفَارِشِ: اس کی بیگمات اعلیٰ مرتبہ کی ہیں۔

اَلْفَرِيْشُ: اس بیل کو کہتے ہیں جو زمین پر پھیل جاتی ہے (تاج، قاموس)۔

اَلْفَرَاشَةُ (جمع اَلْفَرَاش): پروانے، پتنگے وغیرہ: قرآنِ مجید میں ہے:

★ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ (القارعۃ ۱۰۱: ۴): بکھرے ہوئے پتنگے (Thickly scattered moths)۔

تشبیہ کے طور پر قُفل یا تالے کے کنڈے کو فَرَاشَةُ الْقُفْل کہتے ہیں۔

فَرْشٌ: ایک وسیع، کشادہ، ہموار یا مُسطّح قطعۂ اراضی یا میدان (صحاح، قاموس، تاج)؛ یا ایک وسیع، کُشادہ یا ہموار قطعۂ زمین (صحاح، قاموس، تاج)؛ یا زمین جو ہموار، مُسطّح اور نرم ہو اور اس میں پہاڑوں کے سبب راستے مسدود نہ ہوں (تاج)۔ ان معانی کی تائید کلیدِ لُغاتِ قُرآن کے ذریعے بھی ہوتی ہے۔ (دیکھیے النحل ۱۶: ۱۵؛ طٰہٰ ۲۰: ۵۳؛ الانبیآء ۲۱: ۳۱؛ نوح ۷۱: ۱۹-۲۰؛ نیز دیکھیے البقرۃ ۲: ۳۶؛ الرّعد ۱۳: ۳؛ الحجر ۱۵: ۱۹؛ قٓ ۵۰: ۷؛ الطّارق ۸۶: ۱۲؛ الغاشیہ ۸۸: ۱۸؛ الشّمس ۹۱: ۶)۔

چنانچہ محاورہ ہے: مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الْفَرْشِ: عرش یا فلک الافلاک (Empyrean) سے زمین تک (اساس، مادہ عرش)۔

فَرْشَةٌ: قدرے نشیبی قسم کا راستہ جو ایک دن اور رات کی مسافت پر پھیلا ہُوا ہو اور راس

Marfat.com

قسم کا، اور صرف اس سرزمین میں جو وسیع اور ہموار ہو اور صحرا کی طرح ہو: جمع فُرُوش (ابوحنیفہ الدِّینوری، ص ۳۶۰، تاج)۔

فِرْشَۃٌ: شکل و صورت، شبیہ، حُلیہ یا لباس وغیرہ: مترادف ھَیْئَۃٌ۔ چنانچہ عربوں کا محاورہ ہے: ھُوَ حَسَنُ الفِرْشَۃِ: وہ شکل و صورت کا اچھا یا خوبصورت ہے (العُباب، قاموس)۔

فَرْشِیٌّ: فرش فروش، یعنی گھریلو فرنیچر، دری، قالین وغیرہ بیچنے والا (تاج)۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ **سَمندر سرشت** : سَمندر بروزنِ قلندر، اُس کیڑے کو کہتے ہیں جو آگ میں رہتا ہے۔ اور اسی میں رہنا پسند کرتا ہے، جیسے مچھلی پانی میں رہتی اور اپنی بقا کے لیے پانی میں رہنا پسند کرتی ہے۔ بنی نوعِ انسان میں سے جو لوگ کُفر و شرک ظُلم و استحصال، فتنہ و فساد، جُرم و گناہ یا اعمالِ سُوء کرنے اور اس کے نتیجے میں اُن کے دل آتشِ خوف و حُزن میں رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کے لیے یہ تلمیذ القرآن سَمندر سرشت کی اِصطلاح استعمال کرتا ہے۔

۲۔ **مشاہداتی و منطقی اور تخلیقی و رُبوبیّتی استدلال :**

(ا) مشاہدے کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کو مشاہداتی استدلال کہتے ہیں۔

(ب) منطقی اُصول کی بناء پر حُجّت قائم کرنے یا دلیل لانے کو منطقی استدلال سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

(ج) قُدرت کے تخلیقی عمل کو دلیل بنانا تخلیقی استدلال ہے۔

(د) قُدرت کے نظامِ رُبوبیّت سے دلیل لانے کو رُبوبیّتی استدلال سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ علاوہ بریں، ماں جس طرح اپنے بچّے کی پرورش کرتی ہے، اس پر قیاس کر کے حُجّت قائم کرنے کو بھی رُبوبیّتی استدلال کہہ سکتے ہیں۔

Marfat.com

۲۳- وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا
شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

۲۴- فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ　ع ۲
وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

۲۵- وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۗ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ
وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۗ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

۲۳- ترجمہ

ہم نے جو کلام اپنے بندے پر نازل کیا ہے، اگر تمھیں اس کے مِن جانب اللہ ہونے یا اس کے مافیہ میں کسی قسم کا شک و اضطراب ہے تو اس جیسی ایک سُورت ہی بنا لاؤ (تو ہم جانیں)، پھر یہ بھی کر دیکھو کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے عُلماء کو ایسا کرنے کی دعوت دو، اگر تُم (اپنی تشکیک و ظنّیات میں) سچّے ہو۔

تفسیری ترجمہ

اے مُنکرانِ حق! ہم نے اپنے بندے (پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) پر جو حُسنِ کلامِ آخر بذریعہ وحی نازل کیا ہے، اور اِس واقعیّت سے متعلّق تُم تشکیک و لاادریّت کے شکار ہو تو میں تمھیں چیلنج دیتا ہوں کہ تُم زیادہ نہ سہی تو ایک ہی سُورت تصنیف کر کے دکھاؤ جو اس کے صُوری و معنوی حُسنِ کا مقابلہ کر سکتی ہو۔ پھر یہ چیلنج خود قبول نہ کر سکو تو اپنے اہلِ علم سے اِستدعا کرو کہ سُورۂ قُرآن کے مقابلے کی کوئی ایک سُورت ہی تصنیف کر کے دکھائیں۔ یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو اگر تُم واقعی قُرآنِ مجید کے مِن جانب اللہ ہونے میں سُوءِظن رکھتے ہو۔

۲۴- ترجمہ

پھر اگر تُم ایسا نہ کر سکو اور یقیناً ایسا نہیں کر سکو گے (کہ ایسا کرنا کسی مُتنفّس کے بس کا روگ ہی نہیں) تو پھر

Marfat.com

اس آگ سے اپنے آپ کو بچالو جس کا ایندھن اِنسان و سنگ ہوں گے، جو کلامِ اِلٰہی کے منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

تفسیری ترجمہ

اے مُنکرانِ حق! اگر تُم اور تمہارے اہلِ علم و دانش حسین و بلیغ سُورتِ قُرآنی ایسی کوئی سُورت تصنیف نہ کرسکیں، اور کبھی کر بھی نہیں سکیں گے کہ اِنسان کو علم و بیان کی ایسی اِستعداد و دلیعت ہی نہیں کی گئی کہ وہ ربِّ علیم و قدیر کے حُسنِ کلامِ آخر کی نقالی کرسکے یا اس کی چھوٹی سی چھوٹی سُورت ایسی کوئی سُورت ہی تصنیف کرسکے تو پھر عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ انکارِ حق اور تکذیبِ قُرآنِ مجید ایسے جُرمِ عظیم کی سزائے آتشیں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ تن بدن اور قلب و جاں کی آگ ہوگی، جس کا ایندھن (Fuel) موت سے منزّہ جسم و جاں رکھنے والے اِنسان اور سنگ و خشت ہوں گے۔ یہ آگ مُنکرانِ قُرآنِ مجید کے لیے اِیجاد کی گئی ہے۔

۲۵ — ترجمہ

جو لوگ اِیمان لائے ہیں اور اس کے تقاضوں کے مطابق عدل و احسان کے کام کرتے ہیں ان کو اِس نوید سے شاد و مسرور کردو کہ اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔ جب انھیں ان ثمرور باغات کے پھل کھانے کو دیے جائیں گے تو وہ (حیرت سے) بول اُٹھیں گے: یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں اس سے پہلے بھی دیے جاتے تھے؛ اور ان سے ملتے جُلتے یا مشابہت رکھنے والے اور پھل بھی دیے جائیں گے؛ نیز اُن کے لیے اس میں پاکیزہ و نظیف بیویاں بھی ہوں گی، اور وہ بہشتوں میں ناقابلِ تغیّر شباب و توانائی اور راحت و سُرورِ مدام کی حالت میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیری ترجمہ

(میرے محبوب نبیؐ! کافروں کو وعید و تنبیہ دی جاچکی ہے اب) آپ اہلِ اِیمان اور محسنوں کے دل اِس بشارتِ سُرور آگیں سے باغ باغ کردیں کہ اُن کے عقائدِ جلیلہ و محرّکہ اور اعمالِ حسنہ کی جو جزا ملے گی وہ جنّتِ قُرّۃُ العین ہوگی۔ سبزہ و گُل، اشجارِ ثمرور اور آبِ رواں سے معمور باغات ہوں گے، جو جمالیاتی ذوق کی تسکین اور خورد و نوش کی لذّت کا سامانِ لازوال ہوں گے۔ جب ان میں سے انھیں کچھ پھل دیے جائیں گے کہ ان سے لُطف اندوز ہوں تو فرطِ حیرت سے پکار اُٹھیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں اس سے پہلے (عالمِ برزخ میں) بھی دیے جاتے تھے۔ پھر انہیں ہم شکل و ہم مشابہ اور پھل بھی دیے جائیں گے جو لذّت و ذائقہ میں گوناگوں ہوں گے۔ ان نعمتوں کے ساتھ انھیں جمالیاتی۔جنسی ذوق کی تسکین کا سامان بھی فراہم کیا جائے گا جو ناقابلِ تغیّر و زوال ہوگا۔ اصنافِ جمیلہ ہوں گی، جو ان کی بیویاں ہوں گی، جمالیاتی ذوق رکھنے اور محبّت کرنے والی، نظیف و پاکیزہ اور طہارت پسند، خوش خصال و خوش گفتار، خوب رویان و محبوبانِ دلنواز۔

Marfat.com

تفسیر

ما سبق آیات کی روشنی میں زیرِ نظر آیاتِ بصیرت افروز میں تدبّر بالحق کرنے سے اِس اصلِ عظیم سے آگہی ہوتی ہے کہ کلامِ الٰہی کو ربِّ رحمٰن کی وحی و تنزیل تسلیم بالیقین کرنے میں عموماً یہ چار اشیاء مانع آتی ہیں اور ہمیشہ آتی رہی ہیں: (۱) فُقدانِ تقویٰ (۲) نفاق (۳) کُفرانِ نظامِ باطنی اور (۴) شرک یا اکابر پرستی۔

(۱) **فُقدانِ تقویٰ** : یاددہانی کے طور پر اِس اصطلاحِ قرآنی کی مجملاً تصریح کر دی جاتی ہے کہ اس کا مطلب دُہرا ہے: مثبت اور منفی۔ (و) قُرب و رضوانِ الٰہ و ربّ، دُنیوی و اُخروی حسنہ، دُنیا اور جنّتِ قُرّۃُ العین میں حیاتِ طیّبہ بسر کرنے اور اس کی خاطر صِراطِ مُستقیم کی طلب وجستجو۔ (ب) صِراطِ مُستقیم سے بھٹک جانے، اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ رحمٰن سے دُور ہو جانے، قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل اور حساب و جزا کے روز ناکام ہو جانے اور عذابُ النّار کا خوف۔ تقویٰ نہ ہو تو اِنسان کا عاقبت نااندیش، ربّ و خود فراموش، سرکش و بیباک، غافل و زیاں کار اور معاشرتی سرطان بن جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

(۲) **نفاق** : اس کا مطلب ہے: کلامِ الٰہی کے تمام احکام کو تسلیم بالیقین نہ کرنا، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا، اور دینِ اِسلام میں تشکیک و تذبذب کی حالت میں بادلِ نخواستہ یا با امرِ مجبوری داخل اور بوقتِ ضرورت اِس سے باہر نکلنے کی فکر و خواہش رکھنا۔ یہ شیوۂ منافق ہے۔ بخلاف اس کے، سچے مؤمن کی صفت یہ ہے کہ وہ بندۂ تسلیم و رضا ہوتا ہے اور کلامِ الٰہی کے کُل احکام کو تسلیم بالیقین کر کے اِسلام میں داخل ہوتا ہے، اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔ یہ مطلب ہے اِس اِرشادِ اِلٰہی کا کہ

★ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (البقرۃ ۲ : ۲۰۸):

اے مؤمنو! حلقۂ اِسلام میں پُورے پُورے داخل ہو جاؤ۔

(۳) **کُفرانِ نظامِ باطنی** : جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں، نظامِ باطنی سے مراد حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام ہے، جو حواسِ خمسہ، قلب یا دل و دماغ کی قُوّتوں (خصوصاً عقل و فکر اور ضمیر و جذبہ) اور نفسی قُوّتوں (نفسِ لوّامہ، نفسِ امّارہ اور نفسِ مُطمئنّہ۔ انہیں اِستعارۃً نفس کے اقانیمِ ثلاثہ سے تعبیر کر سکتے ہیں) پر

Marfat.com

مشتمل ہوتا ہے ۔ یہ نفسیاتی قوّتیں ربِّ رحمٰن کی نہایت عظیم وغیر منقّبہ نعمتیں ہیں جو اِنسان اور دیگر مخلوقات میں مابہِ الاِمتیاز ہیں ؛ ان کی قدر نہ کرنا اور ان سے ایسا اور اِتنا کام نہ لینا ، جس کے لیے ان کو ودِیعت کیا گیا ہے عبارت ہے کُفرانِ نظامِ باطنی سے ۔

(۴) شِرک ہی تنہا ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے اور اس کی سزا جہنّم کا عذابِ ابدی ہے (النّسآء ۴ : ۴۸) ۔ اس کی بڑی بڑی اقسام یہ ہیں : اکابر پرستی ، پیر و فقیر پرستی ، روضہ و مقبرہ پرستی ، فرقہ پرستی ، بُت پرستی (مثلاً دیوی ، دیوتاؤں کی پوجا ، مجسمہ پرستی وغیرہ وغیرہ) ، آتش پرستی ، آفتاب پرستی ، اہرمن پرستی ، ملائکہ پرستی (مثلاً دیوی ، دیوتاؤں کی پوجا) ، نیز بعض فلکی ، حیاتیاتی ، نباتاتی اور جماداتی اجرام کی پرستش ۔ یہ کتنی عبرتناک و شرمناک واقعیت ہے کہ ان میں سے اکثر رسوم آج کل کے اِسلام کے ماننے والوں میں بھی پائی جاتی ہیں ، حالانکہ اِسلام عبارت ہے دینِ توحید سے ، جو غارتگرِ شِرکِ کُلّی ہے ۔

یہ جُملۂ معترضہ تو تھا ، مگر تھا ناگزیر حُسنِ کلامِ آخر کو اس کے حقیقی تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اس اصلِ عظیم کو ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لینا لازم ہے کہ کُل بنی نوعِ اِنسان اللہ تعالیٰ کے جمالیاتی تخلیقی شہکار ہیں ، جن کا وہ ربِّ رحمٰن و رحیم ہے اور ان سے اسے غایت درجہ محبّت یا عشق ہے ۔ اِس عشق کی بناء پر وہ چاہتا ہے کہ وہ اِس حسین و دلکش دُنیا میں مؤمن و صالح بن کر حیاتِ طیّبہ بسر کریں (النّحل ۱۶ : ۹۷) ، اور قیامت کے روز جب دوبارہ زندہ اُٹھائے جائیں (النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ : العنکبوت ۲۹ : ۲۰ : زندگیاں صرف دو ہیں ، تیسری زندگی کا عقیدہ آواگونی اور غیر قرآنی ہے) تو اس کی جنّتِ قُرَّۃُ العین میں ، جو اصل میں ان کا حُسن المآب ہے ، عیش و مسرّت کی زندگی کریں اور معنوی اِرتقاء کرتے رہیں ۔ اس کے لیے ان کا نفوسِ مُطمئنّہ بننا ناگزیر ہے اور ایسا بننے کے لیے انھیں قرآنِ مجید کے احکام کے مطابق زندگی کرنا لازم ہے ۔ چنانچہ ربِّ عاشق ان لوگوں کو جو قُرآنِ مجید کے مِن جانب اللہ ہونے کے بارے میں تشکیک و تذبذب کے شکار رہیں ، ایک عملی دلیل کے ذریعے ان کا شک دُور کرنا چاہتا ہے ۔ وہ ان کو چیلنج دیتا ہے کہ اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ قُرآنِ مجید اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کا حُسنِ کلامِ آخر نہیں تو وہ اس کی ایک سُورت جیسی ہی بنا کر دکھائیں ۔ اگر وہ خود ایسا نہ کر سکیں تو اپنے اہلِ علم و دانش سے اِستدعا کریں کہ وہی اِس چیلنج کو قبول کریں اور یہ کارنامہ سرانجام دیں ۔ لیکن نہ تُم اور نہ وہ اِس حُسنِ کلامِ آخر کے مقابلے کی کوئی سُورت بھی تصنیف کر سکتے ہیں ، کیونکہ ایسا کرنا قلیل العلم و عاجز بندوں کے مقدور ہی میں نہیں ۔ اگر ایسا ہے تو پھر عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ تُم تشکیک و تذبذب اور انکار و جحود کی روش ترک کر دو اور قُرآنِ حکیم پر اِیمان لے آؤ اور اپنے آپ کو آتشِ جہنّم کے شکیب رُبا عذاب سے بچا لو ۔ یاد رکھو کہ کوئی شخص بھی قُدرت کے قانونِ مُجازات سے نہیں بچ سکتا ۔

Marfat.com

یاد رکھو کہ اِس آگ کی خاص بات یہ ہے کہ اس کا ایندھن اِنسان (یعنی ان کے جسم و قلب) اور سنگ وخشت ہوں گے - یہ سنگ وخشت ان کے مجسّموں، بُتوں، مقبروں، آستانوں، مندروں، آتش کدوں کے ہوں گے جن کی پرستش وُہ کرتے تھے، ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور وہاں منتیں مانتے تھے؛ نیز ان کے جمع کردہ قیمتی پتھر (Precious stones)، جیسے جواہرات: لعل و الماس اور یاقوت و زمرّد وغیرہ وغیرہ، قیمتی دھاتیں، اور اب کرنسی نوٹوں کی قیمت کے برابر سونا چاندی اور زیورات وغیرہ وغیرہ؛ علاوہ ازیں، ان کی وہ تمام عمارات کے سنگ وخشت ہوں گے، دلیل کے طور پر دو ایک متعلقہ آیات کی نشاندہی کر دی جاتی ہے :

★ الھُمزہ ۱۰۴ : ۱-۹ (جسم و دل آگ کے ایندھن ہوں گے)؛ التوبۃ ۹ : ۳۴ (سونا چاندی ایندھن ہوں گے)۔

اگلی آیۂ جمیلہ کی تفسیر کرنے سے پہلے یہاں اِس اہم سوال کا جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قُرآنِ عظیم کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جن کے باعث چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اہلِ علم و دانش یہود و نصاریٰ اور دیگر غیر مُسلم دشمنانِ اسلام جن کی مادری زبان عربی تھی اور ہے، آج تک اُس کی چھوٹی سی چھوٹی سُورت کے مقابلے کی کوئی ایک سُورت بھی تصنیف نہیں کر سکے؟ اس سوال کا جواب ایک مُستقل تصنیف کا مقتضی ہے، لیکن یہ موقع اِجمال کا ہے، لہٰذا اِس کا جواب اِختصار سے دینے کی کوشش کی جاتی ہے - قُرآنِ مجید کی بیشمار مابہ الامتیاز خصوصیات میں سے چند ایک سے گفتگو کی جاتی ہے :

★ قُرآنِ مجید جو ربِّ رحمٰن کا حُسنِ کلامِ آخر ہے زندہ و سرمدی مُعجزہ ہے - اس کا ثبوت عجزِ اِنسانی ہے کہ وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سُورت ایسی کوئی سُورت تصنیف کرنے سے عاجز ہے، اگرچہ چودہ سو برس سے غیر مُسلم اہلِ زبان، عُلماء اور مُصنّفین ایسا کرنے کی انفرادی اور اجتماعی کوششیں کر رہے ہیں۔

★ اِنسان کا علم و فکر اور مشاہدہ و نظریہ اِرتقائی ہے؛ اس کا منطقی نتیجہ ہے کہ حکماء و فلاسفہ اور اہلِ علم کی تصانیف و ملفوظات میں اِختلاف و تضاد پایا جاتا ہے، لیکن قُرآنِ مجید جو ایمان و عمل، فلسفہ و حکمت، جمالیات و نفسیات، تاریخ و اخلاقیات، سیاست و عمرانیات، معاشیات و فلکیات، حیاتات و نباتات، نیز آخرت ایسے بیشمار مضامین و موضوعات پر مُشتمل ہے اور تیئیس برس کی طویل مُدّت تک اُمّی نبیؐ پر، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، نازل ہوتا رہا، لیکن اس کے باوجود وہ ہر قسم کے اختلاف و تضاد سے پاک و صاف ہے - یہ حیرت انگیز واقعیت اس کے اُلوہی - رحمانی وحی و تنزیل ہونے کی بُرہانِ قاطع ہے۔

Marfat.com

★ اِیجازِ بلاغت بھی اس کی ایک منفرد و امتیازی خوبی ہے۔ علمِ بیان میں اُس عبارت یا کلام کو بلیغ کہتے ہیں جو فصیح بھی ہو اور برمحل بھی۔ فصاحت کی تعریف مُثبت نہیں منفی کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی فقرے یا عبارت کا غیر مانوس و سُوقیانہ، متروک و غلط العوام، بیجا دقیق و مُشکل، ثقیل و درشت، قبیح و ناموزوں اور بے جوڑ الفاظ، نیز تنافُر یہ ایسی ناآہنگ و ناموزوں تراکیب اور دیگر معائبِ سُخن سے منزّہ ہونا۔ میرے نزدیک فصاحت کی مثبت یا ایجابی تعریف بھی ہو سکتی ہے؛ مثلاً کسی فقرے یا عبارت کا حسین الفاظ و تراکیب کا مظہر ہونا، اور اس کا بر موقع و محل ہونا بلاغت ہے۔ ایجازِ بلاغت یہ ہے کہ کلام حسین و بلیغ اور جامع و مانع ہونے کے ساتھ اِنتہائی مُختصر بھی ہو۔ قُرآنِ مجید کی یہ اِمتیازی خصوصیت ہے کہ اس کی ہر سُورت اور آیت اِیجازِ بلاغت کا احسن و اکمل اور بےمثال و ناقابلِ تقلید نمونہ ہے۔

★ اِعجازِ تفسیری : قُرآنِ مجید کی ایک مابہ الاِمتیاز خصوصیت جسے میں اس کے اعجازِ تفسیری سے تعبیر کرتا ہوں، یہ ہے کہ وہ اپنی آیات، الفاظ، اصطلاحات، نیز عقائد و نظریات کی خود ہی صراحت کر دیتا ہے، اس اعتبار سے وہ آپ ہی اپنی احسن و اکمل تفسیر ہے۔

★ اعجازِ بیان : قُرآنِ مجید جو لفظ، اصطلاح یا ترکیب جس جگہ یا موقع و محل پر استعمال کرتا ہے، اس کو بدلا نہیں جا سکتا، کیونکہ ایسا کرنے سے اس کا حُسن اور اِعجاز باقی نہیں رہتا۔

★ اس کے نظریات یا حقائق کو علم و ہُنر (مثلاً جدید سائنس و ٹیکنالوجی) اور مشاہدہ و تجربہ مسلسل درست ثابت کر رہا ہے اور رہنمائی بھی حاصل کر رہا ہے۔

★ الفُرقان : قُرآنِ حکیم حق و باطل، حُسن و قُبح، خیر و شرّ، حسنہ و سیّئہ اور سُود و زیاں کا معیار (کسوٹی) بھی ہے اور صیرفی بھی۔

★ الھُدیٰ : یہ اِنسان کو دُنیوی و اُخروی حسنہ، مادّی و معنوی ترقّی، فوز و فلاح، طمانیتِ قلب و نفس، دارُالسّلام، اِتمامِ نُور یا تکمیلِ ذات، نیز اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور قُرب و رِضوانِ الٰہی کی فطری و حسین راہِ راست دکھاتا ہے، زندہ ہادی و مُرشد کی طرح۔

★ شِفا : شافیِ مُطلق کا یہ حُسنِ کلامِ آخر امراضِ قلب یا نفسیاتی امراض کو شِفا بھی دیتا ہے اور نُسخۂ شِفا بھی ہے۔

★ مشہودیّت : دوشیزۂ سحر جب اپنی نمود دکھاتی اور قُرّۃُ العین بنتی ہے تو اِس حسین و جانفزا عالم میں اہلِ اِیمان و آرزو جب قُرآنِ مجید کی تلاوت کرتے اور شاہدِ معنیٰ کو دیکھنے کے لیے اس میں غور و فکر

Marfat.com

کرتے ہیں تو وہ اپنی شُؤُونِ حُسن کے ساتھ اُن کے حسین و منوّر قلوب پر اپنا جلوہ پیدا کرتا ہے۔ یہ صرف قرآنِ حکیم کا اعجاز ہے۔ انسانی تصنیف اس طرح قلب پر مشہود ہوئی ہے نہ ہو ہی سکتی ہے۔

اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ انبیاء علیہم السّلام کو مُعجزہ دینا سُنّتِ اِلٰہی تھی تو اِس تاریخی واقعیت کو بھی ماننا لازم آتا ہے کہ ہر نبیؑ / رسولؐ کا مُعجزہ زمانی و مکانی تھا اور اُن کے دُنیا سے رخصت ہو جانے کے ساتھ وہ بھی رخصت ہو جاتا تھا۔ بخلاف اس کے، پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد چونکہ کسی نبیؑ / رسولؐ نے نہیں آنا تھا، اس لیے آپؐ کو جو مُعجزہ قرآنِ حکیم کی صورت میں ملا، وہ زندہ بھی ہے اور زندۂ جاوید بھی؛ اور نہ صرف اس دُنیا میں بلکہ جنّتِ قُرّۃُ العین میں بھی اہلِ طلب و آرزو کے نُور کے اِتمام، ترقّیِ درجات اور تقرّب اِلیٰ اللہ کا وسیلہ بنا رہے گا۔

۲۵ - مُنکرانِ حق کو بُرہانِ قاطع کے ذریعے یہ باور کرانے کہ قرآن مجید ربِّ رحمٰن کا حُسنِ کلامِ آخر اور مُعجزہ ہے اور ان کے انکار و جحود کے اذیّت ناک و تشکیک رُبا نتائج سے انھیں خوف دلانے کے بعد اب ربِّ ذُوالجلال والاکرام اپنے اہلِ عشق و وفا بندوں کی طرف بانداز لُطف و کرم مُلتفت ہوتا ہے۔ وہ دُنیا میں بھی اُنھیں عالمِ سرُور و رجا میں حُسنِ فکر و عمل کرتے دیکھنا چاہتا ہے کہ یہ اس کی مشیّت بھی ہے اور سُنّت بھی، جو رنگِ تغیّرُ و تبدُّل سے وراء ہے۔ چنانچہ اُس کا اپنے مہبطِ وحی و تنزیل سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے بندگانِ تسلیم و رضا کو اِس مژدۂ بہجت افزا و نشاط انگیز سے خوشدل و شادماں کر دیں کہ اُن کے عقائدِ جلیلہ و محرّکہ اور اعمالِ صالحہ کا اجر اُنھیں ایسا حسین و دل انگیز ملے گا جس کا کوئی متنفّس تصوّر تک نہیں کر سکتا (السّجدۃ ۳۲ : ۱۷)۔ مثال کے طور پر اُنھیں حُسن و سرُور کے ایسے عالم میں حیاتِ ابدی بسر کرنے کے لیے رکھا جائے گا، جسے سدا بہار و نظر افروز اور حیرت انگیز و وجد آفرین گلستان سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اِس کے ابعادِ ثلاثہ بے قیاس ہوں گے؛ اور اس میں دلکش و رُوح پرور سبزہ، نظر افروز و دلآویز گلہائے رنگ رنگ، نظر نواز و کیف پرور اشجار، سدا بہار جلوہ افروز ہوں گے؛ اور آبِ رواں کے گوناگوں مناظر اور دلکش نظارے قلب و نظر کو مُتکیّف و مسحور کرتے ہوں گے۔

جمالیاتی ذوقِ بصری کے اِس سامانِ تسکین کے ساتھ اہلِ جنّت کے ذوقِ کام و دہن کی تسکین کے لیے دیدہ و نا دیدہ اور بے حد لذیذ و کیف پرور نعمتیں بھی ہوں گی اور بے قیاس ہوں گی۔ دیدہ نعمتیں وہ ہوں گی جو انھیں عالمِ برزخ میں دی جاتی تھیں۔ عالمِ برزخ ایک غیر مرئی و نا دیدہ عالم ہے جس میں لذّتِ موت سے آشنا ہو کر نفوسِ انسانی وہاں قیامت تک کے لیے بھجوا دیے جاتے ہیں۔ اس میں نفوسِ مُطمئنّہ کو اُن کے اعمالِ حسنہ کی کیفیّت و کمیّت کے مطابق حسین و مطہّر اور لذیذ و طرب انگیز نعمتیں دی جائیں گی۔

Marfat.com

یہ عالمِ حُسن و سُرور قیامت تک رہے گا، لیکن اس سے کوئی اِنسان باہر نہیں جا سکے گا اور نہ اہلِ برزخ کا رابطہ اہلِ دُنیا سے ہوگا۔ وہ گویا عالمِ رویا میں ہوں گے جس کے زمان و مکان اور زندگی کی نوعیت کا کوئی متنفّس تصور تک نہیں کر سکتا۔ اہلِ حُسن و سُرور کے برعکس، اہلِ نار یا نفوسِ آتش بداماں کو برزخی جہنّم میں زندانیوں کی طرح آتشِ خوف وحُزن اور آتشِ جسم وجاں کے عالمِ عذاب میں رکھا جائے گا اور ان کی خوراک دوزخیوں کی خوراک ایسی ہوگی۔ یہ ہے ثواب وعذابِ قبر کی حقیقت۔ قرآن مجید کی رُو سے زندگیاں صرف دو ہیں : ایک اِس دُنیا کی زندگی اور دوسری آخرت کی زندگی؛ اسی لیے اسے "النَّشْأَةَ الْاٰخِرَةَ" کہا گیا ہے (العنکبوت ۲۹ : ۲۰)۔ قبر وغیرہ میں تیسری زندگی کا عقیدہ غیر قرآنی اور باطل ہے۔

یہ تو تھا جملۂ معترضہ۔ عالمِ برزخ کے علاوہ، ربِّ عاشق اپنے اہلِ عشق ووفا بندوں کے قلوب کو اِس دُنیا میں بھی جنّتی نعمتوں کی لذت سے آشنا کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ انھیں جب جنّت میں نعمتِ دیدہ دی جائے گی تو حیرت واستعجاب سے پکار اُٹھیں گے : "ایسی نعمت تو ہمیں پہلے بھی مل چکی ہے"! اس کے ساتھ ساتھ انھیں اور بھی متشابہ نعمتیں ملتی رہیں گی۔

اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا حیات وکائنات کی ہر چیز زوجین یا جوڑا جوڑا ہے۔ یہ احسن الخالقین کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیت کا اعجازِ حکیمانہ ہے جس کی بدولت کُل اشیاء میں جذب وانجذاب کی دو متضاد قوّتیں اپنی نمود رکھتی ہیں اور دُنیا حسین ودلکش ہے۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جنّت میں مردانِ جلیل تو ہوتے، لیکن اصنافِ جمیلہ نہ ہوتیں؟ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ بہشتی حوروں اور "ارضی" دوشیزاؤں کے بغیر جنّت تو ہوتی، مگر قُرَّةُ العین ہوتی نہ حُسنُ المآب۔ اہلِ جنّت کو خُوبانِ غزال چشم اور حُورانِ دلربا بھی ملیں گی، جو ان کی شریکِ حیات وہمنشیں ہوں گی۔ وہ حسین وحُسن پسند بھی ہوں گی اور پاکیزہ ونظیف اور نظافت پسند بھی۔ اُن کا شباب اور جوبن سدا بہار، جاذبِ نظر اور مسحور کُن ہوگا۔ وہ اپنے ہم عمر جلیل وجمیل شوہروں کے ساتھ ہمیشہ عالمِ کیف وسُرور میں رہیں گی۔ ظاہر ہے مردوں کی مسرت تو بے اِنتہا ہوگی۔

ازل نادیدہ زمانِ بے پایاں یا دہر کے مقابلے میں اس عالمِ شب وروز کی عُمر کو آنی وفانی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ اِس عُمرِ آنی وفانی کے بدلے ربِّ رحمٰن اپنی جنّتِ قُرَّةُ العین کو بیچتا ہے، جہاں کی زندگی موت سے ناآشنا، حسین اور سرُور بداماں ہوں گی (التوبة ۹ : ۱۱۱)۔ جنّت اور سُرمۂ مُفت نظر کی طرح ملے اور جو نہ خریدے، اس سے بڑھ کر ظالم وجاہل اور کون ہو سکتا ہے؟ لیکن اِنسان جو اپنے آپ کو عاقل ودانا اور زیرک وبینا سمجھتا ہے یہ اِنتہائی ارزاں اور دائمی منفعت کا سودا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ربِّ رحمٰن وعلیم نے اُسے حد سے زیادہ ظالم وجاہل کہا ہے (الاحزاب ۳۳ : ۷۲)۔ غضب تو ہے کہ اِنسان اپنے

Marfat.com

زبانِ مدام کا احساس رکھتا ہے نہ شعور۔

مختصر یہ ہے کہ جب تک وہاں زمین و آسمان رہیں گے، جنتِ قُرّۃ العین بھی رہے گی (ھُود ۱۱: ۱۰۷)۔ اور جب تک جنت رہے گی، اہلِ جنت (= مرد و زن) بھی اس میں عالمِ شباب و نشاط میں رہیں گے۔

جنتِ قُرّۃُ العین سے متعلق اس کے خالق و ربِّ رحمٰن کی یہ بات ذہن نشین کر لینا انتہائی ضروری ہے کہ اُسے آج تک کسی مُتنفِّس نے نہیں دیکھا (السّجدۃ ۳۲: ۱۷)۔ اس آیۂ جمیلہ کی تفسیر مہبطِ وحی و تنزیل نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی فصیح زبان میں اس طرح کی ہے:

حضرت ابی ھُریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّ اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ " (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ: بخاری، مُسلم، المشکوٰۃ، باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِهَا، ح ۵۳۷۰):

میں نے اپنے صالح یا حُسنِ فکر و عمل کرنے والے بندوں کے لیے ایسی چیز ایجاد کی ہے، یعنی جنت جسے آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے (اس کی ماہیت و حقیقت ہی) سُنی ہے اور نہ کسی بشر کے قلب میں اس کا خیال ہی آیا ہے۔ اگر تصدیق چاہو تو یہ آیۂ قرآنی دیکھ لو: کوئی مُتنفِّس نہیں جانتا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا کون سا سامان (یعنی جنت) ان کے لیے ایجاد کر کے مخفی رکھا ہے۔

یہ موقع چاہتا ہے کہ یہاں ان اسرائیلیات کی تردید کر دی جائے جو اسلام کے چھپے دشمنوں نے قرآن مجید کو جھٹلانے کی خاطر وضع کیں اور بڑی چابکدستی سے کُتُبِ احادیث میں شامل کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ مثال کے طور پر، ہم دیکھ چکے ہیں کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اور اُس کے رسولِ برحق صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد تو یہ ہے کہ جنتِ سماوی نادیدہ و ناشنیدہ اور بشر بلکہ ہر مُتنفِّس کے لیے مخفی و غیر مرئی ہے، لیکن ان وضعی روایات کی رُو سے انسان، بشر یا آدم کو جنتِ سماوی میں اس طرح بنایا گیا جس طرح بُت گر و مُجسمہ ساز بُت و مُجسمہ بناتے ہیں۔ مگر محسوس انسان نے اسے سچ تسلیم کر لیا اور ربِّ علیم اور نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فرمودات کی تکذیب کر دی، لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اس باطل اسرائیلی قصّے کا اُبطلان کرنے کی خاطر قرآنِ حکیم بار بار اس اصلِ عظیم پر زور دیتا ہے کہ اس نے انسان یا بشر کو اس کرۂ ارضی میں ابتداء میں پانی سے پیدا کیا جس طرح دیگر تمام زندہ اشیاء کو پانی سے پیدا کیا۔

★ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ○ (الانبیآء ۲۱: ۳۰): اور ہم نے

Marfat.com

ہر جاندار شے کو پانی (= معمورۂ آب) سے پیدا کیا- وہ اِس حقیقت کو کیوں تسلیم بالیقین نہیں کرتے ؟

دوسری جگہ اِرشاد ہوا :

★ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (هُود ۱۱ : ۶۱) : وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں زمین سے نشوونما دی اور اس میں تمھیں آباد کیا؛ یعنی تمھیں اس دُنیا میں پیدا کیا (تمھاری جسمانی اور معنوی نشوونما کی) اور پھر اسی میں تمھیں آباد کیا؛ نیز دیکھیے المؤمنون ۲۳ : ۷۹ ؛ النجم ۵۳ : ۳۲ ؛ نُوح ۷۱ : ۱۷)-

---

Marfat.com

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قُرآن

ا ت ی (اتی)

اَتَی (ض) اِتْیَانًا و اَتْیًا و اِیْتَانَۃً و مَاتَاۃً : آنا (مُحکم، تاج، مصباح) ۔ مصدر اِتْیَانٌ (تاج، صحاح، مصباح) ۔ اَلْاِتْیَانُ کے معنی ہیں : آسانی کے ساتھ آنا (تاج) ۔

اَتَاھَا (مصدر) اِتْیَانٌ : لفظی ترجمہ : وہ اس عورت کے پاس آیا، لیکن اس کے معنی ہیں : وہ اس عورت کے ساتھ لیٹا : مترادف جَامَعَھَا (المعرب، مصباح) ، اس سے ہمبستری کی یا جنسی فعل یا بدفعلی کی ۔

تَاْتُوْنَ کو انہی معانی میں قرآن حکیم نے اس آیہ میں استعمال کیا ہے : ★ اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الشعراء ۲۶ : ۱۶۵) : اقوامِ عالم میں تم ہی ایسے ہو جو (مجامعت کی خاطر) مردوں کے پاس آتے ہو (کلیدِ لُغاتِ قُرآن) ۔

اَتَی بِہٖ : وہ اُس شخص یا چیز کے ساتھ آیا ۔ اَتَی بِوَلَدٍ : اُس مرد کے گھر بچہ یا بچے پیدا ہوئے ؛ اور اَتَتْ بِہٖ : اس عورت نے اس لڑکے کو پیدا کیا ۔ ابو اسحٰق کے قول کے مطابق درجِ ذیل آیت کے یہی معنی ہیں :

★ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا ؕ (البقرۃ ۲ : ۱۴۸) : جہاں کہیں بھی تم ہوگے اللہ تم سب کو واپس اپنے پاس لے آئے گا (لین) ۔

★ وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی (التوبۃ ۹ : ۵۴) : وہ صلوٰۃ قائم کرنے کے لیے (مسجد میں) آتے ہیں تو کسلمندی یا بیدلی کے ساتھ ۔

اَتَی الْفَاحِشَۃَ اور بِالْفَاحِشَۃِ کے محاورے کے معنی ہیں : اس نے بے حیائی کا کام کیا، خاص کر جنسی بدفعلی کا اِرتکاب کیا ۔ قرآن مجید میں ہے :

★ اَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ (النسآء ۴ : ۲۵) : جنسی بدچلنی کی مرتکب ہوں ۔

★ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۶۹) : جادوگر (Enchanter) جس طور طریق سے بھی آئے کبھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا ؛ یا جو شعبدہ گری بھی کرے کامیاب نہیں ہوسکتا (جلالین) ۔

اعراب کا محاورہ ہے : اَتَی عَلَیْھِمُ الْعَدُوُّ : اس پر دشمن چڑھ آیا (القاموس) ۔

Marfat.com

قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ (النحل ۱۶ : ۱) : (صوفیا کی زبان میں اللہ کا امر آ چکا ہے) یعنی اللہ نے جب عذاب دینے کا حکم دے ہی دیا ہے تو پھر اس کے جلد آنے کی طلب نہ کرو (کچھ دیر اور اس سے بچے رہو) - اَتٰى عَلَيْهِ الدَّهْرُ : دہر نے اُسے ہلاک و برباد کر دیا (مُحکم، قاموس، المغرب) -

اس آیۂ قرآنی میں ہلاکت و بربادی ہی کا مفہوم پایا جاتا ہے :

★ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا (الحشر ۵۹ : ۲) : اللہ ان پر ایسی جگہ سے تباہی لایا جہاں سے انھیں سان گمان بھی نہ تھا (ابن عیین، تاج) ؛ نیز قرآنِ حکیم ہی میں ہے :

★ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ ...... وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۲۶) : لیکن اللہ نے اُن کی عمارت کو بنیادوں سے اُکھاڑ پھینکا اور اُن پر اُن کے اوپر سے چھت گرا دی؛ اور ان پر ایسے طور سے عذاب (ہلاکت و بربادی) آیا کہ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

اَتٰى عَلَيْهِ کے یہ معانی بھی ہیں : اُس نے اس کا خاتمہ کرا دیا ؛ تُھس نہس کر دیا ، قلع قمع کر دیا ؛ (مال و دولت یا چیزوں) کو صرف کر کے ختم کر دیا یا ہڑپ کر گیا (کُلیاتِ ابوالبقا) -

آتَاهُ : اُس نے اُسے اجر، بدلہ، صلہ دیا یا اس کی تلافی کر کے اُسے خوش کر دیا (مُحکم، قاموس) -

He requited, compensated or recompensed, him.

قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ (الانبیآء ۲۱ : ۴۷) : اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہو گا، ہم اُسے جزا دینے کے لیے باہر نکال لائیں گے -

اس کی تفسیر بزبانِ قرآن (کلیدِ لُغاتِ قرآن) :

★ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ (لقمٰن ۳۱ : ۱۶) : اے میرے پیارے بیٹے ! (بالفرض) اگر کوئی عمل رائی کے دانے جیسا بھی باریک یا معمولی ہو، اور کسی چٹان کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو، اللہ اس کی جزا دینے کے لیے باہر نکال لائے گا -

اٰتِنَا غَدَآءَنَا (الکھف ۱۸ : ۶۲) : یعنی اِیْتِنَا بِهٖ : ہمارے لیے ہمارا ناشتہ لاؤ (صحاح) - اِس کے مصدر اِیْتَآءٌ کی رُو سے اس کا معنیٰ ہوا : اُس نے اُسے کوئی چیز یا جائیداد وغیرہ دی

Marfat.com

(کشاف، تہذیب، تاج، مصباح) - عام بول چال میں ھَاتِ کو آتِ کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی تم اسے دے دو (تہذیب)۔

اَلْاِیْتَاءُ (اِفعال) بمعنی اِعطاء یعنی دینا اور بخشنا کے ہے۔ قرآنِ حکیم میں بالخصوص صدقات کے دینے پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے (المفردات)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ (الانبیاء ۲۱: ۷۳): صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔

★ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرۃ ۲: ۸۳): اور صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اِمام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلْاِیْتَانُ (مصدر ض) کے معنی کسی چیز کے سہولت کے ساتھ آنے کے ہیں۔ اسی سے سیلاب کو اَتِیٌّ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ جدھر رُخ کرتا ہے بہتا چلا جاتا ہے؛ نیز اسی سے تشبیہ کے طور پر مسافر کو بھی اَتَاوِیٌّ کہا جاتا ہے۔ الغرض اِیْتَانٌ کے معنی آنا کے ہیں، خواہ وہ بذاتِ خود آئے یا اس کا حکم پہنچے، یا اس کا انتظام و بندوبست وہاں جاری ہو۔ یہ لفظ خیر و شر اور اعیان و اعراض سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے (المفردات)۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

★ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ (الانعام ۶: ۴۰): اگر تم پر عذاب آجائے یا تم پر ساعتِ صفر (Zero Hour) آجائے یا قیامت ٹوٹ پڑے۔

اَرْضٌ كَثِیْرَةُ الْاِتَاءِ: زرخیز زمین جس میں کثرت سے پیداوار ہو۔

★ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ○ (مریم ۱۹: ۶۱): بلاشبہ اللہ کا وعدہ ایسا ہے جیسے وعدے کی بات پوری ہو گئی۔

اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ

اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ سے متعلق بعض کا قول ہے کہ یہ مترادف المعنی ہیں؛ اور بعض کے نزدیک ان میں فرق یہ ہے کہ اِعْطَاءٌ میں دینے والے کا مرتبہ لینے والے سے بڑا ہوتا ہے؛ لیکن اِیْتَاءٌ میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ لینے والے کا مرتبہ دینے والے سے ذرا بلند ہو (تاج)۔ کلیدِ لُغاتِ قرآن کی رُو سے اِعْطَاءٌ میں عموماً اِنعام و اکرام یا نعمتِ غیر مترقبہ دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے:

★ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ (طٰہٰ ۲۰: ۵۰): (حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا: ہمارا

Marfat.com

ربّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت (نعمتِ غیر مترقّبہ کے طور پر بن مانگے) عطا کی۔

★ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ (الکوثر ۱۰۸ : ۱): (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کو نعمتوں کی کثرتِ کُلی عطا کی ہے۔

★ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (الضّحٰی ۹۳ : ۵): (اے نبیؐ!) یقیناً جلد آپ کا ربّ آپ کو (اس قدر نعمتیں) عطا کرے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔

آخری دو آیات میں عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھُود ۱۱ : ۱۰۸): یعنی "لامتناہی نعمت کی ارزانی" کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

س و ر (سور)

سَارَ، مضارع يَسُوْرُ، مصدر سُؤُوْرٌ یا سَوْرٌ یا دونوں (صحاح، مُحکم، قاموس، اساس)۔ وہ اس کی طرف کودا یا اُچھلا۔ اِلَيْهِ: اس کی طرف یا جانب، اور عَلَيْهِ: اُس پر (اساس)۔ سخت غُصّے یا شراب کی سرمستی میں اپنے ہم مشرب پر ٹوٹ پڑنا (تاج)۔ سَارَ الشَّرَابُ فِي رَاْسِهٖ: شراب اُس کے سر کو چڑھ گئی (مُحکم، قاموس)؛ یا سَارَ الشَّرَابُ، مصدر سَوْرٌ اور سَوْرَةٌ: شراب نے اُسے متوالہ کر دیا (مصباح)۔ سِرْتُ اِلَيْكَ کے معنی ہیں میں تیری طرف چلا، اور سَاوَرَنِيْ فُلَانٌ کے معنی ہیں: ایک دوسرے پر حملہ کرنا (المفردات)۔ سَارَ، مصدر سَوْرٌ یہ معنی بھی دیتا ہے: وہ شخص مرتبے میں بلند ہوا؛ اُسے رفعت ملی (مُحکم)۔

سُرْتُ اِلَيْهِ فِيْ أَعَالِي السُّوْرِ

میں شہر کی دیوار کے سب سے اُوپر کے حصّے پر اُس کی طرف چڑھا (تاج)۔ عربوں کا محاورہ ہے:

سُرْ سُرْ: اُٹھو! اُٹھو! بلند مرتبے کی طرف، یعنی اُسے حاصل کرنے کے لیے (ابن الآعرابی، قاموس، تاج)۔ سُرْتُ الْحَائِطَ: میں دیوار پر چڑھا (تاج)۔

مُسَاوَرَةٌ: دو مخالفین کا ایک دوسرے پر کودنا، یا باہمی لڑائی میں ایک دوسرے پر ہلّہ بولنا یا ایک دوسرے کو زد و کوب کرنا (Assaulting or assailing) - دیکھیے (مقاماتُ الحریری، ص ۳۲۹)۔ اور سَاوَرَهٗ، مصدر مُسَاوَرَةٌ اور سِوَارٌ: وہ اس پر کودا یا چڑھ دوڑا؛ یا اُس نے اس پر دھاوا بول دیا یا اُسے مارا پیٹا؛ مترادف وَاثَبَهٗ (صحاح، قاموس، مُحکم)۔ اعراب کا محاورہ ہے: اَلْحَيَّةُ تُسَاوِرُ الرَّاكِبَ: سانپ سوار پر اُچھلا یا اُسے ڈس لیا (اساس)۔ اَخَذَتْهُ السَّوْرَةُ: اُسے

Marfat.com

سخت نزلہ ہوگیا (تاج)۔

سُوۡرَۃٌ : عُلُوِّ مرتبت، شرافت، درجہ یا مقام (صحاح، مُحکم، اساس، قاموس) : یا اعلیٰ مقام یا عظیم رُتبہ (ابنُ السید)، شرف و بزرگی (Excellence)، دیکھیے (اساس)؛ جمع سُوَرٌ اور سُوۡرٌ (مُحکم)، اور سُوۡرَۃٌ (مُحکم) یا سَوۡرَۃٌ (قاموس) کے معنی ہیں : شان و شوکت، عزت و وقار، عظمت و بزرگی، نجابت و شرافت کا نشان یا علامت؛ اور ان کی رفعت (مُحکم، قاموس)۔ عرب کہتے ہیں : لَہٗ سُوۡرَۃٌ فِی الۡمَجۡدِ : وہ شان و شوکت میں بلند مرتبہ رکھتا ہے (اساس)۔ لَہٗ سُوۡرَۃٌ عَلَیۡکَ : وہ تجھ پر فضیلت اور اعلیٰ مقام و مرتبت رکھتا ہے؛ وہ تمھاری بہ نسبت اعلیٰ مقام و رُتبہ رکھتا ہے (اساس)۔

سُوۡرَۃٌ : جہاں تک قُرآنِ مجید کا تعلق ہے اس کا مطلب اس کا ایک باب (Chapter) ہے، اس لیے کہ ہر سُورت دوسری سُورتوں سے علیحدہ و ممیّز ہے (صحاح، قاموس)۔ سُورتوں کو ایک عظیم عمارت مانا جائے تو ہر سُورت ایک زینہ ہوگی (صحاح، قاموس)۔ اس کا ایک معنیٰ شرف و بزرگی بھی ہے؛ اور علامت و نشان بھی (مُحکم، قاموس)۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : السُّوۡرَۃٌ کے معنی ہیں : بلند مرتبہ۔ اور سُوۡرُ الۡمَدِیۡنَۃِ کے معنی شہر پناہ کے ہیں؛ اور سُوۡرَۃُ الۡقُرۡآنِ (قُرآن کی سُورت) یا تو سُوۡرُ الۡمَدِیۡنَۃِ سے مشتق ہے، کیونکہ سُوۡرَۃٌ بھی شہر پناہ کی طرح قُرآنِ مجید کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، اس لیے اُنھیں سُوۡرَۃُ الۡقُرۡآن کہا جاتا ہے، اور یا سُورۃ بمعنی مرتبہ سے مشتق ہے، اور سُورۃ بھی منازلِ قمر کی طرح ایک منزل ہے، اس لیے اُسے سُورۃ کہا جاتا ہے؛ اور یہ دونوں اِشتقاق اس وقت ہو سکتے ہیں جب اس میں واؤ کو اصلی مانا جائے۔ لیکن اگر اسے اصل میں سُؤۡرَۃٌ مہموز مانا جائے تو یہ اَسۡأَرۡتُ سے مشتق ہوگا، جس کے معنی کچھ باقی چھوڑ دینے کے ہیں، اور سُورۃ بھی چونکہ قُرآن کا ایک ٹکڑا یا حصہ ہوتی ہے، اس لیے اُسے سُورۃ کہا جاتا ہے۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

تَسَوَّرُوۡا : پھاندنا : ★ اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ۝ (صٓ ۳۸ : ۲۱) : جب دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔

بِسُوۡرٍ : دیوار ★ فَضُرِبَ بَیۡنَھُمۡ بِسُوۡرٍ (الحدید ۵۷ : ۱۳) : پھر ان کے مابین ایک

Marfat.com

دیوار کھڑی کردیں گے۔

أَسَاوِرَ : کنگن (Armlets) ★ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ (الکھف ۱۸ : ۳۱) : سونے کے کنگن (نیز دیکھیے الحج ۲۲ : ۲۳ ؛ فاطر ۳۵ : ۳۳ ؛ الدھر ۷۶ : ۲۱)۔

أَسْوِرَةٌ : کنگن ★ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ (الزخرف ۴۳ : ۵۳) : طلائی کنگن۔

سُوْرَةٌ : قُرآنِ مجید کی سُورت۔ یہ واحد ہے اور اس کی جمع سُوَرٌ ہے (ھُود ۱۱ : ۱۳)۔

قُرآنِ مجید ایک سو چودہ سُورتوں کا مجموعہ ہے : پہلی سُورت الفاتحہ اور آخری سُورت النّاس ہے۔ سُورۃ مجموعہ ہے آیات کا (النُّور ۲۴ : ۱) ؛ اور سب سے چھوٹی سُورت جو تین آیات پر مشتمل ہے، الکوثر (۱۰۸) ہے۔

ہر سُورۃ مُعجزہ ہے۔

قُرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی ملفوظی مکتوبی وحی و تنزیل یا کتاب یا کلام ہے؛ اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں ہر زمان و مکان کے اہلِ علم کو چیلنج دیتا ہے کہ وہ اس کی کسی سُورۃ کے مثل کوئی سُورت تصنیف کرکے دکھائیں۔ ہر سورتِ قُرآن چونکہ ربِّ رحمٰن کا زندۂ جاوید مُعجزہ ہے، اس لیے چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک کوئی فرد یا قوم اس جیسی کوئی سُورت تصنیف نہیں کرسکی اور نہ قیامت تک کرہی سکے گی۔ یہ اِنسان کا ظُلم و جہل ہے جو پھر بھی قُرآنِ حکیم کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم نہیں کرتا۔ قُرآنِ مجید کے اس دعوے اور چیلنج کے لیے دیکھیے البقرۃ ۲ : ۲۳ ؛ یُونس ۱۰ : ۳۸ ؛ ھُود ۱۱ : ۱۳۔

د ع و (دعو)

دَعْوَتٌ اور دَعَيْتُ ہم معنی ہیں (اَلفَرَّا، قاموس اور تاج العروس بذیلِ مادّہ دعی)۔

اوّل الذّکر کا مضارع أَدْعُو ہے (تاج بذیلِ مادّہ)۔ اس کی تانیث واحد ہے تَدْعِيْنَ اور تَدْعُوِيْنَ اور تَدْعِيْنَ (یا تَدْعِيْنَ)۔ اس کی جمع تذکیر و تانیث تَدْعُوْنَ ہے (صحاح، تاج)۔

آخری فعل کا مضارع أَدْعِي : مصدر دُعَآءٌ ہے (تاج بذیلِ مادّہ دعی)۔

دُعَآءٌ کا مطلب ہے : طلب و جستجو، کہنے اور مطالبہ کرنے کا عمل (ابن قُتیبہ)۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے :

Marfat.com

دَعَااللّٰہَ (قاموس)، واحد مُتکلّم دَعَوْتُ، مضارع اَدْعُو، (مصباح) مصدر دُعَاءٌ اور دَعْوَی (قاموس)۔ اس میں الف (کو ی لکھا گیا ہے) صیغۂ تانیث دکھانے کی خاطر، بدیں وجہ یہ لفظ تنوین کے بغیر ہے (تاج) اور اس کے معنی ہیں: اُس نے اللّٰہ سے دُعا کی (He prayed) ہاتھ اُٹھا کر اِلتجا کی (Supplicated) یا عجز و انکسار سے درخواست کی، خیر و حسنہ کے لیے (مصباح، تاج)؛ اور دَعَوْتُ اللّٰہَ لَہٗ: میں نے اس کے لیے اللّٰہ سے دُعا مانگی؛ اور عَلَیْہِ: اُس کے خلاف؛ مصدر دُعَآءٌ۔

دَعَوْتُ لَہٗ بِخَیْرٍ: میں نے اُس کی بھلائی کے لیے اِلتجا کی؛ اور دَعَوْتُ عَلَیْہِ بِشَرٍّ: میں نے اُسے بد دُعا دی یا اُس کے لیے بُرائی کی دُعا مانگی (I imprecated upon him evil)۔ دیکھیے تاج۔ دَعَوْتُہٗ اور دَعَوْتُ بِہٖ (مصدر دُعَآءٌ اور دَعْوٌ): میں نے بُلایا، پُکارا یا بلا بھیجا (صحاح المُقَدِّمَۃُ الاَدَب) مترادف نَادَیْتُہٗ (مصباح) یا اَلدُّعَآءُ تو قریب ہے اور اَلنِّدَآء دُور ہے (الکُلّیات: ابو البقاء ص ۱۸۴)۔ محاورہ ہے: دَعَا الْمُؤَذِّنُ النَّاسَ اِلَی الصَّلٰوۃِ: مؤذّن نے لوگوں کو مسجد کی طرف بُلایا (صَلاۃ اسمِ ظرف بھی ہے اور اس کے معنی مسجد کے ہیں)؛ اور التَّہْذِی کے قول: کُنَّا نَدْعُوْا وَنَدَعُ کے معنی ہیں: ہم ایک وقت انھیں اِسلام کی طرف بُلاتے تھے اور دوسرے وقت بُلانا ترک کر دیتے تھے (المُغْرِب)۔ اِمام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلدُّعَآءُ (ن) کے معنی نداء کے ہیں، مگر نداء کا لفظ کبھی صرف یَا، آیَا وغیرہا حروفِ نِداء پر بولا جاتا ہے، اگرچہ ان کے بعد منادیٰ مذکور نہ ہو۔ لیکن دُعاء کا لفظ صرف اس وقت بولا جاتا ہے جب حرفِ نِداء کے ساتھ منادیٰ بھی مذکور ہو، جیسے یَا فُلَانُ۔ کبھی یہ دونوں یعنی دُعاء اور نِداء ایک دوسرے کی جگہ پر بولے جاتے ہیں (المفردات)؛ اور دلیل میں یہ آیۂ قرآنی پیش کرتے ہیں:

★ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۱۷۱):

اور جن لوگوں نے حق کے انکار و جحد کی روش اختیار کر رکھی ہے، اُن کی مثال اس چرداہے کی سی ہے جو کسی چوپائے کو پکارے (اور) وہ آواز اور صدا کے سوا کچھ نہ سُن سکے (یعنی اس کا معنی و مطلب نہ سمجھ سکے)، بہرے۔ گونگے۔ اندھے ہیں، کچھ سمجھ نہیں سکتے۔

نَادَیْتُمْ ★ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ (المآئدۃ ۵: ۵۸): اور جب تم لوگوں کو صلوٰۃ قائم کرنے کے لیے (مسجد کی طرف) بلاتے ہو۔

Marfat.com

اس میں نِدَاءً کے معنی دُعَآءً کے ہیں۔
اعراب اپنی بول چال میں دُعا کو تسمیہ (نام رکھنے) کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں؛ مثلاً دَعَوْتُ ابْنِیْ زَیْدًا: میں نے اپنے بیٹے کا نام زید رکھا (المفردات)۔ دَعَوْتُہٗ کے معنی سوال یا مدد طلب کرنا بھی آتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (البقرۃ ۲: ۶۹): انھوں نے کہا: اب اپنے رب سے ہمارے لیے یہ پُوچھ دو۔

دُعا مانگنے کے دو طریقے:

★ اوّلاً: اُدْعُوْا (دُعا مانگو): اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط (الاعراف ۷: ۵۵): اے بنی نوعِ انسان! عجز و انکسار سے اور چُھپ چُھپا کر پُکارو، یعنی اس سے دُعائیں مانگو!

★ ثانیاً: وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط (الاعراف ۷: ۵۶): اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے رب کو (دل میں سیئۃ و شر اور آتشِ خوف و حُزن کا) ڈر لیے اور (حسنہ و خیر اور قُرب و رِضوانِ الٰہی اور جنّت کی) آرزو لیے پکارو۔

★ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۲۳): اور اللہ کے سوا اپنے اہلِ علم کو بھی (سورۃِ قرآنی تصنیف کرنے کی) دعوت دو، اگر تم سچے ہو۔
یہاں اپنی مدد کے لیے یا کوئی بڑا کام سرانجام دینے کے لیے بُلانا مراد ہے۔

الدَّاعِ (پُکارنے یا دُعا مانگنے والا) ★ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۱۸۶):
اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں (کہ میں کہاں ہوں؟) تو انھیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیں کہ) میں تو اُن کے پاس ہی ہوتا ہوں (رگِ جاں سے بھی نزدیک تر، دیکھیے قٓ ۵۰: ۱۶)۔ جب کوئی بندہ (مدد و نصرت کے لیے) مجھے پُکارتا ہے تو میں فریادی یا پکارنے والے کی فریاد کا جواب دیتا ہوں (یا بمقتضائے حکمت اُسے قبول کرتا ہوں)، لہٰذا اُن پر بھی لازم ہے کہ وہ میری بات یا حکم مانیں اور مجھے تسلیم بالیقین کریں تاکہ وہ دُنیوی و اُخروی حسنہ اور مجھ تک پہنچنے والی حسین و فطری راہِ راست پائیں۔
جو لوگ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں، وہ ظالم و جاہل اور مُشرک و بے وقوف ہوتے ہیں۔

Marfat.com

دلائل بزبانِ قرآنِ حکیم :

★ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ (فاطر ۳۵ : ۱۳-۱۴) :

(مشرکو!) جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا (نصرت و امداد اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے) پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے ایسی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں (ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص حقیر سے حقیر چیز کا بھی مالک نہیں؛ دوسرے) اگر تم انھیں پکارو بھی تو وہ تمھاری اِستدعا کو سُن نہ پائیں۔ (اگر زندہ ہوں اور) سُن بھی لیں تو وہ اُسے قبول نہ کر سکیں (یعنی معروضِ دُعا دے نہ سکیں)۔ اور (اِس حقیقت کو تسلیم بالیقین کر لو کہ) قیامت کے روز وہ تمھارے شرک کے منکر ہوں گے (یعنی تمھارے اس مُشرکانہ فعل سے اپنے اشتراک کا صاف انکار کر دیں گے۔ انگریزی میں (They would disown association with you.)۔ (مان لو کہ) ربِّ خبیر کی طرح کوئی بھی تمھیں اصل حقیقت سے آگاہ نہیں کر سکتا (لہٰذا کلام اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کی باتیں ماننے سے شرک لازم آتا ہے، جسے یہ تلمیذ القرآن اکابر پرستی سے تعبیر کرتا ہے)۔

دوسری بُرہانِ قاطع :

★ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ.... وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (الرّعد ۱۳ : ۱۴) :

صرف اللہ کو پکارنا ہی سچ اور روا ہے (جبکہ غیر اللہ کو پکارنا باطل، جھوٹ اور فضول ہے) اور جن کو یہ (مُشرک) لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی پُکار ان کے لیے کسی طرح بھی قبول نہیں کرتے مگر اُس شخص کی طرح جو (پیاس بُجھانے کی خاطر) اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے کہ وہ خود اس کے مُنہ میں آ جائے، حالانکہ وہ کبھی اس کے مُنہ میں نہیں آ سکتا (کہ یہ قانونِ قُدرت کے خلاف ہے)۔ احکامِ الٰہیہ کے مُنکروں کی دُعا کا صدا بصحرا ہونا ناگزیر ہے۔

★ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (یُونس ۱۰ : ۱۰۶) :

اور اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارنا جو تمھیں نہ فائدہ پہنچا سکے اور نہ نقصان ہی۔ اگر ایسا کرو گے تو ظالموں یا مُشرکوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قرآنِ حکیم نے ہمیں اپنے اعجازِ بلاغت سے اس بصیرت افروز عالمگیر حقیقت (Universul truth)

Marfat.com

سے آگاہ کیا ہے کہ وعظ و تبلیغ، کلام و بیان یا سخن و خطابت کے لحاظ سے بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو اُن کے الٰہ و رب کی طرف بُلائے :

★ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (فُصِّلَت ۴۱ : ۳۳) : اور قول و سخن، کلام و بیان یا وعظ و تبلیغ کے لحاظ سے اس (اہلِ آرزو) سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو اس کی طرف بُلائے (یعنی دعوتِ توحید دے) اور حسین و موزوں عمل کرے، اور کہے کہ میں مُسلمان ہوں (لیکن مذہبی یا فرقہ وارانہ ناموں سے اپنے آپ کو موسوم کرے نہ کہلائے)۔

یہ آیۂ توحید انگیز اعجازاتِ قُرآن میں سے ہے، اور یہ مُسلمانوں میں فرقوں کا استیصال کرنے اور ان میں اتحاد و ہم آہنگی پیدا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

الدُّعَاءُ (اِلَى الشَّیْءِ) کے معنی کسی چیز یا فعل کا قصد کرنے پر رغبت دلانے اور اُکسانے کے ہیں (المفردات)۔ قُرآنِ حکیم میں ہے :

★ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ (یُوسف ۱۲ : ۳۳) : (حضرت یُوسفؑ نے (دُعائیہ انداز میں) کہا : اے میرے پروردگار و آقا! جس فعلِ (سُوء) کی (زنانِ مصر) رغبت دے رہی ہیں، اُسے کرنے کی بہ نسبت مجھے قید منظور ہے۔

★ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ؕ○ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ○ (المؤمن ۴۰ : ۴۱-۴۲) : اور اے میری قوم کے لوگو! میرا یہی قصور ہے نا کہ میں تمھیں (عذابُ النّار سے) نجات حاصل کرنے کی دعوت و رغبت دیتا ہوں اور تُم مجھے جہنّم کی طرف بُلاتے ہو! (اور) تُم مُجھے اس بات کی دعوت و ترغیب دیتے ہو کہ میں اللہ کی ذات و صفات کا مُنکر ہو جاؤں اور اس کی ذات و صفات میں ان کو شریک مانوں جن کا مجھے قطعاً علم نہیں؛ نیز میں تمھیں سب پر غالب۔ مغفرت کرنے والے کی طرف دعوت و ترغیب دیتا ہوں۔

اِس آیۂ بصیرت افروز کی ایک نہایت فکر انگیز و احسن تفسیر بزبانِ قُرآنِ حکیم -

★ وَاللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ (یُونس ۱۰ : ۲۵) :

اور اللہ (تمھیں) عالمِ سلامتی میں آنے کی دعوت دیتا ہے (دُنیا میں اسلام کے مثالی معاشرۂ امن و سلامتی میں اور آخرت میں جنّتِ قُرّۃُ العین میں)۔

Marfat.com

نُکتہ : جو اہلِ ایمان و آرزو اللہ تعالیٰ کی یہ دعوت قبول کرتے ہیں، وہ اپنی باطنی وخارجی دنیائے امن و سلامتی میں رہتے ہیں؛ اور آخرت میں وہ انھیں فرداً فرداً اپنی جنّتِ امن و سلامتی میں داخل ہونے کی دعوت بالاذن دے گا (الفجر ۸۹ : ۲۷-۳۰) - جنّت میں وُہ جو مانگیں گے موجود پائیں گے۔

★ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ (فُصِّلت ۴۱ : ۳۱) : اور اس میں جو چیز طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی۔

وہاں اُن کی دُعا کی نوعیّت کیا ہوگی ؟ قُرآنِ حکیم کے اِعجازِ بیاں میں

★ دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (يُونس ۱۰ : ۱۰) :

جنّت میں اُن کا (اوّلیں) کلمہ (کلمۂ تحسین و ستائش ہوگا) : اے اللہ ! کیا بات ہے تیری ! تُو پاک ومنزّہ ہے۔ اور اس میں ان کی ایک دوسرے کے لیے دُعا ہوگی تو یہ کہ تُم پر سلامتی ہو! اور اُن کا آخری کلمۂ توصیفی یہ ہوگا : تعریف وستائش اور تشکّر وسپاس ہے تو بس اللہ ربّ العٰلمین کے لیے۔

دون

دَانَ ، مضارع يَدُوْنَ ، مصدر دُوْنٌ اور اُدِيْنَ ، (ضمّ کے ساتھ) ، مصدر إِدَانَةٌ : وہ ادنیٰ ، ذلیل ، کمینہ وغیرہ ، یا کمزور تھا یا بن گیا (صحاح ، قاموس) - راغبؒ نے ابن قُتیبہ کی سند پر یہ معنی لکھے ہیں (تاج) -

دَوَّنَ الدِّيْوَانَ (مصدر تَدْوِيْنٌ ، تاج) : اُس نے دیوان لکھا یا مرتّب کیا ؛ یا دفتر یا رجسٹر تیار کیا (صحاح ، قاموس ، مصباح ، تاج) - دَوِّنِ الْكُتُبُ : اُس نے تحریروں کو جمع کیا یا ان کی تدوین کی (المغرب) -

اَدْيَنَ (مصدر إِدَانَةٌ) = مَا اَدْوَنَهُ : وہ کتنا کمینہ ، رذیل ، نابکار وغیرہ وغیرہ ہے - بعض کا کہنا ہے کہ یہ محاورہ اِستعمال نہیں ہوتا ، کیونکہ دُوْنٌ کا کوئی فعل نہیں (اساس ، تاج ، تہذیب) -

تَدَوَّنَ : وہ مکمل اِمارت ، دولتمندی ، مُرفّہ الحالی اور آسودگی کی حالت میں تھا یا ہوگیا (ابن الآرابی ، تہذیب) ؛ نیز دیکھیے تَدَوَّنَ : شاید اعراب کی اول چال میں دونوں درست ہیں۔

دُوْنٌ : ادنیٰ ، سِفلہ ، کمینہ ، حقیر ، ناقابلِ التفات یا قابلِ مذمت وحقارت (الفرّا ، تاج ، صحاح

Marfat.com

مُحکم، قاموس) ، اور کمتر یعنی ارذل، ادنیٰ، اسفل وغیرہ عزت وفضیلت کے لحاظ سے (کتابِ لیث، تہذیب الازہری) : اور کسی چیز سے کمتر ہونا (حماسہ، ص ۶۸۶) ۔ الاعراب عموماً یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں : رَجُلٌ مِنْ دُوْنٍ اور شَیْءٌ مِنْ دُوْنٍ : آدمی جو گھٹیا، ادنیٰ وغیرہ قسم کا ہو، اور چیز جو ادنیٰ اور گھٹیا قسم کی ہو (مُحکم، مصباح) ۔ بعض اوقات وہ "مِنْ" کے بغیر رَجُلٌ دُوْنٌ اور شَیْءٌ دُوْنٌ کہتے ہیں (مُحکم، مصباح) ۔ بطور حاصل مصدر دُوْنٌ کا معنیٰ ہے تَحْتَ، ضِدِ فَوْق (صحاح، قاموس) ۔ محاورہ ہے :

زَیْدٌ دُوْنَكَ کے معنی ہیں : زید تجھ سے ادنیٰ ہے، مرتبے، منصب یا عزت کے لحاظ سے ۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی مرتبے، عہدے اور منصب میں بلند ہے یا شریف ہے تو دوسرا جواب دیتا ہے دُوْنَ ذٰلِكَ ، بمعنی اس سے بڑھ کر ہے (تاج) ۔ تَحْتٌ کے مترادف کے طور پر یہ استعمال ہوتا ہے، مثلاً دُوْنَ قَدَمِكَ خَدُّ عَدُوِّكَ : (اللہ کرے) تیرے دشمن کی گال تیرے پاؤں کے نیچے ہو (تہذیب) ، اور جَلَسَ دُوْنَهٗ : وہ اس کے نیچے بیٹھ گیا (تاج) ۔ نیز جگہ کے سامنے یا بالمقابل : اور ضد ہے پیچھے یا پرے یا وراء کی (تہذیب، مُحکم) ۔ اعراب جَلَسَ دُوْنَهٗ کے محاورے سے یہ معانی بھی لیتے ہیں : وہ اس کے سامنے یا بالمقابل بیٹھ گیا (حماسہ، ص ۸۶) ۔ پرے یا وراء کے معنی ہیں : هٰذَا اَمِیْرٌ عَلٰی مَا دُوْنَ جَیْحُوْنَ : یہ تو (دریائے) جیحوں کے ماوراء (سرزمین) کا سلطان ہے (تاج) ۔ کُتبِ لُغات سے متحقق ہے کہ یہ لفظ ذُو اضداد ہے ۔ چنانچہ یہ قبل و بعد، فوق و تحت، مع وعلاوہ، نزد و دُور، ادنیٰ و اعلیٰ، شریف و رذیل اور صالح و مفسد کے معانی میں استعمال ہوتا ہے ۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : الدُّوْن : جو کسی چیز سے کوتاہ اور قاصر ہو وہ "دُوْن" کہلاتا ہے (المفردات) ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دَنُوٌّ کا مقلوب ہے، اور اَلْاَدْوَنُ بمعنی دَنِیْءٌ آتا ہے ۔ چنانچہ آیۂ جلیلہ

★ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آلِ عمران ۳ : ۱۱۸) : (مؤمنو اپنے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ؛ نیز دیکھیے ۳ : ۲۸) ،

کے معنی یہ ہیں کہ اُن لوگوں کو ہمراز نہ بناؤ جو دیانت وشرافت میں تمھارے ہم مرتبہ نہیں ہیں ۔

چنانچہ آیۂ جمیلہ

★ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (النسآء ۴ : ۴۸، ۱۱۶) : (اور اس (شرک) کے سوا اور گناہ معاف کر دے) میں مَا دُوْنَ سے وہ گناہ مراد ہیں جو شرک سے کم درجہ کے ہوں یا شرک کے علاوہ ہیں اور یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں ۔

Marfat.com

★ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المآئدۃ ۵ : ۱۱۶): اور جب اللہ فرمائے گا : اے عیسٰی ابن مریم (O Jesus, son of Mary!) کیا تم نے لوگوں کو کہا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود و مُطاع بناؤ ؟

★ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ (الانعام ۶ : ۵۱): اُس رب کے سوا اُن کا نہ تو کوئی دوست و سرپرست ہوگا نہ سفارشی۔

ف ع ل (فعل)

فَعَلَہٗ، مضارع، مصدر فَعْلٌ اور فَعَالٌ اور فِعْلٌ اس سے اِسم ہے (صحاح، قاموس، العُباب) : اس کے معنی ہیں : اُس نے یہ یا وہ کیا۔ فَعَلَ بِهٖ : اُس نے اس کے ساتھ کچھ کیا۔ فَعَلَ بِالْمَرْاَةِ : اُس نے عورت کے ساتھ زیادتی کی۔

اِنْفَعَلَ مطوع ہے فَعَلَہٗ کا۔ محاورہ ہے : فَعَلْتُهٗ فَانْفَعَلَ : میں نے اُسے کیا اور وہ ہوگیا (صحاح، مصباح)۔ اَلْاِنْفِعَالُ کا مطلب ہے : متأثر ہونا : چاہے فاعل کا مقصد متأثر کرنا ہو یا نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ ہر فعل کا اِنْفِعَال ہوتا ہے، بجز اللہ تعالیٰ کے تخلیقی عمل کے، کیونکہ یہ کسی شے کو نیستی سے ہستی میں لانا ہوتا ہے (تاج)۔

اِفْتَعَلَ عَلَيْهِ كَذِبًا اور زُوْرًا : اُس نے اِس کے خلاف جھوٹ باندھا : تہمت لگائی (مُغرب، العُباب، مصباح)۔ اس سے ہے : اَلْخُطُوْطُ تُفْتَعَلُ : جعلی دستخط کیے یا جعلی ثابت کیا (مُغرب)۔

فَعْلٌ : ناقہ اور ہر مادہ کی فرج (Vulva)۔ دیکھیے (قاموس)۔

اَلْفِعْلُ کے معنی کسی مؤثر کی طرف سے اثراندازی کے ہیں، عام اس سے کہ وہ عمدگی سے کی جائے یا بغیر عمدگی کے، عمدًا ہو یا بلا قصد، علم سے ہو یا بغیر علم کے : نیز اثر اندازی اِنسان کی طرف سے ہو یا دوسرے حیوانات، نباتات یا جمادات کی طرف سے ہو۔ یہی معنی لفظِ عمل کے ہیں، مگر لفظِ صُنْعٌ ان دونوں سے اخص ہے (المفردات)۔ بعض نے کہا ہے کہ عَمَلٌ اس کام کو کہتے ہیں جو فکر و تدبُّر اور علم و اِرادہ کے ساتھ سرزد ہو، لیکن فِعْلٌ میں یہ شرط نہیں۔ علاوہ بریں، عَمَلٌ ایسے کام کو کہتے ہیں جو طویل مُدت تک ہونا رہے۔ بخلاف اس کے، فعل کسی کام کو ایک بار ہی کرنے پر بھی بولا جاتا ہے (محیط، کلیات، بذیلِ مادہ ع م ل)۔ اس توضیح پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید فِعْلٌ اِستعمال کرتا ہے،

Marfat.com

عَمَلٌ نہیں ؛ اور اس کا ہر فعل لازمًا علم وحکمت اور ارادے سے صادر ہوتا ہے ، نیز بیشتر اُمور میں دوام و استمرار بھی پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فِعْلٌ کی مذکورہ خصوصیات اِنسانوں سے متعلق درست ہوسکتی ہیں ، لیکن اللہ تعالیٰ سے متعلق نہیں۔

اِس باب میں یہ بات خصوصی تفکّر بالحق کی مقتضی ہے کہ قرآنِ حکیم میں اٰمَنُوْا یا اِیمان لانے کے ساتھ ہمیشہ عَمِلُوا (الصّٰلِحٰتِ) یا عَمَلٌ کا لفظ اِستعمال کیا ہے ، فَعَلُوْا یا فِعَلٌ کا لفظ اِستعمال نہیں ہوا۔ اس سے یہ مُستنبط ہوتا ہے کہ عمل میں علم ، شعور ، اِرادہ اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے ، جبکہ فعل میں عمومًا ایسا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ، حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے قبطی کو مُکّہ مار کر مار دیا تھا ؛ چونکہ انھوں نے یہ کام اِضطراری ، غیر شعوری اور غیر اِرادی طور پر کیا تھا ، لہٰذا قُرآنِ حکیم نے اس کے لیے عمل کا نہیں فعل کا لفظ اِستعمال کیا ہے :

★ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ○ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ○ (الشعرآء ۲۶ : ۱۹-۲۰) : اور (فرعون نے حضرت مُوسیٰؑ سے کہا) : تُم سے وہ حرکت سرزد ہوئی جو تُم نے کی ؛ تُم ناشُکر گزار ہو۔ حضرت مُوسیٰؑ نے جواب دیا : وہ حرکت مجھ سے اس وقت بے اِختیار سرزد ہوئی تھی جب میں بہک گیا تھا۔

ان توضیحات سے یہ بھی مترشّح ہوتا ہے کہ فعل عمومًا بُرے مفہوم میں اور عمل اچھے مفہوم میں اِستعمال ہوتا ہے۔ اس موقف کی تائید میں چند آیات پیش کی جاتی ہیں :

★ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج (الاعراف ۷ : ۱۵۵) : کیا تُو ہمیں اِس (گناہِ کبیرہ) کی سزا میں جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کیا ہے ، ہلاک کردے گا ؟

★ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۷۳) : کیا تُو ہمیں اُس (شرک) کے بدلے ہلاک کردے گا جو باطل کار (مُشرک) کرتے رہے۔

★ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ○ (الفیل ۱۰۵ : ۱) : کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ؟

★ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (آلِ عمران ۳ : ۱۳۵) : اور وہ لوگ جب بھی بُخل و بے حیائی کرتے ہیں۔

Marfat.com

ح ج ر (حجر)

حَجَرَ ، مضارع ، مصدر حَجْرٌ اور حُجْرٌ اور حِجْرٌ اور حُجْرَانٌ اور حِجْرَانٌ : اُس نے روکا ، تعرض کیا ، مزاحمت کی ، باز رکھا ، اِنسداد کیا ؛ وہ مزاحم ، حارج یا سدِّ راہ ہوا ، حکمِ امتناعی دیا (ابن سیدہ ، مؤلف محکم ، تاج ، قاموس ، المغرب) ۔ انگریزی میں اس کے معنی ہوں گے : He prevented, hindered, withheld, restrained, debarred, inhibited, forbade, prohibited, or interdicted. عَلَیْهِ ۔ اُس سے محاورہ ہے : لَا حَجْرَ عَنْهُ کے معنی ہیں : اُس سے کوئی مزاحمت یا رکاوٹ نہیں ہے (تاج) ۔

حَجَّرَهُ : حَجَّرَ حَوْلَ اَرْضِهٖ : اُس نے اپنی اراضی کے اِردگرد احاطہ کر لیا ، حدبندی کر لی (اساس) ۔

حَجَّرَ الْقَمَرُ : چاند کے گرد ہالہ چھا گیا (صحاح ، قاموس) ۔

اِحْتَجَرَ (تاج) یا اِحْتَجَرَ حُجْرَةً (صحاح ، مصباح) ، اور تَحَجَّرَ اور اِسْتَحْجَرَ (قاموس) : اُس نے اپنے لیے حُجرہ بنایا ۔

حِجْرٌ اور حُجْرٌ اور حَجْرٌ ان میں سے پہلا افصح ہے (صحاح) ؛ اور (مَحْجُوْرًا) : ممنوع ، حرام ، ممتنع ، غیر شرعی یا غیر قانونی ، محرم (اساس ، المغرب ، مصباح ، قاموس) ۔ اعراب بولتے ہیں : هٰذَا حِجْرٌ عَلَیْكَ : یہ تیرے لیے ممنوع ، حرام یا غیر مشروع ہے ۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنے دشمن سے ماہِ حرام میں ملتا تو ڈر کے مارے اُس سے کہتا : حِجْرًا مَّحْجُوْرًا : تجھ پر حرام ہے کہ تو اس مہینے میں مجھے کوئی گزند پہنچائے ۔ اس پر دوسرا شخص اس پر حملہ کرنے سے باز رہتا ۔ عربوں کا محاورہ ہے : حُجْرًا لَهٗ : یہ مصیبت یا بلاٹل جائے ۔

الحِجْرُ کعبے کے ملحقہ غیر مُسقّف احاطے کو (جس کے گرد دیوار بنی ہوئی ہے) جو شمال بلکہ شمال ۔ مغرب میں ہے ، حَطِیم کہتے ہیں (صحاح ، اساس ، قاموس) ۔ عرب مرد و زن کی اگلی شرمگاہ (Anterior pudendum) کو حِجْرٌ اور حَجْرٌ کہتے ہیں ۔ مؤخر الذکر زیادہ فصیح ہے (تاج) ۔

حُجْرَةٌ : اُونٹوں کے لیے احاطہ (حَظِیْرَةٌ) ؛ نیز حُجْرَة کے معنی ہیں مکان : مترادف بَیْتٌ (مصباح) یا بالائی منزل ؛ مترادف غُرْفَةٌ (قاموس) ؛ جمع حُجَرٌ اور حُجُرَاتٌ ، اور حُجَرَاتٌ اور حُجْرَاتٌ (زمخشری ، مصباح ، قاموس) ۔

Marfat.com

حَاجُوْرٌ اور حَاجِرٌ : پناہ گاہ، حفاظت یا دفاع کا ذریعہ (تاج) ۔
مَحْجِرٌ اور مِحْجَرٌ (مترادف حَدِیْقَةٌ) : باغ جس کے گرد چار دیواری بنی ہو، یا شجردار باغ (صحاح، قاموس)؛ یا چراگاہ یا مرغزار کا نشیبی حصّہ؛ یا ایسی جگہ جس میں سبزہ و آب کی فراوانی ہو۔ جمع مَحَاجِرُ (اساس، تاج) ۔
اَلْحَجَرُ : سخت پتھر یا سنگِ خارہ ۔ جمع اَحْجَارٌ و حِجَارَةٌ (المفردات) ۔
اَلْحَجْرُ وَ التَّحْجِیْرُ کے معنی ہیں کسی جگہ پر پتھروں سے احاطہ کرنا ۔ حَجَرْتُهٗ حَجْرًا فَهُوَ مَحْجُوْرٌ وَ حَجَّرْتُهٗ تَحْجِیْرًا فَهُوَ مُحَجَّرٌ ۔ اور جس جگہ کے اِردگرد پتھروں سے احاطہ کیا گیا ہو، اُسے حِجْرٌ کہا جاتا ہے ۔ اس لیے حطیمِ کعبہ اور ثمود کی بستیوں کو حِجْرٌ کہا گیا ہے (المفردات) ۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ○ (الحجر ۱۵ : ۸۰) ۔ (وادی) اَلْحِجر کے مکینوں نے بھی ہمارے رسولوںؑ کی تکذیب کی تھی ۔
اَلْحِجْرُ : عقل کیونکہ وہ اِنسان کو بُرے کاموں سے روکتی ہے :
★ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ○ (الفجر ۸۹ : ۵) : اس میں یقیناً اہلِ عقل کے لیے قسم (Oath) ہے (کہ وہ ان چیزوں میں غور و فکر کریں) ۔
مبرّد نے کہا ہے کہ گھوڑی کو بھی حِجْرٌ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ پیٹ میں حمل روکے رکھتی ہے؛ نیز حرام چیز کو کھانا ممنوع ہوتا ہے، اس لیے اُسے بھی حِجْرٌ کہتے ہیں (المفردات) ۔ قرآن مجید میں ہے :
★ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (الانعام ۶ : ۱۳۸) : اور کہتے ہیں کہ یہ چار پائے اور کھیتی ممنوع ہیں (دوسروں کے کھانے کے لیے) ۔
★ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۲۲) : اور کہیں گے : ہم تمھاری پناہ چاہتے ہیں، کیونکہ ہمیں عذاب دینا تمھارے لیے ممنوع ہے (اعراب کا مشہور محاورہ تھا، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں) ۔
★ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۵۳) : اور دونوں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا ہے اور رکاوٹ، جو ان کو ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے سے روکتے ہیں (کلیدِ لغاتِ قرآن) ۔
نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور جیم اکٹھے آئیں ان کے معانی میں روکنے

Marfat.com

اور منع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے (محیط، تاج) - حَجَرٌ، سونے اور چاندی کو بھی کہتے ہیں، اور ایسے شخص کو بھی جو بہت ہوشیار اور چالاک ہو (موضوعِ مذکور)۔

حَنْجَرَۃٌ، حلق کو کہتے ہیں، جمع حَنَاجِرُ ہے: قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب ۳۳: ۱۰؛ نیز دیکھیے المؤمن ۴۰: ۱۸): اور دل دہشت سے اچھل کر گلوں تک پہنچ گئے (یعنی تمہارے کلیجے مُنہ کو آنے لگے)۔

فُلَانٌ فِیْ حِجْرِ فُلَانٍ: وہ فلاں کے زیرِ پرورش ہے۔ اس کی جمع حُجُوْر آتی ہے:

★ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ (النسآء ۴: ۲۳): وہ لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو۔

مَحْجِرُ الْعَیْنِ: خانۂ چشم۔ تَحَجَّرَ کَذَا: کسی چیز کا پتھر کی طرح سخت ہو جانا (المفردات)۔ گود کو حِجْرٌ کہتے ہیں (لین)۔

ع د د (عدد)

عَدَّہٗ (مضارع، مصدر عَدٌّ اور عِدَّۃٌ اور تَعْدَادٌ): اُس نے اسے شمار کیا، گنا، اس کی گنتی کی، اس کا حساب لگایا (صحاح، اساس، العُباب، مصباح وغیرہم)۔ انگریزی میں

(He numbered, counted, reckoned or computed it).

اِعْتَدَّہٗ بھی بعض اوقات یہی معنی دیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ فَمَا لَکُمْ عَلَیْہِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَہَا (الاحزاب ۳۳: ۴۹): تب تم اس کے مجاز نہیں کہ ان سے عِدّت پوری کراؤ۔

اَلْعَدَدُ (گنتی) آحادِ مرکبہ کو کہتے ہیں، اور بعض نے اس کے معنی "ترکیبِ احاد" یعنی حاد کو ترکیب دینا بھی کیے ہیں، مگر ان دونوں معانی کا مرجع ایک ہی ہے (المفردات)۔

اللِّحْیانی نے لکھا ہے کہ اُس نے عربوں کو کہتے سُنا ہے: عَدَدْتُ الدَّرَاھِمَ اَفْرَادًا وِحَادًا: میں نے درہموں کو ایک ایک کر کے گنا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ (یُونس ۱۰: ۵): اور (چاند کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم اس سے برسوں کی گنتی اور (تاریخوں کے) حساب کا علم حاصل کرو (تاکہ قمری و شمسی کیلنڈر تیار کر سکو)۔

Marfat.com

اَلْعَدُّ کے معنی گنتی اور شمار کرنے کے ہیں (المفردات) ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ۝ (مریم ۱۹ : ۹۴) : اُس نے ان کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور ان کو ٹھیک ٹھیک شمار کر رکھا ہے ۔

اَلْاِعْدَادُ : تیار کرنا، مُہیّا کرنا ۔ یہ عَدٌّ سے ہے جیسے سَقْیٌ سے اِسْقَاءٌ، اور اَعْدَدْتُ هٰذَالَكَ کے معنی ہیں کہ یہ چیز میں نے تمہارے لیے تیار کر دی ہے کہ تُم اسے شمار کر سکتے ہو اور جس قدر چاہو حسبِ ضرورت اس سے لے سکتے ہو (المفردات) ۔

اَعْدَدْتُهٗ (مصدر اِعْدَادٌ جس کے اِعْتِدَادٌ اور اِسْتِعْدَادٌ اور تَعْدَادٌ مترادفات ہیں) : میں نے اس چیز کو تیار اور مہیّا کر دیا (مصباح، تاج) ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال ۸ : ۶۰) : اور جہاں تک تمہارا بس چلے تُم دشمنوں کے مقابلے کے لیے قوّت یعنی دُور مار ہتھیار (حدیثِ طیّبہ) فراہم و تیار کر رکھو!

★ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۴) : جو مُنکرانِ حق کے لیے تیار کر رکھی ہے ۔

★ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ (التوبۃ ۹ : ۱۰۰) : (اللہ نے) ان کے لیے بہشت تیار کر رکھے ہیں ۔

★ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (النّسآء ۴ : ۱۸) : ان لوگوں کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

★ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً (یُوسُف ۱۲ : ۳۱) : اور ان عورتوں کے لیے مسندیں آراستہ کیں ۔

راغب اِصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک اَعْتَدَتْ بھی عَدٌّ سے ہے ۔

★ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (البقرۃ ۲ : ۱۸۵) : تُم روزوں کی گنتی پوری کر لو ۔ اس کے معنی ہیں کہ تُم ماہِ رمضان کی گنتی پوری کرو ۔

★ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرۃ ۲ : ۱۸۴) : گنتی کے چند روز (ماہِ رمضان کے) ۔

اَلْعِدَادُ : اُس مقررہ وقت کو کہتے ہیں جس میں بیماری کا دورہ پڑتا ہو ۔ روایت میں ہے کہ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا : مَازَالَتْ اُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَادُّنِيْ (صحاح، قاموس، مفردات) : خیبر کے دن جو زہریلا کھانا کھایا تھا اس کا درد بار بار عود کرتا رہتا ہے ۔ عِدَّانُ الشَّيْءِ کے معنی ہیں : کسی چیز (پھل وغیرہ) کا موسم یا زمانہ (المفردات) ۔

عِدَّةٌ : اس گنتی کے چند دنوں کو کہتے ہیں جن میں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی (محیط، تاج) ۔

جَيْشٌ اَعَدٌّ : اس فوج کو کہتے ہیں جو ساز و سامان اور تیاری کی مکمّل حالت میں ہو (تاج)، ایک

Marfat.com

روایت کی سند پر)؛ اور جَیْشٌ عَدِیْدٌ : لشکرِ جرّار (المفردات)۔

اِعْتَدَّتْ : اس عورت نے اپنی عِدّت کی مدّت پوری کی (صحاح)۔

عِدٌّ : کسی چیز کی کثرت، بُہتات یا فراوانی (صحاح، العُباب، قاموس)۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے: اِنَّھُمْ لَذُوْ عِدٍّ وَقِبْضٍ : یقیناً وہ تعداد میں بہت ہیں (صحاح، قاموس)۔

عُدَّۃٌ : آلات، سازو سامان، منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد، ہتھیار یا دوسری چیزیں جو اِبتلاء و مصیبت کے دنوں کے لیے فراہم کر کے رکھی جائیں (لسان، صحاح، مصباح)۔

عِدَّۃٌ (عَدَّ کا مصدر) : (چیزوں کی) مجموعی تعداد (تاج)۔ محاورہ ہے : رَاَیْتُ عِدَّۃَ رِجَالٍ: میں نے متعدد لوگوں کو اکٹھے دیکھا۔ عِدَّۃُ الْمَرْاَۃِ : ایامِ حیض (صحاح، قاموس، مصباح)۔

عَدِیْدَۃٌ : حصّہ یا جُزو : جمع عَدَائِدُ (ابن الاعرابی، العُباب)؛ مترادف عِدَادٌ : عَدَائِدُ کے معنی یہ بھی آتے ہیں : جائیداد جو حصّوں میں منقسم کر دی گئی ہو (تاج)۔

مَعْدُوْدٌ (کے معنی ہیں : گنتی کے یا شمار کیے ہوئے) کا اطلاق قلیل یا کثیر تعداد پر ہوتا ہے؛ لیکن مَعْدُوْدَاتٌ خاص طور پر قلّت پر دلالت کرتا ہے؛ اگرچہ بُہتات کے مفہوم میں اسے اِستعمال کر سکتے ہیں (الزّجاج، تاج)۔ اَلْاَیَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ دلالت کرتا ہے اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ: قُربانی کے دن کے بعد کے تین دن (تاج)؛ ان کو ایسا کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ قلیل یا تھوڑے ہوتے ہیں۔ اِسی طرح دَرَاھِمُ مَعْدُوْدَۃٌ کا مطلب ہے چند درہم۔

ب ش ر (بشر)

بَشَرَ (مضارع، مصدر بَشْرٌ) اور اَبْتَشَرَ، مصدر اِبْتِشَارٌ: اُس نے چرم یا کھال سے بالوں والی جِلد کو جُدا کر کے اُسے صاف و ہموار بنا دیا (صحاح، مصباح، اساس، قاموس، تاج)۔ اِبن بُزُرج کے مطابق عربوں کا محاورہ ہے : بَشَرْتُ الْاَدِیْمَ : میں نے چرم سے اس کی جِلد (بَشَرَۃ) کو جُدا کر دیا (لین)۔ اَلْبَشَرَۃُ کے معنی اِنسان کی جلد کی اُوپر کی سطح اور اَدَمَۃٌ کے معنی باطنی سطح کے ہیں۔ عام اُدباء کا یہی قول ہے، مگر ابو زید نے اس کے برعکس کہا ہے۔ چنانچہ ابو العبّاس وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔ بَشَرَۃٌ کی جمع بَشَرٌ و اَبْشَارٌ آتی ہے اور اِسی سے اِنسان کو بشر کہا جاتا ہے کہ اس کی جِلد بالوں سے صاف ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے، دیگر حیوانات کی کھال پر اُون، پشم یا بال ہوتے ہیں۔ لفظ بَشَرٌ

Marfat.com

[اصل میں بَشَرٌ واحد اور جمع دونوں کے لیے برابر طور پر استعمال ہوتا ہے، اس کا تثنیہ بَشَرَیْنِ ہے۔ نوعِ انسانی (Mankind) پر دلالت کرتا ہے، کلیدِ لُغاتِ قرآن] ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (المؤمنون ۲۳ : ۴۷) : کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں ؟

اَبْشَرَ کے معنی خوش ہونے کے ہیں، جیسے اَبْقَلَ وَ اَمْحَلَ (المفردات)۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (فُصِّلت ۴۱ : ۳۰) :
اور خوشی مناؤ اُس جنّت سے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اَبْشَرَ : حسین و منوّر بنانا۔ عرب بولتے ہیں : اَبْشَرَ الْاَمْرُ وَجْهَهٗ : اُس امر نے اُس کے چہرے کو حسین و تابدار بنا دیا : (The affair made his countenance beautiful and bright)۔
قرآنِ مجید میں ہے :

★ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ (الشُّورٰی ۴۲ : ۲۳) :

یہ (جنّت) وہ ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے مؤمن و صالح بندوں کے چہروں کو حسین و منوّر بنادے گا۔

یہ معانی ابو عمرو نے کیے ہیں اور یہی لسان العرب میں بھی مرقوم ہیں (تاج)۔ اِسی سے ہے :

اَبْشَرَتِ النَّاقَةُ : اُونٹنی حاملہ ہوگئی (قاموس) گویا اُس نے اپنے حمل کے ذریعے اپنے مالک کو خوش کر دیا۔ اور اَبْشَرَتِ الْاَرْضُ : زمین روئیدہ یا بارآور ہوگئی، یعنی اُس کی روئیدگی نظر افروز ہوگئی (صحاح، قاموس)۔ اسی سے حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے : مَنْ اَحَبَّ الْقُرْاٰنَ فَلْیُبْشِرْ : جو قرآن سے محبّت کرتا ہے اُسے خوش ہونا چاہیے۔

فرّاء کا قول ہے کہ اگر ش مُشدّد یعنی بابِ تفعیل سے ہو تو بُشْرٰی سے ہوگا اور اگر خفیفہ یعنی مجرّد سے ہو تو اس کے معنی ہوں گے سُرور۔ جیسے محاورہ ہے : بَشَرْتُهٗ فَبَشَرَ۔ سیبویہ نے کہا ہے کہ بَشَرْتُهٗ کا مطاوع اَبْشَرَ بھی آجاتا ہے۔ ابن قُتیبہ نے کہا ہے کہ یہ یعنی حدیث میں فَلْیُبْشِرْ بَشَرْتُ الْاَدِیْمَ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کھال کو چھیل کر باریک کرنے کے ہیں۔ لہٰذا فَلْیُبْشِرْ کے معنی ہوئے کہ اُسے چاہیے کہ اپنے آپ کو کمزور اور دُبلا کردے (کم کھانے سے کیونکہ بقول سعدیؒ اندروں خالی دار کہ دراں نُورِ معرفت بینی)۔ دیکھیے (المفردات اور تاج)۔ اس اعتبار سے کہتے ہیں، بَشَرَ الْاَرْضَ : ٹڈی دل نے زمین پر سب کچھ کھا کر اُسے چٹ کر دیا (تاج)۔

بَشَرَنِیْ فُلَانٌ بِوَجْهٍ حَسَنٍ : وہ مجھے " خندہ پیشانی " (Cheerful countenance) سے ملا (موضوعِ مذکور)۔ اَبْشَرَ بِمَوْلُوْدٍ : نومولود کی نوید سے اُس نے خوشی منائی۔ اور اَبْشَرَ بِخَیْرٍ :

Marfat.com

بھلائی کی خوشخبری (Annunciation) پرجشن مناؤ (صحاح، قاموس) - اسی مفہوم میں قرآنِ مجید میں اَبْشِرُوْا استعمال ہوا ہے (فُصِّلَت ۴۱ : ۳۰) - قرآنِ مجید میں ہے :

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (آلِ عمران ۳ : ۲۱) : چنانچہ تم ان کو دردناک سزا کی نوید یا خبر بد سُنا کر غمزدہ کردو (تاج) - راغب اصفہانیؒ اس کی تفسیر کرتے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں تَبْشِیْر کے لفظ سے تنبیہ کی گئی ہے کہ سب سے بہتر خوش کُن خبر جو وہ سُن سکتے ہیں وہ عذابِ الیم ہے جس میں قیامت کے روز گرفتار ہوں گے، اور عذاب سے متعلق بَشِّرْ کا لفظ بطورِ تہکم استعمال ہوا ہے - جیسا کہ

تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيْعٌ

(ان کی باہمی دُعا و سلام دردناک ضرب لگانا ہے) میں ضرب وجیع سے متعلق تَحِيَّة کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (المفردات) -

بِشَارَةٌ (بالکسر) کے بنیادی معنی ایسی خبر کے ہیں جس سے انسان کے چہرے کے انداز و رنگ میں تغیر پیدا ہوجائے، خواہ وہ خوشخبری ہو یا خبر بد (صحاح) - قرآنِ مجید نے بَشَّرَ کا لفظ ان دونوں قسم کی خبر دینے کے لیے استعمال کیا ہے : خوشخبری کے لیے دیکھیے البقرۃ ۲ : ۲۵، ۱۵۵؛ التوبۃ ۹ : ۱۱۲؛ یُونس ۱۰ : ۲، ۸۷؛ الحج ۲۲ : ۳۴، ۳۷؛ الاحزاب ۳۳ : ۴۷؛ الصّف ۶۱ : ۱۳ و بمواضعِ کثیرہ -

خبر بد کے معانی میں : آلِ عمران ۳ : ۲۱؛ النّسآء ۴ : ۱۳۸؛ التوبۃ ۹ : ۳؛ لُقمٰن ۳۱ : ۷؛ الجاثیۃ ۴۵ : ۸؛ الانشقاق ۸۴ : ۲۴ و بمواضعِ کثیرہ -

بِشَارَةٌ کی جمع بِشَارَاتٌ اور بَشَائِرُ آتی ہے (اساس) -

بَاشَرَ الْمَرْاَةَ (مصدر مُبَاشَرَةٌ اور بِشَارٌ) : وہ عورت کے ساتھ ہمکنار رہا (تاج) - اُس نے عورت کے ملاپ سے حظ اُٹھایا (مصباح) - بَشَرٌ اور مُبَاشَرَةٌ مترادف ہیں - حضرت علیؓ کی ایک روایت میں ہے : فَبَاشَرُوْا رَوْحَ الْيَقِيْنِ یا رُوْحَ الْيَقِيْنِ (یہ استعاری یا مجازی محاورہ ہے اور اس کے معنی ہیں) : اُنھوں نے یقین سے پیدا ہونے والی راحت و مسرت محسوس کی (تاج) -

بَشَرٌ : دیکھیے بَشَرَةٌ - لہٰذا اَلْبَشَرُ کے معنی ہیں : نوعِ انسان (Mankind) اور اِنسان (صحاح، مصباح، قاموس) - اس کا اطلاق مرد و زن دونوں پر ہوتا ہے اور واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (مواضعِ مذکور)، اور تثنیہ میں بھی (تاج) - مثال کے طور پر ھُوَ بَشَرٌ : وہ (مرد) انسان ہے؛ اور ھِیَ بَشَرٌ : یہ (عورت) بشر ہے اور ھُمْ بَشَرٌ : وہ (دو سے زائد) انسان ہیں، اور ھُمَا بَشَرٌ : وہ دو انسان ہیں (تاج) - لیکن کبھی کبھی یہ بصورتِ تثنیہ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے :

Marfat.com

★ فَقَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا (المؤمنون ۲۳ : ۴۷):

کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں (Mortals) پر ایمان لائیں ؟

اَبُوالبَشَرِ : بنی نوعِ انسان کا باپ، یعنی آدم (قاموس) -

بَشَارَۃٌ : حسنہ، حُسن، جمال، موزونیِ قدوقامت، زیبائی (صحاح، قاموس، تاج) -

بِشَارَۃٌ، جمع بِشَارَاتٌ اور بَشَائِرُ : عربوں کا محاورہ ہے : اَعۡطَیۡتُهُ ثَوۡبِیۡ بِشَارَۃً ! میں نے خوشخبری سُن کر اُسے اپنا لباس اِنعام کے طور پر دیا (تاج العروس، بحوالہ حدیث) -

هُوَ اَبۡشَرُ مِنۡهُ : وہ اس کی بہ نسبت زیادہ کریم، وجیہہ، حسین، خوبصورت اور زیادہ فربہ ہے (قاموس) -

بَشِیۡرٌ اور مُبَشِّرٌ بھی ایسا ہی ہے : لوگوں کو خوشخبری یا خبرِ بد سُنانے والا (صحاح، المُغرب، قاموس) - لیکن بَشیر اکثر خوشخبری دینے والے کو کہتے ہیں یا جو دوسرے یا دوسروں کو خوشخبری سُنا کر خوش کرنے والا ہو (مصباح)؛ جمع بُشَرَآءُ اور بُشُرٌ (تاج : بذیل مادہ بشر)، یا یہ بَشُوۡرٌ کی جمع ہے (تاج بذیل مادہ بشر) - قرآن مجید میں ہے :

★ وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ (الاعراف ۷ : ۵۷):

اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی بارانِ رحمت کی خوشخبری دینے کے لیے ہواؤں کو آگے آگے یا پہلے بھیجتا ہے -

اِس آیۂ جمیلہ میں بُشۡرٌ جمع ہے بَشُوۡرٌ کی - یہ مترادف ہے بَشِیۡرٌ اور مُبَشِّرٌ کا، لیکن دونوں مذکر اور مؤنث ہیں (تاج) - اَلۡمُبَشِّرَاتُ (اساس) یا مُبَشِّرَاتُ الرِّیَاحِ (صحاح) کا مطلب ہے : ہوائیں جو بارش کی آمد آمد کی نوید دیتی ہیں (الروم ۳۰ : ۴۶) -

حدیثِ طیّبہ میں ہے : اِنۡقَطَعَ الۡوَحۡیُ وَلَمۡ یَبۡقَ اِلَّا الۡمُبَشِّرَاتُ : وحی منقطع ہو گئی اور مُبشرات یا حسین خواب باقی رہ گئے ہیں (المفردات) -

تَبَاشِیۡرُ الۡوَجۡهِ وَبِشۡرَۃٌ : چہرے پر خوشی کے آثار، خوش روئی - تَبَاشِیۡرُ الصُّبۡحِ : نمودِ سحر - تَبَاشِیۡرُ النَّخۡلِ : کھجور کا پہلا پکا ہوا پھل - بُشۡرٰی وَبُشَارَۃ : وہ عطیہ جو خوشخبری سنانے یا دینے والے کو دیا جائے -

ع م ل (عمل)

عَمِلَ (مضارع، عَمَلٌ مصدر) : اُس نے کچھ کیا، کام کیا، محنت و مشقت کی، خدمت کی یا خدمت سرانجام دی، کوئی کارنامہ سرانجام دیا (صحاح، العُباب، مصباح، قاموس)؛ نیز یہ سب کچھ

Marfat.com

قدرتے تکلیف اور ارادے کے ساتھ کیا (تاج، قاموس)۔

اَلْعَمَلُ : ہر اُس فِعل یا کام کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادةً صادر ہو۔ یہ فِعْلٌ سے اخص ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فِعل کا لفظ کبھی حیوانات کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں، جن سے بلا قصد افعال سرزد ہوتے ہیں، بلکہ جمادات کی طرف بھی منسوب ہو جاتا ہے۔ مگر عمل کا لفظ ان کی طرف بہت ہی کم منسوب ہوتا ہے۔ صرف اَلْبَقَرُ الْعَوَامِلُ ایک ایسی مثال ہے جہاں کہ عمل کا لفظ حیوانات کے لیے استعمال ہوا ہے (المفردات)، لیکن اہلِ عرب تیز رو اُونٹنی کو نَاقَةٌ عَمِلَةٌ وَیَعْمَلَةٌ کہتے ہیں۔ نیز عمل کا لفظ اچھے اور بُرے دونوں قسم کے اعمال پر بولا جاتا ہے (موضوعِ مذکور)۔

قرآنِ مجید میں ہے :

★ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرۃ ۲ : ۲۷۷) :

بلاشُبہ جو لوگ ایمان لائیں اور اکتسابِ حسنات کریں (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

عملِ صالحہ یا حُسنِ عمل کے لیے دیکھیے : البقرۃ ۲ : ۶۲، المائدہ ۵ : ۶۹، النحل ۱۶ : ۹۷؛ الکھف ۱۸ : ۸۸؛ مریم ۱۹ : ۶۰ وبمواضعِ کثیر۔

اعمالِ صالحہ کے لیے : البقرۃ ۲ : ۲۵، ۸۲، ۲۷۷؛ آلِ عمران ۳ : ۵۷؛ النسآء ۴ : ۵۷، ۱۲۲، ۱۷۳؛ یُونس ۱۰ : ۴، ۹؛ وبمواضعِ کثیرہ۔

اعمالِ سُوء کے لیے : الزُّمر ۳۹ : ۳۵؛ غافر ۴۰ : ۴۰؛ فُصّلت ۴۱ : ۴۶؛ الجاثیۃ ۴۵ : ۱۵، ۳۳؛ النجم ۵۳ : ۳۱ وبمواضعِ کثیرہ۔

عمل سے متعلق دو فکر انگیز وسبق آموز آیات :

★ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝

(الزِّلزال ۹۹ : ۷-۸) : پس جس نے ذرّہ برابر وزن کی نیکی اکتساب کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر وزن کی بدی اکتساب کی ہوگی اُسے دیکھ لے گا۔

اِن میں یہ نکتہ مُضمر ہے کہ عمل کا معنوی وزن ہوتا ہے، چاہے اچھا ہو یا بُرا۔ دوسرے، وہ روزِ حساب اپنا جلوہ پیدا کرے گا، کیفیت وکمیت کے لحاظ سے؛ نیز عمل اصطلاحِ قرآنی میں اکتساب کا مترادف بھی ہے۔

اہلِ عرب کا محاورہ ہے : عَمِلْتُ عَلَی الصَّدَقَةِ : میں زکوٰۃ وصول کرنے کی خدمت سرانجام دیتا رہا (مصباح)، اور عَمِلَ بِمَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ : اُس نے اللہ کی کتاب کے احکام کے مطابق کیا۔

عَمِلَ الْبَرْقُ : بجلی مسلسل چمکتی رہی (قاموس)۔

Marfat.com

عَمَّلْتُ فُلَانًا عَلَى الْبَصْرَةِ یا عَلَى الْبَلَدِ (مصدر تَعْمِيْلٌ) : میں نے فُلاں شخص کو بصرے کا یا صوبے یا شہر وغیرہ کا والی یا گورنر مقرر کیا (صحاح، مصباح)۔
عُمِّلَ فُلَانٌ عَلَيْهِمْ : فُلاں شخص کو اُن پر گورنر یا والی مُتعین کیا گیا (قاموس، تاج)۔
عَمَلٌ کی جمع اَعْمَالٌ ہے۔ اِبْنُ عَمَلِيْ کے معنی ہیں : وہ جو میرا کام کرتا ہے، یا ایسا کام جو میں کرتا ہوں (تاج، بذیلِ مادّہ بنی)۔ اور فُلَانٌ اِبْنُ عَمَلٍ : وہ مضبوط ہے۔ بَنُوْ عَمَلٍ : پیدل چلنے والے (تاج، العُباب، قاموس)۔ عَمَلُ النَّخْلِ : کھجور کے درختوں کی کاشت، جیسے عَمَلُ الْاَرْضِ کے معنی ہیں : کاشت کاری، زراعت (تاج)۔
عَمْلَةٌ : چوری : یا عیاری، بیوفائی، دغابازی، فریب دہی (قاموس)۔ اسے بُرے کام کے سوا استعمال نہیں کیا جاتا۔
عَمَّالٌ : سخت محنت کش، جفاکش یا کام کرکے روزی کمانے والا (تاج)۔
عَامِلٌ (عَمِلَ کا اسم فاعل) : کام، مزدوری، خدمت کرنے والا : کسی چیز کو بنانے والا، تعمیر کرنے والا۔ اس کی جمع عَامِلُوْنَ، عُمَّالٌ اور عَمَلَةٌ ہے (مصباح، قاموس، تاج)۔ عَمَلَةٌ خصوصیت سے اپنے ہاتھوں سے کام کرنے والوں، اہلِ حرفہ یا کاریگروں کو کہتے ہیں (المُغرب، بذیلِ مادّہ فعل، قاموس، تاج)۔ عَوَامِلُ بحیثیتِ عَامِلَةٌ (تانیث)، اسی طرح عَامِلٌ کی حیثیت میں اس کے معنی ہیں بیل جو ہل چلاتے اور قلبہ رانی کرتے ہیں (قاموس)، اور ان سے دوسری نوعیت کے کام بھی لیے جاتے ہیں (تاج)؛ نیز منتظم، کسی صوبے کا گورنر یا والی، اور زکوٰۃ وصول کرنے والا؛ علاوہ بریں، وہ کارندہ جو کسی دُوسرے کی جائیداد کے اُمور سرانجام دیتا ہے (تاج)۔ عَامِلُ الرُّمْحِ اور عَامِلَتُهُ : نیزے کے پھل کے قریب کا حصّہ، یا صَدر یا نیزے کا پہلا حصّہ (قاموس، تاج)۔
مَعْمُوْلٌ (اسم مفعول) : کیا گیا، بنایا گیا، عمل کیا گیا وغیرہ وغیرہ؛ نیز اس کا اطلاق اس شراب (Beverage یا wine) پر ہوتا ہے جس میں دودھ، شہد اور برف ہو (العُباب، تالب، قاموس)۔
بعض اَئمّۂ لُغت کا قول ہے کہ عَمَلٌ اصل میں عِلْمٌ کی مقلوب شکل ہے، اس لیے عِلْمٌ پیش شرط ہے عَمَلٌ کی (محیط)۔
عَامِلَةٌ : صبر آزما محنت کشی (کلیدِ لُغاتِ قُرآن) : قُرآنِ مجید میں ہے :
★ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (الغاشیۃ ۸۸ : ۳) : صبر آزما مشقّت کرنے والے، تھکے ماندے۔
اَلْعَامِلِيْنَ : اصطلاحِ قُرآن میں حُسنِ عمل کرنے والے (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

Marfat.com

★ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آلِ عمران ۳ : ۱۳۶) : حُسنِ عمل کرنے والوں کا اجر بھی حسین ہے۔ (نیز دیکھیے العنکبوت ۲۹ : ۵۸ ؛ الزمر ۳۹ : ۷۴) ۔ قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی اَلْعَامِلِیْنَ کہا ہے (التوبۃ ۹ : ۶۰) ۔ اس کا واحد عَامِلٌ بھی قرآنِ مجید میں اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے، یعنی حُسنِ عمل کرنے والا (آلِ عمران ۳ : ۱۹۵ ؛ الانعام ۶ : ۱۳۵ ؛ ھود ۱۱ : ۹۳ ؛ الزمر ۳۹ : ۳۹)۔

عَامِلُوْنَ کو قرآنِ مجید نے اچھے اور بُرے دونوں مفہوم میں استعمال کیا ہے (کلیدِ لغاتِ قرآن)۔

اچھے معانی میں ھود ۱۱ : ۱۲۱ ؛ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۶۱ ۔

بُرے معانی میں : المؤمنون ۲۳ : ۶۳ ؛ فصّلت ۴۱ : ۵ ۔

اَعْمَلُ : کاریگری سے بنانا؛ صنعت و حرفت کا کوئی کام کرنا (کلید) ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ (سبا ۳۴ : ۱۱) : کُشادہ زرہیں کاریگری سے بناؤ۔

ج ن ن (جن)

جَنَّہٗ (مضارع، جَنٌّ مصدر) : اس نے اُسے چُھپالیا، پوشیدہ یا مخفی کر دیا، ڈھانپ دیا یا اس کا تحفظ کیا It veiled, concealed, hid, covered, or protected him : (تاج، صحاح، مُغرب، قاموس) ؛ رات پر بھی بولا جاتا ہے (موضوع مذکور) : جیسا کہ جَنَّ عَلَیْہِ (مضارع، اس کا مصدر جُنُوْنٌ یا جَنٌّ ہے یا دونوں ہیں۔ تاج، صحاح، قاموس) ۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ (الانعام ۶ : ۷۶) : جب رات نے اُسے اپنی تاریکی سے ڈھانپ لیا یا چُھپالیا (بیضاوی) ۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْجَنُّ کے اصل معنی کسی چیز کو حواس سے پوشیدہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے :

جَنَّہُ الَّیْلُ وَ اَجَنَّہٗ : اُسے رات نے چُھپالیا۔ جُنَّ عَلَیْہِ : اُسے جنون ہوگیا۔ پس جَنَّہٗ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں؛ اور اَجَنَّہٗ کے معنی چُھپانے کے لیے کوئی چیز دینے کے ہیں، جیسے قَبَرْتُہٗ وَ اَقْبَرْتُہٗ وَ سَقَیْتُہٗ وَ اَسْقَیْتُہٗ ۔ جَنَّ عَلَیْہِ کَذَا : کسی چیز نے اُسے چُھپالیا۔

اَلْجَنَانُ : قلب، کیونکہ وہ حواس سے مستور رہتا ہے۔

اَلْمِجَنُّ وَ الْمِجَنَّۃُ : ڈھال، کیونکہ اس سے انسان اپنے آپ کو چھپاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنٰفقون ۶۳ : ۲) : انھوں نے اپنے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے ؛

Marfat.com

اور حدیث میں ہے : اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ : روزہ ڈھال ہے (کیونکہ وہ گناہوں سے بچاتا ہے)۔

اَلْجَنَّۃُ : ہر وہ باغ (حدیقہ) جس کی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے، جنّت کہلاتا ہے (المفردات)۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ کھجوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ اگر کسی باغ میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت نہ ہوں، لیکن دوسرے درخت ہوں تو حَدِیْقَۃٌ کہتے ہیں، جَنَّۃ نہیں کہتے (تاج، مصباح، قاموس)۔

قُرآنِ مجید نے اَلْجَنَّۃُ کو اصطلاحاً بہشت (PARADISE) کے معنی میں بھی کثرت سے اِستعمال کیا ہے (کلید) :

★ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (السجدۃ ۳۲ : ۱۷) : کوئی مُتنفّس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک (حواس اور قلب وجاں کو انتہائی شدید طمانیت ومسرّت دینے والی چیز) چھپا کر رکھی ہوئی ہے، جو اُن کے حسین اعمال کا صلہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس آیۂ جمیلہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جنّت کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا ہے اور نہ کوئی قلب اس کا تصوّر ہی کر سکتا ہے (بخاری، مُسلم، المشکوٰۃ، ح ۵۳۷۰)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جَنّٰتِ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں :

(۱) جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ [الکہف ۱۸ : ۱۰۷] (۲) جَنّٰتِ عَدْنٍ [التوبۃ ۹ : ۷۲] (۳) جَنّٰتِ النَّعِیْمِ [المائدہ ۵ : ۶۵] (۴) جَنَّۃُ الْخُلْدِ [الفرقان ۲۵ : ۱۵] (۵) جَنَّۃُ الْمَاْوٰی [النجم ۵۳ : ۱۵] (۶) دَارُ السَّلَامِ [الانعام ۶ : ۱۲۷] (۷) عِلِّیِّیْنَ [المطففین ۸۳ : ۱۸]۔

کلیدِ لُغاتِ قُرآن کی رُو سے جنّت یا بہشت نو ہیں۔ آٹھواں بہشت ہے : جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ (الغاشیۃ ۸۸ : ۱۰)۔ نویں جنّت حُسْنُ الْمَاٰبِ ہے (آلِ عمران ۳ : ۱۴)۔

نُکتہ : قُرآنِ مجید نے جنّتِ قُرّۃُ العین کے لیے حُسْنُ الْمَاٰبِ (آلِ عمران ۳ : ۱۴) یا حُسْنُ مَاٰبٍ (الرّعد ۱۳ : ۲۹؛ صٓ ۳۸ : ۲۵، ۴۰، ۴۹) کی تعبیر اختیار کی ہے، جو میرے نزدیک اس کے اِعجازات میں سے ہے۔

اَلْجَنِیْنُ : بچّہ جب تک ماں کے پیٹ میں رہے اسے جَنِیْن (Embryo, or foetus) کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کی جمع اَجِنَّۃٌ آتی ہے۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

Marfat.com

★ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (النجم ۳۲:۵۳): وہ (اللہ) تمھیں خوب جانتا ہے جب اُس نے تمھیں اِس کرۂ ارضی میں سے (دیگر نباتاتی و حیاتیاتی مخلوقات کی طرح) پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں چھپے ہوئے تھے۔

جَنِيْنٌ جس کے معنی بچّے کے ہیں فعیل بمعنی مفعول ہے؛ اور

اَلْجَنِيْنُ (جس کے معنی قبر ہیں) فعیل بمعنی فاعل ہے [کیونکہ وہ مُردوں کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے]؛ اِسی بناء پر کفن اور میّت کو بھی الجنین کہتے ہیں (تاج)۔

اَلْجِنُّ : (جِنّ) : اس کی جمع جِنَّةٌ آتی ہے، اور اس کا اِستعمال دو طرح پر ہوتا ہے :

اوّلاً: اِنسان کے مقابلے میں ان تمام روحانیوں پر بولا جاتا ہے جو حواس سے مستور ہیں۔ اِس صورت میں ملائکہ اور شیاطین دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا تمام فرشتے جِنّ ہیں، لیکن تمام جِنّ فرشتے نہیں۔ اِس بناء پر ابو صالح نے کہا ہے کہ سب فرشتے جِنّ ہیں۔

ثانیاً: بعض نے کہا ہے کہ نہیں، بلکہ جِنٌّ روحانیوں کی ایک قسم ہے، کیونکہ روحانیوں کی تین اقسام ہیں :

(۱) اَخْيَار (نیک) اور یہ فرشتے ہیں (۲) اَشْرَار (بد)، اور یہ شیاطین ہیں (۳) اَوْسَاط، جن میں بعض نیک اور بعض بد ہیں اور یہ جِنّ ہیں۔ چنانچہ آیات

★ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن ۷۲:۱): اے نبیؐ! کہہ دیجیے کہ مجھے وحی ہوئی کہ جنّوں کی ایک جماعت نے (اِس حُسنِ کلامِ آخر کو) سُنا۔

★ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ (الجن ۷۲:۱۴): اور یہ کہ ہم میں بعض اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور ہم میں سے بعض ظالم ہیں۔

اِس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنّوں میں بعض نیک اور بعض بد ہیں۔

اَلْجِنَّةُ : جنّوں کی جماعت۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝ (النّاس ۱۱۴:۶): خواہ وہ جنّات میں سے ہو یا اِنسانوں میں سے۔

★ وَ جَعَلُوْا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۵۸): اور انھوں نے اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسبی رشتہ مقرّر کر رکھا ہے (یہاں جنّوں سے مراد فرشتے ہیں — دیکھیے المفردات)۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن مجید کے اُسلوبِ بیان کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے اہم الفاظ کو کبھی لُغوی اور کبھی اِصطلاحی معانی میں استعمال کرتا ہے، مثلاً جنّت، صلوٰۃ، اِلٰہ، ربّ، النّار وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

اِسی طرح اُس نے جِنّ کے لفظ کو بھی کبھی لُغوی اور کبھی اصطلاحی معنے میں استعمال کیا ہے۔ لُغوی معانی میں وہ اِس لفظ کو جنّوں، فرشتوں اور ابلیس کی ذُرّیّت (شیاطین) کے لیے استعمال کرتا ہے، لیکن اصطلاحی معنے میں وہ اس سے شہروں اور بستیوں سے دُور جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں اور دیگر دُور دراز مقامات میں رہنے والے اِنسان مراد لیتا ہے، جو عموماً غیر مہذّب اور سرکش ہوتے تھے، مثلاً ان آیاتِ جلیلہ میں: الانعام ۶: ۱۱۲، ۱۲۸، ۱۳۰؛ الانبیآء ۲۱: ۸۲؛ النّمل ۲۷: ۱۷؛ سبا ۳۴: ۱۲، ۱۴؛ صٓ ۳۸: ۳۷-۳۸ (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

جَآنٌّ مترادف ہے جِنٌّ کا (مصباح) یا اَلجَآنُّ کا معنی جِنّ کا باپ ہے، اور اس کی جمع جِنَّانٌ آتی ہے، جیسے حَائِطٌ کی جمع حِیطَانٌ ہے (صحاح، تاج)۔ جِنّ کے ایک فرد کو جِنِّیٌّ کہتے ہیں۔ اس کی تانیث ۃ کے ساتھ آتی ہے (صحاح، تاج)۔

اَلْجِنَّۃُ: جُنُون، دیوانگی (المفردات)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

مَا بِصَاحِبِھِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ط (الاعراف ۷: ۱۸۴): ان کے رفیق (حضرت محمدؐ) کو قطعاً جنون نہیں۔ اور دیوانگی یا پاگل پن کو جنون اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اِنسان کے نفس اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔

جُنَّ فُلَانٌ: اسے جِنّ چمٹ گیا۔ امراض کے معانی میں دوسرے افعال کی طرح یہ بھی فعلِ مجہول ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے زُکِمَ (اُسے زکام ہوگیا)؛ لُقِیَ (اُسے لقوہ ہوگیا) حُمَّ (اُسے بخار ہوگیا) وغیرہ وغیرہ۔ بعض نے کہا ہے کہ جُنَّ فُلَانٌ کے معنی ہیں: اسے عارضۂ قلب ہوگیا؛ اور بعض نے کہا ہے کہ دیوانگی نے اس کی عقل کو چھپالیا، اور آیتِ کریمہ

★ مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (الدّخان ۴۴: ۱۴) کے معنی ہیں کہ اُسے وہ جِنّ چمٹا ہوا ہے جو اُسے تعلیم دیتا یا شعر سکھاتا ہے (المفردات)۔ اور اِس آیت

★ اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۳۶) کے بھی یہی معنی ہیں (المفردات)۔ (یعنی ایسا شاعر جسے جِنّ چمٹا ہوا ہے، جو اُسے شعر سکھاتا ہے، کہیں ہم اس کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں)۔

اَلْجَآنّ: حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ سے مروی ہے کہ جس طرح ابُوالبشر کا نام آدم ہے اسی طرح ابُوالجِنّ کا نام جَآنٌّ ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جَآنٌّ ابلیس ہی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ ابُوالجِنّ کا نام جانٌّ اور ابُوالشیاطین کا نام اِبلیس ہے (تفسیر خازن، ۵: ۵۳)۔ بہرحال، اِس کی تخلیق اِنسان کی تخلیق سے پہلے

Marfat.com

ہوئی تھی اور وُہ نارِ سموم یعنی آتشیں گیس سے پیدا ہوا تھا (الحجر ۱۵ : ۲۷) - میرے نزدیک جَانٌّ بھی اِنسان کی طرح یہاں اسمِ جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے (کلیدِ لُغاتِ قرآن) - لیکن قرآنِ مجید نے جَانٌّ کو سانپ کے معنے میں بھی استعمال کیا ہے :

★ كَاَنَّهَا جَآنٌّ (النمل ۲۷ : ۱۰) : سانپ کی طرح -

ج ر ی (جری)

جَرٰی (ض) جِرْيَةً و جَرْيًا و جَرَيَانًا کے معنی ہیں، تیزی سے چلنا - اصل میں یہ لفظ پانی اور پانی پر چلنے والی چیزوں سے متعلق اِستعمال ہوتا ہے (المفردات) - جَرْیٌ اور جَرَیَانٌ بھی اِس کے مصادر ہیں (صحاح، قاموس، مصباح) - اس کا مترادف سَالَ ہے اور اضداد وَقَفَ اور سَکَنَ ہیں (مصباح) - قُرآنِ مجید میں اس کی ضد اَرْسٰی بھی آیا ہے (ھُود ۱۱ : ۴۱) -

جَرَتِ السَّفِيْنَةُ، مصدر جَرْیٌ اور مَجْرًى (تاج، صحاح، قاموس) : جہاز چلا -

جَرَى الْفَرَسُ : گھوڑا تیزی سے دوڑا - جَرَتِ النُّجُوْمُ : تارے مشرق سے مغرب کی طرف گئے -

جَرَتِ الشَّمْسُ : سُورج اپنے راستے (Course) پر چلا (تاج) - قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (الرّعد ۱۳ : ۲) : اُس نے سُورج اور چاند کو اپنے وظائف ادا کرنے کا پابند کر دیا اور سب وقتِ معیّنہ کے لیے گردش کر رہے ہیں -

(اس سے ثابت ہوا کہ اجرامِ فلکی قدیم نہیں حادث ہیں) -

یہ لفظ قُرآنِ مجید نے آبِ رواں دواں کے معنے میں اِستعمال کیا ہے :

★ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ (البقرۃ ۲ : ۲۵) : ان کے لیے بہشت ہیں جن کے نیچے دریا رواں دواں ہیں -

نُکتہ : پانی رواں دواں ہو تو اس میں تطہیر و احیاء، راحت بخشی و تسکین آفرینی اور نظر افروزی و سُرور انگیزی کی تاثیر پائی جاتی ہے ؛ اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں قُرآنِ مجید عموماً جنّت یا جنّات کے ساتھ آبِ رواں کا ذکر کرتا ہے - یہ تلمیذ القرآن اسے قُرآنِ حکیم کا "جمالیاتی اِعجاز" کہے بغیر نہیں رہ سکتا -

★ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ (الغاشیۃ ۸۸ : ۱۲) : اس میں چشمہ جاری و ساری ہے (gushing spring) -

Marfat.com

جَارِیَۃٌ: کشتی کو کہتے ہیں؛ چونکہ یہ پانی پر چلتی ہے (صحاح، مصباح، قاموس)۔

★ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰکُمْ فِی الْجَارِیَۃِ ۝ (الحاقّۃ ۶۹: ۱۱): جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم نے تمھیں کشتی میں سوار کر لیا۔

اس آیت میں جَارِیَۃ سے مراد کشتی ہے۔ اس کی جمع جَوَارِ آتی ہے: قرآنِ مجید میں ہے:

★ اَلْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (الرحمٰن ۵۵: ۲۴): قائم کشتیاں چلنے والی۔

★ وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ۝ (الشوریٰ ۴۲: ۳۲): سمندر میں چلنے والی پہاڑ کی مانند بڑی بڑی کشتیاں اس کی بصیرت افروز علامات یا نشانیوں میں سے ہیں۔

اور پرندے کے سنگدانہ کو جَرِیَّۃ کہتے ہیں، کیونکہ کھانا چل کر وہاں پہنچتا ہے اور یہ کہ وہ طعام کا مَجْرٰی بنتا ہے۔ اَلْاِجْرِیَّا: عادت، طبع یا طبیعت (المفردات)؛ خُلق، طریق کار (مصباح)۔

اَلْجَارِیَۃ: اَلْجَارِی کا مونث: لڑکی، لونڈی، آفتاب، کشتی، سانپ۔ جمع جَارِیَات اور جَوَارِ (صحاح، مصباح، تاج)۔ اَلْمُجْرٰی: پانی بہنے کی جگہ، گذرگاہ۔ جمع مَجَارِ (تاج)۔ حیوان کی آنکھ کو بھی جَارِیَۃ کہتے ہیں؛ نیز اس نعمت اور انعام کو بھی جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ارزانی کرتا ہے (تاج، قاموس)۔ اَلْجَوَارِی الْکُنَّس: تارے (موضوعِ مذکور)۔

محاورہ ہے: اَلدَّیْنُ وَ الرَّھْنُ یَتَجَارَیَانِ: قرض اور رہن ساتھ ساتھ چلتے ہیں؛ یعنی دونوں ایک ہی قانون کے مستوجب ہیں (المُغرب)۔

جَارَاہُ (مصدر مُجَارَاۃٌ اور جِرَآءٌ): وہ اس کے ساتھ دوڑا (صحاح، المُغرب، قاموس)۔ اسی سے اہلِ عرب کا محاورہ ہے: جَارَاہُ فِی الْحَدِیْثِ: اُس نے بحث میں اس سے مقابلہ کیا (صحاح)۔ ایک روایت میں ہے: لَا تُجَارِ اَخَاکَ وَلَا تُشَارِہٖ وَلَا تُمَارِہٖ: اپنے بھائی کے ساتھ فوقیت حاصل کرنے کی خاطر اس کے ساتھ بحث و تمحیص کرو نہ مناظرہ اور نہ جھگڑا ہی کرو (تاج، بذیلِ مادّہ جر)۔

اَلْجَرِیُّ: وکیل۔ یہ لفظ رسول اور وکیل سے اخصّ ہے؛ اور جَرَّیْتُ جَرِیًّا کے معنی وکیل بنا کر بھیجنے کے ہیں۔ روایت ہے: لَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ: یہ اپنے اصل معنی پر بھی محمول ہو سکتا ہے؛ یعنی شیطان کے مشورے اور طاعت میں بہہ نہ جاؤ؛ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جَرِیٌّ بمعنی رسول یا وکیل سے مشتق ہو اور معنی یہ ہوں کہ شیطان کی وکالت اور رسالت کے سرپرست مت بنو (المفردات)۔

جَرِیْءٌ کے معنی ہیں: بہادر، دلیر (BOLD OR DARING)، دیکھیے (صحاح)۔

Marfat.com

جَارٍ : پانی کا جاری یا بہتے رہنا ۔ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ کے معنی ہیں : ہمیشہ ثواب یا اجر دینے والا فلاح و بہبود کا کام (تاج) ۔

ت ح ت (تحت)

تَحْتُ (اسمِ ظرف) : اس کی ضد فوق ہے (کلیدِ لُغاتِ قرآن) ؛ جیسا کہ ان آیات جلیلہ سے ثابت ہے :

★ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ (الانعام ۶ : ۶۵) : کہہ دیجیے کہ وہ (اللّٰہ) اس پر قدرت کاملہ رکھنے والا ہے کہ وہ تم پر تمھارے اوپر سے (جیسا کہ آج کل میزائلوں اور بموں وغیرہ سے) عذاب نازل کر دے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے (آج کل بارودی سرنگوں یا ٹائم بموں کے ذریعے) ۔

★ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (المائدۃ ۵ : ۶۶) : تو انھیں ان کے اوپر سے بھی روزی ملتی اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی ۔

★ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (العنکبوت ۲۹ : ۵۵) : اُس دن عذاب اُن کے اوپر سے اور اُن کے پاؤں کے نیچے سے اُن پر مُسلّط ہو جائے گا ۔

★ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (البقرۃ ۲ : ۲۵) : اُن کے لیے بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں ۔

★ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ (مریم ۱۹ : ۲۴) : اُسے (نخلستان کے) نشیب سے (فرشتے نے) آواز دی : غم نہ کھاؤ، تمھارے ربّ نے تمھارے تلے ایک عظیم ہستی پیدا کر دی ہے (عام طور پر اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ تمھارے ربّ نے تمھارے نیچے ایک چشمہ پیدا یا جاری کر دیا ہے) ۔

اِسی قبیل کا یہ محاورہ ہے : اَلْمَالُ تَحْتَهُ : یعنی مال اس کے قبضے میں ہے ۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ (التحریم ۶۶ : ۱۰) : وہ دونوں عورتیں ہمارے دونوں بندوں کے تحت یا گھر میں تھیں ۔

امام راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں : تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے نیچے ہو، مگر اسفل کسی چیز کے نچلے حصّے کو ؛ جیسے اَلْمَالُ تَحْتَهُ (مال اس کے نیچے ہے) ؛

Marfat.com

اَسْفَلُهُ اَغْلَظُ مِنْ اَعْلَاهُ : اس کا نچلا حصّہ اعلیٰ (اوپر کے) حصّے سے سخت ہے۔
فُلَانٌ تَحْتَهُ فُلَانَةُ : فُلاں شخص کے پاس فُلاں عورت بیوی کے طور پر ہے۔ یہ بھی محاورہ ہے :
فُلَانٌ تَحْتَ اَمْرِ فُلَانٍ : فُلاں شخص، فُلاں شخص کے ماتحت یا اس کے زیرِ تسلط ہے (تاج، ابن الاثیر الجزری)۔
تَحْتَانِیٌّ : وہ جگہ یا مقام جو نیچے، تلے، ماتحت، نشیبی، کمتر ہو (تاج)۔
تُحَیْتُ : اسمِ تصغیر ہے : محاورہ ہے : هٰذَا تُحَیْتُ هٰذَا، اور مِنْ تُحَیْتِ هٰذَا : یہ ذرا اُس کے تلے یا نیچے ہے۔ اَلتُّحُتُ بھی اَلتُّحُوتُ کا واحد ہے۔ ایک روایت میں ہے : لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَظْهَرَ [یظهر : المفردات] اَلتُّحُوْتُ وَتَهْلِكَ الْوُعُوْلُ : ساعتِ صغریعنی قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ کمینے لوگ غلبہ حاصل نہیں کرلیں گے اور شُرفاء تباہ و برباد نہیں ہوجائیں گے (تاج)۔

ن ھ ر (نھر)

نَهَرَ (مضارع) : پانی زمین کے اُوپر یا اس کے ساتھ بہہ نکلا اور اپنے لیے گُذرگاہ بنالی (صحاح، مصباح، تاج)۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : اَلنَّهْرُ : بافراط پانی بہنے کے مجری (گذرگاہ) کو کہتے ہیں (المفردات)۔
اَنْهَرَ الدَّمُ : خون دریا کی طرح بہہ نکلا، یعنی خون کے فوارے چھوٹ گئے (قاموس، تاج)۔
اَنْهَرَ اور اَنْتَهَرَ : پیٹ کے چلنے یعنی اسہال آنے پر بھی بولا جاتا ہے (تاج)۔ نَهَرَ (مصدر نُهُوْرٌ) : اُس نے دن کے وقت دشمنوں کے علاقے یا علاقوں پر حملہ کیا یا حملے کیے (صحاح، المغرب، قاموس وغیرہ)۔
نَهَرَهُ (مضارع)، اور اَنْتَهَرَهُ : اُس نے اُسے زجر و توبیخ کی (chid him)؛ اُس نے اُسے سخت کلامی کے ساتھ روکا، منع کیا اور اس کی مزاحمت کی۔ مترادف زَجَرَهُ (المغرب، مصباح، قاموس)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ (الضُّحیٰ ۹۳: ۱۰) : اور جہاں تک سائل (اپنا حق مانگنے والے یا کوئی بات یا مسئلہ پوچھنے والے) کا تعلق ہے، اُسے درشتی یا سخت کلامی سے ایسا کرنے سے منع کرو نہ جھگڑو۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

Marfat.com

مَنِ انْتَهَرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهُ اَمْنًا وَ اِيْمَانًا وَ اٰمَنَهُ اللّٰهُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ (تاج) - جو شخص (دین میں) بدعت کرنے والے کو سختی سے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے، اللہ اس کے قلب کو امن و اطمینان اور ایمان سے بھر دے گا، اور اُسے بہت بڑے خوف (GREATEST TERROR) سے اپنے حفظ و امان میں رکھے گا۔

نَهْرٌ اور نَهَرٌ : پانی کی گذرگاہ، نالا، ندی، نہر وغیرہ وغیرہ (اساس، صحاح، قاموس)؛ یا خود پانی جو اس میں بہتا ہے (موضوع مذکور)؛ دریا، ندی، نالا، چشمہ یا چلتے پانی کی نہر (CANAL) یا کشادہ رُود خانہ جس میں پانی بہتا ہے؛ اصل میں پانی جو اس میں بہتا ہے (المغرب)، یا صحیح طور پر وسیع و عریض آبِ رواں (مصباح، تاج) - اس کی جمع اَنْهُرٌ اور اقل الذکر کی جمع اَنْهَارٌ آتی ہے۔ نَهَرٌ کو جمع کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ اس آیۂ جمیلہ میں :

★ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ (القمر ۵۴ : ۵۴) : اہلِ آرزو و خشیت باغوں اور دریاؤں کے درمیان زندگی کریں گے۔

نَهَرٌ اور نَهْرٌ کے معنی ہیں : فراخی و کشادگی یا نُور و فراوانی - بعض کے نزدیک مذکورۂ بالا آیت (۵۴ : ۵۴) کے یہی معنی ہیں (صحاح، تاج) - رَجُلٌ نَهِرٌ مترادف صَاحِبُ نَهَارٍ : جو دشمنوں کے علاقوں کے اندر یلغار یا یورش کرے (اساس)۔

نَهَارِيٌّ : ناشتہ (تاج)۔

نَهَارٌ ضد لَيْلٌ : دن ضد رات (کلید) : قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ (البقرۃ ۲ : ۲۷۴) : جو لوگ اپنا مال و منال اللہ کی راہ میں شب و روز خرچ کرتے رہتے ہیں (اُردو میں دن رات)۔

★ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (البقرۃ ۲ : ۱۶۴) : رات اور دن کے فرق اور اُن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں - اعراب نَهَارٌ کو يَوْمٌ (دن) کہتے ہیں، اور لَيْلٌ کو ہر رات - یا لَيْلَةٌ - وہ نَهَارٌ و نَهَارَانِ کہتے ہیں نہ لَيْلٌ و لَيْلَانِ : لیکن نَهَارٌ کا واحد يَوْمٌ (تاج)، اور تثنیہ يَوْمَانِ اور جمع اَيَّامٌ : اور يَوْمٌ کی ضد لَيْلَةٌ ہے (تاج)۔

مَنْهَرٌ : دریا کی جگہ (تہذیب، تاج) - یا دریا کی گذرگاہ؛ یا وہ شگاف جو دریا کا پانی کسی جگہ کر دیتا ہے (قاموس، تاج) - جمع مَنَاهِرُ۔

قرآنِ مجید نے نَهَارًا کے مقابلے میں بَيَاتًا (رات) ضد کے طور پر استعمال کیا ہے (کلید) -

Marfat.com

قرآنِ مجید میں ہے :

★ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوْ نَهَارًا (یُونُس ۱۰ : ۵۰) : اگر اللہ کا عذاب اچانک تم پر رات کو یا دن کو آجائے۔

ش ب ہ (شبہ)

شَبَّهَهٗ اِیَّاهُ اور بِهٖ (مصدر تَشْبِیْهٌ) : اُس نے فلاں چیز کو اس کے مثل بنا دیا، یا اس کے ہمشکل یا اس سے ملتا جلتا بنا دیا (صحاح، قاموس، الکنز اللغۃ) ؛ یعنی مَثَّلَهٗ۔

شَبَّهَ شَیْئًا بِشَیْءٍ : ابن الاعرابی کے مطابق اس کے معنی ہیں : اُس نے فلاں چیز کو اس چیز کے برابر یا مثل بنا دیا (تاج)۔ شَبَّهَتْهُ اِلَیْهِ النَّفْسُ، یا اَلْحَالُ : نفس یا معاملے نے اُس شخص کو یہ تصور دیا (خَیَّلَتْهُ)۔

شُبِّهَ عَلَیْهِ الْاَمْرُ : اس پر بات مشتبہ، مُبہم، مُلتبس ہوگئی۔

شَبَّهَهٗ عَلَیْهِ : اُس نے اس چیز یا معاملے کو اُس پر مُلتبس، مُبہم یا مُشتبہ کر دیا (تاج)۔

اَلشُّبْهَةُ : مثل، شک، اِلتباس، غیر یقینی، جس میں حق و باطل یا حلال و حرام کی تمیز نہ ہو سکے۔

تَشْبِیْهٌ : تشبیہ دینا، کسی چیز کو اس سے ملتی جلتی شے سے مثال دینا (محیط، محکم)۔

اَلشِّبْهُ وَالشَّبَهُ وَالشَّبِیْهُ : کے اصل معنی مماثلت بلحاظِ کیفیت (Quality) کے ہیں۔ مثلاً رنگ و طعم یا عدل وظلم میں دو چیزیں باہم مماثل ہوں تو وہ ایک دوسرے کی تشبیہ کہلاتی ہیں۔ اور دو چیزوں کا حسّی یا معنوی لحاظ سے اِس قدر متماثل ہونا کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکیں، شُبہ کہلاتا ہے : چنانچہ آیتِ کریمہ

★ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرۃ ۲ : ۲۵) : ان کو ایک دوسرے کے مشابہ پھل دیے جائیں گے۔ میں مُتَشَابِهًا کے معنی یہ ہیں کہ وہ میوے اصل یا اصلیّت اور ذائقے میں مختلف ہونے کے باوصف رنگت میں ایک دوسرے کے مماثل ہوں گے (المفردات)۔ میرے نزدیک یہ مماثلت شکل وصورت اور رنگ کی ہوگی۔ اس آیۂ جمیلہ

★ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ (الانعام ۶ : ۹۹) : ایک دوسرے کے مماثل بھی اور غیر مماثل بھی۔ میں یہ بتایا گیا ہے کہ پھل اصلیّت اور ذائقہ و بُو کی کیفیت و نوعیت کے لحاظ سے تو مختلف ہوں گے، مگر بعض شکل وصورت اور رنگ کے اعتبار سے متماثل بھی ہوں گے۔

Marfat.com

نُکتہ : جنّت کی زندگی، زمان و مکان، نعمتوں اور انسانوں کا بیان مقصود ہو تو یہ اصلِ عظیم ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ وہ الحیَوان یا دار الحیات ہے، جبکہ ہماری یہ دُنیا دار الحیات والممات ہے۔ جنّت میں چونکہ موت کا اپنے تمام عوارض و لوازم کے ساتھ فُقدان ہوگا، لہٰذا اس کی تمام اشیاء میں تفاوت کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔

شُبِّہَ : اِلتباسِ ذہن و نظری (کلید)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ (النّسآء ۴ : ۱۵۷) : انھوں نے نہ تو اُن کو قتل کیا اور نہ انھیں سُولی پر چڑھایا، بلکہ ان کو اِلتباسِ ذہن و نظر ہوگیا، یعنی ان پر حقیقت یا واقعیت مُشتبہ ہوگئی۔

★ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ (البقرۃ ۲ : ۷۰) : وہ بیل بلاشُبہ (اپنی شکل و صورت کے سبب) ہم پر مُلتبس ہوگئے ہیں؛ یا ان کی باہمی مشابہت کے سبب ہمیں اِلتباسِ ذہن و نظر ہوگیا ہے۔

تَشَابَهَتْ : متماثل ہونا؛ جذبات اور عصبیت و عقیدہ، سوچ سمجھ میں ایک جیسا ہونا۔ آیۂ جلیلہ ہے :

★ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ (البقرۃ ۲ : ۱۱۸) : اُن سے پہلے لوگ بھی ان جیسی باتیں کرتے تھے، (کیونکہ) اُن کے دل و دماغ (عصبیّت و عقیدہ اور تفکّر و تعقّل میں) ایک جیسے تھے۔

مُتَشَابِهَاتٌ : لُغوی و اصطلاحی معانی میں ذو معنی، یعنی مُتفاوت بھی اور متماثل بھی، اِس لیے باعثِ اِشتباہ بھی، جیسے جَنّٰتٌ (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

★ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ (آلِ عمران ۳ : ۷) : وہی تو ہے (اے میرے نبیؐ!) جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل کی جس میں ایسی آیات ہیں جو یک معنٰی ہیں اور جن کی معنویت معروف و واضح اور ناقابلِ تغیّر و تبدّل ہے اور وہ کتاب کی اصل و اساس ہیں۔ اور دوسری وہ آیات ہیں جو لُغوی و اصطلاحی معنی میں جُداگانہ بھی ہیں اور متماثل بھی۔ اِس لیے قابلِ اشتباہ ہیں (یعنی ان کے اِدراکِ معنی میں ذہنی اِلتباس پیدا ہوسکتا ہے)۔

مُتَشَابِهَات کی ایک احسن مثال جَنّٰت کی ہے۔ جنّت کو قُرآنِ مجید لُغوی معنے (باغ یا بُستان) میں بھی استعمال کرتا ہے اور اصطلاحی معنی بہشت میں بھی۔ اکثر مترجمین اور مفسّرین نے خاص طور پر اس آیت

Marfat.com

★ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرۃ ۲ : ۳۵) میں جنّت سے مراد بہشت لی ہے ، حالانکہ اس کا مطلب باغ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خود قرآن مجید نے صراحت کر دی ہے کہ کسی متنفّس کو معلوم ہی نہیں کہ اُن کے لیے کیسا بہشتِ قُرَّۃُ العین چُھپا کر رکھا ہوا ہے (السجدۃ ۳۲ : ۱۷) ، اور احادیثِ طیّبہ میں ہے کہ کسی آنکھ نے نہ جنّتِ سماوی دیکھی ہے نہ کوئی قلب اس کا تصوّر ہی کر سکتا ہے (بخاری و مُسلم ، المشکوٰۃ ح ۵۳۷۰) - مُتشابہات کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے کلیدِ لُغاتِ قرآن سے رجوع کرنا چاہیے -

شُبْهَةٌ : شک ، تذبذب ، اِلتباس ، اِبہام (صحاح ، قاموس) ، انگریزی میں Confusedness یا dubiousness - جمع شُبَهٌ (تاج) ؛ اور شُبُهَاتٌ اور شُبَهَاتٌ اور شُبْهَاتٌ - اس سے یہ محاورہ ہے : اَصْحَابُ الشُّبُهَاتِ : تشکیک پسند ، مُتشکّک - لَيْسَ فِيْهِ شُبْهَةٌ : اس میں کوئی شک و شُبہ نہیں (مصباح ، بذیل مادہ شوب) -

تَشَابُهٌ کے معنی ہیں : مساوی یا یکساں ہونا ؛ مترادف اِسْتِوَاءٌ (تاج) - تَشَابَهَا : وہ ایک دوسرے کے متماثل یا ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے (المقدّمۃ الأدب) -

زوج

زَوَّجَ شَيْئًا بِشَيْءٍ ، اور زَوَّجَهُ اِلَيْهِ (مصدر تَزْوِيْجٌ) : اُس نے اس چیز کو فلاں چیز کے ساتھ ملا دیا ، جوڑ دیا ؛ اُسے اس کے ساتھ رفیق یا رفیقۂ حیات کے طور پر ملا دیا (تاج) - انگریزی میں

He coupled, or paired, a thing with a thing; united it to it as its fellow, or like.

(لین) -

اَلزَّوْجُ : جن حیوانات میں نر اور مادہ پائے جاتے ہیں ، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج کہلاتا ہے ؛ یعنی نر اور مادہ دونوں میں سے ہر ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے (المفردات) -

اُبُو عبیدہ ، ابن فارس اور ازہری کا بھی یہی قول ہے کہ زوج ایک فرد کو کہا جاتا ہے - ابن الانباری کہتے ہیں کہ زوج کا معنی جُفت لینا غلط العوام سے ہے ، ورنہ خالص اہلِ عرب کے نزدیک زوج ایک ہی فرد کو کہتے ہیں (مُحمّد عبدہٗ الفلّاح ، مترجم مفردات القرآن ، لاہور ، بذیل مادہ ، حواشی صفحہ ۳۹۲) - راغب اصفہانی مزید لکھتے ہیں : حیوانات کے علاوہ دوسری اشیاء میں سے جُفت کو زَوْجٌ کہا جاتا ہے ، جیسے موزے اور

Marfat.com

جُوتے وغیرہ - پھر ہر چیز جو دوسری کی مماثل یا مقابل ہونے کی حیثیت سے اس کی قرین ہو، اس کا زوج کہلاتی ہے (المفردات) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿ (القیٰمۃ ۷۵ : ۳۹) : پھر اس میں سے دو اصناف بنائیں : نر اور مادہ یا مرد اور عورت -

زَوْجٌ کی جمع اَزْوَاجٌ آتی ہے - قرآنِ مجید میں ہے :

★ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ (یٰس ۳۶ : ۵۶) : وہ اور ان کی بیویاں (WIVES) - بعض نے بیویوں کے بجائے رُفقاء لکھا ہے (مفردات)، مگر قرآنِ مجید کا اُسلوبِ بیان صاف بتاتا ہے کہ یہاں اَزْوَاج سے مراد بیویاں ہیں - اس موقف کی تائید اِس آیۂ جمیلہ سے بھی ہوتی ہے :

★ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿ (الدّخان ۴۴ : ۵۴؛ الطّور ۵۲ : ۲۰) :

اور ہم خُوبرو غزال چشم اصنافِ جمیلہ کو اُن کی زوجیت میں دے دیں گے -

بعض ائمۂ لُغت نے لکھا ہے کہ اس کے معنی تَزْوِیج (شادی بیاہ) نہیں، کیونکہ جنّت میں شادی یا اِزدواجی زندگی نہیں ہوگی (القاسمی، تاج، المفردات) - کیوں نہیں ہوگی؟ اس کی کوئی منطقی دلیل نہیں دی - راغب اصفہانیؒ نے نحوی دلیل دی ہے جو درست نہیں اور ان کی اعراب کے محاورے سے عدمِ واقفیت پر دلالت کرتی ہے - وہ لکھتے ہیں زیرِ نظر آیۂ جمیلہ میں "زَوَّجْنَا" کے معنی باہم رفیق یا ساتھی بنا دینا ہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں بھی حُور کے ساتھ اِس فعل (زَوَّجْنَا) کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے بعد باء (= ب) لائی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حُوروں کے ساتھ محض رفاقت ہوگی، جنسی میل جول اور اِزدواجی تعلقات نہیں ہوں گے، کیونکہ اگر یہ مفہوم مراد ہوتا تو قرآن "بِحُوْرٍ" کے بجائے زَوَّجْنٰهُمْ حُوْرًا کہتا جیسا کہ زَوَّجْتُهٗ امْرَءَةً کا محاورہ ہے، یعنی میں نے اس عورت سے اس کا نکاح کر دیا (المفردات) لیکن بِامْرَأَةٍ بھی آتا ہے، یعنی باء کے ساتھ بھی (اساس، قاموس) - یہ قبیلہ ازدِ شنُوءَہ کی بولی ہے (صحاح، مغرب، تاج، مصباح) - جنّت میں حُوریں بھی مَردوں کو ان کی منکوحہ بنا کر دی جائیں گی، نیز ان کے ساتھ ان کی پہلی منکوحہ بیویاں بھی جنّت میں جائیں گی (الزّخرف ۴۳ : ۷۰) - ظاہر ہے جنّت کی حُوریں اور دُنیا کی اصنافِ جمیلہ مَردوں کو ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے دی جائیں گی کہ قُدرت کے قانون کے مطابق ان کے بغیر تسکینِ قلب و جاں نہ یہاں ہو سکتی ہے اور نہ وہاں ہوگی (الرّوم ۳۰ : ۲۱) - اس موقف کی تائید میں چند احادیثِ طیّبہ کا مُلخص پیش کیا جاتا ہے :

★ فَقَالَ اِنْ يُدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَ لَذَّتْ عَيْنُكَ (ترمذی،

Marfat.com

المشکوٰۃ، بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ، ح ۵۲۹۹): نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تجھے بہشت میں داخل کرے گا تو تجھے ہر وہ شے ملے گی جس کی خواہش تیرا نفس کرے گا اور تیری آنکھیں پسند کریں گی۔

نفس کی معروضاتِ خواہش کیا ہوتی ہیں؟ یا نفسانی خواہشات کیا ہوتی ہیں؟ ہر شخص جانتا ہے۔

★ ادنیٰ درجے کے جنّتی کو ستر بیویاں (سَبْعُوْنَ زَوْجَةً) ملیں گی (روایت ابی سعیدؓ، المشکوٰۃ، ۵۴۰۵)۔

★ ایک حدیث میں ہے کہ ہر مرد کو دو بیویاں ملیں گی (وہی راوی، المشکوٰۃ، ح ۵۳۹۲)۔

★ ایک حدیث میں ازواج کے بجائے اہل کا لفظ آیا ہے: فَيَرْجِعُوْنَ إِلٰى اَهْلِيْهِمْ: جب اہلِ جنت اپنی بیویوں کے پاس واپس آئیں گے۔ فَيَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُوْهُمْ: تو اُن کی بیویاں ان سے کہیں گی (راوی حضرت انسؓ، مسلم در المشکوٰۃ، ح ۵۳۷۶)۔

لفظِ اہل یہاں صاف بیوی کے معنے میں آیا ہے۔ اس سے رفیق یا ساتھی مراد لینا غلط ہے۔

جنّت میں ہر تمنا پوری ہوگی۔ پھر نفس کی جنسی لذّت کی تمنا کیوں پوری نہیں ہوگی۔ نفس جب پھلوں، شراب، گوشت اور دیگر نعمتوں کی خواہش کرے گا تو پھر حُوروں سے جنسی لذّت حاصل کرنے کی خواہش کیوں نہیں کرے گا؟ وہ کرے گا اور وہ پوری ہوگی۔

★ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کم درجے کے شخص کا بھی جنت میں یہ مرتبہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى..... تمنا کرو۔ وہ شخص اپنی تمنائیں بیان کرنے لگے گا۔ اس کی سب تمناؤں کو پورا کر دیا جائے گا ـــ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ سب چیزیں جن کی تُو نے تمنا کی اتنی ہی تجھے مزید دی جاتی ہیں (مُسلم، المشکوٰۃ، ح ۵۳۸۴)۔

اب رہا جنسی عمل یا جماع کا سوال؛ یعنی یہ سوال کہ جنت میں حُوریں یا دوسری اصنافِ جمیلہ اپنے شوہروں کی معروضاتِ جنس (Objects of sex) ہوں گی یا نہیں؟ اور وہ وظیفۂ زوجیت ادا کریں گے یا نہیں تو اس کا جواب اِثبات میں ہے؛ اور ثبوت میں یہ حدیثِ طیّبہ پیش کی جاتی ہے جو حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

★ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةَ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْجِمَاعِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ يُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ يُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةٍ (ترمذی، المشکوٰۃ، ح ۵۳۹۳):

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے: جنت میں مؤمن کو جماع کی

Marfat.com

اتنی قوّت عطا کی جائے گی (یعنی مثلاً دس عورتوں سے جماع کرنے سے متعلق پوچھا گیا) یا رسول اللہؐ! کیا مرد کو اتنی عورتوں سے جماع کرنے کی قوّت ہوگی؟ فرمایا: جب مرد کو سو مردوں کے برابر قوّت دی جائے گی، تو پھر وہ کیوں اتنی عورتوں سے جماع کی قوّت نہ رکھ سکے گا؟

ان مباحث سے ثابت ہوا کہ جنّت میں حُوریں مَردوں سے بیاہی جائیں گی اور وہ ان کی بیویاں ہوں گی اور دونوں جنسی عمل سے جنسی لذّت حاصل کریں گے۔ جہاں تک مادّۂ منویّہ کے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب اِس حدیث میں مُضمر ہے:

★ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اہلِ جنّت؛ جنّت میں کھائیں گے اور پیئیں گے، لیکن وہ نہ تھوکیں گے، نہ بول و براز ہی کریں گے اور نہ ناک ہی سنکیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: کھانے کا فُضلہ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: (خوشبودار) ڈکار ہوجائے گا، اور پسینہ بُوئے مُشک ہوگا، اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا اہلِ جنّت کے دلوں میں ڈال دیا جائے گا اور وہ سانس کی طرح ان کی زبانوں پر رواں رہے گا (مُسلم، المشکوٰۃ، ح ۵۳۲۸)۔

کیا اس سے یہ استنباط نہیں کرسکتے کہ مادّہ منویّہ جو جنسی عمل سے خارج ہوگا، مغربی لونڈر (Lavender، ہوا میں تحلیل ہوجانے والی خوشبو) کی طرح مشامِ جاں کو معطّر کرکے ہوا میں تحلیل ہوجائے گا۔ وہ معطّر و مطہّر اور اُڑ جانے والا ہوگا۔

تَزْوِیْجٌ کے معنی ہیں زَوْجٌ بنانا، اور زَوْجٌ ہر چیز کی قسم، نوع اور صِنف (species) کو کہتے ہیں (محیط، تاج)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ اَوْیُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ۭ (الشّورٰی ۴۲: ۵۰): یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ (Barren) کر دیتا ہے۔

تَزَوَّجَ اِمْرَاَۃً اَوْ بِاِمْرَاَۃٍ: نکاح کرنا یا شادی بیاہ کرنا۔ فِیْ قَوْمٍ: کسی قوم میں نکاح کرنا (مصباح)۔

اَلزَّوْجُ: شوہر، بیوی، ساتھی یا جوڑا۔ ہر چیز کی قسم، نوع، صِنف، جمع اَزْوَاجٌ و زَوْجَۃٌ اور جمع الجمع اَزَاوِیْجُ۔ زَوْجَۃٌ: بیوی۔ اَلزَّوَاجُ: شادی بیاہ (اساس، قاموس)۔ زَوْجَانِ کے معنی ہیں، جوڑا (Pair) یا جنت۔ ایک جیسی یا مختلف قسم کی چیزوں کا جوڑا یا ملاپ۔ زَوْجٌ: ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز (تہذیب، تاج)۔

زَوَّجَہُ اِمْرَاَۃً وَ بِاِمْرَاَۃٍ اَوْ لِاِمْرَاَۃٍ: کسی کا نکاح کرانا۔

Marfat.com

اِزْدَوَجَتِ الطَّیْرُ : پرندوں نے جُفتی کھائی (تاج) ۔
زَوْجَانِ مِنْ حَمَامٍ اور زَوْجَا حَمَامٍ : کبوتروں کا جوڑا ۔ زَوْجَا نِعَالٍ : جُوتوں کا جوڑا (صحاح، اساس) ۔
اعراب بولتے ہیں : زَوْجٌ او فَرْدٌ : جُفت یا طاق (صحاح، مُغرب) ۔
مِزْوَاجٌ : اکثر شادی کرنے والی عورت یا جس نے بہت شوہر کیے ہوں (قاموس، صحاح) ۔

ط ھ ر (طہر)

طَہَرَ اور طَہُرَ (مضارع، مصدر طَہَارَۃٌ اور طُہْرٌ) : وہ گرد و غبار یا غلاظت سے صاف یا پاک ہوگیا (صحاح، مصباح، قاموس) ۔ طَہَارَۃٌ دو قسم کی ہے : لُغوی طور پر جسمانی (Corporeal) اور مجازاً قلبی، معنوی یا رُوحانی (Spiritual) (تاج) ۔ طَہَرَتْ یا طَہُرَتْ مِنَ الْحَیْضِ (مُحکم، مُغرب، قاموس) : وہ حیض (Menstrual discharge) سے پاک ہوگئی ؛ اس کے حیض کا خون بند ہوگیا ۔

قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ (البقرۃ ۲ : ۲۲۲) : اور جب تک وہ یعنی عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو ۔

اس کا مطلب ہے عورتیں جب تک حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کرلیں، اس وقت تک ان سے مقاربت جائز نہیں ہے ۔

★ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا (المائدۃ ۵ : ۶) : اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو پانی سے نہا کر پاک ہو جایا کرو ۔

★ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۲۲۲) : بلاشُبہ اللّٰہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا اور پاک و پاکباز رہنے والوں سے محبت کرتا ہے ۔

اس آیۂ جمیلہ میں مُتَطَھِّرِیْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو جسم و لباس کے لحاظ سے صاف ستھرے اور پاکیزہ رہتے ہیں، نیز ان کا کردار اور دل و دماغ اور گوش و نظر بھی پاک ہوتے ہیں ۔ اللّٰہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اس لیے اُن سے محبت کرتا ہے کہ وہ پاکباز رہنے کو پسند کرتے ہیں :

★ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا (التوبۃ ۹ : ۱۰۸) : اس میں ایسے لوگ ہیں جو ظاہری و

Marfat.com

باطنی لحاظ سے پاک اور پاکباز رہنا پسند کرتے ہیں یا ایسا رہنے کی طلب و جستجو رکھتے ہیں۔

★ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (آلِ عمران ۳ : ۵۵) : اور تمہیں کافروں کی صحبت اور الزامات سے بری کر دوں گا اور تمہارا انکار کرنے والوں (کی صحبت و رفاقت کے قبیح اثرات اور اُن کے جحود و انکار اور الزام و افتراء کی آلودگیوں) سے تمہیں پاک کر دوں گا۔

اس آیۂ فکر انگیز میں یہ ازبس اہم نکتہ مُضمر ہے کہ گندے معاشرے اور ماحول کے اثرات بھی نجس ہوتے ہیں، اور اُن کو دُور کرنے اور اُن سے نجات پانے کی طلب و جستجو رکھنے والوں کو مُطَهِّرِين کہتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔

انہیں معانی میں یہ آیۂ جمیلہ نازل ہوئی تھی :

★ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

(الاحزاب ۳۳ : ۳۳): اے نبیؐ کے اہلِ خانہ (یعنی بیویاں اور بچے)! اللہ چاہتا ہے کہ تُم سے نجاست دُور کر دے اور تمہیں پُوری طرح پاک وصاف کر دے۔

اس آیۂ جمیلہ میں تطہیر سے جسم و ماحول کی صفائی و پاکیزگی اور قلب یا دل و دماغ کا تزکیہ مُراد ہے۔

درج ذیل آیت بھی مؤخر الذکر معنے پر دلالت کرتی ہے :

★ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (المائدۃ ۵ : ۴۱) : یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب یعنی دل و دماغ کا تزکیہ کرنا مقصودِ الٰہی ہی نہیں (اس لیے کہ وہ لوگ خود آرزوئے تزکیہ نہیں رکھتے، اس کا نتیجہ ہے کہ) اس دُنیا میں بھی ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب (ان کا منتظر) ہے۔

اس کی تفسیر قرآنِ مجید نے خود ہی کر دی ہے :

★ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ (البقرۃ ۲ : ۲۳۲) : یہ تمہارے لیے زیادہ تزکیۂ (قلب) اور زیادہ پاکیزگی (دل و دماغ) کی بات ہے۔

لہٰذا مُطَهَّرُونَ کا لفظ ان وسیع معنوں پر دلالت کرتا ہے : قُرآنِ مجید سے متعلق ارشاد ہوا :

★ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (الواقعۃ ۵۶ : ۷۹) : اس سے رابطہ یا تمسّک صرف وہی لوگ قائم کرتے ہیں جن کے جسم و لباس اور دل و دماغ پاکیزہ ہوتے ہیں۔

راغب اصفہانیؒ اس آیہ کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں "اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قُرآنِ حکیم کے حقائق کی معرفت اُنھیں لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جو اپنے نفوس کو آلودگیوں سے پاک وصاف رکھتے ہیں اور دل و

Marfat.com

دماغ کو ہر قسم کی آلائش سے محفوظ رکھتے ہیں (المفردات، تاج) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (البقرۃ ۲ : ۲۵) : اور اس (جنت) میں ان کے لیے صاف ستھری اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی -

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ یہاں مُطَهَّرَةٌ کے معنی ہیں کہ وہ ہر قسم کی دُنیوی کثافتوں اور نجاستوں (یعنی حیض، نفاس وغیرہ) سے پاک ہوں گی ؛ اور بعض نے کہا ہے کہ اخلاقِ رذیلہ سے پاکیزہ ہونا مُراد ہے (المفردات) - میرے نزدیک جنت کی جمالیاتی اور موت نا آشنا حیاتیاتی اقتدار کی بناء پر مُطَهَّرَةٌ کے معانی ہوں گے کہ وہ اصنافِ جمیلہ جمالیاتی ذوق رکھتی ہوں گی، جو نہایت لطیف اور ارفع و اعلیٰ ہوگا، اس لیے اُن کے نہ صرف تن بدن بلکہ دل و دماغ بھی حسین و پاکیزہ ہوں گے، نتیجۃً وہ خوش خُلق، خوش گفتار، خوش خصائل، خوش فکر اور خوش نظر ہوں گی -

قرآنِ مجید کی ایک صفت یہ آئی ہے کہ وہ

★ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ (عبس ۸۰ : ۱۳-۱۴) : وہ قابلِ احترام و تکریم اوراق میں (محفوظ ہے) جو ارفع و اعلیٰ (Exalted) اور ہر نقص و عیب اور اختلاف و تضاد سے منزّہ و پاک ہیں -

★ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۷۴ : ۴) : اور اپنا لباس یا دامن پاک و صاف رکھیں -

رَجُلٌ طَاهِرُ الثِّيَابِ : اہلِ عرب کے محاورے میں اُس شخص کو کہتے ہیں جس کا دامن پاک ہو اور وہ شخص جو پاک و صاف رہتا ہو اُسے رَجُلٌ طَاهِرَةٌ کہتے ہیں (اساس، تاج، العُباب) -

طَهُورٌ (مصدر)، نیز طَهُورٌ : ایسی چیز (جیسے پانی) جس کے ساتھ کوئی شخص کوئی شے پاک و صاف کرتا ہے (تاج، صحاح، مُغرب، قاموس) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُورًا ۝ لِّنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا (الفرقان ۲۵ : ۴۸-۴۹) : اور ہم آسمان یا بلندی سے پاک اور پاک کرنے والا (Pure and purifying) پانی برساتے ہیں تاکہ اس سے مُردہ زمین کو زندہ کر دیں -

اس آیۂ جمیلہ میں طَهُورًا مصدر اور اسم صفت کے طور پر آیا ہے - چنانچہ مَآءً طَهُورًا کے معانی ہیں : پاک و صاف اور پاک و صاف کرنے والا، نیز حیات بخش و تشنگی رُبا و تسکین آفریں پانی - یہ ترکیب اعجازاتِ قرآن میں سے ہے - انہیں معانی میں "شَرَابًا طَهُورًا" کی اصطلاح آئی ہے :

★ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ (الدھر ۷۶ : ۲۱) : ان کا ربّ ان کو مصفّا و پاکیزہ اور

Marfat.com

پاک وصاف کرنے والا، نیز تسکین انگیز و جانفزا شربت پلائے گا۔
قریب قریب یہی معانی ہیں اس محاورے کے : اَلتَّوْبَۃُ طَھُوْرُ الْمُذْنِبِ : توبہ گناہگار کو اس کے گناہوں کے اثرات سے پاک وصاف کرنے اور اس کا احیاء کرنے والی ہے (اساس، کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

خ ل د (خلد)

خَلَدَ (مضارع، خُلُوْدٌ مصدر، بعض نے خُلْدٌ کو بھی مصدر لکھا ہے لیکن یہ مصدر نہیں، شاید اسم ہے۔ صحاح، اساس، لِسان، مُحکم)، اس کے معنی ہیں : وہ ٹھیرا، رہا، اُس نے قیام کیا یا سکونت اختیار کی : اس کا مترادف ہے أَقَامَ (لِسان، مصباح، قاموس) : اُس نے عرصۂ دراز تک سکونت اختیار کی : مترادف اَطَالَ الْاِقَامَۃَ : (اساس) بِمَکَانٍ اور اِلٰی مَکَانٍ (کسی جگہ) ؛ نیز اَخْلَدَ اور خَلَّدَ (قاموس، صحاح، اساس، لِسان) : وہ مُستقل طور پر، مسلسل، متواتر، علی الدوام یا ہمیشہ کے لیے رہا۔ مترادف بَقِیَ اور دَامَ یا دَامَ بَقَاؤُہٗ (لِسان، اساس، صحاح) فِیْ دَارٍ : وہ گھر یا کسی جگہ میں ہمیشہ رہا، اُسے چھوڑ کر نہ گیا : وہ جنت میں ہمیشہ کے لیے یا مُستقل طور پر رہا یا جہنم میں (لِسان، اساس)۔
اَلْخُلُوْدُ کے معنی کسی چیز کے فساد کے عارضہ سے بچنے اور اپنی اصلی حالت پر قائم رہنے کے ہیں ؛ اور جب کسی چیز میں عرصۂ دراز تک تغیر و فساد نہ ہو تو اہلِ عرب اسے خُلُود کے ساتھ مُتّصف کر دیتے ہیں۔ مثلاً اعراب چولھے کے ان تین پتھروں کو جن پر وہ دیگ چڑھاتے ہیں، "خَوَالِد" کہتے ہیں، کیونکہ وہ دیر تک ایک جگہ پڑے رہتے ہیں، اس لیے نہیں کہ ان کو بقائے دوام حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے : خَلَدَ یَخْلُدُ خُلُوْدًا : عرصۂ دراز تک رہنا (المفردات)۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ○ (الشعراء ۲۶ : ۱۲۹) : اور مضبوط قصر بناتے ہو گویا تُم اس میں ہمیشہ رہو گے یا ان میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔

خَلَدٌ : اِنسان کے اس عضو یا حصے کو کہتے ہیں جو عمر بھر ایک حالت پر قائم رہتا ہے اور دوسرے اعضاء کی طرح اس میں تغیّر نہیں ہوتا (المفردات) اَخْلَدَ : درازیِ عُمر کے باوصف اس کے بال سفید ہوئے نہ اس پر بڑھاپا آیا، گویا وہ ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا ہوا تھا (حماسہ، ص۔۷؛ لِسان، قاموس)۔ ایسے شخص کو مُخَلَّدٌ کہا جاتا ہے (المفردات)۔
اَخْلَدَہٗ (مصدر اِخْلَادٌ) اور خَلَّدَہٗ (مصدر تَخْلِیْدٌ) : اُس (اللہ) نے اسے کسی جگہ

Marfat.com

گھر یا مکان میں ٹھہرایا، رہنے دیا یا سکونت اختیار کرنے دی (لسان، صحاح) ؛ اُسے عرصۂ دراز تک ایسا کرنے دیا (اساس)، یا اُسے کسی گھر یا مکان میں مسلسل، متواتر، علی الدوام یا ہمیشہ کے لیے رہنے، ٹھہرنے یا سکونت کرنے دیا، یا جنّت یا دوزخ میں ہمیشہ کے لیے یا ابدالآباد تک رہنے دیا (اساس، لسان) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ○ (الھُمزۃ ۱۰۴ : ۳) : وہ خیال کرتا ہے کہ اس کی دولت اُسے ایسا بنا دے گی کہ وہ ہمیشہ رہے گا، مرے گا نہیں (جلالین) ؛ یعنی اس کا طرزِ عمل اس شخص ایسا ہے جو سمجھتا ہے کہ وہ اپنے مال ومنال کے ساتھ کبھی نہیں مرے گا (لسان) -

اَخْلَدَ اِلَیْهِ : وہ اس کی طرف مائل یا اس کا گرویدہ ہوا (لسان، قاموس، تاج) اور اُسے پسند کیا : وہ اس کی طرف مائل ہوا اور اس پر اعتماد کیا (صحاح، مصباح، اساس) - خَلَدَ کے بھی یہی معنی ہیں (مصباح) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف ۷ : ۱۷۶) : اور ہم تو اُسے ان آیات کے ذریعے رفعت بخشنا چاہتے تھے، مگر وہ زمین کی طرف جھک کر رہ گیا یا پستی کی طرف مائل ہوگیا (کلید) ؛ وہ زمین کی طرف مائل ہوا اور اس پر انحصار کیا (صحاح، اساس) ؛ وہ دُنیا پر مائل اور اس کا گرویدہ ہوگیا (بیضاوی، جلالین) ؛ اور اس پر اُس نے اعتماد کیا (جلالین) ؛ یا وہ پستی، ذلّت، کمینگی کی طرف مائل یا اس کا گرویدہ ہوگیا (بیضاوی) -

دَارُ الْخُلْدِ : بقائے دوام کی حالت کی سکونت (Abode)، جنّت یا جنّات (قاموس، تاج) -

مُخَلَّدُوْنَ کے معنی ہیں : سدا ایک ہی عمر کے ؛ جن کی عمر میں کوئی فرق نہ پڑے (الفرّاء)، یا توانائیِ مدام سے فیضیاب ؛ جو کبھی فرتوت و کمزور نہیں ہوتے (قاموس) ؛ یا جو سدا خدمت کرنے کی حالت میں رہتے ہیں، اس سے نہیں بڑھتے (لسان، قاموس) یا اس کے معنی ہیں : کانوں کی بالیوں سے آراستہ (لسان، قاموس) ؛ یا کنگنوں سے (ابو عُبیدہ، لسان، قاموس) ؛ یمنی بولی میں : یا زیورات سے مزیّن (الزجاج) - چنانچہ آیت

★ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (الواقعہ ۵۶ : ۱۷ ؛ الدّھر ۷۶ : ۱۹) : (عُمر، قدوقامت اور جمال ودلکشی میں ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنے والے لڑکے) انہیں معانی پر دلالت کرتی ہے -

جنّت میں خلود کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تمام چیزیں اپنی اپنی اصل حالت پر قائم رہیں گی اور ان میں تغیّر پیدا نہیں ہوگا - قرآنِ مجید میں ہے :

★ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (ھُود ۱۱ : ۲۳) : وہ تو اہلِ جنّت ہیں، یقیناً

Marfat.com

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

★ أُولَٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ○ (البقرۃ ۲ : ۳۹) : وہ تو جہنمی ہیں، اس میں یقیناً ہمیشہ رہیں گے۔

★ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (النسآء ۴ : ۹۳) : اور جو شخص کسی مؤمن کو ارادی طور پر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ **صُوری و معنوی حُسن :** خوبصورتی کو صُوری حُسن، اور حُسنِ سیرت کو معنوی حُسن کہتے ہیں۔ علاوہ بریں، معروضی حُسن (Objective beauty) سے مُراد خارجی حُسن ہے، جو حیات و کائنات میں اپنی نمود رکھتا ہے۔ لیکن جو حُسن اِنسان کی فکر و نظر، نظریات و مُعتقدات، خُلق و سرشت اور اعمال و کردار میں پایا جائے اُسے معنوی یا موضوعی حُسن (Subjective beauty) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ماورائی حُسن کو بھی معنوی حُسن کہہ سکتے ہیں۔ نُورِ ذاتِ اِنسانی کو بھی معنوی حُسن سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں حُسنِ حقیقی بھی معنوی حُسن کہلاتا ہے۔

۲۔ **جمالیاتی - جنسی ذوق :** خوبصورتی اور جاذبۂ جنسی کے ذوق کے لیے ہم نے جمالیاتی - جنسی ذوق کی تعبیر اختیار کی ہے۔ انگریزی میں اسے Aesthetic-sex taste کہہ سکتے ہیں۔

صنفِ جمیلہ کو بیک وقت معروضِ حُسن و جنس (Object of beauty and sex) سمجھنے اور جمالیاتی - جنسی حظ اُٹھانے کے جذبے کو جمالیاتی - جنسی ذوق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

۲۶- إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا
فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ
بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾
۲۷- الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ
يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۲۷﴾

۲۶- ترجمہ

یقیناً اللہ مثال کے ذریعے سمجھائے بغیر نہیں رہے گا، چاہے وہ مچھّر یا پسّو کی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز کی۔ چنانچہ جو لوگ قرآن کو تسلیم بالیقین کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے ربّ نے جو مثال دی ہے، حق ہے۔ اور (بخلاف اس کے) جن لوگوں نے انکار کی روش اختیار کر رکھی ہے وہ (طنزاً) کہتے ہیں کہ اِس مثال سے اللہ چاہتا کیا ہے؟ وہ اس سے (اپنے قانونِ آرزو کے مطابق) بہتوں کو گمراہ رہنے دیتا ہے اور بہتوں کو صراطِ مستقیم کی طرف لے جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ وہ اس سے فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہی میں بھٹکنے نہیں دیتا۔

تفسیری ترجمہ

(تمثیل وکنایہ میں بات کر کے سمجھانا سُنّتِ اِلٰہی رہی ہے اور اس کی سُنّت غیر مُبدّل ہے، اِس بناء پر وُہ کہتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمثیلی انداز کو ترک نہیں کرے گا بلکہ وہ مثال ہی کے ذریعے لوگوں کو سمجھائے گا چاہے مثال مچھّر، پسّو کی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز کی۔ چنانچہ جو لوگ قرآنِ حکیم (کے اُسلوب کو جانتے اور اس کے احکام وتعلیمات) کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں، اُنھیں علم ہے کہ اُن کے پروردگار ومالک نے جو مثال دی ہے وہ ایسی ویسی نہیں بلکہ بامقصد، حکیمانہ اور نفع بخش ہے۔ لیکن بخلاف اس کے، جو لوگ قُرآنِ حکیم کو ربِّ علیم وحکیم کا حُسنِ کلامِ آخر نہیں مانتے (اور نہ اس کے تمثیلی اندازِ بیان سے آگہی ہی رکھتے ہیں) وہ (طنز و اِستہزاء کے انداز میں) کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ کو ایسی حقیر چیز کی مثال دینے کی پڑی کیا تھی؟ وہ اپنی اس مثال سے (اپنے قانونِ آرزو کے مطابق) بہتوں کو گُمراہ رہنے دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست پر لے آتا ہے جو اہلِ آرزو و

Marfat.com

خشیت ہوتے ہیں، یہ اصلِ عظیم یاد رکھنے کی ہے کہ وہ اس تمثیل سے صرف ان لوگوں کو گمراہی میں سرگرداں رہنے دیتا ہے جو اس کی نافرمانی اور عہد شکنی کرنے والے ہوتے ہیں۔

۲۷- ترجمہ

فاسق لوگ وہ ہیں جو اللہ سے عہد و پیمان (Covenant) کو پختہ کرکے توڑ دیتے ہیں اور اُن (معاہدوں اور رشتوں) کو منقطع کر دیتے ہیں جن کو اُستوار رکھنے کا اللہ نے قطعی حکم دیا ہے، اور اس طرح دُنیا یا ملک میں بدنظمی و برہمی پیدا کرتے ہیں۔ یہی لوگ (دنیا اور آخرت میں حیاتِ طیّبہ و حسنہ اور جنّت سے محروم ہو کر) گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

تفسیری ترجمہ

فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ وہ اُسے اور صرف اُسے ہی اپنا الٰہ و ربّ سمجھتے ہیں اور صرف اُسی کے احکام و تعلیمات کے مطابق کُل زندگی کریں گے، اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں تو اس میں اپنے اس عہد کو دُہرا دُہرا کر مضبوط کرتے رہتے ہیں، لیکن عملی زندگی میں وہ اسے فراموش کر دیتے ہیں، اور اس طرح عہد شکنی کرکے اپنے اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں؛ نیز ان رشتوں اور معاہدات وغیرہ کو توڑنا ان کا شعارِ زندگی ہوتا ہے جن کو اُستوار رکھنا اُن کے ربّ نے اُن پر لازم کر رکھا ہے۔ علاوہ بریں، وہ اپنے گھر، خاندان، معاشرے، مُلک یا دُنیا میں فتنہ و انتشار اور خرابی و برہمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہی لوگ ہیں جو اپنی کُل زندگی کی جمالیاتی ثروت کو ضائع و برباد کرنے والے ہیں؛ لہٰذا دُنیا اور آخرت دونوں میں گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

تفسیر

۲۶- اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو علم و حکمت کی باتیں سکھانے اور اُنھیں ان میں غور و فکر کرنے یا خوگر بنانے کی خاطر ربِّ علیم و حکیم کی اِبتداء ہی سے یہ حکیمانہ سُنّتِ حسنہ رہی ہے کہ وہ تمثیل و تشبیہ اور اِستعارہ و کنایہ کا جہاں مناسب سمجھتا تھا، اِستعمال کرتا تھا۔ اس پر اس کی کتابیں شاہد ہیں۔ مثال کے طور پر، چند ایک کتابوں کی نشاندہی کر دی جاتی ہے:

زبور (Psalms) - اَمثال (Proverbs) — واعظ (Ecclesiasters) — غزل الغزلات (The song of songs)، اور انجیل (جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر کتاب کی صُورت میں

Marfat.com

نازل ہوئی تھی، لیکن زمانے کی دستبُرد سے وہ محفوظ نہ رہی تو زمانہ مابعد میں متی (Mathew)، مرقس (Mark)، لُوقا (Luke) اور یُوحنا (John) نے لوگوں سے سُن سُنا کر اپنی اپنی اِنجیل تالیف کر دی اور وہ اب چار ہیں، لیکن ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کی بھی اناجیل ہیں، جن کو کلیسا نے متروک کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک برنباس کی انجیل ہے جو صحت کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے)۔

چنانچہ اپنی اِس حکیمانہ سُنّت کے مطابق (کہ اس کی سُنّت غیر مبدّل ہے : فاطر ۳۵: ۴۳)، وہ اپنے حُسنِ کلام آخر میں بھی جب اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے، تمثیلی انداز اِختیار کرتا ہے، جیساکہ اُس نے زیرِ تفسیر آیۂ فکر انگیز میں کیا ہے۔ بنی نوعِ اِنسان کو حقائق سے آگاہ کرنے اور انھیں تفکّر بالحق کا عادی بنانے کی خاطر وہ برملا کہتا ہے کہ مچھر یا پسّو (Mosquito or gnat) کی مثال کیا؛ وہ اس سے بھی کمتر چیز کی مثال دے سکتا ہے کہ یہ اس کی غیر مبدّل و حکیمانہ سُنّت ہے؛ اور اس سے وہ لوگ آگہی رکھتے ہیں جو قُرآنِ حکیم کے احکام و تعلیمات کو تسلیم بالیقین کرتے اور اس کے مخلص تلامیذ ہیں۔ وہ اِس کا علم الیقین رکھتے ہیں کہ یہ مثال جو اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے دی ہے حق، یعنی مقصدیّت، افادیّت اور حکمت کی حامل ہے۔ بخلاف اس کے، جو لوگ قُرآنِ حکیم کی حقانیّت کو نہیں مانتے، نتیجۃً اُس کے تمثیلی اُسلوبِ بیاں کو بھی نہیں جانتے، وہ اپنے ظُلم و جہل کے باعث طنز و اِستہزاء کے انداز میں کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ مثال دی ہے، اس میں تک کیا ہے؟ عقل ٹیڑھی ہو جائے تو اُسے ہر سیدھی بات اور بامقصد بات بھی ٹیڑھی اور بے مقصد لگتی ہے۔

یہاں تسلسلِ مضمون اِنتہائی بصیرت افروز ''اِستقرائی کروٹ'' بدلتا ہے۔ ربِّ رحمٰن ہمیں اپنے قانونِ آرزو و مُجازات سے آگاہ کرتا ہے کہ بہت سے لوگ جن میں تقوٰی یا آرزوئے ہدایت نہیں ہوتی، وہ اِس تمثیل یا قُرآنِ مجید (اگر ''بِہٖ'' کی ضمیر کو الکتاب کی طرف مانا جائے، جو بعید ہونے کے باوصف قرینِ قیاس اور دل لگتی ہے) کو نشانۂ تضحیک بنانے کے نتیجے میں زندگی کی بھول بھلیّوں میں سرگرداں رہتے ہیں اور راہِ راست پا نہیں سکتے۔ لیکن جو اہلِ آرزو قُرآنِ مجید کے احکام و تعلیمات کو تسلیم بالیقین کرتے، اُس کے تمثیلی اندازِ بیاں سے آگہی اور آرزوئے ہدایت رکھتے ہیں، قُرآنِ مجید اُنھیں راہِ راست دکھاتا اور ان کو ثابت قدم رکھتا ہے، چاہے احوال و ظروف کتنے ہی صبر آزما و نامساعد کیوں نہ ہوں۔ ربِّ رحمٰن و حکیم ہمیں ہدایت و ضلالت کے اِس اصل الاُصول سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ ہدایت وہی پاتے ہیں جن کو اس کی آرزو ہوتی ہے اور جو قُرآنِ حکیم کے احکام و تعلیمات کے مطابق زندگی کرتے ہیں؛ جبکہ زندگی کی بھول بھلیّوں میں سرگرداں رہنے والے فاسق یا اللہ تعالیٰ کے عہد شکن و حدود شکن اور نافرمان و مُجرم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

۲۷- قرآنِ حکیم نے اپنی سُنّت کے مطابق فاسقوں کے تین اہم خصائل کی صراحت خود ہی کر دی ہے۔

اوّلاً: وہ پہلے کلمہ پڑھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا عہد و پیمان ہوتا ہے، جسے ایمان لانا کہتے ہیں۔ پھر وہ اس عہد کی رُو سے اسلامی معاشرے کا فرد بن کر اپنے آپ کو مؤمن سمجھتے اور کہلاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے عہد کو مضبوط کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفسیاتی سرطانی مرضِ نفاق کے سبب وہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی نہیں کرتے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ اِس عہد شکنی کی ایک بصیرت افروز مثال یہ ہے کہ وہ دینِ اِسلام میں پُورے طور پر داخل نہیں ہوتے؛ یعنی بعض احکامِ الٰہیہ پر عمل کرتے ہیں، بعض پر نہیں۔ مثلاً، وہ صلوٰۃ تو ادا کرتے ہیں مگر اس کے تقاضے پُورے نہیں کرتے۔ زکوٰۃ پوری دیتے ہیں نہ قرآن و سُنّۃ کے مطابق؛ نیز وہ العفو بھی نہیں دیتے۔ بُخل کرتے، سُود کھاتے، حرام خوری کرتے ہیں۔ باوجود اس کے، وہ حج اور عمرہ بھی کرتے اور روزے بھی رکھتے ہیں۔

عقل اور تقویٰ کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے نفس و کردار کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ کہیں عہد شکنی ہمارا شعارِ زندگی تو نہیں؟

ثانیاً: اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی عہد شکنی و نافرمانی کے نتیجے میں فاسق عاقبت نااندیش اور طبیعت کے چھوٹ ہو جاتے ہیں، اور اُن تمام رشتوں، رابطوں، وعدوں اور معاہدوں کو توڑنے میں عار محسوس نہیں کرتے جن کو اُستوار رکھنے کا اُس نے حتمی حکم دیا ہے۔ مثال کے طور پر، اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت اور اِنسان کی عبدیت و مربُوبیت کا رشتہ، وحدتِ دین کا رشتہ، دینی اُخوّت و محبت کا رشتہ، عائلی، خاندانی، عمرانی، قومی، ملی یا اِنسانی رشتہ؛ نیز معاشی / اِقتصادی، سیاسی، ثقافتی یا عسکری معاہدات؛ اور قسمیں، وعدے وغیرہ وغیرہ۔

ثالثاً: وہ دُنیا میں برہمی و اِنتشار اور خرابی پیدا کرتے، جنگ و جدال، فتنہ و فساد، رشوت ستانی، سُود خوری و سُود کاری، اِقتصادی بد دیانتی، سمگلنگ، تخریب کاری اور اِنسان کے بنیادی حقوق کو پامال کرتے اور اس طرح حیاتِ اِنسانی کا توازن بگاڑتے ہیں۔ تلمیحاتی انداز میں، وہ دُنیا یا اُس کے کسی حصّے میں فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری کرتے ہیں۔

اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ تنذیری انداز میں فرماتا ہے کہ یہ ہیں فاسق، جو بشری سرطان ہیں؛ اور اپنی زندگی کو جمالیاتی ثروت اور دُنیوی و اُخروی حسنہ، نیز اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کے قُرب و رضوان اور اس کے اِنعام و فضل سے محروم کرنے والے ہیں۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس سے بڑا نقصان اور بھی ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

کیا اِس سے بڑی محرومی اور بھی ہو سکتی ہے ؟ اگر نہیں ہو سکتی اور یقیناً نہیں ہو سکتی تو پھر ہمیں سوچنا اور معلوم کرنا چاہیے کہ کہیں ہم بھی مفسد، فاسق اور زیاں کار تو نہیں ؟

ہماری ہدایت، یعنی ہمارے معلوم کرنے کے لیے کہ ہم کُل زندگی کے لحاظ سے خسارے میں ہیں یا نفع میں ؟ ربِّ عاشق نے اپنی رحمت سے ہمیں سُورۂ عصر مرحمت فرمائی ہے جو اُس کا فطری، سچّا اور بے عدیل معیار ہے۔ اِس اُلُوہی معیار کی رُو سے اِس خسارے سے وہ لوگ بچتے ہیں جو مؤمن و صالح اور گرویدۂ حق اور صابر ہوتے ہیں ؛ نیز ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں (العصر ۱۰۳ : ۱-۳) - اگر ہم میں دُنیوی و اُخروی حسنہ کی سچّی آرزو، اس کی محرومی، خوف و حُزن اور جہنّم کی آتشِ کربناک کی خشیت ہے تو اِس معیار پر اپنی زندگی کو جانچنا اور گھاٹے کی صورت میں اس کا مداوا کرنا ہمارے لیے ناگزیر ہوا۔

خاسِرُون یا زیاں کار و اہلِ زیاں

ان فاسقوں کے علاوہ مندرجۂ ذیل زیاں کار بھی خسارے میں جانے یا دُنیوی و اُخروی حسنہ سے محروم رہنے والے (خاسِرُون) ہیں :

حزبِ شیطان :

★ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ .... اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

(المجادلة ۵۸ : ۱۸-۱۹) : یاد رکھو ! یہی لوگ غایت درجہ جُھوٹے اور حق کو جُھٹلانے والے ہیں -

(اِس کے سبب) شیطان نے ان پر غلبہ پالیا ہے، نتیجۃً اُس نے اللہ کی یاد سے انھیں فراموش کر دیا ہے - یہ شیطان کی جماعت ہے - یاد رکھو ! شیطان کی جماعت کے لوگ زیاں کار و اہلِ زیاں ہیں -

قُرآنِ حکیم کی تلاوت بالحق نہ کرنے والے : یعنی وہ لوگ جو قُرآنِ حکیم کو نہ تو سوچ سمجھ کر پڑھتے ہیں، اور نہ اس میں تفکّر بالحق ہی کرتے ہیں :

★ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۲۱) :

جن لوگوں کو ہم کتاب دیتے ہیں وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے (یعنی اللہ کی کتاب کو بلا ناغہ اور باقاعدہ سوچ سمجھ کر پڑھتے اور اس میں تفکّر بالحق کرتے ہیں، عمل کرنے کی خاطر) ؛ ایسے ہی لوگ اصل میں اُسے تسلیم بالیقین کرتے ہیں - لیکن جو ایسا نہیں کرتے، وہ

Marfat.com

اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں؛ لہٰذا وہی زیاں کار و اہلِ زیاں ہیں۔

یہ نصِّ قرآنی ہمارے لیے آئینۂ عبرت ہے، جس کے ذریعے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ ہم قرآنِ مجید کو دل سے مانتے ہیں یا نہیں؟ بالفاظِ دیگر، ہم مؤمن ہیں یا کافر؟ نیز محسن و حُسن کار ہیں یا زیاں کار و اہلِ زیاں ہیں؟

خسارے کی تاریخی مثال اور اس کی معنویّت

حضرت شُعیب علیہ السّلام باذنِ ربِّ عاشق اپنی قوم (اہلِ مدین) کو نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیتے تھے، جس کے چند سلبی تقاضے یہ ہیں: شرک یا اکابر پرستی و بُت پرستی؛ نیز بُخل، اِکتناز و اِحتکار، تجارتی بددیانتی (مثلاً کم تولنا، کم ماپنا، کم دینا اور زیادہ لینا، ملاوٹ کرنا وغیرہ وغیرہ)؛ نیز اِقتصادی فساد اور فحشآء و مُنکر سے باز رہنا (ھُود ۱۱: ۸۴-۸۷ بعد)۔ لیکن ہمیشہ کی طرح قوم کے وڈیروں، سرداروں، خوانین اور اُمراء جو مُنکرانِ دین و نُبوّت تھے، لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے تھے اور انھیں باور کراتے تھے کہ "اگر تم (حضرت) شعیب (علیہ السّلام) کی باتیں مان کر اُن کے پیچھے ہو لیے تو ہلاک و برباد (خاسِرُوْن) ہو جاؤ گے۔" ہُوا یہ کہ ظالم و جاہل اہلِ مدین نے اپنے دشمن معاشرتی سرطانوں کی بات تو مان لی لیکن ربِّ عاشق کے سچے نبیؑ کی بات نہ مانی؛ نتیجۃً وہ عذابِ الٰہی سے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے؛ یعنی ہلاک و برباد ہو گئے (الاعراف ۷: ۹۰-۹۱)۔

تاریخِ اِنسانی کے اِس المناک و عبرتناک واقعے کی طرف بلیغ اشارے کرنے کے بعد اللہ جلّ شانُہٗ ہمیں اِس حقیقت کا حقّ الیقین پیدا کرنے کی خاطر کہ تکذیبِ دین کا مآل ہلاکت و بربادی ہوا کرتا ہے، فرماتا ہے:

★ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف ۷: ۹۲): جن لوگوں نے (دعوتِ) شعیبؑ کی تکذیب کی تھی، اس طرح فنا ہوئے گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ (الغرض) جنھوں نے شُعیبؑ (کی دعوت) کی تکذیب کی، وہی زیاں کار و اہلِ زیاں تھے۔

خُسران اصل میں نیکیوں کا بدیوں کے مقابلے میں کم ہونا ہے اور اس خسارے کا ایک بنیادی سبب آیاتِ اِلٰہیہ کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ اس کا مطلب ہے آیاتِ اِلٰہیہ کو تسلیم نہ کرنا، اُن سے استفادہ نہ کرنا، ان کی تاویل بالباطل کرنا یا ان میں اس طرح غور و فکر نہ کرنا جیسا کرنے کا حق ہے۔ اِس فلسفۂ خُسران کو قرآنِ مجید نے اپنے اِیجازِ بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے:

Marfat.com

★ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ (الاعراف ۷: ۹): اور جن لوگوں (کی نیکیوں) کا وزن (بدیوں کے مقابلے میں) کم نکلا تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو (دُنیوی و اُخروی حسنہ کے لحاظ سے) گھاٹے میں رکھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے۔

قُدرت اپنے قانونِ اِمہالِ تعزیر (مجرموں کو سزا دینے میں مُہلت یا ڈھیل دینے کا قانون) کی رُو سے فرعونوں، ہامانوں، قارونوں، آزروں، نیز ہر قسم کے مُجرموں، مُفسدوں، تخریب کاروں، ظالموں، فاسقوں، تکذیبِ دین و کلامِ الٰہی کرنے والوں کو مہلت اور ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ شاید اُن کی زندگی میں جمالیاتی ـــ نفسیاتی لمحہ (Aesthetic - psycho moment) وقوع پذیر ہو جائے اور وہ تائب ہو کر اپنی اِصلاح کر لیں۔ لیکن وہ قسی القلب اِس اِلتباسِ ذہنی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی قُوّت و سطوت، اِقتدار و حکومت، مال و دولت، اثر و رسوخ یا عیّاری و مکّاری اور دجل و فریب کی بدولت قُدرت کے مخفی قانونِ مکافاتِ عمل کی گرفت سے محفوظ و مصئون ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی غلط فہمی و خام خیالی کو دُور اور جُملہ افرادِ نسلِ اِنسانی کو مُتنبّہ کرنے کی خاطر فرماتا ہے کہ ایسے ہی لوگ ہیں جو ذلیل و خوار اور ہلاک و برباد ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے:

★ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف ۷: ۹۹): کیا یہ لوگ اللہ کی حکمتِ اِمہالِ تعزیر سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون خیال کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی حکمتِ اِمہالِ تعزیر سے وہی لوگ اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں جو ذلیل و خوار اور ہلاک و برباد ہونے والے ہوتے ہیں۔

★ گمراہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی حسین و فطری راہِ راست سے بھٹک کر اس سے دُور ہو جانے والے زیاں کار و اہلِ زیاں ہوتے ہیں (الاعراف ۷: ۱۷۸)۔

★ کُفر و بدکرداری کے سبب پلید و ناپاک اہلِ قلب و نظر ہی خاسِرُوْن یعنی دُنیوی و اُخروی حسنہ سے محروم رہنے والے اور اہلِ نار ہوتے ہیں (الانفال ۸: ۳۷)۔

★ مُنافق و اہلِ دُنیا اور بے اصل و فروعی باتیں کرنے والوں کے اعمال اس دُنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں اور یہی خاسرون، یعنی جمالیاتی ثروت کو گنوانے والے اہلِ زیاں ہوتے ہیں (التوبۃ ۹: ۶۹)۔

★ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ---- لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (النحل ۱۶: ۱۰۷-۱۰۹): اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے دُنیا کی

Marfat.com

محبت میں اُسے آخرت پر ترجیح دی۔ (یہ کفر ہے) اور اللہ کافروں کو (اُن کے فقدانِ آرزو کے سبب) ہدایت نہیں دیتا۔ یہی لوگ ہیں (جن کے کفر کی بناء پر) ان کے دل و دماغ اور کانوں اور آنکھوں کو اللہ مُہر بند کر دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگ غافل ہیں اور یقیناً وہ آخرت میں خاسرون، یعنی جنت اور اس کی نعمتوں، خاص کر اپنے محبوب و ناظور الیٰ جمیل و ربّ عاشق کے قُرب و رضوان اور ہم نظری و ہمکلامی سے محروم رہنے والے ہیں۔

باطل کو ماننے اور حق کا اِنکار کرنے والے زیاں کار و اہلِ زیاں اور محروم و اہلِ نار ہوتے ہیں۔

★ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (العنکبوت ۲۹ : ۵۲) : اور جو لوگ باطل، یعنی اِسم بے مُسمّٰی معبودانِ خیالی کو تسلیم بالیقین کرتے ہیں، لیکن اللہ کو اپنا اِلٰہ و ربّ نہیں ملنتے، یہی لوگ اپنی دُنیا اور آخرت برباد کرنے والے ہیں۔

★ جو لوگ آسمانوں اور زمین کے مالک کی نشانیوں (یعنی فلکی و ارضی رہنما و فکر انگیز آثار و مناظر اور ان میں کارفرما قوانینِ قُدرت کو، نیز تاریخی عمل کے تغیراتِ بصیرت افروز اور زندگی کے عبرتناک ہنگاموں کی علّتِ غائی و فاعلی کو) تسلیم بالیقین نہیں کرتے، وہ دُنیوی و اُخروی حسنہ، قوّتِ تسخیرِ زمان و مکان اور مادّی و معنوی ترقّی کے لحاظ سے سخت اور ناقابلِ تلافی خسارے میں رہتے ہیں۔ اِرشاد ہوتا ہے :

★ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الزُّمر ۳۹ : ۶۳) : اُسی (اللہ) ہی کو آسمانوں اور زمین (کے پیداواری وسائل و ذرائع) اور دیگر نعمتوں کے خزانوں (کی تقسیم) کی قُدرت ہے۔ یہ قُدرت کے بصیرت افروز نشانات ہیں (جن کے ذریعے وُہ زمان و مکان کی تسخیر کر کے اُن میں مُضمر بے قیاس نعمتوں کو حاصل کر کے مادّی و معنوی ترقّی کر سکتے ہیں) لیکن جو لوگ اللہ کی اِن نشانیوں کو تسلیم بالیقین نہیں کرتے وہی دُنیوی و اُخروی حسنہ اور مادّی و معنوی ترقّی سے محروم رہنے والے ہیں۔ یہ آیۂ بصیرت افروز اِعجازاتِ قُرآن میں سے ہے، جس کی صداقت کو دَورِ حاضر کے علم یا سائنس کی حیرت انگیز ترقّی نے ثابت کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تغافُل کُل زندگی کا زیاں ہے؛ اور اس تغافُل و زیاں کاری کے دو بنیادی عوامل ہیں: <u>مال و دولت اور اولاد</u>۔

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (المُنٰفقُوْن ۶۳ : ۹) : اے لوگو جو اِیمان لائے ہو! تمھیں مُتنبّہ کیا جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا مال و دولت اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر، یعنی یاد

Marfat.com

یا قرآن سے نہیں غافل کر دے، اور جو ایسا کرے گا تو ایسے ہی لوگ دُنیوی و اُخروی حسنہ کا ضیاع کرنے والے ہیں۔

یہ آیۂ تنذیری اِعجازاتِ قرآنِ حکیم میں سے ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس کی تنگناء میں کُل زندگی کے فلسفے کے دفاتر کو محیّر العقول انداز سے سمو دیا گیا ہے؛ لہٰذا یہ خصوصی تفکّر بالحق کی متقاضی ہے۔

طاعت و خود سپُردگی اور تسلیم و رضا (اِسلام) کا طریقِ زندگی ہی حقیقی کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے، یعنی صراطِ مُستقیم ہے۔ اس کے علاوہ ہر روشِ زندگی ہلاکت و بربادی اور محرومیِ جاویدکی راہ ہے، لہٰذا وہ ربِّ عاشق کو منظور ہے نہ قبول۔

★ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آلِ عمران ۳ : ۸۵) : اور (اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) جو شخص بھی طاعت و خود سپُردگی (Submission and surrender) کے طریقِ زندگی (دینِ اِسلام) کے علاوہ کوئی اور روشِ زندگی اِختیار کرنے کی رغبت رکھتا ہے تو (اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ) اُسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا؛ اور وہ جہانِ آخر (جو الحَیَوان ہے) میں بے نَیلِ مرام یعنی جنّت اور اس کی نعمتوں سے محروم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی طاعت اور خود سپُردگی کی روش کو نہ ماننے اور اپنانے والوں کی طاعت یا فرمانبرداری کرنا اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی میں ڈالنا ہے۔

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ..... خٰسِرِيْنَ ۝ (آلِ عمران ۳ : ۱۴۹) : اے مُسلمانو! (تمھیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ) دینِ اِسلام کو نہ ماننے والوں کی طاعت و فرماں برداری نہ کرنا، ورنہ وہ تمھیں طاعت و خود سپردگی کی راہ سے ہٹا کر تمھارا رُخ دوسری طرف کر دیں گے؛ اور اس طرح تمھیں ناکام و نامراد بنا دیں گے۔

نُکتہ : کافروں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے آپ کو مؤمن و مُسلمان کہتے ہیں، مگر قُرآنِ حکیم کے عقائد و تعلیمات اور احکام (اوامر و نواہی) کو عملاً تسلیم نہیں کرتے اور دوسروں کو صراطِ مُستقیم پر چلنے نہیں دیتے۔ کیا مُسلم ممالک میں فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کا یہ شیوہ نہیں؟ لہٰذا ان کا کہا ماننے سے صاف انکار کر دینا ہم پر فرض ہے۔

کُفر بالاِیمان اصل میں زیانِ عظیم ہے، کیونکہ یہ اِنسان کو زیاں کار، محرومِ حسنہ اور اہلِ نار بنا دیتا ہے۔

★ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

Marfat.com

(المائدہ ۵ : ۵) : اور جو شخص ایمان یعنی اسلام کے عقائدِ جلیلہ و محرکہ کو (قولاً یا فعلاً) ماننے سے انکار کرتا ہے تو اس کے ہر اچھے عمل (حسنہ) کا ثمرہ بھی ضائع ہو جاتا ہے اور آخرت میں وہ (بلحاظِ جنتِ قُرّۃُ العین) سخت خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

★ قتلِ اِنسانی جس کا محرک نفسِ اَمّارہ ہوتا ہے، قاتل کو زیاں کار و اہلِ زیاں بنا دیتا یا دُنیوی و اُخروی حسنہ سے محروم کر دیتا ہے (المائدۃ ۵ : ۳۰)۔

★ مُنافقین ، جو اپنے آپ کو مؤمن کہتے اور اہلِ ایمان کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ "ہم تمھارے رفیق ہیں"، اصل میں خاسرین یا زیاں کار و اہلِ زیاں ہوتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی جنتِ قُرّۃُ العین سے اپنے آپ کو محروم کرنے والے ہوتے ہیں (المآیدۃ ۵ : ۵۳)۔

مُشرک سخت زیاں کار و اہلِ زیاں ہوتے ہیں :

★ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (الزُمر ۳۹ : ۶۵) : (اے نبیؐ!) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف یہی وحی کی گئی تھی کہ اگر تُم نے شرک کیا تو تمھارا کیا کرایا ضرور بالضرور برباد ہو جائے گا اور تُم زیاں کاروں اور اہلِ زیاں میں سے ہو جاؤ گے۔

نُکتہ : اِس میں یہ اصلِ عظیم مُضمر ہے کہ شرک ایسا سرطانی مرض ہے جو اِنسان کی ذات کو کھا جاتا ہے، نتیجۃً، اس پر مرتب اس کے زہد و تقویٰ اور ایمان و حُسنِ عمل کے اثرات بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جمالیاتی ثروت سے تہی دست ہو کر وہ دُنیوی و اُخروی حسنہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

★ اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں (مثلاً مشرکوں، ظالموں، فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں، مُنافقوں، سُود خوروں اور بنی نوعِ اِنسان کے حقوق کو غصب کرنے والوں) کا اس سے متعلق یہ خیالِ خام کہ ان کے بیشتر اعمال کی اُسے خبر نہیں ہوتی، اُن کو ہلاک و برباد کرتا اور اہلِ زیاں بنا دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ان کی دُنیا اور عاقبت دونوں کو خراب و برباد کر دیتا ہے (فُصّلت ۴۱ : ۲۳)۔

★ اللہ تعالیٰ سے دُشمنی رکھنے کے نتیجے میں شیاطین ان پر مُسلّط ہو جاتے ہیں جو اُن کو اُن کے اگلے پچھلے اعمال خوبصورت و دلکش بنا کر دکھاتے رہتے ہیں اور وہ ان کے اِس جمالیاتی فریب میں آ کر اپنی دُنیا اور آخرت خراب کر بیٹھتے ہیں (فُصّلت ۴۱ : ۲۵)۔

★ زیاں کار و اہلِ زیاں اصل میں ظالم ہیں جنھوں نے قیامت کے روز اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو خسارے میں رکھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت سے محروم رکھا اور اہلِ نار بنایا (الشوریٰ ۴۲ : ۴۵)۔

Marfat.com

★ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی باتوں کو جھوٹے افسانے سمجھنے، کہنے اور نشأۃِ ثانیہ یا اُخروی زندگی کا انکار کرنے والے خاسرین یا زیاں کار و اہلِ زیاں ہوتے ہیں (الاحقاف ۴۶ : ۱۷-۱۸)۔

سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے (اَخۡسَرُوۡن) :

★ اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے (مُشرک و کافر، فرعون و ہامان، قارون و آزر یعنی سب سے بڑے ظالم) اور اس سے متعلق جھوٹ بولنے والے (سب معاشرتی سرطان)، اللہ کی راہ سے روکنے اور اس میں کجی چاہنے والے اور آخرت میں سب سے زیادہ محروم و نامُراد اور جہنّم کے عذابِ ابدی میں رہنے والے ہوں گے (ھود ۱۱ : ۱۸-۲۲)۔

فاسق کون ہیں؟

اب ہم قرآنِ حکیم سے پوچھتے ہیں کہ فاسق کون ہیں؟

ربُّ العٰلمین کے حُکم سے سرتابی کرنے والے :

★ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ (الکھف ۱۸ : ۵۰) : اِبلیس جو جنّوں میں سے تھا، اس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس طرح اُس نے اپنے پروردگار آقا کے حُکم سے سرتابی کی (نیز دیکھیے یُونس ۱۰ : ۳۳ ؛ الاسراء ۱۷ : ۱۶)۔

احکامِ اِلٰہیہ کی سرتابی کرنے اور اعمالِ صالحہ نہ کرنے والے :

★ اَفَمَنۡ کَانَ مُؤۡمِنًا کَمَنۡ کَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ ○ (السّجدۃ ۳۲ : ۱۸) : آیا وہ شخص جو احکامِ اِلٰہیہ کو ماننے والا ہے اس شخص ایسا ہو سکتا ہے جو احکامِ اِلٰہیہ سے سرتابی کرنے والا ہے؟ (حقیقت یہ ہے کہ) دونوں ایک جیسے نہیں ہو سکتے (نیز دیکھیے البقرۃ ۲ : ۵۹ ؛ السّجدۃ ۳۲ : ۱۹-۲۰ ؛ الاحقاف ۴۶ : ۲۰)۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی حکمت آموز و فکر انگیز نشانیوں کو جھٹلانے والے :

★ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (الانعام ۶ : ۴۹) :
اور جن لوگوں نے ہماری (حکمت آموز اور فکر انگیز) نشانیوں کی تکذیب کی اُن پر عذاب آکر رہے گا، بوجہ ان کی نافرمانیوں کے۔

حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے : Transgressors

★ اللہ کے احکام و تعلیمات کو بھلا دینے والے اور لوگوں کو برائیوں سے منع نہ کرنے والے ظالم و فاسق ہیں (الاعراف ۷ : ۱۶۳، ۱۶۵)۔

★ فحاشی، جنسی بے رہروی، رہزنی، ڈکیتی، قتل وغارت، فساد، ظلم، کفر اور مجلسوں میں قبیح و غیر فطری کام کرنے والے — فاسق ہیں (العنکبوت ۲۹ : ۲۸-۳۴)۔

★ اللہ کی حرام کردہ چیزیں کھانے پینے والے، مثلاً مُردار جانور، خون، سُور کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور ہستی کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، گلا گھونٹ کر مارا ہوا، چوٹ لگا کر مارا ہوا، وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے، وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے، وہ جسے درندہ پھاڑ جائے (لیکن جسے تُم اس کے مرنے سے پہلے ذبح کر لو، وہ حرام نہیں)، وہ جانور جسے کسی آستانے، مقبرے، روضے وغیرہ پر چڑھا کر ذبح کیا جائے (یعنی اُن جگہوں پر ذبح کیا ہوا جانور، جو مُشرکوں نے نذر و نیاز چڑھانے کے لیے ٹھیرا رکھے ہوں)؛ نیز تیروں کے ذریعے آپس میں تقسیم کیا ہوا گوشت یا کوئی اور چیز (المائدۃ ۵ : ۳؛ نیز دیکھیے الانعام ۶ : ۱۴۵، ۱۴۶)۔

★ ایسے جانور کا گوشت کھانے والے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو — فاسق ہیں (الانعام ۶ : ۱۲۱)۔

قرآنِ حکیم کی آیات کا قولاً یا فعلاً انکار کرنے والے — فاسق ہیں۔

★ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۹۹) :
اور ہم نے (اے نبیؐ!) آپ کی طرف آپ اپنی صراحت کرنے والی آیات نازل کی ہیں؛ اور ان کی تکفیر (بالقول یا بالفعل) صرف وہی کرتے ہیں جو فاسق ہیں۔

★ ایمان نہ لانے والے فاسق ہیں (آلِ عمران ۳ : ۱۱۰)۔

Marfat.com

★ قرآنِ حکیم کے احکام یا کسی ایک حکم کو تسلیم بالعمل نہ کرنے والے - فاسق ہیں (المائدۃ ۵ : ۴۹) -

★ اللہ تعالیٰ، نبی اکرمؐ اور قرآنِ حکیم کو تسلیم بالیقین نہ کرنے والے کافروں کو اپنے دوست و سرپرست بنانے والے - فاسق ہوتے ہیں (المائدۃ ۵ : ۸۰-۸۱) -

★ فاسق ہرگز اہلِ آرزو و خشیت (= مُتقی) نہیں ہوتے ؛ قرابت و عہد کی پاسداری کرنے والے نہیں ہوتے، بلکہ چاپلوس، ریاکار و دو رُخے ہوتے ہیں ؛ اپنے قلیل مفاد کی خاطر آیاتِ الٰہیہ کو بیچ ڈالنے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے والے ہوتے ہیں (یعنی انہیں زکوٰۃ، العفو، قرضِ حسنہ دینے یا احسان کاری و جہاد کرنے، نیز کفالتِ اِجتماعیہ کا نظام قائم کرنے اور امر بالمعروف و نہی عن المُنکر کا فریضہ ادا کرنے سے روکنے والے ہیں) - علاوہ بریں، وہ نہ تو مؤمن کی قرابت یا اُخوتِ ایمان کا اور نہ اُس کی تکریم و عزتِ نفس کا پاس کرنے والے ہی ہوتے ہیں (التوبۃ ۹ : ۷-۱۰) -

★ فاسق اصل میں مُنافق ہوتے ہیں، جو ایک دوسرے کو قبیح و غیر فطری کام کرنے کی ترغیب و تحریک دیتے اور حسین و فطری کام کرنے سے منع کرتے ہیں ؛ نیز وہ بُخل کرتے (یعنی اللہ کی راہ میں اللہ کے بندوں کی کفالت و خوشحالی کے لیے زکوٰۃ، العفو، عُشر، قرضِ حسنہ، الماعون نہیں دیتے)، اور اللہ کو فراموش کر دیتے ہیں، نتیجۃً اللہ بھی ان سے صرفِ نظر کر لیتا ہے (التوبۃ ۹ : ۶۷) -

★ جہاد نہ کرنے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہا نہ ماننے والے — فاسق ہوتے ہیں (التوبۃ ۹ : ۸۳-۸۴) -

★ فاسق، پاکدامن عورتوں پر بغیر شرعی ثبوت کے بدکاری کا الزام لگانے والے ہوتے ہیں (النُّور ۲۴ : ۴) -

★ صرف ایک اللہ کی عبادت یعنی پرستش و طاعت اور ذکر و بندگی نہ کرنے، مگر اس کی ذات و صفات اور اُمورِ خدائی میں کسی دوسرے کو شریک قرار دینے والے فاسق ہوتے ہیں (النُّور ۲۴ : ۵۵) -

★ فاسق قسی القلب ہوتے ہیں (الحدید ۵۷ : ۱۶) -

★ فاسق گُمراہ ہوتے ہیں (الحدید ۵۷ : ۲۶) -

★ ایمان یا عقائدِ جلیلہ و محرکہ کو تسلیم بالعمل نہ کرنے والے فاسق ہوتے ہیں (الحدید ۵۷ : ۲۷) -

★ اللہ کو بھلا دینے کے نتیجے میں خود فراموش ہو جانے والے فاسق ہیں (الحشر ۵۹ : ۱۹) -

★ اللہ تعالیٰ کی امثلہ سے اِستہزاء کرنے کے نتیجے میں گُمراہ ہونے والے، اللہ سے عہد و پیمان کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دینے والے، ان رشتوں اور روابط و تعلقات اور معاہدات کو توڑنے والے جن کو قائم رکھنا فرض قرار دیا گیا ہے ؛ نیز دُنیا یا ملک میں فساد کرنے یعنی حیاتِ اجتماعیہ میں برہمی و بے نظمی اور اِنتشار و خرابی پھیلانے اور اس کا توازن بگاڑنے والے — فاسق ہوتے ہیں (البقرۃ ۲ : ۲۶-۲۷) -

Marfat.com

★ اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرنے اور اس کی ہدایت سے محروم رہنے والے، فاسق ہیں (التوبۃ ۹: ۲۴، ۹۶)۔
★ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا کُفر کرنے والے ۔ فاسق ہیں (التوبۃ ۹: ۸۰)۔
★ اِنتہائی گھناؤنے اور غیر فطری جنسی فعل کرنے والے ۔ بدترین فاسق ہیں (الانبیآء ۲۱: ۷۴)۔
★ فرعون اور اس کی قوم ۔ یعنی اپنے آپ کو اپنی مملکت، جاگیر یا علاقے کا مالک و حاکمِ مُطلق اور اپنی رعایا کا معبود و داتا سمجھنے والے مُتکبّر و سرکش حکمران یا آمر اور اس کی حاکمیّت و خُدائی کو تسلیم کرنے والے۔ فاسق ہوتے ہیں (النمل ۲۷: ۱۲؛ الزُخرُف ۴۳: ۵۱-۵۴)۔
★ حضرت نُوح علیہ السّلام کی قوم کے لوگ جنھوں نے آپؑ کی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا، فاسق تھے (الذّٰریٰت ۵۱: ۴۶)۔
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرنے والے ۔ فاسق ہیں (الحشر ۵۹: ۵)۔
کج رَو یا ٹیڑھی چال چلنے اور ٹیڑھی عقل والے ۔ فاسق ہیں (الصّف ۶۱: ۵)۔

Marfat.com

از رُوئے لُغات اور کلیدِ لُغاتِ قُرآن

ح ی ی = حی اور حیو

حَیِیَ اور حَیَّ (مؤخرالذکر زیادہ مستعمل ہے)، مصدر حَیَاۃٌ یا حَیَاءٌ اور حِیٌّ اور حَیَوَانٌ (یہ آخری مبالغہ کا صیغہ ہے اپنی ضد مَوَتَانٌ کی طرح): وہ زندہ رہا؛ یا زندگی کی حالت میں تھا یا ہوگیا (صحاح، مُغرب، مصباح، قاموس، ابن بری)۔

عربوں کے محاورے میں حَیِیَتِ النَّارُ کے معنی ہیں: آگ جل اُٹھی؛ اور مَاتَتِ النَّارُ: آگ بُجھ گئی یا ٹھنڈی پڑگئی (ابُوحنیفۃ الدِّینَوَرِی)۔ حَیِیَ الطَّرِیْقُ: راستہ واضح یا ظاہر ہوگیا (قاموس)۔ اِذَا حَیِیَ لَكَ الطَّرِیْقُ فَخُذْ یَمْنَةً: جب راستہ تجھ پر صاف ظاہر ہوگیا تو اب سیدھی سمت اختیار کرنا (تاج)۔

حَیَّاہُ (مصدر تَحِیَّةٌ) اپنے اِبتدائی مفہوم میں اس کے معنی ہیں اَحْیَاہُ اُس نے اُسے زندہ کیا۔ محاورہ ہے: حَیَّاكَ اللّٰہُ: اس کے معنی ہیں: اللہ تجھے زندہ رکھے! تمھاری عمر دراز کرے: مترادف اَبْقَاكَ (الفرّا، سلمہ ابن عاصم، قاموس) یا عَمَّرَكَ (ابوعثمان، تاج، مُغرب) یا اللہ تجھے بچائے؛ یا تجھے سیئہ، شر، نُقصان وغیرہ سے محفوظ رکھے (فرّا، تاج)؛ یا اللہ تجھے اِقتدار یا حکومت بخشے (فرّا، صحاح، قاموس) یا اللہ تجھے عزت و نفع دے (حماسہ، ص ۴۸۹)۔

اَحْیَاءُ (مصدر اِحْیَاءٌ) جب اللہ کے متعلق کہا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: اُس نے اُسے زندہ رہنے کے لیے زندہ کیا؛ اُسے زندگی بخشی؛ اُسے ازسرِنو زندہ کیا (Resuscitated, revivified)؛ دیکھیے (صحاح، مصباح، قاموس)۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ○ (القیمۃ ۷۵: ۴۰): کیا یہ (چیزیں) کرنے والا کسی مُردے کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ (جلالین)؛ لیکن صحاح اور تاج میں ہے: اللہ نے اُسے ذہنی صلاحیت عطا کی۔ جیسا کہ اِس آیت میں ہے:

★ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (الانعام ۶: ۱۲۲): کیا جو (معنوی اعتبار سے) مُردہ تھا اُسے ہم نے (معنوی لحاظ سے) زندہ کر دیا؛ [یعنی اُس کی حِسّی، قلبی اور نفسی مُعطّل و مُردہ استعدادوں کو

Marfat.com

زندہ و فعّال کر دیا] — اَحۡیَا الۡاَرۡضَ : اُس یعنی اللہ نے زمین یا اراضی کو پھر زندہ کر دیا (Revived) یا بارش کے ذریعے اس کی نشو و نما کر دی : اَحۡیَا اللَّیۡلَ : اُس نے شب بیداری کی؛ یعنی رات عبادت میں گزاری، بغیر سوئے (تاج) یا محض جاگ کر گزار دی (شرح دیوان المتنبّی از الواحدی، ص ۹) —

تَحَیَّا مِنۡهُ : وہ اس سے سُکڑ گیا (He shrank from it) ؛ ماخوذ از اَلۡحَیَآءُ یا اَلۡحَیَاۃُ ؛ کیونکہ سُکڑنا ہر زندہ شے کی سرشت ہے (لین) ۔

اِسۡتَحۡیَاہُ : اُس نے اُسے بغیر نُقصان پہنچائے چھوڑ دیا (Spared) ؛ اُس نے اُسے زندہ رہنے دیا یا زندگی کرنے کے لیے چھوڑ دیا (صحاح، مصباح، قاموس، تاج) ؛ اُسے قتل نہیں کیا (مصباح) ؛ یا اُس نے اکیلا یا تنہا چھوڑ دیا ؛ یا اس سے درگزر کیا (المُغرب) ۔ اِس بِناء پر بعض نے کہا ہے کہ آیہ

★ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا (البقرۃ ۲ : ۲۶) کا مطلب لَا یَسۡتَبۡقِیۡ ہے ۔ اس کے معنی ہوئے : یقیناً اللہ مثال کے ذریعے سمجھائے بغیر نہیں رہے گا یا اِغماض نہیں کرے گا ۔ انہی معانی میں اِنَّ اللّٰهَ یَسۡتَحۡیِیۡ مِنۡ ذِی الشَّیۡبَةِ الۡمُسۡلِمِ اَنۡ یُعَذِّبَهٗ : یقیناً اللہ سالخوردہ مُسلم کو سزا دینے سے درگذر کرتا ہے (المفردات) ۔

اَلۡحَیَاۃُ : زندگی، جیون (یہ اصل میں یَحۡیٰی کا مصدر ہے) ۔ حیات کا اِستعمال مختلف وجوہ پر ہوتا ہے : (۱) قُوّتِ نامیہ جو حیوانات اور نباتات دونوں میں پائی جاتی ہے ۔ اِسی معنی کے لحاظ سے نبات کو حَیٌّ ، یعنی زندہ کہا جاتا ہے (المفردات) ۔ قُرآنِ حکیم میں ہے :

★ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ (الحدید ۵۷ : ۱۷) : جان لو یا اس حقیقت کا علم حاصل کرو کہ بلاشُبہ اللہ زمین یا اراضی کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے (Quickenth) ؛ یعنی اس کی نشو و نما کرتا ہے کہ برگ و بار لائے ۔

★ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○ (الانبیاء ۲۱ : ۳۰) : اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ۔ کیا وہ یہ حقیقت تسلیم بالیقین نہیں کریں گے ؟

دوم : حیاۃ کے معنی قُوّتِ احساس کے آتے ہیں ؛ اور اِسی قُوّت کی بِناء پر حیوان یا حیاتیاتی مخلوق کو حیوان کہا جاتا ہے : چنانچہ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَ مَا یَسۡتَوِی الۡاَحۡیَآءُ وَ لَا الۡاَمۡوَاتُ ؕ (فاطر ۳۵ : ۲۲) : اور نہ زندے اور مُردے برابر ہیں ۔

★ اِنَّ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاهَا لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ : ۳۹) : بلاشُبہ

Marfat.com

جو اللہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر شے پر قدرتِ کاملہ رکھنے والا ہے۔

راغب اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ زمین کو زندہ کرنے سے اُسے قوّتِ نامیہ عطا کرنا مراد ہے اور مُحیِ المَوْتٰی قوّتِ احساس عطا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

سوم: قوّتِ عقل وعمل کا عطا کرنا مُراد ہے: چنانچہ فرمایا:

★ اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ (الانعام ۶: ۱۲۲): کیا وہ شخص جو پہلے (قلب کا) مُردہ تھا، پھر ہم نے اُس (کے قلب) کو زندہ و فعّال کیا، یعنی اُسے عقل وشعور سے نوازا اور فعّال بنایا؟

ایک شاعر نے کہا ہے:

وَقَدْ نَادَیْتَ لَوْ اَسْمَعْتَ حَیًّا
وَلٰکِنْ لَاحَیَاۃَ لِمَنْ تُنَادِیْ (تاج العروس)

تُو نے پکارا کہ کسی زندہ کو سُنائے، لیکن جس کو تُم پکار رہے ہو اِس میں زندگی نہیں ہے (یعنی اس کے عقل وحواس مُعطّل ہو چکے ہیں)۔

چہارم: غم کا دُور ہونا مُراد ہوتا ہے۔ اِسی معنی میں یہ شعر ہے:

لَیْسَ مَنْ مَّاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَیْتٍ
اِنَّمَا الْمَیْتُ مَیِّتُ الْاَحْیَاءِ!

جو شخص مرکر راحت کی نیند سوگیا وہ دراصل مُردہ نہیں ہے! حقیقت میں مُردے وہ ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مُردہ ہو چکے ہیں۔

پنجم: حیات سے آخرت کی دائمی زندگی مُراد ہوتی ہے جو کہ عقل وعلم کی زندگی کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال ۸: ۲۴): اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت قبول کرو جب وہ تمھیں اس بات کی طرف بلائے جو تمھیں حیاتِ (جاوداں) بخشتی ہے (میرے نزدیک اس کے معنی ہیں جو کام تمھیں معنوی طور پر زندہ کرتا ہے، دیکھیے کلیدِ لُغاتِ قرآن) ۔ اسی طرح آیتِ جلیلہ

★ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۝ (الفجر ۸۹: ۲۴): کاش! میں نے (اُخروی) زندگی کے لیے کچھ حسنات یا نیکیاں آگے بھیجی ہوتیں۔

Marfat.com

میں بھی اُخروی و دائمی زندگی مُراد ہے۔

ششم : وہ حیات جس سے صرف ذاتِ باری تعالیٰ مُتصف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت حَیٌّ کہا جاتا ہے تو اس سے مُراد وہ ذاتِ اقدس ہوتی ہے جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دُنیا اور آخرت کے لحاظ سے بھی زندگی دو قسم کی ہے ؛ یعنی دُنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی۔ چنانچہ فرمایا :

★ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (البقرۃ ۲ : ۸۶) : جن لوگوں نے آخرت (کی زندگی) کے بدلے دُنیا کی زندگی خریدی۔

★ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ○ (الرّعد ۱۳ : ۲۶) : اور دُنیا کی زندگی (کا مال و منال) آخرت (کی زندگی کی بے نہایت و بے قیاس اور ابدی نعمتوں) کے مقابلے میں نہایت قلیل مال و منال ہے (المفردات)۔

حَیٌّ : ذی حیات، زندہ (Alive or quick) ؛ نقیض (Contrary) مَيِّتٌ یا مَيْتٌ (صحاح، قاموس) اور حَيَوَانٌ مترادف ہے حَیٌّ کا (مصباح، مُغرب) ؛ اور ضد ہے مَوَتَانٌ کا (المفردات)۔

اَلْحَيَوَانُ : یہ زندگی کا مَقر یا مقام ہوتا ہے اور دو معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے : اوّلاً : وُہ جس میں قُوّتِ احساس ہو۔ ثانیاً : وہ جسے دائمی بقا حاصل ہو۔

★ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ (العنکبوت ۲۹ : ۶۴) : اور اصل میں موت سے منزّہ زندگی کا مقام جہانِ آخرت ہے۔ کاش ! بنی نوعِ اِنسان کو (اِس حقیقت کا) علم الیقین ہوتا !

اس آیت میں اس دوسرے معنی کے لحاظ سے دارِ آخرت کو حَیَوَان کہا گیا ہے ، اور لَھِیَ الْحَیَوَانُ کہہ کر تنبیہ کی گئی ہے کہ حقیقی و سرمدی زندگی تو وہ ہے جس کے بعد فنا نہ آئے نہ کہ وہ جو کچھ مدّت کے بعد فنا ہو جائے۔

بعض اہلِ لُغت کا خیال ہے کہ حَیَوَان اور حیاۃ دونوں ہم معنی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حَیَوَانٌ وہ ہے جس میں حیاۃ یا زندگی ہو۔ اس کے مقابل مَوَتَانٌ وہ ہے جس میں زندگی نہ ہو۔ اور بارش کو حَیًّا کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے :

★ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ يَحْيٰى (مریم ۱۹ : ۷) : اے زکریا ! ہم تمھیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا اِسم (یعنی صفت) یحییٰ ہے۔

Marfat.com

اِس آیت میں انھیں یحیٰی کہنے سے صرف یہ مقصود نہیں تھا کہ وہ اِس نام سے مشہور ہوں گے، کیونکہ اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اِس بات سے آگاہ کرنا تھا کہ اُن کا قلب شرک وغیرہ گناہوں سے مُردہ نہ ہوگا جیسا کہ لوگوں کے قلب ہوتے ہیں (المفردات)، بلکہ [ہمیشہ زندہ رہے گا] ۔

حَیَّ ، حاصل مصدر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد عَلٰی آتا ہے (مُحکم، تاج، صحاح، مُغرب)، اور اس کے معنی ہیں: آؤ یا لپک کے آؤ یا جلدی کرو۔ چنانچہ اذان میں آتا ہے : حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ : صلوٰۃ یا مسجد کی طرف آؤ یا جلد آؤ۔ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ : فلاح پانے کے لیے جلد آؤ (مُغرب، تاج)۔ حَیَّ عَلَی الْغَدَآءِ : ناشتے کے لیے آؤ، اور حَیَّ عَلَی الْعَشَآءِ : عشائیہ کے لیے آؤ۔

حَیَّۃٌ : سانپ، مترادف اَفْعٰی (قاموس، تاج)۔

حَیَآءٌ : یہ حَیِیَ کا مصدر ہے، (اس لیے) حَیًا کا مترادف ہے (قاموس)۔ نیز یہ حَیِیَ کے مصدر کے طور پر اِسْتَحْیٰی کا مترادف ہے، جیسے اِسْتِحْیَاءٌ : شرم، اِحساسِ حیا (صحاح)۔ انگریزی میں (Shame, shyness, bashfulness, or a sense of shame) ۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ ہمیشہ سچی شرم و حیا یا عفت ہو۔ انگریزی میں: Honest shame, or prudency, or modesty ۔ مترادف حِشْمَۃٌ (قاموس)۔ نفس کا بدکاری سے گریز کرنا (بیضاوی ۲ : ۲۴، اور مفردات)؛ الزام و تہمت کے خوف سے؛ ضعف جو حیوانی اِستعداد کو لاحق ہو جاتا ہے (بیضاوی، محلِّ مذکور، اور مُغرب)، اور اُسے اپنے افعال سے واپس کر دیتا ہے (بیضاوی) اور ندامت و پشیمانی (Repentance)؛ مترادف تَوْبَۃٌ (قاموس)۔ اسی سے اس کو عورت کی شرمگاہ، فَرْج یا رَحِم کہا جاتا ہے (تاج، الفارابی، صحاح، مصباح)۔

تَحِیَّۃٌ (مصدر ہے حَیَّاہُ)، اس کے معنی سلام و دُعا کے بھی ہیں جب دو اشخاص باہم ملتے ہیں (مُغرب، مصباح، ابوالہیثم)؛ خاص کر سَلَامٌ عَلَیْكَ کہنا، یا اس کے مثل کہنا (مُغرب)۔ اس کی اکمل و احسن صورت یہ ہے : اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ (الہیثم)۔ اس کی جمع بھی آتی ہے: تَحِیَّاتٌ اور تَحَایَا (مُغرب)۔ نیز اس کے معنی یہ بھی آتے ہیں: ابدیّت، مدامت؛ لامتناہی؛ یا بقائے مدام (قاموس، مصباح وغیرہ)۔ اپنی قوم کے سردار زُہیر ابن جناب الکلبی نے انہی معنی میں یہ شعر کہا ہے :

وَ لَکُلُّ مَا نَالَ الْفَتٰی
قَدْ نِلْتُہٗ اِلَّا التَّحِیَّۃَ

ہر چیز جو نوجوان نے حاصل کی، میں نے حاصل کر لی ہے بجز حیاتِ جاوداں کے

Marfat.com

یا بعض نے اس کے معنی کیے ہیں: موت اور شرُور (Evils) سے مصئونیت (تاج) - التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے معنی ہیں: قبولیت یا بقائے دوام اللّٰہ کو مُستلزم ہے (اللّیث، مصباح، تاج)، یا حاکمیت یا بادشاہت (اللّیث، یعقوب)؛ یا جُملہ شرُور اور فنا و عدمیت کے عوامل و اسباب سے مصئونیت؛ یا کلماتِ تمجید و تحسین جو اس کی حاکمیت اور لامتناہی حیات و بقا پر دلالت کرتے ہوں (اُنقُفتیبی)؛ یا کل تعریفیں، برکات اور ستائشیں (Salutations and benedictions) اللّٰہ ہی کے لیے ہیں، اور اس کے اختیار میں ہیں (مُغرب)۔

ض ر ب (ضرب)

ضَرَبَہٗ (مضارع اور ضَرْبٌ مصدر): اُس نے اُسے پیٹا، مارا یا چوٹ لگائی (صحاح، قاموس، العُباب) ضَرَبَہٗ کے مفہوم میں شدّت پائی جاتی ہے، یعنی اُس نے اُسے شدّت سے پیٹا، زور سے مارا یا ضربِ شدید لگائی۔ راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں:

الضَّرْبُ کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنا یا مارنا کے ہیں؛ اور مختلف اعتبارات سے یہ لفظ بہت سے معانی میں اِستعمال ہوتا ہے۔ (الف) ہاتھ، لاٹھی، تلوار وغیرہ سے مارنا۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (الانفال ۸: ۱۲): ضربِ شدید سے ان کی گردنیں اُڑا دو اور اُن کا پور پور مار کر توڑ دو۔

★ اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرۃ ۲: ۶۰): اپنا عصا (Staff) زور سے پتھر پر مارو۔

★ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ط (البقرۃ ۲: ۷۳): ہم نے حکم دیا کہ اس کا کوئی پارچہ مقتول پر مارو۔

(ب) ضَرْبُ الْاَرْضِ بِالْمَطَرِ کے معنی زمین پر بارش برسنے کے ہیں۔

(ج) ضَرْبُ الدَّرَاهِمِ: (درہموں کو ڈھالنا) کا محاورہ الضَّرْبُ بِالْمِطْرَقَةِ کی مناسبت سے اِستعمال ہوتا ہے، اور ٹکسال کے سکّے میں نشان لگانے کی مناسبت سے طَبْعُ الدَّرَاهِمِ کہا جاتا ہے؛ اور تشبیہ کے طور پر اِنسان کی عادت کو ضَرِیْبَةٌ اور طَبِیْعَةٌ بھی کہہ دیتے ہیں۔

(د) ضَرْبٌ فِی الْاَرْضِ کے معنی ہیں سفر کرنا (یا سفر پر جانا)، کیونکہ پیدل چلتے وقت اِنسان زمین پر پاؤں مارتا یا رکھتا ہے۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ (النّسآء ۴: ۱۰۱): جب تُم سفر کو جاؤ یا سیاحت کر رہے ہو۔

Marfat.com

★ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (البقرۃ ۲ : ۲۷۳) : جو (کاروبار یا روزگار کے لیے) دوسرے مُلک یا شہر وغیرہ میں جانے کی اِستطاعت نہیں رکھتے۔
اور یہی معنی ہیں آیۂ جلیلہ کے :

★ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ (طٰہٰ ۲۰ : ۷۷) : انھیں سُمندر میں (خشک) راستے سے لے جاؤ۔

★ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرۃ ۲ : ۶۱) : اور رُسوائی اور محتاجی اُن پر مُسلّط کر دی گئی۔

اِس آیۂ عبرت انگیز میں ذِلّۃ اور مسکنت کے لیے ضَرَبَ کا لفظ اِستعمال ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ذلت اور مسکنت نے انھیں اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا جیسا کہ خیمہ لگا ہوا ہوتا ہے، اور ضَرَبَ الْخَيْمَةَ کے معنی ہیں : خیمہ لگانا، کیونکہ خیمہ لگانے کے لیے میخوں کو ہتھوڑے سے زمین میں ٹھونکا جاتا ہے۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ (الحدید ۵۷ : ۱۳) : پھر ایک دیوار کے ذریعے اُن کو جُدا کر دیا جائے گا؛ اس دیوار میں ایک دروازہ ہوگا (المفردات)۔

ضَرَبَ اِلَيْهِ : وہ اس کی طرف مائل ہوا (تاج)۔ ضَرَبَ عَنْهُ : روک لینا یا بند کر دینا (مصباح، تاج)۔

ضَرَبَ مَثَلًا : مثال کے ذریعے بات کی تصریح کرنا، لیکن صرف ضَرَبَ کو بھی انھیں معنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (الرّعد ۱۳ : ۱۷) : اِسی طرح اللہ سچ یا حقیقت اور جھوٹ یا باطلیت (Falsity) کی صراحت کرتا ہے۔

ضَرَبَ نَفْسَهٗ عَنْهُ : اُس نے اس سے مُنہ موڑ لیا، اس کی طرف مُلتفت نہ ہوا، وہ اُس سے الگ ہو گیا یا اُس نے اُسے چھوڑ دیا (صحاح، مصباح، قاموس، تاج)۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا (الزّخرف ۴۳ : ۵) : کیا ہم قرآن (کے احکام و قوانین اور تعلیمات) سے تمھیں مُستثنیٰ کر دیں؟ (کلیدِ لغاتِ قرآن)۔

الضَّرْبُ : حساب کی روایتی اصطلاح بمعنی ایک عدد کو دوسرے عدد سے ضرب دینا (مصباح) :
مثلاً ضَرَبَ خَمْسَةً فِي سِتَّةٍ : اس نے پانچ کو چھے سے ضرب دی (He multiplied five by six)۔
ضَرَبَتِ الطَّيْرُ : پرندے چلے گئے یا نقلِ مکانی کر گئے، غذا کی تلاش میں (قاموس، تاج)۔

Marfat.com

ضَرَبَ الدَّهْرُ بَيْنَنَا : قسمت یا زمانے نے ہمیں جُدا کر دیا (اساس، ابوعُبیدہ، تاج)؛ یا ہمارے درمیان بہت جُدائی یا بُعد ڈال دیا۔ مترادف بَعَّدَ (قاموس)۔

ضَرَبٌ اور ضَرْبٌ : گاڑھا شہد (صحاح، قاموس، اساس) یا سفید شہد (مصباح)۔ بعض کے نزدیک جنگلی شہد۔

طَيْرٌ ضَوَارِبُ : خوراک کی تلاش کرنے والے پرند (اساس، صحاح) یا خوراک کی تلاش میں نقلِ مکانی کرنے والے پرند (لسان، تاج)۔

اَلْمُضَارَبَةُ : ایک قسم کی تجارتی شرکت جس میں ایک شخص کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں (المفردات)۔

مُضَارِبٌ : فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے۔ مالدار جو کسی دوسرے کو اپنا مال یا تجارتی سامان بیچنے پر مأمور کرے، اس شرط پر کہ نفع میں دونوں شریک ہوں گے؛ یا وہ شخص جو کسی کا مالِ تجارت فروخت کرنے پر مأمور کیا جائے، اس شرط پر کہ نفع میں دونوں کی شراکت ہوگی (النّضر، ابوزید، دیکھیے تاج)۔

مُضْطَرِبٌ : ایک چیز جس کے کئی اجزاء باہم تصادم کی حالت میں ہوں : اور اِس بناء پر کوئی شخص یا چیز جو ہیجان، بیکلی، بیقراری یا اِضطراب کی حالت میں ہو : A thing, and a man, in a state of commotion, agitation, convulsion. (تاج، قاموس)۔

حَدِيثٌ مُضْطَرِبُ السَّنَدِ : روایت یا حدیث جو سند یا راوی کے اعتبار سے ضعیف، عیب دار یا ساقط الاعتبار ہو : مترادف مُخْتَلٌّ (صحاح، تاج)۔

ما

ما عربی زبان میں دو قسم کا ہے : حرفی اور اِسمی۔ پھر ہر ایک کی پانچ اقسام ہیں۔ لہٰذا کُل دس اقسام ہوئیں : ما اِسمی ہو تو واحد و جمع اور تذکیر و تانیث کے لیے یکساں اِستعمال ہوتا ہے۔ پھر لفظاً مفرد ہونے کے لحاظ سے اس کی طرف ضمیر مفرد بھی لوٹ سکتی ہے؛ اور معناً جمع ہونے کی صورت میں ضمیر جمع کا لانا بھی صحیح ہوتا ہے۔ یہ ما کبھی اَلَّذِیْ کے معنے میں آتا ہے (المفردات)، جیسے فرمایا :

★ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا

Marfat.com

عِنْدَ اللّٰہِ ؕ (یُونس ۱۰ : ۱۸) : یہ اللہ کے سوا اُن کی عبادت کرتے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور نہ نفع ہی۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔

اس آیۂ جلیلہ میں اگرچہ ما کی طرف یَضُرُّھُمْ میں مُفرد کی ضمیر لوٹ رہی ہے، لیکن اس کے بعد معنی جمع کی مناسبت سے ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ آیا ہے۔

مَا : "جو کچھ" کے معنی ہیں ★ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ؕ (النحل ۱۶ : ۹۶) : جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہتا ہے (ختم نہیں ہوتا)۔

حَیْثُ مَا (البقرۃ ۲ : ۱۴۴) : جہاں کہیں (Wheresoever) ؛ اَیْنَ مَا (البقرۃ ۲ : ۱۴۸) : جہاں کہیں (wherever)۔

مَا : جس قدر (As much as) ★ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ ... (التغابن ۶۴ : ۱۵) : جس قدر تمہارے پاس مال و منال ہے۔

مَا : جب تک، جتنے عرصے تک (While or as long as) ★ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ (مریم ۱۹ : ۳۱) : جتنا عرصہ میں زندہ رہوں۔

بِمَا : کیونکہ (Because or for that) ★ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۵۹) : کیونکہ وہ حد سے نکل گئے تھے (: Because or for that they did transgress)۔

ما کو اِس اِسم کے ساتھ بھی جمع کر دیا جاتا ہے اس قلت (Littleness) کو ظاہر کرنے کی خاطر جو اس اِسم کو مُستلزم ہوتا ہے، جیسا کہ اَدَبٌ مَّا : تھوڑی سی ضرورت (نہایہ بحوالہ تاج، بذیلِ مادّہ ارب)۔

مَا اَنْتَ : تو کیا ہے؟ یعنی آپ کی تعریف کیا ہے؟ یا آپ کی صفات کیا ہیں؟ (مقامات الحریری ص ۱۵۵)۔

مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (الشعراء ۲۶ : ۲۳) کے معنی ہیں اَیُّ شَیْءٍ ھُوَ (جلالین) : ربُّ العالمین کیا شے ہے؟ — مَالَكَ کے معنی ہیں اَیُّ شَیْءٍ ثَبَتَ لَكَ (ابن دُرید) : اس کے معنی ہیں : آپ کو کون سی بیماری ہے؟

شَیْءٌ مَّا : کوئی خاص چیز : یا کوئی چیز (ابن دُرید) — فَتًی مَّا فُلَانٌ : وہ کیسا جوانِ رعنا ہے؟ (ابن دُرید)۔

مَا : لَیْسَ یا نہیں : فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ (البقرۃ ۲ : ۱۶) : چنانچہ اُن کا سودا نفع بخش ثابت نہ ہُوا۔ ما کا اعجازی اِستعمال : قُرآنِ حکیم نے مَا کو اپنے اِعجازِ بلاغت سے بیک وقت دو معانی میں اِستعمال کیا ہے :

Marfat.com

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۰) :

(الف) کم ہے جو شکر تم کرتے ہو، یعنی جتنا شکر کرتے ہو وہ نسبتاً اس سے بہت کم ہے جتنا کرنا چاہیے۔

(ب) کم ہیں لوگ جو شکر کرتے ہیں، یعنی بہت تھوڑے لوگ شکر کرتے ہیں۔

ما : جہاں تک یا جس قدر : ★ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن ۶۴ : ۱۶) : جہاں تک تمہاری مقدرت میں ہو، اللہ کی صراطِ مستقیم کی طلب و جستجو کرتے اور گمراہی سے ڈرتے رہو۔

ما : اِستعجاب کے مفہوم میں : فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۷۵) : تعجب ہے کہ وہ آتشِ جہنم میں جلنے کا اتنا حوصلہ و شکیب رکھتے ہیں!

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں : ما کبھی اِستفہامیہ ہوتا ہے۔ اِس صورت میں کبھی کسی چیز کی نوع یا جنس سے سوال کے لیے آتا ہے، اور کبھی کسی چیز کی صفاتِ جنسیہ یا نوعیہ کے متعلق سوال کے لیے آتا ہے؛ اور کبھی غیر ذوی العقول اشخاص اور اعیان کے متعلق سوال کے لیے بھی آ جاتا ہے۔ بعض علمائے نحو کا قول ہے کہ کبھی اِس کا اطلاق اشخاصِ ذوی العقول پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہُوا :

★ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (المؤمنون ۲۳ : ۶) : بجز اپنی بیویوں کے یا اسیرانِ جنگ عورتوں کے جو اُن کی مِلک میں ہوں۔

ما حرفی ہونے کی صورت میں پانچ قسم پر ہے : اوّل یہ کہ اس کا مابعد بمنزلہ مصدر کے ہو، جیسا کہ فعل مستقبل پر "اَن" ناصبہ داخل ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اِرشاد ہُوا :

★ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۳) : اور جو کچھ (مال و دولت، علم و حکمت، ہنر و فن، ٹیکنالوجی وغیرہ وغیرہ) ہم نے اُنہیں دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

اِس میں ما رَزَقَ بمعنی رِزْقٌ مصدر کے ہے اور اس ما کے بمعنیٰ "اَنْ" مصدریہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی طرف کہیں بھی لفظاً یا تقدیراً ضمیر نہیں لوٹتی۔ اور آیتِ جلیلہ

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۰) : ان کے جھوٹ بولنے کے سبب یا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

میں بھی مَا مصدری معنی پر محمول ہے۔

دوم : مَا نافیہ ہے۔ اہلِ حجاز اُسے مشروط عمل دیتے ہیں : چنانچہ فرمایا :

مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف ۱۲ : ۳۱) : یہ اِنسان (Human being) نہیں۔

سوم : مَا کافہ ہے ؛ جیسے فرمایا :

Marfat.com

★ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۳۵: ۲۸): اللہ کے بندوں (Bondsmen) میں سے صرف عالم وفاضل (Erudites) ہی اس (کے قانونِ مکافاتِ عمل) سے ڈرتے ہیں۔

چہارم: ما مُسَلِّطَةٌ اسے کہتے ہیں جو کسی غیر عامل کلمے کو عامل بناکر مابعد پر مُسلّط کردے۔ جیساکہ اِذْ مَا وَ حَيْثُمَا کا ما ہے کہ ما کے ساتھ مرکب ہونے سے قبل یہ کلمات غیر عاملہ تھے لیکن ترکیب کے بعد اسمائے شرط کا سا عمل کرتے ہیں اور فعل مضارع کو جزم دیتے ہیں۔ جیسے حَيْثُمَا تَقْعُدْ اَقْعُدْ وغیرہ وغیرہ۔

پنجم: ما زائدہ ہے، جو محض پہلے لفظ کی توکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے اِذَا مَا فَعَلْتَ كَذَا: جب تم ایسا کرو۔ قرآنِ مجید میں ہے:

★ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (مریم ۱۹: ۲۶): اگر تم کسی آدمی کو دیکھو۔ (المفردات)۔

ب ع ض (بعض)

بَعَضَهُ الْبَعُوْضُ (مضارع، مصدر بَعْضٌ) کے معنی ہیں: مچھروں، پسّوؤں یا کھٹملوں (Gnats or mosquitoes) وغیرہ وغیرہ نے اُسے کاٹا؛ اور ستایا یا تنگ کیا (تاج)۔

بَعُوْضٌ (جمع ہے بَعُوْضَةٌ کی) اور بَقٌّ کے ہم معنی ہے جس کے معنی ہیں: پسّو کھٹمل وغیرہ یا مچھر (مصر میں اسے نَامُوْسٌ کہتے ہیں)؛ اس کا واحد بَقَّةٌ ہے (اساس، قاموس)۔

بَعَّضَهُ (مصدر تَبْعِيْضٌ): اُس نے اُسے حِصّوں یا اجزاء میں تقسیم کردیا (صحاح، اساس، قاموس، مصباح)، ایک دوسرے سے واضح یا جُدا (مصباح)۔ محاورہ ہے: اَخَذُوْا مَالَهُ فَبَعَّضُوْهُ: اُنھوں نے اُس کا مال و منال لیا اور حِصّوں یا جُزوں میں تقسیم کرلیا (اساس، تاج)۔

بَعْضٌ: کچھ یا چند یا کوئی ایک (چیز) چیزوں میں یا چیز میں (مصباح، تاج)۔ ہشام کے سوا سب نحویوں کے نزدیک اس کا معنیٰ ہے، کسی چیز کا حصہ یا جُزو یا جُزء (مصباح، تاج)۔ جمع اَبْعَاضٌ (ابن جنّی، صحاح، قاموس)۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے: بَعْضُ الشَّرِّ اَهْوَنُ مِنْ بَعْضٍ: بُرائی یا مصیبت کی بعض اقسام دوسری اقسام کی بہ نسبت برداشت کرنے میں آسان ہوتی ہیں (اساس)۔ اور جَارِيَةٌ حُسَّانَةٌ يُشْبِهُ بَعْضُهَا بَعْضًا: بڑی ہی خوبصورت لڑکی جس کے اعضا دوسرے اعضا کے مشابہ ہیں (لین)۔

Marfat.com

قُرآنِ حکیم میں ہے :

★ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط (الاسراء ۱۷ : ۲۱) : غور کرو کہ ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے (علم و حکمت، فن و ٹیکنالوجی، قوّت و عزّت، مال و دولت میں) -

★ لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط (الکھف ۱۸ : ۱۹) : ہم ایک دن یا اس کا کوئی حِصّہ رہے ہیں -

اَرْضٌ بَعِضَةٌ : زمین جو پِسّوؤں، کھٹملوں یا مچھروں سے معمور ہو (قاموس) - اِسے مَبْعَضَةٌ بھی کہتے ہیں (تاج) - اور لَيْلَةٌ بَعِضَةٌ : شبِ پشّہ و بقّہ، یعنی ایسی رات جس میں پسّوؤں، کھٹملوں یا مچھروں کی بُہتات ہو (اساس، قاموس) -

الاعراب کا محاورہ ہے : كَلَّفَنِيْ مُخَّ الْبَعُوْضِ : اُس نے مُجھے ایک مُشکل یا محال کام کا مُکلّف کر دیا (اساس، قاموس، الصّغانی کا تکملۃ فی الصّحاح) - راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

بَعْضُ الشَّيْءِ : ہر چیز کے کچھ حِصّے کو کہتے ہیں اور یہ کُل کے اعتبار سے بولا جاتا ہے، اس لیے کُل کے بالمقابل اِستعمال ہوتا ہے؛ جیسے بَعْضُهٗ وَ كُلُّهٗ - اس کی جمع اَبْعَاضٌ آتی ہے - قُرآنِ مجید میں ہے :

★ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (البقرۃ ۲ : ۳۶) : تُم میں سے اکثر دُوسروں کے دُشمن ہوں گے -

اَلْبَعُوْضُ : یہ بھی لفظ بَعْضٌ سے بنا ہے - مچھر یا پِسّو وغیرہ چونکہ دوسرے حیوانات کی بہ نسبت صغیر الجسم یعنی تن بدن کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، اس لیے اسے بَعُوْضٌ کہا جاتا ہے (المفردات) -

ف و ق (فوق)

فَاقَهُمْ : مأخوذ از فوق، تحت کی ضد کے طور پر، مضارع يَفُوْقُهُمْ اور مصدر فَوْقٌ، اور فَوَاقٌ اور فَوَقَانٌ : وہ شخص دوسروں یا اپنے رُفقائے کار پر فوقیت لے گیا، یا اُن سے بازی لے گیا، مثلاً شہرت، عزّت، شرافت، مرتبے میں یا بلحاظِ منصب و عُہدہ وغیرہ وغیرہ (صحاح، مُغرب، العُباب، مصباح، قاموس)؛ یا وہ ان پر غالب آگیا، دلیل یا قُوّت وغیرہ کے ذریعے (کلید، تاج) - فَاقَتِ الْجَارِيَةُ الْجَمَالَ : وہ نوجوان لڑکی حُسن یا خوبصورتی میں سبقت لے گئی (مصباح) -

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

فَوْقٌ : یہ مکان، زمان، جسم، عدد اور مرتبہ سے متعلق اِستعمال ہوتا ہے، اور کئی معانی میں بولا جاتا ہے، مثلاً اوپر کے معانی میں؛ جیسے فرمایا :

Marfat.com

★ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (البقرۃ ۲ : ۶۳) : اور کوہِ گراں تُم پر کھڑا کر دیا، یعنی کوہِ طور ایسی جلیل وعظیم ذِمّے داری تُم پر ڈال دی (سروں پر نہیں بلکہ ذہنوں پر)۔

★ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ (الزُّمر ۳۹ : ۱۶) : اُن کے اوپر بھی آگ کے شامیانے (Awning) ہوں گے اور نیچے بھی اس کے طبق (Stratum) ہوں گے۔

اس میں فوق کو تحت کی ضد کے طور پر اِستعمال کیا گیا ہے (دیکھیے کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

دوم : صعود یا بلندی کے معنے میں۔ اس کی ضد اسفل ہے جس کے معنے پستی کی جانب کے ہیں :

★ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (الاحزاب ۳۳ : ۱۰) : جب وہ تمھارے اُوپر اور نیچے کی طرف سے تُم پر چڑھ آئے۔

سوم : کسی عدد پر زیادتی کے معنی ظاہر کرنے کے لیے اِستعمال ہوتا ہے، جیسے فرمایا :

★ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ (النّسآء ۴ : ۱۱) : اور اگر اولادِ میّت دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہی ہوں۔

چہارم : جسمانیت کے لحاظ سے بڑا یا چھوٹا ہونے کے معنی دیتا ہے۔ چنانچہ آیتِ جلیلہ

★ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرۃ ۲ : ۲۶) : مچھر، پِسُّو (Gnat) وغیرہ یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی، مکڑی) کی مثال بیان فرمائے۔

میں بعض نے کہا ہے کہ فَمَا فَوْقَهَا سے مچھر سے بڑی چیز کی طرف اشارہ ہے، جیسے مکڑی (العنکبوت) جس کی دوسری جگہ مثال بیان کی گئی ہے؛ اور بعض نے فوق سے صغر مراد لیا ہے، یعنی مچھر سے بھی چھوٹی چیز۔ بعض اہلِ لُغت نے اِس سے یہ سمجھ لیا ہے کہ فوق بمعنی دُون بھی اِستعمال ہوتا ہے اور اِسے اِضداد میں شمار کیا ہے، مگر یہ محض ان کی خام خیالی ہے۔

پنجم : بلحاظ فضیلتِ دُنیوی کے اِستعمال ہوتا ہے، جیسے فرمایا :

★ وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الزُّخرف ۴۳ : ۳۲) : اور ہم نے بعض کے درجات دوسروں پر بلند کیے۔

اور کبھی فضیلتِ اُخروی کے لحاظ سے آتا ہے، جیسے فرمایا :

★ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (البقرۃ ۲ : ۲۱۲) : جو لوگ آرزوئے ہدایت اور خشیتِ گمراہی رکھتے ہیں اُن (کافروں) کے مقابلے میں بلند درجہ یا عالی مقام ہوں گے۔

ششم : فوقیت بمعنی غلبہ اور تسلّط، جیسے فرمایا :

Marfat.com

★ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ط (الانعام ۶: ۱۸): وہ (اللہ) اپنے بندوں پر ناقابلِ مزاحمت (Irresistible) قبضہ وقدرت رکھنے والا ہو۔

★ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ (الاعراف ۷: ۱۲۷): اور بلاشبہ ہم ان پر قبضہ وقوت رکھنے والے ہیں۔

اور فَوْقٌ کے لفظ سے فَاقَ فُلَانٌ غَيْرَهٗ يَفُوْقُ کا محاورہ ہے، جس کے معنی دوسرے سے بازی لے جانے کے ہیں، لہٰذا یہ فوق بمعنی فضیلت سے مشتق ہے۔ فَوْق سے فُوْقُ السَّهْمِ کا محاورہ مشتق ہے، جس کے معنی سوفارِ تیر کے ہیں۔

اَلْاِفَاقَةُ (افعال) کے معنی نشہ یا غشی کے بعد ہوش میں آنے یا مرض کے بعد کمزوری سے قوت کی طرف لوٹ آنے کے ہیں، نیز اِفَاقَةٌ کے معنی دودھ دوہنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا بھی آتے ہیں؛ اور جو دودھ تھنوں میں لوٹتا ہے اُسے فُوْقَةٌ کہتے ہیں۔ اور ایک دفعہ تھنوں سے دودھ دوہنے کے بعد ان میں دودھ لوٹنے تک جو وقفہ ہوتا ہے اُسے فَوَاق کہا جاتا ہے، اور آیتِ کریمہ

★ مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (صٓ ۳۸: ۱۵): اس میں وقفہ نہ ہوگا۔

جس کے معنی راحت کے ہیں (المفردات)۔

اَلْفَاقَةُ کے معنی ہیں: اِحتیاج وضرورت یا غریبی۔ اِفْتَاقَ الرَّجُلُ: وہ شخص غریب اور حاجتمند ہوگیا (مصباح، تاج، العُباب): هُوَ ذُوْ فَاقَةٍ: وہ مفلوک الحال یا محتاج ہے۔

ح ق ق (حقق)

حَقٌّ: قرآنِ حکیم کی ازبس اہم مصطلحہ ہے جس کی معنویت اُس نے اپنی سُنّتِ حسنہ کے مطابق خود بیان کردی ہے، جیسے فرمایا:

★ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الانفال ۸: ۷):
اور اللہ کی مشیئت یہ تھی کہ وہ اپنے کلمات کے ذریعے حقیقت و صداقت کو ثابت وقائم کردے اور کافروں کی بیخ کنی کردے۔

اِس آیۂ جلیلہ میں يُحِقَّ کو يَقْطَعَ کے مقابل رکھ کر جتادیا کہ حق کو ثبات و دوام مُستلزم ہے اور وہ ناقابلِ اِستیصال ہے۔ اس سے استنباط کرسکتے ہیں کہ کُفر چونکہ باطل ہے اِس لیے اُسے ثبات وقیام نہیں

Marfat.com

اور وہ فنا ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی اس کی مزید تشریح اس طرح کردی :

★ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ○ (الانفال ۸ : ۸) : تاکہ وہ سچ (حقیقت و صداقت) کو قائم و دائم کردے اور جھوٹ کو نیست و نابود کردے ، باطل پرست چاہے کتنی مخالفت کریں ۔

مترادفات اور نقیضین کے اعجاز استعمال سے حق کی معنویت واضح ہوگئی ہے ۔

★ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ○ (الاسراء ۱۷ : ۸۱) :
اور کہہ دو کہ سچ ثابت و قائم ہوگیا اور جھوٹ (Falsehood) نابود ہوگیا (Vanishad away)۔
جَآءَ الْحَقُّ کے مقابلے میں زَهَقَ الْبَاطِلُ کو لاکر حق و باطل کی معنویت آشکارا کردی گئی ہے ۔
یہ بیان اعجازاتِ قرآن میں سے ہے ۔

★ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ (الانبیاء ۲۱ : ۱۸) : مگر ہمارا قانون یہ ہے کہ سچ (True) کا جھوٹ (False) سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ اس کا بھیجہ نکال دیتا ہے اور دیکھتے دیکھتے نابود ہو جاتا ہے ۔

★ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۳) :
اُس (= اللہ) نے آسمانوں اور زمین کو مستقل جمالیاتی و افادی اقدار ، مقصدیت اور حکمت کے ساتھ تخلیق کیا۔ اللہ اس سے منزّہ و وراء ہے جو وہ شرک کرتے ہیں ۔

★ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (الزمر ۳۹ : ۲) : (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) مستقل و پائیدار افادیت و مقصدیت اور صداقت و حکمت کے ساتھ نازل کی ہے ۔

★ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (الحج ۲۲ : ۶) : یہ اس لیے ہے کہ اللہ جو ہے وہ قائم بالذات حقیقت اور ازلی و ابدی سچ ہے ۔

★ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (لقمٰن ۳۱ : ۳۰) :
یہ اس لیے کہ اللہ جو ہے وہی قائم بالذات حقیقت (Reality-in-itself) اور ازلی و ابدی سچ (Eternal truth) ہے اور اس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں وہ جھوٹ ، مایا اور بے اصل ہے۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :
اَلْحَقّ کے اصل معانی مطابقت و موافقت کے ہیں ، جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح ٹھیک جُٹ جاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے ۔ لفظِ "حق"

Marfat.com

کئی طرح پر اِستعمال ہوتا ہے :

اوّلاً : وہ ذات جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق اشیاء کو ایجاد کرے - اِس معنی میں اللہ تعالیٰ پر حق کا لفظ بولا جاتا ہے -چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○

(یُونس ۱۰ : ۳۲) : یہی اللہ تو تمھارا حقیقی اور سچّا پروردگار و آقا ہے : (Real, rightful and true cherisher, sustainer and Lord) -

اور سچ یا حق کے بعد گمراہی کے سوا باقی کیا رہ جاتا ہے ؟ پھر تُم کہاں (حق سے منہ موڑکر) گمراہ ہوئے جارہے ہو ؟ یا گمراہ کیے جارہے ہو ؟

معلوم ہوا کہ ہدایت حق اور گمراہی باطل ہے - بالفاظِ دیگر ہدایت یا صراطِ مُستقیم ہی سچّی اور حقیقی و فطری راہِ حیات ہے اور اس کے سوا تمام راہیں غیر فطری ، کھو جانے اور گمراہ کرنے والی ہیں (کلیدِ لُغاتِ قُرآن) -

ثانیاً : ہر وہ چیز جو مقتضائے حکمت کے مطابق پیدا یا تخلیق کی گئی ہو - اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق ہے - قرآنِ مجید میں ہے :

★ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ (یُونس ۱۰ : ۵) : یہ سب کچھ اللہ نے حکمت سے با مقصد تخلیق کیا ہے (اس لیے اِن میں مقصدیت وغایت اور جمالیاتی - اِفادی اقدار پائی جاتی ہیں : کلیدِ لُغاتِ قُرآن) - قیامت سے متعلق فرمایا :

★ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ (یُونس ۱۰ : ۵۳) : اور آپ سے اِستفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے ؟ کہہ دیجیے : ہاں ! میرے پروردگار و آقا کی قسم ! یہ سچ اور شُدنی ہے -

★ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(آلِ عمران ۳ : ۷۱) : اے اہلِ کتاب ! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو ؟ اور سچ کو جانتے بوجھتے کیوں چھپاتے ہو ؟

ثالثاً : کسی شے سے متعلق ایسا اعتقاد رکھنا جیسا کہ وہ نفسِ واقع میں ہے ، جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ نشأۃِ ثانیہ ، ثواب وعذاب اور جنّت وجہنّم کے متعلق فُلاں کا اعتقاد حق یا سچا ہے - قُرآنِ حکیم میں ہے :

★ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ (البقرۃ ۲ : ۲۱۳) :

Marfat.com

پس جو لوگ اِیمان لائے اللہ نے انھیں اپنی مشیّت سے حق کی صراطِ مُستقیم دکھا دی جس کے متعلّق وہ اختلاف کرتے تھے۔

رابعًا: وہ قول یا عمل جو اس طرح واقع ہو جس طرح پر اس کا ہونا لازم ہے اور اُسی مقدار اور اُسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت پر اس کا ہونا واجب ہے۔ چنانچہ اِسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ تمھاری بات یا تمھارا فعل حق ہے۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (یونس ۱۰: ۳۳): اس طرح تیرے رب کی بات نافرمانوں پر صادق آگئی کہ وہ اِیمان نہیں لائیں گے۔

★ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ (المؤمنون ۲۳: ۷۱): اور اگر الحق ان کی خواہشات و داعیات کے پیچھے چلتا۔

اِس میں الحق سے مُراد اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے اور وہ مُحکم (قانونِ عدل) بھی، جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

اَحْقَقْتُ كَذَا: میں نے اس کا حق ہونا ثابت کر دیا؛ اس پر حق ہونے کا حُکم لگایا؛ اور آیۂ کریمہ

★ لِيُحِقَّ الْحَقَّ (الانفال ۸: ۸): تاکہ سچ کو سچ ثابت کر دے۔

فُلَانٌ نَزِقُ الْحِقَاقِ: فُلاں چھوٹی چھوٹی باتوں میں جھگڑا کرتا ہے۔ یہ کبھی واجب، لازم اور لائق و سزاوار کے معنی میں اِستعمال ہوتا ہے؛ جیسے فرمایا:

★ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الروم ۳۰: ۴۷): مؤمنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہو گیا تھا۔

★ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (الاعراف ۷: ۱۰۵): مُجھ پر لازم ہے کہ میں اللہ کے بارے میں سچ کے سوا کچھ نہ کہوں۔

حقیقت کا لفظ کبھی اِس چیز کے بارے میں اِستعمال ہوتا ہے جسے ثبات اور وجود حاصل ہو، جیسے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حارثہؓ سے پوچھا تھا کہ — لِكُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةٌ فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ: ہر سچی چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے تو تمھارے اِیمان کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی یہ کیسے معلوم ہُوا کہ جس چیز کے تُم مُدّعی ہو وہ حق ہے۔

کبھی حقیقت کا لفظ اعتقاد کے متعلّق اِستعمال ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور کبھی قول و عمل کے متعلّق: جیسے کہا جاتا ہے: فُلَانٌ لِفِعْلِهٖ حَقِيْقَةٌ: فُلاں اپنے فعل میں سچا ہے، یعنی ریاکار نہیں ہے۔

Marfat.com

وَ یَقُوْلِہٖ حَقِیْقَۃٌ : یعنی وہ اپنے قول میں رخصت پر عمل کر رہا ہے اور زیادتی سے کام نہیں لے رہا۔ کہا گیا ہے :

اَلدُّنْیَا بَاطِلٌ وَ الْاٰخِرَۃُ حَقِیْقَۃٌ : دُنیا فانی ہے اور آخرت کو بقا لازم ہے۔

اَلْحِقُّ : وہ اونٹ جو بار برداری کے قابل ہو جائے : مونث حِقَّۃٌ اور جمع حِقَاقٌ (المفردات)۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میں صحت و موزونی اور محکمی و ثبات کا مفہوم پایا جاتا ہے (مُجمل)۔

صاحبِ کلیدِ لُغاتِ قرآن کے مطابق "حق" میں حقیقتِ نفس الامری، صداقت اور واقعیت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔اِس بناء پر قرآنِ مجید نے اسے دینِ فطری اِسلام، فطری وحسین راہِ راست اور کلامِ اِلٰہی خصوصاً حُسنِ کلامِ آخر کے لیے استعمال کیا ہے؛ جیسا کہ اِرشاد ہُوا :

★ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ..... اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ..... كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ○ (یُونس ۱۰ : ۳۵) : ان سے پوچھو! تمھارے شریکوں میں سے (جو تم نے اللہ کے لیے مقرر کر رکھے ہیں) کوئی ایسا ہے جو سچی، فطری اور قائم و دائم راہِ راست (= صِراطِ مُستقیم) کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ انھیں بتادو کہ اللہ ہی ہے جو صِراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (سوچو اور جواب دو کہ) جو صِراطِ مُستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کا مستحق (یا سزاوار) ہے کہ اس کا اِتباع کیا جائے یا جو خود راہِ مُستقیم نہ پائے جب تک کہ کوئی اُسے راہِ راست نہ دکھائے؟ پھر تمھیں کیا ہوا ہے (کہ اللہ کی پیروی نہیں کرتے)؛ کیسا غلط فیصلہ کرتے ہو!

قُرآنِ حکیم نے اِس صورتِ حال کی خود ہی توجیہ بھی کر دی ہے کہ لوگ اس لیے اللہ کی صِراطِ مُستقیم کے بجائے ظُلم و جہل کی راہیں اِختیار کرتے ہیں کہ وہ عقل کے بجائے وہم و گمان سے کام لیتے ہیں؛ حالانکہ

★ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ط (یُونس ۱۰ : ۳۶) : وہم و گمان کسی طرح بھی حق کا بدل نہیں ہو سکتا۔

ظن کو حق کے مقابلے میں لاکر اس کی معنویت کی صراحت کر دی کہ متحقق و معقول اور یقینی بات یا حقیقت کو حق کہتے ہیں۔

★ اَلْحَآقَّۃُ (الحآقّۃ ۶۹ : ۱-۲) : واقعیت جو شُدنی ہے؛ یعنی ایسا واقعہ جس کی وقوع پذیری یقینی اور شک و شُبہ سے بالا ہے (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

مُحَقِّقٌ : ادب میں ناقدانہ تحقیق کرنے اور حُکم لگانے والا (لین)۔

Marfat.com

ر و د

رَادَ، مضارع یَرُوْدُ، مصدر رَوَدَانٌ اور رَوْدٌ : وہ (انسان یا کوئی چیز) آیا اور گیا ؛ اِدھر سے اُدھر گیا ؛ وہ بیقرار و بے سکون تھا (اساس ، صحاح ، تہذیب) - محاورہ ہے : مَالِيَ أَرَاكَ تَرُوْدُ مُنْذُ الْيَوْمِ (اساس ، تاج) : مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تجھے دن بھر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آتا جاتا دیکھتا ہوں - راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلرَّوْدُ : اس کے اصل معنی نرمی کے ساتھ کسی چیز کی طلب میں بار بار آنے جانے کے ہیں ؛ اور اِسی سے فعل رَادَ وَالرْتَادَ اور اسم فاعل رَائِدٌ ہے ؛ یعنی وہ شخص جسے پانی اور چارا کی تلاش میں قافلے سے آگے بھیج دیا جاتا ہے - اور رَادَ الْاِبِلُ فِي مَشْيِهَا : اُونٹ نرم چال سے چلے اَرْوَدَ یُرْوِدُ (افعال) کے معنی ہیں : نرمی کرنا (یا مہلت دینا)، اور اس سے رُوَیْدًا (اسم فعل) ہے جیسے رُوَیْدَكَ الشِّعْرَ یَغِبُّ : کل تک شعر کو مہلت دو ، یعنی اس پر غور کرو -

اَلْاِرَادَةُ : کہتے ہیں کہ یہ رَادَ یَرُوْدُ سے مأخوذ ہے - اس کے معنی ہیں : کسی چیز کی طلب میں سعی و جستجو کرنا - اِرَادَة اصل میں اس قوّت کا نام ہے جس میں خواہش ، ضرورت اور آرزو کے جذبات ملے جُلے ہوں - پھر اس سے مُراد دل کا کسی طرف کھنچنا اس فیصلے کے ساتھ کہ اُسے کرنا چاہیے یا نہیں - بعد ازیں ، یہ کبھی دل کے کسی طرف کھنچنے کے لیے بولا جاتا ہے جو کہ اِرادہ کا مبدء ہے اور کبھی مُنتہیٰ کے معنی مُراد ہوتے ہیں ، یعنی محض فیصلہ کے لیے - جب اِرادہ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے متعلق اِستعمال ہو تو مُنتہیٰ کے معنی مراد ہوتے ہیں ، یعنی کسی کام کا فیصلہ ؛ لیکن خواہشِ نفس کا معنی مُراد نہیں ہوتا ، کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ خواہشاتِ نفسانی سے مبرّا ہے - لہٰذا اَرَادَ اللّٰهُ كَذَا کے معنی ہوں گے : اللہ نے فُلاں کام کا فیصلہ کیا - چنانچہ فرمایا :

★ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (الاحزاب ۳۳ : ۱۷) : اگر اللہ (اپنے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے) تمھیں خوف و حُزن اور مصیبت و اِبتلاء میں مبتلا کرنے کا فیصلہ یا تمھیں حسنہ و مسرّت سے ہمکنار کرنے کا فیصلہ کرے -

کبھی اِرادہ بمعنی امر یا حُکم کے آتا ہے : مثلاً اُرِيْدُ مِنْكَ كَذَا کے معنی یہ ہیں کہ میں تجھے فُلاں کام کرنے کا حُکم دیتا ہوں ؛ جیسے قُرآنِ مجید میں ہے :

★ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ ۲ : ۱۸۵) : اللہ تمھارے ساتھ

Marfat.com

آسانی روا رکھنا چاہتا ہے اور تمھیں تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آسان کاموں کا حکم دیتا ہے اور ایسے اُمور کا حکم نہیں دیتا جس سے تم سختی میں مبتلا ہو جاؤ (یا تنگی محسوس کرو)۔
ارادہ کبھی قصد یا طلب وجستجو کے معنی میں آتا ہے؛ جیسے
★ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ○ (القصص ۲۸: ۸۳): جو دُنیا میں نہ تو اپنی کبریائی کی طلب وجستجو رکھتے ہیں اور نہ اس میں برہمی و انتشار پیدا کرنے کی، اور حُسنِ مآل، آرزوئے ہدایت اور گمراہی سے خوف کھانے والوں (مُتقیوں) کے لیے ہے۔
علاوہ بریں، جس طرح لفظِ ارادہ قوّتِ اختیاریہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اُسی طرح قوّتِ تسخیری، یعنی اضطراری اور غیر اختیاری اُمور میں بھی استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے ارادہ کا لفظ حیوانات اور جمادات دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: چنانچہ قُرآنِ مجید میں دیوار کے متعلق فرمایا:
★ جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ (الکہف ۱۸: ۷۷): دیوار جو گرا چاہتی تھی (المفردات)۔ یہ بات اس شعر سے بھی ثابت ہے:

يُرِيدُ الرُّمْحُ صَدْرَ أَبِي بَرَاءٍ
وَيَعْدِلُ عَنْ دِمَاءِ بَنِي عُقَيْلٍ

ابوبراء کا سینہ چاک کرنے کے لیے نیزہ تیار ہے، مگر بنوعُقیل کے خُون سے وہ منہ موڑ لیتا ہے (مُحکم)۔
الطَّيْرُ تَسْتَرِيدُ: پرند اپنی قُوت یا خوراک (Sustenance) کی طلب وجستجو میں اِدھر سے اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں (اساس)۔
رَاوَدَهُ: اُس نے اُسے (کسی شے سے یا اُس کی طرف) پھیرنا یا مائل کرنا چاہا؛ جیسے اِس روایت میں ہے: رَاوَدَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ: اُس نے اُسے اِسلام قبول کرنے کے لیے کوشش کی۔ مترادف رَاجَعَهُ اور رَادَّهُ (لسان)۔ قُرآنِ مجید میں ہے:
★ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ (یُوسف ۱۲: ۲۳): اور اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا، ناز و ادا یا دلفریب طریقوں سے اُسے اُس کی مرضی کے خلاف ورغلانے اور اپنی بات منوانے کے لیے جتن کیے (تاج، بیضاوی: ۱۲: ۲۳)؛
لین نے اس کے معنی یہ کیے ہیں: She desired, or sought of him, copulation,

Marfat.com

or his lying with her, using blandishment, or artifice, for that purpose; she tempted him to lie with her.

رُوْدٌ : لطافت یا نرمی (Gentleness) ; یا سہل انگاری سے کوئی کام یا کارروائی یا اداکاری کرنا (صحاح، مُحکم، اساس، قاموس)۔ محاورہ ہے : یَمْشِیْ عَلٰی رُوْدٍ : وہ نرمی یا سُبک چال کے ساتھ سیر کرتا یا چلتا پھرتا ہے (صحاح، قاموس)۔

رُوَیْدًا کے معنی ہیں : نرمی کے ساتھ، آہستہ آہستہ، دھیمے دھیمے یا کریمانہ طریقے سے (مُحکم، اساس وغیرہ)۔ الاعراب کا محاورہ ہے : رُوَیْدَ زَیْدًا : اس کے معنی ہیں : زید کے ساتھ کریمانہ معاملہ یا سلوک کرنا، یا اُسے مہلت دینا، یا اُسے تھوڑی دیر کے لیے تنہا رہنے دینا : مترادف اَمْہِلْہُ۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا○ (الطّارق ۸۶ : ۱۷) : (اے نبیؐ!) آپ کافروں کو مُہلت (Respite) دیں! کچھ مدّت کے لیے ان کے ساتھ کریمانہ برتاؤ یا سلوک کریں (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

ک ث ر (کثر)

کَثُرَ مضارع ہے، اس کا مصدر کَثْرَۃٌ اور کَثَارَۃٌ (تاج، مصباح) : وہ تعداد یا کمیت میں بہت زیادہ، بڑا، افزوں، فراواں ہوگیا ; یا جمع ہوتا یا بڑھتا گیا۔ کَثَرُوْا عَلَیْہِ فَغَلَبُوْہُ : وہ اس کے خلاف بکثرت مجتمع ہوگئے اور اس پر غالب آگئے (تاج، مادہ غرق)۔ مَا اَکْثَرَ مَالَہٗ : کتنی زیادہ ہے اس کی دولت! یا کتنے زیادہ ہیں اُن کے مویشی! اِسْتَکْثَرَ مِنَ الشَّیْءِ : کسی شے میں سے زیادہ لینے کی خواہش کرنا (تاج)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ○ (المُدّثّر ۷۴ : ۶) : زیادہ لینے کی نیّت سے کسی پر احسان نہ کرو۔ وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی سُود کاری کی شکل ہے اور دُوسرے اللہ تعالیٰ قرضِ حسنہ دینے کا یا احسان کاری کا حُکم دیتا ہے (المزّمّل ۷۳ : ۲۰ ; کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

کَثْرَۃٌ ضد ہے قِلَّۃٌ کی۔ اور اَلْکَثْرُ وَ الْکُثْرُ : بہت۔ قِلٌّ اور قُلٌّ کی ضد (مصباح)۔ کُثْرُ الشَّیْءِ : کسی شے کی فراوانی۔ کہاوت ہے : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْقِلِّ وَ الْکُثْرِ

Marfat.com

(المنجد) : کمی اور زیادتی ہر صورت میں اللہ کا شکر کرنا واجب ہے۔
تَکَاثَرَ الْقَوْمُ : بہت ہونا۔ کثرت میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا۔ الشَّیْءَ : کسی چیز کو بہت سمجھنا یا بہت شمار کرنا۔ تَکَاثَرَ مِنَ الشَّیْءِ : کسی چیز کو زیادہ کرنا یا اس کی بہت خواہش کرنا (وہی کتاب)۔
المُکْثِرُ : مالدار یا بہت دولت مند (اساس)۔ الکَیْثَرُ : بہت فیاض مرد۔
المُکْثُوْرُ : مغلوب۔ وہ شخص جس کے مقابلے میں بہت سے آدمی جمع ہو جائیں اور اس پر قابو پالیں۔ نیز وہ شخص جس کا سرمایہ ختم ہو جائے اور اس پر لوگوں کے حقوق اور مطالبات بہت زیادہ ہو جائیں (تاج)۔
تَکَاثُرٌ : مال و منال میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی طلب و سعی کرنا۔ قرآنِ مجید میں ہے :
★ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ○ (التکاثر ۱۰۲: ۱ ابعد) : ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس نے تمھیں (مقصدِ حیات سے) غافل کر رکھا ہے۔ (یہ ہوس عمر بھر انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی، اور وہ مقصودِ زندگی، غایتِ دین اور مشیّتِ ایزدی کو فراموش کر کے صراطِ مستقیم، اللہ تعالیٰ اور خود اپنے آپ سے دُور ہوتا جاتا ہے)۔
کَوْثَرٌ (مصباح) اور کَیْثَرٌ (قاموس، بذیلِ مادّہ بول وغیرہ) : بہت بڑی تعداد۔
غُبَارٌ کَوْثَرٌ : بہت زیادہ گرد (صحاح)۔
کَثِیْرَۃٌ، ۃ کے ساتھ (بطورِ اسم بمعنی بہت یا زیادہ) ہمیشہ منفی جملوں میں استعمال ہوتا ہے، اپنے نقیض قَلِیْلَۃٌ کی طرح (الازہری در تاج، مادّہ قل)۔
الْکَوْثَرُ، قرآنِ مجید نے اِسے اِصطلاحاً استعمال کیا ہے :
اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ (الکوثر ۱۰۸: ۱) : (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کو دُنیوی۔ اُخروی حسنہ کی کثرت عطا کی ہے۔ یا "ابتر" کی رعایت سے آپ کو بکثرت اولادِ معنوی عطا کر دی ہے جو ہمیشہ بڑھتی رہے گی (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

ف س ق (فسق)

فِسْق کے بُنیادی معانی ہیں : وہ چیز ایک دوسری چیز سے بُرے اور شر انگیز انداز میں دُور

Marfat.com

نکل گئی (مصباح) - انگریزی میں It is said to signify primarily. It (a thing) went forth from another thing in a bad or corrupt, manner (Lane). - عربوں کا محاورہ ہے : فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ یا فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ عَنْ قِشْرِھَا : پکی ہوئی تازہ کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل آئی (صحاح، العُباب، قاموس)، نیز اَنْفَسَقَتْ، اسی طرح فَسَقَ سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں : وہ اپنے چھلکے یا کھال (Integument) سے باہر نکل آئی (ابن دُرید ، العُباب ، قاموس) : ابنِ قُسْطِی کا بھی یہی قول ہے (مصباح)۔

فَسَقَ، مضارع اور مصدر فُسُوْقٌ ، فِسْقٌ یا یہ محض اِسم ہے، اسی طرح فَسُقَ بمثل کَرُمَ : وہ راہِ راست سے دُور نکل گیا یا بھٹک گیا ؛ یا اُس نے اس راہ کو ترک کر دیا . یا وہ طریقِ عدل و صداقت اور حدودِ شرعی سے باہر نکل گیا یا قیودِ طاعت سے باہر آگیا ؛ اُس نے حکمِ اِلٰہی سے سرتابی کی ؛ یا نافرمانی کی (تاج، قاموس، مصباح، مُغرب) - اس کے معنی فَجَرَ کے بھی ہیں : اس نے حدود سے تجاوز کیا ؛ عہد شکنی کی (Transgressed) ؛ یا اُس نے اَلْمُنْکَر یعنی بے حیائی ، بُرائی ، بدکرداری یا گناہ کا ارتکاب کیا (صحاح، العُباب، قاموس) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ؕ (الکھف ۱۸ : ۵۰) : وہ جنّوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرنے سے گریز کیا (خَرَجَ) ؛ دیکھیے (ثالب، صحاح، العُباب، فراء، تاج) یا انکار کر دیا (ابو عُبیدہ) - فَسَقَ مَالَہٗ : اُس نے اس کی جائیداد ہتھیالی اور اُسے بیچ ڈالا یا خرچ کر دیا (تاج) -

راغب اصفہانیؒ کے نزدیک فسق کا لفظ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے گناہ کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے - اگرچہ عرفِ عام میں بڑے گناہوں کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے - شرعاً فسق کا مفہوم کُفر سے زیادہ عام ہے - عام طور پر فَاسِقٌ کا لفظ اس شخص سے متعلق اِستعمال ہوتا ہے جو احکامِ شریعت کا اِلتزام اور اِقرار کرنے کے بعد تمام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے ؛ اور کافرِ حقیقی پر فَاسِقٌ کا لفظ اس لیے بولا جاتا ہے کہ وہ حکمِ عقل یا فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے (المفردات) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ فَفَسَقُوْا فِیْھَا (الاسراء ۱۷ : ۱۶) : وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں -

★ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آلِ عمران ۳ : ۱۱۰) : ان میں کچھ مؤمن بھی ہیں اور ان میں اکثریت نافرمانوں کی ہے -

معلوم ہوا کہ فِسق سے اِیمان خارج ہو جاتا ہے اور فاسق پھر مؤمن نہیں رہتا - اسی طرح غیر اللہ کی عبادت اور شرک کرنا کُفر اور فسق ہے ، اور ایسا کرنے والے فاسق ہوتے ہیں :

Marfat.com

★ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النُّور ۲۴ : ۵۵) : وہ میری طاعت و بندگی کریں گے ۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیرائیں گے اور اس کے بعد جو کفر کریں گے تو وہی "فاسق" ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحی و تنزیل کے مطابق کسی قاضی (جج)، منصف، حَکم، حاکم وغیرہ کا فیصلہ نہ کرنا' یا اربابِ اقتدار کا ملک میں احکام یا قوانین نافذ نہ کرنا بھی فِسق ہے :

★ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (المائدہ ۵ : ۴۷) : اور جو اللہ کی (وحی و) تنزیل کے مطابق فیصلہ نہیں دے گا یا حُکم نافذ نہیں کرے گا تو ایسے لوگ ہی "فاسق" ہیں۔

★ اسی سُورے میں فرمایا کہ ایسا نہ کرنے والے کافر و ظالم ہیں (المائدة ۵ : ۴۴ - ۴۵)۔

★ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب بھی فِسق ہے اور ایسا کرنے والے فاسق ہیں (الانعام ۶ : ۴۹)۔

★ مُنکر یعنی غیر فطری یا غیر قرآنی کاموں کا حُکم دینا (مثلاً جیسا کہ پاکستان کی موجودہ حکومت سُود کاری، جاگیرداری، اِکتناز یا سرمایہ داری، بُخل کا، نیز طاغوتی طریقے سے زکوٰۃ دینے کا حُکم دیتی ہے)، اور معروف یا حسنہ و اِحسان کاری اور حُسنِ عمل سے منع کرنا (مثلاً اللہ کے حُکم کے مطابق زکوٰۃ اور العفو دینے یا لینے سے منع کرنا، جیسا کہ پاکستان میں ہو رہا ہے)؛ نیز اللہ تعالیٰ (کے اوامر و نواہی اور اس کے حُسنِ کلامِ آخر کی تعلیمات) کو جُھلا دینا "نفاق" ہے اور مُنافق ہی فاسق ہیں (التوبة ۹ : ۶۷) :

★ قُرآنِ حکیم نے فاسقوں کی ایک بصیرت افروز و جامع تعریف اِس طرح کی ہے کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ (کلمہ پڑھنے کی بِناء پر) مضبوطی سے قول و قرار کرتے اور پھر توڑ دیتے ہیں، اور جن اشیاء (مثلاً صلۂ رحمی کے، قرابتی، دینی اُخوت، ملّی، قومی اور اِنسانی روابط، نیز تجارتی، صنعتی، سیاسی، عسکری اور دیگر معاہدات اور عہد و پیمان) کو قائم رکھنے کا اللہ نے حُکم دیا ہے، توڑ دیتے ہیں؛ اور زمین یعنی دُنیا، ملک یا معاشرے میں فتنہ و برہمی اور خرابی و انتشار پھیلاتے ہیں؛ فاسق ہیں (البقرة ۲ : ۲۶ - ۲۷)۔

★ عفیفہ یا پاکدامن عورتوں پر بغیر شاہدوں کے بدکرداری کا الزام لگانا "فسق" ہے اور ایسا کرنے والے فاسق ہیں (النُّور ۲۴ : ۴)۔

مزید معانی معلوم کرنے کے لیے کلیدِ لُغاتِ قُرآن کی طرف رجوع کیجیے۔

نُکتہ : "فاسق" قُرآنِ مجید کی اِصطلاح ہے اور اس نے خود ہی اس کے معانی بھی بتا دیے ہیں،

Marfat.com

جو اس کی مابہ الامتیاز خصوصیات میں سے ہے۔ ابن الاعرابی کا قول ہے کہ فاسق کا لفظ صرف قرآنِ مجید نے انسانوں کے لیے استعمال کیا ہے، ورنہ زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ انسانوں کے لیے اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ پکی ہوئی تازہ کھجور کے متعلق فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا کا محاورہ استعمال ہوتا تھا (المفردات)۔

چوہیا کو اس کے شر و خباثت کی بناء پر فُوَیْسِقَۃ کہا جاتا ہے، مترادف: الفَأْرَۃُ (صحاح، قاموس، العُباب)۔

فُسُوْق : یہ اِصطلاحِ قرآنی فسوق کے مذکورۂ بالا معانی پر حاوی ہے۔ اس کا دو ایک الفاظ میں ترجمہ کرنا محال ہے، لیکن بمقتضائے اختصار اس کا ترجمہ "حقوقِ انسانی کی بے حرمتی اور سچائی یا صراطِ مستقیم سے انحراف" کیا جاتا ہے۔

★ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (البقرۃ ۲ : ۱۹۷) :
حج کے ایام کے دوران نہ تو شہوانی رغبت کی اور نہ حقوقِ انسانی کی بے حرمتی اور سچائی یا صراطِ مستقیم سے انحراف کی اور نہ حجت و تکرار ہی کی اجازت ہے۔

فَسَقَ و فَسُقَ ، فِسْقًا و فُسُوْقًا : حق و صلاح کے راستے سے ہٹ جانا۔ بدکار ہونا۔ صفت فَاسِقٌ ، جمع فَسَقَۃٌ وَ فُسَّاقٌ وَ فَاسِقُوْنَ۔ مؤنث فَاسِقَۃٌ ؛ جمع فَاسِقَاتٌ وَ فَوَاسِقُ (صحاح، قاموس، المنجد)۔

الفِسِّقُ وَ الفُسَّاقُ وَ الفِسِّیْقُ : بہت بڑا بدکار یا ہمیشہ بدکاری کرنے والا۔ محاورہ ہے : یَا فُسَقُ ؛ یعنی اَیُّهَا الفَاسِقُ : اے فاسق ؛ اور یہ نداء ہی کے لیے مخصوص ہے جیسے یَا خُبَثُ ! (صحاح، العُباب، قاموس)۔

فَاسِقِیَّۃٌ : پگڑی باندھنے کا ایک انداز (الزجاج، قاموس)۔

ن ق ض (نقض)

نَقَضَہٗ (مضارع اور نَقْضٌ مصدر ہے) : اُس نے اُسے منہدم کر دیا ؛ اس کا شیرازہ منتشر کر دیا ؛ پاش پاش کر دیا، کھول دیا، اُدھیڑ ڈالا : ریشہ ریشہ یا دھاگا دھاگا کر دیا۔ اُسے کھول دیا، کسی چیز میں حل کر دیا یا کھول دیا، توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا یا اُسے بودا، ناآھنگ یا غیر محکم بنا دیا : اُسے پکا، مضبوط یا محکم کرنے کے

Marfat.com

بعد : جیسے عمارت، ڈھانچا : اور رسّی یا ڈوری : اور ریشم یا پٹ سن اور کپڑا (اساس، المفردات، مُحکم، مصباح، تاج، قاموس، لِسان) ؛ اور عہد و پیمان، قول و قرار یا معاہدہ، سودا، اور دوسری چیزیں، مثلاً معاملہ، استغاثہ ؛ اور اس مقام کی حالت جس میں دشمن کے حملے کا خوف و خطرہ ہو (وہی کُتب) :

He undid it; took it, or pulled it, to pieces; untwisted it; unwove it; dissolved it: broke it: unravelled it: or rendered it uncompact, unsound, or unfirm, namely, a building or structure, and a rope or cord and silk, or flax and cloth; and a compact, contract, or covenant and a sale and other things - نقیض (Contrary) أَبْرَمَهُ (وہی کُتب) - قاموس میں لکھا ہے کہ النَّقْضُ کا نقیض الإِبْرَامُ ہے - راغب اصفہانی کا بھی یہی قول ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اس کے معنی کسی چیز کا شیرازہ بکھیرنے کے ہیں؛ جیسے نَقَضْتُ الْبِنَاءَ : عمارت کو ڈھانا : الحَبْلُ : رسّی کے بل اُتارنا - اَلْعَقْدَ : گرہ کھولنا (المفردات) -

اَلنِّقْضُ وَ النَّقْضُ : یہ دونوں بمعنی منقوض آتے ہیں - لیکن نون کی کسر کے ساتھ زیادہ تر عمارت کے لیے آتا ہے ؛ اور بفتح النّون کا عام استعمال اشعار کے متعلق ہوتا ہے - اسی سے دُبلے اُونٹ اور اراضی کی پرت کو جو کھُمبی وغیرہ کے نکلنے سے پھٹ جاتی ہے، نِقْضٌ کہا جاتا ہے - پھر نَقْضُ الْحَبْلِ وَالْعَقْدِ سے استعارہ کے طور پر عہد شکنی کے لیے بھی نَقْضٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے - چنانچہ قُرآن مجید میں ہے :

★ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ (الانفال ۸ : ۵۶) : پھر وہ اپنے عہدِ صُلح کو توڑ دیتے ہیں (Annual, abolish or break the treaty) -

★ اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (البقرۃ ۲ : ۲۷) :
جو اللہ کے عہد (Covenant) کو مُحکم بنانے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں -

★ اَلَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الانشراح ۹۴ : ۳) : جس (گرانیٔ غمِ انسانی) نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی؛ یعنی آپ کو سخت دل گرفتہ و پریشان کر رکھا تھا -

نَقَضْتُ مَا أَبْرَمَهُ : جس کو اُس نے مُحکم بنایا تھا میں نے اُسے توڑ دیا یا منسوخ کر دیا (مصباح) - انگریزی میں (I annulled what he confirmed, or made firm)

اَلْمُنَاقَضَةُ فِي الْقَوْلِ : ایسی بات جس کے معنی میں تناقض یا تناقضات پائے جائیں (تاج، قاموس، صحاح) - نَاقَضَهُ فِي الشَّيْءِ (مصدر مُنَاقَضَةٌ اور نِقَاضٌ) : اُس نے فلاں بات میں یا اس کے متعلق اس شخص کی تردید کی (He contradicted him) : قُلْتُ لَهُ نِقَاضًا : میرے متعلق اُس نے

Marfat.com

جو طنزیہ بات کی، میں نے اس کی تردید کی۔

تَنَاقُضٌ کے یہ معنی بھی ہیں : ایک دوسرے کی ضد یا ناموافقت : یہ تَوَافُقٌ کا نقیض ہے (العُباب، تاج) ۔ محاورہ ہے : فِي كَلَامِهٖ تَنَاقُضٌ : اس کے کلام میں تضاد پایا جاتا ہے۔

نَقِيضٌ کے معنی ہیں : ضد (A contradiction) : محاورہ ہے : ذَا نَقِيضُ ذَاكَ : یہ اس کا نقیض ہے ؛ یا یہ اس کے ناموافق یا ناآهنگ ہے (اساس، تاج) ؛ اِلنّقِيضَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ وَلَا يَرْتَفِعَانِ : نقیضان یا اضداد نہ تو ایک ہی شے میں باہم جمع ہو سکتے ہیں اور نہ بیک وقت ایک ہی چیز میں مفقود ہی ہو سکتے ہیں (کُلّیات : ابوالبقا، ص ۲۳۱ بعد) ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

نَقَضَتْ : لُغوی تشریحات بھی ملحوظِ خاطر رہیں۔

★ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (النحل ۱۶ : ۹۲) : اور اس (بے وقوف و زیاں کار) عورت کی طرح نہ ہو جانا، جس نے بڑی مشقّت سے سُوت کاتا، پھر (خود ہی) اُسے ادھیڑ کر رکھ دیا : She unwove or unravelled the thread after she spunned it so laboriously.

ایسے احمق اور زیاں کار لوگ وہ ہیں جو صوم و صلوٰۃ کی پابندی بھی کرتے اور حج و عُمرہ بھی کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ شرک یعنی اکابر و سادات پرستی، روضہ و مقبرہ پرستی کرتے، مال و دولت جمع کرتے، اِکتناز و اِحتکار کرتے ہیں، اور فحشآء و مُنکر سے باز نہیں آتے ۔ اقتصادی بد دیانتی کرتے، جھوٹ بولتے، قرآنِ حکیم اور سُنّۃ و آثار کے مطابق نہ زکوٰۃ، نہ العفو اور نہ عُشر ہی دیتے ہیں ؛ نیز انسانی حقوق کی پاسداری بھی نہیں کرتے ؛ امانت میں خیانت کرتے ہیں ؛ نیز سُود خوری و سُود کاری کرتے ہیں۔ علاوہ بریں، وہ فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری کرتے ہیں (کلیدِ لُغاتِ قرآن) ۔

★ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل ۱۶ : ۹۱) : اور اپنی قسمیں پکّی کرنے کے بعد ان کو ہرگز نہ توڑنا۔ Never break your oaths after you have confirmed them.

★ اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ (الرعد ۱۳ : ۲۰) :

Marfat.com

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد و پیمان پورا کرتے ہیں اور مقدس قول و قرار کو نہیں توڑتے :

Those who fulfil the covenant or sacred pact and fall not in their plighted word.

★ الَّذِیٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الم نشرح ۹۴ : ۳) :

جو (بارِ گراں) آپ کی کمر توڑے جا رہا تھا — The (burden) which was weighing down thy back.

ع ھ د یا عہد

عَهِدَ إِلَيْهِ (مضارع ہے ، اس کا مصدر عَهْدٌ ہے) : اُس نے اُسے تاکید کی ، ہدایتِ تاکیدی کی ، حکم دیا یا اُس پر لازم یا واجب کر دیا (صحاح ، اساس ، تاج ، قاموس ، العُباب) : انگریزی میں :

He enjoined, charged, bade, ordered or commanded him.

محاورہ ہے : عَهِدْتُ إِلَيْهِ بِالْأَمْرِ : میں نے اُسے فلاں کام کرنے کا تاکیدی حکم دیا (مصباح) ۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ (یٰسٓ ۳۶ : ۶۰) :

اے بنی آدم یا بنی نوعِ انسان ! کیا میں نے تمھیں تاکیدی حکم نہیں دیا تھا یا تم پر لازم نہیں کر دیا تھا کہ شیطان کی فرماں برداری و بندگی نہ کرنا ؟ انہیں معانی میں اِرشاد ہوا :

★ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ (البقرۃ ۲ : ۱۲۵) : اور ہم نے ابراہیمؑ اور اِسمٰعیلؑ کو تاکیدی حکم دیا تھا یا اُن پر واجب کر دیا تھا کہ وہ میرے گھر کو پاک و صاف رکھیں ۔

عرب یہ بھی کہتے ہیں : عَهِدَ إِلَيْهِ فِيهِ کے معنی ہیں : تَقَدَّمَ ، یعنی اُس نے اُسے فلاں کام کرنے کا حکم دیا یا اس کام کی ذمّے داری اُس پر ڈال دی (قاموس) ۔ اور اُس نے اُسے یہ کام کرنے کا پابند کر دیا (لسان ، مادّہ عقد) ۔ اُس نے اُس پر شرط یا شرائط عائد کیں (اساس) ۔ عَهِدَ إِلَيَّ فُلَانٌ كَذَا : اُس نے فلاں بات کے لیے یا متعلق میرے سامنے اپنے آپ کو پابند کر لیا ، یا ضامن یا جوابدہ بن گیا (قاموس) ۔

عَهِدَ وَعْدَهُ : اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا ۔

مُعَاهَدَةٌ : دو آدمیوں کے درمیان عہد و پیمان ؛ اِقرار نامے یا عہد و پیمان میں ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جانا (مصباح) : انگریزی میں :

The uniting with another in a compact.

Marfat.com

a contract, a covenant, an agreement, a confederacy, a league, a treaty, or an agreement.

اَلْعَہْدُ کے معنی ہیں کسی چیز کی پیہم نگہداشت اور پاسداری کرنا۔ اِس بناء پر اس پختہ وعدہ کو بھی عَہْدٌ کہا جاتا ہے، جس کی نگہداشت و پاسداری ضروری ہو (المفردات) ۔ قرآنِ حکیم میں ہے :

★ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ○ (الاسراء ۱۷ : ۳۴) : اور اپنے عہد کو پورا کرو کہ عہد کے متعلق یقیناً باز پُرس ہوگی۔

★ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۲۴) : ظالموں یا مُشرکوں کے حق میں میری ذِمّے داری پوری نہیں ہوگی یا اللہ اور اِنسانوں کے حقوق غصب کرنے یا ان کی پاسداری نہ کرنے والوں کے لیے میرا یہ وعدہ نہیں ہے۔

ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ عَہْدٌ کے ساتھ اِلٰی کا صلہ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں : کسی کو اس کام یا شے کی تاکید کرنا یا ہدایت دینا جس کی نگہداشت اس پر واجب کی جائے (المجمل) ۔

عَہْدٌ : وفاداری کو بھی کہتے ہیں (تاج) ۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ (الاعراف ۷ : ۱۰۲) : ہم نے اُن میں بہتوں کو عہد پر ثابت قدم یا ایفائے عہد کرنے والا نہ پایا۔

وَلِیُّ عَہْدٍ : جانشین، بادشاہ کے فرمان یا پیمان (Covenant) کے ذریعے (تاج) ۔ وِلَایَۃُ عَہْدٍ : شاہی فرمان یا عہد و پیمان کی بدولت جانشینی — حفاظت، یا تحفُّظ ؛ حفظ و امان کی یقین دہانی یا وعدہ ؛ ذِمّے داری یا ضمانت (Suretiship) : مترادف : اَمَانٌ اور ذِمَّۃٌ (صحاح، قاموس، اساس، مصباح) ؛ اور ضَمَانٌ (العُباب، قاموس) ؛ نیز عُھَیْدَی (العُباب میں عُہَیْدَی ہے) اور عِہْدَانٌ (صحاح، العُباب) ۔ چنانچہ ذُو عَہْدٍ : غیر مُسلم کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ مُسلمانوں کا معاہدہ ہو اور اُس کی رُو سے وہ غیر مُسلم کے جان و مال اور حقوق کی ضمانت فراہم کرتے ہیں اور وہ اس کے عوض جزیہ دیتے ہیں (مُغرب، مصباح، تاج) ۔ مترادف ذِمِّیٌّ : ذِمّیوں کو اَہْلُ الْعَہْدِ کہتے ہیں (صحاح، تاج) ۔ عَہْدٌ کے معنی قسم یا سوگند (Oath) کے بھی آتے ہیں ؛ نیز زمانے کے بھی ؛ محاورہ ہے : کَانَ عَلٰی عَہْدِ فُلَانٍ : یہ اُس کے زمانے میں تھا (اساس) ؛ اور کَانَ ذٰلِکَ فِیْ عَہْدِ شَبَابِیْ : یہ میرے زمانۂ شباب یا جوانی کی بات ہے (قاموس) ۔

عُہْدَۃٌ : خرید و فروخت کی تحریری دستاویز، کہ بوقتِ ضرورت ثبوت کے طور پر کام آئے

Marfat.com

(صحاح، مصباح)۔
فِيهِ عُهْدَةٌ : اس میں نقص، غلطی یا تسامح پایا جاتا ہے (تاج)۔ اور فِي عَقْلِهِ عُهْدَةٌ : اس کی عقل میں کمزوری یا ضُعف ہے (صحاح، اساس، العُباب)۔
عَهْدٌ : سکونت گاہ یا گھر، جہاں لوگ سفر سے یا گھوم پھر کر واپس آتے ہیں (صحاح، العُباب)۔
اَرْضٌ مُعَهَّدَةٌ : اراضی (Land) جس پر جزوی طور پر بارش برسی ہو (قاموس، العُباب)۔

وثق (وثق)

وَثُقَ کے معنی ہیں : اُحْكِمَ یا اِسْتَحْكَمَ یعنی وہ مضبوط، مُحکم، مُستحکم، قائم و دائم یا اُستوار تھا یا ہوگیا (مصباح، صحاح، المُغرب، قاموس) : انگریزی میں It was or became firm, stable, fast or strong — وَثِقَ بِهِ : اُس نے اُس پر بھروسہ کیا یا اُسے اعتماد میں لیا (He trusted, or confided in him)۔
وَثِقْتُ بِهِ اَثِقُ ثِقَةً : کسی پر اعتماد کرنا اور مُطمئن ہونا (المفردات)۔
وَثِقَ يَثِقُ ثِقَةً وَ وُثُوقًا وَ مَوْثِقًا بِفُلَانٍ : اُس نے اس پر اعتماد کیا یا اُسے اعتماد میں لیا۔ صفتِ فاعلی (وَاثِقٌ)، صفتِ مفعولی (مَوْثُوقٌ : مُعتمد)۔
وَثُقَ يُوثُقُ وَ ثَاقَةً — الشَّيْءُ : مُستحکم و ثابت اور مضبوط و قوی ہونا (مصباح، اقرب الموارد)۔
اَوْثَقَهُ اِيْثَاقًا : رسّی سے مضبوط باندھنا۔
تَوَثَّقَتِ الْعُقْدَةُ : گانٹھ (Knot) مضبوط و مُحکم ہوگئی (اساس، مادّہ ا ر ب)۔
ثِقَةٌ : قابلِ اعتماد، معتبر، ایماندار (Trusty; trustworthy, honest)۔ اس کا اطلاق مؤنث، مذکر، واحد اور جمع سب پر یکساں ہوتا ہے (مصباح)۔ محاورہ ہے : فُلَانٌ ذُوْثِقَةٍ : فُلاں شخص بہادر ہے۔
وَاثَقَهُ وِثَاقًا وَمُوَاثَقَةً : معاہدہ کرنا (التہذیب، اساس)۔
اَلتَّوْثِيقَةُ فِي الْاَمْرِ : کسی کام کو قوّت و مضبوطی سے کرنا، اور آزمودہ و یقینی منہاج یا طریقہ اختیار کرنا (تاج) — وَثِيقَةٌ : اقرار نامہ، معاہدہ : A bond, security, or writing of obligation for the payment of a debt or the like. جمع وَثَائِقُ :— شے مرہونہ یعنی جو چیز

Marfat.com

رہن رکھی جائے (Pledge)؛ نیز وَثِیْقَۃٌ کو دُرْجَۃٌ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے (تاج) ۔
مِیْثَاقٌ اور مَوْثِقٌ : پختہ عہد و پیمان جو قسموں کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہو (المفردات)؛ معاہدہ، اقرار نامہ، وعدہ، حلف (صحاح، قاموس وغیرہ) ۔ قرآن مجید میں ہے :

★ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ (الاحزاب ۳۳ : ۷) : اور جب ہم نے نبیوں سے پختہ عہد (Covenant) لیا ۔

اَلْمَوْثِقُ (اسم) پختہ عہد و پیمان : قرآنِ حکیم میں ہے :

★ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ (یوسف ۱۲ : ۶۶) : جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے پختہ عہد و پیمان نہ کرو ۔

اَلْاَوْثَقُ (اسم تفضیل) ۔ مؤنث وُثْقٰی ۔ قریب قریب مَوْثِقٌ کے ہم معنی ہے ۔
قرآنِ مجید میں ہے :

★ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرۃ ۲ : ۲۵۶) : اس نے ایسا محکم حلقہ (Handhold) مضبوطی سے تھام لیا جو ناقابلِ شکست ہے ۔

★ اَلْوَثَاقُ وَالْوِثَاقُ : اس زنجیر یا رسّی کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے ۔
قرآنِ مجید میں ہے :

★ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ (الفجر ۸۹ : ۲۶) : اور نہ کوئی ایسا جکڑنا جکڑے گا ۔

★ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (محمد ۴۷ : ۴) : یہاں تک کہ جب ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو ان کو مضبوطی سے باندھ لو ۔

ق ط ع (قطع)

اَلْقَطْعُ کے معنی ہیں کسی چیز کو علیحدہ کر دینا، خواہ اس کا تعلق باصرہ سے ہو، جیسے اجسام یعنی آنکھوں وغیرہ سے یا بصیرت سے ہو، مثلاً معنوی اشیاء ۔ چنانچہ اسی سے اعضا کا قطع کرنا ہے (المفردات) ۔
قَطَعَهٗ عَنْ حَقِّهٖ : اس نے اس کے حق یا حصے سے روکا ۔ قَطَعَ الصَّلٰوةَ : صلوٰۃ یا نماز کو باطل یا ضائع کرنا ۔
قَطَعَ فِی الْقَوْلِ : یقین کرنا ۔ قَطَعَ الطَّرِیْقَ عَلَی السَّالِکِیْنَ : رہ نوردوں، یا راستہ چلنے والوں کو راستے سے روکنا یا خوف دلا کر چلنے نہ دینا (تاج، المنجد، المفردات) ۔ قَطَعَ النَّهْرَ : نہر کو پار کرنا ۔ قَطَعَهٗ

Marfat.com

بِالقَطِيعِ اَوِ السَّوْطِ: چھڑی یا کوڑے سے مارنا۔ قَطَعَهٗ بِالْحُجَّةِ: دلیل سے خاموش کرنا۔ قَطَعَ لِسَانَهٗ: اِحسان کے ذریعے خاموش کرنا (صحاح، المُغرب، المنجد)۔ قَطَعَ رَحِمَهٗ: صلۂ رحمی یا رشتے داری توڑنا؛ قرابتداری کو ختم کر دینا۔ قَطَعَةَ الصَّدِيقَ: دوست سے قطع تعلق کر لینا یا اُس سے علیحدگی اِختیار کر لینا (قاموس)۔

قَاطَعَهٗ: وہ دوسرے کی مرضی سے اس سے جدا ہو گیا۔ قَاطِعًا (نقیض ہے وَاصَلَا): وہ ایک دوسرے سے علیحدہ یا جُدا ہو گئے؛ اُس نے دوستی یا محبّت کا رشتہ توڑ دیا جس نے انھیں ملایا ہوا تھا (قاموس)۔

قَطَّعَ الشَّيْءَ: ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ الشِّعْرَ: شعر کی تقطیع یا تحلیلِ عروضی کرنا۔ قَطَعَ الْخَمْرَ بِالْمَاءِ: شراب میں پانی ملانا یا شراب کو پانی میں ملانا۔

قَاطَعَهٗ مُقَاطَعَةً: کسی کی مُلاقات یا خط و کتابت کا مُنقطع ہو جانا، بائیکاٹ کرنا (مصباح)۔

قِطْعَةٌ: ایک جُز، حصّہ جو کُل سے جُدا ہو۔ اراضی کا ایک ٹکڑا یا منفصل قِطعۂ اراضی۔ شاعری میں سات یا دس یا اس سے کم شعر۔ جمع قِطَعٌ۔ اس کا مترادف ہے مُقَطَّعَاتٌ (مصباح، لین)۔

المُقْطَعَةُ: کاٹنے کی جگہ یا سبب یا باعث۔ محاورہ ہے: الهِجْرُ مُقْطَعَةٌ لِلْوُدِّ: ہجر یا جُدائی قطعِ محبّت کا سبب ہے۔

الحُرُوفُ المُقَطَّعَةُ: حُروفِ ابجد۔ قُرآنِ مجید کی بعض سُورتوں کے پہلے آنے والے حروف (صحاح)۔ قَطَعَ المَاءَ بِالسِّبَاحَةِ: تیراکی کے ذریعے پانی عبور کرنا۔ قَطْعُ الوَصْلِ: تعلق قطع کر لینا۔ قَطْعُ الرَّحِمِ: رشتہ کاٹ لینا یا اِحسان کو روک لینا (المفردات)۔

قُطَّاعُ الطَّرِيقِ: رہزنوں کو کہتے ہیں جو راستہ روک کر لُوٹتے ہیں (تاج)۔ قُرآنِ مجید میں ہے:

★ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ (العنکبوت ۲۹: ۲۹): کیا تم جنسی اختلاط کے لیے لونڈوں کے پاس آتے اور مسافروں کی رہزنی کرتے ہو۔

قُطِعَ بِهٖ: اُس کے اور اُس کی اُمیدوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی۔ وہ مایوس ہو گیا۔ قِطْعٌ مِّنَ اللَّيْلِ: رات کا حصّہ شروع سے اواخرِ شب تک؛ نیز اواخرِ شب کو بھی کہتے ہیں (تاج)؛ رات کا کوئی حصّہ (المجمل)۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

★ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ (هُود ۱۱: ۸۱): رات کے کسی حصّے میں اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جا!

قُطِعَ الرَّجُلُ: آدمی مایوس ہو گیا اور عاجز آ گیا (قاموس، محیط)۔ قَطَعَ الأَمْرَ: کسی بات یا کام کا

Marfat.com

آخری یا قطعی فیصلہ کرنا۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا (النمل ۲۷: ۳۲): میں قطعی فیصلہ کرنے والی نہیں۔

★ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (محمد ۴۷: ۲۲): اور اپنے رشتوں کو قطع کر ڈالو (And sever your ties of kinship)۔

★ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرۃ ۲: ۲۷): اور اُخوت و یگانگت، قرابت و قبیلے کے؛ نیز (خاندانی، قومی، ملّی، عمرانی، دینی، اِقتصادی، سیاسی، عسکری) رشتوں کو قطع کیے دیتے ہیں جن کو اُستوار کرنے کا حُکم دیا گیا ہے۔

★ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ (الحج ۲۲: ۱۵): چاہیے کہ وہ (اپنے گھر) کی چھت کے ساتھ رسّی باندھ لے اور اُسے کاٹ دے یا اُس سے گلا گھونٹ لے، پھر دیکھے۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ اِس آیۂ جلیلہ کے معنی بعض نے رسّی کاٹ دینے کے لیے ہیں تاکہ وہ نیچے زمین پر گر پڑے؛ اور بعض نے کہا ہے کہ گلے میں پھانسی ڈال کر زندگی کو قطع کرنا مُراد ہے۔ یہی معنی حضرت عباسؓ سے مروی ہیں (المفردات)۔

★ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (آلِ عمران ۳: ۱۲۷): تاکہ کُفر کی راہ اختیار کرنے والوں (کے لشکر) کا ایک بازو کاٹ ڈالے۔

اس کا مطلب ہے کہ دشمن کی فوج کے حصّے کو ہلاک کر ڈالے۔

قَطْعُ دَابِرِ الْاِنْسَانِ کے معنی ہیں نوعِ اِنسان کی بیخ کنی کرنا۔ چنانچہ فرمایا :

★ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الانعام ۶: ۴۵): اس طرح اُن لوگوں کا اِستیصال کر دیا گیا جنھوں نے ظُلم کیا تھا۔

★ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○ (الحجر ۱۵: ۶۶): تو صُبح ہوتے ہی ان لوگوں کی بیخ کنی کر دی جائے گی۔

★ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ (التوبۃ ۹: ۱۱۰): بجز اس کے کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔

اس کا مطلب ہے کہ ان کے دل ندامت و پشیمانی اور خوف و حُزن کے سبب مُنہ کو آتے رہیں۔

اَلْقَطِيْعُ، کوڑا کرکٹ کو بھی کہتے ہیں۔ محاورہ ہے : اَصَابَ بِئْرَهُمْ قُطْعٌ: (گرمی کی وجہ سے) اُن کے کنویں کا پانی ختم ہو گیا (المفردات)۔ قُرآنِ مجید میں ہے :

★ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

Marfat.com

(المائدۃ ۵ : ۳۸) : اور چور مرد اور عورت ہوں تو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ اُن کے فعل یا جُرم کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔

بعض مترجمین و مفسرین نے قَطعُ یَدٍ کے معنی ہاتھ روکنے کے لیے ہیں، یعنی کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ چور آئندہ چوری نہ کریں (لُغاتُ القرآن)، لیکن کلیدِ لُغاتِ قرآن کی رُو سے یہ معنی درست نہیں، کیونکہ قرآنِ مجید سے اس کی سند نہیں ملتی، اور نہ عربی لُغت سے۔

ا م ر (امر)

اَمَرَہٗ (مضارع اور مصدر اَمرٌ ہے) : اُس نے اُسے حُکم دیا یا تاکید کی (مُحکم، قاموس، تاج وغیرہ): He commanded him; ordered him; bade him; enjoined him. — مصدر اَمرٌ کا نقیض نَھیٌ ہے (ایضاً)۔ اَمَرَہٗ بِہٖ اور اَمَرَہٗ اِیَّاہٗ : اُس نے اُسے فلاں کام کرنے کا حُکم دیا (صحاح، مُحکم، قاموس)۔ اُمِرتُ بِالسِّوَاکِ : مجھے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ محاورہ ہے : اَمَرَ بِہٖ فَقُتِلَ : اُس نے فلاں کے متعلق حُکم دیا، اس لیے وہ قتل کر دیا گیا۔

اَمِرَ، اَمَرًا و اَمرٌ، اِمرَۃً و اِمَارَۃً : امیر ہونا، سردار ہونا، حاکم ہونا۔ عَلَیہِ : والی ہونا اَمِرَ، اَمَرٌ و اَمَرَۃً۔ الشَّیءُ : بہت ہونا، کثرت سے ہونا۔ الرَّجُل : کثیر مویشی یا دولت کا مالک ہونا۔ صفت اَمِیر (مُحکم، قاموس، تاج)۔ اَمَّرَہٗ : کسی کو امیر و حاکم بنانا۔ اَمَرَہٗ مُؤَامَرَۃً فِی اَمرٍ : کسی امر میں مشورہ کرنا (تاج، لِسان، مُحکم)۔

اَمَرَہٗ اِیمَارًا : حُکم دینا۔ ہٗ۔ اللہ : اللہ تعالیٰ نے اُس کے مال و دولت یا اس کی نسل کو بڑھایا۔ تَاَمَّرَ وَ اُتَمِرَ وَ استَامَرَ۔ ہٗ : کسی سے مشورہ کرنا۔ اِئتَمَرُوا وَ تَاٰمَرُوا : آپس میں مشورہ کرنا (تاج، المصباح وغیرہ)۔

اَلاَمرُ (جمع اوامر، حُکم، فرمان)، نیز کام، واقعہ، چیز (جمع اُمور)۔ اس کے معنی رائے، مرضی، خواہش کے بھی ہیں۔ اُولُوالاَمر : رؤسا، عُلماء، حُکّام (صحاح، مصباح)۔

اَلاِمرَۃُ : امر کا اسم نوع۔ اس کے معنی ہیں : حکومت، ولایت۔ اِمَارَۃٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔ صَاحِبُ الاِمَارَۃِ : امیر (تاج، محیط)۔

اَلاَمَرَۃُ : صحرا یا بیابان میں پتھر کا نشان یا ٹیلہ۔ جمع اَمَرٌ۔ الاَمَارَۃُ : علامت؛ جمع اَمَارَات

Marfat.com

(تاج) ۔

اَلْمُؤْتَمَرُ : مشورہ گاہ ۔ اب کانفرنس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ الْمُؤْتَمِر : خودرائے ۔ الْمِئْمَر : مشورہ ۔ اَمِیْرٌ : اس شخص کو کہتے ہیں جس سے مشورہ لیا جائے ؛ نیز نابینا شخص کی رہنمائی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں (تاج ، قاموس) ۔

اَلْاَمْرُ (اِسم) کے معنی ہیں ، شان یا حالت ۔ اس کی جمع اُمُوْرٌ ہے اور آمَرْتُهٗ (ن) کا مصدر بھی اَمْرٌ آتا ہے ، جس کے معنی حُکم دینے کے ہیں ۔ اَمْرٌ کا لفظ تمام اقوال و افعال کے لیے عام ہے ۔ اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے ۔ اوامر نواہی کے مُقابلے میں امر ضد ہے نہی کی ۔ لیکن قرآن مجید میں اوامر کا لفظ نہیں آیا (المفردات ، المجمل) ۔

اَلْاِئْتِمَارُ کے اصل معنی حُکم بجالانے کے ہیں ۔ کبھی اِئْتِمَارٌ بمعنی تَشَاوُرٌ (باہمی مشورہ کرنا) بھی آجاتا ہے ، کیونکہ مشورے میں بھی ایک دوسرے کے حُکم کو قبول کیا جاتا ہے (المفردات) ۔

اِئْتَمَرَ : اُس نے طاعت اختیار کی ، یا امتثالِ امر کیا (He obeyed, or conformed to a command.) اُس نے سُنا اور اطاعت کی ، مثلاً سمع وطاعت (مُحکم ، مُغرب ، قاموس) ۔

اَمَّارٌ : خوگرِ تحکّم یعنی حُکم چلانے کا عادی (Wont to command) ۔ اس کا مؤنث اَمَّارَةٌ ہے ۔ اَلنَّفْسُ الْاَمَّارَةُ : نفس جو خوگرِ تحکّم ہے (اساس) ۔ نفس جو بدن کی سرشت کی طرف مائل رہتا ہے ، اور اُن نفسانی شہوات و لذائذ میں مشغول رہنے کی ترغیب یا حُکم دیتا ہے جو قلب کو پستی کی طرف دھکیل دیتی ہیں ، اس طرح وہ بدیوں کی سکونت اور قابلِ تعزیر ترغیبات کا سرچشمہ بن جاتا ہے (الکتاب التعریفات) ۔

تَأْمُوْرٌ (قاموس) ، بعض نے تَأْمُوْرَةٌ بھی لکھا ہے (تاج) ، اس کے معنی ہیں : نفس ، کیونکہ یہ حُکم دینے کا عادی ہے (مُحکم ، اساس ، قاموس) ۔ محاورہ ہے : قَدْ عَلِمَ تَأْمُوْرُكَ : تیرا نفس خود اسے جانتا ہے (ابوزید اور تہذیب ، بذیلِ مادّہ تمر) ۔ عقل : The intellect (مُحکم) ۔ قلب (تہذیب ، مُحکم ، اساس) — بذاتِ خود (تاج ، مُحکم) ۔ یہ کثیر المعانی لفظ ہے ، مثلاً خون ؛ خون کا لوتھڑا یا عَلَقَةٌ ؛ نفس کی زندگی ؛ شراب (Wine) ۔ تَأْمُوْرَةٌ : رنگ (A dye) اور زعفران (Safron) ؛ نیز پانی ؛ بادشاہ کا وزیر وغیرہ وغیرہ (الاصمعی ، صحاح ، قاموس ، مُحکم وغیرھم) ۔

مُؤَمَّرٌ : امیر ، والی یا گورنر ، شہزادہ یا بادشاہ ، جو صاحبِ اختیار یا مملکت ہو (مُحکم قاموس) ۔

Marfat.com

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

أَمَرَ کو قُرآنِ حکیم نے متعدد معانی میں اِستعمال کیا ہے، مثلاً حُکم دینا، قطعی حکم یا ہدایت دینا، موعظت و نصیحت کرنا، واجب، لازم یا فرض کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ہر آیت میں اس کی صراحت کر دی جائے گی :

★ وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ (البقرۃ ۲ : ۲۷) : اور اس (رشتے، عہد، قول و قرار، معاہدہ وغیرہم) کو توڑتے ہیں جسے ملانے، وفا یا پورا کرنے کا اللہ نے انھیں پابند کر دیا تھا۔

اَمَرَ بِهٖ کے معنی ہیں : پابند کرنا، لازم کرنا، یا ناگزیر قرار دینا۔

★ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ (یُوسف ۱۲ : ۴۰) : اُس نے قطعی اور بلا اِستثنا حُکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی ہرگز عبادت نہ کرنا۔

★ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی (العلق ۹۶ : ۱۲) : یا تقوٰی (ہدایت کی طلب و جستجو اور گمراہی سے خشیت) کی تاکیدی ہدایت یا وعظ و نصیحت کرتا ہے (Enjoins)۔

★ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف ۷ : ۱۲) : جب میں نے تجھے واضح و قطعی حُکم دیا تھا۔

★ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ (البقرۃ ۲ : ۲۲۲) : اللہ نے تمھیں جو واضح و قطعی ہدایات دی ہیں اُن کے مطابق ہی اپنی (مُطہّر) بیویوں سے اِلتفات کرو۔

اَمَرَ کے یہ بھی معنی ہیں : زیادہ کرنا، بڑھانا، نشوونما دینا؛ یہ کثرت، بُہتات اور افزونی پر دلالت کرتا ہے۔ انہیں معانی کی آئینہ دار یہ آیۂ جلیلہ ہے :

★ اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا (الاسراء ۱۷ : ۱۶) : ہم نے اس بستی کے مرفہ الحال لوگوں کو مال و دولت میں بہت بڑھایا، یعنی اُن کے مال و دولت میں بُہتات پیدا کر دی۔

★ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝ (عبس ۸۰ : ۲۳) : بیشک اللہ نے اسے جو حُکم دیا تھا، اُس نے اس پر عمل نہیں کیا، یعنی اللہ کی حکم عدولی یا نافرمانی کی یا اِمتثالِ امر نہ کیا۔

★ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (الحج ۲۲ : ۴۱) : وہ اِحسان و حسنہ اور حُسنِ عمل کا تاکیدی و تعزیری حُکم دیں اور سیّئہ، عملِ سُوء، ظُلم و عدوان اور جُرم و گناہ کی سختی اور تعزیزی طور سے ممانعت کریں۔

Marfat.com

اس کے معنی موعظت و نصیحت کے بھی آتے ہیں :

★ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرۃ ۲ : ۴۴) : یہ کیا کہ تُم لوگوں کو تو حسنہ و احسان اور ایثار و قربانی کرنے کی وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہو، مگر ایسا کرنا خود بھول جاتے ہو۔

مشورہ اور رائے کے معنی میں : فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۱۰) : (اس معاملے میں) اب تمھارا کیا مشورہ یا رائے ہے ؟

تقاضا کرنا، لازم یا واجب کرنا، تاکیدی حکم دینا یا فرض قرار دینا (کلیدِ لُغاتِ قرآن) :

★ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (ھُود ۱۱ : ۸۷) :

اہلِ مدین نے (طنزاً استفہامِ انکاریہ کے طور پر) کہا : اے شُعیبؑ ! کیا تمھاری صلوٰۃ تمھیں (ہمارے بارے میں) یہ تاکیدی حکم دیتی اور تقاضا کرتی ہے کہ ہم اُن (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔

★ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (الفرقان ۲۵ : ۶۰) : کیا ہم اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں جس کے لیے تُم ہمیں حکم دیتے اور تاکید کرتے ہو ؟

فیصلہ کرنا اور حکم دینا ★ وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ (النمل ۲۷ : ۳۳) : فیصلہ کرنا اور حکم دینا تمھارے اختیار میں ہے۔

ترغیب دینا، مثلاً ★ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرۃ ۲ : ۲۶۸) : اور (شیطان) تمھیں بُخل کی (تنذیری و تبشیری انداز میں) ترغیب دیتا ہے۔

مرضی، خواہش، ارادہ یا اختیار۔

★ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ (الکھف ۱۸ : ۸۲) : یہ سب کچھ میں نے اپنی مرضی یا ارادے سے نہیں کیا۔

★ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف ۷ : ۵۴) : یاد رکھو اُسی کے لیے خَلق اور اَمر ہیں۔

خَلق کو امر کے مقابلے میں لانا اعجازاتِ قرآن میں سے ہے۔ اس سے یہ استقرائی مفہوم نکلتا ہے کہ خَلق مادّی و محسوس خِلقتِ کائنات ہے۔ بخلاف اس کے اَمر کا اطلاق غیر مادّی و لطیف اور غیر مرئی و غیر محسوس اشیاء پر ہوتا ہے، مثلاً رُوح، ملائکہ وغیرہم پر۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

★ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (الاسراء ۱۷ : ۸۵) : آپ کہہ دیجیے کہ رُوح میرے رب کی ایک

Marfat.com

غیر مادّی و لطیف اور غیر محسوس و غیر مرئی شے ہے۔

اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں رُوح اور امر سے متعلق انسان کو نہایت کم علم دیا گیا ہے (موضوعِ مذکور)۔ خلق، ربِّ حکیم و قدیر کی تدریجی تخلیقی فعلیت (Gradual-creative activity) پر اور امر، بخلاف اس کے، "کُن فَیَکُوْن" یعنی بن جا کے حکمِ ملفوظی یا حکم بالوحی کے امتثال میں شئے مخاطب کے بن جانے پر دلالت کرتا ہے (یٰسٓ ۳۶ : ۸۲؛ غافر ۴۰ : ۶۸)۔ چنانچہ یہی مطلب ہے "مِنْ كُلِّ اَمْرٍ" کا، اس آیۂ فکر انگیز میں :

★ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ (القدر ۹۷ : ۴):
فرشتے اور رُوح (شبِ قدر میں) اپنے ربّ کے حکم سے جملہ ہدایات لے کر اُترتے ہیں۔

اِمْرٌ : ایک عجیب و غریب، نہایت بُری، بھیانک، انتہائی شرمناک، خوفناک یا غیر معقول، خلافِ شرع و تقویٰ شے یا بات (تاج)۔ قرآنِ مجید میں ہے :

★ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا (الکہف ۱۸ : ۷۱): آپ نے بلاشبہ خلافِ شرع و تقویٰ اور بھیانک حرکت کی ہے۔

اِمْرًا کے معنی جو آگے آیۂ ۷۴ میں آئے ہیں زیادہ بُرے ہیں، کیونکہ ایک انسان قتل کرنے سے ایک سفینے کو بہت سے انسانوں سمیت ڈبو دینا زیادہ سفّاکانہ حرکت ہے۔ لین نے اِمْرًا کے یہ معنی لکھے ہیں:

A severe, a distressful, a grievous, or an afflictive thing: or a terrible, and foul, or very foul, thing: or a wonderful thing.

و ص ل (وصل)

وَصَلَهٗ، اور وَصَلَ اِلَيْهِ : وہ اُس کے پاس پہنچ گیا یا آ گیا، اُسے مل گیا یا اُس نے اُسے پا لیا (صحاح، قاموس وغیرہ)، نیز تَوَصَّلَ اِلَيْهِ کے بھی یہی معنی ہیں (موضوعِ مذکور)۔ وَصَلَ رَحِمَهٗ : اُس نے رشتے دار کے ساتھ لُطف و کرم کے ذریعے اپنے روابط اُستوار کیے : He made close his ties of relationship by behaving with goodness and affection ext to kindred. (لین)۔ دیکھیے صِلَةُ الرَّحِمِ ـــــ وَصَلَهٗ ـــ اور وَاصَلَهٗ : وہ اُس کے ساتھ گہرا یا محبّت بھرا رابطہ، تعلق، میل ملاپ یا راہ و رسم رکھتا تھا (مصباح، قاموس) ـــ وَصَلَهٗ، مصدر وَصْلٌ اور وَ صَلَةٌ؛ اور

Marfat.com

وَاصَلَهُ : مصدر مُوَاصَلَةٌ اور وِصَالٌ ؛ کو محبت کی نسبت سے اِستعمال کیا جاتا ہے، چاہے پاکیزہ ہو یا ناپاک، معنوی ہو یا مجازی (مُحکم، قاموس) ۔

وَاصَلَ حَبْلَهُ : اُس نے اس کے ساتھ پیار بھرے رویّے سے محبت کو مضبوط کر لیا (مُحکم) ۔

وَصَلَهُ : اُس نے اسے جائیداد دی (تاج) ۔ وَصَلَهُ بِجَائِزَةٍ : اُس نے اُسے تحفہ دیا (قاموس، بذیلِ مادہ حذف) ۔ وَصَلَ : اُس نے پہلے لفظ کو توقّف کے بغیر مابعد لفظ کے ساتھ ملا دیا یا جوڑ دیا؛ نیز اُس نے کوئی مداخلت نہیں کی، یا دخل اندازی نہیں کی (لین) ۔

وِصَالٌ : وہ بلا ناغہ یا متواتر روزے رکھتا رہا (تاج) ۔ وَاصَلَ (دیکھیے وَاتَرَ) ۔

وَاصَلَ الْمَرْاَةَ : اُس نے عورت کے ساتھ محبت کا ربط وضبط یا تعلق قائم کر لیا (تاج):

He held communion, or commerce, of love with the woman.

وَاصَلاً نقیض ہے قَاطَعًا کا (قاموس بذیلِ مادہ قطع) ۔

تَوَصَّلَ اِلَيْهِ : اُس نے اس تک رسائی یا اس کا قُرب حاصل کرنے کے لیے لُطف وکرم کی روش اِختیار کی (صحاح) ۔

وَصْلٌ : اِتحاد (Union) نقیض فِرَاقٌ کا (صحاح، تہذیب)، یا فُرْقَةٌ کا (مصباح) یا فَصْلٌ (بیضاوی ۴ : ۹۴) یا ھِجْرَانٌ کا (صحاح) ۔

صِلَةُ الرَّحِمِ : صِلۂ رحمی : قرابت داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک یا اِحسان کرنا، یا اُن کے ساتھ روابط وتعلّقات کی پاسداری کرنا۔ قَطْعُ الرَّحِمِ اس کا نقیض ہے (النہایۃ، تاج) ۔

الصِّلَةٌ : عطیہ، تحفہ، اِنعام، اِحسان۔ جمع صِلَاتٌ (المنجد، لین) ۔

اَلْاِتِّصَالُ : چیزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مُتّحد ہو جانا جس طرح دائرے کے قُطر کی دونوں طرفیں ملی ہوتی ہیں۔ اس کی ضد اِنفصال ہے ۔ وَصْلٌ کے معنی ہیں : ملانا؛ اور یہ اسمِ عین اور معنی دونوں کے متعلق اِستعمال ہوتا ہے : چنانچہ وَصَلْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں : صلۂ رحمی (المفردات) ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ (البقرۃ ۲ : ۲۷) : اور وہ اُن (رشتوں، قرابتوں، وعدوں، معاہدوں، قسموں؛ نیز دین، اُمّت، قوم کی وحدت) کو توڑ دیتے ہیں،

Marfat.com

جن کو ملائے یا جوڑے رکھنا اللہ نے فرض قرار دیا ہے اور (اس کے نتیجے میں) وہ زمین میں خرابی و برہمی پیدا کرتے ہیں۔

تَصِلُ اِلَیْہِ کے معنی ہیں: آگے بڑھنا، پہنچنا، جانا (کسی کی طرف)۔

★ فَلَمَّا رَآٰ اَیْدِیَھُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ (ھُود ۱۱ : ۷۰): جب (حضرت ابراھیمؑ) نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں۔

★ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ (النّسآء ۴ : ۹۰): اُن کے سوا جو کسی قوم (قبیلے، گروہ، جماعت وغیرہ) کے حلیف بن جائیں یا پناہ میں آجائیں جس کے ساتھ تمھارا پکا معاہدہ (Covenant) ہو۔

★ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِھِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَی اللّٰہِ (الانعام ۶ : ۱۳۶): (مُشرکوں کا قول ہے کہ) تو جو حصّہ (خود ساختہ یا ٹھیرائے ہوئے) شریکوں کا ہوتا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا۔

★ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ (ھُود ۱۱ : ۸۱): وہ ہرگز تُم کو پکڑ نہیں سکیں گے یا تُم پر غلبہ نہیں پاسکیں گے۔

★ فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَآ ۚۛ (القصص ۲۸ : ۳۵): وہ تُم دونوں کو ہماری معجزانہ نشانیوں کے سبب اپنی گرفت میں نہیں لے سکیں گے یا تُم پر غلبہ نہیں پاسکیں گے۔

★ وَصِیْلَۃٍ (المائدۃ ۵ : ۱۰۳): زمانۂ جاہلیت میں جو ناقہ مسلسل سات یا دس مادہ بچّے جنتی، یعنی درمیان میں نر بچّہ نہ جنتی تو اُسے بُتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے (بُخاری)۔ یہ سعید ابن المسیّب کی تفسیر ہے، جسے امام بُخاری نے نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں، مُفسّرین نے ابنِ عبّاس، مُحمّد بن اسحاق اور ابن قُتیبہ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں (دیکھیے رُوح المعانی، ۷ : ۳۷ بعد؛ نیز المفردات، لسان العرب)۔

خ س ر (خسر)

اَلْخُسْرُ وَالْخُسْرَانُ کے بنیادی معنی نُقصان اور کمی کے ہیں (المجمل، البصائر)۔

خَسِرَ مضارع ہے، خَسَرَ بھی مضارع ہے جو شاذونادر استعمال ہوتا ہے، بجز آخسَرَ کے مفہوم میں (البصائر، تاج)، مصدر خُسْرَانٌ اور خُسْرٌ اور خَسَارَۃٌ، اور خُسُرٌ اور خَسْرٌ اور خَسَرٌ اور خَسَارٌ: وہ گھاٹے میں رہا، یا اُسے نُقصان ہوا، یا اُسے دھوکا دیا گیا یا اُس نے فریب کھایا (صحاح، اساس، قاموس، مصباح وغیرھم)۔ انگریزی میں: He lost or suffered loss or diminution,

Marfat.com

فروخت فِي الْبَيْعِ - (لین) or he was deceived, cheated,beguiled, or circumvented.
میں یا فِی بَیْعِهٖ : اُس کے بیچنے میں ; یا فِی تِجَارَتِهٖ : اپنی تجارت یا سوداگری میں : In his traffic (موضوع
مذکور) - خَسِرَ کے بنیادی معانی ہیں : اُسے اپنے رأس المال یا اصل زر یا سرمائے (Capital) میں نقصان
ہوا ; یا اُسے اپنے سرمائے میں جُزوی نقصان ہوا ; یا اُس کا کُل اصل زر یا سرمایہ ضائع ہوگیا (بیضاوی ،
۴ : ۱۱۸ ; البصائر ، تاج) - خُسْرَانٌ کی نسبت کبھی "انسان" کی طرف ہوتی ہے ; جیسے محاورہ ہے
خَسِرَ فُلَانٌ : فلاں شخص نے نقصان اُٹھایا (المفردات ، اساس) ; اور کبھی "فعل" کی طرف ہوتی ہے - چنانچہ
کہا جاتا ہے : خَسِرَتْ تِجَارَتُهٗ : اُس کی تجارت گھاٹے میں جارہی تھی - یہ ضد ہے رَبِحَتْ کی (اساس ،
البصائر) - خَسِرَ فُلَانٌ : فلاں شخص راستے سے گُم یا گمراہ ہوگیا ; یا ہلاک ہوگیا (محیط ، تاج) -

خَسَّرَهٗ (مصدر تَخْسِيرٌ) بمثل خَسَّرَهٗ : اُس شخص (یا چیز) نے اُسے برباد کردیا یا اُس کی
ہلاکت و بربادی کا موجب بنا (صحاح ، قاموس) : He, or it, destroyed him, or caused him to perish. - محاورہ ہے : خَسَّرَهٗ سُوْءُ عَمَلِهٖ : اس کی بدعملی نے اُسے ہلاک یا برباد کردیا (اساس) -
اُس نے اُسے حسنہ یا خوشحالی سے دُور یا بہت دُور کردیا ; اس سے اُسے نابلد ، ناآشنا مجور کردیا (ابن الاعرابی ،
مصباح) -

خَسِرَ (س) خَسْرًا و خُسْرًا و خُسُرًا و خَسَارًا و خَسَارَةً و خُسْرَانًا : گھاٹا پانا ، نُقصان
اُٹھانا ، گمراہ ہونا ، ہلاک ہونا - صفت خَاسِرٌ و خَسِيْرٌ و خَيْسَرِيٌّ (لسان ، تاج ، اساس) -

خَسَرَ (ض) خَسْرًا و خُسْرَانًا — المیزان : کم تولنا ، کم کرنا ، گھٹانا - اَلْمَالَ : ضائع کرنا
(تاج ، لسان) -

الخَنْسَرُ و الخَنْسَرِيُّ : وہ شخص جو نقصان یا گھاٹے میں ہو (ج) خَنَاسِرَةٌ (المصباح ، المنجد ،
تاج ، لین) -

صَفْقَةٌ خَاسِرَةٌ : گھاٹے کا سودا (تاج) - اَلْخَيْسَرٰی کے معنی ہیں : فریب ، دجل ، دھوکا ،
عہد شکنی ، نقصان - خَسَّرَهٗ و تَخْسِيْرًا : اُسے ہلاک و برباد کردیا (تاج ، مصباح) -

اَلْخَاسِرُ : راہ گم کردہ ، ہلاک ہوجانے یا ناکام رہ جانے والا (محیط ، قاموس) -

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں : اَلْخُسْرُ کا استعمال عام طور پر خارجی ذخائر میں نقصان اُٹھانے پر
ہوتا ہے ، جیسے مال و جان وغیرہ ، لیکن کبھی معنوی ذخائر یعنی صحت و سلامتی عقل و ایمان اور ثواب کھو دینے پر
بھی بولا جاتا ہے ، بلکہ ان چیزوں میں نقصان اُٹھانے کو اللہ تعالیٰ نے خُسرانِ مبین قرار دیا ہے (الزُّمر ۳۹ : ۱۵) -

Marfat.com

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

خَسِرَ یا خُسْرٍ : قُرآنِ حکیم کی ازبس اہم وفکر انگیز اور جامع اِصطلاح، جو اِنسان کی "کُل زندگی" کو محیط ہے، یعنی انفرادی - اجتماعی، مادّی - معنوی اور دُنیوی - اُخروی زندگی پر حاوی ہے - ان معانی کی تائید میں چند آیاتِ قُرآنی پیش کی جاتی ہیں :

★ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ (الحجّ ۲۲ : ۱۱) : اُس (مُنافق) نے دُنیا اور آخرت برباد کر ڈالی - یہی تو مُنہ بولتا گھاٹا ہے -

اس کُل زندگی کی بربادی کا سبب نِفاق ہے، جو اُمّتِ مُسلمہ کو لاحق ہوگیا تو اُسے پارہ پارہ، ہلاک و برباد، ذلیل وخوار، پس ماندہ وکمزور کر دیا اور محکوم وغلام بنا دیا، نتیجتاً وہ مسلسل رجعتِ قہقری کر رہی ہے - سُورۃ العصر بھی کُل حیاتِ اِنسانی کے مسلسل گھاٹے پر دلالت کرتی ہے :

★ وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ (العصر ۱۰۳ : ۱-۲) : زمانہ یا تاریخی عمل شاہد ہے کہ اِنسان (کُل زندگی کے اعتبار سے مسلسل) گھاٹے میں جا رہا ہے -

یہ سُورت اعجازاتِ قُرآن میں سے ہے - ربِّ علیم وحکیم نے دین اور کُل حیاتِ اِنسانی کی معنویت کے دریائے بیکراں کو اِس سہ آیاتی سُورے کے جامِ حُسن نما میں بند کر دیا ہے - یہ عقلِ سلیم کا بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اِس جامِ حُسن نُما میں ابدالآباد تک غوّاصی کرتی رہے اور نَو بنَو گہر ہائے معانی نکالتی اور اپنی کُل زندگی کی تحسین و تکمیل کرتی رہے -

★ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (المؤمن ۴۰ : ۷۸) : اور حق کو جُھٹلانے والے کُل زندگی کے گھاٹے میں پڑ گئے (نیز دیکھیے آیہ ۸۵) -

★ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (الانعام ۶ : ۱۲) : جو لوگ اپنے آپ کو (دُنیوی - اُخروی اعتبار سے) تباہ کر رہے ہیں (یعنی اپنی کُل زندگی کو تباہ کر رہے ہیں) -

★ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام ۶ : ۲۰) : جن لوگوں نے اپنے آپ کو گُمراہی وہلاکت میں ڈال رکھا ہے وہ (یہ حقیقت) ماننے والے نہیں -

خَاسِرَةٌ : محرومی وناکامی کی شے -

★ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (النّٰزعٰت ۷۹ : ۱۲) : کہنے لگے : یہ رجعت تو بڑی محرومی و

Marfat.com

ناکامی کی شے ہے۔

خَسَارًا : اِصطلاحِ قُرآن میں اس کا مطلب ہے قرآنِ حکیم سے مہجوری کے سبب نفسیاتی بیماریوں (مثلاً خوف و حُزن، سراسیمگی و پریشانی، حسرت و یاس، احساسِ تنہائی وغیرھم) کی شِفا اور رحمت (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، دُنیوی و اُخروی حسنہ) سے محرومی و دُوری ہے۔

★ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ○ (الاسراء ۱۷: ۸۲) : اور ہم قرآن میں سے جو بھی نازل کرتے ہیں اس میں اس کے (احکامات و تعلیمات کو) تسلیم بالیقین کرنے والوں کے لیے شِفا اور رحمت ہے، لیکن (ان احکام و تعلیمات کا قولاً یا فعلاً اِنکار کرنے والے اس سے جتنا زیادہ دُور و مہجور ہوتے جاتے ہیں تو وہ) ظالم اتنے ہی اس کی شِفا و رحمت ایسے فوائد سے محروم و دُور ہوتے جاتے ہیں۔

المُخْسِرِیْنَ : جو دکاندار، سوداگر وغیرہ گاہکوں کو کم چیزیں دیتے ہیں ؛ بلحاظِ وزن، کمیّت، کیفیّت اور قیمت کے۔ وہ جو اشیاء میں ملاوٹ کرتے ہیں (مثلاً اشیائے صَرف یا زیورات و ملبوسات)، یا کم تولتے، کم ماپتے اور کم دیتے ہیں۔ ایسا کرنا ظُلم اور ظُلم کرنے والے مُفسد و مجرم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا :

★ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ○ (الشعرآء ۲۶ : ۱۸۱) : پیمانے پورے بھرا کرو اور اُن (لوگوں) میں سے نہ ہو جانا جو لوگوں کو (وزن، پیمانے، قیمت، مقدار، کیفیّت یا خاصیّت کے لحاظ سے) ان کی چیزیں کم دینے کے عادی ہیں۔

Marfat.com

۲۸ - كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۹ - هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳

۲۸ — ترجمہ

تُم اللہ (کی ذات و صفاتِ حسنہ) کا اِنکار کیسے اور کیونکر کر سکتے ہو؟ جبکہ تُم مُردہ، یعنی وجود و زندگی سے محروم تھے، پھر تمھیں زندگی و وجود عطا کیا، یعنی زندہ کیا؛ پھر وہ تمھیں وفات یا موت دے گا۔ پھر تمھیں (آخری بار قیامت کے روز) زندہ کرے گا؛ پھر تُم اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیری ترجمہ

(اے مُنکرانِ وحی و تنزیل و رسولؐ! تُم اگر عقل و حواس سے کام لو اور خلقتِ کائنات کا مشاہدہ بالحق کرو تو) تُم اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی ہستی، قُدرت اور دیگر صفاتِ حسنہ کا اِنکار نہیں کر سکو گے۔ تُم یہ تو جانتے ہی ہو کہ تُم پیدا ہونے سے پہلے وجود و حیات سے محروم تھے، پھر اُس نے اپنی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت (Aesthetic - creative activity) سے تمھیں وجود و زندگی اور قلب و حواس عطا کیے۔ تمھیں اس شُدنی کا بھی یقین ہے کہ موت ہر مُتنفّس کی تقدیر ہے اور تمھیں بھی ایک دن مرنا ہے۔ اب اس حقیقت کو بھی تسلیم بالیقین کرو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پھر تمھیں دوبارہ اور آخری بار زندہ کرے گا، پھر تُم کبھی لذّتِ موت سے آشنا نہیں ہوگے؛ اور اپنے اعمال کا حساب دینے کے لیے تمھیں اللہ تعالیٰ کے حضور بالضرور حاضر ہونا پڑے گا۔

۲۹ — ترجمہ

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اس کُرۂ ارضی یا دُنیا میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب تُم سب کے لیے تخلیق کیا ہے۔ بعد ازاں، اُس نے پھر فلکی تودے (Heavenly mass) کی طرف توجّہ کی؛ نتیجتہً اُس کے سات ہم آہنگ و موزوں آسمان (Firmaments) بنا دیے۔ اور وہ ہر شے کو کامل طور پر جاننے اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیری ترجمہ

اے افرادِ نسلِ اِنسانی! وہ تمھارا اِلٰہ و ربّ اللہ ہے (جس نے تمھیں اِس دُنیا میں چھے مراحل میں تخلیق کیا)

Marfat.com

تو اس زمین میں جو نعمتیں بھی ہیں اُس نے ساری کی ساری تم سب کے تمتّع کے لیے تخلیق کی ہیں۔ اِس کے بعد اُس نے پھر فلک کی طرف حُسنِ اِلتفات کیا اور اس کی جمالیاتی۔تخلیقی فعلیت کے نتیجے میں سات ہم آہنگ و موزوں سماوی کُرے معرضِ وجود میں آ گئے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اپنی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تخلیق کو کامل طور پر جاننے اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیر

۲۸— اِس آیۂ فکر انگیز میں ربِّ حکیم کا خطاب دہریوں (Atheists) سے بالخصوص اور اسلام کے عقیدۂ آخرت کے متعلق تشکیک یا لاادریت میں مُبتلا لوگوں کی طرف بالعموم ہے۔ دہریے شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے باعث اِس اِلتباسِ ذہنی میں مُبتلا ہیں کہ کائنات وحیات کا مُعجز نما نظام جو اِنتہائی دِ جیران کُن صحت و درستگی کے ساتھ اپنے آپ چل رہا ہے، یعنی اس کو قائم کرنے، چلانے اور کنٹرول کرنے والا (جو عقلِ سلیم کی رُو سے علیم و حکیم، عزیز و قدیر، حیّ و قیّوم اور ربِّ رحمٰن ہونا چاہیے)، کوئی نہیں ہے۔ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ دہریوں اور مُتشکّکین کو مُشفقانہ و حکیمانہ انداز میں دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمان و مکان کے حوالے سے تجسّس و تحقیق کی نظر سے دیکھیں اور اپنے نفس میں تفکّر کریں تاکہ اُن پر یہ حقیقت مُنکشف ہو جائے کہ اِس نظامِ کائنات وحیات کو قائم کرنے اور چلانے والا یقیناً کوئی ہے اور اس کا زندہ بالذّات، قائم بالذّات، عالم الغیب والشّہادۃ، حکیم و کریم، عزیز و قدیر اور ربِّ رحمٰن و جلیل، مدبّر الامور، نیز اس کا غیر مرئی اور عقل و فکر اور وہم و گمان سے وراء الوراء ہونا ناگزیر ہے۔

علاوہ بریں، یہ ماننے سے اس واقعیت کو تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے کہ جو احسنُ الخالقین اِنسان کو، جو صرف "اِمکان" میں ہوتا ہے، وجود میں لاتا، اسے زندگی اور حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام دے کر پیدا کرتا ہے، پھر اُسے موت بھی دیتا ہے، وہ قیامت کے روز کُل بنی نوعِ اِنسان کو دوبارہ بھی زندہ کر کے اپنے حضور جمع کر سکتا ہے۔ سوال ہے کہ ربُّ العٰلمین ایسا کیوں کرے گا؟ قرآنِ حکیم کی رُو سے اس کا منطقی اور دل لگتا جواب یہ ہے کہ دُنیا اِنسان کی اِمتحانگاہ اور آخرت دارالجزا ہے، اور قیامت کا روز اس کے محاسبے کا دن ہے، لہٰذا اُن کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دینے کے لیے دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور جمع کرے گا۔

Marfat.com

اِس آیۂ جلیلہ میں ایک بصیرت افروز نکتہ یہ ہے کہ اِنسان جب مرجاتا ہے تو چاہے اُسے دفن کردیا جائے یا جلاکر راکھ کر دیا جائے یا مُردار خور جانوروں کو کھلا دیا جائے، اُس کے جسم کا مواد بالآخر زمین کھاجاتی ہے، لیکن اس کا نفس (= رُوح) جسم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو کر دُنیا اور دارالآخرت کے درمیان ایک ایسے جہان میں قیامت تک کے لیے رہنے کے لیے چلا جاتا ہے، جسے عالَمِ برزخ یا عالَمِ ارواح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عالَمِ برزخ زوج ہے عالَمِ خواب کا، یعنی دونوں عوالم زوجین ہیں، اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ربِّ رحمٰن نے ہر چیز زوجین یا جوڑا جوڑا بنائی ہے نفوس وہاں اس طرح زندگی کرتے ہیں جیسے وہ دُنیا میں عالَمِ خواب یا رؤیا میں زندگی کرتے تھے۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح خواب میں ہمارا یعنی ہمارے نفس کا تعلق دُنیا سے شعوری طور پر بالکل منقطع ہو جاتا ہے، اُسی طرح عالَمِ برزخ میں اُس کا تعلق دُنیا سے بالکل مُنقطع ہو جاتا ہے، اور اُسے اس دُنیا کا قطعاً شعور نہیں رہتا۔ علاوہ بریں، جس طرح عالَمِ رؤیا میں رہتے ہوئے نفس بیدار ہونے سے پہلے دُنیا میں واپس نہیں آسکتا کہ اس کے زمان و مکان اور جسم و زندگی کی نوعیت بالکل جُداگانہ اور ناقابلِ اِدراک ہے، اُسی طرح عالَمِ برزخ سے بھی کوئی نفس نہ آج تک دُنیا میں واپس آیا ہے اور نہ آہی سکتا ہے؛ نیز جس طرح ہمیں اپنے خواب یا عالَمِ رؤیا کے زمان و مکان، جسم و حیات اور اشیاء کی ماہیّت کا علم ہے نہ شعور، اور نہ اس دُنیا میں ہوسکتا ہی ہے۔

اس واقعیت سے "حیاتِ ثلاثہ" کے اِس متناقضِ قرآن نظریے کی تردید ہوجاتی ہے کہ اِنسان مرنے کے بعد قبر میں دفن ہو جاتا ہے تو نکیرین (دو فرشتے) اُسے زندہ کرتے، اس کا حساب لیتے اور کافر و مُشرک' ظالم و گناہگار اور منافق و گناہگار ہو تو فرشتے اُسے سخت عذاب دیتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفس مرنے کے فوراً بعد عالَمِ برزخ میں پہنچا دیا جاتا ہے، اگر وہ نفسِ مُطمئِنّہ ہوتا ہے، یعنی صالح، شہید اور صِدّیق ہوتا ہے تو اُسے "برزخی جنّت" میں رکھا جاتا ہے، جہاں وہ حیاتِ طیّبہ بسر کرتا ہے، مگر اس طرح جس طرح نفسِ مُطمئِنّہ عالَمِ رؤیا میں زندگی کرتے ہیں۔ اگر نفس اہلِ نار ہوتا ہے، یعنی مُشرکوں، کافروں، مُنافقوں، فاسقوں، مُجرموں اور گناہگاروں کا نفس ہوتا ہے تو اُسے برزخی جہنّم میں رکھا جاتا ہے۔ برزخی جنّت و جہنّم کی ماہیّت و حقیقت کا کسی مُتنفّس کو علم و شعور نہیں، جس طرح آخرت کی جنّت و جہنّم کا کسی مُتنفّس کو علم ہے نہ شعور۔

قبر کی تیسری زندگی کا عقیدہ جو قرآنِ مجید کے دو مماتی نظریے کی تکذیب کرتا ہے، کافرانہ بھی ہے اور مُشرکانہ بھی اور اس نے مُسلمانوں میں شرک، یعنی اکابر و مقابر پرستی وغیرہ پھیلانے میں اِبلیسی کردار ادا کیا اور کر رہا ہے۔

Marfat.com

۲۹ — اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی خالقیت وقُدرت کی صفات پر بُراھینِ قطعیہ لانے کے بعد اب قُرآنِ حکیم نے اپنے اعجازِ بلاغت سے اُس کی صفتِ ربُوبیت کی طرف اِنتہائی بلیغ و بصیرت افروز اشارہ کیا ہے، جس سے قلبِ سلیم پر یہ حقیقت مُنکشف ہوتی ہے کہ ربُّ العٰلمین نے اِس دُنیا میں جو کچھ بھی پیدا کیا اور کر رہا ہے، وہ سارے کا سارا اُس کے کُل جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے "تمتّع" کے لیے ہے، لِہٰذا ان نعمتوں میں ان سب کا "مساوی حقِ تمتّع" ہے، جسے اُس نے "حقِ معلوم" سے تعبیر کیا ہے (المعارج ۷۰: ۲۴)۔ اِس اِنسانی حق کی تشریح قُرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق خود ہی کر دی ہے۔اِرشاد ہوتا ہے:

★ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ؕ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ○ (فُصِّلَت ۴۱ : ۱۰) :

اور ربُّ العٰلمین نے کُرۂ ارضی یا زمین میں سے اس کے اُوپر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکات یعنی پیداواری اِستعدادیں ودیعت کر دیں اور اس میں اس کی خوراک یا غذا کی جُملہ چیزیں چار ادوار میں مقدر کر دیں (خاص کر بنی نوعِ اِنسان کے لیے جیسا کہ "لَكُمْ" (۲ : ۲۹) سے ثابت ہے اور ان میں) تمام اہلِ احتیاج وطلب کا برابر کا حق یا حصّہ ہے۔

یہ ہے افرادِ نسلِ اِنسانی کا بنیادی (Basic) یا اِنسانی حق (Human right)، اور یہ معاشی حق، حقوقُ العباد میں بُنیادی حیثیّت رکھتا ہے۔

اِس اِنسانی۔معاشی حق کو خاص طور سے اپنے تمام جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو دلانے کی خاطر ربُّ العٰلمین نے اِنسان کو دُنیا میں خلیفہ یا حُکمران مقرر کیا۔خلیفہ کا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے لیے اُصولِ عدل واحسان کے مطابق کفالت کا نظام قائم کرے۔مثال کے طور پر جیسے پیغمبرِ اعظم وآخر صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے حُکمران بنتے ہی مدینۂ منورہ میں "نظامِ مواخاۃ" قائم کیا تھا؛ اور جس کی غیر معمولی افادیت واہمیت کی بناء پر اہلِ مغرب نے اس کو زندگی کے جدید تقاضوں کے مطابق اپنا لیا ہے، جس کے لیے نظامِ کفالتِ اِجتماعیہ کی تعبیر اختیار کر سکتے ہیں۔یہ کہنا مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت ہے کہ اُن کی بقا وسلامتی اور غیر معمولی قُوّت وترقّی کے عوامل میں یہ نظامِ کفالتِ اِجتماعیہ بنیادی حیثیّت رکھتا ہے۔

غور کریں تو یہ آیۂ زیرِ تفسیر اِسلام کے عالمگیر وفطری اور احسن واکمل دین ہونے پر بُرہانِ قاطع ہے، اس لیے کہ یہ اِس حقیقت پر دال ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ صرف کسی ایک قوم یا اُمّت کا رازق وربّ نہیں، بلکہ کُل اقوام وافرادِ نسلِ اِنسانی کا رازق وربّ ہے اور اُس نے اس دُنیا میں اپنی تمام نعمتیں اپنے کُل جمالیاتی — تخلیقی شہکاروں کے لیے پیدا کی ہیں اور سب کے حقِ تمتّع کو تسلیم کیا ہے۔اِسلام کا یہ اُصولِ کفالتِ اِجتماعیہ اِس

Marfat.com

اعتبار سے منفرد و مثالی ہے کہ یہ کُل اقوامِ عالم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور اُن کو امن و سلامتی سے خوشحال و بے احتیاج زندگی کرنے کی ضمانت فراہم کرسکتا ہے۔

اِس آیۂ بصیرت افروز کے پہلے جُزو میں قرآنِ حکیم نے اپنے اِعجازِ بلاغت سے ربُّ العٰلمین کی توحید رُبُوبیّت کی طرف اور دوسرے جُزو میں خِلقتِ کائنات کے حوالے سے اس کی جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّت کی طرف اِنتہائی بلیغ اشارے کیے ہیں، جو اس کے وحی و تنزیل ہونے پر دال ہیں۔اب دوسرے جُزو کی تفسیر کے ضمن میں تمہید کے طور پر چند اہم نِکات پیش کیے جاتے ہیں :

ربُّ العٰلمین نے پہلے فضا (Space) تخلیق کی جو آتشیں گیسوں (= دُخان) کی صورت میں تھی۔ اس میں اُس نے ایک بے قیاس ضخامت کا ایک آتشیں تودہ (Mass) بنایا، جس کی حرارت و تمازت اور توانائی کا اندازہ لگانا ازبس دشوار ہے۔قرآنِ مجید نے اس کے لیے "السَّماء" کی تعبیر اختیار کی ہے۔اسے آسمان (Sky) اور فلک (Heaven) بھی کہتے ہیں۔اِس فلکِ اوّل یا شعلۂ جوّالہ یا آتشیں تودہ کے اندر گیسوں وغیرہ کے زبردست خلفشار و ہیجان کے سبب حکمتِ اِلٰہی کے مطابق ایک بہت بڑا جُزو قیامت خیز دھماکے اور جھٹکے کے ساتھ اُس سے علیحدہ و جُدا ہوکر لاکھوں کروڑوں میل دُور نشیب کی طرف گرتے گرتے فضا میں مُعلّق ہوگیا ؛ اور اس بڑے تودے یا السَّمآء کے مدار کے اِرد گرد چکر کاٹنے لگا۔اِس کُرے کو قرآنِ مجید "ارض" سے تعبیر کرتا ہے۔یہ سب کچھ خود بخود نہیں ہوگیا، بلکہ احسن الخالقین کی منصوبہ بند جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّت سے ہوا۔

کُرۂ ارضی کی غیر معمولی اور امتیازی اہمیّت یہ ہے کہ ربُّ العٰلمین نے اسے بنی نوعِ اِنسان کے مَولِد و منشا کے طور پر بنایا تھا۔بالفاظِ دیگر، اس میں اُس نے اِنسان کو پیدا کرنا اور اس کی ذرّیّت کو بسانا اور اسے اس کا دارالامتحان بنانا تھا۔چنانچہ اِس زمین میں اُس نے اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے کھانے پینے، اوڑھنے بچھونے، رہنے سہنے اور حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کے لیے جُملہ ضروری نعمتیں ودیعت کردیں۔اس جمالیاتی۔تخلیقی فعلیّت کا دورانیہ چار ادوار (= ایّام) تھا اور ایک یوم کی مقدار (Span) پچاس ہزار برس بھی ہوتی ہے (المعارج ۷۰ : ۴)۔

اس کے بعد ربِّ حکیم نے پھر السَّمآء یا شُعلۂ جوّالہ کے تودے کی طرف اِلتفات کیا۔اس کی تخلیقی فعلیّت کے ذریعے پھر یکے بعد دیگرے اس میں اس زور سے اندرونی خلفشار ہوا کہ وہ سات یا اس سے زیادہ فلکی اجرام (Firmaments) میں منقسم ہوگیا اور ہر فلک یا سیّارے میں ہزاروں، لاکھوں میل کا بُعد واقع ہوگیا۔

Marfat.com

اِس موقف کی تائید میں اب آیاتِ قرآنی پیش کی جاتی ہیں، لیکن پہلے چند ضروری تمہیدی آیاتِ فکر انگیز :

★ کائنات اور ممات و حیات کی تخلیق کرنے والا ربِ رحمٰن ہے (الاعراف ۷ : ۵۴؛ الملک ۶۷ : ۲ و بمواضعِ کثیرہ) -

★ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کُل صفاتِ حسنہ کا مالک ہے (طٰہٰ ۲۰ : ۸)؛ اور حُسن سے محبت کرتا ہے، اس لیے وہ "اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ" ہے (المؤمنون ۲۳ : ۱۴)؛ اور اس کی تخلیقی فعلیت (Creative activity) جمالیاتی - تزویجی (Aesthetic - mating) ہے (النجم ۵۳ : ۴۵) - اِس اِصطلاح کا مطلب ہے کہ ربِ کریم نے جو چیز بھی تخلیق کی ہے اُسے حسین اور جوڑا جوڑا بنایا ہے -

★ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (السّجدۃ ۳۲ : ۷) : اور ہر چیز کو زوجین (زوج کی جمع) یعنی جوڑا جوڑا بنایا ہے : ★ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی (النجم ۵۳ : ۴۵؛ القیامۃ ۷۵ : ۳۹) -

یہ اصلِ عظیم ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ربُّ العٰلمین اور رحمٰن ہے - رب کے معانی ہیں : درجہ بدرجہ نشوونما دینے والا آقا و مالک (المفردات، لسان العرب، المنجد، بذیلِ مادّہ رب ب) - رحمٰن صرف اور فقط اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہستی رحمٰن نہیں ہے، لہٰذا کسی کو رحمٰن نہیں کہنا چاہیے - اللہ تعالیٰ کی طرح اِسمِ رحمٰن بھی قدیم ہے - اس کے معانی میں عشق کا مفہوم پایا جاتا ہے اور عشقِ الٰہی میں رحمتِ بے پایاں، احسان و کرم گستری، انعام و اکرام اور موہبت و شفقت کے معانی پائے جاتے ہیں (کلیدِ لُغاتِ قرآن) -

ربُوبیّت و رحمانیّت کے معانی سے اِستنباط کر سکتے ہیں کہ ربِ رحمٰن کی تخلیقی فعلیت جمالیاتی - تدریجی یا اِرتقائی ہے -

اَیّام (یوم کی جمع) : اس کو قرآنِ حکیم نے متعدد معانی میں اِستعمال کیا ہے : مثلاً آن، لمحہ یا ساعت -

★ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ۝ (الرّحمٰن ۵۵ : ۲۹) : ہر لحظہ وہ اپنی جمالیاتی - تخلیقی فعلیت میں اپنی نمود رکھتا ہے -

ایک دن رات (المائدۃ ۵ : ۳، ۵؛ یُوسف ۱۲ : ۹۲) -

دہر کی ایک مدّت یا دَور، جسے ربِ علیم کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسے یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (المائدۃ ۵ : ۶۴)؛ اَلْیَوْمِ الْاٰخِرِ (المائدۃ ۵ : ۶۹) -

ایک ہزار برس یا اس سے زیادہ برس (الحج ۲۲ : ۴۷؛ السّجدۃ ۳۲ : ۵؛ القدر ۹۷ : ۳) -

Marfat.com

پچاس ہزار سال (المعارج ۷۰: ۴)-

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یَوم (جمع اَیّام) جس کے معانی شب و روز کیے جاتے ہیں، اس کا شمار آسمانوں اور زمین کے بن جانے کے بعد ہوتا ہے- ان کی تخلیق سے پہلے رات دن تو تھے ہی نہیں، تو پھر یوم یا ایّام سے شب و روز مُراد لینا غلط ہوا- چنانچہ اِس آیۂ فکر انگیز میں کہ

★ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ..... (الاعراف ۷: ۵۴):

اصل یہ ہے کہ یہ تمہارا ربّ یعنی تمہیں بتدریج نشوونما اور روزی دینے والا مالک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے ادوار میں (بتدریج یا بطریقِ اِرتقاء) تخلیق کیا-

قرآنِ مجید نے چونکہ یوم سے پچاس ہزار کی مدت بھی مُراد لی ہے، لہٰذا یہاں "چھے ایام" سے تین لاکھ برس مراد لینا مُستبعد نہ ہوگا، جبکہ علم یا سائنس و ٹیکنالوجی بھی اس کی تائید کرتی ہے؛ اور علم ربِّ رحمٰن نے اِنسان کو دیا ہے، نیز بذریعۂ "قلم" دیا ہے (العلق ۹۶: ۴)-

یاد دہانی کے لیے اِس واقفیت کا اِعادہ کیا جاتا ہے کہ ماہ و سال کی گنتی اس وقت سے شروع ہوئی ہے جب ربُّ العٰلمین نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کرلی- چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

★ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ (التوبۃ ۹: ۳۶): دیکھو! اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد کتابُ اللہ میں بارہ ہے، اس وقت سے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کرلی-

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اِسرائیلیات کی ترویج و اشاعت اور ان کی بلاتحقیق یا کورانہ تقلید، نیز قرآنِ مجید کے نصابِ تعلیم کے بجائے درسِ نظامیہ (یعنی نظام الملک کا بنایا ہوا نصابِ تعلیم) کی تعلیم پانے والوں کی اکابر پرستی کے سبب عام طور سے سادہ لوح مُسلمانوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِدھر "کُن" کہا، اُدھر آسمانوں اور زمین معرضِ وجود میں آگئے- پھر "کُن" کہا تو بنی نوعِ اِنسان کے سوا جُملہ حیاتیاتی، نباتاتی اور جماداتی مخلوقات پیدا ہوگئیں- اِنسان کیوں "کُن" سے پیدا نہیں ہوا؟ اس سوال کا معقول جواب اُن کے پاس نہیں- وجہ یہ ہے کہ وہ اِنسان کو ارضی نہیں مانتے، حالانکہ قرآنِ مجید اِسے ارضی مخلوق مانتا ہے اور دلائل سے سمجھاتا ہے کہ بنی نوعِ اِنسان کی تخلیق بھی چھے ایام یا ادوار میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی، جس طرح ماں کے پیٹ میں اس کی تخلیق تقریباً نو ماہ میں چھے مراحل میں پایۂ تکمیل

Marfat.com

کو پہنچتی ہے، جس سے بحث اپنے مقام پر کی جائے گی۔ اسرائیلیات کو ماننے والے اِنسان کو ارضی نہیں، سماوی۔بہشتی مخلوق مانتے ہیں، اور اس کی تخلیق کے بارے میں "کُن فیکُوْن" کا قانونِ قُدرت تسلیم نہیں کرتے، بلکہ محض ظن و تخمین سے یہ کہتے ہیں کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے ارض یا زمین سے مٹی اور پانی لیا اور جنّتِ سماوی میں اُن کو کُمہار کی طرح گوندھا اور پھر اس کا پُتلا یا مُجسّمہ بنایا؛ اس کی صُورتگری کی؛ پھر اُس میں اپنی رُوح پھونکی اور اُسے زندہ کر دیا۔ یہ تھے حضرت آدمؑ۔ بہشت میں اکیلے رہتے رہتے وہ اُداس ہو گئے (کیونکہ وہاں حُوریں نہ تھیں) تو ربِّ رحمٰن نے اُس کی پسلی سے اس کے لیے ایک بنی بنائی صِنفِ جمیلہ (حوّا) نکالی۔

اگر یہ اِسرائیلی روایت تسلیم کر لی جائے تو اس سے قُرآنِ مجید کی متعدد آیات کی نفی لازم آتی ہے: مثلاً

★ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○ (فاطر ۳۵: ۴۳): چنانچہ تُم اللہ کی سُنّت میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے اور نہ اللہ کی سُنّت یا طریقِ کار میں کبھی تغیّر ہی دیکھو گے۔ (اس کا مطلب ہے اس کی سُنّت ہمیشہ سے قائم و دائم ہے اور تغیّر و تبدّل سے وراء الوراء ہے)۔

★ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السّجدہ ۳۲: ۱۷): کوئی مُتنفّس نہیں جانتا (کہ کسی نے اُسے کبھی دیکھا نہیں) کہ اُن کے لیے کون سی چیز جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی انتہائی حسین و سرور انگیز ہے) مخفی رکھی گئی ہے۔ یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ دُنیا میں کرتے تھے۔

یہ آیاتِ اِیمان افروز اتنی غیر مبہم اور واضح ہیں کہ مزید کچھ کہنا سعیِ لاحاصل ہو گا۔ اب ہم تخلیقِ کائنات سے متعلق قُرآنِ مجید کا موقف معلوم کرتے ہیں: اِرشاد ہوا:

★ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف ۷: ۵۴): اصل یہ ہے کہ تمہارا ربّ (بتدریج یا مرحلہ وار نشوونما دینے والا خالق و آقا) اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے ادوار میں تخلیق کیا۔ پھر سریر آرائے خُدائی ہو گیا (یعنی مدبّر الامُور بن گیا، دیکھیے یُونُس ۱۰: ۳، ۳۱؛ السّجدۃ ۳۲: ۵)۔

بعض مُفسّرین نے محوّلہ بالا آیاتِ فکر انگیز کی تفسیر اس طرح بھی کی ہے کہ اللہ جَلّ شانہٗ آسمان اور زمین بنا کر فارغ ہوا تو تخت پر بیٹھ گیا اور اس پر بیٹھ کر حُکم چلا رہا ہے۔ اس نظریے کو تسلیم کرنے سے قُرآنِ حکیم کی متعدد مُسلّمہ آیات کی نفی، تکفیر اور تکذیب لازم آتی ہے۔ مثلاً

★ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (الشّوریٰ ۴۲: ۱۱): کوئی شے اس جیسی یا اس کے مانند نہیں ہے۔

★ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ (الاخلاص ۱۱۲: ۲): اللہ ازل سے ہر چیز سے بے احتیاج ہے لیکن سب موجودات

Marfat.com

اُس کی محتاج ہیں۔

★ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ (فاطر۳۵: ۱۵) : اور اللہ ہی ہے جو ہر شے سے مُستغنی ۔ سُتودہ صفات ہے۔

★ اللہ ہر جگہ موجود ہے؛ وہ زمان و مکان میں محدود نہیں۔ وہ تو ہماری رگِ جاں سے بھی قریب تر ہے (قٓ ۵۰: ۱۶)۔

★ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (الحدید ۵۷: ۳): وہی (اللہ) اوّل (قدیم تھا، یعنی جب کوئی نہ تھا اور کچھ نہ تھا تو صرف اور تنہا وہی تھا) اور آخر بھی وہی ہے (یعنی لایزال ہے اور جب کوئی متنفس ہوگا نہ چیز تو وہ قائم و دائم ہوگا)، اور وہ الظاہر (The Outward) اور الباطن (The Imminent) ہے۔ (فلسفے کی زبان میں اللہ معروضی — موضوعی حقیقت (Objective - subjective reality) ہے اور ہر شے کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

★ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید ۵۷: ۴) : وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

معلوم ہوا کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اُس وقت بھی موجود تھا جب اُس نے حیات و موت، زمان و مکان اور آسمان و زمین کچھ بھی تخلیق نہیں کیا تھا۔ علاوہ بریں، اُس نے یہ سب کچھ اپنی رحمت سے چھے ادوار میں اپنی سُنّت کے مطابق اِرتقائی انداز میں تخلیق کیا ہے، کیونکہ وہ ربّ رحمٰن ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی شخص کو ربّ رحمٰن کی اِرتقائی ۔ جمالیاتی تخلیقی فعلیّت (Evolutionary – aesthetic creative activity) کا اِدراک نہ ہو سکے تو اس مقصد کے لیے اُسے کسی سائنس دان یا طبیعی علم رکھنے والے سے دریافت کرنا چاہیے (الفُرقان ۲۵: ۵۹)۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک علمی و تفسیری غلطی کا ازالہ کر دینا ضروری ہے۔ بعض مُفسّرین کو ایک آیۂ قرآنی کی تفسیر کرتے ہوئے یہ اِلتباس ذہنی ہوا ہے کہ کُرۂ ارضی کی تخلیق پہلے اور آسمانوں کی تخلیق بعد میں ہوئی ہے۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے یہ نظریہ غلط ہے۔ دلیل کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں جو اس پر قولِ فیصل اور حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہیں :

★ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ○ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ○ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ○ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○ (النّٰزعٰت ۷۹: ۲۷-۳۳) :

(اے بنی نوعِ اِنسان! بتاؤ کہ) آیا تمہاری تخلیق کا کام زیادہ سخت و مُشکل ہے یا آسمان کی تخلیق کا؟ جسے اللہ نے بنایا، اس کی کمیّت (Mass) کو بلند کیا پھر اس میں توازن پیدا کیا، اور اس کی رات کو

Marfat.com

تاریک بنایا اور اس کی روشنی کو نکالا، اور اس کے بعد کُرۂ ارضی (زمین) کو اس کے مقر سے جھٹکے کے ساتھ دُور پھینک دیا۔ اُسی نے اس میں سے اُس کا پانی نکالا اور چارا اُگایا، اور اس میں پہاڑ گاڑھ دیے۔ یہ سب کچھ تمھارے اور تمھارے مویشیوں (Cattle) کے فائدے کے لیے کیا۔

دَحَاهَا (مادّہ د ح و یا د ح ی) کے معنی ہیں: اُس نے پتھر وغیرہ کو اس کی جگہ یا مقر سے زور سے دُور پھینکا؛ برانگیختہ کر کے دُور دھکیل دیا (تاج العروس): He threw, or cast, and impelled, propelled, or removed from its place, a stone, with his hand.

محاورہ ہے: ایک شخص اخروٹ کھیل رہا ہے تو دوسرا اُسے کہتا ہے: أَبْعِدِ الْمَدَى وَادْحُهُ: جس کے معنی ہیں: اپنے فاصلے کو زیادہ کرو پھر اسے پھینکو (صحاح، تاج)۔

لِسان العرب میں ہے: هُوَ يَدْحُو بِالْحَجَرِ: اُس نے پتھر کو دُور پھینکا؛ اور تاج العروس میں ہے: يَدْحُو الْحَجَرَ بِيَدِهٖ: اس کے بھی وہی معنی ہیں۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: الدَّحْوُ کے معنی ہیں: کسی چیز کو اس کی قرارگاہ یا مقر سے علیحدہ کر کے دُور پھینکنا۔ قرآن میں ہے: وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ (النّٰزِعٰت ۷۹: ۳۰): اور اس کے بعد زمین کو اس کے مقر یا مقام سے دُور پھینک دیا (المفردات)۔ یہ عبارت نقل کرنے کے بعد عبدالماجد دریاآبادیؒ لکھتے ہیں: اس سے اشارہ اِس طبیعیاتی حقیقت کی طرف ہو گیا کہ کُرۂ ارض کسی اور بڑے جرمِ سماوی کا ٹکڑا ہے جو اس سے کٹ کر ایک مستقل وجود میں آ گیا (القرآن الحکیم، تاج کمپنی لاہور/کراچی ص ۱۱۴۴، حاشیہ عدد ۱۴)۔

یاد دہانی کے طور پر اِس واقعیت کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ السَّمَآء یا سماوی آتشیں تودے (Mass) میں زبردست اندرونی کیمیاوی خلفشار و انتشار اور ہیجان کے باعث ایک حصّہ زبردست جھٹکے کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو کر دُور فضا میں مُعلّق ہو گیا، جس کے لیے قرآنِ مجید نے "الْاَرْض" کی تعبیر اختیار کی ہے۔ یہ کُرۂ ارض اپنی اصل فلکی تودے کی کشش اور اندرونی تحرّک کے باعث اس کے اور اپنے مدار کے گرد گردش کرنے لگا، اور اس میں کششِ ثِقل پیدا ہو گئی۔ قرنہا قرن کے بعد یہ آتشیں کُرۂ ارض اندرونی و بیرونی عوامل کے سبب ٹھنڈا اور یخ بستہ ہو گیا اور برف کے پگھلنے وغیرہ سے اس میں پانی کے سوتے پُھوٹ پڑے اور وہ معمورۂ آب بن گیا (النّٰزِعٰت ۷۹: ۳۱)۔ یہ اِرتقائی تخلیقی فعلیّت کیسے ہوئی؟ یہ حقیقت ربِّ علیم و حکیم ہی جانتا ہے، جو آسمان و زمین کا خالق ہے، لیکن اس کے عطا کردہ علم کی بدولت اِنسان نے جو حیرت انگیز و فکر انگیز معلومات حاصل کی ہیں اور کر رہا ہے اُن سے تخلیقی اسرار کے آشکارا ہونے کے امکانات روشن ہیں۔ وجہ یہ

Marfat.com

ہے کہ اُس نے اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکار اِنسان کو کُل موجودات کے اسماء، یعنی صفات کا علم اور ان کو موسوم کرنے کا ہُنر بالقُوّۃ ودیعت کیا ہوا ہے (البقرۃ ۲: ۳۱)۔ اُمّتِ مُسلمہ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سلجوقی وزیرِ اعظم نظام المُلک طُوسی نے اس کے نظامِ تعلیم سے قُرآنِ حکیم کے نصابِ تعلیم و تربیت کو بڑی چابکدستی سے خارج کر دیا اور اُس کے بجائے اپنا نصابِ تعلیم رائج کر دیا، جسے درسِ نظامیہ کہتے ہیں۔ اس کی اِنتہائی عبرتناک اور مضر خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں قُرآنِ حکیم یعنی اس کے علوم و فنون کو خارج کر دیا گیا ہے؛ نیز لوح و قلم کو شجرِ ممنوعہ قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ بریں، پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرتِ طیّبہ، اخلاقیات، ریاضیات، اِقتصادیات، شماریات، عمرانیات، تاریخ، جغرافیہ، طب، فلسفہ خصوصاً اِسلامی اور جدید، جمالیات، علومِ طبیعی (سائنس اور ٹیکنالوجی) وغیرہ وغیرہ کی تحصیل کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے۔

یہ تو تھا از بس اہم جُملۂ معترضہ۔ بات کُرۂ ارضی کی ہو رہی تھی، جو برف پگھلنے سے معمورۂ آب ہو گیا، جس نے بعد میں تمازتِ آب سے ربعِ مسکون اور بنی نوعِ اِنسان کا مَولد و منشا بننا تھا؛ اور اس کے حوالے سے قُرآنِ مجید فرماتا ہے کہ اُس وقت اللّٰہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی فرماں روائی معمورۂ آب یا پانی پر تھی:

★ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (هُود ۱۱: ۷): اور "وہی" ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے ادوار میں تخلیق کیا اور اُس کا تختِ فرمانروائی معمورۂ آب پر تھا، تاکہ تُم کو آزما دیکھے کہ تُم میں سے کون کون حسین عمل کرتا ہے۔

اِس آیۂ بصیرت افروز میں یہ نکتہ قابلِ غور ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ربِّ رحمٰن نے اِنسان کو پیدا کرنے سے صدیوں پہلے زمین کو اس کا مَولد و منشا، مُستقر، جولانگاہِ عمل اور اِمتحان گاہ بنایا تھا جس سے اِس اِسرائیلی نظریے کا بُطلان ہو جاتا ہے کہ اُس نے اِنسان کو اپنی جنّتِ سماوی میں پیدا کیا تھا، جسے قُرآنِ حکیم کے مطابق کسی مُتنفّس نے دیکھا تک نہیں (السّجدۃ ۳۲: ۱۷)۔ اور رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اِرشاد کے مطابق اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے، جسے کسی آنکھ نے آج تک دیکھا نہیں، نہ اس کی ماہیت کو سُنا اور نہ کسی بشر کے قلب نے اس کی حقیقت کا تصوّر ہی کیا ہے..... (بخاری و مسلم، المشکوٰۃ، ح ۵۳۷۰)۔

قُرآنِ حکیم کا ایک کائناتی انکشاف جو اس کے کلامِ اِلٰہی ہونے کی بُرہانِ قاطع ہے، یہ ہے کہ کائنات جسے اُس نے "السَّمَآءُ" سے تعبیر کیا ہے، اس کی ماہیت "الدُّخَانُ" تھی اور وہ (جوہری یا ایٹمی ذرّات کا) غبار تھا، جو ایک بے قیاس حجم و ابعاد کا آتشیں تودہ (Mass) تھا۔ اس میں اجرامِ فلکی اور جرمِ ارضی بالقُوّۃ مُضمر تھے، پھر ربِّ کریم کی جمالیاتی۔تخلیقی فعلیت سے اس میں زبردست غلیان و ہیجان اور خلفشار و اِنتشار ہوا

Marfat.com

اور زبردست دھماکوں کے ساتھ پہلے اس میں سے ایک ٹکڑا جدا ہوا، جسے اس کی مابہ الامتیاز خصوصیات کے باعث اُس نے "ارض" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

کرۂ ارضی کو اپنے جمالیاتی ۔تخلیقی شہکار ۔انسان کا مولد و منشا بنانے اور اس میں اس کی روزی کا مستقل اہتمام کرنے کے بعد ربِ علیم و حکیم نے پھر "السّماء" کی طرف حُسنِ التفات کیا اور اپنی حکیمانہ حُسن کاری کا آغاز کیا۔ اس میں خلفشار و ہیجان نے زور پکڑا اور تشتّت و افتراق کا سلسلہ جاری ہوگیا، اور اس کے اجزا اصل سے ٹوٹ کر سات اجرامِ فلکی (Heavens) میں منقسم ہوگئے۔ یہ واقعیت قُرآنِ حکیم کی زبانِ بلاغت میں۔

★ اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○ (الانبیآء ۲۱: ۳۰):

کیا (قُرآنِ حکیم کی باتوں کا) انکار کرنے والے (اس واقعیت پر) غور نہیں کرتے کہ سب آسمان (اجرامِ فلکی) اور کرۂ ارض باہم ممزوج تھے (یعنی ایک ہیولے کی صورت میں تھے)، پھر ہم نے (اپنی جمالیاتی ۔تخلیقی فعلیّت سے) ان کو (یعنی آسمانوں کو ایک دوسرے سے اور زمین کو بھی اُن سے) جُدا جُدا کر دیا۔ اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے (جس سے زمین معمور تھی) پیدا کیا۔ آیا اب بھی اس واقعیت کو (دل سے) تسلیم نہیں کرتے؟

ربِ رحمٰن کی اس حیرت انگیز جمالیاتی ۔تخلیقی فعلیّت کی طرف قُرآنِ حکیم نے اپنے اعجازِ بلاغت سے ایسے حکیمانہ و بصیرت افروز اشارے کیے ہیں کہ تخلیقِ کائنات و حیات کا فلسفہ بھی اس کے چار حسین بولوں میں مشہود ہوگیا ہے:

★ قُلۡ اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ تَجۡعَلُوۡنَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَجَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِہَا وَ بٰرَکَ فِیۡہَا وَ قَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ○ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ○ فَقَضٰہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ اَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَہَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ٭ۖ وَ حِفۡظًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ○ (فُصِّلَت ۴۱: ۹-۱۲):

(میرے نبیؐ!) ان لوگوں سے (تنذیری انداز میں) استفسار کیجیے کہ کیا تم اس (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ) کی ذات و صفات کا انکار کرتے ہو جس نے کرۂ ارض کی دو ادوار (دھری) میں تخلیق کی اور اس (وحدہٗ لاشریک) کے ہمسر مقرر کرتے ہو۔ وہ تو تمام جہانوں کی مخلوقات کی نشوونما دینے والا مالک و

Marfat.com

حاکم ہے۔ اور اُس نے زمین میں اُس کے اُوپر کوہِ گراں بنائے اور اس میں برکت رکھی یعنی اس کو اپنے ذرائعِ پیداوار اور پیداوار کی افزائش کرتے رہنے کی اِستعداد بخشی۔ اور اس میں اس کی کُل غذائی پیداوار کو ضروریاتِ زندگی کے مطابق چار دھری ادوار میں مقدر کر دیا۔ ان وسائلِ پیداوار اور پیداوار میں سب حاجت مندوں کا مساوی یا برابر کا حق ہے۔ بعدازاں، اُس نے (ایک بار پھر) "السَّمَآءِ" یا کائنات کے ھیولے کی طرف حُسنِ اِلتفات کیا اور وہ جوہری توانائی وتمازت کا ھیولیٰ تھا۔ پھر اُس نے السَّمَآء اور ارض سے اِرشاد فرمایا کہ خوشی یا بامرِ مجبوری میری فرمانبرداری کرو! انھوں نے عرض کیا: ہم مطیع و فرماں بردار بن کر حاضر ہیں۔ پھر اُس نے دو دھری ادوار میں سات آسمانوں کا قضیہ تمام کیا (یعنی ان کو ان کے ھیولے سے جُدا کر کے ہفت افلاک پر متشکل کر دیا)، اور ہر آسمان کو اُس کا وظیفہ (Function) اِلقاء کر دیا۔ اور دُنیا کے آسمان کو چراغوں یعنی درخشاں تاروں سے مزیّن کر دیا (یعنی اُن کو جمالیاتی ذوقِ نظر کی تسکین کا سامانِ جمیل و نظر افروز بنا دیا) اور اُس کے تحفظ کا اہتمام کر دیا۔ یہ (ربِّ) عزیز۔ علیم کی منصوبہ بندی ہے۔

ان آیات میں اُن کی ماسبق متعلقہ آیات کے حوالے سے تفکّر بالحق کرنے سے متعدد بصیرت افروز نتائج کا اِستنباط کر سکتے ہیں۔

اوّل: اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جو ہر لحظہ اپنی اِرتقائی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیت میں ہوتا ہے، اُس نے اپنی مشیّتِ رحمانی علم وحکمت اور قُدرت سے خلا یا مکان یا فضا (Space) کی تخلیق جوہری توانائی سے کی، جسے اُس نے اس کے احوال وظروف کی نمود (Appearance) کی رعایت سے "الدُّخان" یا دُود نما جوھری غبار سے تعبیر کیا ہے۔ اس دُود نما جوھری غبار کا ھیولیٰ ہے جس کو اُس نے "السَّمَآء" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

دوم: اس بے قیاس کمیّت کے جوھری آتشیں ھیولے یا تودے (Mass or matter) سے اُس نے سب سے پہلے کُرۂ ارضی کو جُدا کیا اور لاکھوں میل دُور خلا میں معلّق کر دیا، اور اُسے اور اس میں پیدا ہونے والی مخلوقات کو زندہ وقائم و دائم رکھنے کی خاطر گردشِ مُدام اس کی تقدیر بنا دی۔

قُدرت کا یہ ابتدائی تخلیقی منصوبہ دو دھری آیام یا ادوار میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سوم: ربُّ العٰلمین نے کُرۂ ارضی کو چونکہ اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کا مولد ومنشا، مستقر ونعمتکدہ، اور دارالعمل و اِمتحان گاہ بنانا تھا، اس لیے اُس نے اپنے حکیمانہ منصوبے کے مطابق اس میں دو مرحلوں یا دو دھری آیام / ادوار میں اُن کی کفالت یا روزی، کُل ضروریاتِ زندگی، خواہشات اور جمالیاتی

Marfat.com

ذوق کی تسکین کا احسن و اکمل اور پائیدار سامان ودیعت کر دیا۔

اس طرح تخلیقِ ارضی کا پورا منصوبہ چار دھری ایّام / ادوار میں مُکمل ہوا۔

چہارم : یہ منصوبہ مُکمل ہوا تو احسن الخالقین نے پھر السّمآء یا دُود نما جوھری ھیولے کی طرف حُسنِ التفات کیا، اور باقی دو دھری ایّام / ادوار میں اپنی حکیمانہ حُسن کاری سے اُس میں جوھری ہیجان و خلجان اور اِنتشار و خلفشار پیدا کیا اور اُسے سات مُستقل اجرامِ فلکی یا آسمانوں میں تقسیم کر دیا، اور گردشِ مُدام کرنے کے لیے خلا میں معلّق کر دیا۔ اس طرح

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے چھے مراحل چھے ایّامِ دھری یا ادوارِ دھری میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

پنجم : ربِّ رحمٰن کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت کا سلسلہ چونکہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا، لہٰذا اُس نے اِنسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کی خاطر دُنیا کے فلک کو جمیل و جلیل، خوشنما و نظر افروز اور درخشاں و تاباں مہر و ماہ اور نجوم و کہکشاں سے مزیّن کر دیا۔ یہ اجرامِ فلکی نہ صرف جمالیاتی بلکہ اِفادی اقدار کے بھی حامل ہیں۔ یہ جمیل و جلیل مناظر بھی ہیں اور نظارہ آفریں بھی، بصیرت افروز بھی ہیں اور جانفزا بھی۔ ہوا جو دمِ حیات و راحت افزا ہے، گردشِ افلاک ہی سے جاری و ساری رہتی اور کُرۂ ارض کو معمور رکھتی ہے۔ یہ بحر و بر کو حرارت و تمازت دیتے اور ان کی مخلوقات کو زندہ و فعّال رکھتے ہیں ، سُمندر کے نمکین پانی کو کھینچ کرے جاتے اور اُسے شیریں و شفّاف آبحیات بنا کر موزوں مقدار میں برساتے اور اراضی کو زندہ اور بار آور کرتے اور نباتاتی مخلوقات کو رنگ و بُو اور شیرینی و لذّت دیتے ہیں۔ کوہ و کمر کے سنگ پاروں کو تب و تاب اور جمال و رنگ بخشتے ہیں۔ یہ موسم گر بھی ہیں۔ ان کی بدولت ہی سرما و گرما اور برشکال و بہار کی دل انگیز و جذبات آفریں رُتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ ان کی تب و تاب اگر دلوں کو روشن کرتی ہے تو دلوں کو گرماتی اور اُن میں حرکت و عمل کا داعیہ پیدا کرتی ہے۔ وہ رات لاتے ہیں تو اُسے عروسِ دلآویز و تسکین آفرین اور جذبات انگیز و محبّت آفریں بنا کر لاتے ہیں۔ دوشیزۂ سحر و شام کی شفق افشانیاں، رعنائیاں، جمال آرائیاں اور سُرُور انگیزیاں سب گردشِ اجرامِ فلکی ہی کی مرہونِ مِنّت ہیں۔

دل زندہ اور ذوقِ نظر ہو تو پھر کیوں نہ تعریف و ستائش اور تشکّر و سپاس کا یہ حسین و جانفزا بول۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ بے ساختہ زبان سے نکلے اور اہلِ حُسن و آرزو کو وجد میں نہ لے آئے۔

ششم : ربُّ العٰلمین نے یہ کرۂ ارض یا دُنیا اور اس میں کُل وسائلِ پیدا وار اور نعمتیں کُل بنی نوعِ اِنسان کے "تمتُّع" یا اِستفادے کے لیے پیدا کی ہیں، لہٰذا ان میں سب کا بلا اِمتیازِ ملک و قوم مساوی حق ہے۔ اسے

Marfat.com

حقّ العباد یا اِنسان کا بنیادی یا اِنسانی حق کہتے ہیں۔ تمتّع کا مطلب یہ ہے کہ اِنسان حُسنِ ضرورت کے مطابق مال و دولت اپنے پاس رکھ سکتا ہے، لیکن فالتو مال و دولت کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتا، اسراف و تبذیر نہیں کر سکتا اور نہ اِکتناز و احتکار ہی کر سکتا ہے۔

یہاں اس نُکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اِسلام نے اِنسان کو کسب اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے کاروبار، صنعت کاری اور زراعت وغیرہ کرنے کی اجازت تو دی ہے، لیکن جو دولت مزید ان میں لگائی نہ جاسکے اور ناکارہ (Idle)، بانجھ (Barren) اور محجوب (Shy) بن جائے تو وہ العَفو ہو جاتی ہے اور اس کا جمع کر کے رکھنا حرام ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا فرض ہے (البقرۃ ۲ : ۲۱۹)۔ کفالتِ اجتماعیہ کا یہ نظریہ جو حُکمِ ربّانی ہے اور جسے قُرآنِ مجید نے چودہ سو برس پہلے اہلِ دُنیا کو دیا تھا، اِس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے کہ قُرآنِ مجید ربّ رحمٰن کا حُسنِ کلامِ آخر ہے۔ اگر افراد و اقوامِ عالم اِس فرمانِ اِلٰہی کو عملاً تسلیم کر لیں تو یہ دُنیا جو مال و دولت کی حرص کے سبب مقتل و رزمگاہ بنی ہوئی ہے، امن و سلامتی اور خوشحالی و خوشی کی جنت بن سکتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کی بالخصوص اکابر پرستی و بے رہروی، فرقہ بندی و روضہ پرستی، ذِلّت و مسکنت، پس ماندگی و انحطاط، تشتّت و افتراق اور ضعف و درماندگی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ قُرآنِ مجید سے دُور و مہجور ہے۔

Marfat.com

ازرُوئے لُغات

ک ی ف (کیف)

کَیفَ اِسمِ اِستفہام ہے۔ اس کے آخر میں ہمیشہ فتحہ یا زبر آتا ہے۔ یہ عموماً کیسے، کیوں، کیونکر اور کس طرح کے معانی میں اِستعمال ہوتا ہے؛ جیسے کَیفَ حَالُكَ : آپ کا حال کیسا ہے؟ اس کا اِستعمال کبھی شرط کے معنٰی میں ما کے ساتھ یا اس کے بغیر بھی ہوتا ہے؛ جیسے" کَیفَ مَا تَصنَعُ اَصنَعُ "۔ کَیفَ تَفعَلُ اَصنَعُ (اقرب الموارد)۔

کَیَّفتُہٗ فَتَکَیَّفَ : مُسلم مُتکلّمین اِستعمال کرتے ہیں۔ یہ افعال (Verbs) کَیفَ سے مُشتق ہیں (قاموس، تاج)۔ اس کے معنی ہیں : میں نے اس چیز کی صراحت اس کی کیفیّت (Quality) کی تعیین کے ذریعے کر دی اور اس کی تخصیص ہوگئی۔ لیکن عربوں میں یہ محاورہ مروّج نہیں (موضوع مذکور)۔

کَیفِیَّۃٌ : (Quality)۔ صفت، انداز یا حالت (لین)۔ جمع کیفیّات۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ کَیفَ تَکفُرُونَ بِاللّٰہِ (البقرۃ ۲ : ۲۸) : تم اللہ کے ساتھ انکار و جُحُود کا رویّہ کیسے یا کیونکر اِختیار کر سکتے ہو؟

★ رَبِّ اَرِنِی کَیفَ تُحیِ المَوتٰی (البقرۃ ۲ : ۲۶۰) : یا ربّ ! مجھے دکھا کہ تُو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟

★ کَیفَ یَشَآءُ (آلِ عمران ۳ : ۶) : جیسے یا جس طرح چاہتا ہے۔

★ فَکَیفَ اِذَا جَمَعنٰھُم (آلِ عمران ۳ : ۲۵) : لیکن اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انھیں جمع کریں گے؟ (کَیفَ یہاں اِستفہامِ تنذیری کے مفہوم میں ہے)۔

اِستفہامِ انکاریہ کے معنٰی میں

★ کَیفَ یَھدِی اللّٰہُ قَومًا کَفَرُوا بَعدَ اِیمَانِھِم (آلِ عمران ۳ : ۸۶) : اللہ ایسے لوگوں کو کیوں ہدایت دینے لگا جو ایمان لانے کے بعد کفر کریں؛ یعنی ہدایت نہیں دے گا کیونکہ انھیں ہدایت کی آرزو ہی نہیں۔

Marfat.com

استفہام انذاری کے معنی میں

★ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ط (الرّوم ۳۰: ۴۲): پھر غور کرو کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کا کیا انجام ہوا؟ یعنی کیسا عبرتناک انجام ہوا!

استفہام ابطالیہ کے مفہوم میں

★ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ (الاسراء ۱۷: ۴۸): دیکھو! انھوں نے تمھارے لیے کیسی کیسی مثالیں (Similies) گھڑلی ہیں؟

ج م ع (جمع)

اَلْجَمْعُ (ف): متفرق چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لاکر ملادینا۔ محاورہ ہے: جَمَعْتُهٗ فَاجْتَمَعَ: میں نے اُسے اکٹھا کیا، پس وہ اکٹھا ہوگیا (المفردات)۔

جَمَعَ (مضارع، اور مصدر جَمْعٌ ہے): اس نے جمع کیا، باہم اکٹھا کیا یا ملادیا (صحاح، مُغرب، مصباح): He collected; brought, or gathered together; gathered up; assembled; congregated; mustered; drew together; or contracted, a thing, so that the several parts or portions became near together.

جَمَعَ بَيْنَهُمَا: اُس نے ان کو جُدا ہوجانے کے بعد باہم ملادیا، خاص کر ان میں صُلح کرادی، اُن کو باہم رضامند کرالیا، نیز ان دونوں کے درمیان رابطہ قائم کرادیا یا اُن کو مُتفق یا متحد کردیا (تاج)۔

جَمَعَ عَلَيْهِ ثِيَابَهٗ: اُس نے اپنا لباس زیبِ تن کیا (تاج)۔ جَمَعَتِ الْجَارِيَةُ الثِّيَابَ: لڑکی نے دِرْع، خِمار اور مِلْحَفَة: پہنا، یعنی وہ بلوغت کو پہنچ گئی یا جوان ہوگئی (صحاح، تاج)۔

جَمَّعَ (مصدر تَجْمِيْعٌ) کے بھی وہی معانی ہیں جو جَمَعَ کے ہیں۔

جُمْعَةٌ (اسم) الاِجْتِمَاعُ سے مُشتق ہے جیسے اس کا نقیض فُرْقَةٌ (اسم) الاِفْتِرَاقُ سے ہے۔ اس کے معنی ہیں: اِتّحاد، اِتّفاق، میل جول (Congruity) یا اجتماع (Congregation) کی حالت: یارفاقت، ملنساری، مجالست، صحبت، ربط ضبط، مودّت، اُلفت، دوستی: مترادف اُلْفَةٌ: جیساکہ یہ محاورہ ہے: اَدَامَ اللّٰهُ جُمْعَةَ مَا بَيْنَكُمَا: اللہ تمھاری جوڑی سدا قائم و دائم رکھے! (ابوسعید، قاموس)۔ اسی سے ہے يَوْمُ الْجُمُعَةِ، کثرتِ استعمال سے الْجُمُعَةُ (Friday) رہ گیا (مُغرب،

Marfat.com

قاموس)۔

جُمْعَۃٌ" مترادف مَجْمُوْعَۃٌ" کا بھی ہے۔ محاورہ ہے : جُمْعَۃٌ" مِنْ تَمْرٍ : مٹھی بھر کھجوریں (صحاح ؛ قاموس)۔

الجِمَاعُ : متعدد چیزوں کو اپنے اندر رکھنے والا۔ محاورہ ہے : اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ : شراب اپنے اندر گناہوں کو رکھنے والی ہے یا گناہوں کی کان ہے (صحاح، تاج) ؛ یا جِمَاعُ الْاِثْمِ : گناہوں کی جمع پر دلالت کرتا ہے (مصباح)۔ چنانچہ الحسن البصریؒ کا مقولہ ہے : اِتَّقُوْا هٰذِهِ الْاَهْوَآءَ فَاِنَّ جِمَاعَهَا الضَّلَالَةُ وَمَعَادَهَا النَّارُ : نفسانی خواہشات سے خبردار اور مجتنب رہو، کیونکہ وہ جو اپنے اندر رکھتی ہیں وہ سامانِ گمراہی و بربادی ہے اور جہاں وہ لے جاتی ہیں وہ جہنم ہے۔

جَمَّعَ : تشدید مبالغہ کے لیے ہے ؛ کثرت سے جمع کر کے رکھنا۔

جَامَعَۃً۔ مُجَامَعَۃً وجِمَاعًا عَلٰی کَذَا : کسی بات پر اتفاق کرنا یا متحد ہو جانا۔

جَامُعَهَا : عورت سے ہم بستری کرنا۔

اَجْتَمَعَ الْغُلَامُ : لڑکے کا جوان و مضبوط ہونا۔ اس کا استعمال عورتوں پر نہیں ہوتا۔

الجَمْعُ (مص) لوگوں کی جماعت، ج۔ جُمُوْع۔ یَوْمُ الْجَمْعِ : قیامت یا حشر کا دن۔

جُمْعُ الْکَفِّ : مٹھی۔ الجَمَاعَة : آدمیوں کا گروہ ، ج۔ جَمَاعَات۔

المَجْمُوْع (مفع) : وہ کتاب جس میں مختلف چیزیں جمع کی گئی ہوں، مثلاً نظمیں، غزلیں، رُباعیات وغیرہ وغیرہ۔ جمع مَجَامِیْع۔

المَجْمَع : جمع ہونے یا جمع کرنے کی جگہ۔ اکادمی۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

جَمَعَ : اِدھر اُدھر سے اکٹھا یا جمع کیا۔

★ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۶۰) : فرعون (Pharoah) لوٹ گیا اور اُس نے اپنے شعبدہ بازوں کو اِدھر اُدھر سے اکٹھا کیا اور پھر مقررہ جگہ و وقت (Tryst) پر آیا ؛ نیز قرآنِ حکیم نے اسے اِکتناز اور اِحتکار کے معانی میں بھی اِستعمال کیا ہے۔

★ وَجَمَعَ فَاَوْعٰی ○ (المعارج ۷۰ : ۱۸) : اور (مال و دولت کو) جمع کیا (Hoarded) اور بند رکھا۔

Marfat.com

(دولت کو جمع کر کے بند رکھنا، قُرآنِ حکیم کی رُو سے حرام ہے، کیونکہ اس کی گردش رُک جاتی ہے اور دائرہ تنگ ہو جاتا ہے؛ اس کے نتیجے میں اِقتصادی ترقی رُک جاتی ہے اور لوگ مفلوک الحال، بیکار اور اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں)۔ نیز دیکھیے التوبۃ ۹ : ۳۴ - ۳۵ ؛ الھمزہ ۱۰۴ : ۲ بیعد۔

تَجْمَعُوْا : شادی کے ذریعے اِکٹھا کر کے رکھنا۔

★ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ (النّسآء ۴ : ۲۳) : دو بہنوں کو (شادی یا نکاح کے ذریعے) اِکٹھا کر کے رکھنا حرام ہے۔

يَجْمَعُ اور يَحْشُرُ مترادف المعانی ہیں۔ اصطلاحِ قُرآنی میں اس کے معنی ہیں : قیامت کے روز مُردوں کو زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع کرنا۔ اِسی بناء پر قیامت کے دن کو يَوْمَ الْحَشْرِ، يَوْمَ الْبَعْثِ، يَوْمَ الْجَمْعِ، يَوْمَ النُّشُوْرِ اور يَوْمَ الْاٰخِرَةِ، کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہوا :

★ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (الجاثیۃ ۴۵ : ۲۶) : (اے نبیؐ ! اس حقیقت کا) اعلان کر دیجیے کہ اے بنی نوعِ اِنسان ! اللہ ہی تمھیں زندگی دیتا ہے، پھر تمھیں موت دیتا ہے، پھر قیامت یا حشر کے روز تمھیں زندہ کر کے اِکٹھا کرے گا، جس کے آنے میں قطعاً شک و شُبہ نہیں ؛ لیکن افرادِ نسلِ اِنسانی کی اکثریت نہیں جانتی۔

نُکتہ : اس نصِ قُرآنی سے اِن تمام عقائدِ باطلہ کی تردید ہو جاتی ہے کہ اِنسان مر کر پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے، پھر اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے ؛ یا یہ کہ بُزرگ ہستیاں مرنے کے بعد روضوں یا مقبروں وغیرہ میں زندہ رہتی ہیں ؛ یا دُنیا میں موت و حیات کا چکر چلتا رہتا ہے (اواگون یا تناسخ) ؛ نیز ھنود کا یہ عقیدہ کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اوتار بن کر دُنیا میں لوگوں کی اِصلاح کے لیے آتا ہے۔

★ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ (التغابن ۶۴ : ۹) : جس روز وہ تمھیں حشر کے دن زندہ کر کے اِکٹھا کرے گا وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد (بُنیادی یا اِنسانی حُقوق) میں خیانت کے ظاہر ہو جانے کا دن ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ محاسبے کے روز بنی نوعِ اِنسان نے دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے، نیز قوموں اور افراد کے بُنیادی یا اِنسانی حُقوق میں جو خیانت یا ہیرا پھیری کی ہوگی، وہ اُن پر ظاہر ہو جائے گی۔

جُمِعَ کے معنی مُمزوج ہونے کے بھی آتے ہیں :

Marfat.com

★ وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ۙ (القیامہ ۷۵ : ۹) : اور سورج اور چاند ممزوج کر دیے جائیں گے۔
اِس آیۂ جلیلہ میں یہ فکر انگیز نکتہ مضمر ہے کہ سورج اور چاند یعنی شمسی اور قمری کُرے ابتداء میں ایک ہی جِرمِ فلکی تھے اور بعد میں جُدا جُدا کیے گئے، جس طرح کرۂ ارضی بھی جُدا ہوا تھا (تفصیل کے لیے دیکھیے اس تلمیذ القرآن کی کتاب سرگذشتِ فلسفہ، حصہ اوّل، ص ۳۸۳ - ۴۳۹)۔

اَجۡمَعُوۡا : کسی بات، تجویز یا رائے پر متفق ہو گئے یا اتفاق کر لیا (Agreed or became of one mind) : ربِّ علیم وحکیم حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں سے متعلق ارشاد فرماتا ہے :

★ فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَ اَجۡمَعُوۡۤا ..... (یوسف ۱۲ : ۱۵) : پھر وہ یوسفؑ کو لے کر چلے گئے تو اس تجویز پر متفق ہو گئے ــــ
قرآن مجید نے اس اصطلاح کی خود بھی صراحت کر دی ہے :

★ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ (یوسف ۱۲ : ۱۰۲) : جب برادرانِ یوسف اپنی تجویز پر متفق ہو گئے یا متفق الرّائے ہو گئے۔

اِجۡتَمَعُوۡا لَهٗ : اس کے معنی ہیں : کسی کام کو سر انجام دینے کے لیے جُملہ لوگوں کا مل کر سعی و جُہد کرنا۔

★ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ ؕ (الحج ۲۲ : ۷۳) : وہ ایک مکھی بھی تخلیق نہیں کر سکتے، چاہے وہ سب مل کر ایسا کرنے کی بھر پور سعی و جُہد کریں۔

جَمِيۡعٌ اور جَمۡعٌ کے معنی ہیں : جمعیت، جماعت یا لشکر (Host)

★ نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ۙ (القمر ۵۴ : ۴۴) : ہم ایک مضبوط یا فاتح جماعت یا لشکر ہیں۔

★ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ (القمر ۵۴ : ۴۵) : یہ جماعت یقیناً شکست کھائے گی۔

★ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّاَكۡثَرُ جَمۡعًا ؕ (القصص ۲۸ : ۷۸) : جو اُن سے قوّت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بہت زیادہ تھیں۔

جَمۡعٌ : اصطلاحِ قرآنی میں آخری وحی و تنزیل کی سورتوں اور آیتوں کو کتاب کی شکل میں مدوّن کرنا۔

★ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۙ (القیامۃ ۷۵ : ۱۷ وبعد) : اس وحی و تنزیل کی سورتوں اور آیتوں کو کتابی صورت میں مُدوّن یا مُرتّب کرنا اور ان کی قراٴت سکھانا ہماری ذمّے داری ہے۔

نُکتہ : ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی بلحاظِ سُوَر و آیات موجودہ کتابی صورت بحکمِ ربّی دی ہوئی ہے۔

★ جَمۡعٰنِ : دو لشکر (HOSTS)، دیکھیے آلِ عمران ۳ : ۱۵۵، ۱۶۶؛ الانفال ۸ : ۴۱۔

★ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ (الکہف ۱۸ : ۶۰) : دو دریاؤں کا سنگم۔

Marfat.com

★ مَجۡمُوۡعٌ : ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ (ھُود ۱۱ : ۱۰۳) : یہ (یومِ آخرت) ساری دُنیا کے بنی نوعِ اِنسان کو دوبارہ زندہ کرکے میدانِ حشر میں اِکٹھا کیے جانے کا دن ہے۔

★ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿﴾ (الواقعۃ ۵۶ : ۵۰) : سب بنی نوعِ اِنسان دوبارہ زندہ کرکے یقیناً مقررہ وقت (TRYST) پر معیّنہ روز جمع کیے جائیں گے۔

★ جَمِيۡعٌ : لشکر، جمعیّت (HOST) : وَاِنَّا لَجَمِيۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ﴿﴾ (الشُّعرآء ۲۶ : ۵۶) : اور ہم ہر وقت ہوشیار اور چوکنّا رہنے والی جمعیّت یا فوج (Host) ہیں۔

★ يَوۡمُ الۡجُمُعَةِ : صَلٰوةُ الۡجُمُعَةِ کا وقت (الجمعۃ ۶۲ : ۹)۔

جَمِيۡعًا : كُلُّهُمۡ، سب کے سب، ساری۔ سب مل کر۔

★ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (آلِ عمران ۳ : ۱۰۳) : اور (اے مؤمنو!) تم اللہ کی رسّی (= قُرآنِ حکیم) کو سب متحد و متفق ہوکر مضبوطی سے تھامے رکھنا اور فرقے فرقے نہ ہو جانا۔

★ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا (الاعراف ۷ : ۱۵۸) : (اے نبیؐ !) اعلان کر دیجیے کہ اے افرادِ نسلِ اِنسانی ! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں (یعنی ہر زمان و مکان کے اِنسانوں کے لیے) ۔

س ب ع (سبع)

سَبَعَهُمۡ (مُضارع، اس کا مصدر سَبۡعٌ ہے) : وہ اُن میں ساتواں تھا یا بن گیا (صحاح، مصباح، قاموس، یعقوب) یا ان میں شامل ہوکر ان کی تعداد سات کردی (صحاح، بذیلِ مادّہ ثلث) : نیز اس کا یہ مفہوم بھی ہے : اُس نے ان کی جائیداد یا اشیائے مقبوضہ (Possessions) کا ساتواں حصّہ لیا (محوّلہ کُتب) ۔ اور اُس نے ان میں اپنے آپ کو شامل ہوکر جو اُنہتر تھے ستّر بنا دیا (ابو عُبید، صحاح، بذیلِ مادّہ ثلث) ۔ سَبَعَ الۡحَبۡلَ : اُس نے رسّی یا ڈوری کو سات لڑی کا بنایا (قاموس، تاج) : انگریزی میں : (He made the rope, cord, of seven strands) ۔ سُبِعَ الۡمَوۡلُوۡدُ : نومولود بچّے کا عقیقہ کیا گیا : یعنی ولادت کے ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کا سر مُنڈا یا گیا اور لڑکے کے لیے دو بکروں اور لڑکی کے لیے ایک بکرے کی قُربانی دی گئی (ابنِ دُرَید) ۔

سَبَعَ الۡغَنَمَ : درندے مثلاً بھیڑیے نے بھیڑ یا بکریوں کی گردن توڑ ڈالی یا ہلاک کر ڈالا، یا اپنا

Marfat.com

شکار بنایا (Made them his prey) - دیکھیے (تاج، صحاح، قاموس) - سَبَعَ : اُس نے چُرالیا؛ یعنی درندے یا شکاری پرندے کی طرح اپنا شکار کیا (موضوعِ مذکور) - سَبَعَ الشَّیْءَ : کوئی چیز چوری کرنا - سَبَعَ الرَّجُلَ : غیبت کرنا یا دشنام طرازی کرنا - اِسْتَبْعَهُ : اُس نے اُس پر تیر وغیرہ چلایا؛ اُس پر نیزہ یا کوئی ہتھیار پھینکا؛ یا بھیڑیے یا آدمی نے اُسے خوفزدہ کر دیا - نیز اُس نے اس کی غیبت کی، اُس پر بُہتان لگایا اور اسے بُرا بھلا کہا؛ یا اُسے درندے کی طرح دانتوں سے کاٹ لیا (تاج، قاموس) -

السَّبُعُ والسَّبْعُ والسَّبَعُ : درندہ یا شکاری پرندہ - جمع اَسْبُعٌ وسِبَاعٌ وسُبُوْعٌ وسُبُوْعَةٌ : مؤنث سَبُعَةٌ وسَبْعَةٌ (تاج، قاموس، مصباح) -

سُبَاعِیٌّ : سات زاویوں، گوشوں یا حرفوں والا؛ یا بڑا اُونٹ - سُبَاعِیُّ الْبَدَنِ : قدآور یا پُورے قد والا آدمی (صحاح) - مَوْلُوْدٌ سُبَاعِیٌّ : ساتویں مہینے پیدا ہونے والا بچہ یا ست ماسا (کُتبِ مذکورہ) -

سَبَعَ اللّٰہُ لَکَ : اللہ تجھے سات گنا یا سات بار اِنعام یا صلہ دے؛ یا اللہ تجھے بچّوں سے نوازے (تاج) -

السَّبْعُ : قیامت کے روز حشر کا میدان یا محشر (قاموس، تاج) -

اَسْبَاعُ الْقُرْاٰنِ : قرآن مجید کی سات سورتیں یا آیات (مُغرب، مصباح) -

سَبْعَةٌ : سات، مؤنث سَبْعٌ : محاورہ ہے : سَبْعَةُ رِجَالٍ : سات مرد؛ اور سَبْعُ نِسْوَۃٍ : سات عورتیں (صحاح، قاموس) -

السَّبْعُ الْمَثَانِی : الفاتحہ، کیونکہ اس کی سات آیات ہیں جو ہر صلوٰۃ کی ہر رکعت میں شرعًا پڑھی جاتی ہیں؛ بعض مفسّرین کے نزدیک البقرۃ سے الاعراف تک کی لمبی سورتیں (المفردات) -

سَبْعَةَ عَشَرَ : سترہ -

مُتَسَبَّعٌ : درندے یا شکاری پرندے کا مسکن (تاج) - اَلْمُسْبَعُ : درندوں کی سرزمین (المفردات) -

التَّسْبِعُ اصل میں سَبْعٌ ہے - سات کے عدد کو کہتے ہیں (المفردات) -

سَبْعُوْنَ : ستر (Seventy) دیکھیے (قاموس)؛ ساٹھ اور اسّی کے درمیان کوئی عددِ تام (تاج) - عرب اسے ستر یا اس سے زیادہ یا کثرت کے معنوں میں بھی اِستعمال کرتے ہیں (تاج، بیضاوی) -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرۃ ۲ : ۲۹) : سات آسمان (Heavens) -

Marfat.com

★ سَبۡعَ سَنَابِلَ (البقرۃ ۲ : ۲۶۱) : سات بالیں (Ears)
★ سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ۔ سَبۡعٌ عِجَافٌ۔ سَبۡعَ سُنۡبُلٰتٍ خُضۡرٍ (یُوسُف ۱۲ : ۴۳) : سات موٹی گائیں، سات دُبلی (گائیں) ۔ سات سبز بالیں۔
★ سَبۡعَ سِنِیۡنَ (یُوسُف ۱۲ : ۴۷) : سات سال (Seven years)
★ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ (الاسراء ۱۷ : ۴۴) : ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیزیں بھی ان میں ہیں، اللہ کی حمد کرتی رہتی ہیں۔
★ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ (المؤمنون ۲۳ : ۱۷) : اور ہم نے تمھارے اوپر سات راستے (Paths) تخلیق کیے ہیں۔
★ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ (الکھف ۱۸ : ۲۲) : اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں اُن کا کُتّا تھا۔
★ سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا (الحاقۃ ۶۹ : ۳۲) : ستّر گز۔
★ سَبۡعِیۡنَ رَجُلًا (الاعراف ۷ : ۱۵۵) : ستّر آدمی۔
★ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ (المائدۃ ۵ : ۳) : اور جس کو درندوں (Wild beasts) نے پھاڑ کھایا ہو۔

Marfat.com

۳۰- وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا۟ أَتَجْعَلُ فِيهَا
مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ
قَالَ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

۳۰— ترجمہ

اور جب تدریجی یا اِرتقائی طور پر اپنی مخلوقات کو نشوونما دینے والے تیرے مالک و آقا نے فرشتوں کو بتایا کہ میں کُرۂ ارض یا زمین میں (بنی آدم کو) خلیفہ (حُکمران، حاکم، ناظم الاُمور) مقرّر کرنے والا ہُوں تو اُنھوں نے (حیرت و اِستعجاب سے) عرض کیا: "کیا تُو اِس (دُنیا) میں اُنھیں حُکمران اور ناظم الاُمور مقرّر کرے گا جو اس میں حیاتِ اِجتماعیہ کا توازن بگاڑتے، لڑائی جھگڑا اور خونریزی کرتے ہیں، حالانکہ ہم تیری ثنائے جمیل و تشکّر کے ساتھ (With eulogy and gratitude) اپنے فرائض و وظائف (Prescribed duties and functions) سرگرمی سے سرانجام دیتے اور تیری تقدیس یا تنزیہ کرتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا: "میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تُم نہیں جانتے۔"

تفسیری ترجمہ

اور (اب اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو دُنیا میں ان کو خلافت دینے کا حال اپنے مُعجز نما اِیجازِ بلاغت سے سُناتا ہے) جب تمھارے مالک و آقا نے، جو اپنی غیر مبدّل سُنّت کے مطابق اپنی مخلوقات کو تدریجی یا اِرتقائی نشوونما دینے والا ہے، اپنی نُوری مخلوق فرشتوں کو اپنے اس ازلیں اہمّ اور دُور رس فیصلے سے آگاہ کیا کہ "میں (اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کے مَولد و منشا (Birth and developing – dwelling-place) ، دارالعمل و اِمتحان گاہ) زمین میں اُن کو حُکمران، حاکم اور ناظم الاُمور مقرّر کرنے والا ہُوں" تو وہ حیران رہ گئے اور انھوں نے باندازِ اِستفسار عرض کیا: "کیا آپ دُنیا میں اِن بنی نوعِ اِنسان کو حُکمران و ناظم الاُمور مقرّر کریں گے جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ اِس میں خرابی و برہمی اور خونریزی کر رہے ہیں؟ حالانکہ بخلاف اس کے، ہم آپ کی تعریف و ستائش اور تشکّر و اِمتنان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی رضا کے لیے اپنے آپ کی اور آپ کی مخلوقات کی تطہیر کرنے میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔" اس پر ربِّ عالم الغیب والشّھادۃ نے اپنے مُعجز نما اِیجازِ بلاغت سے ایسا منطقی و مُسکِت جواب دیا، جو وہی دے سکتا تھا۔ فرمایا: "میں وہ کچھ جانتا ہُوں جو تُم نہیں جانتے۔" اِس اِرشادِ ربّانی کے مُضمرات تفسیر میں بیان کیے جائیں گے۔

Marfat.com

تفسیر

اِس آیۂ فکر انگیز کے مُضمرات کی غیر معمولی اہمیت کی بناء پر یہ تلمیذ القرآن اِسے اعجازاتِ قرآن میں سے سمجھتا ہے۔ ان میں چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے :

اوّلاً : اس میں اِس واقعیت کی طرف یہ خیال انگیز اِشارہ کیا گیا ہے کہ اِنسان کا مَولد و منشا ہمارا کُرۂ ارض ہے ؛ جیسا کہ قُرآنِ حکیم نے آگے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار مخلوق کی طرح اِنسان کو بھی اِس دُنیا میں اپنی سُنّت کے مطابق تدریجاً تخلیق کیا ہے۔ بالفاظِ دیگر، ربُّ العٰلمین نے وجودِ اِنسان کی تکمیل اپنے اِرتقائی منہاج (Evolutionary method) کے ذریعے کی ہے ؛ جیسے وہ آج بھی اِنسانی بچّے کی تخلیقی تکمیل بطنِ مادر میں اپنے اِرتقائی منہاج کے ذریعے کرتا ہے۔ علاوہ بریں، ہم دیکھ چکے ہیں کہ اُس نے زمین میں اپنی کُل نعمتیں اپنے کُل جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں کی ربُوبیّت کے لیے پیدا کی ہیں۔ اِس سے ان تمام اِسرائیلیات اور اساطیری داستانوں کی تردید ہو جاتی ہے جن کی رُو سے ربُّ العالمین نے اپنی غیر مبدّل سُنّت کے بخلاف اِنسان، بشر، آدم یا بنی نوعِ اِنسان کو جنّتِ سماوی میں اس طرح تخلیق کیا جس طرح کُل ساز یا بُت گر بُت، صنم یا مُجسمہ بناتا ہے ؛ حالانکہ قُرآنِ حکیم اور احادیثِ طیّبہ کی رُو سے جنّتِ قُرّۃُ العین کو کسی مُتنفّس نے دیکھا تک نہیں، بلکہ کوئی شخص اس کا خیال تک نہیں کر سکتا کہ وہ کیا ہے ؟ (حوالے گزر چکے ہیں)۔

ثانیاً : اِس میں اِنسان کی خلافتِ ارضی کی علّتِ غائی کی طرف بصیرت افروز اِشارہ کیا گیا ہے جس کی تفصیل اگلی آیات اور سُورتوں میں بھی آ رہی ہے۔ خلافتِ ارضی کے سزاوار بنی نوعِ اِنسان اس لیے ہیں کہ ربُّ العالمین نے کائنات کی تمام اشیاء کے خواص و فوائد کو دریافت اور مُسخّر کر کے ان سے استفادہ کرنے اور ان کے نام رکھنے کی اِستعداد ان میں بالقوّۃ ودیعت کر رکھی ہے۔

ثالثاً : اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کُل بنی نوعِ اِنسان کا خالق و رازق اور پروردگار و مالک ہے اور اپنی تمام نعمتیں ان سب کے لیے پیدا کی ہیں، لہٰذا ان سے تمتّع و استفادہ کرنے کا بلا اِمتیاز ہر فرد بشر کو حق حاصل ہے۔ یہ ہر بشر کا اِنسانی حق ہے، جسے حقُّ العباد سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ حق اِنسان کو اس کے ربِّ رحمٰن و رحیم نے دیا ہے، لہٰذا جو فرعون، ہامان، قارون، آزر یا کوئی بھی بخیل و سُود کار دوسروں کا یہ حق اُن کو نہیں دیتا،

Marfat.com

وہ ربِّ رحمٰن کی امانت میں خیانت کرتا ہے، اس لیے وہ مُجرم و خائن، غاصب و ظالم اور سنگدل و بخیل، نیز اہلِ نار ہے۔ یاددہانی کے لیے عرض ہے کہ اِسلام میں اِکتناز و اِحتکار، جمع مال و دولت اور بُخل حرام و مُستوجبِ تعزیر ہے؛ اور زکوٰۃ، العفو، ماعون اور قرضِ حسنہ دینا فرض ہے۔ قرضِ حسنہ کا مطلب اِحسان کاری ہے۔

رابعًا: ہر فردِ بشر اپنی ذات اور منصب کے اعتبار سے خلیفہ (= حُکمران، ناظم الاُمور، قیّم یا حاکم) ہے۔ چنانچہ اُسے اپنے حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام کو چلانے اور اُسے کنٹرول کرنے کا اِختیار حاصل ہے۔ عائلی زندگی میں شوہر اور بیوی دونوں کو خلافت حاصل ہوتی ہے۔ اِس حیثیت میں عورت گھر بار کو سلیقے سے چلانے، بچّوں کو نشو و نما دینے، ان کی تعلیم و تربیت کرنے اور دلانے کی مجاز اور ذِمّے دار ہوتی ہے۔ بیوی کے ساتھ اور اس کے اُوپر مرد بھی ناظم الاُمور اور اہل و عیال کی کفالت کرنے کا ذِمّے دار ہوتا ہے۔ بیوی اور بچّوں کے اِنسانی حقوق کا احترام کرنا اور انھیں احسن طریقے سے دینا، شوہر کی بنیادی ذِمّے داری ہے۔ اِسی طرح زرعی زمینوں، تجارتی، صنعتی، ثقافتی اِداروں، صنعت و حرفت کے چھوٹے بڑے کارخانوں، سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں اِنسان اپنے اپنے منصب کے اعتبار سے خلیفہ ہوتا ہے، اور اپنی خلافتی ذِمّے داریوں کو عدل و اِحسان سے پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ سیاسی زندگی میں بھی اِنسان خلیفہ یا حُکمران ہوتا ہے، جسے بادشاہ، صدر، وزیرِ اعظم وغیرہ ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے بنیادی فرائض میں اپنی رعایا کی کفالت (روزی، روزگار، لباس، گھر، تعلیم و تربیت، علاج معالجے وغیرہ وغیرہ) کا احسن و منظّم بندوبست کرنا، سرِ فہرست ہے۔

خامسًا: خلافت کو علم مُستلزم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کا تعلیم یافتہ ہونا لازم ہے تاکہ وہ اپنے منصب کی ذِمّے داریوں کو سمجھتا ہو اور ان سے باحسن وجوہ عُہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اِس سے اِس امر کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بحکمِ اِلٰہی علم حاصل کرنا ہر مُسلم مرد اور عورت پر فرض قرار دیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ ربِّ رحمٰن و علیم اِنسان کو علم بالقوّۃ ودیعت کر کے دُنیا میں بھیجتا ہے۔

سادسًا: اِسلام میں خلافت سیاسی و موروثی نہیں، بلکہ ہر مُسلمان خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے علم و حکمت اور جسمانی یعنی مطلوبہ ذہنی قُوّت کی فراوانی کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیّت رکھتا ہو (البقرۃ ۲ : ۲۴۷، ۲۵۱)۔

سابعًا: ملائکہ نے اِنسان کو خلافتِ ارضی دینے پر اِعتراض اِس لیے کیا تھا کہ وہ افرادِ نسلِ اِنسانی کو جنگل

Marfat.com

(= جنّت) میں جنگلی مخلوق کی طرح دنگا فساد، جنگ وجدال اور کُشت وخون کرتے دیکھتے تھے؛ لیکن انھیں اس کے عوامل ومحرّکات کا علم نہ تھا؛ نیز ان کو اِس حقیقت کا علم بھی نہ تھا کہ ربِّ علیم وحکیم نے اپنے ارضی جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کو ایسی بیشال وحیرت انگیز حِسّی۔قلبی۔نفسی استعدادیں (Potentialities) بالقُوّۃ ودیعت کی ہوئی ہیں کہ جب وہ فعل میں آئیں گی تو وہ اپنے مشاہدہ و تجربے کی بدولت کھیتی باڑی کرنے کا ہنر سیکھ جائیں گے، اور جنگل سے نکل کر میدانوں میں زرعی زندگی بسر کرنا شروع کر دیں گے۔پھر علم کی ترقّی کے ساتھ ساتھ اُن میں فطری قوانین کے مطابق امن وسلامتی کے ساتھ معاشرتی زندگی بسر کرنے کی آرزو کا اِحیاء ہوگا۔اِس موقع پر قُدرت کا قانونِ احترامِ آرزو حرکت میں آئے گا اور ربِّ رحمٰن۔اپنی کُتب دے کر ان میں اپنے نبیؑ / رسولؑ مبعوث فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انھیں حیاتِ طیّبہ بسر کرنے اور بیشال مادّی ومعنوی ترقّی کرنے کی تعلیم دیں گے۔ علاوہ بریں، ان کو خلافت کے فرائض ووظائف سے آگاہ اور اُن سے عہدہ برآ ہونے کی حکمت سکھائیں گے۔

ثامنًا: یہ تھی آدم یعنی معاشرتی اِنسان کو خلیفہ بنانے کی غرض وغایت، جس کا فرشتوں کو علم نہ تھا۔وہ چونکہ تسخیری طور پر اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش کے ساتھ اس کی فرماں برداری میں مشغول رہتے تھے؛ نیز اس اقرار کے ساتھ کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اپنی تطہیر بھی کرتے تھے اور ممکن ہے اس کے حُکم سے بنی نوعِ اِنسان کی تطہیر بھی کرتے ہوں، انھیں خیال گزرا کہ اُن سے زیادہ زمین میں خلیفہ بننے کے وہ سزاوار وحقدار ہیں، حالانکہ وہ اس علم وحکمت سے محروم تھے، جو اِنسان کو ودیعت کیا گیا تھا۔

تاسعًا: یہ نُکتہ بھی چشم کُشا اور ایمان افروز ہے کہ اگر ربِّ رحمٰن کے مقرّب ملائکہ کو علمِ غیب نہیں تو قلیل العلم بشر کی کیا بساط ہے کہ وہ عالم الغیب ہو؟ انبیآء علیہم السّلام کو اتنی ہی اشیاء اور احوال وظروف کا علمِ غیب دیا جاتا تھا جو ربِّ علیم وحکیم کی نظر میں ضروری ہوتا تھا۔

عاشرًا: اِس آیۂ بصیرت افروز میں یہ اصلِ عظیم بھی مُضمر ہے کہ اس امر کے باوجود کہ جنگ وجدال، فتنہ وفساد اور کُشت و خونِ اِنسان کی سرشت ہے، لیکن ربِّ رحمٰن نے ایک تو اُسے حِسّی۔قلبی۔نفسی نظام دیا ہے، جو علم وحکمت اور تقویٰ و ہدایتِ موضوعی کا مخزن ہے، اور دوسرے اُسے اپنا حُسنِ کلام بھی عطا کیا ہے جو علم وحکمت اور رُشد وہدایت کا سرچشمہ ہے؛ اور ان دونوں کے ذریعے وہ افرادِ نسلِ اِنسانی کو ان کے اِنسانی حقوق دینے کی ضمانت فراہم کرسکتا اور اپنی خلافت کے فرائض ووظائف کو باحسن وجوہ سرانجام دے سکتا اور دُنیا کو امن وسلامتی کی جنت بنا سکتا ہے۔تیسرے ربُّ العٰلمین کے انبیآء ُرسل علیہم السّلام بھی اس کے احکام (اوامر ونواہی) اور تعلیمات پر عمل کرکے ان کو دکھاتے رہے ہیں۔

Marfat.com

الفاظ کی تشریح

خ ل ف (خلف)

خَلَفَ (مضارع ، مصدر خَلْفٌ : وہ اس کے بعد یا پیچھے آیا، اس کا جانشین بنا، یا کسی کے بعد اُس کے ہلاک و برباد یا مرجانے کے بعد قائم رہا (تاج) : لین کی زبان میں : He came after, followed, succeeded, or remained after, another, or another that had perished or died. (مدّ القاموس، بذیل مادہ) - خَلَفَهُ : وہ اس کے بعد آیا (صحاح ، اساس ، مادہ دھر، مُغرب، مصباح ، تاج) ، یا اس کے پیچھے آیا (مُغرب) - محاورہ ہے : خَلَفَ اللَّيْلُ النَّهَارَ (مصدر خَلْفٌ اور خِلْفَةٌ) : رات دن کے پیچھے پیچھے یا بعد میں آئی - اِسی سے ہے : خَلَفْتُهُ : اس کے بعد میں اس کا قائم مقام یا بدل (Substitute) بنا (تاج) -

خَلَفَ عَنْ أَصْحَابِهِ : وہ اپنے ساتھیوں کے پیچھے رہ گیا، ان کے ساتھ آگے نہ گیا (اساس) -

ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ اس مادّے کے تین بنیادی معانی ہیں : اوّلاً، ایک شخص یا شے کا دوسرے شخص یا چیز کے بعد آنا اور اس کی جگہ لے لینا - ثانیاً، قدام یا آگے کی ضد عقب یا پیچھے، اور ثالثاً، تغیّر و تبدّل (المجمل) - راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

خَلْفٌ (پیچھے) ، اس کی ضد قدام ہے - اور خَلَفَ کے معنی ہیں : پیچھے رہ جانا اور کسی کا جانشین ہونا - یہ تَقَدَّمَ اور سَلَفَ کی ضد ہے ، اور جو مرتبے میں گرا ہوا ہو اُسے بھی خَلْف کہا جاتا ہے - اسی بناء پر ردّی یا خراب چیز کو خَلْفٌ کہتے ہیں - اور خَلَفٌ کے معنی متأخّر اور جانشین کے بھی آتے ہیں - خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا : وہ اس کا جانشین ہوا، خواہ اس کی موجودگی میں یا بعد میں (المفردات) -

خَلَفَتْ نَفْسُهُ عَنِ الطَّعَامِ : (مصدر خُلُوْفٌ) : اُس کے نفس نے بیماری کے سبب کھانے سے پرہیز یا احتراز کیا (تاج) -

خَالَفَهُ (مصدر خِلَافٌ اور مُخَالَفَةٌ) : اُس نے اس سے اختلاف کیا، اختلافِ رائے کیا، یا اُس کا مخالف ہوگیا یا اس کی مخالفت کی (مُغرب، مصباح ، قاموس ، تاج) - انگریزی میں : He (or it) disagreed with or differed from, him (or it); or he dissented him. - ضد ہے وَافَقَهُ فِي كَذَا - محاورہ ہے :

خَالَفَنِي عَنْ كَذَا : اُس نے فلاں چیز سے منہ موڑ لیا (میری مخالفت میں) یا جب میں اُس چیز کے

Marfat.com

پاس گیا (مُغرِب)۔ خَالَفَهُ اِلٰی اَهْلِهٖ: وہ اس عورت کے پاس اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں گیا (ابوزید، تاج)۔

خَلِیْفَةٌ: جانشین، نیز حُکمران یا فرماں روا، ناظم الأمور (الکنز اللُّغۃ)؛ اس کی جمع خُلَفَاء اور خَلَائِفُ ہے (تاج)۔ راغب اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ اَلْخَلَائِفُ کا واحد خَلِیْفَةٌ ہے اور خُلَفَاءُ کا واحد خَلِیْفٌ ہے (المفردات)۔

یہاں اس اہم نکتے کی صراحت کردی جاتی ہے کہ انسان کو خَلِیْفَةُ اللہ یا اللہ کا نائب کہنا غلط ہے۔ قرآن مجید میں آدم یا انسان کو کہیں بھی خَلِیْفَةُ اللہ (اللہ کا خلیفہ یا نائب) نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے تو ایک شخص نے انھیں یا خَلِیْفَةَ اللہ کہا تو صدیقِ اکبرؓ نے فوراً اُس شخص کو ایسا کہنے سے منع فرمایا اور کہا کہ میں خَلِیْفَةُ الرَّسُوْل ہوں، خَلِیْفَةُ اللہ نہیں ہوں (محمد حسین ہیکل: ابوبکر، مصر)۔

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں خلیفہ وہ حکمران یا فرمانروا ہوتا ہے جو احکامِ الٰہیہ کے مطابق اپنی رعایا پر حکمرانی کرتا ہے اور خود بھی ان احکام پر عمل کرتا ہے اور ان پر عمل درآمد بھی کراتا ہے۔ لیکن جو حکمران احکامِ الٰہیہ کے بجائے یا اُن کے ساتھ اپنے احکام یا دستور ساز اداروں کے احکام (آئین و قوانین) کے ساتھ حکومت کرتا ہے، وہ "فرعون" ہوتا ہے (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

خَلَّفَهُ: اُس نے اُسے اپنا خلیفہ (جانشین یا ناظم الأمور) مقرر کیا (قاموس)۔

تَخَلَّفَ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ: کسی کے پیچھے رہ جانا، کسی کا جانشین ہونا۔ اس کا مصدر خِلَافَةٌ ہے، جس کے معنی جانشینی کے ہیں، مگر خَلَفَ خَلَافَةً (بفتح الخاء) کے معنی کم عقل ہونے کے ہیں؛ اور کم عقل آدمی کو خَالِفٌ کہتے ہیں۔ کبھی خَلْفٌ سے ناخلف بھی مراد ہوتا ہے۔ اور جو کسی کا جانشین اور قائم مقام ہو اُسے خَلَفٌ (بفتح اللام) کہا جاتا ہے۔

خِلْفَةٌ: ایک دوسرے کے بعد آنا۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

بِهَا الْعِيْنُ وَالْاٰرَامُ يَمْشِيْنَ خِلْفَةً:

اس میں جنگل کی گائیں اور ہرنیاں ایک دوسری کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔

اَصَابَتْهُ خِلْفَةٌ: پیچش لگ جانا (المفردات، مصباح)۔

اَلْاِخْتِلَافُ وَالْمُخَالَفَةُ کے معنی ہیں: کسی معاملے، قضیے یا قول، رائے میں ایک دوسرے کے خلاف طریق کار اختیار کرنا۔ اور خِلَافٌ کا لفظ دوسرے سے اعم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ضِدَّیْن کا مختلف ہونا تو

Marfat.com

ضروری ہوتا ہے، مگر مُختلفین کا ضِدّین ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں کا باہم کسی بات میں اِختلاف کرنا عموماً نزاع کا سبب بنتا ہے؛ اس لیے اِستعارۃً اِختلاف کا لفظ نزاع اور جدال کے معنی میں اِستعمال ہونے لگا ہے (المفردات؛ نیز تاج، اقرب الموارد)۔

اَلْخُلْفُ کے معنی ہیں: وعدہ شکنی۔ محاورہ ہے: وَعَدَنِیْ فَاَخْلَفَنِیْ: اُس نے مجھ سے وعدہ کیا مگر وفا نہ کیا (المفردات)۔

اَخْلَفْتُ فُلَانًا: میں نے فُلاں کو وعدہ خلاف پایا۔

اَلْاِخْلَافُ: ایک دوسرے کے بعد پانی پلانا: اَخْلَفَ الشَّجَرُ: خزاں کے بعد درخت کا دوبارہ سرسبز ہونا۔ اَخْلَفَ اللّٰہُ عَلَیْکَ: اللہ تعالیٰ تجھے ضائع یا گُم شدہ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

خَلَفَ اللّٰہُ عَلَیْکَ: اللہ تجھے خلیفہ یا خلف الرّشید عطا فرمائے (المفردات، لِسان، مصباح)۔

خَلَفْتُہٗ: میں نے اُسے پیچھے چھوڑا۔ اَلْخَالِفُ: سُستی، کوتاہی یا نُقصان کے خوف وغیرہ کے سبب پیچھے رہنے والا، جیسے مُتَخَلِّف (المفردات، قاموس)۔ اَلْخَالِفَۃُ: خیمے کا پچھلا سُتون، کنایہ کے طور پر اس سے مُراد عورت لی جاتی ہے، کیونکہ وہ مجاہدین سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔ اس کی جمع ہے خَوَالِف۔ اَلْخَلْفُ: کُلہاڑی کی دھار۔ پہلو کی سب سے چھوٹی پسلی جو پیٹ کے جانب سب سے آخری ہوتی ہے۔ اَلْخِلَافُ: بید کی قسم کا درخت جو اُمید کے مطابق اُگتا اور بڑھتا ہے، یا اس کا باطن ظاہر کا قائم مقام ہوتا ہے (المفردات)۔

اَلْخِلِّیْفٰی: خلافت۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: لَوْلَا الْخِلِّیْفٰی: اگر خلافت کی ذِمّے داریاں نہ ہوتیں تو میں خود اذان دیا کرتا (المفردات): اذان کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الاعراف ۷: ۱۶۹): پھر ان کے بعد "ناخلف" ان کے جانشین ہوئے۔ (خَلْفٌ سے مُراد ظالم و جاہل یا فاسق و فاجر لوگ؛ نیز دیکھیے مریم ۱۹: ۵۹)۔

★ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ (الاعراف ۷: ۱۵۰): (حضرت مُوسیٰؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ سے ناراضگی سے) کہا: تو نے میرے بعد بُری طرح جانشینی کی؛ یعنی میری خلافت کے اُمور بُری طرح سرانجام دیے۔

★ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ○ (زُخرف ۴۳: ۶۰): اور اگر ہم

Marfat.com

چاہتے تو تم میں فرشتوں کو زمین میں ناظم الامور مقرر کر دیتے ، یعنی خلافتِ ارضی کے اُمور سر انجام دیتے۔

★ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۴۲) : اور (حضرت) موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے (ناصحانہ انداز میں) ارشاد فرمایا : میری قوم میں میری نیابت کرنا ، یعنی اُمورِ خلافت سرانجام دینا ، اور قوم کی اِصلاح کرنا ، لیکن توازنِ حیات کو بگاڑنے والوں کا کہا نہ ماننا اور نہ اُن کی راہ اختیار کرنا۔

اس آیۂ فکر انگیز نے محوّلۂ بالا آیہ (الاعراف ۷ : ۱۵۰) کی تفسیر کر دی ہے۔

خُلِّفُوْا : کسی معاملے ، مُقدّمے یا کام وغیرہ کو پیچھے ڈال دینا (فیصلے وغیرہ کے لیے) :

★ وَّعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ (التوبۃ ۹ : ۱۱۸) : اور (جہاد میں پیچھے رہ جانے والے) تینوں (اصحاب) کی طرف بھی رجوع بہ رحمت و مغفرت کیا (یعنی ان کو معاف کر دیا) جن کے معاملے کا فیصلہ مؤخّر کر دیا گیا تھا۔

★ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ (هُود ۱۱ : ۸۸) :
اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تمھیں روکتا ہوں انھیں تمھاری طرح خود کرنے لگوں۔

اُخَالِفَ کے معنی ہیں : کسی خواہش کی یا لوگوں کی پیروی کرنا۔

★ اَلَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ : جو لوگ رسولؐ کے حُکم کی خلاف ورزی یا مخالفت کرتے ہیں (النُّور ۲۴ : ۶۳) — Those who disobey or withstand the order of the Apostle

فَاَخْلَفْتُ : بیوفائی یا خلاف ورزی کرنا ، وعدہ پورا نہ کرنا۔

★ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ (ابراهیم ۱۴ : ۲۲) : اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچّا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اُسے تمھارے لیے پورا نہیں کیا (یعنی وعدہ کر کے تمھیں ناکام بنا دیا)۔

★ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ ○ (طٰهٰ ۲۰ : ۸۶) : تُم نے مجھ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی (You broke tryst with me.) ؛ نیز دیکھیے ۲۰ : ۸۷ ؛ التوبۃ ۹ : ۷۷ ؛ طٰہٰ ۲۰ : ۵۸ ۔

تُخْلِفُ : (وعدہ کی خلاف ورزی کرنا (To break the tryst or covenant) :

★ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ○ (آلِ عمران ۳ : ۱۹۴) : بلاشُبہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ نیز دیکھیے (البقرۃ ۲ : ۸۰ ؛ آلِ عمران ۳ : ۹ ؛ الرّعد ۱۳ : ۳۱ ؛ الحجّ ۲۲ : ۴۷ وبمواضعِ کثیرہ) ۔

★ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (التوبۃ ۹ : ۱۲۰) : کہ اللہ کے رسولؐ کے پیچھے رہ جائیں (یعنی

Marfat.com

آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نہ جائیں اور پیچھے رہ جائیں) ۔
اَخۡتَلَفَ : اِختلاف کیا (Differed) : دیکھیے البقرۃ ۲ : ۲۱۳؛ آلِ عمران ۳ : ۱۰۵ و بمواضعِ کثیرہ) ۔
اَسۡتَخۡلَفَ فِي الۡاَرۡضِ : زمین میں حکمران یا حاکم بنانا، حکومت قائم کرنا۔
★ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ (النّور ۲۴ : ۵۵) : جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور عدل و احسان کے کام کرتے ہیں، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں دُنیا میں حکمران بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو حکمران بنایا تھا (نیز دیکھیے الانعام ۶ : ۱۳۳؛ الاعراف ۷ : ۱۲۹ و بمواضعِ کثیرہ) ۔
خَلۡفَنَا : پیچھے ۔ یہ ضد ہے آگے کی ۔
★ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰلِكَ (مریم ۱۹ : ۶۴) : جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو بھی ان کے درمیان ہے، سب اللہ کے لیے ہے (یعنی اللہ کا ہے اور اس کے سب جمالیاتی تخلیقی شہکاروں کے تمتّع یا استفادے کے لیے ہے) ۔
★ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۝ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ۝ (فُصِّلَت ۴۱ : ۴۱-۴۲) : اور یقیناً یہ انتہائی ذی قوّۃ و ناقابلِ مقاومت کتاب ہے ۔ باطل نہ اس پر آگے سے غالب آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے ہی؛ یہ حکیم بالذّات اور حکمت سکھانے والے ممدوح بالذّات کی نازل کردہ ہے (مزید دیکھیے الرّعد ۱۳ : ۱۱؛ الاحقاف ۴۶ : ۲۱ و بمواضعِ دیگرہ) ۔
خَالِفِيۡنَ : پیچھے رہ جانے والے، جہاد میں جانے کے بجائے (Who lag behind) ۔
★ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ ۝ (التوبۃ ۹ : ۸۳) : اب بھی (عورتوں کی طرح) پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ۔ (معلوم ہوا کہ جہاد میں حصّہ نہ لینے والے مُسلم مجاہدوں کے رُفقائے کار ہوتے ہیں نہ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے سچّے پیرو کار ہی) ۔
خِلَافٍ : مخالف سمت یعنی (Opposite side) یا خلافِ مرضی یا خواہش ۔
★ اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ (المائدۃ ۵ : ۳۳) : یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں (نیز دیکھیے الاعراف ۷ : ۱۲۴؛ طٰہٰ ۲۰ : ۷۱؛ الشّعراء ۲۶ : ۴۹) ۔
★ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ .... (التوبۃ ۹ : ۸۱) : جو لوگ

Marfat.com

(غزوۂ تبوک میں) پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ کی خواہش کے خلاف (گھروں میں) بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے۔

خِلٰفَكَ : تیرے پیچھے یا تیرے جانے کے بعد پیچھے رہ جانا (الاسراء ۱۷: ۷۶)۔

خِلْفَةً : ایک دوسرے کے پیچھے آنا (To follow each other, or in succession)۔

★ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً (الفرقان ۲۵: ۶۲): اور اُس (اللہ) نے شب و روز کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے کا پابند بنایا ہے۔

اَلْخَوَالِفِ : گھروں میں پیچھے رہ جانے والی عورتیں، یعنی جہاد کے لیے نہ نکلنے والی عورتیں۔

★ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ (التوبۃ ۹: ۸۷، ۹۳): جو پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جانے کو ترجیح دیتے ہیں : They prefer to be with (the women), who remain behind (at home)

خَلِیْفَةٌ : حکمران، حاکم (جو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرے، احکامِ الٰہیہ کے مطابق)۔

★ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی (صٓ ۳۸: ۲۶): اے داؤدؑ! (O David!) ہم نے تمھیں زمین میں حکمران بنایا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان (ان کے حقوق وغیرہ کے بارے میں) عدل کے ساتھ فیصلے کرنا اور خواہش کی پیروی نہ کرنا (چاہے اپنے نفس کی خواہش ہو یا دوسروں کی خواہش)۔

یہ ہے خلیفہ کا معنیٰ اور خلافت کی علّتِ غائی۔ یہی معنیٰ اور مفہوم ہے اس آیۂ بصیرت افروز کا کہ

★ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ ۲: ۳۰): میں زمین میں حکمران مقرر کرنے والا ہوں۔

مُسْتَخْلَفِیْنَ : امین یا امانتدار (Trustees)۔

★ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ○ (الحدید ۵۷: ۷):

اللہ اور اس کے رسولؐ (کے فرمان) کو تسلیم بالیقین کرو اور اس مال و دولت میں سے (کفالت و رفاہِ عامہ کے لیے) خرچ کرو جس کا تم کو امین (مُستفید) بنایا گیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ تم میں سے یہ حکم مان لیں گے اور انفاق بالعفو کریں گے اُن کو بہت ہی بڑا صلہ ملے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان جو دولت کماتا یا وراثت میں حاصل کرتا ہے، اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ امین ہوتا ہے، اور اس امانت کو ربُّ العٰلمین کے احکام کے مطابق تصرّف میں لانے کا شرعاً مکلّف یا پابند ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور سے دیکھیے البقرۃ ۲: ۲۱۹؛ آلِ عمران ۳: ۹۲؛ التوبۃ ۹: ۳۴-۳۵؛ الھُمزۃ ۱۰۴: ۱-۹ -

Marfat.com

س ف ك (سفك)

سَفَكَ (مضارع، اس کا مصدر ہے سَفْكٌ) : اُس نے اس کا خون کیا، بہایا، بہنے دیا یا بہایا:
انگریزی میں He shed, poured forth, or caused to run or flow, blood, and tears, and water, and any fluid or liquid. (صحاح، العُباب، مصباح، قاموس) ؛ اور آنسو، پانی اور مائع یا ہر سیال چیز (وہی کُتب، نیز المفردات، تاج) - لیکن اس کا صحیح اِستعمال خون پر ہوتا ہے (تاج) -
سَفَكَ الْكَلَامَ : اُس نے تیزی کے ساتھ دُھواں دھار تقریر کی، (تاج) - سَفَّكَهُ (مصدر تَسْفِيكٌ) : اُس نے اُسے (یعنی اپنے مہمان کو) ناشتے سے پہلے ماکول یا مشروب دیا، جسے سُفکہ کہتے ہیں؛ جیسے بعض لوگ بستر پر ہی چائے دیتے ہیں جسے Bed tea کہتے ہیں - سَفَّاكٌ و سَفُوكٌ : بہت خون گرانے والا (قاموس) - هُوَ مَسْفُوكٌ اَوْ سَفَّاكٌ - بِالْكَلَامِ : وہ پرلے درجے کا کاذب یا جھوٹا ہے -
مُسْفِكٌ : باتونی آدمی (المنجد) - سَفُوكٌ یا سَفُوكٌ بِالْكَلَامِ (قاموس، تاج) : بہت دروغ گو یا عادی کاذب یا جھوٹا (Mendacious, a great or habitual liar) -

سَافِكٌ : خون یا آنسو چھم چھم بہانا؛ خوں فشانی کرنا - محاورہ ہے : عُيُونٌ سَوَافِكُ : تیری اشک فشاں آنکھیں (تاج) -

مِسْفَكٌ : فضول گو، گپی، باتونی (قاموس، تاج) : Loquacious, garrulous -

از روئے کلیدِ لغاتِ قرآن

★ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ (البقرۃ ۲ : ۳۰) : فرشتوں نے تعجب و اِستفسار کے طور پر کہا : کیا تُو زمین میں ان (انسانوں) کو حکمران و ناظم الاُمور مقرر کرنا چاہتا ہے جو اس میں خرابی و برہمی کرتے اور خونریزی کرتے ہیں ؟ (Shed blood)

★ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ (البقرۃ ۲ : ۸۴) :
اور (یاد کرو) جب ہم نے تُم سے پکا عہد (Covenant) لیا تھا کہ آپس میں اپنے لوگوں کا کُشت و خون نہ کرنا۔

Marfat.com

دم و (دمو) یا دم ی (دمی)

دَمِیَ (تہذیب، صحاح، مُحکم، المقدمۃ الأدب، مصباح، قاموس؛ بعض کے نزدیک اصل میں دَمِوَ ہے) - اس کے معنی ہیں: اس کا خون بہا؛ اس سے خون نکلا؛ یا وہ خون خون ہوگیا؛ آلودۂ خون ہوگیا۔
دَمَّی تَدْمِیَۃً و اَدْمٰی اِدْمَاءً - الجَرْحَ: زخم سے خون نکالنا۔ اَدْمٰی الرَّجُلَ: کسی شخص کا خون بہانہ۔
دَمّٰی لِفُلَانٍ: راستہ آسان کرنا، قریب کرنا۔ اِسْتَدْمٰی - مِنْ غَرِیْمِہٖ: قرض دار سے نرمی اور احترام سے قرض وصول کرنا (مُحکم، تاج) - محاورہ ہے: خُذْ مَا دَمّٰی لَکَ: جو تمھیں دکھائی دیا اُسے لے لو (ثعالب، مُحکم)۔

دَمٌ (خون یا Blood) - یہ اصل میں دَمَیٌ تھا۔ "ی" کو برائے تخفیف حذف کر دیا گیا ہے
دَمٌ کی جمع دِمَآءٌ ہے (المفردات، سیبویہ، صحاح، قاموس)۔ دَمٌ کا اسمِ تصغیر دُمَیٌّ ہے۔
رَجُلٌ ذُوْ دَمٍ: خون کا بدلہ لینے کی طلب و جستجو رکھنے والا (تاج)۔
دَمِیَتِ الجِرَاحَۃُ: زخم سے خون بہنا (المفردات)۔ الدُّمْیَۃُ: گڑیا یا لُعبت جو خون کی مانند سُرخ اور منقوش ہو۔ شَجَّۃٌ دَامِیَۃٌ: سر کا زخم جس سے خون بہہ رہا ہو (المفردات)۔
مُدَمّٰی: سُرخ، کپڑا ہو یا لباس یا کوئی اور چیز (مُحکم)۔
مُسْتَدْمٍ: سر جھکانے پر نکسیر کا پھوٹ پڑنا (الاصمعی، صحاح، قاموس) - وہ شخص جو اپنے قرضدار سے نرمی و تلطُّف کے ساتھ قرض وصول کرتا ہے (کُتبِ مذکورہ)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

الدَّمَ: لہو، خون (Blood)۔
★ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ..... (البقرۃ ۲: ۱۷۳؛ نیز المائدۃ ۵: ۳؛ یُوسُف ۱۲: ۱۸ و بمواضعِ دیگرہ): اُس نے تُم پر مُردار یا مرا ہوا جانور (Carrion) اور خُون (کا کھانا پینا) حرام کر دیا ہے۔
★ دَمًا مَّسْفُوْحًا (الانعام ۶: ۱۴۵): بہتا ہوا خون (بھی حرام ہے)۔
الدِّمَاءَ (جمع الدَّم کی) دیکھیے البقرۃ ۲: ۳۰، ۸۴ اور الحج ۲۲: ۳۷۔

Marfat.com

ن ح ن (نَحْنُ : ضمیر)

نَحْنُ (ہم) ضمیر جمع مُتکلّم (اقرب الموارد، اساس) ؛ راغب اصفہانیؒ کا قول ہے کہ اسے ضمیر مُتکلّم مع الغیر کہتے ہیں (المفردات) ۔ بعض کے نزدیک یہ ضمیر مرفوع منفصل ہے ۔ تثنیہ (دو) اور جمع مُتکلّم کے لیے آتی ہے ؛ نیز یہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے ۔ مثلاً نَحْنُ رَجُلَانِ (ہم دو مرد ہیں) ؛ اور نَحْنُ اِمْرَأَتَانِ (ہم دو عورتیں ہیں) ۔ نَحْنُ رِجَالٌ : (ہم سب مرد ہیں) ؛ اور نَحْنُ نِسْوَۃٌ (ہم سب عورتیں ہیں) ۔ یہ یاد رہے کہ اِمْرَاۃٌ کی جمع نِسْوَۃٌ ہوتی ہے، البتہ اس کا تثنیہ ہوتا ہے ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قُرآن

نَحْنُ : اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ چونکہ احد اور وحدہٗ لاشریک ہے، اس لیے قُرآنِ حکیم میں اپنے لیے عموماً واحدِ مُتکلّم کا صیغہ اِستعمال کرتا ہے ؛ لیکن جب اُسے بمقتضائے موقع و محل اپنے اہلِ اِرادہ و اِختیار جمالیاتی ۔ تخلیقی شہکاروں اور خاص کر ان میں فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کو قُدرت و عزّت؛ جلالت و سطوت، قہاریّت و جبروت، کبریائی و عظمت اور علم و حکمت کا احساس دلانا اور ان میں اپنی صفاتِ جلیلہ کا شعور زندہ و بیدار کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہ نَحْنُ (جمع مُتکلّم کا صیغہ) اِستعمال کرتا ہے ۔ مثال کے طور پر، دو چار آیاتِ جلیلہ پیش کی جاتی ہیں :

★ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ (فُصِّلَت ۴۱ : ۳۱) :
ہم ہی اس دُنیا اور آخرت میں تمھارے سرپرست و دوست ہیں ۔

مطلب ہے جنھیں تُم اپنے "ولی" سمجھتے یا بناتے ہو، وہ ہمارے مقابلے میں پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، نیز وہ ہمارے محتاج وسائل اور مرزوق و پروردہ ہیں ۔

علم الغیب اور حکمت کے اِظہار کے لیے :

★ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یُوسُف ۱۲ : ۳) : ہم (عالم الغیب والشہادۃ) (ہمارے نبیؐ !) آپ کو حسین ترین داستان سُناتے ہیں ۔

★ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الواقعۃ ۵۶ : ۸۵) : اور ہم تو تُم سے بھی

Marfat.com

زیادہ اس (نزع میں مبتلا شخص) کے قریب ہوتے ہیں، لیکن تُم ہمیں دیکھ نہیں سکتے (کہ ہمیں دیکھنا تمہارے مقدور ہی میں نہیں) ۔

★ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (الحجر ۱۵ : ۹) : یقیناً ہم ہی نے "الذّکر" یعنی قرآنِ حکیم کو (بذریعہ وحیٔ بتدریج) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (تاکہ یہ ہر قسم کی تحریف اور فنا و عدمیّت سے مصئون رہے) ۔

س ب ح (سبح)

سَبَحَ (مضارع، اس کا مصدر سَبۡحٌ اور سِبَاحَۃٌ ہے یا یہ محض اسم ہے) : وہ تیرا (Swam) مترادف عَامَ (مصباح، قاموس) ۔ سَبَحَ بِالنَّهۡرِ اور فِيۡهِ (قاموس)، بلکہ بِالۡمَآءِ (الغاسیٔ تاج) یا فِي الۡمَآءِ (مصباح)، یعنی پانی میں تیرا، نیز سمندر، تالاب یا جھیل وغیرہ میں (وہی کُتب) - الزّمخشری کے مطابق عَوۡمٌ اور سِبَاحَۃٌ میں فرق ہے ؛ عَوۡمٌ کے معنی ہیں : پانی میں بھیگتے ہوئے گزرنا، جبکہ سِبَاحَۃٌ کے معنی ہیں : پانی میں بھیگے بغیر گزر جانا (موضوعِ مذکور) ۔ (اس بناء پر) اَلنُّجُوۡمُ تَسۡبَحُ فِي الۡفَلَكِ کے معنی ہیں : سیارے اپنے اپنے فلک یا دوائر (Orbits) میں تیز رفتاری کے ساتھ رواں دواں ہیں، تیر رہے یا حرکت کر رہے ہیں (اساس، تاج) : The stars (swim, or glide along or) pass along, in the firmament, with a spreading forth.

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلسَّبۡحُ : اس کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں ۔ سَبَحَ (ف) سَبۡحًا وَ سِبَاحَۃً : وہ تیز رفتاری سے چلا ۔ پھر اِستعارۃً یہ لفظ فلک میں نجوم کی گردش اور تیز رفتاری کے لیے اِستعمال ہونے لگا ہے ؛ نیز کسی کام کو پوری سعی و جُہد یا تگ و تاز کے ساتھ کرنے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے (المفردات) ۔

اَلتَّسۡبِيۡحُ کے معنی تنزیہہ اِلٰہی بیان کرنے کے ہیں ۔ اصل میں اس کے معنی عبادتِ الٰہی میں تیزی کرنے کے ہیں ۔ پھر اس کا اِستعمال ہر فعلِ خیر پر ہونے لگا ..... الغرض، تسبیح کا لفظ قولی، فعلی اور قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے (موضوعِ مذکور) ۔

اَلسَّابِحَاتُ : کشتیوں کو کہتے ہیں ۔ اَلسَّوَابِحُ : تیراک کی طرح چلتے ہیں ۔

Marfat.com

اَلسَّبَّاحُ : اچھے تیراک کو کہتے ہیں ؛ نیز استعارۃً تیز رفتار گھوڑے اور اونٹ کو بھی کہتے ہیں (تاج، لسان، قاموس) ۔

سَبَحَ ذِکْرُكَ مَسَابِحَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ : آپ کی شہرت وہاں تک پہنچ چکی ہے جہاں تک مہر و ماہ کی رسائی ہے ، یعنی ساری دُنیا میں (اساس، تاج) ۔

سَبَحَ فِی الْاَرْضِ : اُس نے دُنیا میں سیاحت یا سفر کیا (العُباب، تاج) ۔

سَبَحَ : سفر برائے کاروبار (Traffic) : تَقَلُّب ؛ اور لوگوں کا ملک یا دُنیا میں بکھر یا مُنتشر ہو جانا (قاموس) ۔ اور کسی کا فائدے کی خاطر اپنے آپ کو اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے میں مشغول رکھنا (ابن الاعرابی، تاج) ۔ اور معایش (Subsistence) کے اُمور کے انتظام یا اُن کو سرانجام دینے کی خاطر اپنی صوابدید کے مطابق مصروف رکھنا (صحاح، قاموس، تاج) ۔ اعراب کا محاورہ ہے : فُلَانٌ يُسَبِّحُ النَّهَارَ كُلَّهُ فِي طَلَبِ الْمَعَاشِ : فُلاں شخص معاش کے حصول کے لیے دوڑ دھوپ میں رات دن ایک کر دیتا ہے (تاج، اساس) ۔ اعراب کا ایک محاورہ یہ بھی ہے :

سَبَحَ السَّرَابُ یا الآلُ کے معنی ہیں : لَمَعَ یعنی سراب چمکا (The mirage glistened) ۔ دیکھیے (العباب) ۔ اور اُس نے زمین میں سُراخ کیا یا اراضی کھودی (He dug, or burrowed in the earth or ground) ؛ دیکھیے العُباب ، تاج ۔ پُرگوئی (قاموس) ۔ محاورہ ہے : سَبَحَ فِی الْکَلَامِ : اُس نے کلام کو طول دیا (موضوع مذکور) ۔

تَسْبِیْحٌ کے معنی ہیں : اللہ کا تنزیہہ و تقدیس کرنا ؛ یعنی خلوص و ایقان کے ساتھ اِس حقیقت کا اِظہار یا اعتراف بِاللّسان کرنا کہ اُس کی ذاتِ اقدس ہر قسم کے نقص ، عیب ، ضعف ، قُبح ، اور شرک سے ، نیز ہر اُس شے سے پاک و منزّہ اور وراء الوراء ہے جو اس کی عظمت و کبریائی کے منافی یا شایانِ شان نہ ہو (کلیدِ لُغاتِ قرآن ، صحاح ، العُباب ، تاج ، مصباح ، المفردات) ۔ تنزیہ اور تقدیس اس کے مترادفات ہیں ۔

تَسْبِیْحٌ : قیامِ صلوٰۃ کو بھی کہتے ہیں (قاموس ، مصباح) ۔ عربوں نے جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ اُس نے صلوٰۃ قائم کی (یا نماز پڑھ لی) تو سَبَّحَ کہتے ہیں (اساس ، مُغرب) ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

يَسْبَحُوْنَ : تیرنا یا تیزی سے گزرنا یا چلنا (Swim, glide or float swiftly) ۔

Marfat.com

★ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (الانبیاء ۲۱ : ۳۳) : اور وہ اللہ ہی ہے جس نے شب و روز اور مہر و ماہ کو تخلیق کیا، (جو) تمام اپنے دائرے یا مدار (Orbit) میں تیزی سے گھوم یا تیر رہے ہیں۔

سَبَّحَ : اللہ کی تنزیہ اور فرماں برداری میں سرگرم عمل ہونا یا رہنا۔

★ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (الحدید ۵۷ : ۱) : آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اللہ کی تقدیس اور فرماں برداری میں سرگرم عمل رہتے ہیں (الحشر ۵۹ : ۱؛ الصف ۶۱ : ۱ و بمواضع کثیرہ)۔

سَبْحًا : اہم کام کاج یا اُمور۔

★ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ○ (المزمل ۷۳ : ۷) : (اے نبیؐ!) یقیناً دن کے وقت آپ نے بہت زیادہ اُمور یا کام سرانجام دینا ہوتے ہیں۔

★ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ○ (القلم ۶۸ : ۲۸) : اُن میں جو بہترین تھا اُس نے انھیں (عبرت انگیز انداز میں) کہا : کیا میں تمھیں نہیں کہا کرتا تھا کہ اللہ کا تنزیہ اور اس کی فرماں برداری کرو؟

★ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ (البقرۃ ۲ : ۳۰) : اور ہم تیری حمد (تعریف و ستائش اور تشکّر و سپاس) کے ساتھ اپنے فرائض و وظائف (Duties and functions) سرانجام دیتے اور تیری تقدیس و تعظیم کرتے ہیں۔

★ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ○ (طٰہٰ ۲۰ : ۳۳) : تاکہ ہم تیرے احکام کی تعمیل تیزی سے بہت زیادہ کرسکیں۔

★ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ (الرعد ۱۳ : ۱۳) : اور رعد یا بجلی کی کڑک (Thunder) اس کی ثنائے جمیل کے ساتھ اور فرشتے اس کے (قانونِ مجازات کے) خوف سے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

★ يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ○ (الانبیاء ۲۱ : ۲۰) : فرشتے رات دن اپنے فرائض سرانجام دینے میں سرگرم عمل رہتے ہیں، سستی نہیں کرتے (Flag or intermit not)؛ نیز دیکھیے الاعراف ۷ : ۲۰۶۔

سَبِّحْ :

★ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (آلِ عمران ۳ : ۴۱) : اور اپنے پروردگار و مالک کا بکثرت ذکر کرتے اور شام و سحر اس کا تنزیہ کرتے رہنا؛ یعنی یہ

Marfat.com

کہتے رہنا کہ اس کی ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک، سہیم یا ہمسر نہیں، اور وہ ہر قسم کے عیب، نقص اور احتیاج سے منزّہ ہے۔

★ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ (الحجر ۱۵ : ۹۸): (میرے پیارے نبی!) درجہ بدرجہ نشوونما دینے والے اپنے آقا کی تنزیہ اس کی ثنائے جمیل کے ساتھ کرتے رہو اور (اس کے) بندگانِ تسلیم و رضا کی طرح بنے رہو۔

★ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ○ (الفرقان ۲۵ : ۵۸): اور (میرے نبی!) زندہ بالذات (Live-in-Himself) پر بھروسہ رکھو! جو مرے گا نہیں؛ اور اس کی تعریف و ستائش اور تشکر و امتنان کے ساتھ اپنے فرائضِ (نبوّت) سرگرمی سے سرانجام دیتے رہو، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے آگہی رکھنے کے لیے کافی ہے۔

★ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ○ (قٓ ۵۰ : ۴۰): اور رات کے وقت بھی اور (نفلی یا فرض) سجدوں کے ساتھ بھی اللہ کا تنزیہ اور سُبحان اللہ کا درد کرتے رہو۔

★ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (یُوسُف ۱۲ : ۱۰۸): اور اللہ کا کیا کہنا! وہ تو ہر احتیاج و ضرورت، نقص و عیب، ضعف و قبح اور ہمسروں یا شریکوں سے منزّہ اور وراء الوراء ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

★ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ (الرُّوم ۳۰ : ۱۷): جب تم پر شام آئے تو اس وقت بھی اور جب تم پر صبح آئے تو اس وقت بھی اللہ کا تنزیہ کرتے ہیں۔

★ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ (النُّور ۲۴ : ۴۱):
کیا تم نے غور نہیں کیا کہ جو مخلوقات بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کی سب، بلاشبہ اللہ ہی کی فرمابرداری کرتی ہیں اور پرے باندھے پرندبھی۔ یہ سب کے سب اپنے فرائض (Duties) اور وظائف (Functions) سے آگہی رکھتے ہیں اور وہ جو کچھ اور جس طرح کام کرتے ہیں، اللہ اس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔

نُکتہ: اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ تو جانتا ہے کہ اُس نے اپنی گوناگوں مخلوقات کو ان کے حسبِ حال کون کون سے وظائف و فرائض سپرد کیے ہوئے ہیں اور وہ کس طرح اُن کو سرانجام دے رہے ہیں، لیکن

Marfat.com

بنی نوعِ انسان ان کو نہیں سمجھتے - چنانچہ ارشاد ہوا :

★ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷ : ۴۴) :
ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سب جو ان میں ہیں اسی (ایک اللہ) کے احکام کی تعمیل میں سرگرم عمل رہتے ہیں ، اور ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد (تعریف و ستائش اور تشکّر و امتنان) کے ساتھ اس کا امتثالِ امر نہ کرتی ہو - لیکن تم اُن کی تسبیح کا فہم نہیں رکھتے - یقیناً وہ تو ہے ہی بُردبار (Clement) - بخشنے اور حفاظت کرنے والا -

★ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۸۰) : تیرا رب جو ذی قُوّت و اقتدار — پروردگار ہے ، ان سب (مُشرکانہ و کافرانہ) باتوں سے منزّہ ہے جو وہ اس کے متعلق کہتے ہیں -

★ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۶۴ - ۱۶۶) : اور (فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا منصب متعیّن نہ کیا گیا ہو - اور ہم ہی ہیں جو (ہمہ وقت امتثالِ امر کے لیے) صف بستہ رہتے ہیں - اور ہم ہی ہیں جو امتثالِ امر میں سرگرم عمل رہتے ہیں -

حضرت یُونُس علیہ السّلام سے متعلق ارشاد ہوتا ہے :

★ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۴۳) : اگر وہ اللہ کے احکام سرگرمی سے بجالانے والوں میں سے نہ ہوتا -

اللہ تعالیٰ نے حضرت یُونُس علیہ السّلام کی سیرت یا شِعارِ زندگی کی طرف بلیغ اشارہ کیا ہے کہ ان کی مچھلی کے پیٹ سے نجات دراصل ثمرہ تھا ان کے اِس شِعار کا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل بڑی گرم جوشی سے کرنے والے تھے -

ق د س (قدس)

قَدَسَ فِي الْاَرْضِ : وہ زمین یا ملک میں بہت دُور نکل گیا (بیضاوی ، ۲ : ۲۸) -

قَدَسَ (مضارع) ، اس کا مصدر قُدْسٌ اور قُدُسٌ آتا ہے ، کسی چیز سے متعلق آتا ہے : وہ چیز متبرّک (Holy) یا پاکیزہ بن گئی (صحاح ، اساس ، قاموس) - اسے اللہ تعالیٰ کے لیے بھی اس معنیٰ میں اِستعمال

Marfat.com

کرتے ہیں کہ وہ مُقدّس، پاک یا مُتبرّک ہے۔

قَدَّسَهٗ : اس کا مصدر تَقْدِیْسٌ ہے: اُس نے اُسے پاک یا مُقدّس یا مُتبرّک کر دیا : He hallowed, or sanctified, him or it: he consecrated him or it. (صحاح، مُحکم، قاموس)۔ اُس نے اللہ تعالیٰ سے متعلق برملا کہا کہ وہ ہر قسم کے قبح، سیئۂ نقص یا ہر اُس شے سے منزّہ اور وراء ہے جو اس کی عظمت و کبریائی کے منافی یا شایانِ شان نہ ہو (مُحکم، اساس، کلیدِ لُغاتِ قرآن) - یہی مطلب ہے قَدَّسَ لَهٗ کا۔ اُس نے اُسے پاک یا پوتر کر دیا (صحاح، مُحکم، قاموس، بیضاوی، موضوعِ مذکور)۔ الزجاج کے مطابق

★ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرۃ ۲: ۳۰) کے معنی ہیں: تیرے لیے یا تیری خاطر اپنے آپ کی اور ان کی بھی تطہیر کرتے ہیں جو تیری طاعت کرتے ہیں (تاج)۔

اُس نے اُسے دُعا یا برکت دی (He blessed him)۔ اعراب کا محاورہ ہے: لَا قَدَّسَهُ اللّٰهُ: اللہ اسے برکت و خیر نہ دے (ابن الاعرابی، مُحکم) — تَقْدِیْسٌ کے معنی دُعائے خیر کرنے کے بھی آتے ہیں (مُحکم) — نیز قَدَّسَ کے معنی ہیں: وہ بَیْتُ المَقْدِس (Jerusalem) گیا یا آیا، جیسے کہ کَوَّفَ (وہ کوفے آیا یا گیا) اور بَصَّرَ : وہ بصرے آیا یا گیا (اساس)۔

قُدْسٌ اور قُدُسٌ : طہارت، معصومیت، بزرگی (صحاح، اساس، قاموس، مصباح)۔ حَظِیْرَةُ القُدْسِ یا القُدُسِ : پاکیزگی و برکت کا احاطہ (صحاح)، نیز جنّت The Enclosure of Holiness and Purity, i.e., Paradise. (اساس، صحاح)۔ رُوْحُ الْقُدُسِ (صحاح، اساس، قاموس) اور ابنِ کثیر کے قول کے مطابق رُوحُ القُدُسِ (بیضاوی، ۲: ۸۱): حضرت جبریل علیہ السّلام (Gabriel, the Archangel)۔ مسیحی مذہب میں اقانیمِ ثلاثہ کا تیسرا اقنوم (= مُتبرّک رُوح): (They Hol Spirit, theThird person of the Trinity)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

نُقَدِّسُ :

★ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرۃ ۲: ۳۰): ہم تو تیری تعریف و ستائش اور تشکّر و امتنان کے ساتھ اپنے فرائض (Duties) اور وظائف (Functions) سرگرمی سے سرانجام دیتے اور تیرے لیے اور تیری خاطر اپنے آپ کی اور تیرے بندوں کی تطہیر و تصفیہ کرتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے نُقَدِّسُ لَكَ کے معنی کیے ہیں: ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، لیکن احسن و اکمل تفسیر مذکورۂ بالا ہے۔

Marfat.com

اَلْقُدُس : حضرت جبریل علیہ السلام

★ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرة ۲ : ۸۷، ۲۵۳؛ المائدة ۵ : ۱۱۰؛ النحل ۱۶ : ۱۰۲) : اور ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو توحید کے واضح دلائل و براھین عطا کیے اور مقدّس رُوح یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کی مدد کی۔ اس کا دوسرا مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مُقدّس رُوحِ اِلقاء کی تھی جو فرائضِ نبوّت ادا کرنے میں آپ کی ممدّ و معاون ثابت ہوئی۔ اس مفہوم کی تائید اس آیۂ جلیلہ سے ہوتی ہے: یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ۝ المؤمن ۴۰ : ۱۵ : وہ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس میں چاہتا ہے رُوح اِلقا کردیتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے مُتنبّہ کرے۔

اوّل الذّکر ترجمے کی تائید درج ذیل آیات سے ہوتی ہے :

★ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (النحل ۱۶ : ۱۰۲) : (اے نبیؐ!) اِن لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کردیجیے کہ رُوح القدس تمھارے ربّ کی طرف سے "الحق"، ازلی و ابدی سچائی (Ever-lasting truth) لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآنِ مجید) اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھے۔

★ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِكَ (الشعراء ۲۶ : ۱۹۳ بعد) : اس (قرآن) کو لے کر رُوح الامین (یعنی امانتدار فرشتہ) آپ کے قلب پر نازل ہوا ہے۔

اَلْقُدُّوْس :

★ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ (الحشر ۵۹ : ۲۳) : وہ اللہ ہی ہے جو (صرف) معبود و حاکم ہے، اس کے سوا کوئی اور اِلٰہ نہیں۔ (وہ) مُتبرّک و برکت عطا کرنے والا بادشاہ ہے (نیز دیکھیے الجمعة ۶۲ : ۱)۔

اَلْمُقَدَّس : مُتبرّک، واجب الاحترام جگہ، مقام یا میدان وغیرہ۔

★ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲) : تم وادیِ مُتبرّک طُویٰ میں ہو (نیز دیکھیے النّٰزعٰت ۷۹ : ۱۶)۔

اَلْمُقَدَّسَة : مُتبرّک، پاک جگہ، سرزمین، ملک وغیرھم۔

★ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ (المائدة ۵ : ۲۱) : اے میری قوم کے افراد! تم پاک سرزمین میں داخل ہوجاؤ۔ اس سے بعض مفسّرین نے شام و فلسطین کا علاقہ مُراد لیا ہے۔

Marfat.com

۳۱ - وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۳۱

۳۲ - قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۳۲

۳۳ - قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ
اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳

۳۱ - ترجمہ

اور اللہ نے آدم کو کُل اشیاء کی مُسمّیات، یعنی خواص واوصاف اور جمالیاتی - اِفادی اقدار (Properties, Characteristics and aesthetic-beneficial values) کا اور ان کو ان کے مُسمّیات کے مطابق موسوم کرنے کا علم ودیعت کر دیا - پھر وہ اشیاء فرشتوں کو صاف دکھا دیں - پھر اُن سے اِرشاد فرمایا: ان اشیاء کے نام اور مُسمّیات تو مجھے بیان کرکے دکھاؤ، اگر تُم (اپنے دعوائے خلافت میں) سچّے ہو!

تفسیری ترجمہ

فرشتے اِس اصل سے ناآشنا تھے کہ زمین میں خلیفہ بن کر رہنے کے لیے اس میں ودیعت کردہ نعمتیں جو تمام مخلوقات کے لیے مخفی اور غیب کا درجہ رکھتی تھیں، ان میں سے ہر چیز کو اس کے مُسمّٰی کے مطابق موسوم اور مُسخّر کرکے ان سے اِستفادہ یا تمتُّع کرنے کے لیے علم الاسمآء کا ہونا ناگزیر تھا، لیکن ربِّ علیم وحکیم نے چونکہ فرشتوں کو نہ زمین میں بسانا اور نہ خلیفہ ہی بنانا تھا، اس لیے ان کو یہ علم نہیں دیا تھا - فرشتوں کو اِس واقعیت کا علم نہ تھا، نیز انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ خلافتِ ارضی کے اہل تھے نہ حقدار - بخلاف اس کے، اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے چونکہ زمین یا دُنیا بنی نوعِ اِنسان کے لیے بنائی تھی اور اس کا مولد ومنشا تھی اور انھیں اس میں خلیفہ بن کر رہنا تھا، لہٰذا ربِ علیم وحکیم نے اُنھیں علم الاسمآء بالقُوّۃ ودیعت کر دیا تھا - چنانچہ اِتمامِ حجّت کی خاطر فرشتوں کو وہ سب چیزیں واضح طور پر دکھائی گئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اُن کے فطری خواص واوصاف اور اِفادی وجمالیاتی اقدار کی مناسبت سے ان کے نام رکھ کر بتائیں، اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچّے ہیں کہ افرادِ نسلِ اِنسانی کے بجائے وہ دُنیا میں خلیفہ بننے کے اہل وحقدار ہیں -

Marfat.com

۳۲ — ترجمہ

(فرشتوں نے یہ سُن اور دیکھ کر) عرض کیا: تُو (خصوصًا بلحاظِ علم وحکمت) ہر عیب ونقص سے پاک ومنزّہ ہے۔ ہم تو اتنا اور وہی کچھ جانتے ہیں، جتنا اور جو کچھ تُو نے ہمیں سکھایا ہے۔ بیشک تو بہت زیادہ علم رکھنے اور سکھانے والا — صاحبِ حکمت ومُعلّمِ حکمت ہے۔

تفسیری ترجمہ

(فرشتے چونکہ علم الاسمآء سے محروم تھے، اس لیے وہ اشیاء کی مُسمّیات یا خواص واوصاف اور جمالیاتی — اِفادی اقدار سے نابلد تھے؛ اور نہ ان کو ان کے اصل نام رکھنے کا علم ہی تھا، لہٰذا جب اُن پر یہ حقیقت مُنکشف ہوئی تو انھوں نے اپنی کم علمی اور دعوائے خلافت کی باطلیت کا اعتراف کرتے ہوئے) عرض کیا: "ہمارے اِلٰہ ورب! حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات ہر قسم کے نقص، عیب یا ضعفِ علم وحکمت سے منزّہ وپاک ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم تو اتنی ہی چیزوں کا علم رکھتے ہیں جتنی اشیاء کا علم آپ نے ہمیں دیا ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ فقط آپ ہی عالم بالذّات اور علم دینے والے ہیں، اس کے ساتھ علمی۔عملی حکمت رکھنے اور دینے والے، نیز اپنے تمام اُمور حکیمانہ یا سائنٹیفک طریقے سے سرانجام دینے والے بھی ہیں۔

۳۳ — ترجمہ

(اس پر اللہ تعالیٰ نے) اِرشاد فرمایا: اے آدم! اس کائنات کی چیزوں کے نام وخواص بتادو۔ پھر جب اُس نے چیزوں کے نام وخواص بتادیے تو (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر) فرمایا: کیا میں نے تمھیں بتایا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی غیبات کو جو تم سے مخفی ہیں، دیکھتا اور جانتا ہوں، اور وہ بھی سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہوں جو تم ظاہر یا بیان کرتے ہو، نیز وہ بھی جو تم چھپاتے ہو۔

تفسیری ترجمہ

فرشتوں پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی تو انھوں نے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرلیا۔ اس پر اِتمامِ حُجّت کی خاطر اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے آدم کو اِرشاد فرمایا کہ وہ فرشتوں کو کائنات کی اشیاء کی مُسمّیات اور ان کے مطابق اُن کے نام رکھ کر دکھائے۔ جب اِس اِرشادِ اِلٰہی کی تعمیل میں آدم نے فرشتوں کو کُل اشیاء کی مُسمّیات اور ان کے مطابق اُن کے نام بتادیے تو ربِّ علیم وحکیم نے فرشتوں کو مخاطب کرکے فرمایا: "کیا تمھیں یاد نہیں کہ میں تمھیں بتا چکا ہُوں کہ آسمانوں اور زمین کی کُل اشیاء، جو تمھارے علم ومشاہدہ سے مخفی ہیں، وہ میرے مشاہدہ وعلم میں ہیں؛ اور میں وہ بھی سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہوں جو تم ظاہر یا بیان کرتے ہو اور وہ بھی جو تم چھپاتے ہو۔

Marfat.com

تفسیر

یہ آیات مُتشابہات میں سے ہیں اور اُن کے مُضمرات از بس اہم، بصیرت افروز اور فکر انگیز ہیں۔ یہ اصل ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ آدم، ملائکہ اور ابلیس کا قِصّہ حقیقی تمثیل (Factual-allegorical) ہے؛ اور بنی نوعِ انسان کی اس نفسیاتی۔ اِرتقائی حالت (Psycho-evolutionary state) پر دلالت کرتا ہے جب وہ ابھی تہذیب و تمدّن اور زراعت سے آشنا نہیں ہوئے تھے اور جنگلوں میں وحوش کے ساتھ رہتے اور اُن کی طرح جنگل کے قانون کے مطابق زندگی کرتے تھے، لیکن اِنتہائی تلخ و صبر آزما بلکہ شکیب رُبا و عبرتناک مُشاہدات و تجربات میں سے گزرنے کے بعد ان میں قانونِ عدل و اِحسان کے مطابق امن و سلامتی کے ساتھ عمرانی یا معاشرتی زندگی بسر کرنے کی آرزو کا نشو و ارتقاء اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ ان کے یہ نفسیاتی احوال و ظروف کو دیکھ کر قُدرت کا قانونِ اِحترامِ آرزو حرکت میں آگیا، اور ربِّ علیم و حکیم نے عمرانی زندگی کے آرزو مند اِنسان کو دُنیا میں خلافت یا احکامِ اِلٰہیہ کے مطابق لوگوں (Mankind) کے درمیان فیصلے کرنے اور اُن پر عمل درآمد کرانے کا منصب بالاِختیار عطا کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ وہ معاشی و معاشرتی عدل و انصاف کے ساتھ امن و سلامتی کی زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن اس کے لیے اُنھیں موضوعی ۔ معروضی (Subjective - objective) علم و حکمت عطا کرنا ناگزیر تھا۔ بالفاظِ دیگر، اِنسان کو فطری طور پر اور وحی و تنزیل کے ذریعے علم و حکمت سے بہرہ مند کرنا اِنتہائی ضروری اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شُدنی تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی وحی و تنزیل کے اوّلیں مَہبط کے لیے اس دَور کے مثالی اِنسان جسے آج کی زبان میں Mr. Universe سے تعبیر کر سکتے ہیں، آدمؑ کو منتخب کیا اور اُسے دُنیا میں پہلا خلیفہ یا وحی و تنزیل کے احکام کے مطابق فیصلے کرنے اور ان پر عمل درآمد کرانے والا ناظم الاُمور یا حکمران مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔

خلافت کی اِنتہائی اہم ذِمّے داریوں سے بااَحسن وُجوہ عُہدہ برآ ہونے کے لیے علم الاسماء سے بہرہ مند ہونا ناگزیر تھا، اور فرشتے چونکہ اِس حقیقتِ نفس الامری سے آگاہ نہ تھے، اس لیے اپنے آپ کو محض اِس بناء پر خلافتِ ارضی کا اہل و حقدار سمجھتے تھے کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی حمد و تقدیس کرنا ان کا شِعارِ زندگی ہے۔ اُن کی اِس غلط فہمی کو، جس میں بعض اقوام اور افراد ابھی تک مُبتلا ہیں، دُور کرنے کی غرض سے ربِّ حکیم نے فرشتوں کو یہ حکیمانہ حُکم دیا کہ وہ علم الاسماء کا مظاہرہ کر کے دکھائیں اور اس طرح اپنے اِس دعوے کی تصدیق کریں کہ اِنسان کی بہ نسبت وہ دُنیا میں خلیفہ بننے کے زیادہ اہل و حقدار ہیں۔ اِس حُکم میں یہ از بس اہم نکتہ مُضمر

Marfat.com

تھا کہ اگر انھیں ربّ العالمین کی بے حساب نعمتوں کے نام، خواص، اوصاف اور فوائد ہی معلوم نہیں تو وہ اُن سے کیسے اور کیونکر اِستفادہ کرسکیں گے ؟ لہٰذا ان کو دُنیا میں آباد اور خلیفہ کیسے مقرّر کیا جاسکتا ہے ؟ یہ اِنتہائی بلیغ اِتمامِ حُجّت تھا۔ فرشتے لاجواب ہوگئے ؛ اور ان پر ان پانچ حقائق کا اِنکشاف ہوا کہ ان کا علم قلیل اور اتنا ہی ہے جتنا ربِّ علیم و حکیم نے انھیں عطا کیا ہے۔ دوسرے، علیم و حکیم اور عالم الغیب وَالشَّہادۃ صرف اور تنہا اللہ سُبحانہ وتعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ تیسرے، خلیفہ بننے کے لیے علم و حکمت سے بہرہ مند ہونا ناگزیر ہے۔ چوتھے، احکامِ اِلٰہیہ کے مطابق فیصلے کرنا اور ان پر عمل درآمد کرانا خلیفے کا بُنیادی فریضہ ہے۔

پانچویں، ربِّ علیم و حکیم نے اِنسان میں علم بِالقُوّۃ ودیعت کیا ہے (جیسے اُس نے اپنے تمام جمالیاتی — تخلیقی شہکاروں کے لیے بالخصوص اپنی بے شمار نعمتیں ودیعت کر رکھی ہیں) اور علم کو قُوّۃ سے فعل میں لانا اِنسان کا کام، بلکہ اس کا اہم ترین فریضہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں خلافت کے اُمور کو باحسن وجوہ سرانجام دینے کے لیے علم کی روشنی و توانائی کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس سے اِس امر کی بھی توجیہہ ہوجاتی ہے کہ کیوں علم کا حاصل کرنا ہر مُسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

یہاں یہ عرض کردینا بیجا نہ ہوگا کہ اُمّتِ مُسلمہ کے عُروجِ بیمثال اور زوالِ عبرتناک کے اسباب کو ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ ہے: "اِکتسابِ علم اور محرومیِ علم"۔ مُسلمانوں نے اِکتسابِ علم قُرآنِ حکیم سے کیا تھا جو علم و حکمت کا چشمۂ آبِ حیات ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ مادّی و معنوی ترقّی کر کے اقوامِ عالم کے مُعلّم و قائد بن گئے۔ پھر جب اس چشمۂ آبِ حیات سے دُور و محروم ہوتے گئے تو اُن کی رجعتِ قہقہری کا آغاز ہوگیا، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے؛ اور اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک مُسلمانانِ عالم مل کر قُرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام نہیں لیتے؛ نیز موجودہ بے قُرآن و قلم درسِ نظامیہ اور سیکولر نظامِ تعلیم کو بدل کر ان کی جگہ قُرآنِ مجید کے نظامِ تعلیم و تربیت کو رائج نہیں کرتے۔

حاصل کلام یہ کہ خلافت اور علم لازم ملزُوم ہیں۔

Marfat.com

از رُوئے لُغات و کلیدِ لُغاتِ قُرآن

ادم

اَدَمَ الْخُبْزَ (مضارع)، مصدر اَدْمٌ اور اَدَمَۃٌ (مصدر اِیدامٌ): اُس نے روٹی کو سالن وغیرہ سے ملا دیا، اُسے لذیذ و خوشگوار بنانے کے لیے (مُحکم، قاموس، مصباح): He mixed the bread with اُدُم (or seasonings; i.e, he seasoned it; he made the swallowing of the bread to be good, or agreeable, by means of اِدَام (or seasoning).

اَلْاِدَامُ: ہر خوشگوار، موافق، لذیذ چیز، شلاً سالن - جمع آدِم اور اُدُم (مصباح، قاموس)-

الاُدُم: ہر وہ شے جس کا سالن بنایا جا سکے - اِئْتَدَمَ: سالن سے روٹی کھانا-

اَدَمَ (مضارع) - مصدر اَدَمًا (اَھْلَہٗ): اپنے اہل کے لیے نمونہ بننا-

اَدَمَ اِیدَامًا - بَیْنَ مُتَخَاصِمِیْنَ: اس نے لڑائی جھگڑا کرنے والے فریقین میں صُلح کرا دی اور موافقت پیدا کر دی (تاج، التھذیب، مُحکم): He effected a reconciliation between opposed parties, or induced love and agreement between them.

ابنِ فارس کے نزدیک اس مادے کے بنیادی معنی ہیں: مل جُل کر رہنے کی آرزو و صلاحیت؛ نیز ملنساری، موافقت، مودت، محبت (المجمل) - راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اٰدَمَ: اَبُوالبشر آدم علیہ السلام - بعض کا قول ہے کہ یہ اَدِیْمِ الْاَرْضِ سے مُشتق ہے، اور اس کا نام آدم اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے جسم کو بھی ادیمِ ارض یعنی کرۂ ارض کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے - اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اُدْمَۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی گندم گوں ہونے کے ہیں - چونکہ آدمؑ گندمی رنگ کے تھے، اس لیے انھیں اس نام سے موسوم کیا گیا ہے - بعض نے اسے اَدْمٌ، بمعنی اُلفت و مشارکت سے مشتق مانا ہے، اس لیے کہ آدمؑ بھی مختلف عناصر اور متفرق قُوای کے امتزاج سے تخلیق کیے گئے تھے، جیسا کہ اس آیۂ کریمہ ★ [اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ (الدھر ۷۶: ۲): ہم نے اِنسان کو مختلف عناصر و قُوای کے امتزاج سے تخلیق کیا] سے معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے اُن کو آدم کہا گیا ہے - اہلِ عرب کا محاورہ ہے: جَعَلْتُ فُلَانًا اُدْمَۃَ اَھْلِیْ: میں نے فُلاں کو اپنے اہل و عیال میں ملا لیا-

Marfat.com

بعض نے لکھا ہے کہ آدم اِدَامٌ سے مُشتق ہے اور اِدَامٌ (سالن، سلاد وغیرہ) کھانے کو لذیذ اور خوشگوار بنا دیتا ہے؛ اور آدم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رُوح سے پھونک کر اُسے طیّب یا پاکیزہ بنا دیا (ص ۳۸ : ۷۲)۔

حدیثِ طیّبہ میں ہے : لَوْ نَظَرْتَ اِلَیْھَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰی اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا : اگر تو اُسے (یعنی اپنی منگیتر کو) ایک نظر دیکھ لے تو اس سے تمہارے درمیان اُلفت اور اشتیاق کے پیدا ہو جانے کا زیادہ اِمکان ہے (المفردات)۔

اٰدَمِیٌّ : آدم سے اسمِ نسبتی۔ اِنسان (تاج) : Human: a human being.

مُؤْدَمٌ : معروضِ محبت بنانا (تاج، صحاح) : Made an object of love; a proper object of love.

اَدَمَۃٌ : اندرونِ جلد کو بھی کہتے ہیں (المجمل)۔ اِدَامٌ : کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے اس کے قبیلے کو پہچانا جائے (تاج)۔

ان معنی کی تائید قصۂ آدم سے بھی ہوتی ہے، جو قرآنِ مجید نے بیان کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آدم جنگل نما باغ (جنّت) میں رہنے والے لوگوں میں وہ مثالی اِنسان تھے، لہٰذا ربِّ علیم نے ان کو زمین میں خلیفہ (احکامِ الٰہیہ کے مطابق حکمرانی کرنے والا) منتخب کیا تھا (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

ع ر ض (عرض)

عَرُضَ (مضارع) اور مصدر ہے عِرَضٌ (اس کے بجائے اِسم عَرْضٌ عام طور سے اِستعمال ہوتا ہے) اور عَرَاضَۃٌ : وہ وسیع یا چوڑا ہو گیا (صحاح، العُباب، مِصباح، قاموس، تاج) : It was or became, broad, or wide.

اَلْعَرْضُ : کسی چیز کی چوڑائی۔ یہ الطُّوْل کی ضد ہے۔ اصل میں اس کا اِستعمال اجسام کے متعلق ہوتا ہے؛ علاوہ ازیں، غیر اجسام پر بھی بولا جاتا ہے (المفردات)۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے :

★ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ۝ (فُصِّلت ۴۱ : ۵۱) : تو وہ لمبی چوڑی دُعائیں کرنے یا مانگنے لگتا ہے۔
اَعْرَضَ کے معنی ہیں : پہلوتہی کرنا یا مُنہ موڑ لینا۔

★ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ۝

Marfat.com

(فُصّلت ۴۱ : ۵۱) : اور جب ہم اِنسان کو نعمت یا حسنہ سے نوازتے ہیں تو وہ (ہم سے) مُنہ موڑ لیتا اور پہلو تہی کر کے چل دیتا ہے اور جب اُسے (اس کے اپنے عمل سُوء کے سبب) سیّئہ یا مصیبت پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دُعائیں کرنے یا مانگنے لگتا ہے۔

اِس آیۂ بصیرت افروز میں قرآنِ حکیم نے اپنے منفرد و مُفسّرانہ اُسلوبِ بیان میں ہمیں متعدد نفسیاتی اور لُغوی حقائق سے آگاہ کیا ہے : اوّل یہ کہ اِنعام یا نعمت کی ضد شر ہے۔ دوسرے، اَعْرَضَ کے معنی ہیں : اعراض یا مُنہ موڑنا۔ تیسرے، نعمت عبارت ہے حسنہ سے اور شرّ سیّئہ یا غم انگیز مصیبت سے۔ چوتھے، اللہ تعالیٰ کو نعمت یا حسنہ (= ہر مسرت انگیز شے) اِنسان کے حُسنِ عمل کے صلے میں یا اللہ کے فضل سے ملتی ہے اور غم انگیز مصیبت اِنسان کے اپنے اعمالِ سُوء کی وجہ سے اُسے پہنچتی ہے۔ پانچویں، اللہ تعالیٰ جب اِنسان پر اپنا فضل وکرم کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس سے مستغنی و بے نیاز سمجھنے لگتا اور اس کی طرف رجوع کرنے اور اس کا شکر بجالانے کے بجائے اس سے مُنہ موڑ کر دُور ہو جاتا ہے اور اُسے بُھلا دیتا ہے۔ لیکن جب اُسے اپنی لائی ہوئی مصیبت پہنچتی ہے تو پھر ربِّ رحمٰن سے مُصیبت سے چُھٹکارا پانے کے لیے خوب لمبی چوڑی دُعائیں مانگنے لگتا ہے۔

چھٹے، عریض کے معنی ہیں : لمبی چوڑی دُعا وغیرہ (کلیدِ لغاتِ قرآن)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

عَرْضٌ : خاص کر ایک جانب اور کنارہ کو کہتے ہیں۔ عَرَضَ الشَّيْءُ : اُس کی ایک جانب ظاہر ہوگئی۔ عَرَضْتُ الْعُوْدَ عَلَى الْإِنَاءِ : لکڑی کو برتن پر چوڑی جانب سے رکھا۔ اِعْتَرَضَ الشَّيْءُ فِيْ حَلْقِهٖ : وہ چیز اس کے حلق میں اٹک گئی۔

اِعْتَرَضَ الْفَرَسُ فِيْ مَشْيِهٖ : گھوڑا اپنے سر اور سینے کو ایک جانب ٹیڑھا کر کے چلا۔

فِيْهِ عُرْضِيَّةٌ : اُس میں مُنہ زوری ہے ـــ عَرَضْتُ الشَّيْءَ عَلَى الْبَيْعِ : میں نے اُس شے یا چیز کو فروخت پر لگایا ـــ عَرَضْتُ الشَّيْءَ عَلٰى فُلَانٍ اَوْ لِفُلَانٍ : میں نے فُلاں شخص کے سامنے وہ چیز پیش کی (المفردات) یا اُسے دکھائی (قاموس، تاج) ـــ عَرَضَ الشَّيْءُ : چیز ظاہر ہوگئی ـــ اَلْعَارِضُ : ظاہر ہونے یا درپیش آنے والی شے؛ نیز فضا میں چھایا ہوا بادل (موضوعِ مذکور)۔

اِعْتِرَاضٌ : کسی چیز کا اس طرح بالمقابل آجانا کہ اس سے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور راستہ مسدود ہو جائے ـــ عُرْضَةٌ : روک، سد یا آڑ (مُحکم، لِسان، صحاح)۔

اَلْعَرَضُ : اثاثہ، مال ومنال، توشہ، متاع (مُحکم، العُباب، تاج)۔

Marfat.com

اَلْعَارِضُ کا لفظ عارضۂ مرض پر بھی بولا جاتا ہے ، اور کبھی بمعنی رُخسار بھی آتا ہے ، جیسے اَخَذَ مِنْ عَارِضَیْہِ : اُس نے اس کے رُخسار پکڑ لیے ، اور کبھی اس سے دانت مُراد لیے جاتے ہیں ؛ اسی بناء پر ان دانتوں کو جو ہنسنے کے وقت ظاہر ہوتے ہیں ، اَلْعَوَارِضُ کہتے ہیں ؛ اور اِستعارۃً خوش گفتار اور فصیح شخص کو فُلَانٌ شَدِیْدُ الْعَارِضَۃِ کہتے ہیں (المفردات) -

اَلْعَرَضُ : ایسی شے جسے ثبات نہ ہو - اِس اعتبار سے علم الکلام کی اِصطلاح میں اَلْعَرَضُ کا لفظ اس چیز پر بولا جاتا ہے جو "جَوْھَرٌ" کے بغیر قائم نہ رہ سکے ، جیسے رنگ ، بُو ، ذائقہ وغیرہ وغیرہ - اَلتَّعْرِیْضُ : ذُومعنی یا پہلو دار بات کرنا جو سچ جھوٹ اور ظاہر و باطن دونوں معنی پر محمول ہوسکتی ہو (المفردات) - بعض نے کہا ہے کہ نکاح کے پیغام میں تعریض کی صورت یہ ہے کہ عورت سے مثلاً کہا جائے کہ تم بہت خوبصورت اور نظرافروز ہو ، وغیرہ (موضوع مذکور) -

عَرَضَ (مضارع) ، مصدر عَرْضٌ اور عَرِضَ ، حَسِبَ کی طرح خلافِ قاعدہ : وہ چیز ظاہر ہوگئی یا اَلۂ اس کو دکھائی دی : ظَھَرَ وَبَدَا (الضمعی ، صحاح ، العُباب ، قاموس) - محاورہ ہے : اَعْرَضَ لَكَ الشَّیْءُ مِنْ بَعِیْدٍ : وہ چیز تجھے دُور سے دکھائی دی (تاج) -

قبیلۂ طی کے ایک شاعر کا مصرع ہے :

اِذَا اَعْرَضَتْ لِلنَّاظِرِیْنَ (شمر)

جب وہ ناظرین کو اپنا جلوہ دکھاتی ہے یا اپنے آپ کو اُن کے سامنے پیش کرتی ہے -

عَرَضَھُمْ عَلَی السَّیْفِ کا مطلب ہے : اُس نے اُن کو تہ تیغ کر دیا (صحاح ، العُباب ، اساس ، قاموس ، مصباح) : He slew them with the sword -

عَرَضَھُمْ عَلَی النَّارِ : اُس نے ان کو جلا دیا (اساس ، تاج) — اور عَرَضَ نَفْسَہٗ لِلْھَلَاكِ : اُس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا (مصباح) -

عَرَضْتُ الْکِتَابَ (مضارع ، اس کا مصدر عَرْضٌ آتا ہے) : میں نے کتاب یا کوئی تحریر پڑھی (مصباح) -

عَرَّضَ لِلزَّوَالِ : بربادی کے حوالے کر دینا - ایک از بس بصیرت افروز حدیثِ طیبہ میں ہے :

★ مَا عَظُمَتْ نِعْمَۃُ اللّٰہِ عَلٰی عَبْدٍ اِلَّا عَظُمَتْ مَؤُوْنَۃُ النَّاسِ عَلَیْہِ فَمَنْ لَّمْ یَحْتَمِلْ تِلْكَ الْمَؤُوْنَۃَ فَقَدْ عَرَّضَ تِلْكَ النِّعْمَۃَ لِلزَّوَالِ (تاج ، العُباب) :

اللہ کی نعمت اپنے بندے یا اِنسان پر زیادہ نہیں ہوتی ، بجز اس کے کہ بنی نوعِ اِنسان کا بارِ (کفالت)

Marfat.com

اس پر زیادہ ہوجائے، لہٰذا جو شخص اِس بارِ (کفالت) کا متحمل نہیں ہوسکتا وہ اِس نعمت (مال و دولت) کو بربادی کے حوالے کرتا ہے (یعنی اُسے برباد کرتا ہے)۔

اِبْنُ مُعَارَضَۃٍ : وَلَدُ الزِّنا، حرام زادہ (سَفِیْحٌ) A son, the offspring of fornication : (تاج، العُباب) — نَظَرَ اِلَیْہِ مُعَارَضَۃً : اُس نے اُسے ترچھی نظر سے دیکھا یا دُزدیدہ نگاہ سے دیکھا He looked at him, or towards him,obliquely : (اساس، تاج) — تَمْشِیْ مُعَارَضَۃً لِلنَّشَاطِ : وہ جولانیِ طبع کے سبب اٹھکیلیاں کرتی چلتی ہے (صحاح، قاموس)۔

ھَوًی مُعْتَرِضٌ : محبت جو پہلی ہی نظر میں ہوجاتی ہے اور دل کو موہ لیتی ہے (حماسہ، ص ۵۵۱)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

عَرَضٌ : سامنے لانا یا آنکھوں کے سامنے لانا؛ اِنتخاب کے لیے پیش کرنا۔

★ وَّعَرَضْنَا جَھَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا ۝ (الکھف ۱۸ : ۱۰۰) : اور اس روز ہم جہنّم کو کافروں کے سامنے لائیں گے کہ وہ اُسے صاف دیکھ سکیں۔

★ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (الاحزاب ۳۳ : ۷۲) : ہم نے یقیناً امانتِ (آزادیِ انتخاب و عمل) کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (اُن کے اِنتخاب کے لیے) پیش کیا۔

★ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (البقرۃ ۲ : ۳۱) : اور ہم نے آدم کو کُل اشیائے (کائنات) کے اسماء یعنی حقائق و خواص اور صفات و فوائد کا، نیز اُن کے تسمیہ یا نام رکھنے کے فن کا علم ودیعت کردیا، پھر فرشتوں (Angels) کو وہ ساری اشیاء دکھا دیں۔

★ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ (صٓ ۳۸ : ۳۱) : جب شام کے وقت حضرت سُلیمٰن کے سامنے اعلیٰ نسل کے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے : When there were shown to him at evenside light-footed coursers of highest breed.

★ اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّھِمْ (ھود ۱۱ : ۱۸) : ایسے لوگوں کو اُن کے پروردگار و مالک کے حضور پیش کیا جائے گا۔

★ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (المؤمن ۴۰ : ۴۶) : جہنّم کو (عالمِ برزخ میں) صبح و شام اُن کے سامنے لایا جاتا

Marfat.com

یا اُسے دکھایا جاتا ہے، اور جب موعُودہ ساعت قائم ہوگی یعنی قیامت، توحکم ہوگا کہ فرعون کے مُتّبعین کو شدید ترین عذاب (Severest penalty or awful doom) میں دھکیل دو۔

عَرَّضَ : اِشارہ وکنایہ میں اپنی خواہش، آرزو، محبت یا وفا کا اِظہار کرنا۔

★ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ (البقرۃ ۲ : ۲۳۵) : تُم پر اس بارے میں کوئی گُناہ نہیں کہ تُم (بیوہ) عورتوں سے کنایہ و اِشارہ میں اپنی محبت یا آرزوئے نکاح کا اِظہار کرو یا اسے اپنے دلوں میں مخفی رکھو۔

اَعْرَضَ (عَنْهُ) : مُنہ موڑنا یا پھیرنا، رُوگردانی کرنا، پہلوتہی کرنا، اِعراض کرنا، دل میں چُھپالینا۔

★ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ (الاسراء ۱۷ : ۸۳) : اور جب ہم اِنسان کو نعمت (حسنہ، مال و دولت یا اِقتدار و شہرت وغیرہ) بخشتے ہیں تو وہ ہم سے مُنہ موڑلیتا ہے، بیگانہ بن جاتا ہے (نیز دیکھیے فُصِّلت ۴۱ : ۵۱ و بمواضعِ کثیرہ) ۔

★ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ (التحریم ۶۶ : ۳) : نبیِ اکرمؐ نے اپنی (زوجہ کو) کچھ بات تو بتا دی اور کچھ بات بتانے سے اِحتراز کیا (Avoided) ۔

★ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ (القصص ۲۸ : ۵۵) : اور جب وہ بے ہُودہ بات سُنتے ہیں تو وہ اس سے کنارہ کشی اِختیار کرلیتے ہیں۔

★ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ○ (الجنّ ۷۲ : ۱۷) : اور جو اپنے اِرتقائی نشو ونما دینے والے مالک و آقا کے ذِکر (= یاد، کلام) سے مُنہ پھیرتا ہے وہ اُسے روزافزوں عذاب میں پھینکے گا۔

عَرض : وُسعت وکشادگی یا چوڑائی۔

★ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (الحدید ۵۷ : ۲۱) : اپنے ربّ کی مغفرت (= بخشش و حفاظت) اور جنّت کی طرف جانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی سعی کرو۔ جنّت جس کی وُسعت وکشادگی اس قدر ہے جس قدر آسمان و زمین کی وُسعت وکُشادگی ہے (نیز دیکھیے آلِ عمران ۳ : ۱۳۳) ۔

مُعْرِضُونَ اور مُعْرِضِينَ : رُوگردانی کیے ہُوئے (البقرۃ ۲ : ۸۳؛ آلِ عمران ۳ : ۲۳؛ الانعام ۶ : ۴؛ الحجر ۱۵ : ۸۱ و بمواضعِ کثیرہ) ۔

عَرَض : قلیل و ناپیدار متاع، دولت، مال وغیرہ وغیرہ ۔

Marfat.com

★ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (النسآء ۴:۹۴): (اگر) تم دُنیوی زندگی کی قلیل و ناپائیدار متاع کی طلب و جستجو رکھتے ہو (نیز دیکھیے الاعراف ۷ : ۱۶۹ و بمواضع کثیرہ) ۔ یہی معنی عَرَضًا کے بھی ہیں (التوبة ۹ : ۴۲)۔

عَرِیْضٍ (دیکھیے لُغوی تشریحات)۔

عَارِضًا یا عَارِضٌ : بادل، سحاب (الاحقاف ۴۶ : ۲۴)۔

عُرْضَةً : آڑ یا ڈھال بنانا۔

★ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ (البقرة ۲:۲۲۴) : اپنی قسموں کے لیے اللہ کو آڑ نہ بناؤ۔

ح ک م (حکم)

حَكَمَهٗ (مضارع) اور مصدر حُكْمٌ ہے (مصباح)، لیکن قاموس کے ترکی ترجمے میں حَكْمٌ بھی آیا ہے : اُس نے اُسے بدکرداری یا عملِ سُوء کرنے سے منع کیا، باز یا تھام رکھا (صحاح، مصباح، قاموس، المجمل)

He prevented, restrained, or withheld, him from acting, in an evil, or a corrupt manner.

اَحْكَمَهٗ : اُس نے اُسے وہ کام یا حرکت کرنے سے روکا یا باز رکھا، جسے وہ اپنی خواہش کے مطابق کرنا چاہتا تھا؛ نیز حَكَّمَهٗ (مصدر تَحْكِیْمٌ، صحاح) اور حُكُوْمَةٌ۔

جریر کہتا ہے :

أَبَنِیْ حَنِیْفَةَ أَحْكِمُوْا سُفَهَآءَكُمْ
إِنِّیْ أَخَافُ عَلَیْكُمْ اَنْ أَغْضَبَا

اے حنیفہ کے بیٹو! اپنے نادان لوگوں کو باز رکھو (کہ میری مخالفت نہ کریں، ورنہ) تم پر میرا غضب پڑنے کا مجھے اندیشہ ہے (صحاح، تاج)۔

محاورہ ہے : اَحْكَمَهٗ عَنِ الْاَمْرِ : اُس نے اُسے اس کام یا چیز سے موڑ لیا (قاموس) ـــــ حَكَمَ الْفَرَسَ اور اَحْكَمَهٗ، اور حَكَّمَهٗ : اس نے گھوڑے کو روکنے کے لیے لگام دی؛ یا اُسے کھینچا (تاج) ۔ اَلْحَكَمَةُ : گھوڑے کی لگام۔

حَكَمَ الدَّابَّةَ یا الْفَرَسَ (مصدر حَكْمٌ) : اُس نے اُس جوان (Beast) یا گھوڑے کے

Marfat.com

دہانے (Bit) میں لگام ڈالی (صحاح، قاموس) ۔

حَكَمَ (مضارع، مصدر ہے حُكْمٌ اور حُكُومَةٌ) کے معنی ہیں : اُس نے حکم لگایا، فیصلہ دیا، مُقدمے کا فیصلہ سُنایا یا شرع کے مطابق فیصلہ کیا (قاموس، صحاح، تاج، مصباح) ۔

He judged, gave judgment, passed sentence, or decided judicially بَيْنَهُمْ between them.

حَكَمَ عَلَيْهِ بِالْأَمْرِ : اُس نے اس شے، معاملے یا مُقدّمے کا فیصلہ شرعی یا قانونی طور سے اس کے خلاف کر دیا (قاموس، تاج)، اور حَكَمَ لَهُ عَلَيْهِ بِكَذَا : اُس نے اُس کے خلاف عدالتی حُکم سے فُلاں کے حق میں فیصلہ دیا یا ڈگری (Decree) دے دی (المُغرب) = حَكَمَ عَنِ الْأَمْرِ : اُس نے فُلاں معاملے یا چیز سے مُنہ موڑ لیا (ابن الاعرابی، قاموس) ۔

حَكَّمَتِ الْخَوَارِجُ : خوارج کا عقیدہ ہے کہ اَلْحُكْمُ یا فیصلہ کرنے کا اِختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی اور کو نہیں (المُغرب) — اَلْحَكَمُ : ثالث، صاحبِ اِختیار یا مجاز، ایسا شخص، جو ہر قسم کا فیصلہ کرنے کا مجاز ہو : Arbiter, or arbitrator (تاج) - یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنٰی میں سے ایک نام ہے؛ نیز اِنتہائی عُمر رسیدہ شخص کو بھی کہتے ہیں (تاج) ۔

اَلْحِكْمَةُ (جمع حِكَمٌ) : اس کے بنیادی معنی ہیں : جو جَہل یا جاہلانہ رویّے اختیار کرنے سے منع کرے یا باز رکھے (المُغرب) : What prevents, or restrains, from ignorant behaviour اس سے عمُومًا دانشمندی یا دانشوری مُراد لی جاتی ہے اور اسے حَكَمَةٌ سے مشتق مانتے ہیں، جس کے معنی ہیں : جانور، جیسے گھوڑے کی لگام وغیرہ، جس کے ذریعے اُسے قابو میں رکھا جاتا ہے اور بے رہرو نہیں ہونے دیا جاتا یا بے لگام نہیں ہونے دیا جاتا (مصباح) - اس کے معنی ہیں : علم یا سائنس (Knowledge or science) دیکھیے صحاح، قاموس؛ نیز حُكْمٌ، جس کے معنی ہیں : اشیاء کے حقیقی خواص کا، اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کا علم - اِس بناء پر حکمت کو عقلی - عملی (Intellectual - practical) عقل کہتے ہیں، یا قُوّتِ عقلیہ کی کیفیت یا صفت (صحاح، تاج) - حِکمت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت لُقمانؑ کو عطا کی تھی (لُقمٰن ۳۱ : ۱۲) - اس کے معنی ہیں : احکامِ شرع کے مطابق عقل کی شہادت (تاج) ۔

The evidence or the intellect in accordance with the statutes of the law.

بیضاوی نے محولۂ بالا آیت کی تفسیر میں حکمت کے معنی لکھے ہیں : نظری علوم اور اعمالِ صالحہ کرنے کی

Marfat.com

صلاحیت کی تحصیل کے ذریعے قلب کی تکمیل یا اس کے معنی ہیں : علم وعمل کے ذریعے اس کی معرفت جو حق یا سچ ہے : اِس بناء پر اللہ کی حکمت کا مطلب ہے : اشیاء اور ان کے مبداء کا علم کامل ؛ اور انسان کی حکمت کا مطلب ہے : علم اور حُسنِ عمل ؛ یا اس کے معنیٰ ہیں : احسن واکمل علم کے ذریعے احسن واکمل اشیاء کی معرفت (تاج) - جدید عربی میں حکمت سے فلسفہ اور سائنس مُراد لیے جاتے ہیں (لین) -

راغب اصفہانیؒ کے نزدیک اَلْحِکْمَۃُ کے معنی علم وعقل کے ذریعے حق بات دریافت کر لینے کے ہیں ؛ لہٰذا حکمتِ الٰہی کا معنیٰ اشیاء کی معرفت اور ان کو احکام کی غرض وغایت کے ساتھ ایجاد یا تخلیق کرنا ہے - اور اِنسان کی حکمت موجودات کی معرفت اور حسنہ وخیر اور عدل واِحسان کے کام کرنا ہے - حکمتِ لقمانؑ کے یہی معنی ہیں (المفردات) -

پیغمبرِ اعظم وآخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے : اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً : بعض اشعار حکمت کے حامل ہوتے ہیں (المفردات) -

حدیث میں ہے کہ جنّت "مُحَکَّمِیْنَ" کے لیے ہے - اکثر ائمۂ لُغات کی رائے میں اس کے معنی ہیں : وہ لوگ جو حکمت کے ساتھ "متخصّص" ہیں ؛ میرے نزدیک جو اہلِ علم نظری - عملی حکمتِ بالغہ رکھتے ہیں (کلیدِ لُغاتِ قرآن) -

حَاکِمٌ (جمع حُکَّامٌ) : وہ جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے (موضوعِ مذکور) -

ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ حِکْمَۃٌ کو حکمت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جہالت ومُنکر سے روکتی یا بچاتی ہے (المُجْمَل) - حَکِیْمٌ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ہر چیز کو تسویہ وتعدیل کے ساتھ اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ، احسن واکمل بنائے یا معاملات کو اسی طرح سرانجام دے (محیط ، صحاح ، مُحکم ، تاج) -

اَلْحُکْمُ : کسی معاملے یا چیز سے متعلق فیصلہ کرنا ، خواہ وہ فیصلہ دوسرے کے لیے لازم کر دیا جائے یا لازم نہ کیا جائے - آنحضرتؐ نے فرمایا : اَلصَّمْتُ حُکْمٌ وَّقَلِیْلٌ فَاعِلُہٗ : خاموشی بھی حکمت ہے ، لیکن کم اسے اِختیار کرتے ہیں -

اَحْکَمَہٗ (مصدر اِحْکَامٌ) کے معنی ہیں اَتْقَنَہٗ ؛ یعنی اُس نے اُس چیز کو مضبوط ، اُستوار ، مُحکم ، مُستحکم بنا دیا یا اُسے نقص ، کمزوری ، کمی سے اپنی ہنرمندی سے منزّہ کر دیا (صحاح ، المُغرب ، قاموس ، مصباح) - انگریزی میں : He made it, or rendered it, (namely, a thing), firm, stable, strong, solid, compact, sound, or free from defect or imperfection, by the exercise of skill.

Marfat.com

نیز اُسے مضبوط، مُستحکم، پائیدار یا بےنقص یا اچھی حالت میں کر دیا یا اُستوار کر دیا؛ اور اُس نے اُسے جامع، واضح اور احسن طریقے سے معلوم کر لیا یا سیکھ لیا (موضوعِ مذکور)۔

چنانچہ یہی معنی ہیں اس آیۂ جمیلہ و فکر انگیز کے:

★ الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (ھُود ۱۱: ۱):

الٓرٰ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیات مُحکم و ناقابلِ شکست، پائیدار و جادید، بےنقص و درست، جامع و مانع اور احسن و اکمل بنائی گئی ہیں، پھر (ربّ) حکیم و خبیر کی طرف سے اس کی واضح تفسیر کر دی گئی ہے (تاج)، دلائل و براھین کے ذریعے (بیضاوی)، یا اوامر و نواہی اور حلال و حرام یا جائز و ناجائز کے بیان کے ذریعے (تاج)؛ احسن و اکمل اور جامع و مانع کلام، نیز ایجازِ بلاغت اور اعجازِ بیاں کے ذریعے (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

اِسی بناء پر حَكِيْم اس شخص کو کہتے ہیں: قَدْ اَحْكَمَتْهُ التَّجَارِبُ: تجربات نے جسے نقد و نظر اور قیاس و درایت (یا عقل و رائے) میں پُختہ کر دیا ہے (تاج)۔ اَحْكَمَ عَنْ كَذَا: وہ اس شے سے بچ گیا یا بچا لیا گیا۔

تَحَاكَمُوْا اِلَى الْحَاكِمِ: انھوں نے ایک دوسرے کو قاضی یا جج (Judge) کے پاس فیصلے کے لیے طلب کیا۔ اور اِحْتَكَمُوْا اِلَيْهِ: اور اِستغاثہ دائر کیا۔

حَكَمَةٌ: گھوڑے یا چوپائے کے دہانے کی زنجیر (Bridle - chain) یا ایک قسم کا آلہ جس کے ذریعے اُسے قابو میں رکھا جاتا ہے (مصباح) یا اُسے بے لگام دوڑنے سے روکا جاتا ہے (تاج)۔

بھیڑ یا بکری کی ٹھوڑی، اور آدمی کی زنخداں یا ذقن (قاموس، تاج)۔ قاموس (طبع کلکتہ) میں اس کے معنی دیے ہیں: آدمی کی پیشانی (= جبین)، یا اس کی حالت، حال، مقام، عہدہ، منصب (نیز تاج): محاورہ ہے: رَفَعَ اللّٰهُ حَكَمَتَهٗ: اللہ نے اُسے رفعت دی؛ یا اللہ اُس کے سر، مقام، حال، مرتبے یا عہدے کو بلند کرے۔ اس کی توجیہ اس طرح کی جاتی ہے کہ سر کو جُھکائے رکھنا سفلہ یا پست اِنسانوں اور حیوانوں (سافلین) کی خصلت ہے (تاج)۔

حَكِيْمٌ: صاحبِ حکمت، یا علم یا سائنس رکھنے والا، دانا و دانشمند (صحاح، تاج)۔

اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ: (دانشمند، فاضل (Wise; a sage)؛ جدید زبان میں فلسفی یا سائنسدان، نیز طبیب)، وہ شخص جو معاملات کو ذہانت و فطانت، عقلمندی و چابکدستی اور مضبوطی و درستگی سے، نیز احسن طریقے سے چلاتا یا سرانجام دیتا ہے (صحاح، صاحبِ نہایہ، ابن الاثیر)۔ جمع حُكَمَاءُ۔

Marfat.com

اَلْحَکِیْمُ (دانائے کُل = The All - Wise) کے معنی میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے (تاج)۔
حُکُوْمَۃٌ (جمع حُکُوْمَاتٌ) یہ مصدر ہے حَکَمَ کا : قانونی یا شرعی طور پر فیصلے کرنے کی مجاز حاکمیت (قاموس، تاج)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

حَکَمَ : فیصلہ کیا یا فیصلہ سُنا دیا ؛ یا حُکم کر دیا۔

★ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ۝ (المؤمن ۴۰ : ۴۸) : اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے یا اپنا فیصلہ یا حُکم سُنا چکا ہے : Allah has since judged between His servants.

★ وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ (المائدۃ ۵ : ۴۲) : اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو : If you judge, judge between them with equity.

★ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ۝ (النسآء ۴ : ۱۰۵) : (اے نبیؐ !) ہم نے آپ پر سچی اور سچ کی حامل کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ بنی نوعِ انسان کے درمیان اس طرح فیصلہ کریں جس طرح اللہ نے آپ کو سمجھا دیا ہے (اس کتاب کے ذریعے) ، اور خیانت کرنے والوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کیجئے گا۔

★ الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝ (ھود ۱۱ : ۱) :
الٓرٰ : یہ (قرآنِ حکیم) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو (لفظًا و معنًا ، ایجازِ بلاغت سے) انتہائی مربوط و منضبط ، مُحکم و پائیدار ، جاوید و لافانی اور ناقابلِ تغیّر و تحریف بنایا گیا ہے ، مزید یہ کہ صاحبِ حکمت اور حکیمانہ انداز میں اُمور کو سر انجام دینے والے ۔ علم و آگہی رکھنے والے (ربِّ رحمٰن) کی طرف سے (یعنی اس کے اعجازِ بیان سے) ان کی تصریح یا تفسیر کر دی گئی ہے۔
اس سے یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی طرح الصّمد ہے ؛ یعنی یہ سب کتابوں سے بے احتیاج و بے نیاز ہے ، لیکن سب بنی نوعِ انسان کو اس کی احتیاج ہے۔

★ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ؕ (النسآء ۴ : ۶۰) :
چاہتے ہیں کہ اپنے مُقدّمے کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت (معاشرتی سرطان یا فرعونِ وقت)

Marfat.com

کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حُکم دیا جا چکا ہے کہ وہ اُس (کی حاکمیت وحیثیت) کو ماننے سے انکار کر دیں۔

اہم نُکتہ : ہر فرعونِ وقت کی حاکمیت کو تسلیم نہ کرنا، اہلِ ایمان کا شِعار ہے؛ اور ان کو ماننا مُنافقوں کا شیوہ ہے۔

★ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران ۳: ۷۹): کسی بشر (Human being) کے بس میں نہیں کہ اللہ اُسے کتاب (Scripture)، اور حکمت (Intellectual – Practical Wisdom) اور نُبوّت (Prophethood or Prophetic Office) عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

★ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المائدۃ ۵: ۴۴): اور جو کوئی اللہ کی وحی وتنزیل کے مطابق فیصلہ نہیں دیتا یا فرمان جاری نہیں کرتا تو ایسے تمام لوگ کافر ہیں۔ اگلی آیت میں ہے کہ وہ ظالم ہیں (۵: ۴۵)۔ ظالم کے ایک معنی تو ناانصافی کرنے یا دوسروں کے حقوق غصب کرنے یا غصب کرانے کے ہیں؛ اور دوسرے معنی مُشرک کے ہیں (لُقمٰن ۳۱: ۱۳)۔

اَلْحُكْمُ : فرمانِ شاہی، حاکمیتِ اعلیٰ (Command, supreme authority)

★ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ (یُوسُف ۱۲: ۴۰): فرماں روائی یا حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ہرگز نہیں۔ اُسی نے حُکم دیا ہے کہ اس کے سوا ہرگز کسی اور کی طاعت و فرماں برداری نہ کرو۔

★ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ○ (الکھف ۱۸: ۲۶): اللہ کے سوا اُن کا کوئی حمایتی و دوست نہیں اور نہ وہ اپنی حاکمیتِ اعلیٰ و فرماں روائی میں کسی ایک کو بھی شریک کرتا ہے۔

حٰكِمِيْنَ : (حَاكِمٌ کی جمع)، مُنصِفین، (= Judges)

★ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ج وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ (یُونُس ۱۰: ۱۰۹): (اے نبی!) آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرتے رہیں اور صبر کرتے رہیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ مُنصفوں میں بہترین مُنصف ہے۔

★ اَلْحُكَّامِ (حاکم کی جمع): حاکم، مُنصف (البقرۃ ۲: ۱۸۸)۔

Marfat.com

حِكْمَةٍ: عقلی-عملی دانائی: یا احسن و اکمل حکمتِ عملی، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے متعلق ارشاد ہُوا:

★ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرۃ ۲: ۱۵۱): اور آپؐ تمہیں کتاب (قرآنِ عظیم) اور عقلی-عملی دانائی یا احسن و اکمل حکمتِ عملی کی تعلیم دیتے ہیں۔

اسی بناء پر فرمایا کہ

★ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل ۱۶: ۱۲۵): اپنے ربّ کے راستے (صراطِ مستقیم) کی طرف لوگوں کو احسن و اکمل حکمتِ عملی کے ساتھ بلاؤ۔

★ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ (البقرۃ ۲: ۲۶۹): اللہ جسے چاہتا ہے عقلی-عملی حکمت یا دانائی عطا کرتا ہے، اور جسے عقلی-عملی دانائی ملی اُسے بہت زیادہ حسنہ یا جمالیاتی ثروت ملی۔

★ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ (القمر ۵۴: ۵): اِنتہائی کامل و مؤثر عقلی-عملی دانائی (کی کتاب)۔

حَكِيْمٌ: اللہ کا نام جس کے معنی ہیں کامل حکمت رکھنے اور اُمور کو احسن و اکمل طور پر سرانجام دینے والا۔

★ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرۃ ۲: ۳۲ وبمواضعِ کثیرہ): یقیناً تُو ہی علمِ کُل رکھنے اور علم دینے والا-حکمتِ بالغہ رکھنے اور اُمور کو احسن و اکمل طور پر سرانجام دینے والا ہے۔

★ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ (یٰسٓ ۳۶: ۲): قسم ہے قرآن کی جو حکمتِ بالغہ رکھنے اور سکھانے والا ہے (وبمواضعِ کثیرہ)۔

★ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (ھود ۱۱: ۴۵): تُو سب منصفوں سے بہترین منصف ہے۔ (And you are the justest of judges.) نیز دیکھیے التین ۹۵: ۸۔

★ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آلِ عمران ۳: ۷):

وہ (العزیز الحکیم اللہ) ہے، جس نے آپ پر (اے نبیؐ!) یہ کتاب نازل کی ہے، جس میں بنیادی، مُحکم اور واضح معنی و مفہوم کی حامل آیات ہیں اور وہی اس کتاب کی اصل و اساس ہیں اور دوسری آیات تمثیلی (Allegorical) ہیں۔

کُتبِ سماوی کے مطالعہ بالحق سے اِس حقیقت سے آگہی ہوتی ہے کہ اُن میں دو قسم کی آیات یا کلمات پائے جاتے ہیں-ایک وہ کلمات جو اِنسان کی ہدایت اور مادّی و معنوی تدریجی ترقّی یا اِرتقاء کے لیے ناگزیر احکام و عقائد اور اُصول و تعلیمات پر مشتمل ہوتے ہیں، اس لیے وہ غیر مبہم و واضح اور بلیغ و مُحکم ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ مثلاً ایمان لاؤ اور صالح عمل کرو، سچ بولو، ہر کسی کے ساتھ عدل و احسان کرو، سچی گواہی دو، صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے قائم کرو، والدین کا ادب کرو اور ان کے ساتھ ہر حال میں حُسنِ سلوک کرو، خدمتِ خلق کرو، ہمسایوں کے حقوق کا احترام کرو، بُخل نہ کرو، زنا و فحاشی اور جُرم و گُناہ سے پرہیز و احتراز کرو وغیرھم۔ ایسی آیات کو مُحکم اور نصوص کہتے ہیں، اور یہ باتیں سب جانتے اور مانتے ہیں، اس لیے دلیل کے طور پر آیات پیش کرنا تحصیلِ حاصل کے مترادف ہوگا۔

دوسری قسم کی آیات تمثیلی ہیں۔ ان میں ایسے حقائق مُضمر ہوتے ہیں جن کا تدریجی اِکتشاف علم و حکمت کی تدریجی ترقی (اِرتقاء) پر مُنحصر ہوتا ہے۔ جہاں تک قرآنِ حکیم کا تعلق ہے وہ چونکہ ربِّ رحمٰن کا زندۂ جاوید حُسنِ کلامِ آخر ہے اور ہر زمان و مکان کے اِنسان کے رُشد و ہدایت اور مادّی و معنوی ترقی (= اِرتقاءِ مسلسل و مُدام) کے لیے ہے، اس لیے اس میں مُتشابہات یا تمثیلی آیات کا ہونا، حکمت و مشیّتِ الٰہی کا تقاضا تھا، اس لیے ناگزیر تھا تاکہ ذہنی۔ عملی شعور کے اِرتقاء اور علم و سائنس (= حکمت) کے تدریجی اِکتشافات کے ساتھ ساتھ اُن آیات کے حقائق و اِعجازات اور اسرار و رُموز مُنکشف ہوتے رہیں؛ نہ صرف اِس دُنیا بلکہ اس کے زوج دارالآخرت (= الحیوان) میں بھی۔ مثال کے طور پر چند ایک متشابہ الفاظ و آیات پیش کی جاتی ہیں :

جنّت : اس کے معنی ہیں : مَرغزار و اشجار وغیرہ سے معمور و مستور کُشادہ جگہ، جیسے باغ و راغ اور دشت و جنگل۔ اِس جنّت کا اِنسان کو علم و مشاہدہ ہے، جس میں وہ زرعی و معاشرتی زندگی بسر کرنے اور خلیفہ بننے سے پہلے جنگل کے قانون کے مطابق فتنہ و فساد کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اِس جنّتِ ارضی کے علاوہ اس کا زوج جنّتِ اُخروی ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

★ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ (السجدۃ ۳۲ : ۱۷) : کسی مُتنفِّس نے نہ تو دیکھا ہے اور نہ جانتا ہی ہے کہ اُن کے لیے کیسی (جنّتِ) قُرّۃُ العین مخفی رکھی ہوئی ہے۔ یہ اہلِ جنّت کے حُسنِ عمل کا صلہ ہے جو وہ (دُنیا میں) کیا کرتے تھے۔

حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے اس آیۂ تمثیلی سے متعلق فرمایا ہے کہ اِس جنّتِ قُرّۃُ العین کو نہ تو کسی مُتنفِّس مخلوق نے دیکھا ہے اور نہ کوئی قلب اس کا تصوّر ہی کرسکتا ہے کہ وہ کیسا اور کیسی ہے؟ (بخاری و مُسلم در المشکوٰۃ، ح ۵۳۷۰)۔

مُحوّلۂ بالا آیۂ جمیلہ بھی تمثیلی ہے اور قُرّۃُ اَعۡیُن یا جنّت کا لفظ بھی۔ اسی طرح درج ذیل آیۂ فکر انگیز بھی تمثیلی ہے :

Marfat.com

★ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرۃ ۲ : ۳۵) : اور ہم نے کہا : اے آدم! تُو اور تیری زوجہ (دُنیا کے) جنّت یا پھلوں اور پانی سے معمور دشتی باغ میں سکونت اِختیار کرو!

زیرِ نظر آیات اور ان میں نفس، جنّت و قُرّۃُ اَعْیُنٍ اور آدم و زَوْجُكَ کے الفاظ تمثیلی ہیں، اس لیے کہ معنویّت و واقعیت کی بناء پر ان سے خُوبتر و موزوں تر آیات و الفاظ اور ہو ہی نہیں سکتے۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفس کا لفظ نہ صرف بشر، اِنسان، آدم، ملائکہ، جن (ابلیس، شیطان)، بلکہ کُل زندہ مخلوقات پر دلالت کرتا ہے؛ اور اِس حقیقت پر بُرہانِ قاطع ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا جنّت کو کسی نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے اور کیسی ہے؛ دوسرے "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ" کا جُملہ جنّت کی اِنتہائی بلیغ و موزوں اور جامع و مانع تشریح یا تفسیر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ "جنّت" کے لفظ میں پوشیدگی و نہانی، اشجار و اثمار، سبزہ و گُل، طیور و آبِ رواں اور ان کے مناظر، نظاروں اور نعمتوں کے معانی پائے جاتے ہیں۔

آدم کا لفظ بھی تمثیلی اور معنوی اعتبار سے موزوں ترین ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس لفظ میں مجالست و معاشرت کے داعیہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہاں اس کے بجائے بشر یا اِنسان کا لفظ اِشتباہ پیدا کر سکتا تھا۔ قرنہا قرن کے تجربے نے اِنسان میں معاشرتی زندگی کرنے کا داعیہ پیدا کر دیا تھا، اِس بناء پر قُرآنِ مجید نے اس کے لیے معاشرتی اِنسان "یا آدم" کی تعبیر یا تمثیل اختیار کی جو آدم کی معنویت پر دلالت کرتی ہے۔

زَوْجُكَ کا لفظ اِس واقعیت پر دلالت کرتا ہے کہ ربِّ کریم کی تخلیقی فعلیت جالیاتی۔ تزویجی ہے، اور دوسرے اِنسان اِزدواجی زندگی بسر کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جنّت کا لفظ تمثیلی ہے، جسے قُرآنِ مجید نے ارضی باغ و جنگل اور الحیوانی بہشت دونوں کے لیے اِستعمال کیا ہے، مثلاً البقرۃ کی مُحولۂ بالا آیت میں جنّت سے مُراد جنّتِ ارضی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ بہشت (یا جنّتِ اَلْحَيَوَانِ) تو کسی جاندار ہستی نے دیکھا تک نہیں، لیکن اِس حقیقتِ نفس الامری کے باوجود اکثر مترجمین اور مفسّرین کو اِسرائیلیات سے اِلتباسِ ذہنی ہوا اور انھوں نے اسے بہشتِ اُخروی یا الحیوانی مان لیا۔ ایسی ہی تمثیلی غلطی نصاریٰ کو ہوئی تھی اور انھوں نے عقیدۂ تثلیث اِیجاد کیا اور باپ سے حقیقی باپ اور بیٹے سے صُلبی یا تولیدی بیٹا سمجھ لیا اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو "اِبنُ اللہ" تسلیم بالیقین کر لیا، اور اِسے "اِیمان" کا درجہ دے دیا، اس طرح مُشرک و گمراہ ہو گئے۔

اب چند ایک تمثیلی آیات اور الفاظ نقل کیے جاتے ہیں :

★ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا

Marfat.com

(الاسراء ۱۷ : ۱۳) : اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کی بصری وسمعی متحرک فلم یا وڈیو اس کے گلے یا گردن میں نصب کر دی ہے، اور قیامت کے روز ہم اس وڈیو یا فلم کو اس کے سمعی۔بصری مشاہدے کے لیے غیب سے باہر لے آئیں گے اور وہ شخص اُسے (یعنی اپنی زندگی کی وڈیو) متحرک دیکھے گا۔

اِس تمثیلی آیہ کے معنی علم کے جدید انکشافات سے اپنی نمود دکھانے لگے ہیں اور علم وحکمت کی ترقی کے ساتھ واضح طور پر مُنکشف ہوتے رہیں گے۔

★ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ؕ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيلِ ○ (المائدۃ ۵ : ۶۰) :

(اے پیغمبرؐ! آپ ان لوگوں سے) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں ان لوگوں کے بارے میں خبر دوں جن کا ٹھکانا اور جزا اللہ کے نزدیک ان (فاسق لوگوں) سے بھی زیادہ بھیانک اور المناک ہے، جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا اور اُن پر قہر نازل کیا اور اُن میں سے لوگوں کو (خصلت وسرشت میں) بندر اور سُؤر کی طرح کر دیا اور وہ معبودانِ باطلہ (یا معاشرتی سرطانوں) کی پرستش اور طاعت وبندگی کرنے لگے۔ایسے ہی لوگوں کے (احوال وظروف قبیح وغم انگیز ہیں) اور وہ صراطِ مُستقیم یا حسین وفطری راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور نکل چکے ہیں۔

اِس آیۂ تنذیری میں قِرَدَةَ اور خَنَازِیر اور الطَّاغُوت اور شَرٌّ مَّكَانًا تمثیلی الفاظ ہیں جن کی معنویت علمِ (نفس) سے مُنکشف ہوتی جا رہی ہے۔

علاوہ بریں، تمثیلی قبیل کے متعدد الفاظ اور آیات ہیں۔مثلاً درجِ ذیل الفاظ اور ان کی حامل آیات ...
رُوح، نفس، قلب، ساعة، قَارِعَة، قیامت، برزخ، حُسْنُ الْمَآب، شَرُّ مَآب، وحی، تنزیل، عرش، دُخان، سمآء، امانت، قُربِ الٰہی وغیرہ وغیرہ۔

ب د و (بدو)

بَدَا (مضارع يَبْدُو اور مصدر بُدُوٌّ اور بَدْوٌ اور بَدَآءٌ اور بَدَآءَةٌ اور بَدًا) : وہ چیز یا بات ظاہر وباہر، نمایاں، آشکارا، مُنکشف، صاف یا واضح ہو گئی (تہذیبِ ازہری، صحاح، مصباح، قاموس، مُحکم) It appeared; it became apparent, open, manifest, plain, or evident۔ اَبْدَيْتُهٗ : میں نے اُسے ظاہر کر دیا (مذکورہ ماخذ)۔

Marfat.com

بَدَا لَهُ فِي الْاَمْرِ (تہذیب ازہری، مصباح، قاموس، مقاماتِ حریری، ص ۶۶۵)، یا بَدَا لَهُ فِي الْاَمْرِ بَدَآءٌ (صحاح، ابن بری) : ایک تجویز اس پر آشکارا ہُوئی، یا اُس کے جی میں آئی، یا اس کے قلب پر مُنکشف ہوئی۔ مترادف نَشَأَ (وہی ماخذ)۔ الفرّا کے مطابق بَدَا لِي بَدَآءٌ کے معنی ہیں : ایک اور تجویز میرے ذہن میں آئی۔ الازہری کے مطابق بَدَا لِي بَدَا کے معنی ہیں : میری رائے جو پہلے تھی، بدل گئی ہے (تاج)۔ ایک روایت میں ہے : بَدَا اللهِ اَنْ يَّقْتُلَهُمْ (سیبویہ در تاج) کے معنی ہیں : اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہُوئی کہ وہ ان کو قتل کر دے۔

بَدْوٌ بَادِيَةٌ : ہر وہ جگہ یا مقام جہاں کوئی عمارت وغیرہ نہ ہو اور تمام چیزیں صاف طور پر دکھائی دیتی ہوں (صحرا)۔ اور اَلْبَادِي کے معنی ہیں صحرانشین (المفردات)۔ بَدَا اِلَى الْبَادِيَةِ (مصدر بَدَاوَةٌ اور بِدَاوَةٌ، مصباح) : لوگ یا انسانوں کا گروہ صحرا کی طرف گیا۔ مُحکم کے مؤلف ابن سیدہ کا قول ہے کہ بَدْوٌ کو بِدَاوَةٌ کے معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے جو ضد ہے حِضَارَةٌ کی (مُحکم)۔ ایک روایت میں ہے : مَنْ بَدَا جَفَا (صحاح) : جو کوئی صحرا میں رہتا ہے، وہ عرب کے صحرانشینوں کی طرح گستاخ، مُنہ زور، بدخُلق بن جاتا ہے۔

بَدِيَتِ الْاَرْضُ : اراضی جو کھُمبیوں (بَدَاة یا Truffles) سے معمور ہو (قاموس، تاج)۔ اور اراضی جس میں بَدَاة، یعنی مٹی ہو (قاموس)۔

مُبَادَاةٌ : لڑائی یا جنگ کے دوران باہم قتال یا مقابلے کے لیے میدانِ کارزار میں سے باہر یا اندر آنا جانا (تاج)۔ اور (زیادہ معروف معنی یہ ہیں) ایک دوسرے کے ساتھ دُشمنی یا مخاصمت (Hostility) کا کھُلم کھُلا اظہار یا مظاہرہ کرنا (الکنز اللغۃ، تاج)۔ اس معنی کی صراحت اس جُملے سے ہو جاتی ہے : مُبَادَاةٌ بِالْعَدَاوَةِ : کیونکہ محاورہ ہے : بَادَى بِالْعَدَاوَةِ : اُس نے (ایک دوسرے سے) کھُلم کھُلا دُشمنی (Enmity) یا مخاصمت کا مظاہرہ کیا : مترادف جَاهَرَ بِهَا (صحاح، قاموس)۔ عربوں کی بول چال میں ہے : بَادَى النَّاسَ بِاَمْرِهِ : اُس نے لوگوں پر اپنا معاملہ یا مُقدمہ ظاہر کر دیا (تاج)۔ ایک روایت میں ہے : مَنْ يُبْدِلَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللهِ (الفاسی، تاج) : جو شخص اپنے فعل (یا جُرم) کو ہم پر ظاہر کرتا یا ہمیں بتاتا ہے، جسے وہ پہلے چُھپاتا تھا، اللہ کی کتاب اس سے انتقام لے گی؛ یعنی ہم اُسے کتاب اللہ (قرآنِ حکیم) کے احکام کے مطابق سزا دیں گے ـــ اَبْدَيْتَ فِي مَنْطِقِكَ : تُم اپنی تقریر میں سیدھے طریقے سے انحراف کرتے ہو یا تُم نے انحراف کیا ہے (صحاح)۔

بَدًا : آدمی کی مقعد سے نکلا ہُوا فضلہ یا براز (مُحکم) The excrement from the anus of a man

Marfat.com

(قاموس) — آدمی کا جوڑ (مَفْصِل : A joint) دیکھیے ابو عمرو، مُحکم، قاموس، نیز بَدْءٌ : جمع اَبْدَاءٌ (وہی مآخذ) = بَدَا بجائے بَدَأ - اہلِ عرب کا محاورہ ہے : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بَدِیًّا اوّل اللہ کی حمد ہے (تاج) -

بَدَاۃٌ : مترادف کَمْاَۃٌ : کھمبیاں (Truffles) — اور خاک یا مٹّی (قاموس) -

بَدْوَۃٌ : وادی کی ہر دو جانب : Either side of a valley (ابوحنیفہ الدِّینَوری، مُحکم، قاموس) -

بَدَوِیٌّ : صحرانشین یا صحرائی، بَدْو یا صحرا سے تعلق رکھنے والا آدمی، خاص کر عرب - اس کی جمع ہے بَدَاوِی، شُذوذانہ بِدْوَانٌ (تاج) -

بِدَآءٌ : اہلِ یمن کی بولی میں ناشتے کو کہتے ہیں : مترادف غَدَآءٌ (تاج) -

بَادٍ : دکھائی دینا، یا ظاہر، یا ظہور پذیر، مُنکشف، آشکارا، عیاں، واضح یا نُمایاں ہونا (مصباح) -

بَادِیَ الرَّأْیِ : رائے کی نمودِ اوّل یا رائے کی نمود کے مطابق (الفرّاء، اللِّحیانی، مُحکم، الزّجاج) - اُردو میں بادیُ النظر اِنہی معانی میں استعمال ہوتا ہے (مؤلّف) - بَادٍ کے معنی یہ بھی ہیں : بَادِیَۃ یا صحرا کی طرف جانے والا آدمی (مُحکم، مصباح، قاموس، تاج) یا جو صحرا میں خیموں میں رہتا ہو، مگر صحرا نورد ہو (تاج) ؛ جمع بَادُوْنَ اور بُدًّا (تاج العروس میں غلطی سے بُدًّا لکھا گیا ہے) -

بَادِیَۃٌ : صحرا، وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ وہ صاف، نُمایاں ہوتا ہے، چُھپا ہوا نہیں ہوتا (تاج) - اس کی ضد حَضَرٌ ہے، اور جمع بَوَادٍ ہے (مصباح، تاج) -

رَکِیٌّ مُبْدٍ : کنویں جن کا پانی دکھائی دیتا ہو اور وہ گرد و غبار یا مٹّی سے ڈھکے ہوئے نہ ہوں، ان کی ضد رَکِیٌّ نَمَامِدُ ہے، یعنی ڈھکے ہوئے کنویں (موضوعِ مذکور) -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

بَدَا کا نقیض (Contrary) یُخْفُوْنَ :

★ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط (الانعام ۶ : ۲۸) : بات یہ ہے کہ یہ (اہلِ نار) پہلے جو کچھ چھپایا کرتے تھے (آج) اُن پر ظاہر ہو گیا ہے -

بَدَا لَهُمْ : اُن کی رائے بدل کر کچھ اور ہو گئی -

★ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (یُوسف ۱۲ : ۳۵) :

Marfat.com

اس کے بعد بھی کہ وہ حقیقتِ حال کے دلائل ملاحظہ کر چکے تھے ان کی رائے بدل کر یہ ہوگئی کہ کچھ عرصے کے لیے اُسے قید کر دیا جائے۔

★ بَدَتِ (ظاہر ہوگیا) کا نقیض تُخْفِیْ آیا ہے (آلِ عمران ۳ : ۱۱۸)۔
★ تُبْدُوْنَ (تم ظاہر کرتے ہو) کا نقیض تَکْتُمُوْنَ آیا ہے (البقرۃ ۲ : ۳۳؛ المائدۃ ۵ : ۹۹؛ النور ۲۴ : ۲۹)۔
★ یُبْدِھَا کا نقیض فَاَسَرَّھَا (یُوسف ۱۲ : ۷۷)۔
★ لِیُبْدِیَ لَھُمَا (ان پر کھول دے یا ظاہر کر دے) کا نقیض مَاوٗرِیَ عَنْھُمَا (جو اُن سے چُھپے تھے)، دیکھیے الاعراف ۷ : ۲۰۔
★ بَدْوِ : صحرا (یُوسُف ۱۲ : ۱۰۰)۔
★ بَادِ کا نقیض عَاکِفُ (الحج ۲۲ : ۲۵) : عَاکِف (مقامی باشندوں کے مقابلے میں) بَاد (یعنی باہر سے آنے والے، صحرا نورد، زائرین یا صحرا نشین) آیا ہے۔
★ بَادِیَ الرَّاْیِ : بادیُ النظر میں، بلا تأمّل : Without reflection (ھود ۱۱ : ۲۷)۔
★ بَادُوْنَ : صحرا میں رہنا (الاحزاب ۳۳ : ۲۰)۔
★ مُبْدِیْهِ کا نقیض تُخْفِیْ آیا ہے (الاحزاب ۳۳ : ۳۷)۔

ک ت م (کتم)

کَتَمَ (مضارع، اس کا مصدر ہے کَتْمٌ اور کِتْمَانٌ) : اُس نے کسی راز کو چھپالیا یا دل میں دبالیا : He concealed, or suppressed, a secret (المغرب، المفردات)۔

تَکَتَّمَ (قاموس، مادہ د ل س) : اُس آدمی نے اپنے کو چُھپالیا (تاج، قاموس، مذکورہ مادہ)۔

کَتُوْمٌ : اسرار یا رازوں کو سختی سے مخفی رکھنے والا : A strict concealer of secrets

کَتْمٌ کے معانی ہیں کسی راز، بات وغیرہ کو پوشیدہ رکھنا؛ اور سَتْرٌ کے معنی ہیں محسوس چیزوں کو چُھپانا یا پوشیدہ رکھنا (لطائفُ اللُّغۃ)؛ لیکن قرآنِ مجید نے محسوس چیزوں، مثلاً مال و دولت کو چھپانے کے لیے بھی کَتْمٌ استعمال کیا ہے (النّسآء ۴ : ۳۷)۔

کَتَمَ (ن) کَتْمًا وَ کِتْمَانًا وَ کَتَّمَ وَ اِکْتَتَمَ۔ الشَّیْءَ : کسی چیز کو چُھپانا یا

Marfat.com

مخفی رکھنا۔ بعض اوقات کَتَمَ دو مفعولوں کے ساتھ مُتعدّی ہوتا ہے۔ جیسے کَتَمْتُ زَیْدًا الْحَدِیْثَ: میں نے زید سے بات مخفی رکھی یا چھپائی۔ مفعولِ اوّل میں مِنْ کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے، جیسے کَتَمْتُ مِنْ زَیْدِ الْحَدِیْثَ (مُحکم، تاج، المُنجد)۔

کَتَّمَ۔ الشَّیْءَ (مبالغہ): کسی شے کو بہت زیادہ مخفی رکھنا یا چھپانا۔

تَکَاتَمَ۔ الرَّجُلَانِ الْحَدِیْثَ: ایک دوسرے سے بات کو مخفی یا چھپائے رکھنا۔

اِنْکَتَمَ: چھپنا۔ اِسْتَکْتَمَ۔ السِّرَّ فُلَانًا: کسی کو بھید یا راز کو مخفی رکھنے کے لیے کہنا۔

اَلْکِتْمَۃُ: پوشیدگی (Concealment)

اِکْتَتَمَ۔ الشَّیْءُ: زرد ہونا۔

کَتَمَ (ن) کُتُوْمًا وَکِتَامًا۔ الْاِنَاءَ: برتن کے دودھ یا مشروب (پینے کی چیز) کو بہنے سے روکے رکھنا۔ کَاتَمَۃُ الْعَدَاوَۃَ: دُشمنی کو چھپانا۔

الْکَاتِمُ (فا): محاورہ ہے سِرٌّ کَاتِمٌ: اس کا معنیٰ ہے مَکْتُوْمٌ: یعنی سِر مخفی یا چھپا ہوا بھید (المُنجد، لِسان، صِحاح)۔ اعراب کا محاورہ ہے: سَحَابٌ مُکْتَتِمٌ: بادل جس میں گھن گرج نہ ہو (وہی مآخذ)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

کَتَمَ: اُس نے "جانتے بُوجھتے" چُھپایا : He concealed knowingly and purposely

★ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَهَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ (البقرۃ۲ : ۱۴۰؛ نیز ۲۸۳):

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظلم کرنے والا اور کون ہے جو اُس شہادت (Testimony) کو جان بُوجھ کر چُھپاتا ہے یا ظاہر نہیں کرتا جو اللہ کی طرف سے (یعنی اس کے کلام یا کتاب کے ذریعے) اُس کے پاس ہے۔

اس لفظ کی تفسیر یا صراحت قرآن مجید نے اپنی سُنّت کے مطابق خود ہی کر دی ہے:

★ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ۲ : ۴۲ و بمواضعِ کثیرۃ)۔

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے مُشتبہ نہ کرو اور نہ حق کو جانتے بُوجھتے چُھپاؤ۔ Confound not truth or reality with falsehood, nor conceal the truth or reality knowingly.

Marfat.com

كَتَمُ کا نقیض خَرَجَ بھی آتا ہے، یعنی کسی واقعہ کو جان بُوجھ کر دبا دینے یا ظاہر نہ کرنے کی کوشش کرنا۔

★ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۷۲) : اور اللہ اُسے پردۂ خفا سے باہر نکالنے والا تھا جسے تُم دبانے یا ظاہر نہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جَهۡرَ کی ضد کے طور پر

★ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ۝ (الانبیآء ۲۱ : ۱۱۰) :
اللہ تعالیٰ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو باآوازِ بُلند ہوتی ہیں اور وہ بھی جو تُم مخفی یا خُفیہ طور پر کرتے ہو یا دِل میں چُھپانے کی کوشش کرتے ہو۔

★ تَكۡتُمُوۡنَهٗ کا نقیض تُبَيِّنُنَّهٗ آیا ہے، یعنی کسی بات کو دیدہ و دانستہ چُھپا لینا اور ظاہر نہ کرنا، یا اس کا اِظہار نہ کرنا یا اُسے بیان نہ کرنا (آلِ عمران ۳ : ۱۸۷)۔

★ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا ۝ (النِّسآء ۴ : ۴۲) : اور وہ اللہ سے کوئی بات چُھپا نہیں سکیں گے۔

Marfat.com

۳۴- وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٘ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴

۳۵- وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵

۳۴ — ترجمہ

اور (غور سے سُنو!) جب ہم نے ملائکہ یا فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (کے علم کی قوت وعظمت) کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو تو اِبلیس کے سوا سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اُس نے (اللہ کا حکم ماننے اور سرِ تسلیم خم کرنے سے) انکار کر دیا اور تکبّر کیا اور اللہ کی حکم عدولی کرنے والوں میں سے ہوگیا۔

تفسیری ترجمہ

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اِنسان میں علم کی جو حیرت انگیز جوہری و نُورانی، اِکتشافی وتسخیری اور اِیجادی واختراعی، نیز تسمیہ کی قوّتیں بالقوّۃ ودیعت کی تھیں، اُن کا اُس نے مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ زمین میں خلیفہ یا بااختیار راعی ،منتظم، امیر یا حکمران بننے کا سزاوار ہے تو ربِّ علیم وحکیم نے فرشتوں کو، جنھوں نے آدم (یا بنی نوعِ اِنسان) کے خلیفہ بنائے جانے پر اعتراض کیا تھا، حکم دیا کہ اس کی علمی قوّت وجلالت اور عظمت و فضیلت کی بناء پر اُس کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ۔ فرشتے اِمتثالِ امر میں سرنگوں ہو گئے، بجز اِبلیس کے، اُس نے (اپنی آزادیٔ عمل کا غلط اِستعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے) اِنکار کر دیا اور غرور میں آ کر اپنے آپ کو بڑا اور آدم کو چھوٹا یا حقیر سمجھا۔ (اِس نافرمانی اور تکبّر کی پاداش میں) وہ سرکشی ونافرمانی کرنے والوں میں شامل ہوگیا۔

۳۵ — ترجمہ

اور پھر ہم نے حکم دیا: اے آدم! تُو اور تیری زوجہ اِس ثمر وَر باغ (دُنیا) میں سکونت اختیار کرو اور اس میں سے جہاں چاہو شوق سے کھاؤ پیو، لیکن اِس مزرعِ نسل (الشَّجَرَۃَ) یا شجرۂ نسب سے مقاربت نہ کرنا کہ کہیں ظُلم کرنے والے بن جاؤ۔

Marfat.com

تفسیری ترجمہ

(اِنسان کی علمی قُوّت وفضیلت کو فرشتوں نے تسلیم کرلیا اور ربُّ العٰلمین نے اُسے دُنیا میں خلیفہ یا حُکمران بنا دیا تو) اِرشاد فرمایا : اے آدم ! تُم اور تمھاری زوجہ دونوں (فُلاں) پھلوں کے باغ میں سکونت اِختیار کرلو، اور تمھیں اِختیار ہے کہ جہاں سے جو پھل وغیرہ چاہو کھاؤ پیو، لیکن دیکھو ! جہاں تک اِس شجرۂ نسب (Origin of progeny) کا تعلق ہے، اس کی مقاربت کی لذّت سے آشنا ہونے سے اِجتناب کرنا، اور یاد رکھو ! اگر تُم نے ایسا نہ کیا تو میری نافرمانی اور اپنی جان پرظُلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

تفسیر

۳۴- یہ فکر انگیز و بصیرت افروز آیات تمثیلی انداز کی ہیں، لِہٰذا ان کے فہم و اِدراک کے لیے اِخلاص فی الدّین اور علمِ راسخ کا ہونا، ناگزیر ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اکثر قدیم مُفسّرین نے بنی اِسرائیل کی مُحرّف سماوی کتاب تورات اور ان کی موضوع روایات کی کتاب تالمود میں جس طرح آدم و اِبلیس کا قصہ افسانوی انداز میں بیان کیا گیا ہے، اُسے اِلہامی سمجھ کر تحقیق و تفتیش کرنے اور الفُرقان پر جانچنے کے بغیر بیان کر دیا۔ ان کی علمی شُہرت کی بناء پر اُسے قبولِ عام و خاص کی سند حاصل ہوگئی ؛ نتیجتاً، متأخرین نے بھی کورانہ تقلید کرتے ہوئے اس اِنتہائی حکمت آموز قصّے کو اساطیری افسانہ بنا دیا، جو زبان زدِ خلائق ہوگیا۔ لیکن قُرآنِ حکیم کی صداقت کا تقاضا ہے کہ اکابر و سادات پرستوں کی مخالفت کی پروا کیے بغیر اِس اِسرائیلی من گھڑت افسانے کو مسترد کر دیا جائے، اور اس کی جگہ قُرآنِ حکیم کے اس از بس اہم حکمت آموز قِصّے کو اس کے صحیح تناظر میں کامل سچّائی کے ساتھ بیان کیا جائے۔

اِس تمثیلی۔حقیقی قِصّے کو قُرآنِ حکیم اور حدیثِ طیّبہ کے مطابق سمجھنے کے لیے اِس حقیقتِ نفس الامری کو (جسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے) تسلیم بالیقین کرنا اور پیشِ نظر رکھنا ناگزیر ہے کہ اُخروی یا سماوی جنّتِ قُرّۃُ العین کو کسی مُتنفّس نے دیکھا تک نہیں (القرآن) اور نہ کسی بشر کی آنکھ نے اُسے دیکھا ہے نہ کسی کان نے اس کی ماہیت و حقیقت کا بیان ہی سُنا ہے اور نہ کسی قلب میں اس کا خیال ہی آیا ہے (الحدیث)۔ قارئین کرام کی دلجمعی اور محقّقین کی سہولت کے لیے متعلقہ آیۂ جمیلہ اور حدیثِ طیّبہ مُکرّر نقل کی جاتی ہیں :

★ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السّجدۃ ۳۲ : ۱۷) : کوئی مُتنفّس نہیں جانتا

Marfat.com

(اس لیے کہ اس نے دیکھا ہی نہیں کہ) اُن کے لیے کون سی شئے قُرَّۃُ العین (جنّتِ سماوی) ان کے لیے پردۂ اِخفاء میں رکھی گئی ہے۔

"مُتنفّس" کا لفظ اس جگہ اعجازِ قرآن پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ اِنس و جان، ملائکہ اور ہر زندہ مخلوق پر حاوی ہے۔ قُرَّۃُ اَعیُن کی اِصطلاحِ قرآنی جنّت کی حقیقی و اساسی صفت پر دلالت کرتی ہے جو اس کی جُملہ صفاتِ حسنہ کی قائم مقام ہے؛ اور اعجازِ قرآن کی مظہر ہے۔ اس آیۂ جمیلہ و تبشیری کی تفسیر مَہبطِ قرآن حضرت مُحمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے احسن و اکمل انداز میں کی ہے جو قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہے :

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَ اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ؛ بحوالہ المشکوٰۃ، باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَ اَهْلِهَا، ح ۵۳۷۰) :

حضرت ابوھُریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیز (یعنی جنّتِ قُرَّۃُ العین) تیار کی ہے، جس کو کسی آنکھ نے (آج تک) نہیں دیکھا، اور نہ کسی کان نے اس کی ماہیت سے متعلق سُنا ہی ہے اور نہ کسی کے قلب میں اس کا خیال ہی آیا ہے (کہ وہ کیا ہے اور تصدیق کے لیے) یہ آیت پڑھو (جو اُوپر درج ہے اور جس کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے)۔

جب یہ حقیقت قُرآن و حدیث سے ثابت ہوگئی کہ جنّتِ اُخروی یا سماوی کسی مُتنفّس (بشر، اِبلیس، فرشتے یا کسی اور جاندار مخلوق) نے دیکھی نہیں اور نہ اس کا علم ہی رکھتا ہے تو پھر یہ تسلیم کر کے آگے بڑھنا ہوگا؛ نیز اس واقعیت کو مدِّنظر رکھنا ہوگا کہ آدم و اِبلیس کا واقعہ دُنیا میں ہوا ہے اور جنّت کو قرآنِ حکیم نے اس کے حقیقی معنی باغِ دُنیا میں اِستعمال کیا ہے؛ جس طرح اُس نے دوسرے مقامات پر بھی کیا ہے (دیکھیے الاسراء ۱۷ : ۹۱؛ الکھف ۱۸ : ۳۲ - ۳۵؛ الفُرقان ۲۵ : ۸ وبمواضع دیگرہ)۔

ان آیات میں اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے جن ازبس اہم حقائق کی نشاندہی کی ہے، اُن میں سے چند ایک یہ ہیں :

اوّل : ربِّ رحمٰن نے اِنسان میں علم کو بالقُوّۃ ودیعت کیا ہے؛ اور علم ہی کے ذریعے وہ کائنات کی اشیاء یا موجودات کو جانتا، پہچانتا، ان کے خواص و اوصاف کو دریافت کرتا، ان کو موسوم کرتا، ان کو مُسخّر کرتا، ان سے اِستفادہ کرتا اور لذّت و حظ اُٹھاتا ہے۔

دوم : علم ہی کے سبب اِنسان اشرف المخلوقات ہے؛ اس کی فضیلت کی وجہ بھی علم ہی ہے۔

Marfat.com

سوم : علم ملا تو اُسے خلافتِ ارضی ملی اور مسجودِ ملائکہ و جنّات بنا۔ معلوم ہوا کہ خلافت کو علم مستلزم ہے، لہٰذا وہ شخص خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہے جس کی ذات علم میں دوسروں کی بہ نسبت بڑی ہوگی۔

چہارم : علم اصلاً نُور و صداقت اور رُشد و ہدایت ہے، اور اس کے ذریعے ہی اِنسان مادّی و معنوی ترقی اور اپنی ذات کی تکمیل کر سکتا ہے۔

پنجم : قلب اپنے نُور کے ذریعے اس کی تولید، نشوونما اور تکمیل کرتا رہتا ہے۔ اس نُورِ قلب کے لیے اِس تلمیذ القرآن نے جمالیاتی شعور کی تعبیر اختیار کی ہے، جس کا اِرتقاء عبارت ہے تقرّب اِلی اللہ اور ترفیعِ درجات سے۔

ششم : تاریخی عمل شاہد ہے کہ جن اقوام نے باری باری اقوامِ عالم کی قیادت کی ہے، علم میں ترقی کرنے کی بدولت ہی کی ہے۔ سائنسی ٹیکنالوجی کی ترقی علم کی ترقی کی ہی مرہونِ منّت ہے۔

ہفتم : علم سچائی ہے، اس لیے سچائی کو پہچان سکتا اور پہچانتا ہے۔ وہ چونکہ روشنی ہے، اس لیے روشنی کو دیکھ سکتا اور دیکھتا ہے، جیسے آنکھ روشن ہو تو وہ سورج کی روشنی دیکھ سکتی اور دیکھتی ہے۔ بخلاف اس کے، جس آنکھ میں روشنی نہیں ہوتی وہ بینائی سے محروم ہوتی ہے، اس لیے نُور و رنگ کو دیکھ نہیں سکتی۔ اِسی طرح قلب میں نُور ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی فطری و حسین راہِ راست (یا صِراطِ مُستقیم) دیکھ کر پہچان سکتا ہے اور اگر قلب میں نُور نہ ہو تو وہ اندھا، حُسن کور و نُور کور ہوتا ہے۔ ایسا قلب قیامت کے روز بھی بے نُور یا اندھا ہوگا اور اپنے اِلٰہِ جمیل و ربِّ عاشق کا حُسن دیکھ سکے گا نہ اس کی جنّتِ قُرّۃُ العین کو، اور نہ اس کے راستے کو، نتیجۃً جہنّم میں گرنا اس کا مقدر بن جائے گا۔

ہشتم : ہمیں علم حاصل کرنے اور اس کی اور اہلِ علم کی قدر و منزلت کرنے کو اپنا شِعار بنا لینا چاہیے۔ اس سے اِس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں مُعلّمِ اعظم و بےمثال اور رحمۃٌ لِّلعٰلمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں تاکید فرمائی ہے کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ (امام غزالیؒ : اِحیاء العلوم) : جھولے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرتے رہو۔ یہ بھی آپؐ کے اِرشادات ہیں : علم کا حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے (ابن ماجہ : مُقدّمہ، ص ۱۷)۔ علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے تمھیں چین (یعنی دُور دراز ملک میں سخت ترین مسافت طے کرنے کے بعد بھی) جانا پڑے۔

نہم : فرشتوں اور اِبلیس کی طرح کسی بشر کو زیب نہیں دیتا کہ وہ علم کے بغیر ربِّ علیم و حکیم کے کسی فیصلے، حُکم یا بات (= آیت) میں مِین میکھ نکالے؛ اس کے نظری و عملی پہلو پر اعتراض کرے، اُسے چیلنج کرے یا اس کا کوئی متبادل پیش کرے، کیونکہ ایسا کرنا کُفر و ظُلم ہے اور اُسے اِبلیس کی طرح ملعون و مغضوب

Marfat.com

اور گمراہ و اہلِ نار بنا دیتا ہے۔

دہم : یہ تکبُّر ہے جس کے باعث بندہ اپنے ربُّ العزّت کے کسی حُکم سے سرتابی اور سرکشی کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ذلیل و خوار اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

یازدہم : شیطان اپنے تکبُّر کے سبب اِنسان کا کُھلا دُشمن ہے اور اُسے اپنی طرح اللہ تعالیٰ کا نافرمان بنا کر راندۂ درگاہ اور اہلِ نار بنانے کی جُستجو میں رہتا ہے۔

دوازدہم : اِنسان (مرد و زن) کے لیے جنسی معروض (Object of sex) میں ناقابلِ مُقاومت (Irresistible) کشش و جاذبیت پائی جاتی ہے۔ لیکن اِنسان کو یہ بات یاد رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حُکمِ مناکحت کے بغیر اس کی لذّت سے آشنا ہونا ظُلم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس غیر مُنصفانہ فعل کے نتائج و عواقب ظالموں کے علاوہ نسلِ اِنسانی کے حق میں بھی قبیح و مُضر نکلتے ہیں۔ اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں شیطان نے آدم اور اس کی زوجہ کو اِس شجرِ ممنوعہ کی لذّت سے آشنا کرنے کے لیے اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے وہ کام لیا جو وہ لے سکتا تھا، اور آخر کار اپنی چالبازی میں کامیاب ہو گیا۔

ان آیاتِ فکر انگیز و بصیرت افروز میں اِس حقیقتِ نفس الامری کی طرف بلیغ و بصیرت افروز اِشارہ کیا گیا ہے کہ علم میں موجودات کو مُسخر کر کے ان سے اِستفادہ کرنے اور جمالیاتی لذّت و سرُور حاصل کرنے کی قُوّت پائی جاتی ہے؛ نیز یہ وجہِ فضیلتِ اِنسانی ہے۔ چنانچہ جس طرح فرشتوں نے علم کی قُوّت و صلاحیّتِ حیرت انگیز کو تسلیم کر کے اہلِ علم اِنسان کی تعظیم و تکریم حدِّ کمال تک کی تھی، اِنسان پر بھی لازم ہے کہ وہ علم کی قُوّتِ بے پناہ اور فضیلتِ بے قیاس کو تسلیم بالیقین کرے اور اس کے حصول میں عُمر بھر ذوق و شوق سے لگا رہے؛ نیز اہلِ علم کی عزّت و تکریم اور قدر و منزلت کرنا بھی اُس پر لازم ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے۔ علم اور اہلِ علم کی قُوّت و فضیلت کو تسلیم نہ کرنا اِبلیس کی سُنّت اور ربِّ علیم و حکیم کی نافرمانی ہے۔

ہمیں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تکبُّر یا اپنی کبریائی کا گمان ہے، جس کے سبب لوگ فرمانِ اِلٰہی کے باوجود علم و اہلِ علم کی قدر و منزلت نہیں کرتے، نیز علم حاصل نہیں کرتے، اس طرح اِبلیس کے پیرو کاروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "علم و قلم لازم ملزُوم ہیں"۔ یہ حقیقت ان آیاتِ فکر انگیز میں مُضمر ہے :

★ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ (القلم ۶۸ : ۱) :

نٓ، اور قلم کی قسم اور ان کی جو اس سے لکھتے ہیں۔

Marfat.com

★ اَلَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۝ (العلق ۹۶ : ۵) :

جو قلم کے ذریعے علم سکھاتا ہے یا قلم کے ذریعے تعلیم دیتا ہے۔

اِس موقع پر اِس اِنتہائی عبرتناک و دُور رس سلبی نتائج کی حامل واقعیت کا مختصرًا ذکر کردینا بیجا نہ ہوگا کہ اُمّتِ مُسلمہ کے علمی زوال کی تاریخ کا آغاز اس دَور سے شروع ہوتا ہے، جس میں مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک (اپریل ۱۰۱۸ء - اکتوبر ۱۰۹۲ء) نے اُس کے قرآنی نظام تعلیم و تربیت کی جگہ اپنا وضع کردہ نظام تعلیم "جسے درسِ نظامیہ" کے نام سے شہرت و مقبولیت حاصل ہے، رائج کردیا۔ درسِ نظامیہ میں قلم اور نصابِ قرآن شجرِ ممنوعہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں مُسلمان من حیث الاُمّت قرآن و قلم سے محروم ہو کر علم کی قوّت و روشنی سے محروم ہو گئے اور اقوامِ عالم کی اِمامت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور ان کے انحطاط و تنزّل کا دَور شروع ہو گیا۔ اسے اُمّتِ مُسلمہ کا ظُلم و جہل کہیے یا اِبلیس کے جالیاتی فریب کا کارنامہ کہ بشمولِ پاکستان بلادِ اسلامیہ میں علم و قلم اور اہلِ علم و قلم کی قدر ناشناسی کی وجہِ حقیقی یہ ہے کہ ان کے نظامِ تعلیم و تربیت میں قرآنِ حکیم کے نصابِ تعلیم و تربیت کا فُقدان ہے اور اسے شجرِ ممنوعہ سمجھ کر ترک کردیا گیا ہے؛ نیز مُسلم اقوام کو اپنے اِس ناقابلِ تلافی زیانِ مسلسل کا احساس ہے نہ شعور۔ ربِّ رحمٰن کا اِس تلمیذ القرآن پر بے قیاس فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے اس عاجز بندے کو مُسلمانوں میں اس اہم ترین مسئلے اور اُن کے زیانِ مسلسل کی طرف توجہ دلانے کی توفیق عطا کی ہے۔

یہ اصلِ عظیم بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اِبلیس کا قصور جس کی پاداش میں وہ ربُّ العرش کے قُرب و رِضوان اور رحمت سے محروم و مایوس ہو گیا، یہ تھا کہ اُس نے اُس کے حُکم کے باوجود علم کی نُورانی و جوہری اور تسخیری و اِرتقائی قوّت اور اُس کے حامل اِنسان کی فضیلت و عظمت کو تسلیم بالفعل کرنے سے اِنکار کر دیا تھا، اور اس کا محرّک و عامل اس کی تخلیقی رنسلی عصبیّت اور اِحساسِ بڑائی تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ کافر ہو گیا۔ اس سے یہ مُستنبط ہوا کہ تکبّر کو کُفر مُستلزم ہے اور یہ دونوں قلب میں جمع ہو جائیں تو اِنسان کو ربِّ رحمٰن کی رحمت و مغفرت سے مایوس کر کے اُسے سرکش و شریر بنا دیتے ہیں؛ لٰہذا علم کی قوّتِ نُورانی و جوہری کی تحصیل کرنا اور اہلِ علم کی قدر و منزلت کرنا ہم پر لازم ہے اور یہ متّقی و صالح لوگوں کا شِعارِ زندگی ہے جن کو ہمیشہ خُوب سے خُوب تر کی طلب و جستجو رہتی ہے۔

آخر میں مُسلم اقوامِ عالم کی توجہ اِس حقیقتِ عُظمیٰ کی طرف دلوانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اُمّتِ مُسلمہ کی نَشاۃِ ثانیہ کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب کی سب اپنے موجودہ غیر قرآنی نظامِ تعلیم کی بیخ کنی کر کے اس کی جگہ علم و حکمت کے سرچشمۂ ابدی قرآنِ حکیم کے نصابِ تعلیم و تربیت کی اساس پر اپنا نظامِ تعلیم و تربیت از سرِ نو قائم نہیں کرتی۔

Marfat.com

اس آیتِ فکر انگیز سے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اِسلام یا دین میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا ممنوع، حرامِ مُطلق، ظُلم اور شرک ہے جو ناقابلِ معافی گُناہِ کبیرہ ہے تو پھر خود ہی اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے فرشتوں کو کیوں آدم کو سجدہ کرنے کا حُکم دیا تھا اور انھوں نے سجدہ کیا تھا؟ یہ سوال جتنا دُشوار معلوم ہوتا ہے اصل میں اُتنا ہی آسان ہے۔ صرف قُرآنِ مجید کے اُسلُوبِ بیان سے آگہی چاہیے۔ مخلص تلامیذ القُرآن جانتے ہیں کہ قُرآنِ مجید الفاظ کو موقع و محل کی مناسبت سے کبھی ان کے لُغوی معانی میں اور کبھی اپنے اصطلاحی مفہوم میں استعمال کرتا ہے؛ اور خود ہی اُن کی تفسیر بھی کر دیتا ہے۔ یہ اس کی امتیازی۔ اعجازی خوبی ہے؛ (دیکھیے کلیدِ لغاتِ قُرآن، جلد اوّل)۔

مثال کے طور پر جس طرح وہ لفظِ جنّت کو کبھی لُغوی اور کبھی اصطلاحی مفہوم میں اِستعمال کرتا ہے، اسی طرح اُس نے زیرِ نظر آیات میں سجدہ کو اس کے لُغوی معنی و مفہوم میں اِستعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان معانی میں آدم کو سجدہ کرنے کا حُکم دیا تھا کہ وہ آدم کے سامنے اِس حقیقت کا اعتراف کریں کہ وہ بلاشُبہ اُن سے علم میں افضل و اعلیٰ ہے اور اِس بناء پر خلافتِ ارضی کا سزاوار و مستحق ہے، وہ نہیں ہیں۔ ساتھ ہی ربِّ اعلیٰ نے اپنے اِعجازی انداز میں "تکبّر" کے لفظ کی تفسیر بھی کر دی کہ ابلیس نے آدم کو سجدہ تکبّر یعنی اِس بناء پر نہیں کیا تھا کہ اُسے یہ زعمِ باطل تھا کہ وہ نار سے پیدا ہوا ہے، اس لیے زمین کی مٹی سے پیدا ہونے والے آدم سے برتر و اعلیٰ ہے۔ اِسے نسلی تفاخر سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

نبیِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا بھی اِرشاد ہے کہ اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے یا دوسروں کو چھوٹا سمجھنا تکبُّر ہے (المشکوٰۃ، ح ۴۸۹۳)، اور جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبُّر ہو گا وہ جنّت میں نہیں جائے گا (المشکوٰۃ، ح ۴۸۷۸)۔

۳۵۔ جنسی مسئلہ (Sex problem) حیاتِ اِنسانی کا بنیادی مسئلہ ہے، جس کے دُور رس نتائج و عواقب (Consequences and repercussions) کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ زیرِ نظر آیۂ بصیرت افروز میں اِسی مسئلے کو اِنتہائی بلیغ و اعجازی انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ احسن الخالقین کے جمالیاتی تخلیقی شہکار اِس سے سبق حاصل کر کے حیاتِ طیبہ بسر کر سکیں۔

آدم اور اس کی زوجہ کا واقعہ دراصل جنسی نوعیت کا ہے اور اِنسان (مرد و صنفِ جمیلہ) کا اوّلین و اہم ترین اور صبر آزما و شکیب رُبا اِمتحان تھا، جس میں وہ اپنے دُشمن شیطان کی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ لیکن جنسی فعلِ ممنوع کے اِرتکاب کے بعد جب آدم و حوّا کو اس کے دُور رس بھیانک نتائج و عواقب کا احساس و شعور ہوا تو وہ اپنے کیے پر پچھتائے، رہینِ خوف و حُزن

Marfat.com

ہو گئے اور استغفار و توبہ کرنے لگے۔ ربِّ رحمٰن و رحیم نے چونکہ رحمت کو اپنے اُوپر لازم کیا ہوا ہے، نیز وہ توّاب اور مُستجیب الدّعوات ہے، لہٰذا اُس نے دونوں کی توبۃ النصوح قبول کر لی اور انھیں بخش دیا۔

اِس قصّے کا مرکزی خیال (Central idea) یہ ہے کہ اِنسان کو اِس امتحان سے عمر بھر گزرنا پڑتا ہے۔ مرد و زن کو شجرِ ممنوعہ یا غیر شرعی جنسی معروض کی مقاربت کے مواقع ملتے رہیں گے اور شیطان انھیں اس کی ترغیب بھی دیتا رہے گا، لیکن جو ایسا کرے گا، وہ ظالم ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں جنسی بدفعلی یا زنا کاری ظُلم ہے، کیونکہ

- ★ اِس سے قلب کا نُور بُجھ جاتا اور وہ تاریک ہو جاتا ہے۔
- ★ یہ غیر کی کھیتی پر ناجائز تصرّف کرنا، اس میں اپنا بیج بو کر ضائع کرنا اور رہزنیِ عصمت کرنا ہے۔
- ★ نسلِ اِنسانی کو ناپاک، نجس اور حرامی بنانا ہے۔
- ★ حیاتِ طیّبہ سے ایک دوسرے کو محروم کرنا ہے۔
- ★ اس سے عصمت فروشی، بے حیائی جسم فروشی اور فحاشی کی راہ کھلتی ہے۔
- ★ اس سے معاشرتی بیماریاں اور بُرائیاں پھیلتی اور پھولتی ہیں۔
- ★ یہ مرد و عورت کو اللہ کا نافرمان بناتی ہے اور انھیں راہِ راست سے بھٹکا دیتی ہے۔
- ★ یہ اِنسان کو لمحاتی لذّت سے آشنا کر کے اس کا اِطمینان و قرار چھین لیتی ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر قرآنِ مجید نے اسے فَاحِشَۃً (بے حیائی : Lewdness)، مَقْتًا (سخت ناگوار بات Abomination) اور سَآءَ سَبِیْلًا (قبیح و غم انگیز راہ) سے تعبیر کیا ہے (النسآء ۴ : ۲۲)۔

Marfat.com

از رُوئے لُغات وکلیدِ لُغاتِ قرآن

س ج د (سجد)

سَجَدَ (مضارع، اور مصدر سُجُودٌ ہے) : وہ عاجز، مطیع، متواضع منکسر یا فرماں بردار بن گیا:
(He was or, became, lowly, humble, or submissive) اس کا مترادف ہے خَضَعَ (صحاح،
اساس، قاموس، تاج، مصباح) یا تَطَامَنَ اور ذَلَّ : یا اُس نے اپنے سر کو زمین پر جُھکا دیا (ابوبکر، تاج) -
السُّجُودُ کے بنیادی معنی ہیں : تَذَلُّلٌ مع تَطَأْمُنٌ (بیضاوی ۲ : ۳۲) -
صلوٰۃ میں سُجُود (سَجَدَ سے مُشتق) کے معنی ہیں : اللہ کو سجدہ کرنا، اس کے سامنے سر بسجود ہونا یا
زمین پر ناصیہ سائی کرنا (مُحکم، مصباح، تاج) -
سُجُودٌ کے معنی تعظیم بجالانے کے بھی ہیں : The act of saluting (لسان، تاج) - اہلِ عرب کا
محاورہ ہے : سَجَدَ لَہٗ : اُس نے اُس کی تعظیم کی، وہ اُس کے آداب بجالایا، یا اُس نے اُسے سلام کیا
(حماسہ، ص ۲۹۴) - یہ بھی ان کا محاورہ ہے : سَجَدَتِ النَّخْلَۃُ : کھجور کا درخت اپنے پھل کی گرانی سے
جُھک گیا (ابوحنیفہ الدّینوری، المُغرب، تاج) ؛ نیز السَّفِینَۃُ یَسْجُدُ لِلرِّیحِ : جہاز ہوا کے دباؤ یا زور
کے باعث ہچکولے کھاتا ہے (اساس) -
★ وَّالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدَانِ ○ (الرحمٰن ۵۵ : ۶) : بُوٹیاں (Herbs) اور درخت مشیّتِ الٰہی
کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں (بیضاوی : جلالین) - سَجِدَتْ رِجْلُہٗ : اس کی ٹانگ متورّم ہوگئی
یا سُوج گئی (قاموس، تاج) : His leg became inflated or swollen -
سَجْدَۃٌ : سجدہ کرنا (ایک بار)، جمع سَجَدَاتٌ - سَجَدْتُ سَجْدَۃً : میں نے سجدہ کیا؛ اور
قَرَأْتُ سُوْرَۃَ السَّجْدَۃِ : میں نے سُورۃ السجدۃ (۳۲) پڑھی (صحاح، مصباح) -
رَجُلٌ سَجَّادٌ : کثرت سے سجدہ کرنے والا آدمی (اساس، تاج) -
سَجَّادَۃٌ : مترادف خُمْرَۃ : جائے نماز (لسان، صحاح، تاج) -
سَاجِدٌ (جمع سُجَّدٌ اور سُجُودٌ) : فروتن، خاکسار، متواضع، مؤدّب، مطیع، کورنش بجالانے والا، جو
اپنے آپ کو زمین پر جُھکائے، اِس بناء پر صلوٰۃ میں سر بسجود ہونے یا رہنے والا، سجدہ یا ناصیہ سائی کرنے والا'

Marfat.com

ہندی، گورمکھی میں ماتھا ٹیکنے والا)، دیکھیے (لِسان، صحاح، اساس) - قرآن مجید میں ہے:

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (البقرۃ ۲: ۵۸؛ الاعراف ۷: ۱۶۱) کے معنی ہیں: اور اپنے سروں کو جھکائے ہوئے دروازے میں داخل ہونا، یعنی خاکساری و فروتنی کے ساتھ (ابنِ عبّاس، قاموس)، یہ تنگ یا نیچا (low) دروازہ تھا (ابنِ عباس) - محاورہ ہے: شَجَرَۃٌ سَاجِدَۃٌ اور شَجَرٌ سَاجِدٌ اور سَوَاجِدُ (آخری لفظ سَاجِدَۃٌ کی جمع ہے): جھکا ہوا درخت یا جھکے ہوئے درخت یا شجر و اشجارِ خمیدہ (اساس) -

فُلَانٌ سَاجِدُ الْمَنْخِرِ: فُلاں شخص سِفلہ، کمینہ یا مطیع و فرماں بردار ہے (اساس، تاج): Such a one – is abject, low, humble or submissive.

عَیْنٌ سَاجِدَۃٌ: افسردہ یا کمزور آنکھ (اساس، قاموس): A languid, or languishing, eye

مَسْجَدٌ: پیشانی جس میں سجدوں کے نشان ہوں (صحاح، قاموس) - (تاج العروس میں ہے کہ یہ اِستعارہ ہے، لیکن صاحبِ قاموس کے نزدیک یہ اِستعارہ یا کنایہ نہیں) - الْمَسَاجِدُ کے معنی ہیں: پیشانی، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں (لِسان) یا پیشانی، ہاتھ اور گھٹنے (المُغرب)، یا ہفت آراب (سات اعضا): پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو پاؤں (تاج، بذیل مادّہ ارب) -

مَسْجِدٌ: سجدہ کرنے کی ہر جگہ، یا پرستش و بندگی کی جگہ، اور خاص طور پر مسجد (Mosque) - (ابنِ برّی)، صلوٰۃ قائم کرنے کی جگہ (المغرب، مصباح) - اس کی جمع مَسَاجِدٌ ہے - مَسْجِدٌ جَامِعٌ: جامع مسجد، جس میں صلوٰۃ الجُمُعَۃ قائم کی جاتی ہے - اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ: خانۂ کعبہ یا بیت اللہ - الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی: دُور کی مسجد، یعنی بیت المقدس (مصباح) - الْمَسْجِدَانِ: مکّے کی مسجد الحرام اور مدینے کی مسجدِ نبویؐ (صحاح، المغرب) -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

فَسَجَدَ: سرِ تسلیم خم کرنا، فرماں برداری کا اِظہار کرنا؛ نیز پرستش و عبادت کرنا۔

★ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ (الحجر ۱۵: ۲۹-۳۲):

جب اُسے (یعنی بشر کو) راست قامت بنادوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں تو اس کے مطیع و فرماں بردار بن جانا یا اس کے سامنے سرنگوں ہوجانا، تعظیم و فرماں برداری کے لیے۔ سب کے سب فرشتوں نے سرِ تسلیم جھکا لیا، بجز اِبلیس کے۔ اُس نے سرِ تسلیم خم کرنے والوں کا ساتھ

Marfat.com

دینے سے اِنکار کر دیا۔
فَسَجَدَ کی تفسیر قرآنِ مجید نے خود ہی کر دی ہے :

★ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (صٓ ۳۸ : ۷۳-۷۴) : کُل فرشتوں نے مل کر اپنے سرِ تسلیم جھکا لیے، بجز اِبلیس کے۔ اُس نے اپنے آپ کو بڑا اور بشر کو حقیر سمجھا اور نافرمانوں میں سے ہو گیا۔

پرستش و عبادت کے معنی میں : نیز قُرآنِ حکیم کا اعجازِ بیانِ تفسیری بھی دیکھیے :

★ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (فُصِّلت ۴۱ : ۳۷) : تُم سُورج کی پرستش کرو نہ چاند کی، بلکہ اللہ کی طاعت و بندگی کرو جس نے انھیں تخلیق کیا ہے، اگر تُم حقیقت میں اس (اللہ کی) عبادت کرتے ہو۔

نُکتہ : اللہ تعالیٰ کی عبادت (یعنی اس کی حمد اور طاعت و بندگی) کرنے والے اصل میں ہوتے ہی وہ ہیں، جو مخلوقات میں سے کسی کی حمد و پرستش اور بندگی نہیں کرتے۔ بالفاظِ دیگر، صرف اور تنہا ایک اللہ کی تعریف و ثنائے جمیل، تشکّر و سپاس اور طاعت و بندگی کرنے والے ہی سچّے موحّد اور عابد ہوتے ہیں۔

★ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (الرّعد ۱۳ : ۱۵) : اور آسمانوں اور زمین میں جو مخلوق بھی ہے، خوشی سے یا چار و ناچار اللہ ہی کی طاعت و فرماں برداری کرتے ہیں۔

قُرآن مجید نے اپنی سُنّت کے مطابق یَسْجُدُ اور "مَنْ" کی تفسیر خود ہی کر دی ہے؛ دیکھیے

★ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ السجدۃ (النحل ۱۶ : ۴۹-۵۰) :

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں، جیسے جاندار مخلوقات (Living creatures) اور فرشتے، سب اللہ کی فرماں برداری میں لگے ہوئے ہیں اور قطعاً سرتابی نہیں کرتے۔

وہ اپنے اُوپر اپنے غالب پروردگار و آقا (کی نافرمانی و سرتابی) سے خوف بداماں رہتے ہیں، اور جو اور جیسا حکم اُنھیں دیا جاتا ہے، اُسے اُسی طرح کرتے ہیں۔

★ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ (الرّحمٰن ۵۵ : ۶) : اور پودے اور درخت (اللہ کی) حمد و فرماں برداری میں لگے ہوئے ہیں؛ یا اپنے فرائض (Duties) ادا کرنے میں مشغول ہیں۔

★ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ○ السجدۃ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ○ (الانشقاق

Marfat.com

۸۴ : ۲۱-۲۲) : جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے تو مان کر سرِ تسلیم خم نہیں کرتے، بلکہ مُنکرانِ حق اُسے جُھٹلاتے ہیں۔

نُکتہ : یُکَذِّبُوْنَ نے یَسْجُدُوْنَ کی تفسیر کر دی ہے۔ یہ قرآنِ مجید کی سُنّت بھی ہے اور اعجازِ بیان بھی۔ تکذیب کی ضِد تصدیق ہے؛ اس سے مُستنبط ہُوا کہ یَسْجُدُوْنَ کا مطلب ہے تصدیق و تسلیم کرنا۔

★ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا○ (الدھر ۷۶ : ۲۶) : اور رات کے ایک حصّے میں اس کے حضور سر بسجود رہو اور گئی رات تک اس کی تقدیس و تنزیہ کرتے رہو۔

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ السجدۃ (الحج ۲۲ : ۷۷) : اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع و سجود کرتے اور اپنے ربّ کی طاعت و بندگی کرتے رہو، اور لوگوں کو دُنیوی و اُخروی حسنہ پہنچانے کے کام کرتے رہو تاکہ تُم مادّی و معنوی نشوونما اور کامیابی پاؤ۔

نُکتہ : صلوٰۃ میں "قیام" اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا حُکم بجالانے کے لیے تعظیم و مُستعدی کے ساتھ کھڑا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ رکوع علامت ہے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے عجز و انکسار اور ادب و تعظیم کے اظہار کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے کی۔ سَجدۃ : ★ اہلِ آرزو کا اپنے ربِّ جلیل و اکبر کے حضور اِنتہائی تذلُّل و اِنکسار کے ساتھ بندۂ تسلیم و رضا بن کر اس کے قدموں میں گر کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینے کی احسن و اکمل علامت ہے۔ عبادت کے معنی ہیں : اپنے ربّ کی توحیدِ اُلوھیت و رُبوبیّت کو عملاً تسلیم کر کے اُس کی طاعت و بندگی اور جُملہ احکام کی تعمیل کرنا یا حُسنِ نیّت کے ساتھ سعی و جُہد کرنا۔ خیر کرنے کا مطلب ہے زکوٰۃ، العفو اور ماعون، اِحسان کرنا، قرضِ حسنہ دینا یا اِحسان کاری کرنا، نیز رفاہِ عامّہ کے کام کرنا، مثلاً ان کی کفالت، تعلیم و تربیّت اور علاج معالجے کے نظام قائم کرنے کے لیے مال و جان کے ساتھ سعی و جُہد کرنا۔

مَسْجِدٌ : صلوٰۃ یا عبادت کی جگہ۔

★ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ... (الاعراف ۷ : ۲۹) : اور صلوٰۃ قائم کرنے کی ہر جگہ (صلوٰۃ قائم کرنے کے لیے) اپنا رُخ قبلے کی طرف یا اپنی توجّہ اللہ کی طرف قائم رکھو (تاکہ اِدھر اُدھر بھٹکنے نہ پائے) : اس کی جمع مَسَاجِدُ ہے (البقرۃ ۲ : ۱۱۴، ۱۸۷ و بمواضعِ کثیرہ)۔

وَاسْجُدْ کے معنی یہ بھی ہیں : اور صرف اللہ تعالیٰ کا بندۂ تسلیم و رضا اور مطیع و فرماں بردار بن کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا؛ جیسا کہ اِس آیۂ بصیرت افروز سے مترشّح ہے :

Marfat.com

★ كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (العلق ۹۶: ۱۹): دیکھو! ہرگز اس کا کہنا مانو! بلکہ اپنے رب کا بندۂ تسلیم ورضا اور مطیع و فرماں بردار بن کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو اور اس کا قُرب حاصل کرو۔ (یہ سجدہ ہے جس کی تعبیر علامہ اقبالؒ نے کیسے حکیمانہ و ایمان افروز انداز میں کی ہے):

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (ضربِ کلیم، ص ۳۲)۔

ا ب ی (ابی)

اَبَی (مضارع یَأْبِی اور یَأْبَی، اور مصدر اِبَآءٌ اور اِبَآءَةٌ یا اِبَاۃٌ یا اِبَایَةٌ): اُس نے انکار کر دیا، اُس نے برداشت کر لیا، وہ باز رہا، رُک گیا یا غیر حاضر ہو گیا (صحاح، محکم، المغرب، مصباح، قاموس): He refused; or refrained, forbore, abstained, or held back. مترادف اِمْتَنَعَ (صحاح، مصباح، الغاسی، بیضاوی ۲: ۳۲؛ الکلیات الابو البقاء، ص ۸)۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلْاِبَاءُ کے معنی ہیں: شِدّتِ اِمتناع؛ یعنی سختی کے ساتھ انکار کرنا۔ یہ لفظ اَلْاِمْتِنَاعُ سے خاص ہے، لہٰذا ہر اِبَاء تو اِمتناع ہے، لیکن ہر اِمتناع ہرگز اِبَاءٌ نہیں ہو سکتا۔ ایک روایت میں ہے: كُلُّكُمْ فِي الْجَنَّةِ اِلَّا مَنْ اَبٰی: تُم سب کے سب جنت میں جانے والے ہو، اس کے سوا جس نے اللہ کے احکام ماننے سے سختی اور شعوری طور سے انکار کیا۔

رَجُلٌ اَبِیٌّ: خود دار آدمی جو کسی کا ظلم برداشت نہ کرے — اَبَیْتَ الضَّیْرَ (مضارع یَاْبیٰ) اللہ تعالیٰ تجھے نقصان یا اذیّت سے محفوظ رکھے (المفردات)۔

اَبَی الشَّیْءَ یَاْبَاهُ کے معنی ہیں: کسی شے سے نفرت کرنا، اُسے ناپسند کرنا، اس سے باز رہنا، یا اس سے اپنے آپ کو روک لینا (المجمل، محکم، قاموس)۔

اَلْاَبِی: شیر کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ خود سر ہوتا ہے، اپنی مرضی کرتا ہے اور کسی کا حکم نہیں مانتا (تاج، صحاح، محکم)۔

نواب صدّیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ھمزہ ایک ساتھ آئیں تو ان میں وحشت،

Marfat.com

نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم مُضمر ہوتا ہے۔ اَبیٰ میں یہی معنویت پائی جاتی ہے (بحوالہ لُغاتُ القرآن)۔
محاورہ ہے: کَانَ یَاْبَی اللَّحْمَ: وہ گوشت کھانے سے انکار کر دیتا تھا یا اُسے ناپسند کرتا تھا (قاموس)۔ اَبَی عَلَیْہِ اور تَاَبّٰی عَلَیْہِ: وہ اس کی بات یا حکم ماننے والا نہ تھا؛ اس کی اطاعت قبول کرنے والا نہ تھا؛ یا اُس نے اس کی مزاحمت کی؛ اُسے باز رکھا یا اُس کی مقاومت کی (التہذیب لازہری، صحاح، مُغرب)۔

He was incompliant, or unyielding, to him; he resisted him, withheld him or — repugned him.

مترادف اِمْتَنَعَ (التہذیب لازہری، صحاح، مُغرب)۔
مَآءٌ لَایُؤْبِی: پانی کم یا ختم نہیں ہوگا (تاج)۔ اَبَی الْمَآءُ: پانی کم ہو گیا یا گھٹ گیا (ابو عمرو)
مُؤْبٍ: پانی کا کم ہو جانا یا ختم ہونے کے قریب ہو جانا (تاج، مُحکم)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

اَبیٰ: ایجاب و قبول کرنے یا ماننے کے بجائے اِنکار کر دینا، سرتابی کرنا، نفرت و حقارت سے ردّ کرنا یا مُسترد کر دینا۔

★ اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ ق وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۳۴): (ابلیس نے) سرتابی کی اور اِستکبار کیا اور وہ نافرمانوں میں سے ہو گیا (اللہ تعالیٰ کے)۔
اس سے مُستنبط ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حُکم نہ ماننے یا اُس سے سرتابی کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

★ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ز فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷: ۸۹): ہم نے اِس قُرآن میں ہر طرح کی مثالیں (Similitudes، لوگوں کو سمجھانے کی خاطر) مختلف اسالیب میں بیان کی ہیں، مگر افرادِ نسلِ اِنسانی میں سے اکثر نے ان کو سمجھ کر قبول کرنے کے بجائے ان کا انکار کرنے کو پسند کیا۔

★ وَلَقَدْ اَرَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا کُلَّھَا فَکَذَّبَ وَاَبٰی ○ (طٰہٰ ۲۰: ۵۶): ہم نے اُس (فرعون) کو اپنی سب کی سب (بصیرت افروز) نشانیاں دکھائیں، مگر اُس نے ان سب کو جُھٹلایا اور ماننے سے شعوری طور پر انکار کر دیا۔

And verily We did show the Pharaoh all Our Signs (tokens), but he denied them knowingly and refused to accept them.

★ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ (التوبۃ ۹: ۳۲):
اور اللہ کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ وہ اپنے نُور کو مکمل کر دے۔

Marfat.com

ک ب ر (کبر)

کَبُرَ (مضارع اور مصدر کُبُرُ اور کِبَرٌ اور کَبَارَۃٌ): وہ شخص (یا چیز) جسم، تن و توش یا عُمر کے لحاظ سے بڑا تھا یا ہوگیا۔ اس کا اطلاق بشر پر ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں وہ بلوغت کو پہنچ گیا، نیز وہ شخص قدر، منزلت یا مرتبت میں بلند یا عظیم ہوگیا (صحاح، اساس، مصباح، قاموس، تاج):

He, or it, was, or became, great (big, or large in body, or corporeal substance ; and in years, or age; when said of a human being, often particularly signifying he attained to puberty,) and in estimation or rank or dignity.

اس کی ضد صَغُرَ ہے اور مترادف ہے عَظُمَ اور جَسُمَ (صحاح، مصباح، قاموس)۔ تاج العروس میں ہے کہ کَبُرَ کو عَظُمَ کے مفہوم میں کسی معاملے یا قضیے (Affair or case) سے متعلق استعمال کیا جاتا ہے؛ اور اس کا مصدر ہے کِبَرٌ اور کَبَارَۃٌ، اور جَسُمَ کے مفہوم میں اس کا اطلاق ہر چیز پر کیا جاتا ہے --- کَبُرَ الْأَمْرُ: معاملہ نہایت عظیم تھا یا ازبس اھمیت کا حامل تھا؛ یا اس کے معنی وہ ہیں جو اس جملے کے ہیں --- کَبُرَ عَلَیْہِ الْأَمْرُ: معاملہ، مقدمہ یا قضیہ اس کے لیے مُشکل، دشوار، شدید، تکلیف دہ، اذیت رساں یا سوہانِ رُوح ہوگیا۔ مترادف شَقَّ (اساس، تاج)۔ تاج العروس اور بیضاوی (۲: ۴۲) میں ہے کہ یہ فعل انہی معانی میں ان آیاتِ قُرآنی میں استعمال ہوا ہے (یُونس ۱۰: ۷۱؛ الاسراء ۱۷: ۱۱۱؛ نیز الشوریٰ ۴۲: ۱۳) کَبِرَ مضارع ہے؛ اس کے دو مصادر ہیں: کِبَرٌ اور مَکْبِرٌ: اِنسان، حیوان اور بچّہ بلوغت کو پہنچ گیا، یا سِن رسیدہ یا سالخوردہ ہوگیا (صحاح، قاموس)۔ کَبِرَہٗ بِسَنَۃٍ: وہ مجھ سے عُمر میں ایک سال بڑھ گیا (قاموس)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

کبیر اور صغیر اسمائے اضافیہ ہیں، جن کے معانی ایک دوسرے کے لحاظ سے متعیّن ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی شے دوسرے کے مقابلے میں صغیر ہوتی ہے؛ لیکن وہی شے ایک اور کے مقابلے میں کَبِیْر کہلاتی ہے۔ اور قلیل و کثیر کی طرح کبھی تو ان کا اِستعمال کمیّتِ متّصلہ، یعنی اجسام پر ہوتا ہے، اور کبھی کمیّتِ منفصلہ یعنی عدد پر؛ اور بعض اوقات کثیر اور کبیر دو مختلف جہتوں کے لحاظ سے ایک ہی چیز پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہ اصل معنی میں تو اعیان پر ہی اِستعمال ہوتے ہیں، لیکن اِستعارۃً کے طور پر معانی پر بھی بولے جاتے

Marfat.com

ہیں، مثلاً الکھف ۱۸ : ۴۹ میں۔

اَلْکَبِیْرَۃُ : عُرف میں اس گناہ کو کہتے ہیں جس کی سزا بڑی سخت ہو۔ اس کی جمع اَلْکَبَائِرُ آتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کبائر سے مراد شرک ہے۔ بعض کا قول ہے کہ کبائر کا لفظ شرک اور تمام مُہلک گناہوں کو شامل ہے؛ جیسے زنا اور کسی جان کا ناحق قتل کرنا ہے۔ علاوہ ازیں، کَبِیْرَۃ اس عمل کو بھی کہتے ہیں جس میں مُشقت اور صعوبت ہو۔

اَلْکِبْرُ وَالتَّکَبُّرُ وَالْاِسْتِکْبَارُ کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں۔ پس کِبر وہ حالت ہے جس کے سبب اِنسان عُجب میں مبتلا ہوجاتا ہے؛ اور عُجب یہ ہے کہ اِنسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا خیال کرے؛ اور سب سے بڑا تکبُّر قبولِ حق سے انکار اور عبادت سے انحراف کرکے اللہ تعالیٰ پر تکبر کرنا ہے۔ اَلْاِسْتِکْبَارُ (استفعال) کا اِستعمال دو طرح پر ہوتا ہے : ایک یہ کہ اِنسان بڑا بننے کا قصد کرے، اور یہ بات اگر منشائے شریعت کے مطابق اور برمحل ہو اور پھر ایسے موقع پر ہو جس پر تکبر کرنا اِنسان کو سزاوار ہے تو محمود ہے۔ دوم، یہ کہ اِنسان جھوٹ موٹ بڑائی کا اِظہار کرے اور ایسے اوصاف کو اپنی طرف منسوب کرے جو اُس میں موجود نہ ہوں، یہ مذموم ہے۔

اَکْبَرْتُ الشَّیْءَ : کسی چیز کو عظیم سمجھنا۔

اَلتَّکْبِیْرُ (تفعیل) : اس کے معنی ایک تو کسی کو بڑا یا عظیم سمجھنے کے ہیں؛ اور دوسرے اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کو ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے؛ نیز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی عظمت کا احساس کرنے کے معنی میں بھی اِستعمال ہوتا ہے (البقرۃ ۲ : ۱۸۵)۔

اَلْکُبَارُ : اس میں کبیر کے لفظ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے؛ اور لفظ کُبَّار (بتشدید باء) اس سے بھی زیادہ بلیغ ہے (المفردات)۔

کِبْرٌ : بڑائی، عظمت یا بُزرگی (وجود، تن وتوش کے لحاظ سے، اور قدر یا منزلت یا رتبے کے اعتبار سے)۔ شرافت، عُلوِّ مرتبت، نجابت (ابن القُطِیَّۃ، مصباح، قاموس، مصباح)؛ نیز کُبْرٌ بمعنی عَظَمَۃٌ؛ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حسنہ کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں : کبریائی یا عظمت یا جلالت (Greatness, or majesty or sublimity, or the like)؛ اور اِنسان کی خصلت کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں : تکبُّر (Pride)، دیکھیے (صحاح، مصباح، قاموس)۔

هٰذَا کِبْرَۃُ اَبِیْہِ : یہ اس کے باپ کے بچّوں میں سب سے بڑا یا عُمر رسیدہ (Oldest) ہے؛ یہ ضد ہے صِغْرَۃُ اَبِیْہِ کی (اساس)۔

Marfat.com

أَکْبَرُ : عظیم تر یا عظیم ترین (جسم، وجود اور قدر و منزلت یا بزرگی کے لحاظ سے)، اور بلحاظِ عُمر سب سے بڑا، بزرگ ترین (مصباح)۔ تانیث کُبْرٰی؛ جمع مذکر اَکابِرُ اور اَکْبَرُوْنَ (صحاح)۔ اللّٰہُ اَکْبَرُ کے معنی ہیں: اللہ عظیم ہے (الازہری، تاج)؛ یا اللہ ہر دوسری ہستی یا چیز سے بڑا ہے (مُغرب، تاج)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

کَبُرَ : شاق یا گراں گزرنا، یا بارِ خاطر ہونا؛ یا ناگوار گزرنا، قابلِ نفرین ہونا؛

★ وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ (الانعام ۶ : ۳۵): (اے نبیؐ!) اگر ان لوگوں کی رُوگردانی آپ پر شاق یا گراں گزرتی ہے تو

★ یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْکِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (یُونُس ۱۰ : ۷۱): (حضرت نوحؑ نے فرمایا) اے میری قوم کے لوگو! اگر (تبلیغِ حق کے لیے) میرا قائم رہنا اور آیات اللہ کے ساتھ یاد دہانی کرانا تُم پر شاق گزرتا ہے؟

★ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصّف ۶۱ : ۳): اللہ کی نظر میں یہ انتہائی قابلِ نفرین ہے کہ تُم وہ کہو جو تُم کرتے نہیں۔

★ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ط (الکھف ۱۸ : ۵): یہ اِنتہائی گھناؤنی بات ہے جو اُن کے مونہوں سے نکلتی ہے : (Disdainful is the saying of that comes forth from their mouths.)

یَکْبُرُ : سخت ترین (چیز) (الاسراء ۱۷ : ۵۱):=(Hardest)

یَکْبَرُوْا : عمر میں بڑے ہو جانا؛ سِنِ بلوغت کو پہنچ جانا To attain to puberty or adolence (النِّسآء ۴ : ۶)۔

★ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۸۵): اور اللہ کی کبریائی یا حاکمیتِ اعلیٰ کا اِعلان اس طرح کرتے رہو جس طرح کرنے کے تمھیں رہنما اُصول بتا دیے گئے ہیں، اور اس طرح اس کی نعمتوں کی قدر اور شکر کرتے رہو (نیز دیکھیے الحج ۲۲ : ۳۷)۔

★ قُمْ فَاَنْذِرْ ۞ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○ (المُدَّثِّر ۷۴ : ۲-۳): (یا محمدؐ!) تیار ہو جائیں اور اُٹھیں اور مُتنبّہ کریں (لوگوں کو، کُفر و تکذیبِ حق اور شرک یعنی اصنام پرستی، اکابر و سادات پرستی کے، نیز بُخل و

Marfat.com

بے حیائی اور ہر قسم کے جرم و گناہ کے شکیب رُبا عواقب و نتائج سے) ، اور اپنے خالق و پروردگار اور مالک و حاکم کی حاکمیتِ اعلیٰ کا اعلان کیجیے۔

یہ دو انتہائی مختصر آیات ایک تو ایجاز بلاغت کا احسن و اکمل نمونہ ہیں ؛ اور دوسرے گنجینۂ معانی ہیں۔ اس بناء پر یہ تلمیذ القرآن ان کو اعجازاتِ قرآنِ حکیم میں سے مانتا ہے۔

★ یہی معانی ہیں ، اس حکمِ الٰہی کے : وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ○ (الاسراء ۱۷ : ۱۱۱) : اور اُسے (یعنی اللہ کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے اس کی حاکمیتِ اعلیٰ کا اظہار و ابلاغ کرتے رہو۔

★ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ (یوسف ۱۲ : ۳۱) : جب انھوں نے اُسے (یوسفؑ کو) دیکھا تو اس کی جلالت کی بہت تعریف و ستائش کی۔

★ تَتَكَبَّرَ : اپنے آپ کو بڑا اور دُوسرے یا دُوسروں کو حقیر سمجھنا ؛ نیز عُجب کرنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حُکم نہ ماننا یا عبادتِ الٰہی نہ کرنا (الاعراف ۷ : ۱۳) ۔ اَسْتَكْبَرَ کے بھی یہی معنی ہیں (البقرۃ ۲ : ۳۴ ؛ القصص ۲۸ : ۳۹ و بمواضع کثیرہ) ۔ اس اصطلاح کی تفسیر قرآنِ مجید نے بصیرت افروز انداز میں کردی ہے :

★ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ○ (الاعراف ۷ : ۲۰۶) : یقین کرو کہ جو لوگ تیرے رب کے قُرب میں ہیں (یعنی مقرّب ہیں) وہ گھمنڈ میں آکر اُس کی طاعت و بندگی سے رُوگردانی نہیں کرتے ، بلکہ اس کی تقدیس و تنزیہ کرتے اور اس کے حضور اس کی عظمت و کبریائی اور اپنے عجز و انکسار اور طاعت و بندگی کا اظہار و اعتراف کرتے رہتے ہیں۔

يَسْتَكْبِرُونَ : گھمنڈ ، غرور و عُجب میں آکر نافرمانی کرنا ؛ یا حُکم ماننے سے انکار کرنا یا سرتابی کرنا۔

★ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ○ (النحل ۱۶ : ۴۹) : اور آسمانوں اور زمین میں جو اور جتنے بھی جاندار (Living creatures) ہیں ، وہ سب اللہ کی طاعت و بندگی میں لگے رہتے ہیں ، اور فرشتے بھی ، نیز وہ گھمنڈ میں آکر سرتابی نہیں کرتے۔

★ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (المؤمن ۴۰ : ۶۰) : اور تیرے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے مدد کے لیے پکارو ، میں تمھاری دُعائیں قبول کروں گا ۔ جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری طاعت و بندگی اور دُعا مانگنے سے سرکشی کرتے ہیں ، وہ ضرور ذلیل و خوار ہو کر جہنّم میں داخل ہوں گے۔

Marfat.com

نُکتہ : اللہ تعالیٰ کو اس کی مدد کے لیے پُکارنا یا دُعا کرنا جوہرِ عبادت ہے اور فرض ہے۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مغرور و مُتکبّر ہوتے ہیں۔ اِس سے اُس مکتبِ فکر کی تردید ہو جاتی ہے جو دُعا مانگنے کا قائل نہیں اور اسے محض خام خیالی سمجھتا ہے۔

مُتَکَبِّرٌ :

★ وَقَالَ مُوسٰىٓ اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ (المؤمن ۴۰: ۲۷): اور (حضرت) مُوسیٰؑ نے کہا : میں اپنے اور تمھارے خالق و پروردگار اور آقا و حاکم کی پناہ میں آچکا ہوں ہر اُس شخص (کے شر) سے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا یعنی حاکمِ اعلیٰ سمجھتا (اور) روزِ حساب و جزا کو تسلیم بالیقین نہیں کرتا۔

نُکتہ : معلوم ہوا کہ تکبّر کا خاصّہ آخرت سے انکار ہے ؛ اور مُتکبّر ہوتا ہی وہ ہے جو ایمان بالآخرۃ نہیں رکھتا۔

یہ اصلِ عظیم یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عظمت و کبریائی اور حاکمیّتِ اعلیٰ کا سزاوار و مستحق چونکہ صرف اور تنہا اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے ، اس لیے جب وہ اپنے آپ کو مُتکبّر کہتا ہے تو اس سے مقصود اس حقیقتِ نفس الامری کا اظہار ہوتا ہے کہ اِس کے سوا کوئی مُتکبّر نہیں ؛ لہٰذا جو شخص بھی تکبّر کرتا ہے وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا اور اپنے ربِّ عزیز و قدیر کی ہمسری کا دعوٰی کرتا ہے۔ اِسی مفہوم میں اِس آیۂ بصیرت افروز میں "مُتکبّر" کا لفظ اِستعمال ہوا ہے :

★ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (الحشر ۵۹ : ۲۳) : وہ اللہ ہی ہے جو صرف اور فقط معبود و حاکم ہے اور اس کے سوا ایسا کوئی نہیں (اور نہ ہو سکتا ہی ہے کہ حقیقت میں صرف وہی) بادشاہ۔ اِنتہائی مُقدّس (بزرگ و محترم اور مُطہّر) ۔ سلامتیِ محض ، موضوعی ، معروضی ، امن دینے والا ، نگہبانِ حقیقی ، صاحبِ عزّتِ حقیقی ، اپنی قُوّت سے سب کو مجبور کر دینے والا ، عظیم و کبریا ہے۔ اللہ کا کیا کہنا کہ وہ تو ان تمام مُشرکانہ باتوں سے اور شریکوں سے منزّہ اور وراء الوراء ہے جو لوگ اس سے منسوب کرتے ہیں۔

ہمارے مذکورۂ بالا موقف کی تائید درج ذیل آیۂ تنذیری سے ہو جاتی ہے جس میں قُرآنِ مجید نے "کِبر" کی تفسیر اپنے اِیجازِ بلاغت سے خود ہی کر دی ہے ، جیسا کہ اُس کا دستور ہے :

★ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِىْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ

Marfat.com

بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (المؤمن ۴۰ : ۵۶) : اصل یہ ہے کہ جو لوگ کسی سند و دلیل کے بغیر جو اُن کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات، یعنی اس کے رہبرانہ احکام و اُصول اور تعلیمات وکلمات (کو تسلیم بالیقین کرنے کے بجائے) ان کے بارے میں بحث وجدال کرتے (یعنی اُن کی من مانی تاویل کرتے اور ان کو درست ثابت کرنے کی خاطر اہلِ حق سے مناظرہ کرتے) ہیں، اُن کے سینوں میں کبریائی وعظمت یا بڑائی (کے جھوٹے داعیہ) کے سوا کچھ نہیں ہوتا، جس تک وہ ہرگز پہنچنے والے نہیں۔ پھر (عقل وتقویٰ کا تقاضا یہ ہوا کہ) اللہ کی پناہ مانگو۔ بلاشُبہ وہ سب کچھ سُننے والا۔ سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

نُکتہ : اِس جدالِ بے دلیل اور کبر کی ایک زندہ وعبرتناک مثال ہمیں پاکستان کے موجودہ حکمرانوں، ہامانوں، ابن الوقت وطالع آزما، سیاسی ومذہبی رہنماؤں، اہلِ قلم، عُلمائے سُوء اور مشائخ سالوس میں ملتی ہے جو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر ونواہی (مثلاً صلوٰۃ وزکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نظاموں، نیز سُود، سُودکاری یا سُودی سرمایہ کاری، بینکاری، سرمایہ داری، جاگیرداری، زمینداری، العفو، بُخل، اکتناز واحتکار وغیرہ وغیرہ) کی تاویل باباطل کرنے اور اپنا موقف درست ثابت کرنے کی خاطر بحث وتمحیص میں لگے ہوئے ہیں۔

اَلْكَبِيْرُ کے لفظ کو قُرآنِ مجید نے اصطلاحاً مُتعدد معانی میں استعمال کیا ہے، مثلاً گناہِ کبیرہ :

★ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ (البقرۃ ۲ : ۲۱۷) : کہہ دیجیے کہ اس محترم مہینے میں لڑائی (Warfare) گُناہِ کبیرہ یا بہت بڑی قانون شکنی (Transgression) ہے۔

كُبَرَآءَ : بزرگ یا وڈیرے۔

★ وَقَالُوْا رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۶۷) : اور وہ کہیں گے : اے ہمارے پروردگار ومالک! ہم نے اپنے سادات یا سیّدوں اور اپنے بزرگوں کی فرماں برداری کی، (اس کے نتیجے میں) انھوں نے ہمیں صراطِ مُستقیم یا حسین وفطری راہِ راست سے بھٹکا دیا، یا ہم پر صراطِ مُستقیم گُم کردی۔

اَلْكِبَرُ : بُڑھاپا، پیری، سالخوردگی۔

★ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ (آلِ عمران ۳ : ۴۰) : میں سالخوردہ یا بُڈھا ہوگیا ہوں، بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں (نیز دیکھیے ابراھیم ۱۴ : ۳۹ ؛ مریم ۱۹ : ۸ وبمواضع کثیرۃ)۔

★ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۴۵) :

Marfat.com

اور صبر (یعنی تحمّل و برداشت، استقامت و ثابت قدمی اور حوصلہ مندی) اور صلوٰۃ (کے قیام اور اس کے تقاضے پورا کرکے اللہ) سے (اُس کی) مدد و نُصرت کی طلب و جستجو کرو۔ اور ایسی صلوٰۃ قائم کرنا سب کے لیے بہت کٹھن کام ہے، بجز اُن کے جو فرماں برداری کا داعیہ رکھنے والے ہیں۔

★ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (الکهف ۱۸: ۴۹): یہ کیسی کتاب ہے کہ جو نہ چھوٹی شے کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی شے کو، مگر اسے رقم کرلیتی ہے (یُونُس ۱۰: ۶۱)۔

كَبَائِرُ: گُناہ ہائے کبیرہ یا بڑے بڑے گناہ یا جرائم۔

★ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ... (النّسآء ۴: ۳۱): اگر تُم بڑے گناہوں، جُرموں وغیرہ کے اِرتکاب سے اِجتناب کرو گے جن سے تمھیں منع کیا گیا ہے۔

اس لفظ کی تفسیر قُرآنِ مجید نے خود ہی کردی ہے:

★ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ (النّجم ۵۳: ۳۲): وہ جو بڑے بڑے گُناہوں اور بے حیائی کے افعال سے بچتے ہیں، سوائے صغیرہ گُناہوں کے۔

أَكْبَرُ: ضد أَصْغَرُ: بمعنی بڑا۔ یہ اچھے اور بُرے دونوں معانی میں بولا جاتا ہے، مثلاً

(ا) بُرے معنوں میں

★ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرۃ ۲: ۲۱۷): اور حرم والوں کو اس سے نکال دینا، اس سے بھی زیادہ گُناہ و جُرم کی بات ہے اور فتنہ انگیزی کسی کو قتل کردینے سے بڑا جُرم ہے۔

(ب) اچھے معنوں میں

★ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبة ۹: ۷۲): اور اللہ کی خوشنودی تو سب سے بڑی نعمت ہے؛ (اس لیے کہ یہ عظیم کامیابی ہے) (موضوعِ مذکور)۔

★ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت ۲۹: ۴۵): اور اللہ کا ذکر (سب عبادتوں سے) اہم ترین ہے۔

نُکتہ: ذِکرُاللہ کی یہ قُرآنی اِصطلاح ازبس بصیرت افروز و اہم ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی توحیدِ اُلوھیت و ربُوبیّت، تعلیمات و احکام اور اس کے بتائے ہوئے حقائق و عقائد اور ایمانیات کی قلم و نطق اور دیگر جُملہ ذرائعِ اِبلاغ کے ذریعے نشر و اِشاعت کرنا۔ اَكْبَرُ کی تانیث كُبْرٰی ہے (طٰہٰ ۲۰: ۲۳؛ الدُّخان ۴۴: ۱۶ و بمواضعِ کثیرہ)۔

Marfat.com

اَلْكِبْرِيَآءُ :

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط (یُونُس ۱۰: ۷۸): اور (فرعون نے کہا) مُلک میں تُم دونوں (بھائیوں) کے لیے حاکمیتِ اعلیٰ (Supreme sovereignty) قائم ہو جائے۔

س ک ن (سکن)

سَكَنَ (مضارع، اس کا مصدر سُكُوْنٌ)، اس کا اِستعمال ہر چیز یا متحرک چیز سے متعلق ہوتا ہے، وہ چیز ٹھیر گئی، رُک گئی، ساکن یا بے حرکت ہوگئی، یا آرام، سکون کی حالت میں ہوگئی؛ خاموش، ساکت یا پُرسکون ہوگئی (صِحاح، مُغرب، لِسان، مصباح، قاموس): انگریزی میں It was, or became, still, motionless, stationary, in a state of rest, quiet, calm, or muffled .

انہی معانی میں اس کا اطلاق اِنسان و حیوان پر بھی ہوتا ہے۔

محاورہ ہے: سَكَنَ الدَّمْعُ وَ الدَّمُ: بمعنیٰ رَقَا "آنسو اور خُون بہتے بہتے رُک گیا یا بند ہوگیا (صحاح، اور مُغرب بذیلِ مادّہ رَقَا) ۔ سَكَنَتِ النَّارُ: آگ بُجھ گئی؛ یا وہ فروزاں یا شعلہ زن نہ رہی؛ اس کی تیزی کم ہوگئی یا وہ دھیمی ہوگئی (موضوعِ مذکور) ۔ The fire became extinguished; or became allayed or assuaged; subsided; or ceased to flame or blaze or burn fiercely.

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلسُّكُوْنُ : حرکت کے بعد ٹھیر جانے کو "سُکُوْن" کہتے ہیں، اور کسی جگہ رہائش اختیار کر لینے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے؛ اور سَكَنَ فُلَانٌ مَكَانَ كَذَا کے معنی ہیں: اس نے فُلاں جگہ رہائش اِختیار کر لی۔ اِسی اعتبار سے جائے رہائش کو مَسْكَن کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع "مَسَاكِنُ" آتی ہے۔

سَكَنٌ: اُس آگ کو بھی کہتے ہیں جس کے ساتھ سکون حاصل کیا جاتا ہے۔

اَلسُّكْنٰى: کسی کو بغیر کرایہ کے اپنے مکان میں رکھنے کو سُکْنٰی کہا جاتا ہے، اور ایک مکان میں رہنے والوں کو سَكْنٌ کہا جاتا ہے اور یہ جمع ہے سَاكِنٌ کی؛ جیسے سَافِرٌ کی جمع سَفْرٌ آتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سَاكِنٌ کی جمع سُكَّانٌ (بضمۂ سین) آتی ہے اور سَكَّانٌ (بفتحہ سین) کشتی کے پتوار کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے کشتی کو ٹھیرایا جاتا ہے۔ اَلسِّكِّيْنُ: چُھری کو سِكِّيْنٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مذبوح کی حرکت کو زائل کر دیتی ہے (المفردات)۔

Marfat.com

السَّکَنُ: ہر مرغوب و محبوب شے کو کہتے ہیں جس سے راحت و قرار حاصل ہو جائے۔
السَّکِیْنَۃُ: اِطمینان و سکون اور وقار کو بھی کہتے ہیں؛ نیز جمعیتِ خاطر کو بھی (تاج، مُحکم)۔
سَکَّنَہٗ (مصدر تَسْکِیْنٌ): اُس شخص یا چیز نے اُسے خاموش، بے حرکت، اور آرام و سکون کی حالت میں کر دیا (صحاح، لسان، مصباح، قاموس)۔
سَکِنَۃٌ: کوئی جگہ؛ زیادہ صحیح یا انسب رہائش یا سکونت کی جگہ۔ جمع سَکِنَاتٌ (لسان)۔
مِسْکِیْنٌ اور مَسْکِیْنٌ: اس کے بنیادی معنی ہیں: متواضع ہطیع، عاجز (صحاح، مُغرب، لسان وغیرہم)۔ ایک حدیثِ طیبہ میں ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ (مُغرب، لسان): یا اللہ! اپنا فقیر و خاکسار بنا کر مجھے زندگی کرنے دینا، اور مجھے فقر و خاکساری کی حالت میں موت دینا اور فقراء اور خاکساروں کے زُمرے میں میرا حشر کرنا، یعنی قیامت کے روز دوبارہ زندہ کر کے اِن کے ساتھ اِکٹھا رکھنا۔ بعض موقعوں پر اس سے مُراد عاجز و فروتن، ذلیل، یا ذلت و مسکنت کی حالت میں ہونا؛ بعض اوقات اس کے معنی ہوتے ہیں، کمزور، بے بس، مُفلس، ایسا شخص جس کے کاروبار یا معاشی زندگی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہو، خواہ وہ فارغ البال ہی کیوں نہ ہو (ابن الاثیر الجزری، لسان، مصباح، قاموس)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

سَکَنَ: زندگی کرنا، رہنا = To live or dwell

★ وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ ؕ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (الانعام ۶: ۱۳): اور ہر مخلوق جو (عالَم) شب و روز میں رہتی (dwelleth) یا زندگی کرتی ہے، اسی کی ہے؛ اور وہ ہر ایک بات سُنتا اور جانتا ہے۔

★ وَّسَکَنْتُمْ فِیْ مَسٰکِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (ابراھیم ۱۴: ۴۵): اور تُم ان لوگوں کی بستیوں میں رہ چکے تھے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظُلم کیا تھا (یعنی اپنے آپ کو اہلِ نار بنایا تھا)۔

تَسْکُنُوْا: آرام کرنا، راحت و سکون حاصل کرنا، تسکینِ جذبات، جمالیاتی ذوق کی تسکین حاصل کرنا۔

★ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا ؕ (یُونُس ۱۰: ۶۷): وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمھارے لیے رات (تاریک) بنائی تاکہ تُم اِس میں آرام کرو یا راحت و سکون حاصل کرو

Marfat.com

اور دن روشن بنایا (تاکہ اس میں محنت یا کام کاج کرو)۔

نُکتہ: اِس میں یہ اصلِ عظیم مُضمر ہے کہ اِنسان مُحنت ومشقت کے لیے پیدا کیا گیا ہے (البلد ۹۰: ۴)؛ اس کے لیے اُس نے روزِ روشن بنایا اور دن بھر کی تھکن دُور کرنے اور آرام وراحت حاصل کرنے کے لیے اُس نے رات کو تاریک بنایا۔

اُسْکُنْ: بُودوباش اِختیار کرنا (البقرۃ ۲: ۳۵؛ الاعراف ۷: ۱۹، ۱۶۱؛ الاسراء ۱۷: ۱۰۴ وبمواضعِ کثیرہ)۔

★ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ (المؤمنون ۲۳: ۱۸): پھر (بارش کے پانی کو) زمین میں ٹھیرا دیا۔

سَكَنٌ: سکینت : Contentment, solace, assuagement

★ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط (التوبۃ ۹: ۱۰۳): (اے نبیؐ!) آپ کی دُعا اُن کے لیے موجبِ تسکین و طمانیت ہے = Your prayer is an assuagement for them

(دیکھیے البقرۃ ۲: ۲۴۸؛ الانعام ۶: ۹۶؛ التوبۃ ۹: ۲۶؛ الفتح ۴۸: ۴، ۱۸ وبمواضعِ کثیرہ)۔

مَسَاكِنُ: Places of residences; dwellings : مکانات، سکونت یا رہائش گاہیں۔

★ وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ (التوبۃ ۹: ۲۴): مکانات جو تمھیں اس قدر پسند ہیں (نیز دیکھیے التوبۃ ۹: ۷۲؛ ابراھیم ۱۴: ۴۵ وبمواضعِ کثیرہ)۔

مِسْكِيْنٌ (جمع مَسَاكِيْنُ): حاجت مند، مفلوک الحال، تنگ دست؛ Needy of sustenance

★ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الحاقّۃ ۶۹: ۳۴؛ الماعون ۱۰۷: ۳): اور وہ اہلِ احتیاج کی روزی کا بندوبست کرنے کے لیے (حکومت اور معاشرے کو) مجبور نہیں کرتا تھا (Do not urge upon)۔

نُکتہ: یہاں "مِسْكِيْن" اِسمِ جنس کے طور پر آیا ہے، اس لیے جمع کا مفہوم دیتا ہے۔

ا ک ل (اکل)

أَكَلَهُ (مضارع اور مصدر اَكْلٌ اور مَأْكَلٌ): اُس نے اُسے کھالیا (صِحاح، قاموس)، جیسے کھانا، پھل وغیرہ۔ الرُّمانی کا قول ہے کہ اس کے درست معنی ہیں: کھانے کو چبانے کے بعد نگل جانا (The swallowing food after chewing it)؛ دیکھیے (المصباح)۔ کسی کھانے کی چیز کو نگل جانا، چاہے اُسے چبایا جائے یا نہ (تاج)۔ ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں: بتدریج کم ہونا (المُجمل)۔

Marfat.com

چنانچہ پینے والی چیز کو "مشروب" اور کھانے والی چیز کو "ماکول" کہتے ہیں۔

هُوَ يَأْكُلُ النَّاسَ اور يَأْكُلُ لُوَ النَّاسِ : اس کا لفظی ترجمہ ہے : وہ آدمیوں کو کھاتا ہے، نیز وہ آدمیوں کا گوشت کھاتا ہے، لیکن اس کا مطلب ہے : وہ آدمیوں کو بدنام کرتا ہے ؛ یا وہ ایسا اُن کی غیر موجودگی میں کرتا ہے (تاج) ۔ اَكَلَ مَالِي : وہ میرا مال ومنال یا جائیداد ہضم کر گیا (تاج) (He ate, fed upon, devoured or consumed, my wealth or property) ۔ اَكَلَتِ النَّارُ الْحَطَبَ : آگ لکڑیوں کو کھا گئی یعنی ان کو ختم کر دیا (صحاح، مُغرب) ۔ اَكَلَ عُمْرَهٗ : اُس نے اپنی عمر ختم کر لی (He consumed his life) (مُغرب) ۔

مَأْكُوْلٌ : جو چیز کھائی جائے (Any eatable) دیکھیے تاج، صحاح ۔

اَكْلٌ اور اُكُلٌ جو چیز کھائی جائے (صحاح، مصباح، تاج) ۔ اسی سے مَاكُوْلٌ ہے ۔

اٰكَالٌ (جمع) کے معنی ہیں : روزی کے ذرائع، دُنیوی خیر یا مال ومنال (مذکورہ ماخذ) ۔

مُوَاكِلٌ : وہ شخص جو دوسروں کا مال ومنال لے کر ہضم کر جاتا ہے (تاج) ، یعنی جو لوگوں کا استحصال کرتا ہے، اس کے لیے اس تلمیذ القرآن نے "معاشرتی سرطان" یا بشری سرطان کی تعبیر اختیار کی ہے (Social or human cancer) ۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَكِيْلَةُ الْاَسَدِ : شیر کا شکار کیا ہوا جانور ۔ اَلْاَكُوْلَةُ : بکری جو کھانے کے لیے موٹی کی گئی ہو ۔ اَلْاَكِيْلُ : ہم پیالہ وہم نوالہ ۔ اَلْاَكُوْلُ وَالْاَكَّالُ (مبالغہ) : زیادہ کھانے والا، پیٹو ۔ کبھی اَكْلٌ سے کسی چیز کا فاسد ہو جانا مُراد ہوتا ہے ۔

تَاَكَّلَ كَذَا : کسی چیز کا خراب ہو جانا ۔

مِيْكَائِيل : ایک فرشتے کا نام ہے، اور یہ عربی لفظ نہیں ہے (المفردات) ۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

اَكَلَ : کھا لینا، ہضم کر لینا ؛ لیکن قرآن حکیم نے اصطلاحاً کسی درندے کا شکار کو زخمی کر کے دبوچ لینا، شکاری کے پاس زندہ لے کر آنا، جیسے اِس آیت میں ہے :

★ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدۃ ۵ : ۳) ۔ حرام ہے کسی درندے کا دانتوں میں چبایا ہُوا

Marfat.com

شکار (جو ابھی زندہ ہو)، لیکن اگر اُسے ذبح کر لیا جائے تو وہ جائز ہے۔

★ فَاَكَلَا مِنْهَا (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۱): تو دونوں نے اس کا مزہ چکھا؛ یہ مجازی معنیٰ ہے، اور یہ آیہ متشابہات میں سے ہے۔

★ تَاْكُلُهُ النَّارُ (آلِ عمران ۳: ۱۸۳): جسے آگ کھا جائے، یعنی بھسم کر دے۔

تَاْكُلُوْا: مال و منال، جائیداد وغیرہ کو ہتھیالینا، ہضم کر لینا۔

★ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ ۲: ۱۸۸): اور تم اپنا مال و منال آپس میں ناحق یا غلط طریقوں سے ہتھیا کر ہضم نہ کر لیا کرو۔

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آلِ عمران ۳: ۱۳۰): اے لوگو جو ایمان لائے ہو! سُود در سُود (یا مرکّب سُود) ہرگز نہ کھاؤ۔

★ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النّسآء ۴: ۱۰): جو لوگ یتیموں کا مال و منال ناانصافی کے ساتھ ہضم کر لیتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹوں میں آگ بھر کر اس کی جگالی کرتے ہیں؛ اور عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔

نُکتہ: ستمگر سرشتوں کا ٹھکانا آتشکدہ ہی ہونا چاہیے اور ہوگا۔

★ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف ۷: ۳۱): اور کھاؤ اور پیو، لیکن اللّے تلّلے نہ کرو (Do not squander; or do not prodigalize.)۔

نُکتہ: قرآنِ مجید نے اپنی سُنّت کے مطابق كُلُوْا کے مقابل اشْرَبُوْا کو لا کر دونوں کے بنیادی معانی کی صراحت کر دی۔

مَاْكُوْلٍ: کھا کر جگالی کیا ہوا بھوسا۔

★ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ (الفیل ۱۰۵: ۵): تو اُن کو ایسا (ملیدہ) کر دیا جیسا (چوپایوں کا) جگالی کیا ہوا بھوسا۔

الْاُكُلِ: لذّت، مزہ یا ذائقہ (Taste)، نیز پھل یا میوہ (Fruit)۔

★ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ (الرّعد ۱۳: ۴): اور بعض پھلوں کو دوسروں پر لذّت و ذائقہ کے لحاظ سے فضیلت دی ہے۔

★ ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ (سبا ۳۴: ۱۶): ان باغوں کے پھل کڑوے اور بدمزہ تھے (نیز دیکھیے الکھف ۱۸: ۳۳)۔

Marfat.com

ر غ د (رغد)

رَغِدَ (مضارع ؛ مصدر رَغَدٌ اور رَغْدٌ ؛ اور رَغُدَ) مضارع، مصدر رَغَادَۃٌ : وہ چیز (کسی کی زندگی) اپنے ذرائع و وسائل یا احوال و ظروف کے اعتبار سے فراخ، کُشادہ یا وافر و بافراغت، خوشحال ہوگئی (صحاح، قاموس، مصباح): It (one's life) was, or became, ample in its means or circumstances, unstraitened, or plentiful, and easy and pleasant.

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

رَغَدًا و رَغِیْدًا : آسودہ زندگی ؛ خوشحال زندگی (تاج، مصباح)۔

اَرْغَدَ الْقَوْمُ : آسودہ و خوشحال زندگی کرنا (اساس، مصباح)۔

اَرْغَدَ مَاشِیَتَہٗ (مَوَاشِیَھُمْ) : اُس نے یا انھوں نے اپنے مویشی چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیے۔

اَلْمِرْغَادُ : ایک قسم کا کھانا جو دُودھ میں خرما ملا کر بنایا جاتا ہے اور وافر ہونے کی وجہ سے زندگی کی آسودگی پر دلالت کرتا ہے (المفردات) اسے رَغِیْدَۃٌ بھی کہتے ہیں (صحاح، قاموس)۔

الرَّغَدُ : مال، پانی، گھاس، روزی وغیرہ کا وافر، کثیر اور بافراط حِصّہ، جو طبیعت میں تکدُّر پیدا کرے نہ باعثِ پریشانی ہو (تاج)۔

اَسْتَرْغَدَ الْعَیْشَ : اُس نے زندگی کو خُوشگوار و خوشحال، فراخ و آرام دہ پایا (الحریری : مقامات، ص ۶۵)۔

الرَّغْدُ (مُذکّر و مؤنث اور واحد و جمع) بافراغت و مرفّہ الحال زندگی گزارنے والا۔

اَلْمَرْغَدَۃُ : مرغزار، سبزہ زار یا باغ : مترادف رَوْضَۃٌ (لِسان)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

رَغَدًا : جی بھر کر، بافراغت، بغیر روک ٹوک کے، آزادی سے،

★ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا (البقرۃ ۲ : ۳۵) : اور اس (باغ) سے جہاں سے چاہو آزادی سے جی بھر کر کھاؤ۔

Marfat.com

اس کی تفسیر قرآن مجید نے اپنے معمول کے مطابق خود ہی کر دی ہے کہ جنّت سے مُراد ثمر ور باغ یا جنگل ہے۔ ارشاد ہوا :

★ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا (البقرۃ ۲: ۵۸): اور جب ہم نے اُن سے کہا کہ اِس بستی میں داخل ہو جاؤ (رہنے کے لیے) اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر آزادی سے کھاؤ۔

★ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (النحل ۱۶: ۱۱۲): اس بستی میں اس کے لیے رزق (Sustenance) ہر جگہ سے وافر مقدار میں آتا تھا۔

ح ی ث (حیث)

حَيْثُ : یہ ظرفِ مکان مبنی برضمہ ہے۔ مکان مبہم کے لیے آتا ہے جس کی مابعد کے جُملے سے تشریح ہوتی ہے (المفردات)؛ اس کے معنی ہیں : کہاں، کس جگہ، کُجا۔ یہ زمان کے لیے بھی آتا ہے (تاج محیط)۔ محاورہ ہے : اَقُوْمُ حَيْثُ يَقُوْمُ زَيْدٌ : میں وہاں کھڑا ہوں جہاں زید کھڑا ہوگا۔ اور حَيْثُ تَكُوْنَ اَكُوْنُ : جہاں تُم ہو گے میں بھی ہوں گا (صحاح) - اِذْهَبْ حَيْثُ شِئْتَ : جہاں تیری مرضی جا (مصباح، مادہ حین)۔ اِس لفظ کا اِستعمال باندازِ دیگر بھی ہوتا ہے، خصوصاً علمی اور کلاسیکی تصانیف میں : مثال کے طور پر مِنْ حَيْثُ ان معنی میں اِستعمال ہوتا ہے : کسی اعتبار یا حیثیت میں۔ جیسا کہ اِس جُملے میں مِنْ حَيْثُ اللَّفْظِ وَالْمَعْنٰى : لفظ اور معنی کے اعتبار سے (As to,or in respect of the word and the meaning)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

حَيْثُ : جہاں، جس جگہ یا جہاں سے، جب، جس وقت : (Wheresoever, whenever)

★ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (البقرۃ ۲: ۳۵): اور اس میں سے جہاں یا جس جگہ سے جب چاہو آزادی سے کھاؤ (نیز دیکھیے ۲: ۵۸ و بمواضع کثیرہ) -

★ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرۃ ۲: ۱۴۴) : اور تُم لوگ جس جگہ یا جہاں بھی ہُوا کرو اس مسجدِ حرام کی سمت یا طرف اپنا مُنہ یا رُخ کر لیا کرو۔

Marfat.com

★ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ (الانعام ۶ : ۱۲۴) : اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں اور کس ذات پر ارزانی کرے = Allah best knows where to and on whom to bestow His Apostalic Commission.

★ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (القلم ۶۸ : ۴۴) : ہم ان کو ایسی جہت یا ایسے طریقے سے بتدریج دھکیلتے جاتے ہیں کہ جسے وہ نہیں جانتے۔

ق ر ب (قرب)

قَرُبَ (مضارع) ، مصدر قُرْبٌ ، اور قُرْبَۃٌ اور قَرَابَۃٌ اور قُرْبٰی اور مَقْرَبَۃٌ (صحاح، مُغرب، العُباب ، مصباح) : وہ شخص (یا چیز) نزدیک آگیا (یا آگئی) : مترادف دَنَا ، اور ضد بَعُدَ : (مُغرب) یا قُرْبٌ ، جگہ میں (In place) آتا ہے اور قُرْبَۃٌ ، مقام ، درجے یا عہدے میں (In station, or grade and rank) آتا ہے ، اور قَرَابَۃٌ اور قُرْبٰی بحیثیتِ رحم استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے : رشتے داری یا عورت کی طرف سے رشتے داری (مُغرب ، مصباح ، تاج) یا الازہری کی تہذیب کی رُو سے قَرَابَۃٌ اصل میں النَّسَب میں ہوتی ہے ، یعنی عام مفہوم میں رشتے داری ، (تاج) ۔

قِرْبَانٌ اور قُرْبَانٌ : وہ (شخص) اس کے قریب ہوگیا (He (a man) was or became near to it) ، مترادف دَنَا (صحاح ، اساس ، العُباب ، قاموس) ۔ اعراب کہتے ہیں : لَا تَقْرَبْ (بفتح ر) کَذَا : تو اس کے معنی ہوتے ہیں : فُلاں فعل ، کام یا چیز کرنے میں اپنے آپ کو مشغول نہ کرنا (الغاسی ، تاج وغیرہ) : انگریزی میں : Occupy not thyself with doing such a thing ۔

قَرِبْتُ الْمَرْأَۃَ (مصدر قِرْبَانٌ) ، یہ مجازی محاورہ ہے اور اس کے معنی ہیں : میں عورت سے ہم آغوش یا ہم بستر ہوگیا۔ تَقَرَّبَ مِنْہُ : وہ آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ اُس کے قریب ہوتا گیا (تاج) : انگریزی میں He drew near, or approached, by little and little or gradually to a thing.

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْقُرْبَانُ (نیاز) : ہر وہ چیز جسے اللہ کا قُرب حاصل کرنے کے لیے کیا جائے ، اور عُرف میں قربان بمعنی نَسِیْکَۃٌ یعنی ذَبِیْحَۃٌ آتا ہے۔ اس کی جمع قَرَابِیْنُ ہے۔

اَلتَّقَرُّبُ : ایسی چیز کا قصد کرنا جس سے دُوسرے کے ہاں قدر و منزلت حاصل ہو ، اور اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

کسی بندے کے قریب ہونا باعتبارِ مکان نہیں ہوتا، بلکہ اس پر فضل وکرم اور فیضِ (خاص) جاری کرنا مُراد ہوتا ہے، حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا (الترمذی): جو شخص ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

قَدَحٌ قَرْبَانٌ: تقریبًا بھرا ہوا پیالہ، اور قِرْبَانُ الْمَرْءَةِ: عورت سے مجامعت کرنا۔

رَجُلٌ قَارِبٌ: آدمی جو پانی کے قریب پہنچ جائے۔ اَلْمُقْرِبُ: حاملہ عورت جو قریب الولادت ہو (المفردات)۔

قَرُبَ (مضارع، مصدر قُرْبٌ) کے یہ معنی بھی آتے ہیں: اُس نے ایسی رائے قائم کی جو تحقیق و صحت کے قریب تھی: He formed an opinion that was near to certainty. (الفاسی)۔

اعراب کا محاورہ ہے: قَرَبَتِ الشَّمْسُ لِلْمَغِيْبِ: سورج ڈوبنے کے قریب ہو گیا (تاج)۔

وَاِنْ تَقْرُبُ بِذٰلِكَ اِلَّا اَنْ نَّحْمَدَ اللّٰهَ: ہمیں اس کے سوا کسی چیز کی طلب وجستجو نہیں کہ اللہ کی حمد یا تعریف وستائش اور تشکّر وسپاس کریں (ابوزید، تاج)۔

قَدْ قَرَبَ اَمْرًا لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ: اُس نے کوئی کام کرنے کی طلب وجستجو کی ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے (الزمخشری: اساس، العُباب)۔

حَيَّا وَقَرَّبَ: اس محاورے کا مطلب ہے: اُس نے کہا: حَيَّاكَ اللّٰهُ وَقَرَّبَ دَارَكَ: اللہ تجھے زندہ رکھے یا تیری عُمر دراز کرے اور تیرا ٹھکانا قریب کرے (اساس، العُباب، قاموس)۔ یہ دُعا میزبان مہمان یا ملنے آنے والے کو کہتا ہے (تاج)۔ اَلتَّقْرِيْبُ: یہ لفظ قُرب پر بھی دلالت کرتا ہے (مُغنی اور قاموس)۔

قَرِيْبٌ: جگہ یا مقام کے لحاظ سے نزدیک ہونا (صحاح، العُباب، مصباح وغیرھم)۔ شاملِ حال ہونا یا دل کے قریب ہونا (کلیدِ لُغاتِ قُرآن)۔

★ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الاعراف ۷: ۵۶):
یقینًا اللہ کی رحمت اِحسان وحسنہ کرنے والوں کے شاملِ حال ہوتی ہے۔
اَقْرَبُ: بلحاظِ مقام و وقت یا زمان و مکان کے لحاظ سے، قریب تر یا قریب ترین۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

تَقَرُّبًا: قریب جانا، لیکن الاعراب کے محاورے میں اس سے مُراد کسی فعل کا ارتکاب کرنا، یا کسی

Marfat.com

چیز یا کام کا کرنا ہے۔

★ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (البقرۃ ۲ : ۳۵) : اور اس درخت کے پاس نہ جانا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے جو عام طور سے کیا جاتا ہے، لیکن یہ کنایہ ہے کہ اس شجر کی لذت سے آشنا نہ ہونا (الاعراف ۷ : ۱۹)۔ اس محاورے کے معانی کی تائید ان آیاتِ تنذیری سے ہوتی ہے :

★ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا (النسآء ۴ : ۴۳) : اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشے میں سرمست ہو تو صلوٰۃ قائم نہ کرو، یہاں تک کہ تم سمجھنے بوجھنے لگو جو مُنہ سے کہتے ہو، اور نہ حالتِ جنابت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو بجز اس کے کہ تم سفر کر رہے ہو۔

★ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (الانعام ۶ : ۱۵۲) : یتیم کے مال و دولت میں تصرّف نہ کرو، بجز اس کے کہ اس کا استعمال بہترین ہو۔

★ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام ۶ : ۱۵۱) : اور بے حیائی کے کام چاہے ظاہر ہوں یا پوشیدہ، ہرگز نہ کرنا۔

قَرَّبَا : نیاز یا قربانی وغیرہ کا دینا۔

★ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا (المائدۃ ۵ : ۲۷) : جب ان دونوں نے (اللہ کے حضور قربانیاں چڑھائیں : (Offered sacrifices)۔

قَرَّبْنٰهُ : اللہ تعالیٰ کا (یا کسی حکمران و سردار وغیرہ کا) کسی شخص کو اس کی عزت افزائی کے لیے اپنا مقرّب بنانا یا اُسے اپنی قُربت کا مرتبہ دینا۔

★ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا (مریم ۱۹ : ۵۲) : اور (وحی کے ذریعے کلام کرنے کے لیے) اُسے (حضرت مُوسیٰؑ کو) مرتبۂ قُربت عطا کیا۔

★ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۲۷) : ان کے کھانے کے لیے (موٹے بچھڑے کو) اُن کے سامنے چُن دیا (Placed or set before them)۔

تُقَرِّبُ (اِلَی اللہ) : اللہ کی نظرِ کرم میں ہونا، اس کے حضور فضیلت و مرتبے میں بلند ہونا، مقرّب ہونا۔

★ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (سبا ۳۴ : ۳۷) : اور نہ تمہارا مال و منال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمھیں

Marfat.com

ہمارا مقرّب بنا دیں یا ہمارے حضور تمہارا مرتبہ بلند کر دیں ؛ مگر ہمارا قُرب اُسے حاصل ہوتا ہے جو ایمان لائے اور حُسنِ عمل کرے (دیکھیے العلق ۹۶ : ۱۹ ؛ البقرۃ ۲ : ۱۸۶، ۲۱۴ و بمواضعِ کثیرہ)۔

اَقۡتَرَبَ : قُرب زمانی و مکانی بھی ہوتا ہے ، مثلاً دیکھیے الاعراف ۷ : ۱۸۵ ؛ الانبیآء ۲۱ : ۶۱ ؛ القمر ۵۴ : ۱)۔

اَلۡقُرۡبٰی : قرابتداری ، رشتے داری ، ہمسائیگی ، قُربتِ مکانی (دیکھیے البقرۃ ۲ : ۸۳، ۱۷۷ ؛ النّسآء ۴ : ۸، ۳۶ و بمواضعِ کثیرہ)۔

★ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی (الشّوریٰ ۴۲ : ۲۳) : میرے نبیؐ ! اِعلان کر دیجیے : "اے لوگو (جو خدمات مَیں اللہ کے دین اور اس کے بندوں کے لیے سرانجام دے رہا ہوں) میں ان کا صلہ ہرگز تم سے نہیں مانگتا ؛ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم آپس کی قرابتداری سے محبّت کرو (یعنی اپنے اعزّہ و اقارب ، ہمسایوں ، رفیقانِ کار و سفر سے حُسنِ سلوک کرنا۔

اہم نکتہ : اَلۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی کے یہ معنی لینا کہ "رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ السَّلام نے لوگوں سے درخواست کی ہے کہ وہ آپ کے اعزّہ و اقارب ، خصوصاً پنج تن سے محبّت کریں" ، قرآن و لُغت اور اہلِ عرب کی بول چال کے لحاظ سے قطعاً غلط اور باطل ہے ، اور اس سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی (عیاذًا باللہ) تنگ نظری اور خاندانی عصبیت بھی ثابت ہوتی ہے ، حالانکہ ربُّ العٰلمین نے آپؐ کو تمام بنی نوعِ اِنسان کے لیے بالخصوص رحمتِ مَحض ، یعنی رحمۃً لِّلعٰلمین بنا کر بھیجا تھا (الانبیآء ۲۱ : ۱۰۷)۔

★ وَ اَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی (البقرۃ ۲ : ۲۳۷) : اور اگر تُم مرد اپنا حق چھوڑ دو تو یہ گویا تقویٰ کرنا یعنی اللہ کے قُرب و رضوان کی آرزو کرنا اور اس کی ناخوشی و دُوری سے ڈرنا ہوگا۔

★ ھُمۡ لِلۡکُفۡرِ یَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡھُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ (آلِ عمران ۳ : ۱۶۷) : اس دن اُن کے قُلوب اِیمان کی بہ نسبت کُفر کی طرف زیادہ مائل تھے۔

★ اِعۡدِلُوۡا قف ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ز وَ اتَّقُوا اللہَ ط (المائدۃ ۵ : ۸) : عدل یا انصاف کیا کرو۔ یہ بلحاظِ معنویت تقویٰ کے قریب ترین ہے ، اور اللہ کا تقویٰ کرو (یعنی اللہ کے قُرب و رضوان کی طلب و جُستجو کرتے اور اس کے قانونِ مُجازات سے ڈرتے رہو)۔

★ یَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّہٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِہٖ (الحج ۲۲ : ۱۳) : وہ اُسے پُکارتا ہے جس سے نقصان پہنچنے کا اِمکان نزدیک تر ہے بہ نسبت اس سے فائدہ پہنچنے کے۔

قَرِیۡبٌ : اللہ کا اپنے بندے سے قُربِ علمی۔ بصری۔ سمعی۔ حکیمانہ ہوتا ہے ؛ اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے

Marfat.com

قُرب کے معنی ہیں کہ وہ اس کا مُقرّب، دوست، محبوب اور منعم الیہ یا انعام یافتہ ہے؛ نُصرتِ الٰہی کے قُرب کی نوعیت زمانی، مکانی، یقینی اور حکیمانہ ہوتی ہے۔اس میں عنقریب اور جلدی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

★ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ (البقرۃ ۲: ۱۸۶): (میرے نبیؐ!) میرے بندے جب آپ سے میرے متعلق دریافت کریں تو (کہہ دیجیے کہ) میں تو بلاشبہ تمھارے قریب یا پاس ہوتا ہوں۔
اِس قُربِ الٰہی کی نوعیت علمی۔بصری۔سمعی۔حکیمانہ ہے۔

★ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ (البقرۃ ۲: ۲۱۴): سُنو اور یقین کرو کہ اللہ کی مدد قریب ہے، یعنی آیا ہی چاہتی ہے۔ (یہ قُرب زمانی، یقینی اور حکیمانہ ہے اور اس میں عنقریب اور جلدی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے)۔

★ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ (النّسآء ۴: ۱۷): پھر جلد ہی توبہ کرتے ہیں، یعنی ندامت و پشیمانی کے ساتھ اللہ کی طرف جلد رجوع کرتے ہیں : Then turn soon (in repentence) to Allah for forgiveness.

اَلْاَقْرَبِیْنَ : نزدیک کے رشتے دار یا قریبی رشتے دار = Nearest kinsmen

★ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشُّعراء ۲۶: ۲۱۴): (ہمارے نبیؐ!) اپنے نزدیک کے رشتے داروں کو مُتنبّہ کرو (قانونِ مکافاتِ عمل، روزِ حساب اور عذابِ جہنّم سے) : انگریزی میں
O! my Prophet! Admonish your near kindred of Allah's law of Retribution, Doomsday and lasting tortures of Hell.

قُرْبَانًا : تقرُّب، قُرب یا وسیلۂ تقرُّب اِلَی اللہ۔ Means of access or approach to Allah.

★ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ (الاحقاف ۴۶: ۲۸): پھر کیوں انھوں نے ان لوگوں کی مدد نہیں کی جنھوں نے تقرُّب (اِلَی اللہ) کے وسیلے کے لیے اللہ کو چھوڑ کر اپنے معبود و حاکم بنالیا تھا۔

ش ج ر (شجر)

شَجْرٌ : یہ مصدر ہے شَجَرَ کا، اور اس کے معنی ہیں : پیچیدہ، پراگندہ، متنازع، خلط ملط، گنجلک یا بُری طرح گڈمڈ ہوگیا، نیز اِشْتِجَارٌ (تاج)۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے :

Marfat.com

شَجَرَ الْاَمْرُ بَيْنَهُمْ (مصدر شَجْرٌ اور شُجُوْرٌ) : معاملہ یا مقدمہ پیچیدہ، دقیق، گنجلک یا مُبہم ہوگیا، نتیجۃً، متنازع فیہ یا باعثِ اضطراب و تنازع بن گیا (قاموس، تاج، مصباح) - انگریزی میں

The affair, or case, was, or became, complicated, intricate or confused, so as to be a subject of disagreement, or difference between them. - مترادف اِضْطَرَبَ اور اِخْتَلَفَ (صحاح) - ہر وہ چیز جو مجتمع ہوکر پھر کسی وجہ سے بکھر جائے، شَجَرَۃٌ کہلاتی ہے (تاج) -

شَجَرَ بَيْنَهُمْ : ان کے درمیان وجہِ نزاع (Bone of contention) بن گیا (قاموس، تاج) -

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں : کسی چیز کا بلند ہونا اور اس کے اجزاء کا ایک دوسرے میں گُتھے رہنا (المُجمل) - نیز

شَجَرٌ کے معنی ہیں : درخت، پودے (Piants) یا جھاڑیاں (Shrubs) -

شَجَرَہٗ بِالرُّمْحِ : اُس نے اُس میں نیزہ گھونپ دیا (صحاح، اساس، قاموس، تاج) -

اَلشَّجَرَۃُ الطَّيِّبَۃُ : پاکیزہ و بارآور درخت : اس کی ضد ہے اَلشَّجَرَۃُ الْخَبِيْثَۃُ : گندہ اور بُرا درخت -

شَجَرَۃٌ کے معنی ہیں : اِنسان کا نسب یا اصل (العُباب، تاج) - The stock or origin of a man.

هُوَ مِنْ شَجَرَۃٍ طَيِّبَۃٍ : اور وہ شریف نسل کا ہے یا نجیبُ النَّسب ہے : He is of a good stock or origin. - دیکھیے (قاموس، تاج) - عربوں کا محاورہ ہے : مَا اَحْسَنَ شَجَرَۃَ ضَرْعِهَا : اس عورت کی شکل و صورت، قد و قامت اور پستانوں کا اُبھار کس قدر حسین ہے (اساس، العُباب، قاموس) -

اَلشَّجَرُ (درخت) وہ نباتات جس کا تنہ ہو، واحد شَجَرَۃٌ جیسے ثَمَرٌ وَ ثَمَرَۃٌ -

وَادٍ شَجِيْرٌ : گنجان درختوں والی وادی - درختوں سے معمور جگہ - اَلتِّجَارُ وَ الْمُتَاجَرَۃُ -

وَالتَّشَاجُرُ : باہم جھگڑنا اور اختلاف کرنا - شَجَرَنِيْ عَنْكَ : مجھے اُس سے دُور ہٹا دیا یا روک دیا -

اَلْمِشْجَرُ : لکڑی کا سہ پایہ (Stand) جس پر کپڑے لٹکائے جاتے ہیں (المفردات) -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

شَجَرَ : تنازع، اختلاف یا جھگڑا Dispute, controversy, quarrel, conflict contention, feud, litigation. -

Marfat.com

★ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النسآء ۴: ٦۵):
اصل یہ ہے اور آپ کا پروردگار و حاکم اِس پر شاہد ہے کہ یہ لوگ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات واختلافات میں آپ کو اپنا حَکَم یا منصف (Arbitrator or judge) نہ بنائیں۔

الشَّجَرُ: درخت (Tree)؛

★ اِلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا (یٰس ۳٦: ۸۰): وہی اللہ ہے جو سبز درخت سے تمھارے لیے آگ نکالتا ہے۔

الشَّجَرَةَ: بالوں سے پوشیدہ جھاڑی یا عورت کی شرمگاہ یا جنسی معروض (Object of sex)؛

★ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۳۵، الاعراف ۷: ۱۹):
اور اِس پوشیدہ بالوں والی جھاڑی یعنی شرمگاہ سے مقاربت نہ کرنا، ورنہ نافرمان اور حد سے نکلنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

شَجَرَةٌ اور اس آیت کی تفسیر قرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق خود ہی کر دی ہے:

★ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ ...... فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

(الاعراف ۷: ۲۰-۲۲):
چنانچہ شیطان دونوں کو سبز باغ دکھانے لگا تاکہ اُن کی شرمگاہوں کے حقائق کو جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھے، اُن پر آشکارا کر دے (اور اس طرح ان میں جنسی لذت سے آشنا ہونے کے خاموش جذبات کو بھڑکا دے اور اس کے لیے) ان کو (اس دلیل سے) سمجھانے لگا کہ تمھارے رب نے (اس جنسی معروض: Object of sex کی لذت سے آشنا ہونے سے) تمھیں فقط اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں دونوں فرشتے نہ بن جاؤ (جن کو جنسی لذت کی خواہش ہی نہیں ہوتی) یا تُم (اپنی نسل یا نژاد کی صورت میں) زندۂ جاوید نہ ہو جاؤ۔ اور ان کو قسمیں کھا کر باور کرانے لگا کہ "میں تمھارا خیر خواہ ہوں"۔ اس طرح انھیں دامِ فریب میں پھنسا لیا؛ نتیجتاً وہ جنس (Sex) کی لذت سے آشنا ہو گئے اور ان پر عورات یا شرمگاہوں کے حقائق آشکارا ہو گئے اور وہ ان کو ڈھانپنے کی خاطر ان پہ باغ سے پتے لے کر چپکانے لگے۔

Marfat.com

عورت کی شرمگاہ مرد کی کھیتی یا مبدائے نسل (Origin of progeny) ہے اور نسلِ انسان قیامت تک اور پھر آخرت میں نَشْأَۃِ ثانیہ کے بعد الحَیَوَان میں ابدالآباد تک زندہ رہے گی، اس لیے قرآن مجید نے اس کے لیے اِستعارۃً شَجَرَۃِ الْخُلْدِ کی تعبیر اختیار کی ہے (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲۰ وبعد)۔

یاددہانی کی خاطر اس اصل کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے کہ اپنے بندوں کو تمثیل، استعارے یا کنایہ سے سمجھانا سُنّتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ اُس نے مزرعِ عورت یا اس کی شرمگاہ کے لیے جس طرح شَجَرَۃً یا شَجَرَۃِ الْخُلْدِ کی تمثیل اختیار کی ہے، اُسی طرح اُس نے کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کے لیے تمثیلاً شَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ کی (ابراھیم ۱۴ : ۲۴)، اور کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کے لیے شَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کی تعبیریں اختیار کی ہیں۔ علاوہ بریں، اُس نے الشَّجَرَۃَ الْمَلْعُوْنَۃَ (Cursed tree ۱۰ الاسراء ۱۷ : ۶۰)؛ اور شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ (Blessed tree) کی تعبیریں استعارۃً اختیار کی ہیں (النّور ۲۴ : ۳۵)۔

شَجَرَۃٍ کو قرآن مجید نے متعدد مقامات پر درخت کے معنی میں استعمال کیا ہے، مثلاً وہ درخت جس کے نیچے مؤمنوں نے بیعت کی تھی، جسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں، اُسے الشَّجَرَۃِ کہا ہے (الفتح ۴۸ : ۱۸؛ نیز دیکھیے الواقعۃ ۵۶ : ۷۲)۔

ک و ن (کون)

کَانَ، فعلِ ناقص ہے، فعلِ ماضی کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ بیشتر صفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق استعمال ہو تو ازلیت، یعنی ہمیشہ سے ہے کے معنی دیتا ہے (المفردات)۔ دیکھیے (کلیدِ لُغاتِ قرآن)۔

کَانَ یَکُوْنُ کَوْنًا و کِیَانًا و کَیْنُوْنَۃً — الشَّیْءَ : وقوع پذیر یا واقع ہونا، پایا جانا ہے جب یہ فعل ناقص کی حیثیت سے ہو تو مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہے، اور مبتدا کو رفع (پیش) اور خبر کو نصب (زبر) دیتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ خبر کو مبتدا کے لیے ثابت کرتا ہے اور مبتدا کَانَ کا اسم کہلاتا ہے؛ جیسے کَانَ زَیْدًا قَائِمًا : زید کھڑا تھا۔ کبھی یہ فعل تام کی حیثیت سے بھی آتا ہے؛ جیسے فَقَالَ اللّٰہُ لِیَکُنْ نُوْرًا فَکَانَ نُوْرٌ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نُور ہو جا تو نُور پیدا ہو گیا؛ نیز جیسے کَانَ اللّٰہُ وَلَا شَیْءَ مَعَہٗ : اللہ موجود تھا جبکہ کوئی شے اس کے ساتھ نہ تھی۔

کَانَ جن مختلف معنوں میں آتا ہے، وہ لکھے جاتے ہیں تفصیل آگے کلیدِ لُغاتِ قرآن میں دی جائے گی :

(۱) یا حال ہے (۲) یا ماضی تھا (۳) یا مستقبل ہوگا (۴) یا ماضی قریب ہو گیا ہے (۵) مناسب سزاوار یا یَنْبَغِیْ (۶) وقع (۷) حصر (۸) منقطع زمانۂ ماضی (۹) دوام و استمرار (۱۰) تاکید کے لیے (۱۱) کبھی

Marfat.com

زائد بھی ہوتا ہے (۱۲) اَكُ جو واحد متکلم ہے اور اَكُنْ کے بجائے آتا ہے، جیسے تَكُ (مذکر حاضر اور مؤنث غائب دونوں کے لیے آتا ہے) تَكُنْ کے بجائے آتا ہے؛ نیز يَكُ (واحد مذکر غائب) يَكُنْ کے بجائے آتا ہے اور نَكُ جمع متکلم کے لیے اِستعمال ہوتا ہے۔ یہ فعل تام بھی ہے۔

كَانَ، يَكُوْنُ كَوْنًا وَكِيَانًا — عَلٰى فُلَانٍ : کسی کا ذمّے دار یا ضامن بننا، کسی کی ضمانت فراہم کرنا (المنجد، مصباحُ اللغات)۔ كَوَّنَ تَكْوِيْنًا — الشيءَ : کوئی چیز پیدا یا ایجاد کرنا۔ اَلْكَوْنُ (مصدر): کائنات۔ الكَوْنِيُّ : عمر رسیدہ، سالخوردہ۔ الكِيَانَةُ : کفالت، ضمانت۔ الكِيَانُ (مصدر): فطرت، طبیعت۔ التَّكْوِيْنُ (مصدر): ناپید کو عدم سے وجود میں لانا۔ الكَائِنَةُ : كَائِنٌ کا مؤنث۔ واقعہ، حادثہ، جمع كَائِنَات۔ موجودات۔

المَكَانُ : جائے وقوع، جگہ (Space)۔ جمع اَمَاكِنُ، اَمْكِنَة اور اَمْكُنٌ (یہ جمع شاذونادر ہی اِستعمال ہوتی ہے)۔ المَكَانَةُ : مقام، مرتبہ، جگہ۔ جمع مَكَانَاتٌ۔ المَكِيْنُ : قدر و منزلت والا۔ محاورہ ہے: فُلَانٌ مَكِيْنٌ عِنْدَ فُلَانٍ : فُلاں شخص فُلاں کے نزدیک قدر و منزلت والا ہے (اقرب الموارد، لِسان، المصباح، تاج، المنجد)۔

اِسْتَكَانَ فُلَانٌ : فُلاں نے عجز یا عاجزی کا اِظہار کیا، گویا وہ ٹھیر گیا اور ذِلّت کی وجہ سے سکینت و طمانیت کو ترک کر دیا (المفردات)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

★ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۳۴): وہ نافرمانوں میں سے ہو گیا (یعنی انکار کرنے کے بعد نافرمان ہو گیا)۔

★ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۳۵): تو تم ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے (مستقبل کے مفہوم میں، اور تنبیہ و تنذیر پر دلالت کرتا ہے)۔

★ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ○ (البقرۃ ۲: ۹۷): کہہ دیجیے! جو شخص جبرئیل (Gabriel) کا دُشمن ہے یا ہو (فعل مضارع و حال کے معنی میں)، نیز دیکھیے (۲: ۹۸، ۱۱۱ و بمواضع کثیرہ)۔

★ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ (البقرۃ ۲: ۱۱۴): ان کو قطعاً زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کی عبادت گاہوں میں داخل ہوں، مگر ڈرتے ہوئے (لَا يَنْبَغِيْ کے معنی میں)۔

★ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (البقرۃ ۲: ۱۳۵): اور (حضرت اِبراہیم علیہ السلام) یقیناً

Marfat.com

شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے، یعنی کسی قسم کا بھی شرک نہیں کرتے تھے (ماضی استمراری یہاں کَانَ میں دوام وثبات یا علامہ اقبال کی اصطلاح میں ثباتِ دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ ثباتِ دوام توحید کے اِثبات اور شرک کی نفیِ مُطلق پر دلالت کرتا ہے)۔

★ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرۃ ۲: ۱۴۳): اور اس کا قطعًا امکان نہیں کہ اللہ تمہارے ایمان (کے ثمرات کو) ضائع ہونے دے۔ (کَانَ: اِمکان پر دلالت کرتا ہے)۔

★ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (البقرۃ ۲: ۲۱۳): (اِبتداء میں) بنی نوعِ اِنسان (Mankind) ایک ہی اُمّت تھے، یعنی ان کا دین ایک ہی تھا (ماضی بعید کے مفہوم میں)، نیز دیکھیے (آلِ عمران ۳: ۶۷)۔

★ مَا كَانَ لِبَشَرٍ (آلِ عمران ۳: ۷۹): کسی بشر کے لیے ممکن ہی نہیں (اِس میں اِمکان کی نفی بالتّاکید کا مفہوم پایا جاتا ہے)۔

★ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النّسآء ۴: ۱۷): اور اللہ تو ازل یا ہمیشہ سے علیم وحکیم ہے (اللہ کی نسبت سے اِس میں ازلیت واِستمرار اور ثباتِ دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے)۔ نُکتہ: غیر اللہ پر واقع ہو، تو کَانَ کے یہ معنی نہیں ہوں گے۔ علاوہ بریں، دیکھیے النّسآء ۴: ۲۳، ۲۴، ۲۹، ۳۲ و بمواضعِ کثیرہ۔

★ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال ۸: ۳۳): اور یہ اللہ کی شانِ رحمت ومغفرت سے بعید تھا کہ وہ ان کو سخت سزا دیتا جبکہ آپ ان کے اندر موجود تھے؛ نیز یہ بھی اللہ کی شانِ رحمت ومغفرت سے بعید تھا کہ اللہ ان کو سزا دیتا جبکہ وہ مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے (اللہ تعالٰی کے شایانِ شان نہ تھا یا اس کی شانِ رحمت ومغفرت سے بعید تھا)۔

★ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (الاسراء ۱۷: ۱۱): اور اِنسان طبعًا جلد باز واقع ہوا ہے؛ نیز

★ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ○ (الاسراء ۱۷: ۸۳): اور جب اِنسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

★ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷: ۱۰۰) اور اِنسان طبعًا تھڑدلا یا تنگدل واقع ہوا ہے۔

★ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ (الاسراء ۱۷: ۶۷): اور اِنسان طبعًا ناشکرا (Thankless) واقع ہُوا ہے۔

Marfat.com

ان آیات میں کَانَ اِنسان کے طبعی خواص یا جبلتوں (Instincts) پر دلالت کرتا ہے، لیکن ان پر قابو پانے کی اِنسان میں قُوّت بھی ودیعت کی گئی ہے۔

کَانَتْ کا لفظ حالِ اِستمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے ، اور کبھی ماضی پر۔

★ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ (النّسآء ۴ : ۱۰۳) :

بیشک صلٰوۃ (کا قیام) اوقاتِ مقررہ میں اہلِ ایمان پر لازم کر دیا گیا ہے؛ یعنی ہمیشہ کے لیے : (Enjoined upon for ever)؛ اور ماضی کی مثال :

★ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۸۳) : وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔

كُنْتُمْ کا اِستعمال بھی کبھی حال، مضارع اور کبھی ماضی، ماضی بعید و استمراری پر ہوتا ہے۔

★ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا..... (البقرۃ ۲ : ۲۳) : اور اگر تمھیں اِس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (حضرت محمدؐ) پر نازل کی ہے، اضطراب یا شک و شبہ ہو رہا ہے تو

★ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (البقرۃ ۲ : ۲۸) : اور تم بے جان تھے پھر اُس نے تمھیں زندگی بخشی۔

اَكُ : فعل حال پر دلالت کرتا ہے۔

★ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا (مریم ۱۹ : ۲۰) : اور نہ بدکردار ہی رہی ہوں : Nor have I been unchaste

نَكُ : ماضی بعید و اِستمراری کے لیے آیا ہے۔

★ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ (المدّثّر ۷۴ : ۴۳) : وہ جواب دیں گے ہم صلٰوۃ قائم کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ (نیز دیکھیے ۴ : ۴۴)۔

كُنْ فَيَكُوْنُ : معنوی تشریح نیچے دی گئی ہے۔

★ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (یٰسٓ ۳۶ : ۸۲) : اُس کی تخلیقی فعلیت کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تخلیق کا اِرادہ کرتا ہے تو اُسے حکم دیتا ہے کہ وجود میں آجا یا وقوع پذیر ہو جا تو وہ وجود میں آجاتی یا وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔

كُنْ فَيَكُوْنُ : یہ قرآن حکیم کا اصطلاحی جُملہ ہے، جو کسی شے کی وقوع پذیری کی قطعیت کے ساتھ احسن الخالقین کی تخلیقی فعلیت کی سُنّت پر دلالت کرتا ہے جو اِرتقائی یا تدریجی ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر چیز کی تخلیق بتدریج ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ درخت کے بیج کو حکم دیتا ہے کہ درختِ ثمر ور بن جا تو وہ فوراً پھلنے پھولنے لگتا ہے اور اپنے خالقِ حقیقی کی مقرر کی ہوئی میعاد یا تقدیر کے مطابق پہلے تنہ بنتا اور پھر برگ و بار لاتا اور ثمر ور درخت بن جاتا ہے۔ اِس عمل میں قطعیت کے ساتھ اِرتقاء بھی پایا جاتا ہے۔ اِسی

Marfat.com

طرح اِنسان کا بچہ اللہ کے حکم سے جرثومۂ حیات سے نو ماہ تک نشوونما پاتا رہتا اور بشر بن کر عالمِ وجود میں آتا ہے۔

کُوْنُوْا : دوسروں کا مذہب یا روشِ زندگی یا خصلت وعادت اِختیار کرنا۔

★ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ (البقرۃ ۲ : ۱۳۵) : اور (یہود و نصاریٰ) کہتے ہیں کہ یہود یا نصاریٰ بن جاؤ، یعنی ان کا مذہب یا روشِ زندگی اختیار کرلو تو تم ہدایت پاؤ گے۔

اسی مفہوم کی برنگِ مجازیہ آیۂ عبرتناک ہے :

★ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۶۵) : تو ہم نے ان (سرکشوں) کو کہا : ذلیل وحقیر بوزنہ صفت ہو جاؤ، یعنی ذلیل وحقیر بندروں کی روشِ زندگی اِختیار کرلو۔

مَكَانٍ : جگہ یا بجائے، مقام، حالت یا کیفیت، طرف، جانب (كُلِّ مَكَانٍ : ابعادِ ثلاثہ یا Three dimensions یا چاروں طرف سے)،

★ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ (النسآء ۴ : ۲۰) : اگر تم ایک بیوی کی جگہ یا بجائے دوسری بیوی بدلنا چاہو۔

★ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ (الاعراف ۷ : ۹۵) : پھر ہم نے غم انگیز محتاجی وغریبی کی حالت کو خوشحالی میں بدل دیا۔

★ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ (یُونُس ۱۰ : ۲۲) : اور ہر طرف اور جگہ سے اُن کے موج کے بعد موج آنے لگی (نیز دیکھیے النّحل ۱۶ : ۱۱۲ ومواضعِ کثیرہ)۔

Marfat.com

۳۶- فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾
۳۷- فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾
قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا
۳۸- خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾
۳۹- وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾ ع ۴

۳۶ - ترجمہ

ہوا یُوں کہ شیطان نے دونوں کو فرمانِ الٰہی سے رُوگرداں کر دیا، (نتیجۃً) دونوں کو (اس عالَمِ معصومیّت و طمانیت سے) نکال باہر کیا جس میں وہ تھے۔ اور (اس پر) ہم نے حکم دیا: (اِس خود رو پھلوں کے باغ سے) چلے جاؤ؛ (نیز انھیں مُتنبہ بھی کر دیا کہ اب) تُم میں سے بعض بعض کے دُشمن ہوتے رہیں گے اور (اس لیے کہ) (زرعی) زمین میں تمھارا ایک مُعیّنہ مدّت تک بسیرا اور سامانِ معاش ہوگا۔

تفسیری ترجمہ

شیطان نے (جو اِنسان کا دُشمن ہے، اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری سے) دونوں کو (اللہ تعالیٰ کے حکمِ اِمتناعی سے) رُوگرداں کر دیا، اور اس کے نتیجے میں ان کو (اس عالمِ معصومیت وطمانیت سے) نکالنے میں کامیاب ہوگیا، جس میں وہ تھے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ (خود رو پھلوں کے باغ سے جس کی وُسعت اور پھل کثرتِ اولاد کی وجہ سے ناکافی ہوگئے تھے) چلے جائیں اور (ساتھ ہی انھیں مُتنبہ بھی کر دیا کہ زرعی۔ معاشرتی زندگی میں اراضی، تقسیمِ پیداوار اور صنفِ جمیلہ کی وجہ سے) ان میں منافشت و عداوت کا پیدا ہو جانا، معاشرتی عمل ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ (زرعی) زمین میں انھیں ایک مُعیّنہ عرصے تک معاشرتی زندگی کرنا اور کاشتکاری کر کے روزی کمانا لازم ہوگا۔

Marfat.com

۳۷ — ترجمہ

آدم کو اپنے بتدریج نشو و نما دینے والے مالک و آقا کی طرف سے (چند دُعائیہ اور اِنابتی) الفاظ اِلقاء ہوئے (ان کے ذریعے وہ استغفار و توبہ کرتے یعنی ربِّ رحمٰن و رحیم کی طرف رجوع کرتے رہے) اس پر اس نے بھی اس کی طرف رجوع بہ مغفرت کیا۔ یقین کرو کہ وہ ہے ہی بہت بڑا اور بار بار توبہ قبول کرنے اور التفات بہ مغفرت و رحمت کرنے والا — بڑا ہی ترس کھانے، بار بار رحم اور بخشنے والا۔

تفسیری ترجمہ

حریفِ بشر شیطان کی شاطریّت سے بساطِ حیات میں پہلی ہی بازی میں مات کھا جانے اور اپنے ربّ کی حکم عدولی کرنے پر آدم کو سخت ندامت ہوئی اور وہ رہینِ خوف و حُزن ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں اُن کے دل میں معافی مانگنے کی سچی آرزو پیدا ہوئی اور شدّت اختیار کر گئی تو ربِّ رحمٰن و رحیم کی رحمت بھی جوش میں آئی اور اُس نے اُن کے دل میں اِستغفار اور توبہ و اِنابت کرنے کے لیے چند الفاظ اِلقاء کر دیے۔ آدم اُن کے ذریعے اِستغفار و توبہ کرنے اور دُعا مانگنے لگے۔ آرزوئے مغفرت سچّی اور توبہ — توبۃ النّصوح تھی، قبول ہوئی کہ یہ قُدرت کا قانونِ احترامِ آرزو ہے۔ چنانچہ ربِّ رحمٰن و رحیم نے اُن کی توبہ قبول کی اور اُن کی طرف پھر التفات برحمت کیا۔ اصل یہ ہے کہ وہ تو ہے ہی بہت بڑا اور بار بار توبہ قبول کرنے اور رجوع بہ رحمت کرنے والا — بہت بڑا اور بار بار رحم و ترس کھانے اور بخشنے والا۔

۳۸ — ترجمہ

ہم نے حکم دیا کہ (بنی آدم!) تُم سب کے سب (اس خِطّۂ جنّتِ ارضی یا باغ) سے نکل جاؤ! (لیکن گوشِ ہوش سے سُن لو ہمیشہ یاد رکھنے کے لیے کہ) جب کبھی میری طرف سے تمھیں (کتابِ رُشد و) ہدایت ملے تو (اس کے مطابق زندگی کرنا)؛ جو لوگ میری ہدایات (Directions and instructions) کی پیروی کریں گے (یعنی ان کے مطابق زندگی کریں گے) تو اُن پر نہ تو خوف مُسلّط ہو گا اور نہ وہ غم ہی کھائیں گے۔

تفسیری ترجمہ

خود رو پھلوں کے باغ میں اولادِ آدم کی کثرت کی وجہ سے ان کے رہنے سہنے کے لیے نہ تو مزید گنجائش رہی اور نہ ان کے کھانے کے لیے خود رو پھل ہی کافی رہے تو ربِّ رحمٰن نے اُن کی یہ مُشکل دُور کرنے کے لیے انھیں وہاں سے کوچ کر جانے اور زرعی زمین یا اراضی میں بسنے اور کاشتکاری کے ذریعے روزی حاصل کرنے کا حُکم دیا۔ وہ چونکہ اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی شہکاروں سے شدید ترین محبّت کرتا ہے، اُس نے انھیں امن و سلامتی کے ساتھ حیاتِ طیّبہ بسر کرنے اور دُنیوی و اُخروی کامیابی کی حسین و فطری اور قائم و دائم راہِ راست معلوم کرنے اور اس پر

Marfat.com

سفرِ زندگی کرنے کے لیے ایک پتے کی بات بتادی اور وہ بھی اپنے اِیجازِ بلاغت سے۔ وہ یہ ہے کہ وہ اُن کو اپنے پیغمبروں کے ذریعے اپنی کتابِ رُشد و ہدایت بھیجتا رہے گا، اور جو لوگ اس کی ہدایات کے مطابق حسین وفطری راہِ راست پر چلتے رہیں گے وہ شیطان کے وسوسوں اور جمالیاتی دھوکوں سے اور اس کے نتیجے میں خوف وخطر اور غم واندوہ کی آگ کے کرب سے محفوظ رہیں گے۔

۳۹—ترجمہ

لیکن جو لوگ ہماری آیات کو تسلیم بالیقین کرنے سے انکار کریں گے اور ان کو جھٹلائیں گے تو وہ اہلِ نار یا آگ کے باسی ہوں گے (دُنیا میں خوف وحُزن کے آتشکدے کے اور آخرت میں جہنّم کے) اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

تفسیری ترجمہ

ربِّ رحمٰن وحکیم نے بنی نوعِ اِنسان کو تصویرِ زندگی کا روشن رُخ دکھا کر ساتھ ہی اُس کا تاریک پہلو بھی دکھا دیا کہ یہ اُس کی رحمتِ بے پایاں اور حکمتِ بالغہ کا تقاضا بھی تھا اور خاصّہ بھی۔ اُنھیں خوف وحُزن کے فطری قانون کے دوسرے پہلو سے بھی، جو دراصل مکافاتِ عمل کا فطری قانون ہے، آگاہ کر دیا کہ جو لوگ اس کے احکام و تعلیمات اور ہدایات کو ماننے سے انکار کریں گے اور ان کے مطابق سفرِ زندگی نہیں کریں گے، نیز ان کو جھٹلائیں گے تو اُن پر صراطِ مُستقیم گُم ہو جائے گی اور وہ بھول بھلیّوں میں کھو جائیں گے۔ اس کے نتیجے میں ان میں فرعون وہامان اور قارون وآزر پیدا ہو جائیں گے، جن کے ظُلم و اِستحصال، فتنہ وفساد اور ریشہ دوانیوں سے وہ رہینِ خوف وحُزن ہو جائیں گے۔ بالفاظِ دیگر، اُن کے دل خوف وخطر اور غم واندوہ کے آتشکدے بن جائیں گے اور ان میں اس دُنیا اور آخرت میں رہنا اُن کا مقدّر بن جائے گا۔

تفسیر

۳۶-۳۹ — آدم اور اُن کی زوجہ کا قِصّہ فلسفۂ حیاتِ اِنسانی کی ازبس اہم تمثیلی روئداد ہے۔ قُرآنِ حکیم نے اسے اپنے اِیجازِ بلاغت سے موقع ومحلّ کی مناسبت سے مختلف مقامات پر فکرانگیز وحکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے؛ مثلاً البقرۃ ۲ : ۳۱-۳۷؛ الاعراف ۷ : ۱۰-۲۷؛ الاِسراء ۱۷ : ۶۱-۶۵؛ الکہف ۱۸ : ۵۰؛ اور طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۵-۱۲۳ میں۔

Marfat.com

مقتضیاتِ تفسیر کی بناء پر زیرِ نظر آیات کی تشریح و تصریح محوّلۂ بالا سورتوں کی متعلقہ آیات کے حوالے سے کرنے کی کوشش کی جائے گی، اِنشآء اللّٰہُ العزیز۔ قارئینِ کرام سے مخلصانہ گذارش ہے کہ مُسلمانوں کے لٹریچر یا ادبیات میں مروّج اِسرائیلیات یا اِسرائیلی روایات سے اپنے قلوب (ذہن و دل) کو پاک و صاف کرکے اور مخلص تلامیذ القُرآن بن کر اس کا مطالعہ بالحق کریں۔ علاوہ بریں، اِس اصلِ عظیم کو جس کی صراحت کردی گئی ہے، ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں کہ ربِّ رحمٰن کی حقیقی و سماوی جنّتِ قُرّۃُ العین کو کسی مُتنفّس نے نہ تو دیکھا ہے اور نہ کوئی قلب اِس کی حقیقت کا قیاس ہی کرسکتا ہے (السّجدۃ ۳۲ : ۱۷؛ بخاری و مُسلم در المشکوٰۃ، باب صِفَۃِ الجنّۃِ، ح ۵۳۷۰)۔ اِس سے ثابت ہوا کہ زیرِ نظر آیاتِ بصیرت افروز میں لفظِ جنّت کو اس کے لُغوی معنی میں اِستعمال کیا گیا ہے، یعنی "باغ" کے معنی میں، جیسا کہ قُرآنِ مجید نے البقرۃ ۲ : ۲۶۵، ۲۶۶؛ الاسراء ۱۷ : ۹۱؛ الکھف ۱۸ : ۳۵، ۳۹، ۴۰؛ سبا ۳۴ : ۱۵ و بمواضعِ کثیرہ میں کیا ہے۔

اِن نصوص سے ثابت ہوا کہ آدم آن دیکھی جنّتِ سماوی میں نہیں، بلکہ دیگر افرادِ نسلِ اِنسانی کی طرح زمین میں پیدا ہوئے تھے۔ کیسے پیدا ہوئے تھے؛ جمالیاتی۔تخلیقی اِرتقاء کے طور پر تخلیق ہوئے تھے، جیسے کہ اِنسان کا بچّہ بطنِ مادر میں اپنی تخلیق کے چھے جمالیاتی۔اِرتقائی مراحل طے کرکے پیدا ہوتا ہے (مفصّل بحث کے لیے دیکھیے اِس تلمیذ القُرآن کی کتاب سرگُذشتِ فلسفہ (حصّہ اوّل)، قُرآنِ حکیم کا جمالیاتی۔اِرتقائی نظریۂ تخلیق ص ۳۸۲-۴۵۱، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، کراچی، راولپنڈی)۔

قارئینِ کرام کے فوری مطالعہ کے لیے اِس کتاب سے چند اہم اقتباسات ضروری اضافوں کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں :

سب سے پہلے اِس فکر انگیز واقعیت کی طرف اِشارہ کردیا جاتا ہے کہ ربِّ رحمٰن نے جس طرح کائنات، یعنی آسمانوں اور زمین کی جمالیاتی۔اِرتقائی تخلیق چھے ایّام یا ادوار میں کی (الاعراف ۷ : ۵۴؛ یُونُس ۱۰ : ۳ و بمواضعِ کثیرہ)، اُسی طرح اُس نے بشر یا اِنسان یا آدم کی تخلیق چھے جمالیاتی۔اِرتقائی مراحل (Aesthetic – evolutionary stages.) یا ادوار (Periods) میں کی اور اپنی اِسی سُنّتِ غیر مُتبدّل کے مطابق اب بھی وہ بشر کی تخلیق بطنِ مادر میں چھے جمالیاتی۔اِرتقائی مراحل، ایّام یا ادوار میں کرتا ہے (المؤمنون ۲۳ : ۱۲-۱۴)۔

کُرۂ ارضی میں ربِّ رحمٰن کی جمالیاتی۔اِرتقائی اور تزوّجی تخلیقی فعلیّت

The aesthetic – evolutionary and enmating creative activity of Rabb-i-Rahman on Earth

ربُّ العالمین جو احسن الخالقین ہے، اُس کی تخلیقی فعلیّت جمالیاتی۔اِرتقائی۔تزوّجی ہے، اور اس کی

Marfat.com

یہ سُنّت یا طریقہ ناقابلِ تغیّر و تبدّل ہے (فاطر ۳۵: ۴۳؛ الفتح ۴۸: ۲۳)۔ چنانچہ اُس نے بشر یا اِنسان یا آدم سمیت اپنی جُملہ مخلوقات کو تخلیق کیا اور آغاز اس وقت کیا جب کُرۂ ارضی "السّماء" سے ایک زور دار جھٹکے کے ساتھ علیحدہ ہوگیا، پھر بے قیاس مُدّتوں کے بعد کُرۂ نار سے معمورۂ آب بنا۔ پانی سے معمور دُنیا میں نباتاتی اور حیاتیاتی مخلوقات مُدّتوں نشوونما پاتی اور جمالیاتی۔ تخلیقی اِرتقاء کرتی رہیں۔ اِس دَور میں جسے "دَورِ آبی" (Water age) سے تعبیر کر سکتے ہیں، ربُّ العلمین کی حکومت یا تختِ فرماں روائی کا پانی میں ہونا ظاہر ہے؛ جس کی طرف اُس نے اِنتہائی بلیغ و فکر انگیز اِشارہ کیا ہے؛ جس کی صداقت علم نے دَورِ جدید میں کی ہے:

★ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاۤءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ (هُود ۱۱: ۷):

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو (اپنے قانونِ اِرتقاء کے مطابق) چھے ادوار (Ages) میں تخلیق کیا اور (اس عہد میں) اس کا تختِ (فرماں روائی) پانی (سے معمور دُنیا) پر تھا۔ (اس وقت مقصودِ حکمرانی یہ تھا کہ اے بنی نوعِ اِنسان!) تمھیں آزما دیکھے کہ تُم میں سے کون بلحاظِ حُسنِ عمل بہتر ہے؟ (یعنی کون اپنی ذات کی تکمیل کرنے کے لیے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ سعی و جُہد اور ہجرت کرنے والا ہے؟)۔

اِس ازبس اہم مسئلے سے باقاعدہ بحث کرنے سے پہلے قارئین کی یاد دہانی کے لیے بعض اُن آیات کو نقل کیا جاتا ہے جو اِس واقعیت پر قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہیں کہ بشر، اِنسان یا آدم اَن دیکھی اور مخفی و ورائی جنّتِ سماوی میں پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ ربُّ العلمین نے اُسے اپنی جمالیاتی۔ اِرتقائی اور تدریجی تخلیقی فعلیت سے اِس دُنیا میں پیدا کیا تھا:

★ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۤءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانبیآء ۲۱: ۳۰):

کیا جو لوگ (قُرآنِ مجید کے احکام و تعلیمات ماننے سے) انکار کرتے ہیں، اِس واقعیت میں غور نہیں کرتے کہ (ساتوں) آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے؛ پھر ہم نے ان کو جُدا جُدا کر دیا؛ نیز ہر جاندار چیز (= کُل حیاتیاتی مخلوقات) ہم نے پانی سے پیدا کی۔ اِس پر بھی کیا (یہ مُنکرانِ قُرآن) یہ حقیقت تسلیم بالیقین نہیں کرتے؟

آخر علم نے قُرآنِ مجید کی یہ بات ثابت کر دی اور اہلِ علم نے نہ صرف اِسے تسلیم بالیقین کر لیا ہے بلکہ اس نظریئے کے علمبردار بھی بن گئے ہیں۔

Marfat.com

ربِّ علیم وحکیم نے پہلے نیوکلیائی - جوہری بخارات یا الدُّخان (Nuclear-atomic fumes) کو پیدا کیا، جو بے قیاس حجم وضخامت کا تودہ (Unimaginable mass) بن گیا - اسے اُس نے "السَّمَآء" سے تعبیر کیا ہے - اُس کی حکمت کے مطابق اس کے اندر اتنا شدید خلجان وخلفشار ہوا کہ اس کا ایک جُزو یا حصّہ انتہائی زبردست جھٹکے کے ساتھ اس سے جُدا اور الگ ہو کر فضا میں کروڑوں میل دُور تیرتا رہا - آخرِ کار، جس مقام کی اُسے آرزو تھی، قُدرت نے اُسے عطا کر دیا - وہ مقام اس کا مدار (Orbit) بن گیا اور وہ اس کے گرد اگرد چکر لگانے لگا - اِس سماوی جُزو یا رو کو قُرآنِ مجید نے "الارض" کے نام سے موسوم کیا ہے - اپنی اس جمالیاتی - تخلیقی فعلیت کی طرف احسن الخالقین نے بڑے ہی فکر انگیز وبلیغ اشارے کیے ہیں - اِرشاد ہُوا :

★ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ (فُصِّلت ۴۱ : ۱۱-۱۲) :

پھر وہ السَّمَآء کی طرف متوجّہ ہوا اور وہ نیوکلیائی - جوہری بُخار (کا تودہ) تھا - اُس نے اُسے اور ارض سے فرمایا! تُم دونوں اپنی مرضی سے میرے تابع فرمان بنتے ہو یا مجبوراً؟ انھوں نے عرض کیا: "ہم اپنی خواہش سے تابع فرمان بنتے ہیں (یہ سوال قُدرت کے فلسفۂ احترامِ آرزو پر دال ہے) - پھر اُس نے السَّمَآء کو دو ادوار میں سات آسمان کر دیا - اور ہر آسمان کو اس کا وظیفہ (Function) القاء کر دیا؛ اور ہم نے آسمانِ دُنیا کو روشن چراغوں یا تاروں سے آراستہ کر دیا اور خوب محفوظ بنا دیا؛ یہ بڑے ہی مقتدر - صاحبِ حکمت اور حکیمانہ انداز میں امور سرانجام دینے والے کی تقدیر یعنی جمالیاتی - تخلیقی حکمتِ عملی (Aesthetic - creative and scientific method) ہے -

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ ربِّ کریم نے اپنی حکیمانہ منصوبہ بندی کے مطابق پہلے دو ایّام یا ادوار (Ages) میں [السَّمَآء یا نیوکلیائی - جوہری بخارات کے بے قیاس ضخیم تودے (Mass) سے] سات آسمانی کُروں کی، پھر دو ادوار میں کُرۂ ارضی کی تخلیق کی - پھر آخری دو ادوار میں ایک طرف زمینی آسمان کی تزئین وآراستگی کی اور ساتھ ہی دوسری طرف زمین میں پیدا ہونے والے اپنے جمالیاتی - تخلیقی شہکاروں (بنی نوعِ انسان) کے لیے بالخصوص اور دیگر ان گنت مخلوقات کے لیے بالعموم رزق کے لامتناہی وسائل ودیعت کر دیے - ربِّ علیم و حکیم نے اپنی جمالیاتی - تخلیقی فعلیت کا یہ مُعجز نما کارنامہ چھے ادوار میں سرانجام دیا - [اس جگہ اِس بصیرت افروز نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ آسمانوں اور زمین نے مکمّل طور پر معرضِ وجود میں آنے سے پہلے چونکہ

Marfat.com

شب وروز اور ماہ وسال کا سلسلہ ابھی شروع ہی نہیں ہوا تھا، اس لیے ایام کا ترجمہ "دن" کرنا خلافِ واقعہ اور غلط ہے) ۔ اپنی حکیمانہ و غیر مبدل سُنّت یا طریقِ کار یا حکمتِ عملی کے مطابق اُس نے کرۂ ارضی میں حیاتیاتی و نباتاتی مخلوقات کی تخلیق چھے اِرتقائی مراحل (Stages) اور ادوار (Ages) میں کی۔

ہمیں ربِّ کریم کی تخلیقی فعلیت کی مندرجۂ ذیل چار از بس اہم و منفرد خصوصیات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے :

اوّلاً : وہ جمالیاتی (Aesthetic) ہے (السجدۃ ۳۲: ۷)۔

ثانیاً : وہ تزوّجی (Enmating) ہے (فاطر ۳۵: ۱۱)۔

ثالثاً : وہ اِرتقائی (Evolutionary) ہے (الزُّمر ۳۹: ۶؛ الرّحمٰن ۵۵: ۲۹ اور بمواضعِ کثیرہ)۔

رابعاً : تخلیقی فعلیت کا منہاج یا سُنّتِ الٰہی غیر مبدل ہے (فاطر ۳۵: ۴۳)۔

ربِّ رحمٰن جس طرح اِنسان کے بچّے کی تخلیق کو بطنِ مادر میں چھے مراحل سے گذار کر پایۂ تکمیل کو پہنچاتا ہے، اُسی طرح اُس نے اِنسان کی تخلیق اپنی ناقابلِ تغیّر و تبدّل سُنّت یا طریقِ کار کے مطابق مندرجۂ ذیل چھے اِرتقائی مراحل میں مکمل کی تھی :

(۱) ماء یا پانی (۲) صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (۳) صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۴) طِيْنٍ لَّازِبٍ
(۵) طِیْن اور (۶) تُراب۔

یاددہانی کے طور پر یہ جتا دیا جاتا ہے کہ ربِّ رحمٰن نے جِنّات یا جنّوں کی تخلیق اِنسان سے پہلے کی تھی اور شُعلۂ آتش سے کی تھی (الحجر ۱۵: ۲۶-۲۷؛ اور الرحمٰن ۵۵: ۱۴-۱۵)؛ اور اِنسان کی طرح اس کائنات میں کی تھی۔ جنّتِ قُرّۃُ العین میں نہیں کی تھی؛ کیونکہ جنّت تو اِنسان نے دیکھی ہے نہ جنّوں نے۔

معمورۂ آب میں مراحلِ اِرتقاء یا تین اِرتقائی ادوار

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ الارض یا زمین جو السّماء سے ٹوٹ کر الگ ہُوئی تو شعلۂ جوّالہ کے مانند تھی۔ پھر قرنہا قرن کے بعد ٹھنڈی ہو کر یخ بستہ ہوگئی۔ مدّتوں کے بعد مختلف عوامل سے معمورۂ آب بن گئی۔ دُوسرے لفظوں میں، تمام دُنیا میں پانی ہی پانی تھا اور وہ سمندر ہوگئی۔ بعد ازاں، مدّتوں میں تمازتِ آفتاب اور دیگر عوامل سے اس کے مختلف حِصّوں میں خشکی نمودار ہونے لگی اور زلزلوں وغیرہ کے سبب بری حصّوں میں چھوٹے اور بڑے پہاڑ بن گئے؛ نیز ان میں جھیلیں بن گئیں اور پہاڑوں سے چشمے رواں دواں ہونے لگے؛ نیز جنگل، صحرا اور میدان ظہور پذیر ہوگئے۔ زمین کی سطح ہموار ہوگئی اور اس میں چلنے پھرنے کے راستے بن گئے۔

Marfat.com

احسن الخالقین کی اِس مُعجز نما جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیت کی کرشمہ سازیوں کے ساتھ اس کے احسن و اکمل تخلیقی شہکار۔ اِنسان کے تخلیقی اِرتقاء کا بھی آغاز ہوگیا جس کے رہنے سہنے اور مادّی و معنوی ترقی کرنے کے لیے اُس نے ان گنت اور لذیذ و نظر افروز نعمتوں سے معمور اِنتہائی خوبصورت و دلکش اور دل انگیز و سُرور انگیز دُنیا بنائی تھی۔

دُنیا کے سمندر میں ربُّ العٰلمین نے اوّلیں حیاتیاتی مواد پیدا کیا۔ پھر اس کی جمالیاتی۔ اِرتقائی اور تزویجی تخلیقی فعلیت سے اللہ جانے کتنے عرصے میں اس نے اِنتہائی دقیق و لطیف جرثومۂ حیات کی شکل اختیار کرلی، جسے قُرآنِ مجید نے "نفس" سے تعبیر کیا ہے:

★ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ (الزُّمر ۳۹: ۶):

(اے افرادِ نسلِ اِنسانی!) ہم نے (اپنی جمالیاتی۔ اِرتقائی اور تزویجی تخلیقی فعلیت سے) تمھیں ایک نفس یا حیاتیاتی جرثومے سے تخلیق کیا۔ پھر اس سے اس کا زوج (Mate) بنایا (جس طرح ہم نے السّمآء سے آسمانوں اور زمین کو بنایا) اور تمھیں مویشیوں کے آٹھ جوڑے عطا کیے۔ وہ تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تمھاری تخلیق تین اندھیروں میں ایک خِلقت کے بعد دوسری خِلقت میں (درجہ بدرجہ) کرتا ہے۔ یہ (خالق) اللہ ہے جو تمھاری نشوونما اور پرورش کرنے والا تمھارا مالک و آقا ہے۔ حاکمیّتِ اعلیٰ اُس کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود و مقصود اور حاکم و مُطاع نہیں۔ پھر (اس واقعیّت کو ماننے سے) کیونکر رُوگردانی کرتے ہو؟

دوسری جگہ اِرشاد ہوتا ہے:

★ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ (لُقمٰن ۳۱: ۲۸):

تُم سب کو تخلیق کرنا اور سب کو (بروزِ قیامت دوبارہ) زندہ کرکے اُٹھانا گویا ایک نفس (کے پیدا اور دوبارہ زندہ کرکے اُٹھانے) جیسا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سُننے والا۔ سب کچھ دیکھنے اور جاننے والا ہے۔

ان آیاتِ جلیلہ میں یہ اِنتہائی فکر انگیز نکتہ مُضمر ہے کہ جس طرح روزِ آفرینش زمین جو اس وقت پانی سے معمور تھی اِنسان پہلے صرف ایک نفس یا حیاتیاتی جرثومہ تھا، پھر ربِّ علیم و حکیم نے اس میں سے اس کا زوج پیدا کیا، جس طرح ایک السّمآء سے اس کے اندرونی ہیجان و خلفشار کے سبب پہلے کُرۂ ارضی جدا کیا تھا اور پھر دیگر آسمان۔

اس مقصد کی خاطر کہ قُرآنِ مجید کے جمالیاتی۔ تزویجی تخلیقی اِرتقاء کے حقیقی نظریئے سے متعلق قارئین کو ذہنی اِلتباس نہ ہو جائے، یہاں اس اہم نُکتے کی صراحت کردی جاتی ہے کہ اِنسان کا نفسِ واحدہ یا حیاتیاتی جرثومہ

Marfat.com

دیگر مخلوقات کے حیاتیاتی جرثوموں سے مختلف، ممتاز اور منفرد تھا، لہٰذا اس سے ڈارون کے اِس نظریئے کی تردید ہو جاتی ہے کہ نفسِ واحدہ یا اوّلیں جرثومۂ حیات سے اِنسان سمیت کُل مخلوقات نکلی ہیں اور اِنسان کا جرثومۂ حیات الگ نہ تھا۔

یہ تو تھا جُملۂ معترضہ۔ اِنسان کے اوّلیں نفسِ واحدہ یا حیاتیاتی جرثومے سے پہلے اس کا زوج پیدا ہوا، پھر اِس جوڑے سے اور حیاتیاتی جرثومے پیدا ہوئے اور اُن کا خلقی اِرتقاء جاری رہا یہاں تک کہ وہ پانی سے ہجرت کر کے خُشکی میں آکر "بَشَرًا سَوِیًّا" سروقد بشر بن گیا (الرُّوم ۳۰: ۲۰) اور اس کی صُوری و ہیکری خِلقت کی تکمیل ہوگئی۔ پھر اس میں مزید اِرتقاء کی آرزو بھی نہ رہی تو قُدرت کے قانونِ احترامِ آرزو کی رُو سے اِس اِرتقاء کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے مُنقطع ہوگیا، جیسے کہ پیغمبرِ اعظم و آخر صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت سے دینِ اِسلام اور وحی و تنزیل کی تکمیل ہوگئی تو اِنسان (Mankind) کو مزید کسی نبیؑ یا رسولؐ یا سماوی کتاب کی حاجت رہی نہ آرزو تو قُدرت نے اپنے قانونِ احترامِ آرزو کی رُو سے نُبوّت و رسالت اور وحی و تنزیل کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے مُنقطع کر دیا۔ قُدرت کے اِس قانونِ احترامِ آرزو کا اعجاز ہے کہ دُنیا بے قیاس انواع و اقسام اور صُور و اشکال کی مخلوقات و مناظر سے معمور اور دلکش و نظرافروز نگارخانہ ہے۔

نفس کے متعدد معانی ہیں (دیکھیے تاج العروس، المُجمل، لِسان العرب، مُحیط، قاموس وغیرہ وغیرہ، لیکن قُرآنِ حکیم نے جن معانی میں اسے استعمال کیا ہے، اس کے لیے کلیدِ لُغاتِ قُرآن کا اِستعمال ناگزیر ہے)۔ لیکن جہاں تک زیرِ نظر آیۂ فکرانگیز (الزُّمر ۳۹: ۶) کا تعلق ہے، اس میں نفس کا لفظ اِصطلاحًا اِستعمال ہوا ہے اور اس کا مطلب ہے اِنتہائی دقیق و لطیف ہیکر، مادہ و رُوح۔ غیر مُسلم عُلمائے حیاتیات کی نظر میں چونکہ یہ قُرآنی اِصطلاح نہیں تھی، یا تھی بھی تو اسے دینی و علمی عصبیت کی بناء پر اِستعمال کرنا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا اُنہیں اس کے لیے ایک سے زائد تعبیریں اِختیار کرنا پڑی ہیں، جن سے بحث کرنے کا یہ موقع و محل نہیں۔ بہرحال، ربّ رحمٰن کی منصوبہ بند حکمتِ عملی سے زمین میں جو اس وقت معمورۂ آب تھی، ایک اِنتہائی دقیق و غیر مرئی مادۂ تولید (Protoplasm) کا ظہور ہوا۔ اُس نے نشوونما پاکر حیاتیاتی جرثومے کی صُورت اِختیار کر لی۔ علمِ طبیعیات میں اسے خلیہ (Cell) کہتے ہیں، لیکن قُرآنِ حکیم نے اس کے لیے "نفس" کی موزوں ترین تعبیر اِختیار کی ہے۔ بادی النّظر میں عُلمائے طبیعیات یا سائنسدانوں کا خلیہ یا قُرآنِ حکیم کا نفس ایک (واحد) تھا، لیکن حقیقت میں احسن الخالقین نے اس کے اندر اس کا زوج ودیعت کیا ہوا تھا۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قُرآنِ حکیم کی رُو سے صرف اور فقط اللّٰہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہی واحد و یکتا اور بے نظیر وحدہٗ لاشریک ہے۔ چنانچہ نفس جو بظاہر واحد اور باطن میں زوجین تھا، اس میں اپنے فطری تقاضے کے مطابق اپنے "زوج" کی آرزو پیدا ہوئی اور شدید ترین ہوگئی تو قُدرت کا قانونِ احترامِ آرزو حرکت میں آگیا

Marfat.com

اور اس کے طفیل نفس کے اندر ایک زبردست ہیجان و خلفشار پیدا ہوا۔ اس کے نتیجے میں اس میں مُضمر اس کا زوج ایک زور دار جھٹکے سے اس سے جدا اور علیحدہ ہوگیا اور اُس نے اپنا ایک مُستقل تزویجی تشخّص اِختیار کرلیا، جس طرح السّماء سے پہلے کرۂ ارضی نے اور پھر دیگر اجرامِ فلکی نے الگ ہوکر اپنا مُستقل تشخّص قائم کرلیا تھا۔ نفسی زوجین میں پہلے تولیدی جذبہ اور پھر جذب و انجذاب کی ناقابلِ مقاومت (Irresistible) کشش پیدا ہوئی، جس کے نتیجے میں ان کا نسلی سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ اصل میں نسلِ اِنسانی کا سلسلہ تھا، لیکن نفسِ اِنسانی ابھی اپنے جمالیاتی۔ تخلیقی اِرتقاء کی حالت میں تھا، اِس لیے اس کا کہیں ذکر نہ تھا۔ یہی مطلب ہے اس آیۂ فکر انگیز کا :

★ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ (الدّھر ۷۶ : ۱) :
یقیناً اِنسان پر ازلی و لامُتناہی زمانِ مطلق سے ایک ایسا دَور بھی آیا ہے، جس میں وہ ایسی شے نہ تھا کہ جس کا ذکر ہوتا ہو۔

بہرحال، نفس خارجی طور پر زوجین بن گیا تو اس کے حیاتیاتی اِرتقاء کا پہلا مرحلہ اپنے اِختتام کو پہنچا۔ اس اِرتقائی عمل سے جس طرح کتمِ مادر میں باپ اور ماں کے مادۂ تولید کے امتزاج سے لطیف و غیر مرئی جرثومۂ حیات یا نفس معرضِ وجود میں آتا ہے اور ربِّ کریم کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت کے کرشمے سے تین اندھیروں میں چھپے مختلف اِرتقائی مراحل سے گذر کر بشر کی صورت میں پیدا ہوتا ہے، کچھ اسی طرح اِنسان بھی معمورۂ آب و گِل میں چھپے اِرتقائی مراحل سے گذر کر بشر کی صورت میں سرو قامت بنا اور دو پاؤں پر چلنے لگا اور ربِّ علیم و حکیم کے انفاخِ روح کے اعجاز سے اس میں حسّی۔ قلبی نفسی نظام قُوّۃ سے فعل میں آگیا تو معاشرتی زندگی بسر کرنے لگا، اور آدم کہلایا۔ یہی مطلب ہے نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اِس اِرشاد کا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم الماء (پانی) اور مٹی (طین) کے درمیان تھا (بخاری، ادب، ص ۱۱۹؛ مُسلم، فضائل الصّحابۃ، ص ۳۸؛ مؤطّا، ۴، ۳۰۶)۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس مسئلے کو اس کے صحیح تناظُر میں سمجھنے کی خاطر یہاں اِس اصلِ عظیم کی طرف اِشارہ کر دیا جاتا ہے کہ ربِّ رحمٰن و حکیم کی جمالیاتی۔ تخلیقی فعلیّت میں اس کے دو اُصول بھی کارفرما رہے ہیں۔ ایک اِرتقاء کا اُصولِ فجائی؛ اور دوسرا احترامِ آرزو کا اُصول۔ پہلے اُصول کا مطلب یہ ہے کہ ربِّ علیم و حکیم کی مخلوقات کی ہر نوع کے اِرتقاء کا سلسلہ ایک مقام پر آکر دفعتًا منقطع ہوگیا۔ ایسا کیوں ہوتا رہا؟ عُلمائے حیاتیات اس کی کوئی معقول توجیہ نہیں کرسکے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ مادّہ کو قدیم (غیر مخلوق) اور مادّی تخلیقات کو خود رد مانتے ہیں لیکن قُرآنِ حکیم کی رُو سے اِس انقطاعِ فجائی کا سبب آرزوئے اِرتقاء کا فُقدان تھا۔ بالفاظِ دیگر، مخلوقات کی جس نوع میں مزید ترقی کرنے کی آرزو نہ رہی اور موجودہ حالت پر قانع ہوگئی تو قُدرت کا قانونِ

Marfat.com

اِحترامِ آرزو دفعتاً حرکت میں آگیا، نتیجتاً اس کے اِرتقاء کا سلسلہ مُنقطع ہوگیا۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نباتاتی اور حیاتیاتی اِرتقاء متعدّد اقسام کا تھا، مثلاً جمالیاتی، ابعادی، صُوری، پیکری و قامتی اور الوانی وصوتی وغیرہ وغیرہ - ابعادی اِرتقاء (Dimensional evolution) سے مُراد جارحی-عضوی (Organic)، طولانی، عریضی، اِرتفاعی اور پروازی اِرتقاء ہے - یہ اِرتقاء دو ادوار تک عالمِ آب میں جاری وساری رہا، یہاں تک کہ مزید اِرتقاء کی آرزو وجستجو رکھنے والی مخلوقات عالمِ نو کی تلاش میں عالمِ آب وگِل میں ہجرت کرگئیں - اس طرح ان کا اپنے آباء و اجداد سے رشتہ مُنقطع ہوگیا جو اسی حالت میں معمورۂ آب میں زندگی کرتے رہے - ہجرت دشوار گذار اور صبر آزما امتحان ہوتی ہے - اگر مادّی، معنوی یا دینی ترقّی کی خاطر ہو تو حُسنِ عمل ہوتی ہے - اِنسان نے عالمِ آب میں اپنی ذات کی تکمیل کے لیے مختلف مراحل سے گذرنا اور پانی سے خشکی کی طرف ہجرت کرنا تھی، لہٰذا جو افراد صبر سے اِرتقائی مراحل طے کرنے کی خاطر ہجرت کرگئے، وہ کامیاب ہوگئے، لیکن جو محنت ومشقّت اور سعی وجُہد کرنے سے باز رہے وہ فنا ہوگئے یا بحالہٖ زندگی کرتے رہے -

اِس حقیقت کی طرف قرآنِ حکیم نے درج ذیل آیۂ فکر انگیز میں اشارہ کیا ہے :

★ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ھُود ۱۱: ۷) :

اور اُس دَور میں اس کا تختِ فرماں روائی پانی (سے معمور دُنیا) پر تھا ؛ (اور اس سے مقصود) تمہارا امتحان لینا تھا کہ تُم میں سے کون بلحاظِ حُسنِ عمل بہتر ہے (یعنی تُم میں سے کون اپنی ذات کی تکمیل کرنے کے لیے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ سعی وجُہد اور ہجرت کرنے والا ہے) -

بہرکیف، آرزو سچی ہو تو تحوُّل وتطوُّر اور اِنقلاب کے مرحلے ربِّ رحمٰن آسان بنا دیتا ہے - ہمارے اِس نظریۂ اِحترامِ آرزو کی اساس قرآنِ حکیم ہے، جس کی چند آیات اِتمامِ حجّت کے طور پر پیش کی جاتی ہیں :

★ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ ۲: ۲۵۶) :

اپنی مرضی کی روشِ زندگی اِختیار کرنے میں جبر یا زبردستی نہیں -

ہر مخلوق اُمّت ہے (الانعام ۶: ۳۸)، اور اس کی اپنی روشِ زندگی ہے، جسے عرب دین سے تعبیر کرتے تھے، اور اِسی معنی میں قرآنِ مجید نے یہاں یہ لفظ اِستعمال کیا ہے -

★ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النّسآء ۴: ۱۳۴) :

جو شخص صرف دُنیوی فائدے کی آرزو رکھتا ہے (اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ موجود ہے -

★ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرّعد ۱۳: ۱۱) : بلاشُبہ اللہ کسی

Marfat.com

قوم کے احوال وظروف میں اِنقلاب نہیں لاتا جب تک کہ وہ خود اپنے نفس کے احوال وظروف یا آرزووں اور داعیات کو نہیں بدلتی۔

★ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (الانفال ۸: ۵۳):

ایسا (قُدرت کے قانونِ احترامِ آرزو سے) ہوا کہ وہ کسی قوم کی نعمت کو جو اُس نے اس پر ارزانی کی ہو، اس وقت تک نہیں بدلتا (یعنی وہ مسلوب نہیں ہوجاتی) جب تک کہ وہ خود اپنی آرزوئے نعمت کو نہیں بدلتی (یعنی اس میں آرزوئے نعمت نہیں رہتی) یقیناً اللہ سب کچھ سُننے والا۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔

قُدرت کے قانونِ اِحترامِ آرزو کو جسے قُرآنِ حکیم نے چودہ صدیاں پہلے پیش کیا تھا علم یا سائنس نے دورِ جدید میں اس کی تصدیق کردی ہے اور یہ تصدیق قُرآنِ حکیم کے مِن جانب اللہ ہونے کی بُرہانِ قاطع ہے۔

معمورۂ آب میں حیاتیاتی تخلیق کے اِرتقاء کے مراحل اپنے احوال وظروف کے مطابق بروئے سُنّتِ اِلٰہی کچھ اس طرح گزرے جس طرح جنین ماں کے پیٹ میں اِرتقائی مراحل سے گزرتا ہے، جن کی طرف قُرآنِ مجید نے فکر انگیز اشارے کیے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

★ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً ...... فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المؤمنون ۲۳: ۱۲-۱۴):

اور (غور کرو) ہم نے اِنسان کو (پہلے) گیلی مٹی کے جوہر سے تخلیق کیا تھا۔ پھر اُسے ایک محفوظ سکونت گاہ میں نُطفہ بنایا۔ پھر ہم نے نُطفے کو علقہ یا خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو گوشت کا پارچہ سا بنا دیا۔ پھر ہم نے اِس پارچۂ گوشت کی ہڈیاں بنائیں؛ پھر ہم نے اِن ہڈیوں (کے ڈھانچے) پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اُسے دوسری خلقت میں (بصورتِ بشر) پیدا کردیا۔ تو کیا برکتوں والا ہے اللہ جو جُملہ تخلیق کاروں میں بہترین خالق (حقیقی) ہے۔

گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے یہاں اِس واقعیت کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ربِّ علیم وحکیم اِنسان کو جس طرح ماں کے پیٹ میں تخلیق کے مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کرتا ہے، اسی طرح اُس نے ابتداء میں بھی اِنسان کو تخلیق کے مدارجِ تطوّر یا مختلف اِرتقائی مدارج سے گزارا تھا۔ ارشاد ہوا:

★ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○ (نُوح ۷۱: ۱۴): اور اُس نے (اے بنی نوعِ اِنسان!) تُم کو مختلف (اِرتقائی) مدارج سے گزار کر تخلیق کیا ہے۔

محولۂ بالا سُورۃُ المؤمنون کی آیات کی رُو سے تخلیقِ اِنسانی کے چھے مدارجِ تطوّر یا اِرتقائی مدارج یہ ہیں:

Marfat.com

اوّل : رحمِ مادر میں نُطفہ کا درجہ

دوم : علقہ یا جونک نما خون کے لوتھڑے کا درجہ

سوم : مُضغہ یا پارچۂ گوشت کا درجہ

چہارم : ہڈیوں کا درجہ

پنجم : عظام و لحم یا ہڈیوں اور گوشت کے امتزاج کا درجہ

ششم : خلقِ آخر کا درجہ، یعنی جب وہ بطنِ مادر سے بصورتِ بشر پیدا ہوتا ہے۔

(مُفصّل بحث کے لیے دیکھیے اِس تلمیذ القرآن کی کتاب سرگُذشتِ فلسفہ، حصہ اوّل، ص ۳۹۸-۴۳۹)۔

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ اور صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ میں دو مراحلِ اِرتقاء

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ ربِّ رحمٰن و حکیم کی حکیمانہ منصوبہ بندی کے مطابق آفتاب کی تمازت اور دیگر عوامل سے دُنیا جو معمورۂ آب تھی، اُس میں خشکی کے وسیع و عریض اور چھوٹے اور بڑے قطعات نمودار ہو گئے، مثلاً برِاعظم، ممالک، جزیرے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ زمین میں لاوے کے جوش و ہیجان اور دیگر عوامل کے سبب اس میں ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب جھیلیں وغیرہ نمودار ہو گئیں۔ پھر پہاڑوں میں چشمے پُھوٹے اور ندی نالے اور دریا بہنے لگے۔ سُمندر بھی تشکل پذیر ہو گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ساحل کے ساتھ ساتھ دُور و نزدیک آب و گِل کے دو قطعات پائے جاتے ہیں۔ پہلا قطعہ پکی ہوئی کھنکھناتی ٹھیکری کی طرح ہوتا ہے، جس کے لیے قُرآنِ مجید نے صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ کی تعبیر اِختیار کی ہے۔ اِس قطعے کے مُتّصل سُمندر کی طرف دوسرا قطعۂ آب و گِل پایا جاتا ہے، جو کیچڑ نما متعفّن مٹی کا ہوتا ہے، جسے قُرآنِ مجید نے صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ دونوں تعبیرات اِنتہائی موزوں اور بلیغ ہیں۔

اِس موقع پر قُدرت کے قانونِ مطابقت پذیری (Law of adaptability) کی طرف اِشارہ کر دیا جاتا ہے۔ قُدرت نے اِنسان میں دیگر جانوروں سے کہیں زیادہ مطابقت پذیری کی صلاحیّت ودیعت کی ہے، اور اِس صلاحیت ہی کی بدولت اُس نے دیگر جُملہ حیاتیاتی مخلوقات سے زیادہ اِرتقائی مراحل طے کیے ہیں اور اب بھی برنگِ دیگر شکمِ مادر میں کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِنسان ہر طرح کا گوشت، سبزیاں، پھل اناج

Marfat.com

کھا جاتا، اور مشروبات پی جاتا ہے؛ نیز گرم و سرد، مرطوب و خشک آب و ہوا میں اور کوہ و کمر، میدانوں، صحراؤں، جزیروں، جنگلوں، پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں، حتیٰ کہ قُطبین کے یخ بستہ علاقوں میں زندگی کر رہا ہے۔

ہجرت کی آرزو حیاتیاتی مخلوق میں بالقُوّۃ پائی جاتی ہے، کیونکہ زندگی کا خاصّہ حرکت و تغیّر ہے۔ لیکن ہجرت آرزوئے اِرتقاء کے ساتھ حوصلہ و ہمّت، اُولُوالعزمی و جفاکشی اور جراَتِ اِقدام و صبر کو چاہتی ہے۔ چنانچہ آبی حیاتیاتی مخلوق میں سے جن جانداروں میں یہ صفات پائی جاتی تھیں وہ آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے مذکورہ قِطعات میں رہنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اِس عالَم میں اس کے اعضاء و جوارح میں زبردست اِنقلاب آیا اور اُس نے گویا ایک نئی مخلوق میں ظہور کیا۔ اِس صورتِ حال کو قُرآنِ مجید نے اپنے اِیجازِ بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے:

★ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر ۱۵: ۲۶):

اور ہم نے سیاہ کیچڑ والی متعفن مٹی والے قِطعۂ زمین میں پیکرِ اِنسانی کی تشکیل کی۔

★ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (الرّحمٰن ۵۵: ۱۴):

اُس نے بجنے والی سوختہ ٹھیکری ایسے قِطعۂ زمین میں پیکرِ اِنسانی کی تشکیل کی۔

فکر انگیز نُکتہ: ان آیات میں ربِّ حکیم نے اِنسان (Mankind) کا لفظ اِستعمال کیا ہے آدم کا نہیں۔ نفسِ مضمون کا تقاضا ہے کہ قُدرت کا قانونِ آرزو و اِرتقاء ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ یہ واقعیت بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک نوعِ اِنسان کا تعلق ہے اس میں صُوری و قامتی اور باطنی اعتبار سے جمالیاتی۔ تخلیقی اِرتقاء کی آرزو دیگر حیاتیاتی انواع کی بہ نسبت شدید ترین اور سچی تھی، جیسا کہ اس کے اکمل و احسن قد و قامت، خوبصورتی اور موزونیِ اعضاء و جوارح اور منفرد و بیمثال حِسّی۔ قلبی۔ نفسی نظام سے ثابت ہے۔

صدیوں کو محیط دو ادوار اِس عالَمِ آب و گِل میں زندگی کرنے کے بعد نوعِ اِنسان سمیت دیگر حیاتیاتی مخلوقات میں بھی یہاں سے ہجرت کر کے ساحل کے پار نئے عالَم میں جانے کا داعیہ پیدا ہوا، اور وہ بالآخر ہمّت اور جی کڑا کر کے سرزمین پر پہنچنے پر کامیاب ہو گئے۔ اس دَور میں سرزمین کی جو حالت تھی اُس کے لیے قُرآنِ حکیم نے طِینِ لازِب، طِین اور تُراب کی تعبیریں اِختیار کی ہیں۔

طِینِ لازب۔ طِین اور تُراب یا تخلیقِ آخر کا مرحلہ

ساحل پر اُترنے والی حیاتیاتی انواع، خصوصًا اِنسانی نوع کو پہلے طِینِ لازب یا دلدلی قسم کی زمین میں زندگی کرنا پڑی۔ یہاں بھی اُسے تطوّر و تحوّل کے احوال و ظروف میں سے گزرنا پڑا اور اُس کے قد و قامت میں نمایاں

Marfat.com

اِنقلاب آیا۔ اِس تخلیقی مرحلے کو قرآنِ مجید نے اپنے اِعجازِ بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے :

★ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ○ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۱) : ہم نے ان (بنی نوعِ اِنسان) کو لیس دار یا دلدلی مٹّی سے تخلیق کیا ہے، یعنی اس کے پیکر کی تشکیل (نَو) کی ہے۔

صدیوں یہاں رہنے کے بعد ان میں پھر یہاں سے ہجرت کر کے آگے بڑھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ نوعِ اِنسان سمیت جن انواع کی آرزو سچّی تھی، وہ ہمّت کر کے حوصلے اور صبر کے ساتھ طین یا معمولی گیلی زمین، مثلاً جنگلوں میں آباد ہوگئیں۔ یہاں بھی ان کو مختلف تخلیقی و اِرتقائی مراحل سے گزرنا پڑا۔ جہاں تک نوعِ اِنسانی کا تعلق ہے اس میں حیرت انگیز خَلقی (ظاہری) اور خُلقی (باطنی) اِنقلاب آیا۔ سب سے بڑا اور مُحیّرُالعقول اِنقلاب یہ تھا کہ اُس نے پہلے دو پاؤں پر کھڑا ہونا اور پھر چلنا شروع کر دیا، جیسے بچّے کیا کرتے ہیں۔ اِنسان کا راست قامت بننا تھا کہ اُس میں قُدرت کی طرف سے ودیعت کردہ حسّی۔ قلبی۔ نفسی اِستعدادیں قوّت سے فعل میں آگئیں۔ قُرآنِ مجید کی زبانِ بلیغ دلبصیرت افروز میں

★ اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (السّجدۃ ۳۲ : ۷-۹) :

اُس نے جو چیز تخلیق کی اُسے حسین بنایا اور نمدار سرزمین سے اِنسان کی تخلیق کا (پانچواں مرحلہ) شروع کیا۔ پھر اُس کی نسل حقیر پانی کے لُب یا جوہر سے چلائی۔ پھر اُسے راست قامت و خوبصورت بنایا، اور اس میں اپنی روح سے پھونکا اور تمھارے لیے کان، آنکھ اور قلب بنا دیے، یعنی ان میں سمعی، بصری اور قلبی نظام فعّال کر دیا؛ بہت کم تم شکر کرتے ہو۔

اِس مرحلے میں جو بنی نوعِ اِنسان کا پانچواں جمالیاتی۔ اِرتقائی تخلیقی مرحلہ تھا، اُن میں جنگلی وحوش کے ساتھ خوف و خطر اور غم و اندوہ کی زندگی کرنے کے بجائے کھُلے میدانوں میں امن و سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر عمرانی زندگی بسر کرنے کی آرزو شدّت اختیار کر گئی۔ وہاں چونکہ خود رو پھلوں سے معمور اشجار نہ تھے، لہٰذا روزی کے سامان کے فُقدان کے سبب وہ جنگل سے ہجرت کر کے میدان میں جانے سے ڈرتے تھے۔ لیکن عمرانی زندگی زرعی زندگی کی متقاضی تھی۔ چنانچہ ربِّ رحمٰن نے متمدّن و معاشرتی زندگی کے آرزو مند بنی نوعِ اِنسان کو مہذّب و متمدّن اور متدیّن و متشرّع بنانے کی خاطر بعثتِ انبیآء علیھم السّلام اور وحی و تنزیل کا سلسلہ شروع کر دیا؛ اور ان کے مثالی اِنسان کو، جسے قُرآنِ مجید نے "آدم" کے نام سے موسوم کیا ہے، اپنا نبیؑ اور ان کا خلیفہ بنایا۔ پھر انھیں اِرشاد فرمایا کہ وہ جنگل سے نکل جائیں اور میدان کی زرعی اراضی میں جا بسیں اور کاشتکاری و باغبانی کر کے

Marfat.com

معاشرتی وتمدّنی زندگی بسر کریں۔

یہ زرعی۔عمرانی زندگی اِنسان کی تخلیقِ آخر تھی؛ اور وہ احسن واکمل بشر بن کر، جس کے لیے قرآنِ مجید نے بَشَرًا سَوِيًّا کی اِنتہائی موزوں اور بصیرت افروز تعبیر اِختیار کی ہے (مریم ۱۹ : ۱۷)، اَقصائے عالَم میں پھیل گیا: یہ واقعیت بزبانِ قرآنِ حکیم

★ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ○ (الروم ۳۰ : ۲۰):
اور یہ اس کے معجز نما نشانات میں سے ہے کہ اُس نے خشک سرزمین سے تمھاری (آخری) تخلیق یعنی تشکیل کی، پھر جب تم بشر بن گئے تو (زمین کے اَطراف وجوانب میں) پھیلتے چلے گئے۔

حیاتیاتی اِرتقاء کے یہ آخری تین مراحل ایک یوم یا دَور میں پایۂ تکمیل کو پہنچے تو ساتھ ہی اس کا تخلیقی سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا۔اس کی بُنیادی وجہ یہ تھی کہ اِنسان کے صُوری ومعنوی نظام کی تکمیل ہوگئی تھی اور اُس میں حیاتیاتی اِرتقاء کی آرزو نہیں رہی تھی لیکن موضوعی نظام کی تکمیل سے معنوی اِرتقاء کی آرزو پہلے سے زیادہ شدّت اِختیار کرگئی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے؛ اور ہمیشہ ابدالآباد تک جاری رہے گا، اس لیے اِسے لامُتناہی کہہ سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جنّت میں معنوی اِرتقاء کا سلسلہ ابدالآباد تک جاری وساری رہے گا۔

بنی نوعِ اِنسان اس وقت تک زراعت سے واقف نہیں ہوئے تھے۔چنانچہ وہ جنگلات میں رہتے تھے جہاں وہ خودرو پھلوں، سبزیوں اور جانوروں کے گوشت پر بسر اوقات کرتے تھے۔اُن کی زندگی اگرچہ تہذیب سے ناآشنا تھی اور ان میں جنگل کا قانون رائج تھا، لیکن وہ دیگر مخلوقات پر حُکمرانی کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان میں حِسّی۔قلبی نظام قُوّۃ سے فعل میں آگیا تھا؛ نیز اس کے نتیجے میں ان میں عمرانی یا معاشرتی زندگی بسر کرنے کی آرزو بھی نشوونما پانے لگی تھی۔اس کے لیے ان میں کسی ایسے اہلِ علم ودانش اِنسان کی آرزو پرورش پاتے پاتے شدّت اختیار کرگئی۔قُدرت جو اس آنِ مُنتظَر (Zero Hour) کی مُنتظِر تھی، اُس نے اپنے جمالیاتی۔تخلیقی شہکاروں کی یہ سچّی آرزو پوری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔پھر اِس بات کا اعلان ملائکہ میں کردیا جن میں اِبلیس بھی اِعزازی طور پر شامل تھا کہ وہ کُرۂ ارض میں بنی نوعِ اِنسان میں انہیں میں سے مثالی اِنسان۔آدم کو خلیفہ یا حُکمران مقرّر کرنے والا ہے۔آدم بحیثیّتِ خلیفہ میرے بندوں میں میرے احکام وتعلیمات کے مطابق فیصلے کرے گا؛ اور ساتھ ہی انہیں خلافتِ اِنسانی کو تسلیم کرنے کا بھی حُکم دیا۔

ربِّ علیم وحکیم کے اِس فیصلے پر ملائکہ کو سخت تعجّب ہوا، کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ بنی نوعِ اِنسان اس عہد میں وحشیانہ زندگی بسر کررہے تھے اور ان میں جنگل کا قانون رائج تھا: نیز خونریزی وفساد کرنا ان کا شِعارِ زندگی تھا۔انھوں نے بارگاہِ اِیزدی میں عرض کیا: "یاربّ! تُو ایسی وحشی وسفّاک مخلوق کو خلافتِ ارضی تفویض

Marfat.com

کر رہا ہے، حالانکہ اس کے سزاوار و مستحق ہم ہیں، کیونکہ ہم تیری حمد و تقدیس اور تسبیح کرتے رہتے ہیں۔"

ملائکہ کو اِس اصلِ عظیم کا علم نہ تھا کہ لوگوں پر حکمرانی کرنے، اُن کے حقوق کی پاسداری اور ان کے درمیان تنازعات و اختلاف کا فیصلہ کرنے اور احکامِ اِلٰہیہ پر عمل درآمد کرانے کے لیے محض حمد و تسبیح اور تقدیس کرنے کی عادت کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ علم و حکمت کی ضرورت ہوتی ہے، جو اِنسان کو بالقُوّۃ ودیعت کیے گئے تھے۔ اس بات کا بھی ملائکہ کو علم نہ تھا، کیونکہ غیب کا علم ربِّ علیم و خبیر کے سوا بشمولِ اِنسان کسی مخلوق کو نہیں۔ بہرحال، اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اِتمامِ حُجّت کی خاطر اِنسانوں میں سے احسن و اکمل اِنسان کو منتخب کیا، جسے اُس نے "آدم" کے نام سے موسوم کیا اور اُسے علم الاشیاء یا موجودات کے خواص و صفات اور ان کے نام رکھنے کا عملی مظاہرہ کرنے کا حُکم دیا۔ اُس نے اِمتثالِ امر کی تعمیل کی تو یہ دیکھ کر فرشتوں کو اپنے اعتراض پر ندامت ہُوئی اور انھوں نے اپنی کم علمی کا اعتراف کرلیا اور اِنسان کی قُوّتِ علم و حکمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، اور اس کی خلافتِ ارضی کو تسلیم کرلیا۔ لیکن اِبلیس نے، جو اس وقت فرشتوں کے زُمرے میں شامل تھا، نسلی عصبیّت کی بناء پر ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ اُس نے اپنے انکار و اِستکبار کی وجہِ جواز یہ پیش کی کہ "میری تخلیق نار سے ہوئی ہے جبکہ بشر کی تخلیق مٹّی سے ہوئی ہے؛ لہٰذا میں اس سے افضل و اعلیٰ ہوں۔ اس کی یہ دلیل غلط تھی؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مٹّی میں پیداواری صلاحیت پائی جاتی ہے، جبکہ آگ میں یہ استعداد نہیں پائی جاتی۔ بہرحال، ربِّ اکبر و اعظم کی نافرمانی اور تکبُّر کرنے کے جُرم کی پاداش میں اِبلیس کو اُس نے ایک تو منصبِ ملکوتی سے معزول کر دیا، اور دوسرے، اس کی ہٹ دھرمی کے باعث اُسے اپنی رحمت سے ہمیشہ کے لیے محروم و دُور کر دیا؛ اس طرح اِبلیس ملعون و اہلِ نار بن گیا۔ اِنسان سے حسد و عداوت کے سبب شرّ انگیزی اور جمالیاتی فریب کاری اس کا شعار بن گیا تو شیطان کہلایا۔

یہاں سے آدم و اِبلیس کے اِنتہائی فکر انگیز و عبرت آموز قِصّے کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ اِنسان میں چونکہ اب معاشرتی و متمدّن زندگی بسر کرنے کی آرزو شدّت اختیار کرگئی تھی، اس لیے ربِّ رحمٰن نے اپنے قانونِ احترامِ آرزو کی رُو سے ان میں عمرانی زندگی کے حقوق و قوانین کا شعور بیدار کرنے اور انھیں امن و سلامتی کے ساتھ حیاتِ طیّبہ بسر کرنے کا طریقہ سکھانے کا فیصلہ کیا۔ اس عہد میں ان کے پاس حقوقِ اِنسانی کی پاسداری کا نہ تو کوئی فطری قانون تھا اور نہ خیر و شرّ میں امتیاز کرنے کا کوئی سچّا یا فطری معیار ہی تھا۔ عمرانی زندگی کی پیش شرط (Pre-requisite) عائلی زندگی ہے، جس کی تشکیل مناکحت سے ہوتی ہے، لیکن ان میں ابھی مناکحت کی غیر معمولی اہمیت کا شعور بیدار نہ ہوا تھا۔ اس کے نتیجے میں ان میں خاندانوں کی تشکیل نہیں ہوئی تھی اور نہ ان میں فوقیت ہی پیدا ہوئی تھی۔ بنی نوعِ اِنسان پر وحی و تنزیل یا دین کا اِحسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ان میں مناکحت کی غیر معمولی اہمیت کا شعور بیدار کیا اور ان کی پہچان کے لیے اُن کو شعوب و قبائل اور خاندانوں میں رہنا سکھایا۔

Marfat.com

بنی نوعِ انسان میں اِس واقعیت کا شعور پیدا کرنے کی خاطر کہ دُنیا اُن کے لیے اِمتحانگاہ ہے اور وہ اپنی آزادیِ فکر وعمل کی بناء پر قُدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مُستوجب ہیں؛ نیز اس کے ہر حُکم کی بجاآوری لازمی (Compulsory) ہے، اختیاری (Optional) ہرگز نہیں؛ علاوہ بریں، اس کی ہر بات کو تسلیم بالیقین کرنا اور اُس پر عمل کرنا خود انسان کی دُنیوی و اُخروی حسنہ اور کامیابی کے لیے ناگزیر ہے، ربِّ رحمٰن نے آدم اور اس کی زوجہ کو حُکم دیا کہ انھیں خود رو پھلوں کے باغِ ارضی میں کھانے پینے کی آزادی ہے، لیکن اس کے اذنِ مناکحت کے بغیر "شجرِ ممنوعہ" کے قریب نہ جائیں؛ یعنی جنسی اختلاط سے باز رہیں۔

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ ابلیس نے ربِّ جلیل وقدیر کو چیلنج دیا تھا کہ وہ بنی نوعِ انسان کو قیامت تک اپنی وسوسہ اندازی اور جمالیاتی فریب کاری کے ذریعے گمراہ کرتا رہے گا، البتہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا جو اس کے "مخلص بندے" ہوں گے۔ "مخلص بندوں" کا مطلب ہے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی توحیدِ اُلوہیت و ربوبیت کو تسلیم بالیقین کرنے والے موحّد و فرماں بردار بندے۔ چنانچہ حریفِ انسان ابلیس نے آدم اور اس کی زوجہ کو "شجرِ ممنوعہ" یا جنسی اعضاء (Sex organs) کو باتوں اور اشاروں سے دکھانے اور انھیں جنسی لذّت سے آشنا کرنے کی کوشش شروع کر دیں۔ وہ اپنی جمالیاتی فریب کاری اور وسوسہ اندازی کے ذریعے اصنافِ جلیلہ وجمیلہ دونوں کے جنسی جذبات کو اُبھارتا اور انھیں جنسی فعل پر اُکساتا رہا۔ وہ ان کے جنسی اعضاء کو خوبصورت و دلکش بنا کر دکھاتا اور اپنی شیطانی دلائل سے ان کو قائل کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا۔ وہ اُن کا دوست وناصح بن کر اور قسمیں کھا کھا کر اُن سے کہتا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمھیں اِزدواجی زندگی بسر کرنے سے اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تُم فرشتے نہ بن جاؤ یا ابدی زندگی حاصل نہ کر لو" (نسل کشی کے ذریعے)۔

بصیرت افروز نکتہ: اگر یہ واقعہ ان دیکھی اور ناقابلِ ادراک جنّتِ سماوی کا ہوتا، جو الحَیَوان ہے، یعنی جس میں زندگی ہوگی اور موت کا فُقدان ہوگا تو ابلیس ایسا عیّار دُشمن، آدم اور اس کی زوجہ کو ایسی صریحًا غلط و باطل دلیل سے قائل کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرتا۔

یہ تو تھا جُملۂ معترضہ۔ ابلیس اُن سے کہتا: "یاد رکھو! اگر تُم نے تجرّد کی زندگی بسر کی تو تُم فرشتوں کی طرح خلافت سے محروم ہو جاؤ گے؛ نیز تمھاری اولاد نہ ہوگی تو تُم اپنی نسل کی صورت میں زندہ کیسے رہ سکو گے؟ حیاتِ ابدی اور خلافتِ ارضی حاصل کرنا چاہتے ہو تو "شجرِ ممنوعہ" کی لذّت یا لذّتِ جنسی سے آشنا ہو جاؤ۔ میری بات مانو کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں"۔

اِنسانی جوڑا اپنے ربِّ رحمٰن کا یہ ارشاد بھول گیا کہ ابلیس اُن کا کھُلا دُشمن ہے اور اس کے کہنے میں آنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بساطِ زندگی میں شیطان کے جمالیاتی فریب اور باتوں میں آ کر مات کھا گئے۔ یہ اُن کا

Marfat.com

دُنیا میں پہلا اِمتحان تھا جس میں وہ ناکام ہوگئے۔ اُن کا جنسی لذّت سے محظوظ ہونا تھا کہ اُن کے دل جو پہلے معصوم اور پاکیزہ تھے، گُناہ کے قبیح و نُور رُبا داغ کے حریف نہ ہوسکے، ندامت سے پانی پانی اور رہینِ خوف و حُزن ہوگئے؛ نیز اُن پر عیوبِ برہنگی کُھلے تو وہ ان کو درختوں کے پتّوں سے ڈھانپنے لگے۔ ان کے دلوں میں معافی کی آرزو پیدا ہوئی اور بے اختیار نالہ و زاری کرنے لگے۔ انھیں اِستغفار و توبہ کرنے کا طریقہ آتا تھا نہ ان کو الفاظ ہی کا علم تھا۔ ربِّ رحمٰن نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اس کی رحیمیّت جوش میں آئی اور وحی کے ذریعے ان کو توبہ و انابت کرنے کے لیے چند کلمات الہامی یا القائی طور پر سکھا دیے۔ وہ اِستغفار و توبہ کرتے رہے۔ ان کی توبہ قبول ہوئی اور ساتھ ہی حضرت آدمؑ کو بنی نوعِ اِنسان کی ہدایت کے لیے نُبوّت سے سرفراز فرمایا (آلِ عمران ۳ : ۳۳)۔

بنی نوعِ اِنسان کی آرزو کے مطابق حضرت آدمؑ جو اوّلین نبی تھے اُن کے خلیفہ یا حُکمران بنے۔ انھوں نے وحی و تنزیل کے ذریعے لوگوں کو دین سے آگاہ کیا اور ان کو مہذّب و متمدّن بنانے کے لیے مِن جُملہ دیگر علوم و فنون کے فنِ زراعت بھی سکھایا۔ جب وہ زرعی و معاشرتی زندگی کے قابل بن گئے اور اُن کی آبادی بھی بڑھ گئی تو انھیں ربُّ العٰلمین نے گھنے ثمردار باغِ دُنیا (جنّت) سے نکل جانے اور میدانی علاقے میں زرعی زندگی کرنے کا حُکم دیا۔

نُکتہ : یہاں یہ اہم بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اِس آیۂ جلیلہ میں اِھۡبِطُوۡا کے حُکم کے بعینہٖ وہی معانی ہیں جن معانی میں بنی اِسرائیل کو اِھۡبِطُوۡا مِصۡرًا کا حُکم ملا تھا (البقرۃ ۲ : ۶۱)؛ اور ہم بار بار دیکھ چکے ہیں کہ اپنی اصطلاحات اور آیات کی تفسیر کرنا قُرآنِ مجید کی سُنّتِ حسنہ ہے جس کی نظیر کسی اور کتاب میں نہیں ملتی۔

نفسِ مضمون چونکہ مزید طوالت کا متحمّل نہیں ہوسکتا، لِہٰذا آیاتِ قُرآنی نقل کرنے اور ان کی تفسیر کرنے کے بجائے اُن کے حوالے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے (البقرۃ ۲ : ۳۱-۳۷ ؛ الاعراف ۷ : ۱۰-۲۷ ؛ الاسراء ۱۷ : ۶۱-۶۵ ؛ الکھف ۱۸ : ۵۰ ؛ طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۵-۱۲۳)۔

حرفِ آخر

اکابر و سادات پرستی اور کورانہ تقلید کا یہ اِنتہائی عبرتناک نتیجہ اور اُمّتِ مُسلمہ کا المیہ ہے کہ اکثر مُسلمان جن میں مفسّرین و مترجمین بھی شامل ہیں، یہود و نصارٰی کے تتبّع میں قُرآنِ مجید کی نصوص اور مستند احادیثِ طیّبہ کو تسلیم بالیقین کرنے کے بجائے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آدمؑ اور ان کی زوجہ اَن دیکھی و مخفی جنّتِ سماوی میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر اُن سے سوال کیا جائے کہ "آپ آسمانی مخلوق ہیں یا زمینی"؟ تو ان کا جواب ہوتا ہے : "ہم زمینی مخلوق ہیں"، حالانکہ اُن کے عقیدے کے مطابق ان کا یہ جواب غلط ہے، کیونکہ ان کو سماوی مخلوق ہونا چاہیے۔

Marfat.com

ایسے لوگوں کا نظریہ جو اِسرائیلیات (یعنی اسرائیلی موضوع روایات) پر مبنی ہے، یہ ہے کہ ربُّ العٰلمین نے پہلے آدم کو اپنی جنّتِ سماوی میں آب و گِل سے مجسمہ ساز کی طرح بُت یا مجسمہ بنایا تھا (حالانکہ قُرآنِ مجید اور احادیثِ طیّبہ کی رُو سے جنّتِ سماوی کو کسی متنفّس نے نہ دیکھا ہے اور نہ کوئی قلب اس کی ماھیت کا تصوّر ہی کرسکتا ہے، اور وہ الحیَوان میں ہے، جہاں زندگی تو ہوگی مگر موت نہیں) اور یہ بُت بنانے کے لیے پانی اور مٹّی زمین سے لی تھی (جو ابھی معرضِ وجود میں آئی بھی نہیں تھی!) - اگر اس اعتراض سے بچنے کی خاطر وہ یہ بات بنائیں کہ ربِّ کریم نے پانی اور گلی سڑی اور بدبودار مٹی بہشت سے لی تھی، تو قُرآنِ مجید کی رُو سے وہ الحیَوان ہے، یعنی وہ دارالحیات اور دارالبقا ہے؛ اور احادیثِ طیّبہ کی رُو سے اس کی مٹی معطّر و مطھّر اور نظر افروز ہوگی، لیکن گلی سڑی ہوگی نہ متعفّن، اور نہ اس میں موت مُضمر ہوگی - پھر ان سے یہ سوال پوچھا جائے کہ اگر "اِھْبِطُوْا" کے معنی جنّتِ سماوی سے کروڑوں، بلکہ کھربوں میل نیچے خطّۂ ارض میں اُترنے کے ہیں (جس کا قُرآنِ مجید میں کہیں ذکر نہیں، بلکہ اس کے معنی جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، "چلے جانے کے ہیں") تو پھر قُرآنِ حکیم کی سند پر بتائیے کہ آدمؑ، ان کی زوجہ وغیرہ آسمان کی بے قیاس بلندیوں سے زمین پر کیسے اُترے؟ اس سوال کا مستند جواب نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہو سکتا ہی ہے، اِس لیے کہ قُرآنِ مجید میں اس کا کہیں ذکر نہیں -

اب چند آیاتِ قُرآنی جو قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہیں، اِتمامِ حُجّت کے طور پر پیش کی جاتی ہیں :

★ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ○ (الفُرقان ۲۵ : ۵۴): اور "وہی" تو ہے جس نے پانی (معمورۂ آب) سے بشر کی تخلیق کی، پھر اس سے نسبی اور سُسرالی رشتے داری قائم کی - اور تیرا رب (یعنی درجہ بدرجہ نشوونما دینے والا مالک و آقا) بڑا ہی قُدرت رکھنے والا ہے -

★ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ○ (الانبیآء ۲۱ : ۳۰) :
کیا جو لوگ (قُرآنِ مجید کی تعلیمات و احکام کو تسلیم بالیقین کرنے سے) انکار کرتے ہیں، غور نہیں کرتے کہ (پہلے) سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے - پھر ہم نے ان کو الگ الگ کیا - اور ہر حیاتیاتی چیز کو پانی (سے معمور دُنیا) سے بنایا - کیا اب بھی وہ اسے تسلیم بالیقین نہیں کریں گے؟

★ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (النُّور ۲۴ : ۴۵): اللہ نے ہر حیاتیاتی مخلوق کو پانی سے تخلیق کیا (جس سے دُنیا معمور تھی) -

Marfat.com

ان میں سے بعض تو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے۔ بلاشُبہ وہ ہر شے کرنے پر قُدرتِ کاملہ رکھنے والا ہے۔

★ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ (لقمٰن ۳۱: ۱۰): اور وہ اُس (زمین) میں کُل جاندار مخلوقات کو معرضِ وجود میں لایا (دیکھیے المفردات، المُجمل، اقرب الموارد وغیرہ وغیرہ)۔

اس کی تفسیر خود قُرآنِ مجید کی زبانِ بلیغ میں

★ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝

(نُوح ۷۱: ۱۷-۱۸): اور اللہ نے (اے بنی نوعِ اِنسان!) تمھیں زمین سے نشوونما دی جس طرح نباتاتی مخلوق کو دی جاتی ہے۔ پھر اسی میں تُم کو لوٹاتا ہے اور تمھیں (اسی سے) نکال باہر کرے گا جس طرح (نباتات، زمین سے) باہر نکالتا ہے۔

غور کریں تو یہ کتنی حکیمانہ اور بصیرت افروز مثال ہے، اور دیکھیے

★ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ (طٰہٰ ۲۰: ۵۵): اس زمین سے ہم نے تمھاری تخلیق کی اور اسی میں تمھیں لوٹاتے ہیں اور اسی سے تمھیں بارِ دیگر یا دوسری دفعہ نکال باہر کریں گے۔

مختلف اِرتقائی تخلیقی مراحل کی طرف بصیرت افروز اشارہ:

★ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (نُوح ۷۱: ۱۴): اور تمھاری تخلیق مختلف اِرتقائی مراحل میں کی تھی (جس طرح اب بھی وہ بچّے کی تخلیق مختلف اِرتقائی مراحل میں کرتا ہے، جس کا ذکر گذر چُکا ہے)۔

بنی نوعِ اِنسان کی زمین میں نَشْاَۃِ اُولیٰ و اُخریٰ کی ایک بصیرت افروز دلیل:

★ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ...

(الحج ۲۲: ۵): اے بنی نوعِ اِنسان! اگر تُم اپنی نَشْاَۃِ ثانیہ کے بارے میں تردُّد و شک اور اضطراب میں مُبتلا ہو تو (غور کرو کہ) ہم نے تمھیں (پہلے) خشک زمین یا مٹّی سے تخلیق کیا تھا، پھر تمھیں نُطفہ (Sperm) سے....

بنی نوعِ اِنسان کے کُرۂ ارض یا زمین میں پیدا ہونے پر ایک نصِّ قُرآنی جو

بُرہانِ قاطع اور حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے:

★ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (المؤمنون ۲۳: ۷۹): اور وہی ہے جس نے

Marfat.com

تمھیں زمین میں پیدا کیا اور اسی کی طرف تمھارا حشر ہوگا (یعنی تمھیں زمین سے نکال کر اس کے حضور جمع کیا جائے گا)۔

نوٹ: ذَرَاَکُمْ کی قرآنی تفسیر کے لیے دیکھیے (النحل ۱۶: ۱۳)۔

★ ھُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ (النجم ۵۳: ۳۲): وہ تمھیں اس وقت سے خوب جانتا ہے جب اُس نے تمھیں زمین (الارض) سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے۔

نکتہ: اگر ربُّ العلمین نے بنی نوعِ انسان کو اَن دیکھی اور ناقابلِ اِدراک جنّتِ الحیوانی میں پیدا کیا ہوا تھا تو وہ الارض کے بجائے اس کا نام لیتا۔ اُس نے الارض بنائی ہی انسان سمیت جُملہ مخلوقات کے لیے تھی اس لیے اُس نے ان کو زمین ہی میں پیدا کیا تھا۔

★ وَالْاَرْضَ وَضَعَھَا لِلْاَنَامِ ○ (الرحمٰن ۵۵: ۱۰): اور اُس نے کُرۂ ارض کو خاص طور پر انسان سمیت کُل مخلوقات کے لیے (السّماء سے الگ کرکے) رکھا۔

اب دو ایسی نصوصِ قرآنی پیش کی جاتی ہیں جن میں ربِّ رحمٰن وحکیم نے اِس واقعیت کی صراحت کردی ہے کہ اُس نے پہلے بنی نوعِ انسان کی جمایاتی۔ اِرتقائی طور پر تخلیق وصورتگری کی اور اس میں ان کے لیے روزی کا سامان ودیعت کیا تھا، اور پھر ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مثالی اِنسان۔ آدم کی علمی عظمت وفضیلت کو تسلیم کرنے کی غرض سے اس کے سامنے سرِتسلیم خم کردیں۔ وہ سرنگوں ہو گئے تھے، لیکن اِبلیس نے ایسا نہیں کیا اور وہ سرِتسلیم خم کرنے والوں میں شامل نہ ہوا:

★ وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ○ وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ○ (الاعراف ۷: ۱۰-۱۱):

اور (اے بنی نوعِ اِنسان!) ہم نے تمھیں زمین میں (قوّتِ علم وحکمت دے کر) آباد کیا اور اس میں تمھارے لیے معائش کے وسائل ودیعت کر دیے؛ کم ہی تم شکر کرتے ہو۔ اور (اے افرادِ نسلِ انسانی!) ہم ہی نے تم سب کی تخلیق کی، پھر (مدتوں) تم سب کی صورتگری کی (اور پھر جب تم بشر اور آدمی بن گئے) تو ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم یا مثالی معاشرتی اِنسان (کی خلافت یا حکمرانی کو تسلیم کرو اور اس) کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ! سب نے سرِتسلیم خم کردیا، بجز اِبلیس کے؛ وہ سرِتسلیم خم کرنے والوں میں سے نہ ہُوا۔

Marfat.com

ان آیاتِ فکر انگیز میں اہم ترین نکات یہ ہیں : اوّلاً ، ربِّ علیم وحکیم نے اِنسان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے ۔ ثانیاً ، اُس نے سب افرادِ نسلِ اِنسانی کے لیے دُنیا کو بنایا اور ان کی معیشت کے لیے اس میں ذرائع پیداوار ودیعت کیے تھے ، اس لیے کہ اُس نے اُنھیں اس میں علم وحکمت کی قوّت اور خلافت دے کر آباد کرنا تھا ۔ یہ سب کچھ اُس نے اپنے حکیمانہ منصوبے کے مطابق کیا تھا ۔ ثالثاً ، جب بنی نوعِ اِنسان نے بشری صُورت اختیار کر لی ، اور جیسا کہ دیگر آیات سے ثابت ہے ، اُس میں مُضمر حِسّی ۔ قلبی ۔ نفسی نظام قوّۃ سے فعل میں آ گیا اور اُس نے اپنے علم کا مظاہرہ کر کے فرشتوں کو سرِتسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا ؛ نیز وہ مل جُل کر رہنے لگے اور ان میں عائلی و عمرانی زندگی کی آرزو شدّت اختیار کر گئی اور آدم یا آدمی کہلائے تو تب ملائکہ کو آدمؑ کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کا حُکم دیا تھا ۔ یہ سب کچھ زمین میں ہوا تھا ، آسمان کی اَن دیکھی اور ناقابلِ فہم وادراک جنّتِ الحیوانی میں نہیں ہُوا تھا ۔ مختصر یہ کہ

اِنسان اِس دُنیا میں پیدا ہوا تھا اور دُنیا ہی میں سے قیامت کے روز اس کی نَشْأَۃِ ثانیہ ہوگی ۔

لُبِّ لُباب

اِنسان کے اِس اِنتہائی فکر انگیز وسبق آموز اور بصیرت افروز وعلم افزا قِصّے کا اِختتام دِین کے اِس فطری وغیر مُبدّل اصل الاُصول کے بیانِ مُعجز نما پر ہوتا ہے کہ بنی نوعِ اِنسان میں سے جو لوگ ربِّ رحمٰن کے نازل کردہ رہبرانہ اُصولوں ، احکام اور تعلیمات کے مطابق عمل زندگی کریں گے ، وہ خوف وخطر اور غم واندوہ کے کربِ سوزاں سے محفوظ رہیں گے ، "یہاں" بھی اور "وہاں" بھی ۔ بخلاف اس کے ، جو لوگ ان کو تسلیم بالیقین کرنے سے انکار اور ان کو جُھٹلائیں گے ، وہ دُنیا میں باطنی آتشِ خوف وحُزن کے کربِ جانکاہ میں مُبتلا رہیں گے اور آخرت میں جہنّم کی آتشِ جسم وجاں میں ہمیشہ جلتے اور اذیتیں سہتے رہیں گے ۔

از رُوئے احادیثِ طیّبہ

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی اولاد کی تخلیق کی تو فرشتوں نے عرض کیا : اے درجہ بدرجہ نشوونما دینے والے مالک ! تُو نے (زمین میں) اس مخلوق کو پیدا کیا ہے جو کھاتی اور پیتی ہے اور مناکحت یا شادی بیاہ کرتی ہے ، اور جانوروں پر سواری کرتی ہے

Marfat.com

(یہ سب کام وہ چونکہ دُنیا میں کرتی ہے اور دُنیا میں پیدا ہوئی ہے، لہٰذا) اُنھیں دُنیا دے دے اور ہمیں آخرت (یعنی جنّتُ الحَیَوانی) مرحمت فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس اِنسان کو میں نے اپنے ہاتھوں یعنی اپنی جمالیاتی۔ اِرتقائی تخلیقی فعلیت سے تخلیق کیا ہے اور اس میں اپنی رُوح پھونکی ہے اِس جیسی وہ مخلوق نہیں ہو سکتی جس کو میں نے کہا "کُن"! یعنی وجود میں آجا! اور وہ وجود میں آگئی (البَیہقی، فی شُعَبِ الایمان، المشکوٰۃ، باب بَدءِ الخَلق، ح ۵۴۸۵)۔

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی رُو سے اِنسان، بشر یا آدم کی تخلیق ایک تو جمالیاتی۔ اِرتقائی تھی اور دوسرے پچھلے ادوار میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی، اس لیے اس کے لیے خَلَقتُهُ بِیَدَیَّ کی اِنتہائی موزوں اور بصیرت افروز تعبیر اِختیار کی گئی ہے۔ اس کے مقابلے میں ملائکہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے کُن کہنے ہی سے معرضِ وجود میں آگئے تھے، لہٰذا اُن کے لیے کُن فَکَانَ کی تعبیر اِختیار کی گئی ہے، جو بلیغ و موزوں ہے۔

★ حضرت ابوھُریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم): مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ؟ قَالَ وَ اٰدَمُ بَینَ الرُّوحِ وَ الجَسَدِ (ترمذی، المشکوٰۃ، ۵۵۱۰): آپؐ کب نُبوّت کے لیے نامزد ہوئے تھے؟ فرمایا: اُس وقت جب آدم (یعنی اِنسان) رُوح (یعنی نفس) اور جسم کے درمیان (اِرتقائی مراحل طے کر رہا) تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم یا اِنسان ماء وطین یا پانی اور مٹی کے درمیان (اپنے جمالیاتی، تخلیقی اور اِرتقائی مراحل طے کر رہا) تھا (بُخاری، ادب، ۱۱۹؛ مُسلم، فضائل الصّحابۃ، ۳۸؛ اور احمد بن حنبل: المؤطّا ۴: ۲۰۶)۔

Marfat.com

الفاظ کی تحقیق و تشریح

ز ل ل (زل)

زَلَّ (ض س) زَلًّا وَ زَلَلًا وَ زُلُوْلًا وَ زَلِيْلًا وَ مَزِلَّةً وَ زِلِّيْلَى وَ زِلِّيْلَاءُ : پھسلنا، پھسل کر گرنا - عَنِ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ : حق وصواب سے پھر جانا (محیط، المنجد، صحاح) -

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلزَّلَّةُ کے اصل معانی ہیں: بلاقصد قدم کا پھسلنا، لغزش کھاجانا، اور پھسلنے کی جگہ کو زَلَّةٌ کہتے ہیں، نیز جو گناہ بلاقصد سرزد ہو جائے اُسے بھی بطور تشبیہ زَلَّةٌ کہتے ہیں - اِسْتَزَلَّهٗ (اِستفعال) کسی کو پھسلانے کا قصد یا ارادہ کرنا -

اَلتَّزَلْزُلُ کے معنی ہیں : اِضطراب اور اس میں تکرارِ حروف تکرارِ معنی پر دال ہیں (المفردات) -

اَزَلَّهٗ : اُسے پھسلایا - اَلزَّلَّةُ : لغزش، یعنی ڈگمگا جانا - اَلْمَزَلَّةُ وَ الْمَزِلَّةُ : پھسلنے کی جگہ، جمع مَزَالُّ - ابن فارس نے لکھا ہے کہ ہر وہ لفظ جس میں زاء کے بعد لام آتا ہو، اس کے بنیادی معنی "ہٹنے" یا الگ ہو جانے کے ہوتے ہیں - گفتگو میں لغزش کر جانے یا اپنی رائے سے منحرف ہو جانے یا ہٹ جانے، نیز غلطی کرنے کے لیے بھی یہ لفظ اِستعمال ہوتا ہے (المجمل) -

زَلِيْلٌ کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجانے کے بھی آتے ہیں (تاج) -

زَلْزَلَةٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو تیزی سے حرکت دے کر ہلا دینا یا اُسے اپنی جگہ سے ہٹا دینا (تاج) -

اَزَلَّ اِلَيْهِ نِعْمَةً : اس نے اس کو فائدہ پہنچایا (صحاح، قاموس، الجزری) - روایت میں ہے :

★ مَنْ اُزِلَّتْ اِلَيْهِ نِعْمَةٌ فَلْيَشْكُرْهَا (ابو عُبید، صحاح، مُغرب، مصباح) - جس پر کرم کیا جائے یا اُسے فائدہ پہنچایا جائے تو اس پر اپنے مُنعم کا شکر کرنا چاہیے - اس سے ثابت ہوا کہ اپنے حقیقی مُنعم و مُحسن ربِّ رحمٰن کی بے قیاس نعمتوں کا شکر کرنا ہر انسان پر لازم ہے -

زَلَلْتَ : تُو پھسل گیا (قاموس)، کیچڑ میں یا تقریر میں یا فیصلے، رائے یا مذہب میں (تاج) -

You slipped in mud, or in speech, or in judgment or in opinion, or in religion.

زَلَّ عَنْ مَكَانِهٖ : (مضارع، يَزِلُّ اور مصدر زَلٌّ) کے معنی ہیں : وہ ہٹ گیا، نقلِ مکانی کر گیا یا ایک طرف ہٹ گیا یا نقلِ مکانی کر گیا، یا اپنی جگہ سے پھسل گیا (مصباح) :

He, or it, moved away or

Marfat.com

- aside (or slipped) from his or its place.

زَلَّ فِی مَنۡطِقِهٖ یا فِعۡلِهٖ : اُس نے اپنی تقریر یا کام میں لغزش کھائی یا غلطی کی (مصباح) -

He made a slip, or mistake, in his speech, or in his action.

مُزَلِّلٌ : وہ جو بہت زیادہ مراعات و انعام و اکرام دیتا ہے (قاموس، تاج) -

One who bestows many benefits and bounties or gifts.

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

زُلۡزِلَتِ : زمین کا زور کی حرکت سے ہل جانا (اپنے محور سے ہٹ جانا) -

★ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ○ (الزلزال ۹۹: ۱) : جب زمین اس کی شدّتِ ہیجان سے ہلا دی جائے گی (اور وہ اپنے محور سے ہٹ جائے گی) -

زُلۡزِلُوۡا : دل میں قیامت گزرنا یا دل کا سخت دہل جانا (خوف و حُزن اور مصائب و شکیب رُبا احوال کے باعث) -

مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا (البقرۃ ۲: ۲۱۴) : ان کو بڑی بڑی مصیبتیں اور اذیتیں پہنچیں اور ان کی زندگی میں زلزلہ آ گیا یا اُن کے دل سخت دہل گئے -

★ هُنَالِكَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا ○ (الاحزاب ۳۳: ۱۱) : اُس وقت مؤمن خوب آزمائے گئے اور خوف و خطر کے شدید جھٹکے کے ساتھ ان کو ہلا دیا گیا ؛ یعنی اُن کے دلوں پر قیامت ٹوٹ پڑی -

زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ : قیامت کا زلزلہ -

★ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ○ (الحج ۲۲: ۱) : قیامت کا زلزلہ بہت بڑا سانحہ یا انتہائی ہولناک حادثہ ہوگا -

خ ر ج (خرج)

خَرَجَ (مضارع)، مصدر خُرُوۡجٌ اور مَخۡرَجٌ : وہ چلا گیا یا آیا، باہر نکل آیا یا گیا ؛ یا آگے نکل گیا ؛ پھوٹ پڑا (شگوفہ یا دانۂ روئیدہ) ؛ جُدا ہو گیا (صحاح، مصباح، قاموس وغیرھم) : یہ ضد ہے دَخَلَ

Marfat.com

مِنَ الْمَوْضِعِ کی (جگہ سے) - عربوں کا محاورہ ہے: خَرَجَ مُخْرَجًا حَسَنًا: وہ خوبصورتی یا احسن طریقے سے نکل گیا یا گزر گیا (صحاح) - خَرَجَ مِنْ دِیْنِہٖ: وہ اپنے دین سے نکل گیا (He quitted, or forsook his religion.) - اور خَرَجَ مِنْ دَیْنِہٖ وَ مَرَضِہٖ: اُس نے اپنے قرض اور مرض سے چھٹکارا پالیا (تاج) - خَرَجَ عَلَی السُّلْطَانِ اور مِنْ اَمْرِ السُّلْطَانِ: اُس نے سُلطان کے خلاف بغاوت کردی (صحاح، اساس، قاموس) - خَرَجَ فِی الْعِلْمِ وَ الصِّنَاعَۃِ (مصدر خُرُوْجٌ): وہ علم اور ہنر میں معروف یا مشہور ہوگیا: He became conspicuous in science and art (اساس، تاج)، نیز ماہر ہوگیا (موضع مذکور)۔

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں:

خَرَجَ (ن) خُرُوْجًا کے معنی کسی کے اپنی قرارگاہ یا حالت سے نکلنے کے ہیں، عام اس سے کہ قرارگاہ مکان، شہر یا کپڑا ہو اور یا کوئی نفسیاتی حالت جو خارجی اسباب کی بناء پر واقع ہوئی ہے۔ خَرْجٌ کا لفظ دَخْلٌ (آمدن) کے مقابلے میں آیا ہے؛ مگر خَرَاجٌ کا لفظ عموماً اراضی کے لگان پر بولا جاتا ہے۔ محاورہ ہے وَالرَّعِیَّۃُ تُؤَدِّیْ اِلَی الْاَمِیْرِ الْخَرَاجَ: رعیّت حاکم کو لگان دیتی ہے۔ اَلْخَرْجُ: بادل کی ایک قسم ہے، جمع خُرُوْجٌ۔

اَلْخَارِجِیُّ: وہ شخص جو بذاتِ خود اپنے ہمسروں کی صفات سے باہر نکل جائے۔ اگر یہ خروج کسی اعلیٰ مرتبے کی طرف ہو تو بطورِ مدح بولا جاتا ہے؛ اور اگر ادنیٰ مرتبے کی طرف ہو تو یہ لفظ بطورِ مذمّت کے استعمال ہوتا ہے۔ اَلْخَوَارِجُ کو خوارج اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اِمام کی طاعت سے نکل گئے تھے (المفردات)۔

یَوْمُ الْخُرُوْجِ: عید اور میلے کے دن کو کہتے ہیں جب لوگ آرائش و زینت کے ساتھ گھر سے نکلیں (تاج، اساس)۔ خَارِجٌ: باہر نکلنے والا۔ مَخْرَجٌ: نکلنے کی جگہ۔ اَخْرَجَ: نکالنا، پیدا کرنا۔ اِخْرَاجٌ: نکال باہر کرنا، پیدا کرنا۔ مُخْرِجٌ: وہ جو پیدا کرے، نکالے۔ مُخْرَجٌ: وہ جو پیدا کیا گیا ہو؛ یا وہ جگہ یا وقت جہاں سے یا جس میں کوئی چیز نکالی گئی ہو۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

خَرَجَ: باہر نکلنا (Come forth)، بچ کر نکلنا (Escape)؛ ڈر سے بھاگ جانا (Flee) اُگنا (To spring forth)؛ پیدا ہونا؛ زندہ نکالنا (زمین سے)؛ ظاہر یا افشا ہو جانا۔

★ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (مریم ۱۹: ۱۱): پھر وہ اپنی عبادت گاہ (Sanctuary) سے

Marfat.com

نکل کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس آئے۔

★ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ (القصص ۲۸: ۲۱): (حضرت موسیٰؑ) وہاں سے ڈرتے ڈرتے اور ہوشیاری سے دیکھتے وہاں سے بچ نکلے (So he escaped from thence fearing, vigilant.)۔

★ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ (البقرۃ ۲: ۲۴۳): (اے نبیؐ!) کیا آپ نے ان لوگوں (کے نفسیاتی احوال وظروف) میں غور نہیں کیا جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی موت کے خوف سے گھروں سے بھاگ اٹھے۔

★ وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ (المؤمنون ۲۳: ۲۰): اور وہ درخت بھی جو طُورِ سینا میں اُگتا ہے (ہم نے پیدا کیا ہے): And that tree also that springeth forth from Mount Sinai.

★ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ○ (الروم ۳۰: ۲۵): تم زمین میں سے اسی وقت (زندہ) نکل پڑو گے You will emerge forthwith, from the earth (alive). -

★ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ○ (طٰہٰ ۲۰: ۵۵): اِسی زمین (کُرۂ ارض) سے ہم نے تمہاری تخلیق کی اور اسی میں واپس تم کو لوٹاتے ہیں اور اسی سے تمھیں دوسری بار (زندہ) باہر نکالیں گے۔

★ وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا ○ (مریم ۱۹: ۶۶): اور اِنسان (تعجب سے) کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا زندہ نکالا جاؤں گا؟

★ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ○ (البقرۃ ۲: ۷۲): لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اُسے ظاہر کرنے والا تھا۔

خَرۡجًا: خرچ، ٹیکس، آمدن، لگان، جزیہ، خراج (Tribute)، چندہ وغیرہ۔

★ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا (الکهف ۱۸: ۹۴): کیا ہم آپ کے لیے خراج کی رقم مقرر کر دیں؟

★ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيۡرٌ (المؤمنون ۲۳: ۷۲): (اے نبیؐ!) کیا آپ اُن سے (تبلیغ کے لیے یا اس کے صلے میں) چندہ یا مال و دولت مانگتے ہیں؟ یقیناً آپ کے ربّ کا دیا ہوا مالِ حسنہ (اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتِ حسنہ) ہے۔

Marfat.com

ھ ب ط (ھبط)

ھَبَطَ (مضارع) اور مصدر ہے ھُبُوْطٌ : وہ شخص (یا چیز، مثلاً پانی وغیرہ، سے متعلق بولا جاتا ہے؛ مصباح)۔ نیچے اُترا (Descended)؛ دیکھیے (صحاح، قاموس، تاج) - تَہَبَّطَ : وہ نیچے اُترا یا نیچے گیا، یا وہ ڈھلان سے نیچے اُترا (He went down a declivity)، اور وہ نشیب میں اُتری (It sloped down)؛ مترادف: إِنْحَدَرَ (مذکورہ مآخذ)۔

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْھُبُوْطُ (ض) کے معنی ہیں : کسی چیز کے قہراً یعنی بے اختیاری کی حالت میں نیچے اُترنا، جیسا کہ پتھر بلندی سے نیچے گرتا ہے؛ اور اَلْھَبُوْطُ (بفتح الھاء) - صیغۂ صفت ہے، یعنی گرنے والی چیز- ھَبَطَ : فعل لازم اور مُتعدّی دونوں طرح اِستعمال ہوتا ہے؛ جیسے ھَبَطْتُ اَنَا : میں نیچے اُتر پڑا- وَ ھَبَطْتُ غَیْرِیْ : دوسرے کو نیچے اُتار دیا- اور جب لفظ ھُبُوْط اِنسان کے لیے بولا جاتا ہے تو اس میں استخفاف اور حقارت کا پہلو پایا جاتا ہے- بخلاف لفظ اِنْزَالٌ (الافعال) کے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر باشرف چیزوں کے لیے اِستعمال کیا ہے، جیسے ملائکہ، قُرآن، بارش وغیرہ، اور جہاں کسی چیز کے حقیر ہونے پر تنبیہ مقصود ہے، وہاں لفظ ھُبُوْط اِستعمال کیا ہے۔

ھَبَطَ الْمَرَضُ لَحْمَ الْعَلِیْلِ : بیماری نے مریض کا گوشت کم کر دیا؛ یعنی اُسے دُبلا کر دیا- اَلْھَبِیْطُ : اونٹ وغیرہ کو کہتے ہیں جو ناقص غذا اور مالک کی بے اعتنائی کی وجہ سے لاغر یا دُبلا ہو جائے (المفردات)۔

محاورہ ہے : ھَبَطَ مِنْ مَوْضِعٍ اِلٰی مَوْضِعٍ : اس کے معنی ہیں : وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا (محیط) - اَلْھَبْطَۃُ : نشیبی زمین کو کہتے ہیں؛ اور اَلْھَبْطُ : نقصان کو کہتے ہیں؛ نیز یہ لفظ ذلّت و مسکنت اور عجز و درماندگی میں مبتلا ہو جانے کے لیے اِستعمال ہوتا ہے (المجمل، محیط، تاج)۔

ھَبَطَ بِہٖ عَلٰی مَکَانٍ : اُس نے فُلاں جگہ اُتار دیا— محاورے میں ہے : اُس نے اُسے مرتبے، رُتبے، حیثیت یا حالت میں نیچے کر دیا : He lowered him, or degraded him, from his state, rank or condition. (تاج) - ھَبَطَ فُلَانًا : اُس نے فُلاں کو مارا یا پیٹا (قاموس)۔

مَھْبَطُ الْوَحْیِ : وحی کے نازل ہونے کی جگہ یا مقام : مکّہ مکرّمہ کا نام (مصباح، تاج)۔

اِھْبِطُوْا (مِصْرًا) : (شہر میں) داخل ہو جاؤ یا چلے جاؤ (کلیدِ لُغاتِ قرآن) Go away to or enter a town.

Marfat.com

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

اِهْبِطُوْا : منتقل ہوجاؤ یا چلے جاؤ (یہ حکم اِستخفاف و ناراضگی، نیز تنبیہ پر دلالت کرتا ہے)۔

★ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرۃ ۲: ۶۱): کسی آبادی یا شہر میں داخل ہوجاؤ یا چلے جاؤ! وہاں جو تم مانگتے ہو تمھیں مل جائے گا۔ (نتیجۃً) وہ ذِلّت (محکومی) اور محتاجی کے شکار ہوگئے۔ Go to or enter a town.

انہی معانی میں

★ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (البقرۃ ۲: ۳۸): ہم نے انھیں حکم دیا کہ تم سب کے سب اِس مقام سے نقلِ مکانی کرجاؤ، یا دوسری جگہ بسنے کے لیے چلے جاؤ۔

نُکتہ : یہاں سماوی جنّت سے نیچے اُترنا مُراد نہیں، بلکہ کسی باغِ دُنیا کے کسی میدان میں چلے جانے اور زرعی زندگی بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يَهْبِطُ : خوف، ہیبت سے یا ڈر کے مارے گرجانا۔

★ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (البقرۃ ۲: ۷۴): اور ان میں سے بعض (سنگِ کوہ) ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کی ہیبت سے گر پڑتے ہیں۔

اَهْبِطْ : مرتبے، اعلیٰ منصب سے گرجانا؛ کبھی عزّت و سلامتی کے ساتھ نیچے اُترنے کے لیے بھی اِستعمال ہوتا ہے۔

★ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا (الاعراف ۷: ۱۳): اِرشاد ہُوا: تو اِس (اعلیٰ منصبِ ملائکہ) سے پستی میں گر جا (Be degraded)۔

★ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (هُود ۱۱: ۴۸): اِرشاد ہُوا: اے نُوحؑ! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ نیچے اُتر آؤ!

ع د و (عدو)

عَدَاهُ (واحد مُتکلّم ہے عَدَوْتُهٗ، مضارع يَعْدُوْ اور مصدر عَدْوٌ): وہ اس معاملے یا چیز سے گزر کر دوسرے معاملے یا شرف کی طرف گیا اور اُسے چھوڑ دیا (مُعرب، قاموس، مصباح): انگریزی میں:

He passed from it, namely, a thing, or an affair, to another and left it.

Marfat.com

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلْعَدْوُ کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کر جانا یا بڑھ جانا اور باہمی ہم آہنگی یا موافقت کا نہ ہونا؛ اگر اس کا تعلّق دل کی کیفیت سے ہو تو یہ عَدَاوَۃٌ اور مُعَادَاۃٌ کہلاتی ہے؛ اور اگر رفتار سے ہو تو اسے عَدْوٌ کہا جاتا ہے، اور عدل و انصاف میں خلل اندازی کی صورت میں ہو تو اسے عُدْوَانٌ اور عَدْوٌ کہا جاتا ہے (الانعام ۶: ۱۰۹)؛ اور اگر اس کا تعلّق کسی جگہ کے اجزاء کے ساتھ ہو تو اسے عُدَوَاءُ کہتے ہیں، جیسے مَکَانٌ ذُوْعُدَوَاء کو ناہموار مقام سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ مُعَادَاۃٌ سے اشتقاق کے ساتھ کہا جاتا ہے: رَجُلٌ عَدُوٌّ وَقَوْمٌ عَدُوٌّ، اور یہ واحد اور جمع دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ کبھی اس کی جمع عِدًی و اَعْدَاءٌ بنا لیتے ہیں۔

اَلْعَدُوُّ دو قسم کا ہے: ایک دُشمن تو وہ ہوتا ہے جو عمداً اور ارادۃً دُشمنی کرتا ہے؛ اور دُوسرا دُشمن قصد و ارادہ سے تو دُشمنی نہیں کرتا، مگر اس کی حالت یا سرشت ایسی ہوتی ہے جس سے اِنسان کو ایسے ہی تکلیف پہنچتی ہے (مثلاً بچھو)۔ عَدْوٌ: دوڑ: مثلاً تَعَادَتِ الْمَوَاشِيْ: مویشی ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے؛ اور رَاَیْتُ عِدَاءَ الْقَوْمِ: میں نے لوگوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں دوڑتے دیکھا۔

اَلْاِعْتِدَاءُ کے معنی ہیں: حق (یا حدودُ اللہ) سے تجاوز کرنا۔

عَادُوْنَ کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنے والے، یا دُشمنی رکھنے والے؛ یا اپنے مرتبے سے تجاوز کرنے والے۔

باغٍ سے مُراد وہ شخص ہے جو لذّت اندوزی کے لیے مُردار کا گوشت کھانے کی خواہش کرتا یا رکھتا ہے؛ اور عَادٍ اس شخص کو کہتے ہیں جو قدرِ کفایت سے تجاوز کرتا ہے؛ نیز بعض نے باغٍ کے معنی خلیفۂ وقت کا باغی اور عَادٍ سے وہ شخص مُراد لیا ہے جو عجز و نیاز کرنے والوں کے طریق سے تجاوز کرنے والا ہو؛ اور یہ عَدٰی طَوْرَہٗ سے مُشتق ہے، جس کے معنی ہیں اپنے رتبے سے تجاوز کرنے والا۔

عُدْوَۃٌ: کنارہ (المفردات)۔

اَلْاِسْتِعْدَاءُ کے معانی ہیں: اِستمداد و اِستعانت یا مدد مانگنا (مُغرب، مصباح) اور بدلہ یا انتقام لینے کا مطالبہ کرنا، یا تعاوُن و نُصرت کا مطالبہ کرنا (مذکورہ مآخذ)۔

عَدْوَی: مُتعدّی بیماری (قاموس، تاج)۔

عَدُوٌّ: دُشمن؛ یہ نقیض ہے وَلِیٌّ یا صَدِیْقٌ (دوست) کا، دیکھیے صحاح، قاموس۔

عَادِیَۃٌ (عادٍ کا مؤنّث) کے معنی ہیں: ظُلم، ناانصافی، مضرت، بُرائی یا فساد (صحاح، تاج):

Wrongdoing, injustice, injuriousness, or tyranny; and evil and mischief.

Marfat.com

عَادٍ : ناانصافی، ظلم یا فساد یا سرکشی یا حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا، قریب قریب انہی معانی میں مُعْتَدٍ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع مُعْتَدُوْنَ اور مُعْتَدِیْنَ (صحاح، تاج، اساس)۔

از روئے کلید لغاتِ قرآن

عَدُوٌّ : دشمن، مخالف : Hostile, foe, enemy (یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔ اس کی جمع اَعْدَآءٌ ہے۔

★ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (البقرۃ ۲ : ۳۶): اور ہم نے انھیں حکم دیا کہ (زرعی زندگی بسر کرنے کے لیے جنگل سے نکل کر میدانی علاقے میں) چلے جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن بن جاؤ گے۔

نکتہ : بنی اسرائیل نے بھی جب من و سلویٰ کھانے کے بجائے نباتاتی پیداوار۔ ترکاریاں، دالیں وغیرہ وغیرہ کھانے کی تمنا کی تھی تو انھیں زرعی زندگی کرنے کے لیے کسی علاقے میں چلے جانے کے لیے اِهْبِطُوْا مِصْرًا (البقرۃ ۲ : ۶۱) کہا تھا؛ یعنی شہر میں (بسنے اور کاشتکاری کرنے کے لیے) چلے جاؤ۔

دشمنی کی وجہ عموماً زمین (ارض)، زر، زن اور ہوسِ اقتدار ہوتی ہے۔ زراعت کرنے والوں کو اراضی بے حد عزیز ہوتی ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے زرعی زندگی کی شروعات سے اب تک لڑائی جھگڑا اور خونریزی ہوتی رہتی ہے۔

★ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ (القصص ۲۸ : ۱۵): اور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا۔

★ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً (آلِ عمران ۳ : ۱۰۳): جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔

اَلْعَدَاوَةَ : دشمنی، عداوت : Hostility, enmity

★ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (المآئدۃ ۵ : ۱۴): ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینہ ڈال دیا (اُن کی آرزوئے حسد کی بناء پر)۔

اَلْعُدْوَانِ : حد سے تجاوز، زیادتی (Transgression)، سرکشی اور ظلم = Oppression, tyranny

★ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (البقرۃ ۲ : ۸۵): جرم و ظلم سے اُن پر چڑھائی کرتے ہو، (نیز دیکھیے المآئدۃ ۵ : ۲ و بمواضع کثیرہ)۔

عُدْوَةٌ : کنارہ (Bank) یا جانب (Side)

★ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى (الانفال ۸ : ۴۲): (یاد کرو) جب تم (وادی کے) قریب کے کنارے پر تھے اور وہ دُور کے کنارے پر تھے۔

Marfat.com

عُدْوَانًا : حدود شکنی یا حدود سے تجاوز کر جانا (Transgression)

★ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا (النسآء ۴ : ۳۰) : اور جو کوئی حدود شکنی اور ناانصافی سے ایسا کرے گا، ہم اُسے جہنم میں داخل کریں گے۔

تَعْدُ : دریا کا ہدف سے آگے نکل جانا؛ نافرمانی یا حدود شکنی کرنا : (Transgress)

تَعْدُ : نظر یا نگاہ پھیرنا (Overlook)؛ یا نگاہ کا کسی کو چھوڑ کر آگے بڑھ جانا، یا کسی اور طرف نکل جانا۔

★ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (الکھف ۱۸ : ۲۸) : اور تمھاری نظریں ان کو چھوڑ کر اور طرف نہ نکل جائیں۔

★ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ (النسآء ۴ : ۱۵۴) : ہم نے انھیں حکم دیا تھا کہ السّبت، شنبہ یا ہفتے کے روز (مچھلیاں پکڑنے کے معاملے میں) حدود شکنی نہ کرنا۔

★ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۲۲۹) : یہ اللہ کی مقرر کردہ حُدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرنا، اور جو لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود (Limits ordained by Allah) سے آگے نکلیں گے تو وہی اپنے اور دُوسروں پر ظُلم کرنے والے ہوں گے (نیز دیکھیے الطّلاق ۶۵ : ۱)۔

اِس آیۂ تنذیری میں اِنتہائی بلیغ انداز میں تَعْدُ کی معنویّت کی تفسیر کر دی گئی ہے اور یہ قرآنِ حکیم کا اُصولِ بیان ہے اور مُنفرد و یکتا ہے نیز اِس حقیقت پر دال ہے کہ وہ اپنے نازل کرنے والے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی طرح "صمد" ہے، یعنی دُنیا کی تمام لُغوی اور دیگر ہر قسم کی کُتب اور روایات وغیرہ سے بے نیاز ہے۔

عَادٍ :

★ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ ۲ : ۱۷۳) : جو شخص لاچار و بے اختیار ہو کر (حرام چیز جان بچانے کے لیے کھالے) لیکن نافرمانی کا داعیہ رکھتا ہو نہ حدود شکنی کا، وہ مُستوجبِ گُناہ نہ ہوگا۔

★ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ○ (العٰدیٰت ۱۰۰ : ۱) : قسم ہے ان جنگی گھوڑوں کی جو دوڑ و دھوپ سے ہانپتے ہیں : By the snorting steads.

مُعْتَدٍ : حدود شکن (Transgressor)؛

★ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ○ (قٓ ۵۰ : ۲۴-۲۵) : (حکم دیا جائے گا) ہر ناشکر گزار دُشمنِ (حق) کو جہنم میں پھینک دو، جو مال میں بُخل کرنے والا، حدود شکن۔

Marfat.com

مُتشکِک ہے۔

نُکتہ : قرآنِ مجید نے اپنے اعجازِ بیان سے "بُخل" کی اصطلاح کے معنی "مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ" کے بتائے ہیں، یعنی اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرنے سے ہاتھ روکنے والا۔

ق ر ر (قر)

قَرَّ بِالْمَكَانِ اور فِيْهِ (قَرَرْتُ، واحد مُتکلّم) اور قَرِرْتُ بھی، لیکن اوّلُ الذِّکر زیادہ معروف اور مُستعمل ہے؛ اور مصدر قَرَارٌ اور قُرُوْرٌ اور قَرٌّ اور تَقِرَّةٌ اور یہ آخری مجہول ہے اور تَقْرَارَةٌ اور اِسْتَقَرَّ بِهٖ یا فِيْهِ، اور تَقَارَّ، اصل میں تَقَارَرَ، فِيْهِ اور تَقَرَّرَ کے معنی ہیں: وہ وہاں مقیم یا رہائش پذیر ہوگیا؛ قائم و دائم مُستقل اور مقرّر ہوگیا؛ ساکن یا بے حرکت ہوگیا؛ ٹھیر گیا؛ اُسے قرار آگیا؛ وہ خاموش ہوگیا؛ سکون یا آرام و راحت کی حالت میں ہوگیا؛ اُس نے آرام کیا؛ وہ وہاں ٹھیرا اور سکونت پذیر ہوگیا؛ اُس نے وہاں قیام کیا (مُغرب، مُحکم، مصباح، قاموس وغیرھم) : انگریزی میں

> He, or it, settled; became firm, steady, fixed, settled, or established; became motionless, stationary, standing, quiet, still, or at rest; rested; remained; continued; resided, in the place.

مُترادفات : ثَبَتَ و سَكَنَ اور تَمَكَّنَ : جب اس کا اِستعمال اِنسان کے لیے ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اُسے حاکمیت اور قُوّت (Authority and power) مل گئی (مصباح) ۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

قَرَّ فِيْ مَكَانِهٖ يَقِرُّ قَرَارًا کے معنی ہیں : کسی جگہ ٹھیر جانا۔ اصل میں یہ قُرٌّ سے ہے جس کے معنی ہیں سردی (بَرْدٌ) جو سکون کو چاہتی ہے جیسا کہ اس کے بخلاف حَرٌّ (گرمی) حرکت کو چاہتی ہے۔ اَلْقَرَارُ (اِسم) : ٹھیرنے کی جگہ۔

يَوْمَ النَّحْرِ کے بعد کے دن کو يَوْمَ الْقَرِّ کہا جاتا ہے، کیونکہ حُجّاج اس روز مِنٰی میں ٹھیرے رہتے ہیں۔ اِسْتَقَرَّ فُلَانٌ : قرار پکڑنے کا قصد کرنا؛ اور کبھی یہ بمعنی قَرَّ (قرار پکڑنا) بھی آجاتا ہے۔ اَلْاِقْرَارُ کے معنی ہیں : کسی چیز کو ٹھیرا دینا؛ اور کبھی اس کے معنی ثابت کرنا بھی آجاتے ہیں؛ نیز اِقرار بھی دل سے ہوتا ہے اور کبھی زبان سے اور کبھی ان دونوں سے۔ توحید اور دیگر اِیمانیات کے بارے میں صرف زبان سے اِقرار کرلینا کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کا دل سے بھی اِقرار نہ کرے۔ اِقرار کی ضد اِنکار آتی ہے اور جحود صرف

Marfat.com

زبان سے انکار کرنے پر بولا جاتا ہے، خواہ دل سے اُسے تسلیم ہی کیوں نہ کرتا ہو۔
قَرَّتْ لَيْلَتُنَا تَقِرُّ : رات کا ٹھنڈا ہونا۔ یَوْمٌ قَرٌّ (ٹھنڈا دن) : لَيْلَةٌ قِرَّةٌ : ٹھنڈی رات۔
قُرَّ فُلَانٌ : فُلاں کو سردی لگ گئی اور مَقْرُوْرٌ اس شخص کو کہتے ہیں جسے ٹھنڈ لگ گئی ہو۔ مثل مشہور ہے : حِرَّةٌ تَحْتَ قِرَّةٍ : یہ محاورہ اس شخص کے حق میں بولتے ہیں جو اپنے ضمیر کے خلاف بات کرے۔
اِقْتَرَّ فُلَانٌ اِقْتِرَارًا کے معنی ہیں تَبَرَّدَ : یعنی ٹھنڈے پانی سے غُسل کرنا۔
قَرَّتْ عَيْنُهُ تَقَرُّ : آنکھ کا ٹھنڈا ہونا، مراد مسرت، سُرور یا خوشی حاصل ہونا۔
اَقَرَّ بِالْحَقِّ : حق کا اعتراف کرنا۔ تَقَرَّرَ الْاَمْرُ عَلٰى كَذَا : کسی امر کا حاصل ہو جانا۔ اَلْقَارُوْرَةُ : شیشہ جمع قَوَارِيْرُ (المفردات)۔ مجازاً عورتوں کو بھی قَوَارِيْرُ کہتے ہیں (تاج)۔
اَلْقَرُّ : کجاوہ اور زمین کے درمیان ایک چیز جسے سواری پر رکھ کر اس میں مرد بیٹھتے ہیں ؛ نیز محمل یا ھَودہ کو بھی کہتے ہیں، جو عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے (المجمل، تاج)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

تَقَرُّ : ٹھنڈک ؛ جمالیاتی ٹھنڈک (The aesthetic and blissful cool) ؛ سُرور انگیز و طمانیت بخش ٹھنڈک۔

★ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ (طٰہٰ ۲۰ : ۴۰) : تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو، یعنی اس کے کلیجے میں جمالیاتی ٹھنڈک پڑ جائے اور وہ مُطمئن ہو جائے اور غم نہ کرے (مریم ۱۹ : ۲۶ ؛ القصص ۲۸ : ۱۳ ؛ الاحزاب ۳۳ : ۵۱)۔

قُرَّةٍ : سُرور انگیز جمالیاتی ٹھنڈک ؛ نیز کیف پرور و سُرور انگیز جمالیاتی ٹھنڈک (The fascinating and blissful coolness) ؛ یہ اصطلاح جنّت کے لیے بھی اِستعمال ہوئی ہے۔

★ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (الفرقان ۲۵ : ۷۴) : اور جو (اللہ سے) دُعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار و مالک ! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد (Offspring) سے آنکھوں کی جمالیاتی سُرور انگیز ٹھنڈک (The blissful aesthetic coolness) عطا فرما۔ (نیز دیکھیے القصص ۲۸ : ۹)۔ جنّت کے لیے۔

★ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدۃ

Marfat.com

۳۲: ۱۷): کوئی مُتنفّس (ہر جاندار مخلوق جیسے انسان، جن یا ابلیس، شیطان فرشتہ وغیرہ) نہیں جانتا کہ (کسی نے دیکھا ہی نہیں کہ) اُس کے لیے کیسی جمالیاتی۔ سُرور انگیز آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی جنّت) پوشیدہ رکھی ہوئی ہے، جزاء ہے ان کے (حسین یا صالح) اعمال کی۔

یہ آیۂ جمیلہ وفکر انگیز اعجازاتِ قرآن حکیم میں سے ہے۔ اس میں قرآنِ حکیم نے جنّتِ اُخروی کے لیے "قُرَّةُ العین" کی تعبیر اختیار کی ہے جس سے احسن و اکمل تعبیر نہ تو ہے اور نہ ہو سکتی ہی ہے۔ پھر "مَا اُخْفِیَ لَهُمْ" کا جملہ اس بلیغ انداز میں استعمال کیا گیا ہے کہ اُس سے ان تمام اسرائیلی روایات (اسرائیلیات) کی تردید ہو جاتی ہے، جن کی رُو سے آدم، بشر یا انسان جنّتِ اُخروی میں پیدا ہوا تھا، جہاں سے ابلیس یا شیطان نے آدم و حوّا اور ان کی اولاد کو نکلوا کر زمین پر گرا دیا۔ لیکن کیسے اور کیونکر وہ آسمان سے زمین میں اُترے؟ اس کا جواب ان روایات میں نہیں ملتا، اس لیے کہ یہ محض فرضی اساطیری کہانی ہے۔

قَرْنَ: ٹھیرنا، رہنا، ٹِک کر رہنا؛

★ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب ۳۳: ۳۳): اور اپنے گھروں کے اندر ٹِک کر رہا کرو!

اَقْرَرْ: قول قرار، عہد و پیمان یا اقرار کرنا (To ratify the covenant)؛

★ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۸۴): پھر تم نے مان کر قول قرار کیا اور تم اس واقعیت کے گواہ ہو (نیز دیکھیے آلِ عمران ۳: ۸۱)۔

نُقِرُّ: قرار کی حالت میں رکھنا یا ٹھیرائے رکھنا۔

★ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الحج ۲۲: ۵): اور جس نُطفہ کو ہم چاہتے ہیں ماؤں کے رحموں میں (نشوونما پانے کے لیے) ایک مقررہ مدّت تک قرار کی حالت میں رکھتے ہیں۔

اَسْتَقَرَّ: قائم رہنا، ثابت و سالم رہنا۔

★ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ (الاعراف ۷: ۱۴۳): البتہ پہاڑ کو تکتے رہو! اگر وہ اپنی جگہ ثابت و سالم رہا تو پھر تم مجھے بھی دیکھ سکو گے۔

الْقَرَارُ (مترادف ثابتٌ): قیام، دوام، Firmly fixed, stability

★ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (ابراھیم ۱۴: ۲۶): جسے ثبات و قیام نہیں: (Which is not firmly fixed or has no stability)۔

★ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (المؤمن ۴۰: ۳۹): اے میری قوم کے لوگو! یہ دُنیا کی زندگی تو زادِ سفر ہے اور آخرت؟ وہ تو ہمیشہ رہنے کا گھر ہے (وجہ یہ

Marfat.com

ہے کہ یہ الحیوان ہے)۔

اعراب زادِ راہ کے لیے مَتَاعٌ کی تعبیر اختیار کرتے ہیں، کیونکہ ایک تو وہ قلیل ہوتا ہے دوسرے چندروزہ۔ اس کے مقابلے میں گھر تو آرام و راحت کی مُستقل جگہ ہوتی ہے اور ہمیں آخرت کی ابدیّت اور قیام دوام سے، نیز اس واقعیت سے کہ بنی نوعِ اِنسان کا مُستقل اور ہمیشگی کا گھر دارالآخرت ہے، قُرآنِ حکیم نے الحیوان کی مُعجزنما تعبیر اختیار کی ہے، جس کا مطلب ہے کہ آخرت میں صرف زندگی ہوگی، موت نہیں ہوگی، جب موت نہیں ہوگی تو آخرت کا گھر فنا ہوگا نہ معدوم (العنکبوت ۲۹: ۶۴)۔

مُسْتَقَرٌّ: رہنے، قیام کرنے کی جگہ (عارضی بھی ہوسکتی ہے اور مُستقل و دائمی بھی)۔

★ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○ (البقرۃ ۲: ۳۶): اور (اے بنی نوعِ اِنسان!) زمین تمھارے لیے ایک مختصر و مقررہ وقت کے لیے اِقامت و معایش کی جگہ ہے۔

نُکتہ: بلاغتِ کلام دیکھیے کہ مُسْتَقَرٌّ اور مَتَاعٌ کے ساتھ اِلٰی حِیْنٍ کے الفاظ لگاکر دونوں الفاظ کی معنویّت کی صراحت کردی کہ مُستقر بھی عارضی سکونت گاہ ہے اور متاع بھی عارضی اِفادہ یا عارضی و مختصر روزی کا سامان ہے۔ دُنیا کی زندگی اگر سفر ہے اور وہ مُعیّنہ مُدّت تک کے لیے ہے تو "متاع" زادِ سفر ہے۔ اس سے یہ استنباط کرسکتے ہیں کہ اِنسان کے لیے لازم ہے کہ وہ دُنیا کی زندگی کو سفر سمجھے اور اپنے پاس اس قدر مال و منال رکھے، جو زادِ سفر کا کام دے سکے، لیکن اس سے زائد مال و دولت رکھنے کا وہ شرعًا مجاز نہیں، یعنی العَفْوَ کا۔

قَوَارِيْر: شفّاف شیشہ یا بلّور (Transparent, crystal or bright glass)۔

★ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ (النمل ۲۷: ۴۴): اُنھوں (حضرت سلیمانؑ) نے کہا: یہ شیشے یا بلّور کا شفّاف فرش ہے۔

م ت ع (متع)

اَلْمُتُوْعُ: کسی چیز کا بڑھنا اور بلند ہونا، جیسے مَتَعَ النَّهَارُ: دن چڑھ گیا، سُورج بلند ہوگیا: The day became advanced, the sun being high, before the declining of the sun from the Meridian. (المفردات، صحاح، قاموس)۔ مَتَعَ النَّبَاتُ: پودا بڑھ گیا۔

مَتَّعَهُ: اس (اللہ) نے اُسے زندہ رہنے کے لیے بنایا (بیضاوی، ۱۱: ۳)۔ مَتَّعَهَا: اُس نے اپنی عورت کو طلاق کے بعد تحفہ دیا (قاموس)۔

تَمَتَّعَ بِهِ اور اِسْتَمْتَعَ اور اِمْتَتَعَ (مترادفات ہیں) کے معنی ہیں: اِنْتَفَعَ بِهِ زَمَانًا طَوِيْلًا:

Marfat.com

(حماسہ، ص ۳۴۳) - اُس نے اس سے فائدہ یا نفع اُٹھایا؛ اس سے اُسے فائدہ یا سُرور حاصل ہوا ؛ یا وہ اس سے لُطف اندوز ہوا؛ اس سند کی بناء پر "طویل عرصے تک"، لیکن "طویل عرصے" کی قید ہمیشہ نہیں لگائی جاتی - دلیل اس کی اعراب کا محاورہ ہے : إِسْتَمْتَعْتُ بِاصْطِبَاحِ خَمْرٍ : میں صُبوحی پینے سے لُطف اندوز ہوا (I enjoyed the drinking a morning – draught of wine) : اور بِالْإِصْغَاءِ إِلَىٰ أَغَانِيْ جَارِيَةٍ : میں لڑکی کے گیتوں سے محظوظ ہوا (مُعلّقات، ص ۱۶۹) - تَمَتَّعَ : اُسے مَتاع یعنی ظروف اور گھر کا سازو سامان یا خیمہ فراہم کیا گیا (تاج العروس) - تَمَتَّعَ بِهٖ : اس کا عام مفہوم ہے : اُس نے اس سے اِستفادہ کیا (الزمخشری : المقدّمۃ الأدب) -

مَتَاعٌ : ہر ضرورت یا فائدے کی چیز، مثلاً سامان، جیسے گھر یا خیمے میں اِستعمال ہونے والی چیزیں : برتن، فرنیچر وغیرہ (مُغرب وغیرہ) - مَتَاعٌ سے کھانا یا نان نفقہ بھی مُراد لیا جاتا ہے جو ضرورت کی چیز ہے - اس کے بنیادی معنی ہیں زادِ سفر یا وہ سامان جو سفر کے دوران ضروری اور کافی ہو (مُغرب، مُحیط) ؛ اسی بناء پر اہلِ عرب اَلْمَتَاعُ اس سامان (یا چیز وغیرہ) کو کہتے ہیں، جس سے قلیل اِستفادہ کیا جائے، لیکن وہ باقی رہنے والا نہ ہو (وہی مآخذ) بلکہ جلد ختم ہو جانے والا ہو -

اَلْمَتْعُ : خُفیہ تدبیر کو بھی کہتے ہیں - اَمْتَعَ عَنْهُ : وہ اس سے مُستغنی ہو گیا (مُغرب، تاج) -

مُتْعَةُ النِّكَاحِ (نکاحِ مُتعہ) کی صورت یہ ہے کہ مرد کسی عورت کو کچھ مال دے کر متعیّن عرصے کے لیے اس سے نکاح کرے - پھر جب مُدّت گزر جائے تو وہ عورت بغیر طلاق کے شوہر سے الگ ہو جاتی ہے (المفردات) - قُرآنِ حکیم کی رُو سے نکاحِ مُتعہ ناجائز ہے، اُمّتِ مُسلمہ میں صرف اہلِ تشیُّع اسے جائز سمجھتے ہیں -

عُمرہ کو مُتْعَةُ الْحَجِّ کہا جاتا ہے (البقرۃ ۲: ۱۹۶) -

اَلْمَرْاَةُ تُمَتِّعُ صَبِيَّهَا (تاج، المغرب) : وہ عورت اپنے بچّے کو دُودھ پلا رہی ہے -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

مَتَّعْتُ : ہم نے ایک معیّنہ مدت تک فائدہ پہنچایا -

★ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ○ (الزخرف ۴۳: ۲۹) : بلکہ ہم ان کو اور ان کے باپ دادا کو اس وقت تک روزی اور سازو سامان سے مُستفید کرتے رہے جب تک ان کے پاس "الحق" (اللہ کا سچا کلام) اور اُسے واضح طور پر بیان کرنے والا رسولؐ (اللہ) آ پہنچا

Marfat.com

(دیکھیے الفرقان ۲۵ : ۱۸)۔

★ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ○ (القصص ۲۸ : ۶۱):
کیا وہ کبھی اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دُنیا کی زندگی کا سروسامان دیا ہو، پھر قیامت کے روز اُس نے (مُجرموں کی طرح) پیش ہونا ہو۔

★ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○ (یُونُس ۱۰ : ۹۸): ہاں (حضرت یُونسؑ کی قوم) جب اِیمان لائی تو ہم نے دُنیا کی زندگی میں اُن سے ذِلّت آمیز عذاب دُور کر دیا اور ایک مدّت تک کے لیے انھیں متاعِ زندگی سے لُطف اندوز ہونے دیا۔

اُمَتِّعْ : مُطلّقہ عورت کو نان نفقہ کے لیے کچھ مال دینا۔

★ فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ (الاحزاب ۳۳ : ۲۸): تو آؤ! میں تمھیں کچھ مال ومنال دوں اور تمھیں احسن طریقے سے رخصت کر دوں۔

★ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ○ (الشُّعراء ۲۶ : ۲۰۷): وہ عیش و عشرت کا سامان جس سے وہ لُطف اندوز ہوتے رہے ہیں، ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ : اسے مُتْعَةُ الْحَجِّ کہتے ہیں۔

★ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ (البقرۃ ۲ : ۱۹۶): پھر جب امن کی حالت پیدا ہو جائے تو جو حج کے وقت تک عُمرہ سے اِستفادہ کرنا چاہے۔

★ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ○ (الزُّمر ۳۹ : ۸):
(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے! (اے مُشرک!) اپنے کُفر سے تھوڑا سا فائدہ و لُطف اُٹھا لے، یقین مان کہ تو دوزخیوں میں شامل ہوگا۔

اَسْتَمْتَعَ : اِستفادہ کرنا؛

★ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (الانعام ۶ : ۱۲۸): اے ہمارے پروردگار و مالک! ہم ایک دُوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے یا اِستفادہ کرتے رہے۔

مَتَاعٌ : روزی کے وسائل (Means of subsistence) یا سامان۔

★ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (البقرۃ ۲ : ۳۶):
(اے بنی نوعِ اِنسان!) زمین میں تمھارے لیے ایک معیّنہ وقت تک کے لیے ٹھکانا اور روزی کے وسائل ہیں۔

Marfat.com

ح ی ن (حین)

حَانَ یا حَانَ حِیْنَہٗ (مضارع یَحِیْنُ اور مصدر حِیْنٌ) : وہ یا اس کا وقت ، یا موسم نزدیک یا بالکل قریب آگیا (مصباح ، قاموس ، صحاح) : It, or its time, or season, was, or became, or drew near; or was at hand. ـ محاورہ ہے : حَانَ لَہٗ اَنْ یَّفْعَلَ کَذَا : اس کے لیے وقت آگیا یا قریب آن پہنچا کہ وہ فلاں کام یا چیز کرے (مصباح ، تاج) - مترادف آنَ = اور

حَانَتِ الصَّلٰوۃُ : صلوٰۃ یا نماز کا وقت ہوگیا یا قریب آگیا (مصباح ، تاج) -

حَانَ حِیْنُ النَّفْسِ : نفس یا شخص مرگیا یا ہلاک ہوگیا (تاج) -

حَیَّنَہٗ : اُس نے اس کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا یا وقت کی تعیین کر دی (قاموس) -

He appointed, or assigned, for him, or it, a time.

حَیْنٌ : موت ، بربادی یا فنا یا ہلاکت کی حالت یا موت کا وقت ، اِمتحان یا مصیبت کا مزہ چکھنا

Death; a state of destruction or perdition; or the time of the appointed term (of life), or time of death. (صحاح ، تاج ، قاموس) (حریری ص ۳۲۲)

A trial, or trying affliction. (قاموس) -

حِیْنَ : کثیر المعانی لفظ ہے ، مثال کے طور پر : زمانہ ، عرصہ ، مقدار ، دورانیہ ، مُدّت ، ہنگام ، عہد ، دَور ، دھر (زمانِ مُطلق ، جس کی اِبتداء ہے نہ اِنتہا) ؛ یا روزِ آفرینش سے روزِ آخر تک (قاموس ، ابوزید ، صحاح ، مُغرب ، مصباح ، الشّافعی ، لِسان ، تاج) ؛ قلیل یا کثیر ، طویل یا مختصر وقت (مُغرب ، مصباح) ؛ اس کا اطلاق ہر زمانے یا وقت پر ہوسکتا ہے (ابوزید ، قاموس) - بعض کے نزدیک اس کا اطلاق معیّنہ وقت یا میعاد (Term) پر ہوتا ہے ؛ یا ایک برس یا چھے ماہ کی مُدّت یا فصل (Season) جیسا کہ قرآنِ حکیم (اِبراھیم ۱۴ : ۲۵) میں ہے ؛ یا کسی چیز کی وقوع پذیری کا وقت (الرُّوم ۳۰ : ۱۷) ؛ نیز زمانِ مطلق (مصباح ، تاج ، الفرّا) - المُناوی کے نزدیک فصحائے عرب کی زبان میں اس کا اطلاق پلک جھپکنے سے لے کر لامتناہی زمانے تک ہوتا ہے (تاج) - اس کی جمع اَحْیَانٌ آتی ہے (صحاح ، مصباح ، قاموس) ؛ اور جمع الجمع اَحَایِیْنُ (وہی مآخذ) - قرآنِ مجید میں ہے :

★ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّھَا (اِبراھیم ۱۴ : ۲۵) : وہ اپنے نشوونما دینے والے مالک کے

Marfat.com

منشا کے مطابق ہر چھے ماہ اپنا پھل دیتا ہے (فرّاء، مصباح، قاموس)، یا ہر سال، یا ہر صبح و شام؛ یا الازہری (صاحبِ تہذیب) کے مطابق ہر موسم میں مسلسل (تاج) - ہر وقت (شاہ عبدالقادرؒ اور ابوالکلام احمد آزاد : ترجمان القرآن) -

اہلِ عرب جب "لَا تَحِيْنَ" کہتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں : (اس چیز یا کام کرنے کا) وقت نہیں ہے یا نہیں تھا، لیکن عموماً لَاتَ حِيْنَ بولتے ہیں، جیساکہ قرآن (صٓ ۳۸ : ۳) میں آیا ہے (تاج، مادّہ لیت)-

اَلْحِيْنَ بَعْدَ الْحِيْنِ : گاہے گاہے (Time after time) -

حَائِنٌ : بے وقوف، احمق، یا عقل کا موٹا، یا کم عقل (قاموس) : Stupid; foolish; or having little, or no, intellect, or understanding.

حَائِنَةٌ : ہولناک یا تباہ کن بلا یا مصیبت جو کسی کو پہنچے (قاموس، تاج) -

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلْحِيْنُ : اُس وقت کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہنچے اور حاصل ہو- یہ ظرفِ مُبہم ہے اور اس کی تعیین ہمیشہ مضاف الیہ سے ہوتی ہے- جیسے فرمایا :

★ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ○ (صٓ ۳۸ : ۳): وہ فریاد کرنے لگے لیکن وہ وقت (عذاب سے) بچنے کا نہیں تھا یا نہیں ہوتا (It was no longer the time for escape, or being saved)-

اور جب مجرّد یعنی مضاف نہ ہو تو اس کا اِستعمال مُتعدد معانی کے لیے ہوتا ہے :

۱- مُدّت اور اجل کے معنی میں :

★ وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○ (یُونُس ۱۰ : ۹۸): اور ہم نے ایک مُدّت تک اُن کو دُنیوی سرو سامان سے لُطف اندوز ہونے دیا-

۲- وقت یا موسم کے معنی میں :

★ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ (ابراھیم ۱۴ : ۲۵): اپنے نشوونما دینے والے مالک کے حکم سے ہر وقت (یا ہر موسم میں) پھل لاتا یا دیتا ہو-

۳- ایک ساعت اور آن کے معنی میں (جُونہی، جس گھڑی) -

★ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ (الرّوم ۳۰ : ۱۷): اللہ کا تنزیہ کرتے رہو جُونہی تم شام کرو اور جُونہی صُبح کرو-

Marfat.com

۴۔ مطلق زمانہ، میرے نزدیک زمانِ مطلق کا ایک دور۔

★ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ (الدھر ۷۶: ۱):

یقیناً انسان پر زمانِ مطلق (جس کی ابتداء ہو نہ انتہا؛ Eternal time) میں ایک دور ایسا گزرا ہے کہ جب وہ ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر ہوا ہو۔

۵۔ عرصہ یا مدت جو یقینی اور شدنی تو ہو لیکن اس کی تعیین نہ کی گئی ہو۔ جیسے فرمایا:

★ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝ (صٓ ۳۸: ۸۷-۸۸):

یہ قرآن تو تمام افرادِ نسلِ انسانی کے لیے پند و نصیحت یا یاد دہانی تو ہے اور کچھ عرصے بعد اس کی صداقت کا تمھیں ضرور علم ہو جائے گا۔

ان آیات میں علم کے ارتقاء کے ساتھ قرآن حکیم کے حقائق کے تدریجی اکتشاف کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

۶۔ کبھی کسی ایک معنی کی تعیین موقع و محل کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اہلِ عرب کا محاورہ ہے:

عَامَلْتُهٗ مُحَايَنَةً: میں نے اُس سے وقتاً فوقتاً معاملہ کیا۔

اَحْيَنْتُ بِالْمَكَانِ: میں کچھ عرصہ وہاں ٹھیرا رہا۔ حَانَ حِيْنُ كَذَا: فلاں چیز یا پھل وغیرہ کا موسم قریب آ پہنچا۔

حَيَّنْتُ الشَّيْءَ: کسی چیز کے لیے وقت مقرر کرنا۔

حَانَ حِيْنُ كَذَا: فلاں چیز کا موسم قریب آ گیا۔

حَيْنٌ: موت اور ہلاکت کو کہتے ہیں (المفردات)۔

از روئے کلیدِ لغاتِ قرآن

حِيْنٍ: مدت، عرصہ، ایک وقت (A time)، دوران (During)؛

★ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (البقرۃ ۲: ۳۶): اور تمھارے لیے زمین میں ایک مدت کے لیے بسیرا (Habitation) اور روزی (Subsistence) ہے۔

★ حِيْنَ الْبَاْسِ (البقرۃ ۲: ۱۷۷): معرکۂ کارزار یا جنگ کے دوران: During warfare

★ حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ (المآئدۃ ۵: ۱۰۱): قرآن کے نزول کے دوران۔

★ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (یوسف ۱۲: ۳۵): ایک عرصے کے لیے اُسے قید کر دیں۔ Imprison

Marfat.com

him for a period.

★ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ○ (النحل ۱۶ : ۶):

اور جب تم مویشیوں کو صبح کے وقت چراگاہ کو لے جاتے ہو اور شام کو انھیں واپس چراگاہ سے لاتے ہو تو اس حسین نظارے میں تمہارے لیے جمالیاتی حظ و مسرت (Aesthetic pleasure and bliss) ہے۔

نکتہ : یہ آیۂ جمیلہ اعجازاتِ قرآن میں سے ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس نے جمال کو اس اعجازی انداز میں استعمال کیا ہے کہ اس کے معانی آشکارا ہو گئے ہیں : حسنِ نظارہ اور اس کا جمالیاتی حظ و مسرت (Aesthetic pleasure and happiness) ۔

★ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ○ (الروم ۳۰ : ۱۷):

جب تم پر (دوشیزۂ) سحر (اپنے جمال کے ساتھ) آتی ہے اور جب (عروسِ) شام (اپنی دل انگیزیوں کے ساتھ) آتی ہے تو اللہ (کی جمالیاتی - تخلیقی فعلیت Aesthetic - creative activity) کی تعریف و ستائش اور اس کی ذات کی تقدیس و تنزیہ کیا کرو !

ل ق ی (لقی)

لَقِيَهٗ : وہ اس سے ملا (مصباح)۔ He met him, or it — اور اس نے اس سے ملاقات کی یا اسے پالیا یا معلوم کر لیا : And he (met with, or) found him or it (مصباح)۔ محاورہ ہے : تَلْقَاهُمْ آسَدًا : تم ان کو شیر پاؤ گے (مغنی) : Thou will find them lions -

لَقَّاهُ شَرًّا : اس نے اسے برے سلوک کا مزہ چکھنے پر مجبور کیا (تاج، بذیلِ مادہ جدع)۔

يُلَقَّوْنَ تَحِيَّةً : ان کو ہمیشہ درازیٔ عمر کی دعا ملتی رہے گی (بیضاوی، ۲۵ : ۷۵)۔

لَقِيَهٗ (س) يَلْقَاهُ، لِقَاءً کے معنی کسی کے سامنے آنے اور اسے پالینے کے ہیں۔ ان دونوں معنی میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی بولا جاتا ہے ; اور کسی چیز کا حس اور بصیرت سے ادراک کرنے کے متعلق استعمال ہوتا ہے (المفردات)۔

لِقَاءٌ بھی (مصدر) مُلَاقَاۃ کے ہم معنی ہے۔

★ يَوْمَ التَّلَاقِ (المؤمن ۴۰ : ۱۵) : ملاقات کا دن : Day of rendezvous

اس سے قیامت کا دن مراد ہے (جب کل افرادِ نسلِ انسانی کی نشأۃ الثانیہ ہو گی)۔ قیامت کے روز کو

Marfat.com

"یَوْمَ التَّلَاقِ" اس لیے کہا گیا ہے کہ اس روز اگلے اور پچھلے یا اہلِ ارض اور اہلِ سماء ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجائیں گے ؛ نیز ہر شخص اس روز اپنے اعمال کے نتیجے کو پالے گا۔

لَقِیَ فُلَانٌ خَیْرًا اَوْ شَرًّا : فلاں نے خیر یا شر کو پایا۔ شاعر نے کہا ہے :

فَمَنْ یَّلْقَ خَیْرًا یَحْمَدِ النَّاسُ اَمْرَہٗ

جو شخص خیر یا حسنہ کو پالیتا ہے لوگ اس کی تعریف و ستائش کرتے ہیں۔

لَقَّیْتُہٗ بِکَذَا : میں فلاں چیز کے ساتھ اس کے سامنے پہنچا۔

اَلْاِلْقَآءُ (افعال) کے معنی کسی چیز کو اس طرح ڈال دینا کے ہیں کہ وہ دوسروں کو سامنے نظر آئے۔ پھر عرف میں مطلق کسی چیز کو پھینک دینے پر اِلْقَاء کا لفظ بولا جاتا ہے (المفردات)۔

ابنِ فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معانی تین ہیں : ایک، دو چیزوں کا ملنا، آمنے سامنے ہونا، دوسرے کسی چیز کو ڈال دینا، اور تیسرے، ٹیڑھا پن، جس سے اللَّقْوَۃُ ہے (المجمل)۔

اَلْقَاءُ عَلَیْہِ : اس نے اس کے قلب میں ڈالا، اسے تجویز دی (کلیات، ص ۲۷۷)۔

یَوْمُ الِلِّقَاءِ : جنگ میں مقابلے کا دن = The day of encounter in fight or battle.

از روئے کلید لغاتِ قرآن

لَقُوْ : ملنا، کھلم کھلا ملنا یا ملاقات کرنا (To fall in with, or openly)، پانا، دیکھنا، دوچار ہونا۔

★ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ (البقرۃ ۲ : ۱۴) : اور جب اہلِ ایمان سے کھلم کھلا ملتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے معاشرتی سرطانوں کے پاس خلوت میں جاتے ہیں تو......

لَقُوْ کے مقابلے میں خَلَوْ کو لا کر اس کی معنویت کی وضاحت کر دی کہ لَقُوْ کھلم کھلا ملاقات پر دلالت کرتا ہے۔

★ کِتٰبًا یَّلْقٰہُ مَنْشُوْرًا ۝ (الاسراء ۱۷ : ۱۳) : اس کتاب یا مرقوم چیز کو صاف یا واضح طور پر دیکھے گا :

(A scroll which he will see spread open.) ۔

یَلْقَوْنَ : برے اور اچھے ہر دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ؛ برے مفہوم میں :

★ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ۝ (مریم ۱۹ : ۵۹) : قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے (اور اس کی

Marfat.com

سزا بھگتیں)۔

اچھے مفہوم میں :

★ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ (الاحزاب ۳۳ : ۴۴) : جس روز وہ اس (اللہ) سے مُلاقات کریں گے تو ان پر سلامتی ارزانی کی جائے گی۔

ان معنی کی تائید اِس آیۂ جمیلہ سے ہوتی ہے :

★ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۷۵) : اور اس میں ان پر حیاتِ ابدی وسلامتی ارزانی کی جائے گی۔

أَلْقٰى : (سلام) کہنا ، (سلامتی) بھیجنا ، ڈالنا ، پھینکنا ، پیش کرنا۔

★ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ (النسآء ۴ : ۹۴) : جو شخص تمھیں سلام کرے (اپنے آپ کو مُسلمان ظاہر کرنے کے لیے) تو اُسے نہ کہو کہ تُم مؤمن نہیں ہو۔

★ فَاَلْقٰى عَصَاهُ (الاعراف ۷ : ۱۰۷) : تب حضرت مُوسیٰؑ نے اپنا عصا (STAFF) زمین پر پھینکا (نیز دیکھیے طٰہٰ ۲۰ : ۲۰ ، الشُّعراء ۲۶ : ۳۲ ، ۴۵)۔

فَتَلَقّٰى : بذریعہ الہام یا وحی حاصل کرنا ، سیکھنا۔

★ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (البقرۃ ۲ : ۳۷) : پھر آدم نے اپنے ربّ سے چند کلمات سیکھ لیے (بذریعہ وحی)۔

لِقَاءَ : رُوبرو پیش ہونا ، ملاقات کرنا ، پیشی (حاکم یا حاکمِ اعلیٰ کی)۔

★ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ (الانعام ۶ : ۳۱) : وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کو جُھٹلایا۔

★ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ (الاعراف ۷ : ۱۴۷) : اور جن لوگوں نے ہماری آیات یا نشانیوں کو اور آخرت کی پیشی کو جُھٹلایا۔

الْمُتَلَقِّيٰنِ : اس لفظ کا ترجمہ میں نے الانفطار ۸۲ : ۱۱ کے حوالے سے کاتب اور یَتَلَقّٰى کا رقم کرنا کیا ہے۔

★ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ (قٓ ۵۰ : ۱۷) : چنانچہ انسان کے دائیں اور بائیں ساتھ رہنے والے کاتب اس کی ہر بات رقم کرتے رہتے ہیں۔

يَلْتَقِيٰنِ : باہم ملنا ، لیکن خلط ملط نہ ہونا۔

★ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ (الرّحمٰن ۵۵ : ۱۹) : اُس نے دو سمندروں کو باہم ملتے ہوئے رواں کر دیا ، لیکن

Marfat.com

★ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ○ (الرحمٰن ۵۵: ۲۰): ان کے درمیان ایک آڑ (Barrier) ہے جسے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔

یَوْمَ التَّلَاقِ: قیامت کو اللہ تعالیٰ سے محاسبے کے لیے ملاقات کا روز۔

★ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ○ (المؤمن ۴۰: ۱۵): وہ بہت بلند درجوں والا۔ تخت و فرماں روائی کا مالک ہے؛ اپنے حکیمانہ حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے رُوح نازل کرتا ہے تاکہ وہ (قیامت کو محاسبے کے لیے اللہ تعالیٰ سے) ملاقات کے روز سے (لوگوں کو) مُتنبہ کرے۔

"رَفِیْعُ" یہاں رَافِعُ کے معنی پر دلالت کرسکتا ہے، لیکن یہاں رفیع اور رافع دونوں پر دال ہے۔

ک ل م (کلام)

کَالِمَۃُ کے معنی ہیں نَاطِقَۃُ (تاج العروس، بذیلِ مادّہ نطق)۔

تَکَلَّمَ عَنْہُ: مترادف عَبَّرَ: اس نے اس کی طرف سے بات کی (He spoke for him) (دیکھیے صحاح، مصباح، بذیلِ مادّہ عبر)۔

تَکَالَمَا: انھوں نے آپس میں بات چیت کی (صحاح، محکم): They spoke, talked, or discoursed each other.

کَلِمَۃٌ: ایک لفظ: A word (کلّیات، ص ۳۰۰)؛ جُملہ (قاموس)؛ تجویز، ایک فقرہ، یا اظہارِ دلیل (کلّیات)۔

اَلْکَلْمُ: ابن فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی ہیں: بات کرنا، زخمی کرنا (المجمل)۔ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: اَلْکَلْمُ اصل میں اس تأثیر کو کہتے ہیں جس کا اِدراک دو حاسوں میں ایک کے ساتھ ہوسکے۔ چنانچہ کلام کا اِدراک قُوّتِ سامعہ کے ساتھ ہوتا ہے؛ اور کَلْمُ (زخم) قُوّتِ بصر یا باصرہ کے ساتھ۔ محاورہ ہے:

کَلَمْتُہٗ: میں نے اُسے ایسا زخم لگایا جس کا نشان ظاہر ہوا؛ اور چونکہ یہ دونوں (یعنی کلام اور کَلْم) اپنے معنی یا تأثیر میں مُشترک ہیں، اس لیے شاعر نے کہا ہے:

وَالْکَلِمُ الْاَصِیْلُ کَاَرْغَبِ الْکَلِمِ

اس شعر میں پہلا اَلْکَلِمُ جمع ہے کَلِمَۃٌ (لفظ) کی، اور دوسرا کَلْمٌ کی جس کے معنی زخم کے ہیں؛ اور اَرْغَب کے

Marfat.com

معنی ہیں: وسیع یا بہت وسیع - لہذا شعر کے معنی ہوئے کہ دل میں لگ جانے والی باتوں کی تاثیر وسیع تر زخموں کی طرح ہوتی ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا ہے:

وَجَرْحُ اللِّسَانِ كَجَرْحِ الْيَدِ

اور زبان کے زخم بھی ہاتھ کے زخم کے مانند ہوتے ہیں

کَلَامٌ کا اطلاق منظم و مرتب الفاظ اور ان کے معانی دونوں کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اہل نحو کے نزدیک کلام کے ہر جز پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے، خواہ وہ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف۔ لیکن اکثر متکلمین کے نزدیک صرف جملہ مرکبہ و مفیدہ کو کلام کہا جاتا ہے، اور یہ قَوْلٌ سے اَخص ہے، کیونکہ قَوْلٌ کا لفظ اُن کے نزدیک صرف مفرد الفاظ پر بولا جاتا ہے، اور کَلِمَۃٌ کا لفظ انواعِ ثلاثہ یعنی اسم، فعل اور حرف تینوں میں سے ہر ایک پر بولا جاتا ہے، مگر بعض نے اس کے برعکس کہا ہے (المفردات)۔

عِلْمُ الْکَلَامِ اس اعتبار سے فلسفے (Philosophy) کا مترادف ہے کہ دونوں میں ادراکِ حقیقت کی طلب و جستجو کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس قدرِ مشترک کے باوجود عہدِ حاضر کے سیکولر فلاسفہ اور ان کے متبعین چونکہ ربِ علیم و حکیم کی وحی و تنزیل کو سند و حجت نہیں مانتے؛ اس لیے علم الکلام کو فلسفہ اور متکلمین کو اس بناء پر فلاسفہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ درایت (Reason) کے ساتھ وحی و تنزیل کو بھی سند و حجت مانتے ہیں۔ سیکولر فلاسفہ کی گمراہی کا یہی بنیادی سبب ہے۔ سیکولر فلاسفہ اور متکلمین کی مثال ان دو اشخاص ایسی ہے، جن میں سے ایک بصری مشاہدہ و ادراک کے لیے آنکھ کی ضرورت تو تسلیم کرتا ہے، لیکن آفتاب کی روشنی کی ضرورت سے انکار کرتا، بلکہ اسے بصری ادراک کا دشمن سمجھتا ہے۔

از روئے کلید لغاتِ قرآن

کَلَّمَ: بات کرنا، بات چیت کرنا، انسان سے براہِ راست بھی اور دیگر وسائل کے ذریعے، لیکن اللہ سے درجِ ذیل وسائل کے ذریعے۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (البقرۃ ۲: ۲۵۳): ان پیغمبروں میں سے وہ بھی جن سے اللہ نے کلام کیا یا بات کی (نیز دیکھیے النساء ۴: ۱۶۴؛ الاعراف ۷: ۱۴۳)۔

یہاں اس امر اس اہم نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ ۴۲: ۱۱) ہے، یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں، اسی طرح اللہ کا کلام بھی انسان کے کلام کے مثل یا مانند نہیں؛ نیز نہ وہ اس طرح اپنے بندوں سے کلام کرتا تھا جس طرح ہم ایک دوسرے سے کلام کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس کے کلام کرنے کے تین طریقے ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ قرآن مجید کی زبانِ بلیغ میں سُنیے اور غور کیجیے!

★ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۵۱):

اور کسی بشر (Mortal) کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے، (جیسے انسان دوسروں سے کرتے ہیں) بجز وحی کے یا پردے کے پیچھے سے۔ یا پھر وہ کوئی پیغامبر بھیجے جو اُس کے حکم سے، اس کی مرضی کے مطابق بشر کے دل میں بات ڈالے۔ وہ بلاشبہ ارفع و عالی ــ حکمت سے اُمور سرانجام دینے والا دانائے کُل ہے۔

كَلِمَةٌ: کلام، بات۔ لیکن اللہ کے کلمہ کی حقیقت کا اِدراک اس کی حقیقت کے اِدراک کی طرح ناممکن ہے جیسا کہ ان آیات میں:

★ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ (آلِ عمران ۳: ۳۹): جو اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

اکثر مُفسّرین نے یہاں كَلِمَة سے كَلِمَةُ اللّٰهِ یعنی حضرت عیسیٰؑ مُراد لیا ہے۔

★ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ (النسآء ۴: ۱۷۱): (حضرت) مسیح عیسیٰ بن مریمؑ (The Messiah Jesus, son of Marry) اللہ کے رسول اور اس کے کلمۂ (بشارت) تھے جو مریمؑ کو اِلقاء کیا گیا اور اس کی رُوح تھے (جو ہر بشر کی طرح حضرت عیسیٰؑ میں پھونکی گئی، دیکھیے الحِجر ۱۵: ۲۹)۔

كَلِمٰت: فرامین، احکام، تعلیمات، قوانین، وعدے، باتیں، فیصلے۔

★ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ (یونس ۱۰: ۶۴): اللہ کے احکام، تعلیمات (باتیں، وعدے، فیصلے) اور قوانین تبدیل ہونے والے نہیں، یعنی اٹل ہیں اور ہر زمان و مکان کے لیے ہیں۔ (دیکھیے الانعام ۶: ۳۴ و بمواضعِ کثیرہ)۔

★ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ (الشوریٰ ۴۲: ۲۴): اور اللہ اپنے قوانین و احکام اور آیات کے ذریعے باطل کو نابود کرتا اور حق کو ثابت کر دکھاتا ہے۔

★ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (المآئدۃ ۵: ۱۳): یہود (کتاب کی) آیات، الفاظ کو اپنے اصل مقام یا جگہ سے بدل دیتے ہیں۔

ت و ب (توب)

تَابَ یا تَابَ إِلَى اللّٰهِ، مُضارع يَتُوبُ، مصدر تَوْبَةٌ اور تَوْبٌ، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے): وہ نادم ہوا، اور اللہ کے سامنے اس نے اپنی ندامت کا اعتراف کیا (صحاح، مُحکم، قاموس)۔ اس کے اصل معنی ہیں:

Marfat.com

وہ اللہ کی طرف لوٹا (الازہری کی تہذیب، تاج)؛ مِنْ کَذَا اور عَنْ کَذَا: فلاں چیز سے لوٹا، یا اللہ کی طرف لوٹا، یا اللہ کی طرف اس نے رجوع کیا (صحاح، محکم، اساس، قاموس) یا وہ گناہ سے باز آیا؛ یا نافرمانی سے طاعت کی طرف لوٹا (محکم وغیرہ)۔

زمانۂ جاہلیت یعنی شرک و کفر اور جرم و گناہ کے زمانے کے بعد ان سے بیزاری اور توبہ کا دورِ اسلام آیا تو اِس بناء پر اسے زَمَنُ التَّوْبَةِ کہتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

تُبْتُ إِلَيْكَ فَتَقَبَّلْ تَابَتِيْ
وَصُمْتُ رَبِّيْ فَتَقَبَّلْ صَامَتِيْ

میں تجھ سے (اپنے گناہوں کی) معذرت کرتا ہوں، میری معذرت قبول فرما! I have repented towards Thee, and accept then my repentance: I have fasted.O! my Rabb! and accept Thou my fast.

اور میں نے میرے رب! روزہ رکھا ہے، میرے روزے کو قبول فرما!

بمعنی تَوْبَتِیْ اور صَوْمَتِیْ (محکم)۔

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ: اللہ اپنی مغفرت کے ساتھ اس کی طرف لوٹا (الازہری کی تہذیب) یا اللہ نے اس کی معذرت قبول کی اور اُسے معاف کر دیا (تاج، مصباح، جلالین، ۲: ۳۵):

Allah returned to forgiveness towards him, became again forgiving to him: or Allah forgave him, and saved him from acts of disobedience.

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلتَّوْبُ (ن) کے معنی ہیں: گناہ کو باحسن وجوہ ترک کرنا؛ اور یہ معذرت کی بہترین صورت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اعتذار کی تین ہی صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ عذر کرنے والا فعل کا انکار کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی توجیہ یا وجہ بیان کرے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اعترافِ جرم کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا یقین بھی دلائے۔ ان کے علاوہ اعتذار کی چوتھی صورت نہیں ہے، اور اس آخری صورت کا نام توبہ ہے؛ اور شرعاً توبہ یہ ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے اور اپنی کوتاہی پر نادم ہو اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرے۔ اگر ان گناہوں کی تلافی ممکن ہو تو حتی الامکان تلافی کی کوشش کرے۔ الغرض، توبہ کی یہ چار شرائط ہیں جن کے پائے جانے سے توبہ قبول ہوتی ہے۔

تَابَ إِلَى اللّٰهِ: ان باتوں کا تصور کرنا جو انابت إلی اللہ کی متقاضی ہوں۔

اَلتَّائِبُ (اسم فاعل) توبہ کرنے والا؛ نیز توبہ قبول کرنے والا۔ بندہ، اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہے اور

Marfat.com

اللہ توبہ قبول فرماتا ہے؛ اس لیے تائبؑ کا لفظ اللہ اور بندے دونوں پر بولا جاتا ہے۔

اَلتَّوَّابُ: یہ بھی اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جب بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی کثرت سے توبہ کرنے والے کے ہوتے ہیں؛ یعنی وہ شخص جو یکے بعد دیگرے گناہ چھوڑتے چھوڑتے بالکل گناہوں کو ترک کر دے؛ اور جب اللہ تعالیٰ کی صفت میں استعمال ہو تو اس کے معنی کثرت سے بار بار بندوں کی توبہ قبول کرنے والے کے ہوتے ہیں (المفردات)۔

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

تَابَ: اللہ کی طرف ہو تو عَلَیْہِ آتا ہے، بندے کی طرف تاب منسوب ہو تو اِلیٰ آتا ہے: اللہ رحمت سے رجوع یا التفات کرتا ہے، جبکہ بندے معافی و بخشش کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں؛ ندامت محسوس کرنا اور گناہ وغیرہ سے باز آنا۔

★ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرۃ ۲: ۳۷):
پھر آدم نے اپنے پروردگار و آقا سے (چند دُعائیہ) کلمات حاصل کر لیے تو وہ اس پر التفات کرنے لگا۔ یقین کرو کہ وہ بہت زیادہ اور بار بار التفات کرنے — بار بار اور بہت زیادہ رحمت کرنے والا ہے۔

★ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ (المایدۃ ۵: ۳۹): چنانچہ جو شخص اپنے ظُلم کے بعد پچھتائے اور باز آجائے اور اپنی اِصلاح کرے تو یقین کرو کہ اللہ اس کی طرف رحمت سے التفات کرتا ہے۔

تَوْبَةٌ: توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کی ندامت اور گُناہ سے باز رہنے کی عزیمت اور اللہ سے بخشش و رحمت کی دُعا پر دلالت کرتی ہے اور اگر اللہ کی طرف نسبت ہو تو اُس کے معنی ہوں گے اس کی بخشش و مغفرت اور رحیمیّت۔

★ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ (النسآء ۴: ۱۷؛ نیز دیکھیے ۱۸):
صرف اُن لوگوں کی طرف پھر رحمت و مغفرت سے اِلتفات کرنا اللہ پر لازم ہے جو نادانی سے بُرائی کر بیٹھتے ہیں، پھر ساتھ ہی پشیمان ہو کر معافی کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی طرف اللہ اپنی رحمت و مغفرت کے ساتھ پھر التفات کرتا ہے۔

Marfat.com

★ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (المآئدۃ ۵ : ۷۴) : پھر یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے (یعنی اس کے حضور توبہ نہیں کرتے) اور اس سے بخشش و معافی نہیں مانگتے ؟ اور اللہ تو مغفرت کرنے ـــ بہت زیادہ ترس کھانے اور بار بار رحمت ارزانی کرنے والا ہے -

★ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ○ (هُود ۱۱ : ۶۱) : اُسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا (جس طرح دیگر تمام مخلوقات زمین سے پیدا کی ہیں اور کر رہا ہے) اور اس میں تمھیں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور ندامت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرو - میرا ربّ تو ہر ایک کے قریب ہے ـــ سب کی دُعائیں قبول کرنے والا ہے -

نُکتہ : یہ آیہ مُتعدّد دیگر آیات کی طرح اِس واقعیت کا زندہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ اِنسان کو زمین میں سے پیدا کیا ہے نہ کہ جنّتِ سماوی میں ، جسے کسی مُتنفّس نے دیکھا تک نہیں ہے -

تَوَّابِیْنَ : بہت زیادہ اور بار بار اللہ کی طرف رجوع کرنے والے (اس کی مغفرت و رحمت اور نُصرت و ہدایت کے لیے) -

★ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۲۲۲) : جو لوگ مسلسل اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (اس کی رحمت و مغفرت اور نُصرت و ہدایت کی خاطر) ، اللہ اُن سے محبّت کرتا ہے -

نُکتہ : بندے کا بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اس کی اللہ سے شدید محبّت پر دلالت کرتا ہے -

ت ب ع (تبع)

تَبِعَهٗ (مضارع تَبَعُ اور تَبَاعَةٌ) : اُس نے اس کی پیروی یا اتّباع کی ؛ یا وہ اس کے نقشِ قدم پر چلا یا پیچھے پیچھے چلا (صحاح ، مُغرب ، مصباح ، قاموس) = He followed; or went, or walked, behind, or after him, namely, a man, or company of men. = اِتَّبَعَهٗ اور أَتْبَعَهٗ کے بھی یہی معنی ہیں (وہی مآخذ) -

اَتْبَعْتُهُمْ کے معنی ہیں : میں نے انھیں جا لیا ، جبکہ وہ مجھ سے آگے نکل چکے تھے (الفرّا ، ابوعُبید ، صحاح ، قاموس) - بَقَرَةٌ مُتْبِعٌ کے معنی ہیں وہ گائے جس کا بچھڑا اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہو ؛ اور اس بچھڑے کو تَبِیْعٌ کہتے ہیں - اَلتَّبَعَ (تَابِعٌ کی جمع) : پیچھے پیچھے چلنے والا (مآخذِ مذکور) -

Marfat.com

تُبّعٌ : یمن کے بادشاہوں میں سے ہر ایک کا لقب (An appellation) ؛ دیکھیے (صحاح، قاموس)، جن کے قبضے میں حمیر اور حضر موت کے علاقے تھے، بعض کے نزدیک سبا بھی ان کے قبضے میں تھا (قاموس، تاج) - بعض کے نزدیک اس کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جانشین ہو کر اُمورِ حکمرانی میں پہلوں کا اِتّباع کرتے تھے (عین، تاج) - جمع تَبَابِعَةٌ (صحاح) - التَّابِعُ اور التَّبِيْعُ کے معنی ہیں : خادم، مُطیع، فرماں بردار (تاج) - تابعٌ کی جمع ہے اَلتَّابِعِيْنَ ؛ لیکن تَبِيْعًا کے معنی ہیں کسی کے خلاف مُقدمے کی پیروی کرنے والا ؛ یا بازپُرس کرنے یا مطالبہ یا تقاضا کرتے ہوئے پیچھے لگ جانا (تاج، صحاح، قاموس) - التَّابِعَةُ : تابعٌ کا مؤنث خادمہ، ملازمہ -

التَّابِعِي : تابع اور تابعہ کی طرف نسبت : فقہ کی اِصطلاح - وہ مُسلمان جس نے صحابۂ کرامؓ سے ملاقات کی ہو اور اِسلام پر مرا ہو ؛ اور صحابی اُس مُسلمان کو کہتے ہیں جس نے نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دیدار کیا ہو اور آپؐ کی صحبت میں زندہ رہا ہو (لسان، اقرب الموارد) -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

تَبِعٌ : پیروی کرنا، آثار پر چلنا ؛ یا احکام و قوانین کے مطابق زندگی کرنا ؛ اُسوہ کے مطابق روشِ زندگی اِختیار کرنا، کہا ماننا ؛ اطاعت کرنا -

★ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۳۸) ؛ چنانچہ جب بھی میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت (کی کتاب) پہنچے تو جو کوئی اس کے اوامر و نواہی اور تعلیمات و قوانین کے مطابق چلے گا (یا زندگی کرے گا) تو اُس پر نہ تو خوف مُسلّط ہوگا اور نہ وہ غم ہی کھائیں گے -

★ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۙ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْــَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (یٰسٓ ۳۶ : ۲۰-۲۱) : اُس نے کہا : اے میرے بھائیو ! اللہ کے رسولوںؑ کے نقشِ قدم پر چلو ! اُن کے اُسوہ کے مطابق زندگی کرو جو تُم سے ایک تو اجر نہیں مانگتے اور دوسرے حسین و منیر اور فطری و راست راستے پر چل بھی رہے ہیں -

★ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْــــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۷۰) : اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو (ہدایت نامہ) نازل کیا ہے اس (کی ہدایات) کے مطابق روشِ زندگی اِختیار کرو تو وہ جواب

Marfat.com

دیتے ہیں : ہم تو اس روشِ زندگی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے اکابر کو چلتے پایا ہے (اللہ فرماتا ہے) : چاہے اُن کے اکابر نہ تو کسی چیز کو سمجھتے ہوں اور نہ وہ راہِ راست پر ہی ہوں (نیز دیکھیے لقمٰن ۳۱ : ۲۱)۔

★ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ (النجم ۵۳ : ۲۳) : وہ تو محض اپنے وہم و گمان اور اس کی جو ان کے نفسِ (امارہ) خواہش کرتے ہیں ، پیروی کرتے ہیں ؛ (یعنی ان کے مطابق زندگی کرتے ہیں یا روشِ زندگی کرتے ہیں)۔

★ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ ۝ (المؤمن ۴۰ : ۳۸) : بھائیو! میرا کہا مانو ! یا میری طاعت کرو!

★ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (لقمٰن ۳۱ : ۱۵) : (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اُس شخص کی روشِ زندگی اختیار کرو جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔

نُکتہ : یہ آیۂ بصیرت افروز اعجازاتِ قرآن میں سے ہے اور اس میں اُصولِ اتباع اس ایجازِ بلاغت سے بتایا گیا ہے کہ جو آپ اپنی مثال ہے۔

★ فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (الاعراف ۷ : ۱۷۵) : پھر شیطان نے اُس پر قابو پالیا (Satan overtook him) اور وہ راہ گم کردہ لوگوں میں سے ہوگیا = He became of those who are led astray.

★ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۝ (قٓ ۵۰ : ۱۴) : اور تُبَّع کی قوم یا لوگ (یمن کے بادشاہوں کا لقب ، جیسے مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا)۔

خ و ف (خوف)

خَافَ ، اصل میں خَوِفَ (اللیث ، قاموس وغیرہ) ، واحد متکلم خِفْتُ (تاج) مضارع يَخَافُ ، اصل میں يَخْوَفُ (لسان) ، مصدر خَوْفٌ اور خِيفَةٌ ؛ اصل میں خِوْفَةٌ (تاج) : وہ ڈر گیا ؛ خوفزدہ ہوگیا ، یا سہم گیا۔ مترادف فَزِعَ (قاموس ، تاج وغیرہ) = He feared, he was afraid or frightened or terrified.

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْخَوْفُ کے معنی ہیں : قرائن و شواہد سے کسی آنے والے خطرہ کا اندیشہ کرنا ، جیسا کہ رَجَاء اور طَمَعٌ کا لفظ قرائن و شواہد کی بناء پر کسی فائدے کی توقّع پر بولا جاتا ہے۔ خَوْف کی ضد اَمْن آتی ہے ، اور یہ دُنیوی اور اُخروی اُمور پر بولا جاتا ہے۔

اَلْخِيفَةُ : خوف کی حالت۔ اَلتَّخَوُّفُ (تفعّل) انسان کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کے معنی

Marfat.com

اظہارِ خوف کے ہوتے ہیں (المفردات)۔

خَوَافٌ کے معنی ہیں: شور و غوغا (تاج)۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اِس مادّے کے بنیادی معنی ہیں: فزع، پریشانی اور گھبراہٹ (المجمل)۔

تَخَوَّفَهٗ حَقَّهٗ: اس کے حق یا حصّے کو کم کر کے دیا (موضوعِ مذکور)۔

خَوْفٌ کے معنی مقاتلہ، خون ریزی، قتال، قتل = .Slaughter, carnage کے بھی آتے ہیں جیسا قرآن حکیم میں آتا ہے:

★ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ..... (البقرۃ ۲: ۱۵۵): اور ہم یقیناً تمھیں مقاتلہ (یا خونریزی) ایسی چیز سے آزمائیں گے (اللحیانی، قاموس، تاج)۔

اس کے معنی جنگ یا لڑائی کے بھی ہیں .Fighting, battle

انہیں معنی میں اس آیۂ جلیلہ میں خَوْفٌ کا لفظ آیا ہے:

★ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ (الاحزاب ۳۳: ۱۹): پھر جب لڑائی یا جنگ (کا وقت) آئے (قاموس، تاج)۔

خَافَةٌ: شہد نکالنے والے چمڑے یا کھال کا جُبّة یا لبادہ پہنتے ہیں (اخفش، تکملۃ العین، قاموس)۔

خِيفَةٌ: (جمع خِيَفٌ): ایک قسم کا خوف یا ڈر۔

خَائِفٌ: جمع خُوَّفٌ اور خُيَّفٌ یا خِيَّفٌ (صحاح، تاج، قاموس) یا الکسائی کے مطابق خُيَّفٌ اور خِيَفٌ اور خُوَّفٌ: خوف بداماں، سہما ہوا، خوفزدہ، ترساں = .Fearing; being afraid or frightened or terrified.

طَرِيقٌ مَخُوفٌ: خوفناک راستہ، یعنی ایسا راستہ جس پر چلنے سے لوگ ڈرتے ہوں (تکملۃ العین، تاج): .A road in which people fear, or a road that is feared

مَخَاوِفُ: خوف کھانے یا ڈرنے کی جگہ (کنز اللغۃ)۔

از روئے کلیدِ لغاتِ قرآن

خَافَ، اندیشہ ہو (Apprehended)؛ خوف (Fear)؛ خطرہ (Terror)؛ (Dread) ہو۔

★ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا (البقرۃ ۲: ۱۸۲): لیکن اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو (But if anyone apprehends partiality or

Marfat.com

unjustice from the testator.)-

★ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ (ھُود ۱۱ : ۱۰۳) : اِس میں اُس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے خوف کھاتا ہے، عبرت کا سامان ہے : (Verily! herein there is an exemplary sign for him who fears doom of the Hereafter.)-

★ فَاِنْ خِفْتُمْ (البقرۃ ۲ : ۲۳۹) : اگر تم خوف یا خطرے کی حالت میں ہو۔

★ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (المآئدۃ ۵ : ۲۸) : اگر تُو مجھے قتل کرنے کے لیے مُجھ پر وار بھی کرے تو پھر بھی میں تُجھ پر وار نہیں کروں گا، کیونکہ مجھے (اس گناہ کی پاداش میں) اللہ (کے قانونِ مکافاتِ عمل) سے ڈر لگتا ہے جو کُل مخلوقات کا خالق و پروردگار اور مالک ہے۔

اَخَافُ اللّٰهَ کی تفسیر قُرآنِ حکیم نے حسبِ دستور خود ہی کر دی ہے :

★ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (الانعام ۶ : ۱۵) : کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اپنے نشو ونما دینے والے مالک کی نافرمانی کی تو ڈرتا ہوں کہ مجھے اِنتہائی بھیانک دن سخت سزا بھگتنا پڑے گی۔ (Say: I dread, if I disobey my Sustainer– Allah (Lord), retribution of an Awful Day.)

★ لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰی ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۷۷) : تجھے نہ تو پکڑ لیے جانے کا خطر ہو اور نہ (سمندر میں اُترنے کا) ڈر۔ (Without terror of being overtaken and fear not (treading the sea) –)

★ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۶۷) : (حضرت) مُوسیٰؑ نے اپنے جی میں دہشت محسوس کی۔ (So Moses conceived in his mind a terror.)

★ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۳۸) : چنانچہ جو لوگ میری (کتاب) ہدایت (کے احکام وتعلیمات) کی پیروی کریں گے (یعنی اُن کے مطابق زندگی کریں گے)، ان پر نہ خوف مُسلط ہوگا اور نہ وہ غم ہی کھائیں گے۔

ازبس اہم نکتہ : خوف کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو یہ خوفِ محبّت ہوتا ہے۔ محبّت جتنی زیادہ شدید ہوتی ہے، اس میں خوف بھی اتنا ہی زیادہ شدید ہوتا ہے۔ ہمیں یہ اصلِ عظیم فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کُل بنی نوعِ اِنسان کا خالق و رازق اور نشو ونما دینے والا مالک ہے ; رحمٰن ہے یعنی پیکرِ رحمت اور مسلسل اور بدرجۂ اتم

Marfat.com

رحمت ارزانی کرنے والا؛ نیز رحیم، یعنی غایت درجہ، بار بار بخشش ورحم اور کرم نوازی کرنے والا ہے۔ پھر رحمت کو اُس نے اپنے اُوپر لازم کر رکھا ہے اور اس کی رحمت ہر شئے کو محیط ہے؛ اور رحمت شدید ترین محبت یا عشق پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جو پیکرِ حُسن وعشق اور ہمارا ربِّ عاشق اور اِلٰہِ جمیل ہے، اس سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے ڈرنے کے معنی ہیں: اس کی رحمت سے محروم ہو جانے کا خوف۔ مثال کے طور پر، ایک وفادار اور غایت درجہ محبت کرنے والی بیوی جو اپنے شوہر کی ناظورۂ حیات ہو اور اس کا شوہر اس سے عشق کرتا ہو، وہ اس کی گرویدہ ہوگی اور اس سے پیار اور لُطف وکرم کی امیدوار وطلبگار ہوگی نہ کہ اُس سے خوف وخطر محسوس کرے گی۔ لیکن اُسے اپنے شوہر سے جتنی شدید محبت ہوگی اس محبت میں اتنا شدید خوف بھی مُضمر ہوگا۔ یہ خوف شوہر سے بیوفائی یا اس کی حُکم عدولی کرکے اس کی نظروں سے گر جانے اور اس کی محبت ورفاقت سے محروم ہو جانے کا ہوگا۔ بعینہٖ یہی نوعیت اللہ کے خوف کی ہے؛ اور یہی مفہوم ہے زیرِ نظر آیۂ اِیمان افروز کا؛ یعنی جو اہلِ اِیمان وآرزو ربُّ العٰلمین کی کتابِ ہدایت کے احکام وتعلیمات اور ہدایات (Directions) وقوانین کے مطابق کُل زندگی کرنے والے ہوتے ہیں، وہ رہینِ خوف وحُزن نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگ مُتقی، موحّد اور اللہ کے دوست (اولیآءُ اللہ)، نفوسِ مُطمئِنّہ اور اہلِ جنّت ہوتے ہیں (البقرۃ ۲: ۱۱۲؛ یُونس ۱۰: ۶۲؛ فصّلت ۴۱: ۳۰؛ الفجر ۸۹: ۲۷)۔

تَخۡوِيۡفًا: مُتنبّہ کرنا (To warn)؛ مکافاتِ عمل یا خطرے سے آگاہ کرنا۔

★ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ○ (الاسراء ۱۷: ۵۹): اور ہم جو جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، طبیعی، وبائی ایسے انقلابات لاتے ہیں وہ محض لوگوں کو (مکافاتِ عمل سے) مُتنبّہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

★ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ (النحل ۱۶: ۴۷): یا اُنھیں (عذاب) اس وقت قابو کرلے جب اُنھیں آنے والے عذاب کا خوف ہو یا انھیں ڈرایا دھمکایا جا رہا ہو۔

ح ز ن (حزن)

حَزِنَ (مضارع، اور مصدر حَزَنٌ؛ اَحۡتَزَنٌ؛ تَحَزَّنٌ اور تَحَازَنٌ): وہ حُزن یا غم سے متأثر ہوا؛ یعنی اُس نے غم کیا؛ آہ وزاری کی یا نالہ وشیون کیا؛ یا وہ رنجیدہ خاطر، مغموم یا ناخوش ہوا؛ عَلَيۡهِ اور لَهٗ، اس کے لیے (صحاح، مصباح، تاج، قاموس) = He was, or became, affected with حُزۡن, i.e., he grieved, mourned, or lamented; or was sorrowful, sad, or unhappy.

Marfat.com

راغب اِصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلْحُزْنُ و الْحَزَنُ کے معنی ہیں : زمین کی سختی ؛ نیز غم کی وجہ سے بیقراری جو طبیعت میں پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کی ضد فَرَحٌ ہے ؛ اور غم میں چونکہ خشُونت کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے غمزدہ ہونے کے لیے خَشَنَتْ بِصَدْرِہٖ بھی کہا جاتا ہے۔ حَزِنَ (س) غمزدہ ہونا۔ حَزَنَہٗ (ن) و اَحْزَنَہٗ : غمگین یا غمزدہ کرنا۔ درجِ ذیل آیاتِ فکر انگیز

★ وَلَا تَحْزَنُوْا (آلِ عمران ۳ : ۱۳۹) "اور غم نہ کرنا ؛ اور لَا تَحْزَنْ (التوبة ۹ : ۴۰) : غم نہ کر" میں غمگیں ہونے سے منع نہیں کیا ہے، اس لیے کہ فکر یا غم پر کسی کو اِختیار نہیں ہوتا جس سے منع کیا جائے، بلکہ یہاں دراصل ان کاموں کے کرنے سے منع کرنا مقصود ہے جو غم و اندوہ کا باعث بنتے ہیں۔ ان معنی کی بِناء پر شاعر نے کہا ہے :

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ لَا یَرٰی مَا یَسُوْءُہٗ
فَلَا یَتَّخِذْ شَیْئًا یُبَالِیْ لَہٗ فَقْدًا

(جسے یہ اچھا لگتا ہے کہ کوئی چیز اُسے غمگین نہ کرے تو وہ ایسی چیز حاصل نہ کرے جس کے گُم ہوجانے کا اندیشہ ہو) ؛ نیز اِنسان کو دُنیا کے نظام پر غور کرنا چاہیے کہ یہاں کس طرح سلسلۂ اضداد قائم ہے تاکہ جب اُس پر اچانک مصیبت آپڑے تو اس سے زیادہ پریشان نہ ہو ؛ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اِنسان معمولی مُصیبتیں برداشت کرنے کی عادت ڈالے تاکہ بڑے مصائب کو بھی برداشت کرسکے (المفردات)۔

(راغب اِصفہانیؒ کا یہ قول تو درست ہے کہ "غم پر کسی کو اِختیار نہیں ہوتا"، لیکن مصیبت یا بُرا وقت آجائے تو اِنسان کا غم کرنا اور غم و اندوہ میں مُبتلا ہونا ایک فطری امر ہے۔ چنانچہ غمزدہ کو تسلّی دینے کے لیے لَا تَحْزَنْ یا لَا تَحْزَنُوْا بولا جاتا ہے)۔

حَزُنَتِ الْاَرْضُ (مصدر حُزُوْنَۃٌ) : زمین سخت یا کھُردری ہوگئی (تاج)۔

تَحَزَّنَ عَلَیْہِ : اُس نے اس کے لیے واویلا کیا ؛ یا درد و الم کا اِظہار کیا ؛ یا وہ اس کے لیے غمگین ہوا مترادف تَوَجَّعَ (قاموس)۔

حُزْنٌ اور حَزَنٌ : غم، اندوہ، نالہ وشیون، افسردگی : ضد سُرُوْرٌ (تاج، صحاح) : اس کا مترادف هَمٌّ۔ جمع اَحْزَانٌ (قاموس)۔ عَامُ الْحُزْنِ : اس غم انگیز سال کو کہتے ہیں، جس میں حضرت مُحمّد رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پہلی زوجۂ مُطہّرہ حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوا تھا (ثعالب، قاموس)۔

مَحْزُوْنٌ : غمزدہ، غمگین، اندوہگیں، ملول، افسردہ خاطر (صحاح، قاموس، ابو عمر) :

Marfat.com

Grieved; or caused to mourn or lament, or to be sorrowful or sad or unhappy.

حُزُنَۃٌ (جمع حُزَنٌ) : سنگلاخ یا دشوار گزار پہاڑ۔ اِس سے حُزَنٌ کے معنی ہیں : تکالیف، مُشکلات یا مصیبت (تاج) : Difficulties, hardships, or distress. -

از رُوئے کلیدِ لُغاتِ قرآن

تَحْزَنْ : غم، اندوہ، ملال، اضطراب، فکر، (Anxiety)، تشویش۔

★ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (التوبۃ ۹ : ۴۰) : جب آنحضرتؐ اپنے رفیق (غار) سے فرماتے تھے: "فکر نہ کر! اللہ ہمارے ساتھ ہے"! پھر اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے اطمینان وسکون ارزانی کیا۔

نُکتہ : غم کسی حادثے یا مصیبت کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ہوتا ہے، لیکن یہ الفاظ تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دُشمنوں کے آنے کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ سے کہے تھے، جن کو فکر تھی کہ کہیں دشمن آپؐ کو شہید نہ کر دیں، کیونکہ وہ آئے ہی اس لیے تھے۔ مَعَنَا (ہم دونوں) ہمارے اس دعوے کی بُرہانِ قاطع ہے؛ نیز وقوعہ سے پہلے غم نہیں ہوتا، بلکہ خوف، خدشہ ہوتا ہے یا فکر واضطراب؛ اس لیے یہاں لَا تَحْزَنْ کا ترجمہ "فکر نہ کر" موزوں، انسب اور اصح ہے۔

★ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (الحجر ۱۵ : ۸۸) : اور نہ ان کے متعلق فکر ہی کریں۔

★ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آلِ عمران ۳ : ۱۳۹) : اور نہ تو کمزوری دکھانا اور نہ ایسا اقدام کرنا جو باعثِ غم بنے، اگر تمھارے دل ایمان کی قوت سے مُطمئن ہوں گے تو غالب تُم ہی آؤ گے۔

★ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ (الاعراف ۷ : ۴۹) : (مؤمنو!) جنّت میں داخل ہو جاؤ! یہاں تمھارے لیے ڈرنا ہے نہ غم کھانا! یعنی تمھارے لیے ڈرنے کی کوئی بات ہے نہ رنجیدہ خاطر ہونے کی۔

★ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ (یُوسف ۱۲ : ۱۳) : انھوں نے کہا : یہ بات مجھے فکر مند کر رہی ہے کہ تُم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے خوف ہے کہ تُم اس سے بے پروا ہوئے تو کہیں بھیڑیا اُسے کھا جائے۔

Marfat.com

★ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـــِٕيْنَ ○ (القصص ۲۸ : ۸) : چنانچہ فرعون کے لوگوں نے اُسے دریا سے نکال لیا تاکہ اُن کا دشمن اور باعثِ نالہ وشیون بنے - بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر (Hosts) چُوک گئے -

نُکتہ : قُرآنِ حکیم نے اپنے حُسنِ معمول کے مطابق "اٰلُ فرعون" کی خود ہی تفسیر کردی کہ اس کے معنی ہیں ، فرعون کی قوم کے لوگ جو اس کے احکام کو مانتے اور ان کی پیروی کرتے تھے ، یعنی ہامان اور اُن کے لاؤ لشکر (نیز ان کے حامی و مددگار) -

ص ح ب (صحب)

صَحِبَہٗ (مضارع ، اور مصدر صُحْبَۃٌ ، اور صَحَابَۃٌ اور صِحَابَۃٌ) : اُس نے اُس کی رفاقت اختیار کی ، اس کا رفیق ، دوست یا ہمسفر بنا ؛ اُس نے اس کے ساتھ راہ و رسم رکھی ، یا میل جول رکھا ؛ وہ اس کا ہمراہ ہوا (اساس ، قاموس ، صحاح ، تاج ، الزمخشری : مُقدّمۃ الأدب) :

He associated, kept company, or consorted with him, He accompanied him; he was or became his companion, associate, comrade, fellow, friend, or fellow-traveller.

اور صَاحِبَہٗ کے بھی یہی معنی ہیں (تاج) - چنانچہ محاورہ ہے : صَحِبَكَ اللّٰهُ اور صَاحَبَكَ اللّٰهُ (کلمۂ دُعائیہ ہے) : اللہ تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھے ! یا اللہ تمھارا حافظ و ناصر ہو (تاج ، اساس) -

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادّے کے بنیادی معانی ہیں : ساتھ یا قریب رہنا (المجمل) -

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں :

اَلصَّاحِبُ کے معنی ہیں ہمیشہ ساتھ رہنے والا ، خواہ وہ کسی انسان یا حیوان کے ساتھ رہے ، یا مکان یا زمان کے ساتھ ، اور عام اِس سے کہ وہ مصاحبت جسمانی ہو جوکہ اصل اور اکثر ہے یا عنایت و ہمّت کے وسیلے سے ہو ، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے :

لَئِنْ غِبْتَ عَنْ عَيْنِيْ -
لَمَا غِبْتَ عَنْ قَلْبِيْ

(اگرچہ تُو میری آنکھ سے غائب ہے ، لیکن میرے دل سے تو غائب نہیں ہے) -

عُرف میں صاحب صرف اسی کو کہا جاتا ہے جو عام طور پر ساتھ رہے ؛ اور کبھی کسی چیز کے مالک کو بھی

Marfat.com

"ھُوَ صَاحِبُہٗ" کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو بھی جو کسی چیز میں تصرف کا مالک ہو۔ علاوہ بریں، "صاحب" کا لفظ کبھی اُن کی طرف مضاف ہوتا ہے جو کسی کے زیرِ کمان ہوں، مثلاً صَاحِبُ الْجَیْشِ (فوج کا کمانڈر)، اور کبھی حاکم کی طرف، جیسے صَاحِبُ الْاَمِیْرِ (بادشاہ کا وزیر)۔ اَلْمُصَاحَبَۃُ وَالْاِصْطِحَابُ میں لفظ اَلْاِجْتِمَاعُ سے مبالغہ پایا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مُصَاحَبَۃ میں لمبے عرصے تک ساتھ رہنے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور لفظ اِجتماع میں یہ شرط نہیں ہے، لہٰذا اِصْطِحَاب کے موقع پر اِجتماع کا لفظ تو بول سکتے ہیں، مگر اِجتماع کے موقع پر ہر جگہ اِصْطِحَاب کا لفظ نہیں بول سکتے (المفردات)۔

اَصْحَبَ لَہٗ کے معنی ہیں: وہ اس کا فرماں بردار ہو گیا۔ اصل میں اس کے معنی کسی کا مصاحب بن کر اس کے ساتھ رہنے کے ہیں (المفردات)۔ اَصْحَبَ فُلَانًا کے معنی ہیں: اس کی حفاظت کی۔ بیوی چونکہ شوہر کے ساتھ اور اس کی حفاظت میں رہتی ہے، اس لیے اُسے صَاحِبَۃٌ کہتے ہیں۔ یہ مؤنث ہے اَلصَّاحِبُ کی اور اس کی جمع صَاحِبَاتٌ و صَوَاحِبُ۔

اَلصَّحَابَۃُ : وہ اہلِ ایمان جن کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی صحبت و رفاقت نصیب ہوئی۔

اَلصَّحَابِیُّ : صحابہ کی طرف منسوب، ایک صحابی (اساس، اقرب الموارد)۔

از روئے کلیدِ لغاتِ قرآن

صَاحِبٌ : ہمیشہ کا رفیق، صحبت و رفاقتِ مدام رکھنے والا؛ مکین۔

★ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ۝ (التکویر ۸۱: ۲۲): (اے اہلِ مکہ!) اور تمھارے ساتھ رہنے والے تمھارے رفیق یا ساتھی (حضرت محمدؐ) ہرگز دیوانے نہیں ہیں۔

★ مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ط (سبا ۳۴: ۴۶): تمھارے ساتھ بود و باش رکھنے والے ساتھی کو ہرگز سودا یا جنون نہیں ہے۔

★ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی۝ (النجم ۵۳: ۲): تمھارے رفیق نے نہ تو راہِ راست گم کی ہے اور نہ اُس سے بھٹک گیا ہے۔

ان بصیرت افروز آیات کو "صَاحِبُکُمْ" کی بلیغ اصطلاح نے مُعجز نما بنا دیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مکہ مکرمہ میں اپنی نبوّت کا اعلان کیا تو آپ اہلِ مکہ میں ایک عام شہری کی حیثیت سے چالیس برس گزار چکے تھے، اور اہلِ مکہ اِس بات کے مُعترف تھے کہ آپؐ صاحبِ کردار و راست رو، امین و

Marfat.com

صادق اور عقلمند ہیں۔ علاوہ ازیں، آپؐ سے کبھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا جس پر کسی کو گمان گزرتا کہ آپ فاترالعقل دیوانے یا گمراہ ہیں۔ "صَاحِبُکُمْ" کی اصطلاح اہلِ مکّہ کو اِس واقعیت کی یاد دلاتی تھی اور سوال کرتی تھی کہ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ تُم خود اِس پر شاہد ہو تو پھر جواب دو کہ تمھیں موحّد و مؤمن اور صالح بننے کی تاکید کرنے سے دفعتاً کیسے دیوانے اور گمراہ ہو گئے؟ اِس اصطلاح کا اعجاز تھا کہ اہلِ مکّہ کے پاس اِس دعوے اور چیلنج کا کوئی جواب نہ تھا؛ اور انھوں نے بالآخر آپؐ کو پیغمبرِ اعظم و آخر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تسلیم بالیقین کر لیا۔

صَاحِبُہٗ : ہمدمِ دیرینہ، پُرانا دوست۔

★ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ (التوبۃ ۹ : ۴۰) : اس وقت (نبیِ اکرمؐ) اپنے ہمدمِ دیرینہ کو تسلی دیتے تھے کہ (میری) فکر نہ کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صِدّیقِ اکبرؓ کو اپنی نہیں حضرت مُحمّد رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جان کی فکر تھی۔

★ فَلَا تُصٰحِبْنِیْ (الکھف ۱۸ : ۷۶) : تو مجھے معیّت میں نہ رکھیے گا: Keep me not in thy company.

★ وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا (لقمٰن ۳۱ : ۱۵) : اور دُنیا میں ان کے ساتھ احسن طریق سے صحبت و رفاقت رکھ۔ Consort with them in the world benevolently.

اصحاب : اہل۔

★ اَصْحٰبُ النَّارِ (البقرۃ ۲ : ۳۹، ۸۱) : اہلِ نار، ساکنانِ آتش، آگ کے مکین یا باسی : (Inmates of Fire) - یہ لوگ دُنیا میں آتش بقلب وجان رہتے ہیں اور آخرت میں بھی آتش بقلب و بدن رہیں گے۔ برخلاف اس کے،

★ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ (البقرۃ ۲ : ۸۲) : اہلِ جنّت، ساکنانِ بہشت، کیف و سُرور کی جنّت کے مکین یا باسی : (Inmates of Garden of Bliss) - قرآنِ مجید ہی کی اِصطلاح میں یہ نفوسِ مُطمئِنّہ ہیں جن کے قلب وجان دُنیا میں بھی باغ باغ رہتے ہیں اور آخرت یا الحیوان میں بھی باغ باغ رہیں گے، کیونکہ وہ ہمیشہ باغِ سُرور میں رہیں گے۔

★ اَصْحٰبَ السَّبْتِ (النسآء ۴ : ۴۷) : اہلِ سَبت یا منسوب بہ سَبت لوگ۔ چونکہ انھوں نے سبت یا ہفتے کی قید کو توڑا تھا، اس لیے بعض مترجمین نے انگریزی میں اس کا ترجمہ Sabbath breakers کیا ہے، لیکن میرے نزدیک اس کا ترجمہ The people of Sabbath کرنا انسب و اصحّ ہے۔

★ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ (الواقعہ ۵۶ : ۷-۸)؛ اس کا مترادف ہے : اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ○ (۵۶ : ۳۸): دائیں بازو والے (Rightists) : وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ ان خوش نصیب لوگوں کو اُن کا اعمالنامہ قیامت کے

Marfat.com

روز دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو جنّت کا پروانۂ راہداری ہوگا۔ ان کی ضد ہے :

★ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ (الواقعہ ۵۶ : ۹)؛ اور اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ (۵۶ : ۴۱): بائیں بازو والے (Leftists) : وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ ان اہلِ نار کو ان کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو جہنّم کی قید کا پروانہ ہوگا۔

★ اَصۡحٰبِهِمۡ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۹): ان کے ہم مشرب : ایک ہی مذہب، عقیدے اور کردار کے لوگ۔ (People of the same creed, or religion, or faith or disposition)۔

Marfat.com

قرآنِ حکیم

حسنِ تفسیر

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

سورۂ بقرہ ۲
(آیات ۱-۳۹)

جلد دوم

Marfat.com